

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الصلح

یعنی

سوانح قدس حضرت میر عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مجلد ہفتم

شیخ بر منصب نبوت

HEC ID 199

اولاً
 مقدمہ میں منصب نبوت کی حقیقت اور اسکے لوازم و خصائص پر بحث ہے پھر قبل از اسلام نبی
 کے تمدن ممالک اور خصوصاً ملک عرب کی مذہبی و اخلاقی حالت کی تفصیل ہے
 اور اس کے بعد

نبوت محمدی نے دنیا اور عرب کیلئے جس عظیم نشان اصلاح کا فرض انجام دیا، اسکا اجمالی بیان ہے،
 اصلاح کی مشکلات، انکا انسداد، تبلیغ و دعوت اور اُسکی کامیابی، عرب کے عقائد کی اصلاح، شرک کے
 ہر پہلو کی تردید، توحید کی تعمیل، اسلامی عقائد کی تشریح، خدا اور اس کے صفات کا ملکہ، ملائکہ، انبیاء، کتب
 الہی، روز جزا، اور تقدیر پر ایمان کے مباحث، اور ان کے ضمن میں متعدد اہم مسائل کی تشریح،

تالیف

سید سلیمان ندوی

بابا مہم سید علی ندوی

Checked
 1987

مطبع رفیع عظیم گڑھ مطبوعہ گریڈ
 درجہ ہوا، شہر اہم، گڑھ مطبوعہ گریڈ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 كِتَابُ سِتَاب

السنن

یعنی
 سوانحِ قدسِ سرورِ عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مجلد چہارم

میشتمل بر منہجیت

تواریخ

مقدمہ میں منصبیت کی حقیقت اور اس کے لوازم و خصائص پر بحث ہی پھر قبل از اسلام
 دنیا کے تمدنِ ممالک اور خصوصاً ملکِ عرب کی مذہبی و اخلاقی حالت کی تفصیل ہے،

اور اس کے بعد

نبوتِ محمدیؐ نے دنیا اور عرب کیلئے جس عظیم الشان اصلاح کا فرض انجام دیا، اسکا اجمالی بیان ہے، پہلا
 ٹی مشکلات، انکا انسداد، تبلیغ و دعوت اور اسکی کامیابی عرب کے عقائد کی اصلاح، شرک کے ہر پہلو
 کی تردید، توحید کی تکمیل، اسلامی عقائد کی تشریح، خدا اور اس کے صفات کا ملکہ، ملائکہ، انبیاء، ائمتہ الہی،
 روزِ جزا، اور تقدیر پر ایمان کے مباحث اور انکے ضمن میں متحدہ اہم مسائل کی تشریح،

تالیف

سید سلیمان ندوی

باہتمام سید عوعلیٰ ندوی،

۱۹۲۲ء
 مطبع درج معاشراہم سن مطبوعہ گریڈ

فہرست مضامین سیرابی جلد ہفتم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۹۶	پہلا واقعہ	۲۹	بنی اور غیر بنی کے امتیازات		مقدمہ
۹۷	دوسرا واقعہ	۳۵	نبوت کے لوازم اور خصوصیات	۱۵۹-۱	منصب نبوت
۱۰۱	تیسرا واقعہ	۳۸	وہی استعداد		کتاب کا موضوع
۱۰۲	چوتھا واقعہ	۴۱	غیبی علم	۱	آپ کے پیغمبرانہ کارنامے
۱۰۳	پانچواں واقعہ	۴۳	علم انسانی کے اخذ	۲	نبی اور مصلح اور حاکم
۱۰۵	ایک غلط استدلال	۴۳	ذرائع علم کے حصول کے زمانے	۳	نبوت کی حقیقت اور خصوصیات
۱۰۸	عقل بشری	۴۵	اور ان کے مراتب	۵	نبوت و رسالت کے ثبوت کا اچھا
۱۱۱	ملکہ نبوت یا عقل نبوت کا شرعی ثبوت	۵۰	غیر مادی علم		طریقہ
۱۱۲	حکمت	۵۲	علم غیب	۶	تفصیلی ثبوت کے تین طریقے
۱۲۲	کتاب و حکمت کی تعلیم	۵۶	غیب کی حقیقت		پہلا طریقہ
۱۲۶	علم وحکم	۵۸	وحی اور ملکہ نبوت		دوسرا طریقہ
۱۲۷	شرح صدر	۵۹	کتاب اور سنت		تیسرا طریقہ
۱۳۶	تبین کتاب	۶۲	وحی متلو اور وحی غیر متلو	۹	نبی کی ضرورت
۱۳۹	ادارت	۶۲	احادیث قرآن کا بیان زمین	۱۰	نبی کی عصمت
۱۴۲	رسول کا وجود مستقل ہدایت ہے	۶۴	الہام و اجتہاد و حکمت		نبی کی مجاہدیت
۱۴۳	توحید	۶۸	اجتہاد نبوت		مصلحین
۱۴۸	آیات و ملکوت کی رویت	۷۸	عصمت اور بیگناہی		مصلحین کے اقسام
۱۴۹	سارع غیب	۸۱	بعض شبہات کا ازالہ	۱۲	نبی کی دو بعثتیں
۱۵۰	توحید و نبوت	۸۶	حکمت	۱۳	ہفت کے لیے کسی قوم کا انتخاب
۱۵۸	ایک شبہ کا ازالہ	۹۴	نبی کی بشریت	۱۴	ہفت کا زمانہ
۱۵۳	انبیاء کی تعلیم کا امتیازی عقیدہ	۹۵	اجتہاد نبوی میں خطا		نبی کی نبی کا یہابی
		۹۶	اس خطا کے معنی	۲۴	اہل بیت اور اس کا جواب
			پانچ اجتہاد کی اہمیت تشریح		

جملہ مباحثہ
غلط و سچ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۳۹	ذہن اور حافظہ کے تیز تھے،	۲۰۸	جنگجوی	۱۵۴	نبوت کی غرض و غایت
"	فیاض تھے،	۲۰۹	شراب خواری	۱۵۸	تائید و نصرت
۲۴۰	مساوات پسند تھے،	۲۲۰	تسمار بازی	۱۵۹	خاتمہ
"	علی تھے،	۲۲۲	سود خواری	شبِ ظلمت	
۲۴۱	ان اوصاف کی مصلحت،	۲۲۳	لوٹ مار		
صبح سعادت ۲۴۲ - ۲۴۹		۲۲۵	چوڑی	۲۳۳ - ۱۶۰	پیغمبر اسلام کی بعثت کے وقت
		۲۲۷	سفاکی و سیرجی و وحشت،	دنیائی مذہبی اور اخلاقی حالت	
۲۴۲		"	زنا اور فواحش		
		۲۲۹	بے شرمی و بے حیائی	۱۶۰	
۲۴۳	اصلاح و ہدایت کی مشکلات	۲۳۰	عورتوں پر ظلم		
۲۴۴	جہالت	۲۳۲	وحشت و جہالت	ظہور اسلام کے وقت دنیا کی تمدنی اور مذہبی حالت کیا تھی؟	
۲۴۹	آبائی دینِ روم کی پابندی	عربوں کے خصوصیات			
۲۵۲	توہم پرستی				
۲۵۶	قبائل کی خانہ جنگیان	خیر الائم بننے کی اہلیت			
۲۶۱	سیاسی مشکلات				
۲۶۲	ذریعہ معاش	ظہور اسلام کے وقت عربی مذہبی و اخلاقی حالت			
۲۶۷	رفع شک				
تبلیغِ نبوی		۲۳۳	صحبتِ نب	۱۹۱	
		۲۳۶	کسی پہلے مذہب میں داخل نہ تھے،		
اور اسکے اصول اور اسکی کامیابی کے اسباب		"	محکوم نہ تھے،	۱۹۳	
		۲۳۷	کتابی فاسد تعلیم سے نا آشنا تھے،		
۳۱۱ - ۲۷۰		"	وہ زمین کے وسط میں آباد تھے،	۲۰۰	
		۲۳۸	بعض اخلاقی خوبیاں،		
۲۷۵		"	شجاع و بہادر تھے،	۲۰۲	
		۲۴۱	پر جوش تھے،		
۲۴۲	حکمو تھے،	۲۰۷			
۲۴۵	عقل و دانش والے تھے،			۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		"	حکمو تھے،		
		۲۴۱	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۷	
۲۷۵		۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،		
		"	پر جوش تھے،	۲۰۷	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۷۴	خدا کی حقیقی عظمت	۳۷۵-۳۸۸	عقائد کی حقیقت اور اہمیت	۲۷۹	قولِ لَیْن
۳۷۷	انسان کا مرتبہ	اللہ تعالیٰ پر ایمان ۳۲۶ - ۴۳۴		۲۷۷	اعراض اور قولِ یٰلَیْن،
۳۸۱	خدا کا جامع اور مانع تخیل			"	تیسیر و تبشیر
۳۸۴	اسماء و صفات			۲۷۸	تذبیح
۳۹۶	صفاتِ جمالی	۳۲۷	اصلاح عقائد	"	تأییدِ قلب
۳۹۹	صفاتِ جلالی	"	تعدّدِ خدا کا ابطال	۲۷۹	دعوتِ عقل
"	نکتہ	۳۲۹	بزرگوں کی شرکاء نہ تعظیم سے روکنا	۲۸۱	مذہبِ یمن زبردستی نہیں
۴۰۰	صفاتِ کمالی	۳۳۳	درمیانی واسطوں کا شرکاء نہ اعتقاد	۲۸۴	میدانِ جنگ میں تبلیغ
"	صفاتِ وحدانیت	۳۳۴	خوارقِ خدا کے حکم سے ہوتے ہیں	۲۸۹	مسلم تبلیغی جماعتیں
۴۰۱	صفاتِ وجودی	۳۳۶	حرّ اُمّ و طلال کرنا خدا کا کام ہے	۲۹۰	تبلیغ و دعوت کی تنظیم
"	علم	"	غیر خدا کی شرکاء نہ تعظیم	۲۹۱	مبتلّوں کی تعلیم و تربیت
۴۰۲	قدرت	۳۳۷	صفاتِ الہی کی توحید	"	دعوتِ بالقرآن
۴۰۳	نکتہ	۳۴۰	مختفی قوتوں کا ابطال	۲۹۲	اشاعتِ اسلام کی قدرتی ترتیب
۴۰۴	تزیینہ	۳۴۲	اوہام و خرافات کا ابطال	۲۹۳	قبولِ اسلام کیلئے کیا چیز درکار تھی
۴۰۵	ان تعلیمات کا اثر اخلاقِ انسانی پر	۳۴۴	کفرانہ اور شفاعت کے غلط معنی	۲۹۶	اشاعتِ اسلام کے اسباب و ذرائع
۴۱۲	خدا کا ڈرا اور پیارا	"	کی تردید	۳۰۳	ایک ضروری نکتہ
"	محبت کیساتھ خوف و خشیت کی تعلیم	۳۵۲	اجرامِ سماوی کی قدرت کا انکار	۳۰۴	موانع کا ازالہ
۴۱۶	محبت کے جسمانی اصطلاحات کی نفی	۳۵۳	غیر خدا کی قسم سے روکنا	اسلام محمد رسول اللہ کا پیغمبرانہ کام ۳۱۲ - ۳۱۷	
۴۲۲	تعلیماتِ اسلامی میں محبتِ الہی کے مظاہر	۳۵۴	خدا کی خشیت میں کوئی شرک نہیں		
فرشتوں پر ایمان ۴۳۵ - ۴۵۲		۳۵۶	مشبہاتِ شرک کی ممانعت		
		۳۵۷	قبر پرستی اور یادگار پرستی سے روکنا		
۴۳۵	ملائکہ کے معنی	"	دُعا اور عدمِ خلاص بھی معنوی شرک ہے	۳۱۲	تعلیماتِ نبوی کی ہمہ گیری
"	ملائکہ کا تخیل مذاہبِ قدیم میں	۳۶۱	توحید اور اُس کے یحبابی اصول اور ان	۳۱۶	اسلام کے چار حصے
"	ملائکہ کا تخیل فلسفہ میں	"	اللہ تعالیٰ کی ہستی پر دلیل	عقائد ۳۱۸ - ۴۸۶	
"	یونانی مصری فلسفہ	۳۷۲	توحید پر عقلی دلیلیں		
۴۳۶	یونانی فلسفہ	۳۷۴	توحید کی نگین		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۳۷	صاحبی	۴۳۷	کتاب الہی پر ایمان	۴۳۷	صاحبی
۴۳۸	اسلام میں فرشتوں کی حقیقت	۴۳۸	کتاب الہی پر ایمان لانے کا مقصد	۴۳۸	اسلام میں فرشتوں کی حقیقت
۴۳۹	اس عقیدہ کی حقیقی حیثیت	۴۳۹	اس عقیدہ کا تکمیلی پہلو	۴۳۹	اس عقیدہ کی حقیقی حیثیت
۴۴۰	آیات و احادیث میں ملائکہ کا ذکر	۴۴۰	تمام کتب الہی پر ایمان لانا ضروری ہے	۴۴۰	آیات و احادیث میں ملائکہ کا ذکر
۴۴۱	ملائکہ کے فرائض	۴۴۱	انبیاء قدیم کے غیر معلوم الاسم	۴۴۱	ملائکہ کے فرائض
۴۴۲	فلسفہ و مذاہب کی ملائکہ کے تعلق	۴۴۲	صحائف	۴۴۲	فلسفہ و مذاہب کی ملائکہ کے تعلق
۴۴۳	بے اعتدالی	۴۴۳	چار معلوم الاسم آسمانی صحائف	۴۴۳	بے اعتدالی
۴۴۴	فرشتوں پر ایمان لانے کا مقصد	۴۴۴	اس عقیدہ کا اثر سیاسیات عالم پر	۴۴۴	فرشتوں پر ایمان لانے کا مقصد
۴۴۵	رسولوں پر ایمان	۴۴۵	اقوام عالم کی قانونی تقسیم اور ان کے حقوق	۴۴۵	رسولوں پر ایمان
۴۴۶	ایک عام غلط فہمی کا ازالہ	۴۴۶	مسلمان	۴۴۶	ایک عام غلط فہمی کا ازالہ
۴۴۷	نبوت کسی ملک یا قوم سے مخصوص نہیں	۴۴۷	اہل کتاب	۴۴۷	نبوت کسی ملک یا قوم سے مخصوص نہیں
۴۴۸	تمام دنیا میں پیغمبر آئے	۴۴۸	شعبہ اہل کتاب	۴۴۸	تمام دنیا میں پیغمبر آئے
۴۴۹	تمام پیغمبروں کی صداقت کا اعتراف	۴۴۹	کفار اور مشرکین	۴۴۹	تمام پیغمبروں کی صداقت کا اعتراف
۴۵۰	پیغمبروں میں تفریق کی مانیت	۴۵۰	وحدۃ الادیان	۴۵۰	پیغمبروں میں تفریق کی مانیت
۴۵۱	پیغمبروں کی غیر محدود تعداد	۴۵۱	تمام سچے مذاہب ایک ہیں	۴۵۱	پیغمبروں کی غیر محدود تعداد
۴۵۲	مختلف قیہ پیغمبروں کی رسالت کا استناد	۴۵۲	دین اور شریعت، منک، سماج کا فرق	۴۵۲	مختلف قیہ پیغمبروں کی رسالت کا استناد
۴۵۳	پیغمبروں کی واضح حقیقت کا اظہار	۴۵۳	صحیفہ و قافو قیہ کیوں نازل ہوئے	۴۵۳	پیغمبروں کی واضح حقیقت کا اظہار
۴۵۴	پیغمبروں کا منصب اور فرائض	۴۵۴	وحدت دین پر قرآن کی شہادت	۴۵۴	پیغمبروں کا منصب اور فرائض
۴۵۵	پیغمبروں کی عصمت	۴۵۵	وحدت دین کی دعوت عامہ	۴۵۵	پیغمبروں کی عصمت
۴۵۶	قرآن میں پیغمبروں کا جامع تذکرہ	۴۵۶	دینِ قسیم	۴۵۶	قرآن میں پیغمبروں کا جامع تذکرہ
۴۵۷	وہ انبیاء جن کا ذکر قرآن میں نہیں ہے	۴۵۷	اسلام اور مذاہبِ قدیمہ کا اتحاد	۴۵۷	وہ انبیاء جن کا ذکر قرآن میں نہیں ہے
۴۵۸	ایسے انبیاء کی شناخت کا اصول	۴۵۸	دین ہمیشہ ایک ہے	۴۵۸	ایسے انبیاء کی شناخت کا اصول
۴۵۹	انبیاء کی باہمی ترجیح کا مسئلہ	۴۵۹	شرعہ اور سماج میں تبدیلی ہونی	۴۵۹	انبیاء کی باہمی ترجیح کا مسئلہ
۴۶۰	اس کی شالین	۴۶۰	تبدیل قبلہ	۴۶۰	اس کی شالین
۴۶۱	خانہ کعبہ کے حج کی تعیین	۴۶۱	مہود یون اور عیسائیوں کو اپنی کتابوں پر عمل کرنے کی ہدایت	۴۶۱	خانہ کعبہ کے حج کی تعیین
۴۶۲	مسلمانوں کو شریعت اسلام پر عمل کرنے کا حکم	۴۶۲	صحیفہ محمدی نے اگلی کتابوں کی تصدیق کی	۴۶۲	مسلمانوں کو شریعت اسلام پر عمل کرنے کا حکم
۴۶۳	اہل کتاب نے اپنی کتابوں کو چھوڑ کر اپنا دین اہل کتاب کی پیروی کی	۴۶۳	حدود میں شریعتوں کا اختلاف غیر عام ہے	۴۶۳	اہل کتاب نے اپنی کتابوں کو چھوڑ کر اپنا دین اہل کتاب کی پیروی کی
۴۶۴	یہود و نصاریٰ فروعی اختلافات پر ایک دو ستر کو برسرِ باطل کہتے تھے	۴۶۴	وہ مسلمانوں کو یہودیت و نصاریت کی دعوت دیتے تھے	۴۶۴	یہود و نصاریٰ فروعی اختلافات پر ایک دو ستر کو برسرِ باطل کہتے تھے
۴۶۵	اسلام کی دعوت اصل دینِ ابراہیمی کی جانب	۴۶۵	اسلام کا نام اہل مذاہب کو کیا ہے	۴۶۵	اسلام کی دعوت اصل دینِ ابراہیمی کی جانب
۴۶۶	قبول عمل کے لیے ایمان شرط ہے	۴۶۶	ایمان و عمل کے لیے نبی کی تصدیق ضروری ہے	۴۶۶	قبول عمل کے لیے ایمان شرط ہے
۴۶۷	اسلام کامل تمام رسولوں کی تصدیق ہے	۴۶۷	یہود و نصاریٰ انبیاء کی تکذیب کرتے رہے	۴۶۷	اسلام کامل تمام رسولوں کی تصدیق ہے
۴۶۸	اس لیے اصل اسلام سے ہٹ گئے	۴۶۸	یہود و نصاریٰ کا "حنِ عمل"	۴۶۸	اس لیے اصل اسلام سے ہٹ گئے
۴۶۹	اسلام کامل الاصول تو حیدر اور ساعی	۴۶۹	اسلام کامل الاصول تو حیدر اور ساعی	۴۶۹	اسلام کامل الاصول تو حیدر اور ساعی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۸۸	ان تینوں دوروں میں فسق	۴۹۱	قرآن کی بقاء اور حفاظت کی ذمہ داری	۴۸۵	اسلام کا ہدایت نامہ ہونا
	۱۔ برنخ		اللہ تعالیٰ پر		توحید کا ل کے بغیر نجات کئی کا کوئی
	۴۹۸ - ۵۲۸		قرآن کے لفظ و عبارت و معنی کی		مستی نہیں،
۴۹۸	قرآن مجید میں لفظ برنخ اور اسکے معنی		حفاظت کے لیے وعدہ الہی		بنوت محمدی کا دعویٰ
۴۹۹	قبر، برنخ کا عرف عام ہے	۴۹۲	قرآن کا "غالب" ہونا	۴۸۶	دعوت محمدی میں ہدایت کی بشارت
	موت و حیات کی منزلیں		ختم نبوت	۴۸۸	اہل مذاہب اور تمام انسانوں کو دھوکہ
	قرآن میں دو موتوں اور دو حیاتوں کا ذکر		وحدت، دین اور دین اسلام،		محمدی کیون پیش لگائی
	دونوں موتوں اور حیاتوں کی تشریح		وحدت، دین کا منشاء اصل اسلام ہی		انگیل دین
۵۰۰	عالم برنخ کی کیفیت		صحیفہ محمدی نے اہل کتاب کو وحدت		قرآن کے سوا کسی صحیفہ نے دین الہی
	نیز اور موت کی مشابہت	۴۹۳	دین کی دعوت دی		کی انگیل کا دعویٰ نہیں کیا
			وحدت، دین کی حقیقت صحیفہ محمدی		حضرت موسیٰ کی بشارت ایک لفظ
			ہیں		بنی کے لیے
	نیز اور موت کا فرق			۴۸۹	حضرت عیسیٰ کی بشارت ایک آئے
	قرآن میں موت کی تشبیہ نیت ہے				والے نبی کے لیے
۵۰۱	برنخ کی زندگی کی تعبیر نیت ہے				موجود الہم (صلعم) کی آمد اور اس
	قرآن میں دوسری زندگی کے لیے	۴۹۵	یہ اسلام کے سلسلہ ایمانیات کی آخری		کا دعویٰ
	"بحث" کا لفظ		گڑی ہے	۴۸۹	وحی الہی کی جانب سے انگیل دین
۵۰۲	خواب میں لذت و الم		آخرۃ کے لفظی معنی اور مفہوم		کا اعلان
	خواب کی خیالی دنیا کا جسم پائزہ نامہ ہونا	۴۹۷	آخرۃ سے مراد عالم بعد الموت ہے		انگیل دین کے اثرات و مظاہر
	عالم خواب کی لذت و الم کا خاتمہ برسر		قرآن میں ایمان باللہ کے بعد ہے	۴۹۰	قرآن کا یہی ہونا
	میں		زیادہ زور ایمان آخرۃ پر ہے		قرآن کا تمام اگلی کتابوں کی صداقتوں
	اور بیداری کی لذت و الم کا خاتمہ		آیندہ زندگی کے دو دوسری برنخ و نبوت		اور تعلیموں پر مشتمل ہونا
	عالم خواب میں		توراة و انجیل میں برنخ و نبوت کی تفصیل		قرآن محفوظ ہے اور رہیگا
	عالم خواب کے لذت و الم کے فلسفہ		نہیں		اگلی کتاب میں تحریفات و تصرفات
	اسباب و مصل		اسلام اور یوم آخرت کی تفصیل		سے بری نہیں
	خوبے ہوئے احساسات و معلومات		اسلام میں تین دور ہائے حیات، دنیا،	۴۹۱	قدیم مذاہب داعی مذمتی اس لیے
	کا خواب میں متشکل ہو کر نظر آنا		برنخ اور قیامت		داعی حفاظت کا وعدہ نہ تھا

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۲۱	جسم مٹائی میں متشکل ہوتی ہیں، جسم خاکی کی طرح جسم مٹائی میں بھی لذت والہم کا احساس ہوتا ہے،	۵۱۲	کافاش ہو جانا، احوالِ برزخ کا عین یقین موت کے بعد عالمِ برزخ کی ابتدا، عالمِ برزخ میں جزا و سزا کے پس پر مشاہدہ کی شہادتیں قرآن مجید میں، موت کے بعد خدا کی طرف روح کی بازگشت، موت کے لیے قرآن مجید میں خدا کی طرف بازگشت کی اصطلاح اور اس کا مفہوم، اس وقت کا سامان، موت کے سامان کا خاکہ قرآن مجید میں، جسم سے روح کی علیحدگی کے بعد سزا کا دور، سزا قانون عمل کے مطابق انسانی اعمال کا نتیجہ ہے، نیکو کاروں کو بشارتیں، برزخ کا عذاب و راحت برزخ میں عذاب و ثواب کے مناظر، برزخ اور اس کے عذاب و ثواب کا تذکرہ قرآن مجید میں، قبر کی اصطلاح احادیث میں برزخ کا اصطلاحی نام قبر ہے، قبر کا مفہوم، قبر ارواح و نفوس کی دنیا ہے، قبر کی رو میں جسم خاکی کے بجائے	۵۰۳	اچھے اور برے اعمال کے نقوش ذہن انسانی کے گوشوں میں، تمثیلی خواب اور اس کی مثالیں جسم انسانی میں مختلف مادوں کی کمی بیشی سے خواب میں ان کے متناسب مجسم شکلیں اور ان کی مثالیں اعمال انسانی کا خواب میں اپنے متناسب قالب میں مجسم ہونا، اور ان کی مثالیں، اعمال کی تمثیلات قرآن مجید میں، اعمال کی تمثیلات احادیث میں، گناہوں کی تمثیلی سزائیں، آنحضرت صلعم کے ایک دیباچے وقف میں مختلف گناہوں کی مختلف تمثیلی سزائوں کے مناظر، ان تمثیلات کی تعبیر و تشریح علم نفس سے انسان کی لاعلمی تصور ہی یقین اور خارجی وجود کا باجہی تسلیم، قرآن پاک میں یقین کی دو قسمیں علم و عین یقین، علم یقین کے حصول کا فریضہ ایمان ہے، علم یقین کے فریضہ و نزخ کا مشاہدہ دنیا میں، موت کے بعد حجابِ ابدیت کا اٹھنا اور اعمال کے عکس بننے کی گویا سنگدیکھنا، قیام روز جزا پر تمام لازمات سے سرسبز
۵۲۳	بعض مسجد رو میں جسم خاکی کی شکل کی قید سے آزاد کر دیا جاتی ہیں، مٹی کی قبروں میں عذاب کی شہادت، سوال و جواب قبر میں فرشتوں کا توحید و رسالت کے متعلق سوال، قبر کے سوال و جواب کا ذکر قرآن مجید میں، سوال و جواب کا اصل مفہوم، برزخ میں ارواح کا سکون،	۵۱۴	۵۱۵	۵۰۴	۵۰۵
۵۲۵	۵۲۸	۵۱۶	۵۱۷	۵۰۶	۵۰۷
۵۲۸	۵۲۹	۵۱۸	۵۱۹	۵۰۸	۵۰۹
۵۲۹	۵۳۰	۵۲۱	۵۲۲	۵۱۰	۵۱۱
۵۳۰	۵۳۱	۵۲۳	۵۲۴	۵۱۲	۵۱۳
۵۳۱	۵۳۲	۵۲۵	۵۲۶	۵۱۴	۵۱۵
۵۳۲	۵۳۳	۵۲۷	۵۲۸	۵۱۶	۵۱۷
۵۳۳	۵۳۴	۵۲۹	۵۳۰	۵۱۸	۵۱۹
۵۳۴	۵۳۵	۵۳۱	۵۳۲	۵۲۰	۵۲۱
۵۳۵	۵۳۶	۵۳۳	۵۳۴	۵۲۲	۵۲۳
۵۳۶	۵۳۷	۵۳۵	۵۳۶	۵۲۴	۵۲۵
۵۳۷	۵۳۸	۵۳۷	۵۳۸	۵۲۶	۵۲۷
۵۳۸	۵۳۹	۵۳۹	۵۴۰	۵۲۸	۵۲۹
۵۳۹	۵۴۰	۵۴۱	۵۴۲	۵۳۰	۵۳۱
۵۴۰	۵۴۱	۵۴۳	۵۴۴	۵۳۲	۵۳۳
۵۴۱	۵۴۲	۵۴۵	۵۴۶	۵۳۴	۵۳۵
۵۴۲	۵۴۳	۵۴۷	۵۴۸	۵۳۶	۵۳۷
۵۴۳	۵۴۴	۵۴۹	۵۵۰	۵۳۸	۵۳۹
۵۴۴	۵۴۵	۵۵۱	۵۵۲	۵۴۰	۵۴۱
۵۴۵	۵۴۶	۵۵۳	۵۵۴	۵۴۲	۵۴۳
۵۴۶	۵۴۷	۵۵۵	۵۵۶	۵۴۴	۵۴۵
۵۴۷	۵۴۸	۵۵۷	۵۵۸	۵۴۶	۵۴۷
۵۴۸	۵۴۹	۵۵۹	۵۶۰	۵۴۸	۵۴۹
۵۴۹	۵۵۰	۵۶۱	۵۶۲	۵۵۰	۵۵۱
۵۵۰	۵۵۱	۵۶۳	۵۶۴	۵۵۲	۵۵۳
۵۵۱	۵۵۲	۵۶۵	۵۶۶	۵۵۴	۵۵۵
۵۵۲	۵۵۳	۵۶۷	۵۶۸	۵۵۶	۵۵۷
۵۵۳	۵۵۴	۵۶۹	۵۷۰	۵۵۸	۵۵۹
۵۵۴	۵۵۵	۵۷۱	۵۷۲	۵۶۰	۵۶۱
۵۵۵	۵۵۶	۵۷۳	۵۷۴	۵۶۲	۵۶۳
۵۵۶	۵۵۷	۵۷۵	۵۷۶	۵۶۴	۵۶۵
۵۵۷	۵۵۸	۵۷۷	۵۷۸	۵۶۶	۵۶۷
۵۵۸	۵۵۹	۵۷۹	۵۸۰	۵۶۸	۵۶۹
۵۵۹	۵۶۰	۵۸۱	۵۸۲	۵۷۰	۵۷۱
۵۶۰	۵۶۱	۵۸۳	۵۸۴	۵۷۲	۵۷۳
۵۶۱	۵۶۲	۵۸۵	۵۸۶	۵۷۴	۵۷۵
۵۶۲	۵۶۳	۵۸۷	۵۸۸	۵۷۶	۵۷۷
۵۶۳	۵۶۴	۵۸۹	۵۹۰	۵۷۸	۵۷۹
۵۶۴	۵۶۵	۵۹۱	۵۹۲	۵۸۰	۵۸۱
۵۶۵	۵۶۶	۵۹۳	۵۹۴	۵۸۲	۵۸۳
۵۶۶	۵۶۷	۵۹۵	۵۹۶	۵۸۴	۵۸۵
۵۶۷	۵۶۸	۵۹۷	۵۹۸	۵۸۶	۵۸۷
۵۶۸	۵۶۹	۵۹۹	۶۰۰	۵۸۸	۵۸۹
۵۶۹	۵۷۰	۶۰۱	۶۰۲	۵۹۰	۵۹۱
۵۷۰	۵۷۱	۶۰۳	۶۰۴	۵۹۲	۵۹۳
۵۷۱	۵۷۲	۶۰۵	۶۰۶	۵۹۴	۵۹۵
۵۷۲	۵۷۳	۶۰۷	۶۰۸	۵۹۶	۵۹۷
۵۷۳	۵۷۴	۶۰۹	۶۱۰	۵۹۸	۵۹۹
۵۷۴	۵۷۵	۶۱۱	۶۱۲	۶۰۰	۶۰۱
۵۷۵	۵۷۶	۶۱۳	۶۱۴	۶۰۲	۶۰۳
۵۷۶	۵۷۷	۶۱۵	۶۱۶	۶۰۴	۶۰۵
۵۷۷	۵۷۸	۶۱۷	۶۱۸	۶۰۶	۶۰۷
۵۷۸	۵۷۹	۶۱۹	۶۲۰	۶۰۸	۶۰۹
۵۷۹	۵۸۰	۶۲۱	۶۲۲	۶۱۰	۶۱۱
۵۸۰	۵۸۱	۶۲۳	۶۲۴	۶۱۲	۶۱۳
۵۸۱	۵۸۲	۶۲۵	۶۲۶	۶۱۴	۶۱۵
۵۸۲	۵۸۳	۶۲۷	۶۲۸	۶۱۶	۶۱۷
۵۸۳	۵۸۴	۶۲۹	۶۳۰	۶۱۸	۶۱۹
۵۸۴	۵۸۵	۶۳۱	۶۳۲	۶۲۰	۶۲۱
۵۸۵	۵۸۶	۶۳۳	۶۳۴	۶۲۲	۶۲۳
۵۸۶	۵۸۷	۶۳۵	۶۳۶	۶۲۴	۶۲۵
۵۸۷	۵۸۸	۶۳۷	۶۳۸	۶۲۶	۶۲۷
۵۸۸	۵۸۹	۶۳۹	۶۴۰	۶۲۸	۶۲۹
۵۸۹	۵۹۰	۶۴۱	۶۴۲	۶۳۰	۶۳۱
۵۹۰	۵۹۱	۶۴۳	۶۴۴	۶۳۲	۶۳۳
۵۹۱	۵۹۲	۶۴۵	۶۴۶	۶۳۴	۶۳۵
۵۹۲	۵۹۳	۶۴۷	۶۴۸	۶۳۶	۶۳۷
۵۹۳	۵۹۴	۶۴۹	۶۵۰	۶۳۸	۶۳۹
۵۹۴	۵۹۵	۶۵۱	۶۵۲	۶۴۰	۶۴۱
۵۹۵	۵۹۶	۶۵۳	۶۵۴	۶۴۲	۶۴۳
۵۹۶	۵۹۷	۶۵۵	۶۵۶	۶۴۴	۶۴۵
۵۹۷	۵۹۸	۶۵۷	۶۵۸	۶۴۶	۶۴۷
۵۹۸	۵۹۹	۶۵۹	۶۶۰	۶۴۸	۶۴۹
۵۹۹	۶۰۰	۶۶۱	۶۶۲	۶۵۰	۶۵۱
۶۰۰	۶۰۱	۶۶۳	۶۶۴	۶۵۲	۶۵۳
۶۰۱	۶۰۲	۶۶۵	۶۶۶	۶۵۴	۶۵۵
۶۰۲	۶۰۳	۶۶۷	۶۶۸	۶۵۶	۶۵۷
۶۰۳	۶۰۴	۶۶۹	۶۷۰	۶۵۸	۶۵۹
۶۰۴	۶۰۵	۶۷۱	۶۷۲	۶۶۰	۶۶۱
۶۰۵	۶۰۶	۶۷۳	۶۷۴	۶۶۲	۶۶۳
۶۰۶	۶۰۷	۶۷۵	۶۷۶	۶۶۴	۶۶۵
۶۰۷	۶۰۸	۶۷۷	۶۷۸	۶۶۶	۶۶۷
۶۰۸	۶۰۹	۶۷۹	۶۸۰	۶۶۸	۶۶۹
۶۰۹	۶۱۰	۶۸۱	۶۸۲	۶۷۰	۶۷۱
۶۱۰	۶۱۱	۶۸۳	۶۸۴	۶۷۲	۶۷۳
۶۱۱	۶۱۲	۶۸۵	۶۸۶	۶۷۴	۶۷۵
۶۱۲	۶۱۳	۶۸۷	۶۸۸	۶۷۶	۶۷۷
۶۱۳	۶۱۴	۶۸۹	۶۹۰	۶۷۸	۶۷۹
۶۱۴	۶۱۵	۶۹۱	۶۹۲	۶۸۰	۶۸۱
۶۱۵	۶۱۶	۶۹۳	۶۹۴	۶۸۲	۶۸۳
۶۱۶	۶۱۷	۶۹۵	۶۹۶	۶۸۴	۶۸۵
۶۱۷	۶۱۸	۶۹۷	۶۹۸	۶۸۶	۶۸۷
۶۱۸	۶۱۹	۶۹۹	۷۰۰	۶۸۸	۶۸۹
۶۱۹	۷۰۰	۷۰۱	۷۰۲	۶۹۰	۶۹۱
۷۰۰	۷۰۱	۷۰۳	۷۰۴	۶۹۲	۶۹۳
۷۰۱	۷۰۲	۷۰۵	۷۰۶	۶۹۴	۶۹۵
۷۰۲	۷۰۳	۷۰۷	۷۰۸	۶۹۶	۶۹۷
۷۰۳	۷۰۴	۷۰۹	۷۱۰	۶۹۸	۶۹۹
۷۰۴	۷۰۵	۷۱۱	۷۱۲	۷۰۰	۷۰۱
۷۰۵	۷۰۶	۷۱۳	۷۱۴	۷۰۲	۷۰۳
۷۰۶	۷۰۷	۷۱۵	۷۱۶	۷۰۴	۷۰۵
۷۰۷	۷۰۸	۷۱۷	۷۱۸	۷۰۶	۷۰۷
۷۰۸	۷۰۹	۷۱۹	۷۲۰	۷۰۸	۷۰۹
۷۰۹	۷۱۰	۷۲۱	۷۲۲	۷۱۰	۷۱۱
۷۱۰	۷۱۱	۷۲۳	۷۲۴	۷۱۲	۷۱۳
۷۱۱	۷۱۲	۷۲۵	۷۲۶	۷۱۴	۷۱۵
۷۱۲	۷۱۳	۷۲۷	۷۲۸	۷۱۶	۷۱۷
۷۱۳	۷۱۴	۷۲۹	۷۳۰	۷۱۸	۷۱۹
۷۱۴	۷۱۵	۷۳۱	۷۳۲	۷۲۰	۷۲۱
۷۱۵	۷۱۶	۷۳۳	۷۳۴	۷۲۲	۷۲۳
۷۱۶	۷۱۷	۷۳۵	۷۳۶	۷۲۴	۷۲۵
۷۱۷	۷۱۸	۷۳۷	۷۳۸	۷۲۶	۷۲۷
۷۱۸	۷۱۹	۷۳۹	۷۴۰	۷۲۸	۷۲۹
۷۱۹	۷۲۰	۷۴۱	۷۴۲	۷۳۰	۷۳۱
۷۲۰	۷۲۱	۷۴۳	۷۴۴	۷۳۲	۷۳۳
۷۲۱	۷۲۲	۷۴۵	۷۴۶	۷۳۴	۷۳۵
۷۲۲	۷۲۳	۷۴۷	۷۴۸	۷۳۶	۷۳۷
۷۲۳	۷۲۴	۷۴۹	۷۵۰	۷۳۸	۷۳۹
۷۲۴	۷۲۵	۷۵۱	۷۵۲	۷۴۰	۷۴۱
۷۲۵	۷۲۶	۷۵۳	۷۵۴	۷۴۲	۷۴۳
۷۲۶	۷۲۷	۷۵۵	۷۵۶	۷۴۴	۷۴۵
۷۲۷	۷۲۸	۷۵۷	۷۵۸	۷۴۶	۷۴۷
۷۲۸	۷۲۹	۷۵۹	۷۶۰	۷۴۸	۷۴۹
۷۲۹	۷۳۰	۷۶۱	۷۶۲	۷۵۰	۷۵۱
۷۳۰	۷۳۱	۷۶۳	۷۶۴	۷۵۲	۷۵۳
۷۳۱	۷۳۲	۷۶۵	۷۶۶	۷۵۴	۷۵۵
۷۳۲	۷۳۳	۷۶۷	۷۶۸	۷۵۶	۷۵۷
۷۳۳	۷۳۴	۷۶۹	۷۷۰	۷۵۸	۷۵۹
۷۳۴	۷۳۵	۷۷۱	۷۷۲	۷۶۰	۷۶۱
۷۳۵	۷۳۶	۷۷۳	۷۷۴	۷۶۲	۷۶۳
۷۳۶	۷۳۷	۷۷۵	۷۷۶	۷۶۴	۷۶۵
۷۳۷	۷۳۸	۷۷۷	۷۷۸	۷۶۶	۷۶۷
۷۳۸	۷۳۹	۷۷۹	۷۸۰	۷۶۸	۷۶۹
۷۳۹	۷۴۰	۷۸۱	۷۸۲	۷۷۰	۷۷۱
۷۴۰	۷۴۱	۷۸۳	۷۸۴	۷۷۲	۷۷۳
۷۴۱	۷۴۲	۷۸۵	۷۸۶	۷۷۴	۷۷۵
۷۴۲	۷۴۳	۷۸۷	۷۸۸	۷۷۶	۷۷۷
۷۴۳	۷۴۴	۷۸۹	۷۹۰	۷۷۸	۷۷۹
۷۴۴	۷۴۵	۷۹۱	۷۹۲	۷۸۰	۷۸۱
۷۴۵	۷۴۶	۷۹۳	۷۹۴	۷۸۲	۷۸۳
۷۴۶	۷۴۷	۷۹۵	۷۹۶	۷۸۴	۷۸۵
۷۴۷	۷۴۸	۷۹۷	۷۹۸	۷۸۶	۷۸۷
۷۴۸	۷۴۹	۷۹۹	۸۰۰	۷۸۸	۷۸۹
۷۴۹	۷۵۰	۸۰۱	۸۰۲	۷۹۰	۷۹۱
۷۵۰	۷۵۱	۸۰۳	۸۰۴	۷۹۲	۷۹۳
۷۵۱	۷۵۲	۸۰۵	۸۰۶	۷۹۴	۷۹۵
۷۵۲	۷۵۳	۸۰۷	۸۰۸	۷۹۶	۷۹۷
۷۵۳	۷۵۴	۸۰۹	۸۱۰	۷۹۸	۷۹۹
۷۵۴	۷۵۵	۸۱۱	۸۱۲	۸۰۰	۸۰۱
۷۵۵	۷۵۶	۸۱۳	۸۱۴	۸۰۲	۸۰۳
۷۵۶	۷۵۷	۸۱۵	۸۱۶	۸۰۴	۸۰۵
۷۵۷	۷۵۸	۸۱۷	۸۱۸	۸۰۶	۸۰۷
۷۵۸	۷۵۹	۸۱۹	۸۲۰	۸۰۸	۸۰۹
۷۵۹	۷۶۰	۸۲۱	۸۲۲	۸۱۰	۸۱۱
۷۶۰	۷۶۱	۸۲۳	۸۲۴	۸۱۲	۸۱۳
۷۶۱	۷۶۲	۸۲۵	۸۲۶	۸۱۴	۸۱۵
۷۶۲	۷۶۳	۸۲۷	۸۲۸	۸۱۶	۸۱۷
۷۶۳	۷۶۴	۸۲۹	۸۳۰	۸۱۸	۸۱۹
۷۶۴					

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۶۸	اعمال کے ریکارڈ ہمیشہ محفوظ رہتے ہیں	جزا اور سزا		۵۳۲	قیامت کے اوصاف
۵۶۹	قرآن مجید میں اس اصول کی تشریح			۵۳۳	قیامت میں فسادِ نظام ہوگا
	اور اس پر شہادتیں	۵۵۶ - ۶۲۸		۵۳۴	اس کی شہادتیں قرآن مجید سے
۵۷۰	احضاد کی شہادت	۵۵۶	جزا و سزا دیگر مذاہب میں	۵۳۵	بعد قیامت ایک نئے آسمان اور
۵۷۱	میزان	۵۶۱	عالم آخر کا فہم و ادراک		نئی زمین کی تعمیر
۵۷۲	حساب	۵۶۲	عالم آخر کو مادی دنیا کی زبان محاورات	۵۳۶	پچھلی دنیا کے نتائج پر اس کی بنا
۵۷۳	جنت و دوزخ		میں سمجھایا گیا ہے	۵۳۷	صور قیامت
۵۷۴	جنت انسان کی وراثت ہے	۵۶۳	اس طرزِ افہام سے فلسفی و عامی دونوں	۵۳۸	عربوں کا انکار قیامت سے
۵۷۵	حضرت آدم کا زمین پر آنا ان کی پیدائش		تشفی پاتے ہیں	۵۳۹	اسی لیے اسلام میں توحید کے بعد
	سے پہلے مقدمہ ہو چکا تھا	۵۶۴	آخری وقت کے سمجھانے کے لیے	۵۴۰	سب سے زیادہ زور قیامت کے عقیدہ
۵۷۶	آدم اور بنو آدم کی اصلی جگہ جنت ہے		مادی الفاظ کا استعمال	۵۴۱	پر دیا گیا
۵۷۷	جنت کے دوزخیت، نیک و بد کی	۵۶۵	وجود کے موجودہ قوانین فطرت	۵۴۲	عقیدہ قیامت اصول دین کیونچ
	پہچان کا، اور زندگی جاودید کا		اور ان کے خصوصیات و لوازم	۵۴۳	قیامت پر قرآنی دلائل
۵۷۸	آدم کو نیک و بد کی شناخت کے درخت	۵۶۶	مادی دنیا کے قوانین فطرت اور	۵۴۴	حشرِ جہانی
	سے روکا گیا		سلسلہ سخت و مطول اسی مادی عالم	۵۴۵	روحانی زندگی کا تصور نئی جہانی زندگی
۵۷۹	شیطان نے حیاتِ جاودان کا درخت		کے لیے بن	۵۴۶	سے زیادہ دشوار ہے
	کہہ کر نیک و بد کی شناخت کے درخت	۵۶۷	ضروری نہیں کہ موجودہ قوانین فطرت	۵۴۷	حشرِ جہانی ہوگا
	کو بتا دیا		وہ ان بھی کار فرما ہوں	۵۴۸	جسم و جد
۵۸۰	حیاتِ جاودان سے مقصود کیا ہے	۵۶۸	اصول جزا	۵۴۹	کیا کوئی نیا جہانی پیکر ہوگا؟
۵۸۱	نیک و بد کی تمیز ہی شرعی تکلیف کا		اصول فطرت صرف مادیات تک	۵۵۰	نیا جہانی پیکر جسم خاکی کی خصوصیات
	باعث ہے		محدود نہیں	۵۵۱	و لوازم سے الگ ہوگا
۵۸۲	آدم کو نیک و بد کی تمیز کا فطری الہام	۵۶۹	اعمال کے لوازم و نتائج	۵۵۲	”خلق جدید“
۵۸۳	انسان کا تکلیف شرعی کی امانت کو		عقاب و ثواب پر عمل ہے	۵۵۳	وہمہ وادی روح پر ہے
	قبول کرنا، اور حیاتِ جاودان کا	۵۷۰	حصولِ راحت کا اصول	۵۵۴	دنیاوی جسم بدلے رہنے پر بھی وہی
	حصولِ سعی و عمل پر موقوف ہونا	۵۷۱	نامہ عمل	۵۵۵	جسم رہتا ہے
۵۸۴	زمین پر بنو آدم کی چار چیزوں کا کھانے	۵۷۲	کوئی چیز پیدا ہونے کے بعد قیامت میں	۵۵۶	آخری جسم کیسا ہوگا؟
	پینے پھٹنے اور رہنے کی ضرورت یا کاپڑا ہونا		ہوتی		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۱۷	عقیدہ کفار اور عقیدہ مکرم اور عقیدہ منقرض	۶۰۳	اس کی تصریحات، احادیث میں	۵۷۸	مذہب نے ان فردیات اور بعد کے
۶۱۸	منقرض، عذاب طویل کا سبب	۶۰۶	شرک و کفر کی بخشش نہیں	۵۷۹	جائز طریقوں کی تعلیم اور ناجائز طریقوں سے احتراز کی تلقین کی
۶۱۹	مشک و کافرا کا انجام؟	۶۰۷	دوزخ رحمت الہی کی چھٹیوں سے	۵۸۰	جنت کی وراثت کا وعدہ الہی
۶۲۰	بہشت و دوزخ کی جزا و سزا بھی	۶۰۸	بالآخر سرد ہو جائیگی	۵۸۱	انسانی جزا و سزا کے تین گھر
۶۲۱	تشبیہی ہے	۶۰۹	اللہ کے غضب پر رحمت کی سبقت	۵۸۲	انسان کا پہلا دارالبحر اور یعنی دنیا
۶۲۲	تشبیہی سزا کے معنی	۶۱۰	دوزخ کی انتہا قرآن مجید میں شیت	۵۸۳	گھر اور دارالبحر اخلاقی ہے
۶۲۳	اس کی مثالیں قرآن مجید اور احادیث سے	۶۱۱	پہلے ہے	۵۸۴	یہ دارالبحر دارالاصلاح ہے
۶۲۴	دوزخ کی جہانی سزائیں	۶۱۲	کفار و مشرکین کے عذاب کی انتہا	۵۸۵	انسانوں کی تفسیر اصلاح کے تہا
۶۲۵	جہانی سزائوں کی تصریح قرآن مجید	۶۱۳	مشیت الہی پر موقوف ہے	۵۸۶	نیک سے برائی کا کفارہ
۶۲۶	دوزخ میں روحانی سزائیں	۶۱۴	قرآن مجید کی کوئی آیت دوزخ کے	۵۸۷	توبہ کفارہ ہے
۶۲۷	لن کی تصریح قرآن مجید سے	۶۱۵	تسلل وجود پر دلالت نہیں کرتی	۵۸۸	مصائب کی تہیہ اور کفارہ
		۶۱۶	قرآن مجید میں بہشت کے عدم نقصان	۵۸۹	عذاب الہی کا مقصد
		۶۱۷	کی تصریح لگائی	۵۹۰	قداب برزخ بھی کفارہ ہے
		۶۱۸	قرآن مجید سے اس کی تشریح	۵۹۱	عذاب برزخ کفارہ گناہ ہے
		۶۱۹	اس کی شہادت حدیثوں میں	۵۹۲	عذاب برزخ کفارہ گناہ ہے
		۶۲۰	دفعہ شہد	۵۹۳	انسان کی تخلیق رحمت کیلئے ہوئی
		۶۲۱	قرآن مجید کی بعض آیتوں سے دوزخ کے دوام کا شبہ	۵۹۴	دوزخ
		۶۲۲	اس شبہ کا ازالہ	۵۹۵	دوزخ قید خانہ نہیں شفا خانہ ہے
		۶۲۳	چند آیتوں میں کفار کے دوزخ کے الگ نہ ہونے کی تصریح	۵۹۶	گناہ، روحانی بیماری کا اور عذاب اس کے نتیجہ بد کا اصطلاحی نام ہے
		۶۲۴	ان آیات کا مضمون	۵۹۷	دوزخ کی مثال شفا خانہ ہے
		۶۲۵	اللہ تعالیٰ کے وعدہ ثواب و عذاب میں فرق	۵۹۸	دوزخ سے بالآخر نجات ہوگی
		۶۲۶	مشرکین و کفار کی معافی کی تصریح	۵۹۹	گو یا دوزخ بھی ایک نعمت ہو
		۶۲۷	تصریح کیوں نہیں	۶۰۰	دوزخ میں رحمت الہی کا ظہور اور نجات
		۶۲۸	جنت کے نام		
		۶۲۹	جنت کا دوام		
		۶۳۰	اس کی تصریح قرآن مجید میں		
		۶۳۱	وادی قیام سے اہل جنت کا جنت میں گھبرانہ ان کی حلیت و فطرت کے خلاف ہوگا		
		۶۳۲	غیر فانی بادشاہی		
		۶۳۳	جنت کے پیش و سرست کی تعبیر آسانی بادشاہی سے		
		۶۳۴	عیسوی پیغام میں آسانی بادشاہی		
		۶۳۵	آسانی بادشاہی کے بحال کی اسلامی تعلیم		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۴۴	قدیم مذاہب میں ایک مسئلہ کی دو صورتیں یا تو خاموشی یا جبر کی یقین،	۶۵۹	صبح و شام کی روزی،	۶۳۶	جنت کے لیے باغ کا استعارہ کیا
"	"	"	مقام قرب،	"	عرب کے لیے ہے؟
"	آنحضرت صلعم نے اس راؤ کو ظاہر کیا	۶۶۰	ویدا برائی	"	اس استعارہ میں ایک نکتہ
"	بیک وقت دو وعدہ آتین،	۶۶۱	ان تعلیمات کا عملی اثر	۶۳۷	سامان جنت کے دنیاوی نام،
۶۶۵	صحیفہ محمدی میں ان دونوں میں کی تفصیل اور ان کی تشریح،	"	عرب کا ایمان و یقین اور صحابہ کی خشیت الہی،	"	جنت میں دنیاوی الفاظ کے معنی سے بلند تر حقائق،
۶۷۷	ہدایت و ضلالت کے الفاظ سے پیدا شدہ غلط فہمی کا ازالہ،	قضاوت ۶۶۵ - ۶۸۰		۶۳۸	اسکی شہادت قرآن مجید و احادیث سے
۶۷۸	خیر و شر کا مفہوم اسلام میں،			۶۳۹	جنت کی مسرتیں اعمال کی ہیں
"	اگر خدا چاہتا تو ان کو ہدایت دیتا۔ کی تفسیر،	۶۶۵	کیا عقیدہ قضا و قدر ایمانیات میں ہے؟	"	اسکی شہادت قرآن مجید و احادیث سے،
۶۷۹	بندہ کی مشیت،	"	عقیدہ قضا و قدر کا ماحصل	۶۴۵	لطف و مسرت کا تصور
"	اللہ کی مگر ہی کن کے لیے ہے،	"	اس عقیدہ کی تعلیم قدیم مذاہب میں	"	لطف و مسرت کا عملی ترین تجل
۶۸۰	نتیجہ بحث،	۶۶۶	خاتم النبیین (صلعم) کی تعلیم نے اسکی یک تکمیل کی اور کیا اثرات پیدا ہوئے	۶۴۶	جنت میں انسان کی ہر خواہش پوری ہوگی،
ایمان کے نتائج ۶۸۱ - ۶۸۶		۶۶۷	اصطلاح - قدر و قضا کی تشریح،	۶۴۷	جنت جہان کوئی جہانی و روحانی آزار نہیں،
		۶۶۸	اس عقیدہ کی اخلاقی اہمیت،	۶۴۸	جنت جہان رفعت و حد نہیں،
۶۸۱	خلاصہ مباحث	"	عقیدہ قضا و قدر کی توضیح	۶۴۹	وہاں کی جہانی زندگی کیسی ہوگی؟
"	ایمان کا مقصد دل کی اصلاح ہے؟	۶۶۹	عقیدہ قضا و قدر کا نتیجہ سستی و دون ہستی نہیں	۶۵۰	جنت ارتقا سے روحانی ہے،
"	اسلام میں ایمان و عمل کی جامعیت	"	اس کا نتیجہ بندگی، استقلال اور صبر و ثبات ہے،	۶۵۱	مسئلہ ارتقا کے حوالہ بقائے حیات کا عمل روحانی مابرج کے ارتقا میں
۶۸۲	درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے؟	"	غلط فہمی کا ازالہ	"	امن و سلامتی کا لکھ
"	اہل ایمان کی عملی شناخت	۶۷۰	قضا و قدر اور سعی عمل کی باہمی تعلق	۶۵۳	مقام رحمت،
۶۸۵	تمام نیکیاں صرف ایک جڑ پر ہیں کی شاخیں ہیں،	۶۷۱	پچھلے وقت اہل فانی ہوتی ہیں، اسکے نتیجہ میں مذکر طوف سے ضلالت کا اندیشہ ہے،	۶۵۴	مقام نور
۶۸۶	ایمان کے بعد عمل کی ضرورت،	"	خیر و قدر	۶۵۵	مقام رضوان
"	ایمان لزوم اور اعمال ایک لازم ہیں،	"	جبر و قدر	۶۵۶	مقام طیب و طہار
"	خاتمہ	"	جبر و قدر کا مسئلہ لائیکل مسئلہ ہے؟	"	مقام تسبیح و تہلیل

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ

اے باز کنِ دہائی، برابلید آسانی
ہرچہ از تو گمانِ برمِ پوئی آن من بوم تو ز آن بروئی
شاہِ رسل و شفیعِ مرسل خورشیدِ پسینِ نورِ اول
سلطانِ ممالکِ رسالت طغرائے صحیفہٴ جلال

پیش نظر کتاب، سیرۃ النبی کے سلسلہ کی چوتھی جلد ہے، اس کا موضوع ”منصب نبوت“ ہے، اس تقریب سے پہلے ایمین ایک مقدمہ ہے جہین نبوت کی حقیقت اور اس کے لوازم و خصوصیات کی تشریح ہے، اس کے بعد دیباچہ ہے جہین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور ظہور اسلام کے وقت دنیا کی مذہبی و اخلاقی و روحانی حالت کا مرقع دکھایا گیا ہے، بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ملک عرب کی جو مذہبی و اخلاقی حالت تھی، اور اسکی اصلاح میں جو وقتیں اور شیش تھیں شرح و بسط کیساتھ انکی تفصیل لکینی ہے، اس کے بعد آپ کے تعلیمات و ارشادات کی تفصیل سے اصل کتاب کا آغاز ہوا ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشگاہِ باری سے جو شریعتِ کاملہ اور قانونِ ابدی عطا ہوا، وہ حقیقت چار عنوانوں پر منقسم تھا: عبادات، اخلاق اور معاملات، خیال تھا کہ عائد و عبادات کی ایک جلد ہو، اور اخلاق و معاملات دوسری جلد میں ہوں، مگر چون کہ چون مسافر قلم اس دشوار گزار مرحلہ میں آگے بڑھتا گیا، راستہ اسی قدر وسیع اور مسافت

اتنی ہی بعید نظر آنے لگی، ناچار اس جلد کو صرف عقائد کے بیان پر محدود رکھا گیا، دوسری جلد میں عبادات اور ان کی حقیقت اور فرائض چارگانہ کے حقائق و فوائد سے بحث ہوگی، اور تیسری جلد کا عنوان اخلاق و معاملات ہوگا، جن میں ہم انشاء اللہ تفصیل بتائیں گے کہ تمدن و معاشرت بالخصوص قوانین نکاح، طلاق، وراثت، حقوق نسائے اسلامی، جہاد، اصول حکومت اور اقتصادیات وغیرہ کے متعلق تمام دنیا کے مذاہب کے کیا اصول اور تمام سلطنتوں اور قوموں کے کیا قوانین تھے، اور آج مغرب نے اس انتہائی تہذیب تک پہنچ کر کس حد تک ان امور میں ترقی کی ہے پھر موازنہ کر کے ہم دکھائیں گے کہ شریعت اسلام کے مقابلہ میں مغرب کا معراج ترقی، شریعت اسلام کا پایہ اولین حضرت الاستاذ مرحوم نے اس جلد کا کام شروع ہی کیا تھا اور مذکورہ بالا مباحث میں سے صرف عربی جاہلیت کے مذہبی و اخلاقی حالات کے پچیس تین صفحے لکھنے پائے تھے، کہ وفات پائی، یہ صفحے بھی ان اوراق میں شامل ہیں، مگر چونکہ ان میں بکثرت اضافہ و ترمیم کی ضرورت ہوئی ہے، اس لئے ان صفحات کو ان کے اہم گرامی کی طرف منسوب کرنے میں احتیاط کرتا ہوں، بقیہ پوری کتاب کی ذمہ داری خاکسار ہی کے خطا کا قلم پر ہے، وَمَا أَزِيئِي نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَكْثَرُ مَا يَشَاقُ،

کوشش کی ہے کہ ان اوراق میں پیغمبر اسلام علیہ السلام کے پیغام تعلیم کو پوری تشریح، استناد، استدلال اور دھچپی کے ساتھ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جائے، قرآن پاک کے استناد کو ہر موقع پر سب آگے رکھا گیا ہے، اور اُسی کے پر تو میں احادیث صحیحہ سے فائدہ اٹھایا گیا ہے، مناظرانہ پہلو سے بیکار، ہر پیش نظر مسئلہ میں اسلام کا دوسرے مذاہب سے اس غرض سے موازنہ کیا گیا ہے، تاکہ اسلام کی نکلی شان نمایاں ہو جائے، ان اوراق کے لکھنے والے کے نزدیک منہج شریعت کے معنی کسی حکم کو اُس کے غلط یا غیر مفید ہونے کے سبب سے سرے سے مٹا کر کسی دوسرے حکم کو نافذ کرنے کے نہیں ہیں، بلکہ محض احکام کی جگہ پر اصل احکام کے دوبارہ نازل ہونے، اور دنیا کے حسب حال ناقص کی جگہ کامل، اور کامل کے بدلہ کاملتر تعلیمات دیئے جانے کے ہیں، اس لئے قرآن پاک کے مانع کتب اور اسلام کے مانع ادیان ہونے کے معنی، ان کے مشاوینے والے کے نہیں

بلکہ اُن کی تکمیل کرنے والے کے ہیں، مذاہب کی تاریخ جب سے شروع ہوتی ہے، ہر مذہب اور اسکی کتاب انسانی عروج و ترقی کی ایک ایک منزل ہے، اور اسلام اس عروج توقی کی وہ انتہائی منزل مقصود ہے، جس کے بعد تکمیل دین کی سرحد ختم ہو جاتی ہے، جیسا کہ خود اُس کا دعویٰ ہے، اور اس دعویٰ میں کوئی اور دین اُس کا شریک نہیں ہے کہ اَلْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي،

ان تکمیلی مباحث میں سے یہ جلد صرف عقائد پر مشتمل ہے، اور کون نہیں جانتا کہ مذاہب میں اعتقادات کی حیثیت کتنی اہم، اور انکی بحث کتنی نازک ہے اس لیے اس خازنار سے کسی آبلہ پاک سلامت گذر جانا کس قدر مشکل ہے تاہم میں نے جدوجہد اسی کی کی ہے کہ کسی آبلہ کو ٹھیس لگے بغیر اس راستہ کو طے کر لوں، چلنے والا تو تھک کر چور ہے اب یہ دیکھنے والوں کو فیصلہ کرنا ہے کہ اُس نے رہروی کی یہ شرط کہاں تک پوری کی،

اباب بصیرت جانتے ہیں کہ اسلامی فرقوں میں سے کسی فرقہ کے مطابق بھی اگر عقائد کی کتاب لکھی جاتی تو یہ منزل نہایت آسان تھی کہ اُن میں سے ہر ایک کی مدون و مرتب کتابیں سامنے ہیں لیکن مجھے اس جلد میں کسی خاص فرقہ کے نہیں بلکہ اسلام کے وہ عقائد لکھنے تھے جن پر ایمان لانے کا قرآن نے ہم سے مطالبہ کیا ہے اور جن کی تعلیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو دی تھی، چنانچہ ان اوراق میں انھیں چند عقائد کی تشریح ہے اور یہ وہی ہیں جو اَمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدَرِ خَيْرٌ وَشَرٌّ مِنْ اللّٰهِ تَعَالٰی میں مذکور ہیں، یعنی خدا، اُس کے فرشتوں، اُس کی کتابوں، اُس کے رسولوں پر اور آخری دن اور عقدا و قدر پر ایمان، چنانچہ اس جلد میں مقدمہ و دیباچہ کے بعد انھیں چھ باتوں کی تفصیل و تشریح ہے،

میں نے اپنے جانتے اسکی پوری احتیاط کی ہے کہ کسی مسئلہ کی تشریح میں تسلیم، صراطِ مستقیم سے تجاوز نہ کرے، لیکن عالم الغیب جانتا ہے کہ قدم نے کہاں ٹھوکر کھائی ہے، اس لیے اسکی بارگاہ میں نہایت عجز سے دعا ہے کہ خداوند امیری لغزش کو دوسروں کی لغزش کا سبب نہ بنانا، اور ہم سب کو سیدھی راہ دکھانا

مَنْ يَقْدِرِ اللّٰهُ فَعَلَا لَمْ يَتَدَيَّ

جس کو خدا راہ دکھائے وہ راہ پایا ہوا ہے

وَمَنْ يَجِدِ اللَّهَ فَقَالَ مِنْ مُضِلٍّ اور جس کو خدا راہ دکھائے اس کو کوئی

(زمر) گمراہ کرنے والا نہیں،

رَبَّنَا لَا تُؤْخِذْنَا إِنْ لَسْنَا بِمُحْسِنِينَ ہمارے پروردگار ہمارے بھول چوک

اَوْ اَخْطَاْنَا، (بقرہ) کی بازپرس ہم سے نہ فرمانا،

این نامہ کہ خامہ کر دُنیایا و

توقع قبول، روزِ شیش باد

طالِبِ رَحْمَتٍ

سُلیمانِ نُرُوتی

دَارِ الصَّغْفَرِ، اعظمِ گدہ،

۲۵ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمہ

منصب نبوت

کتاب کا موضوع | تیرت کی عام کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی کے اندر جو چیزیں زیادہ ممتاز ہو کر نظر آتی ہیں، ان کے پیچھے سبب کارنا ہے وہ غزوات اور لڑائیاں ہیں، لیکن یہ غزوات اور لڑائیاں ظاہر ہے کہ مقصود بالذات نہ تھیں، بلکہ وہ سلسلہ دعوت میں اتفاقاً پیش آگئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی، انھوں نے اُس کے قبول کرنے سے انکار کیا، اور نہ صرف انکار کیا، بلکہ اُس کے مٹانے کی پرزور کوشش کی، اُس کے قبول کرنے والوں کو ستایا، اور اُن کو اُن کے گھروں سے نکال دیا، وہ اپنی جان بچا کر دوسرے شہر کو چلے گئے، وہاں اُنکی دعوت نے فروغ پایا، اور بہت بڑی تعداد نے اُنکی سچائی کو قبول کیا، یہ دیکھ کر انھوں نے ہر طرف سیورش کی، اور چاہا کہ اس جماعت کو بڑا شیعہ بنادیں، اُس نے اپنی جان کے بچاؤ کی تدبیریں کیں، اور اُن کی پرزور سازشوں اور کوششوں کے سیلاب کو پہاڑ بنکر روکا، اس کشمکش نے خوزیر لڑائیوں کا ایک سلسلہ چھیڑ دیا، جو متصل دس سال تک قائم رہا، قریب قریب اسی عجز و تنہا، جس تدبیر و لطیف اخلاق سے تمام معرکے سر ہوئے، اور پھر ایک پُر امن نظم قائم ہو گیا، بے شمار عہد کا دنا صبر بھی کچھ کم مستوجبِ ثناء نہیں، لیکن ناظرین اس محکمہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ ہم کس (ذاتِ مقدس)

کے سوانح لکھ رہے ہیں،

یہ جو کچھ ہوا، اور پیش آیا، وہ گونہایت عجیب بحیرت انگیز اور کرشمہ ربانی کا پورا منظر ہے، تاہم وہ حقیقت آنحضرت صلیع
کا اصلی براہ راست اور مقصود بالذات کارنامہ نہیں، وہ اتفاقی حوادث ہیں، جو اسلام کی دعوت و اشاعت کی راہ
میں دشمنوں کی مخالفت سے پیش آگئے، آپ کے اصلی پیغمبرانہ کارنامے وہ ہیں، جو اگر یہ اتفاقی واقعات رونما نہ ہوئے
ہوتے تب بھی ظاہر ہی ہوتے، اور وہی آپ کی سیرۃ مبارکہ کے اصلی وقائع اور سوانح ہیں، یعنی عرب میں سرتاپا روحانی
و اخلاقی انقلاب پیدا کر دینا، تمام عالم کے سامنے کامل ترین اور اخیر شریعت کو پیش کرنا، ترائے توحید، اور سر و وجہیت سے
دنیا کے گوشہ گوشہ کو معمور کرنا، ظلمتکدہ عالم کو سراج منیر بنکر بقعہ نور بنادینا، مگر ہوں کو راستہ بتانا، بھولوں کو یاد دلانا، بندہ
کا رشتہ خدا سے جوڑنا، غلط اوہام کو مٹانا، اخلاق فاضلہ کا سکھانا، گناہوں کے دھڑکدھڑکاؤ کو دھونا، انسانوں کو شیطانوں کے دام
فریب سے نکال کر، فرشتوں کی صف میں کھڑا کرنا، دنیا کو رفیق و محبت، لطف و شفقت، اور برادرانہ مساوات کی تعلیم دینا،
حکمت و دانائی، پسند و موغظت، اور تہذیب و تمدن کے رموز سکھانا، روحانیت کی برباد شدہ دنیا کی دوبارہ تعمیر، اور قلوب
و ارواح کے ویران گھروں کی از سر نو آبادی، انقضائے تمام انبیاء کا اصلی کام ایک شریعت ابدی کی تائیس، مذاہب عالم
کی اصلاح، فن اخلاق کی علمی و عملی تکمیل، قانونِ الہی کا اظہار و عرض، اور تہذیب نفوس کی معراجِ اخیر تھی، اور یہ سب اسی
پر آشوب زمانہ میں ہوتا رہا جس کے لیل و نهار بظاہر صرف حلوں کے تیر باران کے روکنے میں صرف ہو گئے، پیش نظر
جلد آنحضرت صلیع کی سیرت مبارکہ کے انہیں واقعات اور کارناموں پر مشتمل ہے،

نبی اور مصلح اور معلم بظاہر نظر آتا ہے، کہ اس قسم کے کچھ کام ایسے لوگوں سے بھی انجام پاتے ہیں، جو نبوت اور رسالت
کے منصب پر فائز نہیں ہوتے، وہ اپنی قوم و ملک کے سامنے اپنی اصلاح کی دعوت پیش کرتے ہیں، اور سعی و محنت
اور متواتر جدوجہد سے ان میں کوئی سیاسی، اجتماعی، تعلیمی، اقتصادی اور معاشرتی انقلاب پیدا کرتے ہیں، اور ان کو
قرینات سے نکال کر ترقی کی سطح مرتفع تک پہنچا دیتے ہیں، ایسے لوگوں کو مصلح اور رفیقاہ مرکتہ کہتے ہیں، اور ایسے
بھی ہوتے ہیں جن کے منہ سے اخلاق و حکمت، اور پسند و موغظت کے موتی جھڑتے ہیں، جبکہ حکیم کہتے ہیں، اس حالت

میں ایک پیغمبر اور ایک مصلح اور ایک حکیم میں کیا فرق ہوگا؟ اس التباس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے کوثر نظر ایک پیغمبر اور ایک مصلح اور ایک حکیم میں کوئی امتیاز نہیں کرتے، اس بنا پر اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھیں اس فرق و امتیاز کو نمایاں کر دینا ضروری سمجھتے ہیں،

نبوت کی حقیقت اور خصوصیات | اس فرق کو پوری طرح واضح کرنے کے لیے ضروری ہے، کہ پہلے نبوت کی حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے، نبوت کی فلسفیانہ حقیقت کی بہترین تشریح امام غزالی نے معارج القدس میں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے حجة الله بالقرآن میں کی ہے، یہ دونوں بزرگ تصوف، فلسفہ، اور تعلیمات تینوں کو چون سے باخبر ہیں، اس لئے یہ جو کچھ بتائیں گے، اس میں کچھ کچھ ذاتی ذوق و مشاہدہ کا حصہ بھی شامل ہوگا،

امام صاحب فرماتے ہیں،

”نبوت انسانیت کے رتبہ سے بالاتر ہے، جس طرح انسانیت حیوانیت سے بالاتر ہے۔۔۔۔۔ وہ

عطیۃ الہی اور مہربت ربانی ہے، سعی و محنت اور کسب و تلاش سے نہیں ملتی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رُسُلَهُ (انعام-۱۵) اللہ بہتر جانتا ہے کہ جہاں وہ اپنی پیامبری کا منصب چاہے

وَكَذَٰلِكَ أَدْعَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا اور اسی طرح ہم نے تیرے پاس اپنے حکم سے ایک روح

مِمَّا كُنْتَ تَدْعَىٰ مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِنْ بھیجی، تو پہلے نہیں جانتا تھا، کہ کتاب کیا ہے، اور ایمان

جَعَلْنَاهُ نَوْمًا يُهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِّن جہاں ہم نے ایک نور بنایا جس سے ہم اپنے بندوں

عِبَادَنَا (شوری-۵) میں سے جسکو چاہیں راہ سوجھائیں،

اس موقع کے لیے صریح آیت یہ ہے،

ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ (جمہ) یہ (نبوت) خدا کا فضل ہے جس کو چاہے دے،

لے معارج القدس کا یہ حصہ حضرت الاستاذ مرحوم نے الکلام کے آخر میں بطور ضخیم شائع کر دیا ہے، اے امام صاحب نے آیت پوری نہیں لکھی ہے، میں نے اپنی طرف سے آیت پوری کر دی ہے،

گو یہ صحیح ہے کہ وہ عبادتِ ریاضات جو فکر و مراقبہ پر مشتمل اور ریاضتِ شریعتی ہو پاک ہوں، نفس میں آثارِ روحی کے متحول کرنے کی استعداد پیدا کر دیتے ہیں، تاہم بتوت کا منصب خاص محض اتفاقی نہیں، جو محنت اور کوشش سے کسی کو حاصل ہو جائے بلکہ جس طرح نوعِ انسان کا انسان اور فرشتوں کا فرشتہ بنانا ان کے افراد کی سعی و محنت کا مرہونِ منت نہیں، اس طرح نوعِ انبیاء کا نبی بنانا ان کے افراد کی کوشش اور محنت سے ممکن نہیں، ہر انسان کا بچہ اپنی ذاتی محنت سے نہیں بلکہ فیضِ عالم کی بخشش سے انسانیت کا مرتبہ حاصل کرتا ہے، مگر انسانیت کے ممکن کمالات کو بالفعل حاصل ہو جانے کے لئے اس کو یقیناً کچھ نہ کچھ جدوجہد کرنی پڑتی ہے، اسی طرح بتوت، نوعِ انبیاء کے لیے اکتسابی چیز نہیں، لیکن نشاۃِ بتوت کے مطابق ریاضت اور عملِ قبولِ وحی کی استعداد اور تیاری کے لیے البتہ ضروری ہیں،

چنانچہ اسی اصول کے مطابق اکثر پیغمبروں کے آغازِ وحی کے حالات میں آپ کو یہ ملے گا، کہ انھوں نے ایک نہ ایک عبادت و مراقبہ میں بسر کیا، ایک ایک ہینہ، ایک ایک چلہ اس طرح گزارا کہ وہ مادی دنیا کی آلائشوں سے یکسر الگ ہو گئے، توراۃ میں حضرت موسیٰ کے متعلق ہے، کہ کتاب ملنے سے پہلے وہ چالیس روز تک کوہِ طور پر روزہ کی حالت میں رہے، اسی طرح عیسیٰ میں حضرت علیؑ کے متعلق ہے کہ وہ ایک سنان جگل میں چالیس روز تک روزہ رکھ کر عبادتِ میں مصروف رہے، اور وحی سے پہلے آنحضرت صلیم کا غارِ حرا میں مینونِ عزت گزین رہنا اور فکر و مراقبہ اور عبادت اور ریاضت میں مصروف رہنا سب کو معلوم ہے،

چنانچہ آنحضرت صلیم بتوت سے پہلے حرا میں جا کر جب عبادت میں مشغول ہوئے تو رویاے صادقہ دیکھنے لگے، جس کی سچائی مثلِ سپیدہ صبح کے صاف نمایاں ہوتی تھی، وحی کے بعد بھی آپ اس قدر عبادت میں مصروف رہتے تھے کہ آپ کے دونوں پاؤں سوج جاتے تھے، اسی لیے قرآن نے آپ کو خطاب کر کے کہا:۔

طَهَّ مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ (طہ ۱۱)

(اے پیغمبر! میں نے یہ قرآن تجھ پر اس لیے نہیں اتارا کہ تو تھک جائے)

اس عبادت و ریاضت کے ساتھ، بتوت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے حامل میں حسنِ صورت و ثناءِ عبادتِ مزاج، نشوونما کی پاکیزگی، حسنِ تربیت، طہارتِ نسب، کرمِ اخلاق، نیکی طینت، منانیت، سنجیدگی، دوستانہ الہی کیست

نرم خوئی، اور تواضع، اور دشمنانِ حق کیساتھ شدتِ قوت، پائی جائے، علاوہ برین وہ راست گفتار امانت دار تمام برائیوں سے پاک فضائلِ محاسن سے آراستہ، اور ذلیل باتوں سے میرزا ہوتا ہے، وہ ظلم کرنے والوں کو معاف، اور اپنے ساتھ برائی کرنے والوں کیساتھ محسن سلوک کرتا ہے، قربت مندوں، اور ہمایوں کیساتھ احسان، مظلوموں کی اعانت، فریاد خواہوں کی فریادری، اُسکی طہیت، اور نیکی سے محبت، اور بدی سے نفرت اس کی فطرت ہوتی ہے، اُسکی شان جیسا کہ قرآن نے بتایا ہے، یہ ہوتی ہے کہ

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ (نجم-۱) تمہارا سانحی (پیغمبر) نہ گمراہ ہوا، اور نہ بہکا،

اس کی یہ صفت اس دنیاوی عالم میں ہے، کہ وہ ہر گراہی و بے راہروی سے پاک ہوتا ہے۔

مَا ذَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ (نجم-۱) اُسکی نگاہ نہ کج ہوئی، اور نہ سرکش ہوئی،

یہ اُس دنیا کے مناظر اور مشاہدات کے متعلق اُسکی کیفیت ہوتی ہے،

تمام دنیا کی قوتیں اُس کی قوت کے سامنے بالآخر طوعاً و کرہاً سرنگون ہو جاتی ہیں، با این ہمہ

وہ منکر و ر، جابر، جفا پیشہ، بدخوا، اور درشت مزاج نہیں ہوتا، وہ پیغمبری اور رسالت کے باعظیم کو اٹھاتا ہے، اور

اس کا پورا حق ادا کرتا ہے، اور تمام عالم میں اپنی رحمت کا فیض جاری کرتا ہے،

ثبوت و رسالت کے ثبوت | ثبوت کے ثبوت کے دو طریقے ہیں، ایک اجمالی، اور دوسرا تفصیلی، اجمالی طریقہ یہ ہے کہ طرح

کا جسمانی طریقہ | انسان کو حیوان پر نفسِ ناطقہ کی بنا پر فضیلت حاصل ہے، کہ یہ عقلی و دماغی خصوصیت حیوان

میں نہیں پائی جاتی، جس کے بل پر انسان حیوان پر حکمرانی کرتا ہے، اور اس کا مالک بنا ہوا ہے، اور اُس کو اپنے

کام میں لگائے ہوئے ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو اپنے نفوسِ قدسیہ کی بنا پر تمام انسانوں پر برتری حاصل ہے

وہ اپنے ان قدسی نفوس اور پیغمبرانہ قوت سے دوسروں کو راہِ راست سوچھاتے، اور خود راہِ راست پر قائم رہتے ہیں

انکی پیغمبرانہ عقل و فہم تمام انسانی عقلوں سے بالاتر ہوتی ہے، اور اُن کو وہ ربانی خصوصیت حاصل ہوتی ہے، جس کی بنا پر

وہ تمام انسانی نفوس کی تدبیر کا فرض انجام دیتی، اور اُن پر قابو پاتی، اور اُن کو کام میں لگاتی ہے، اور جس طرح انسان

کے عجیب و غریب کام حیوانوں کو حیرت انگیز معلوم ہوتے ہیں، اسی طرح پیغمبروں کے عجیب و غریب کام انسانوں کو حیرت
نظر آتے ہیں..... اور اگرچہ نئی عام انسانوں کیساتھ بشریت اور انسانیت میں برابر کا شریک ہوتا ہے،
مگر عقلیت و معنویت میں وہ ان سے بالکل الگ ہوتا ہے، کیونکہ اس میں وحی کے قبول کرنے کی جو صلاحیت ہوتی
ہے، وہ دوسرے انسانوں میں نہیں ہوتی، اسی مفہوم کو قرآن نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے،

إِنَّمَا آتَيْنَا الْبَشَرَ مِثْلَكَ لُوحِي (آئی رکف-۱۳) میں تمہاری ہی طرح بشر ہوں مجھ پر وحی کیجاتی ہے،

دیکھو کہ بشریت میں گو پیغمبر کو دوسرے انسانوں کے مثل کہا ہے، مگر ساتھ ہی وحی کے فرق و امتیاز کو دونوں
میں حد فاصل قرار دیدیا ہے،

نبوت کے تفصیلی ثبوت کے تین طریقے ہیں،

پہلا طریقہ | انسان میں تین قسم کے اختیاری حرکات پائے جاتے ہیں، فکری، قوی، علمی، ان تینوں سے جو افعال
سرزد ہوتے ہیں، وہ اچھے بھی ہوتے ہیں، اور برے بھی، فکر یعنی رائے، صحیح بھی ہوتی ہے، اور غلط بھی، قول، سچ بھی
ہوتا ہے، اور جھوٹ بھی، عمل اچھا بھی ہوتا ہے اور برا بھی،

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ صحیح اور غلط، سچ اور جھوٹ، اور اچھے اور برے میں تمیز کنو نکرو ہو؟ پھر کیا یہ تمیز
ہر شخص کر سکتا ہے، یا کوئی نہیں کر سکتا، یا بعض کر سکتے ہیں، اور بعض نہیں، پہلے دو احتمال بدائے غلط ہیں اب رہ گیا
تیسرا احتمال، یعنی بعضے انسان ایسے ہوتے ہیں جو ان حدود کو متعین کر سکتے ہیں، کہ فلاں رائے و عقیدہ صحیح اور
فلاں غلط ہو، فلاں قول سچ، فلاں جھوٹ ہے، اور فلاں فعل اچھا اور فلاں برا ہو، جس شخص کو خالق فطرت اپنے
فیض و کرم سے یہ قوت عطا فرماتا ہے، وہی پیغمبر اور صاحب شریعت ہوتا ہے،

دوسرا طریقہ | نوع انسان کو اپنے اختیاری اعمال و حرکات اور مصلحتی معاملات میں باہمی اجتماع اور تعاون کی ضرورت
ہے، اگر انسانوں میں باہمی اجتماع اور تعاون نہ ہو تو نہ تو انسان کا کوئی فرد زندہ رہے، نہ جان و مال اور عزت و
آبرو کی حفاظت ہو سکے، اسی بقائے نفس اور جان و مال و آبرو کے تحفظ کے اصول و آئین کا نام شریعت ہے،

انسان کو اس کے لیے دو قسم کے کاموں کی ضرورت ہے، ایک یہ کہ اچھے کاموں میں سب مل کر ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں اس کو **تعاون** کہتے ہیں، اور دوسرے یہ کہ بُرے کاموں سے ایک دوسرے کو باز رکھنے کی کوشش کریں، اس کو **تامع** کہتے ہیں، اسی تعاون کے ذریعہ سے انسان، کھانے، پہننے اور رہنے کے سامان و اسباب فراہم کرتا ہے، تعاون کے ذریعہ نواح و قرابت، اولاد و اعزہ اور احباب و دوست کے حقوق و تعلقات پیدا ہوتے ہیں، اور تامع کے ذریعہ سے نوع انسانی، اور افراد انسانی کی زندگی، اور اُن کی دولت و جائداد اور عزت و آبرو کے بچاؤ کی صورت پیدا ہوتی ہے، اس تعاون اور تامع کے اصول ضروری ہو کہ مرتب، محدود، اور معلوم ہوں، اور وہ اس طرح بنائے جائیں جنہیں کسی خاص شخص، خاندان، قبیلہ، قوم، اور ملک کے فوائد کی ترجیح نہ ہو، بلکہ اُن میں سب کا برابر فائدہ ہو، یہ ظاہر ہے کہ ایسا قانون انسانوں کے ذریعہ نہیں، بلکہ وحی ربانی، اور تعلیم الہی سے بن سکتا ہے، مطلب یہ ہے کہ محض کسی انسان کی عقل سے جو بہر حال کوئی خاص شخص یا کسی خاص خاندان، قبیلہ، قوم اور ملک کا ہوگا، ایسا غیر جانبدار نہ قانون جس میں تمام مخلوقات کی حیثیت یکساں ہو، اور کسی طرف توجہ نہ پائے، اور تمام عالم کے لیے یکساں واجب العمل ہو محال ہے، اس لیے ضروری ہے کہ یہ اصول اس کی طرف سے وحی ہوں جس کے ہاتھ میں نظام عالم کی باگ ہے، اور جو پورے نوع انسانی کے اندر رشتہ و بیرونی احوال و کیفیات کے رموز سے باخبر ہے، یہ اصول خالق عالم کی طرف سے جس شخص پر وحی ہوتے ہیں، وہی پیغمبر اور رسول ہوتا ہے۔

تیسرا طریقہ | یہ وہ طریقہ ہے، کہ جس نے اُس کو نہیں جانا، اس نے نبوت کی حقیقت نہیں پہچانی، پہلے یہ جانتا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے دو کام ہیں، **خلق** (پیدا کرنا، نیست سے ہست کرنا) اور **امر** (جو موجود و ہست ہے اُس کو اپنی مصلحت کے مطابق حکم دینا) کائنات انہی دو چیزوں سے عبارت ہے، تو جس طرح فرشتے خالق اور مخلوق کے درمیان خلق و ایجاد و پیدائش اور پیغام رسانی میں واسطہ ہیں، اسی طرح پیغمبر خدا اور بندہ کے درمیان احکام کے پہنچانے میں واسطہ ہیں، اور جس طرح خدا پر بحیثیت خالق اور آمر (پیدا کرنے والے اور حکم دینے والے) کے ایمان لانا واجب ہے، اسی طرح فرشتوں پر اس حیثیت سے کہ وہ خالق و مخلوق کے درمیان ایجاد و پیدائش اور پیغام رسانی کے واسطہ ہیں،

ایمان لانا ضرور ہے، اور اسی طرح پیغمبروں پر اس حیثیت سے ایمان لانا فرض ہے کہ وہ خدا اور بندہ کے درمیان حکم کے پہنچانے میں واسطہ بنیں،

اس کے بعد حسب ذیل مقدمات ذہن نشین رکھنے چاہئیں،

۱۔ چونکہ ممکن کا وجود اور عدم برابر ہے۔ اس لیے ممکن کے وجود میں آنے کے لیے ایک مرتبہ کا ہونا ضروری ہے، جسکی وجہ سے وجود کو عدم پر ترجیح ہو، اور وہ شئی عدم سے وجود میں آسکے یہی امر مرتبہ ممکن کی علت ہوتا ہے،

۲۔ ہر قسم کے حرکات کے لئے ایک محرک کی ضرورت ہوتی ہے، جو دبہم حرکت کی تجدید کرتا رہے، حرکات کی بھی دو قسمیں ہیں، طبعی اور ارادی، ارادی حرکت کے لیے ضرور ہے کہ اس کے محرک میں ارادہ اور اختیار پایا جائے، اسی طرح طبعی حرکت کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ اس کا محرک عقل اور تدبیر والا ہو، آفتاب و مہتاب اور دوسری آسمانی مخلوقات کی حرکات کو طبعی بننا ہم ان کو حرکت دینے کے لیے کسی مائل تدبیر کی ضرورت ہے، اسی لیے قرآن نے ان کے لیے کہا،

وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ صَمَاءٍ أَمْرًا هَا (خم سورہ - ۲) خدا نے ہر آسمان میں اسکا فرض اور کام وحی کیا،

۳۔ اب جس طرح انسانی حرکات کو ارادہ اور اختیار کی حاجت ہے، یعنی ارادہ اور اختیار کے بغیر وہ وقوع میں نہیں آسکتیں، اسی طرح ان حرکات کو ایک لیے رہنما کی ضرورت ہے، جو ان اعمال و حرکات کا ٹھیک راستہ اور صحیح طریقہ بتائے، اور حق کو باطل سے بچ کو جھوٹ سے، اور خیر کو شر سے ممتاز کر دے،

۴۔ خدا کے حکم دو قسم کے ہیں تدبیری اور تکلیفی پہلا حکم تمام نظام عالم میں جاری ہے، جس کی بنا پر تمام عالم میں تدبیر اور انتظام کا سلسلہ نظر آتا ہے، قرآن مجید میں ہے،

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنَّجْمُ فَسَخَّوْا بِأَمْرِ آكَا اور سورج اور چاند اور ستارے اس کے حکم کے تابع ہیں،

لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ (اعراف - ۵) اسی کا کام ہے بنانا اور حکم فرمانا،

تکلیفی حکم صرف انسان کے لیے ہے، چنانچہ قرآن میں ہے،

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ

اے انسانو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمکو

(البقرہ ۲۱)

پیدا کیا،

مقدمات مذکورہ بالا سے ثابت ہوا کہ انسان کے تمام حرکات ممکن ہیں اس لیے مرتج کی ضرورت ہی اختیار ہی ہیں اس لیے عقل کی ضرورت ہی غیر و شر کے مثل ہیں اس لیے رہنما کی ضرورت ہے، اسی رہنما کا نام پیغمبر ہے، نظام عالم میں خدا کا جو تدبیری حکم نافذ ہے، وہ ملائکہ کے ذریعہ سے ہے، اسی قیاس سے انسانوں پر خدا کا جو تکلیفی حکم نافذ ہے، وہ بھی ایسے ہی نفوس قدسیہ کے ذریعہ سے ہو گا، اور انہیں کا نام پیغمبر ہے، شاہ صاحب نے حجۃ اللہ الباقیہ کے چھ مبحث کے دو ابتدائی بابوں میں اس پر بحث کی ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ کل حکمتہ سبحی سے کی ہے، شاہ صاحب کی تقریر کو ہم اپنے الفاظ میں لکھتے ہیں:-

نبی کی ضرورت | انسان میں دو قسم کی قوتیں ہیں، ہستی اور ملکوتی، کھانا، پینا، شہوت، حرص و طمع، ہتھیلاؤں و جبر وغیرہ انسانی بھی قوت کے آثار ہیں، اور غور و فکر، علم و معرفت، حسن اخلاق، صبر و شکر، عبادت و طاعت وغیرہ ملکوتیت کے نتائج ہیں، انسان کی روحانی کامیابی کے لیے ضروری ہے، کہ انسانی قوت، اسکی ملکوتی قوت کے تابع ہو، اگرچہ عقل سلیم ان ہول اور طریقوں کو معلوم کر سکتی ہے، جنکے ذریعہ سے بہیمیت کے تابع ملکوتیت ہونے کے فائدے، اور گناہ و عصیان کے نقصانات ظاہر ہوں، عقل سلیم کے اس علم سے، انسان فائدہ اٹھا کر اپنی اصلاح کر سکتا ہے، مگر یہ تو امکان عقلی ہے، عملی کیفیت یہ ہے، کہ انسان کی آنکھوں پر موجودہ دنیاوی لذائذ، حرص و طمع، اور بیجا خواہشوں اور غفلتوں کے اتنے توہر توہر دے پڑ جاتے ہیں کہ اس کے اصلی اور فطری وجدان اور قوت احساس کا مادہ فاسد ہو جاتا ہے، جیسے بیماری میں انسان کی زبان کا ذائقہ جب بدل جاتا ہے، تو بیٹھی ہی بیٹھی چیزیں کو کڑوی معلوم ہوتی ہے، اسی طرح اندرونی وجدان و احساس کے فاسد ہو جانے سے بھی وہ حق و باطل، خیر و شر، اور نیک و بد کی تیز کو بھول جاتا ہے، اس لیے نوع انسان کو ایسے صحیح رہنماؤں، اور روحانی معلمین کی ضرورت ہے، جن کے احساس وجدان کا آئینہ گرد آلود نہ ہو

اگر افراد، جماعات اور اہل ملک کو ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے، جو اپنی سیاست کے زور سے ان میں صلح و

داشتی اور امن و امان پیدا کر دے، تو ایک قوم کی قوم بلکہ کل دنیا کے لیے ایک ایسے شخص کی ضرورت کیون نہ ہو، جو ہرگز
کی استعداد کو پیش نظر رکھ کر اس کے مطابق اس کے حقوق و فرائض کی تعیین کرے، ایسے لوگ جو ایسے اہم فریضہ کو انجام دے سکیں
اُسی طرح کم ہین، جہ طرح دوسرے اصناف کے اہل کمال، انسانوں کے معمولی پیشوں، تجارتی اور لوہاری، کو دیکھو کہ کس قدر
معمولی ہین، مگر ان کو کرنا بھی ہر شخص کا کام نہیں، یہ پیشے بھی ایسے لوگوں کے بغیر وجود میں نہیں آئے، جبکہ ان کاموں کا خاص
ذوق و وجدان تھا، اور ان کو ان کاموں کی خاص فطری استعداد ملی تھی، جس کے ذریعہ سے انھوں نے اس فن کو تکمیل تک
پہنچایا، اور اس کے اصول و قواعد وضع کیے، اور بعد کے آنے والوں نے ان کی تقلید کی، اور اس تقلید سے مدارج علیا تک
پہنچے، پھر اخلاق و روحانیات اور ملک و ملت کے مصالح و فوائد عامہ کا فن، جس قدر اہم اور نازک ہے، کیا اس کو سمجھنا اور
وضع کرنا ہر کس و نا کس کا کام ہو سکتا ہے،

نبی کی عصمت | پھر اسکے ساتھ یہ بھی ضروری ہے، کہ جو شخص اس بہنائی کے منصب کا مدعی ہو، وہ اپنی نسبت یہ بھی ثابت کرے
کہ وہ ان اصول و قواعد سے بخوبی واقف ہے، اور وہ اپنے علم اور تعلیم میں غلطی اور گمراہی سے محفوظ ہے، اور یہ اُس وقت تک ممکن
نہیں جب تک اس کے علم اور تعلیم کا ماخذ اور سرچشمہ غلطیوں سے پاک اور محفوظ نہ ہو، اُس کو ان امور کا علم اسی طرح وجدانی ہو،
جس طرح انسان کو بھوک اور پیاس کا وجدان ہوتا ہے، کیا کسی کو اس علم میں کہ اُس کو بھوک یا پیاس معلوم ہوتی ہے، کوئی
غلطی ہو سکتی ہے، اسی طرح اس کو حق و باطل، خیر و شر، اور نیک و بد امور کے درمیان فیصلہ اسی طرح قطعی معلوم ہوتا ہے، جس میں
دلیل کی حاجت ہوتی ہے، اور نہ عقل و شمس کی ضرورت ہوتی ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر بھوک اور پیاس پہ
کا علم اسی طرح رکھ دیا ہے، کہ ہمارے سامنے کوئی معاند کتنی ہی دلیلین پیش کرے، کہ ہم کو بھوک یا پیاس نہیں ہے، ہم کبھی
اپنے اس وجدانی یقین سے جس کو خدا نے ہمارے اندر پیدا کر دیا ہے، اس معاند کے ان عقلی دلائل سے متاثر ہو کر دست برد
نہیں ہو سکتے، اور اپنے یقین کو غلط نہیں کہہ سکتے، بعینہ اسی طرح ان نفوس قدسیہ کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے خاص قسم کا
وجدان و ذوق سلیم رکھ دیا ہے، جس کا عمل ہمیشہ صحیح، اور جس کا احساس ہمیشہ درست، اور جس کا فیصلہ ہمیشہ ناطق ہوتا ہے،
نبی کی محبوبیت | ایسا شخص جب لوگوں کے سامنے آتا ہے، اور لوگوں کو بار بار کے تجربہ سے اُس کی صداقت، سچائی،

اور راستبازی کا یقین ہو جاتا ہے اور اس کے ہاتھ سے جو تصرفات صادر ہوتے ہیں، اُن سے اُس کا مقرب بارگاہ الہی ہونا بھی ظاہر ہو جاتا ہے، تو ہر طرف سے لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں اور اُنکی محبت کی راہ میں جان و مال اور اہل و عیال سب کو قربان کر دیتے ہیں،

شاہ صاحب اس کے بعد دوسری فصل میں یہی بحث نبوت کو ایک اور انداز سے لکھتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے:-

مصلحین | فضل و کمال، اور علم و عمل کے لحاظ سے انسانوں کے مختلف درجے ہیں، اُن میں سب سے بڑا درجہ **مفتحن** کا ہے، اور یہ وہ لوگ ہیں جنکی قوتِ ملکہ نہایت بلند ہے، اور جن میں یہ قدرت ہوتی ہے کہ سچے اور صحیح جذبہ سے ایک خاص نظام کو دنیا میں قائم کر دیں، اور اُن پر بارگاہ الہی سے ایسے علوم اور احوال کا ترشح ہوتا ہے، جنہیں بانی آثار نظر آتے ہیں، ایسے لوگ معتدل مزاج اور اپنی صورت و سیرت میں درست، اور عقل و کماوت میں متوسط ہوتے ہیں، نہ اس قدر بلید کہ جزئیات سے کلیات تک انکا پہنچنا مشکل نہ اس قدر تیز کہ جزئیات اور محسوسات سے قطع نظر کر کے ہمیشہ ذہنیات اور تخیلات میں مبتلا رہیں، صحیح فطرت پر وہ قائم رہتے ہیں، بلکہ روطہ پر اُنکے پسندیدہ ہوتے ہیں، خدا کیساتھ اُن کا تعلق عبادت و طاعت سے اور بندوں کیساتھ عدل و انصاف سے قائم رہتا ہے، وہ اپنے فیصلوں میں شخصی اور جزئی بھلائی اور منفعت کا لحاظ نہیں کرتے بلکہ منفعت عامہ اور تدبیر کلی کا لحاظ کرتے ہیں، براہِ راست کسی کو تکلیف نہیں دیتے، الا یہ کہ منفعت عامہ کا حصول اور بڑی تعداد کا فائدہ چھوٹے سے نقصان سے حاصل ہو، تو وہ اُس جزئی تکلیف اور شخصی نقصان کو گوارا کر لیتے ہیں، ہمیشہ اپنے کاروبار میں عالمِ غیب کی طرف مائل رہتے ہیں، جس کا اثر اُن کی بات چیت، کام کاج، اور معاملات میں نمایاں ہوتا ہے، کارکنانِ عالم انکی تائید و نصرت میں رہتے ہیں، معمولی ریاضت سے اُنکے کے لیے قرب و سکینت کے وہ دروازے کھلتے ہیں، جو دوسروں کیلئے نہیں کھلتے

مصلحین کے اقسام | **مفتحن** کے درجہ بدرجہ مختلف اصناف ہیں، اور اُن کی مختلف استعدادیں ہیں، اور اس بنا پر اُن میں سے

ہر ایک کے الگ الگ اصطلاحی نام ہیں، جو زیادہ تر عبادات کے ذریعہ سے تہذیب نفس کے علوم پاتا ہے، وہ **کامل** ہے، اور جو اخلاق، فاضلہ اور تدبیر منزل کے احوال حاصل کرتا ہے، وہ **حکیم** ہے، جو عمومی تدبیر و سیاست کے علوم کا فیض پاتا ہے، اور اُن کے مطابق اس کو لوگوں میں عدل کے قیام اور ظلم کے دور کرنے کی توفیق ملتی ہے، وہ **خلیفہ** ہے، اور جس پر ملکہ

کا نزول ہوا اور وہ اس سے تعلیم پائے، اور وہ اس کو مخاطب کرے، اور مختلف قسم کے تصرفات اس سے صادر ہوں وہ مؤید
 بروح القدس کہلاتا ہو، اور وہ جس کی زبان اور دل میں نور ہو، کہ لوگ اُس کی صحبت اور پند و مواعظ سے نفع
 اٹھائیں، اور وہ نور اس سے منتقل ہو کر اُس کے رفقاء خاص میں منتقل ہو، جس سے وہ بھی کمال کے درجہ تک پہنچ جائیں
 اُس کا نام ہادی اور مُرْزِی (پاک کرنے والا) ہے، اور جس کے علم کا بڑا حصہ ملت کے مَہول و قواعد اور اُسکی مصلحتوں
 کی واقفیت ہو، اور ملت کے منہدم ارکان کو دوبارہ قائم کرنے کی طاقت ہو وہ امام کہا جائیگا، اور جس کے قلب میں یہ
 ڈالا جائے، کہ وہ لوگوں کو اُن کی اس مصیبت عظمیٰ سے خبردار کرے، جو اس دُنیا میں اُن کے لیے اُن کے اعمال کے نتیجہ
 کے طور پر مقدر ہے، اور اُن کی بد اعمالی کے سبب اُن سے حق تعالیٰ کی رحمت کو جو دوری ہے، یا قبر اور حشر میں اُن پر پہنچتین
 انبیاء میں اُس کا نام مُتَذَر (ڈرانے والا ہشیار کرنے والا) ہے،

اور جب حکمت الہی کا یہ اقتضا ہوتا ہے، کہ مخلوق کی ہدایت و اصلاح کے لیے اُن مفتین میں سے کسی کو بھیجے تو اُسکی
 آمد مخلوق کے تاریکی سے نکل کر روشنی میں آنے کا سبب ہو جاتی ہے، اور وہ بندوں پر یہ فرض قرار دیتا ہو، کہ وہ دل و جان
 سے اُس کی اطاعت کریں، اور بارگاہ الہی میں تاکید ہوتی ہے، کہ جو اُسکی اطاعت کرے، اس سے خوشنودی، اور جو اُس
 سے مخالفت کرے، اُس سے ناخوشی ظاہر کجائے، یہی شخص نبی ہوتا ہو،

نبی کی دو بعثتیں | نبیوں میں بڑا درجہ اُس کا ہوتا ہے جس کو اس پیغمبرانہ بعثت کیساتھ ایک اور بعثت ملتی ہے، اور وہ یہ
 مراد الہی یہ ہوتی ہے، کہ اُس نبی کے ذریعہ سے اُس کی قوم، اور اُس کی قوم کے ذریعہ سے دوسری قومیں ظلمت سے نکل کر
 نور میں آئیں، تو اُس نبی کی ذاتی بعثت کا نام بعثتِ اولیٰ، اور اُسکی قوم کی دوسری قوموں کی ہدایت کے لیے مامور کی بعثت
 ثانیہ ہے،

نبی کی پہلی بعثت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے،

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ
 يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ
 وَهُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ
 يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ

الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ، (جمعاً) اُن کو کتاب اور دانائی سکھاتا ہے،

اور دوسری بعثت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے،

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران ۱۱۰)

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے، وجود میں لائی گئی،

نیکی کا حکم دیتی ہو اور برائی سے باز رکھتے ہو،

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ بعثت انکی امت کے لیے ہوئی، ویسی ہی انکی

امت کی بعثت دوسری قوموں کی طرف ہوئی، اور اسی معنی میں قرآن پاک کی یہ آیت بھی ہے،

يَكُونَنَّ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (حج - ۱۰)

نہ کہ رسول پسر گواہ ہو، اور تم لوگوں پر گواہ ہو،

اسی لیے احادیث میں ہے، کہ اپنے صحابہ کو فرمایا فَاَنْتُمْ مَشِيرَتِي وَلَكُمْ تَبَعَتُوْا مَعِيَ اَنْتُمْ اَسَانِي

کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو، سختی کرنے والے بنا کر نہیں، انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو انبیاء علیہم السلام آئے وہ ان مختلف نسلوں

بالا مناصب میں سے ایک یا دو منصب کیساتھ مسجوث ہوئے، لیکن انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام منصبوں پر ایک ساتھ مقرر

ہوئے، اور یہ تمام فنون آپکی واحد ذات میں جمع کر دیئے گئے، اور آپ کو یہ دونوں بعثتیں بھی بکمال استحقاق عطا ہوئیں،

بعثت کیلئے کسی قوم | یہ بھی واضح ہو کہ رسول کی بعثت کے لیے حکمت الہی کا اقتضا اس لیے ہوتا ہے کہ عالم کی عمومی تدبیر و نظم

کا انتخاب

ونسق میں جو اضافی خیر معتبر ہے، وہ ان دونوں اُسی رسول کی بعثت میں منحصر ہوتا ہے، اور اس بعثت

کے حقیقی سبب کا علم اُسی دانائے غیب کو ہی مگر اتنی بات ہم قطعاً جانتے ہیں، کہ کچھ اسباب ایسے ہیں جو بعثت کیساتھ ضرور

پائے جاتے ہیں، اور امت پر اُس رسول کی اطاعت اسی لیے فرض ہوتی ہے، کہ اللہ تعالیٰ دنیا کی تمام قوموں سے

جس قوم کی نسبت یہ جانتا ہے کہ اس میں خدا کی اطاعت و پرورش کی استعداد اور اُتھیں اللہ تعالیٰ کے فیضان اُٹھانے کی

صلاحیت زیادہ ہے، اُس میں وہ رسول مسجوث ہوتا ہے، اور چونکہ اس قوم کی اصلاح اُسی پیغمبر پر ہوتی ہے اور امت میں منحصر

ہوتی ہے، اس لیے بارگاہ الہی کا یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ انکی اطاعت سب پر واجب کی جائے،

بعثت کا زمانہ | اس موقع پر چند باتیں اور قابلِ لحاظ ہیں، اگر یہ وقت وہ وقت ہوتا ہو کہ کوئی نئی حکومت اس لیے قائم کی جائے، تاکہ اُس کے ذریعہ سے اُن دوسری حکومتوں کو جو دنیا میں فساد اور شر کا موجب بنی ہوئی ہیں مٹا دیا جائے، تو ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ اُس شخص کو بھیجتا ہے، جو پہلے اس قائم ہونے والی سلطنت کی قوم کی اصلاح کرے، اور اُس کے دین کو درست کرے، تاکہ اُس کے ذریعہ سے دوسری قوموں کی اصلاح ہو، جس طرح ہمارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی زندگی کی بقا اور اُس کو اپنا برگزیدہ بنانا چاہتا ہو، تو اُس میں وہ ایک ایسے شخص کو بھیجتا ہے جو اُس کی کجی کو دور کر دے، اور اُس کو کتابِ الہی کی تعلیم دیکر، اُس کو اس کا مستحق بنا دے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بنی اسرائیل میں بعثت ہوئی، یا کسی قوم کے متعلق تضائے الہی کا فیصلہ یہ ہوتا ہو، کہ اس کو مزید زندگی ملتی ہے، اور اس کا دین و سلطنت برقرار رہے، تو مجد دین نبوت پیدا ہوتے ہیں جیسے بنی اسرائیل کے مختلف زمانوں میں حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور پیغمبروں کے ایک گروہ کی بعثت ہوتی رہی،

نبی کی تفسیر کا میاں | سرنبی کی بعثت کے دور میں اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہوتا ہے، کہ اُسکو اور اُس کے دوستوں کو کامیابی ہو، اُس کے دشمنوں کو پے در پے ناکامی ہو، دیہانتک کہ حق استوار اور دعوت مکمل ہو جائے (قرآن پاک میں ہے:-

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْغُلَامِ اِنَّهُمْ
لَهُمْ الْمَنصُورُونَ وَإِنَّا لَكَاظِمِينَ
اور ہماری بات، اپنے پیغمبر کے متعلق پہلے ہی طے ہو چکی ہو،
کہ انہیں کی مدد کی جائیگی، اور ہمارا ہی لشکر غالب ہوگا،

ان دونوں بزرگوں (امام غزالی، اور شاہ ولی اللہ صاحب) نے اپنے اپنے الفاظ میں جو کچھ کہا ہے، وہ حرفِ بحرِ صحیح ہے، ان کے اکرام علیہم السلام کے احوال مبارکہ اور سونچے مقدسہ پر جسکی نظر عتیق و وسیع ہوگی، اُس کو ان اصول کے تسلیم کرنے میں ذرہ بھر شک نہیں ہو سکتا، اور اُن پر استدلال، واقعات اور حوادث سے اسی طرح کیا جاسکتا ہے جس طرح حقیقتِ صحت (سائیکالوجی آف سہیل) یا نفسیات رہنمائی (سائیکالوجی آف لیڈرشپ) پر واقعات کے تسلسل اور تواتر سے کرتے ہیں، منظرِ امام غزالی اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اوپر کے صفحات میں جو کچھ کہا ہے، ہم مجازاً کہہ سکتے ہیں کہ وہ نفسیاتِ نبوت کے گہرے ابواب ہیں۔

موجود زمانہ میں خیالات طرز گفتار، اسلوب تحریر، اور طریقہ استدلال، غرض ہر چیز میں فرق ہو گیا ہو، اس لیے ضرورت ہے کہ اہل زمانہ سے اونکی اصطلاح میں گفتگو کی جائے، اور جو اصول قائم کیا جائے اُس پر قرآن مجید سے بھی ساتھ ساتھ استدلال کیا جائے، کہ عقل نقل و نون و درباروں میں کہنے والے کی بات کا اعتبار ہو،

غور کرنے سے یہ معلوم ہوگا کہ دنیا کا ذرہ ذرہ جس غرض و مقصد کیلئے پیدا ہوا ہو، وہ اپنے ذاتی ارادہ اور قصد کے بغیر خود بخود اُس کو پورا کر رہا ہو، اور اُس کے خالق نے اس کے روز پیدائش سے اس کو جو حکم دیدیا ہے، اُنکی تعمیل سے وہ سر مو انحراف نہیں کرتا، آسمان سے لیکر زمین تک ہر چیز اپنے اپنے کام میں لگی ہوئی ہے، آفتاب دنیا کو گرمی اور روشنی دینے پر مامور ہے، اور وہ ہر آن اور ہر لمحہ ہمیں مصروف ہے، زمین کو سرسبزی اور شادابی کا کام سپرد ہے، اور وہ اُسکو انجام دیر ہی ہو، ابر کو سیرابی اور گہر باری کا حکم ہے، اور وہ اس کی تعمیل کر رہا ہے، درخت پھل دینے پر مقرر ہیں، اور وہ اس کام میں لگے ہوئے ہیں جیوتنا جن کاموں پر مامور ہیں وہ بخوشی اُن کو کر رہے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا انسان بھی اس دنیا میں کسی کام پر اسی طرح مقرر ہو کر آیا ہو یا نہیں؟ اگر آیا ہے تو کیا اُسکو انجام دیر رہا ہے؟

اَو انسان کو غور سے دیکھیں، بظاہر وہ بھی کھانا پیتا، چلتا پھرتا، اٹھتا بیٹھتا زندگی گذارتا ہو، اور پھر مر جاتا ہے، کیا اونکی زندگی کا بس اسی قدر مقصد ہے، اگر یہی ہے تو پھر انسان اور حیوان میں کیا پہچان؟ اور ذی ارادہ اور غیر ذی ارادہ میں کیا تمیز؟ اور صاحب عقل اور عقل میں کیا فرق؟ چنانچہ قرآن پاک اسی لیے انسانوں سے سوال کرتا ہو، اور بجا سوال کرتا ہو؟

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا،

(مومنون - ۶)

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّا خَلَقْنَاكُمْ يَتْرُكُكُمْ سُدًى، (قیامہ - ۲) کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ وہ بیکار چھوڑ دیا جائے گا،

اس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی کسی غرض و مقصد کے لیے پیدا ہوا ہو، لیکن وہ غرض و مقصد کیا ہے؟

انسان کی پوری ہستی اگر کائنات کے صفحہ سے مٹ جائے تو بھی آفتاب اسی طرح چلتا رہیگا، ہندو اسی طرح اُلتے رہیں گے، یونانین اسی طرح چلتی رہیں گی، پانی اسی طرح برستا رہیگا، ہنرے اسی طرح اُگتے رہیں گے، اور درخت اسی طرح

پھلے رہیں گے لیکن اگر درخت نہ پھلین، تو انسان کی ہستی معرضِ خطر میں پڑ جائے، سہریاں نہ گین، تو انسان بھوکا مر جائے، پانی نہ برے تو انسان پیاسا ترپ جائے، اگر ہوا نہ چلے تو انسان گھٹ کر مر جائے، اگر زمین نہ ہو تو انسان کو کھڑے ہونے کی جگہ نہ ملے، اگر آفتاب چلے تو انسان کی ہستی کا چراغ فوراً بجھ جائے، سمندر نہ ہو تو پانی برے، نہ سہریاں گین، نہ انسانی غذا میسر آئے، نہ پانی برس کر پھر زمین کو خشک ہونا نصیب ہو، الغرض دنیا کی کوئی اہم ہستی اپنے وجود کے لیے انسان کی محتاج نہیں، لیکن انسان اپنے وجود کے لیے کارخانہ ہستی کے ایک ایک پرزہ کا حامل ہے، تو پھر کیا یہ نتیجہ صحیح نہیں، کہ اس کارخانہ کے ہر پرزہ کی غرض و غایت انسان کا وجود اور اس کی بقا ہے، لیکن خود انسان کے وجود کی غرض کوئی دوسری ہے، جو دیگر موجودات کے وجود کی غرض سے زیادہ اہم ہے،

قرآن پاک دوسرے موجودات و مخلوقات کی نسبت تو یہ کہتا ہے،

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَآ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (بقراءہ ۳)

اُس نے تمہارے لیے (اے انسانو!) اُس سب پر کیا جو زمین میں ہے

پھر یہ بھی بتایا،

الَّذِينَ تَدْعُو اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَآ فِي الْأَرْضِ

(اے انسان!) کیا تو غور نہیں کرتا کہ زمین میں جو کچھ ہے اُن سب کو

(ج-۹)

تمہارے کام میں اُس نے لگا رکھا ہے،

زمین کے بعد آسمان کی نسبت بھی اُس نے اعلان کیا،

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

اور (اے انسانو!) اُس نے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو

وَالْبَحْرَ مَسْخَرَاتٍ بِأَمْرٍ (نحل-۲)

تمہارے کام میں لگایا، اور ستارے بھی اُس کے حکم سے کام میں لگی ہیں،

ہستیاں دو ہی ہیں، خالق کی اور اُسکی مخلوقات کی، مخلوقات کے حالات پر غور کرنے سے نظر آتا ہے، کہ اُن میں ہر

ادنیٰ چیز اپنے سے اعلیٰ چیز کے کام آ رہی ہے، جمادات، نباتات کے، نباتات حیوانات کے اور جمادات اور نباتات اور حیوانات

تینوں انسان کے کام آ رہے ہیں، آخر انسان کو بھی اپنے سے کسی اعلیٰ ہستی کے کام آنا چاہیئے، مخلوقات میں تو اب اس سے

کوئی اعلیٰ ہستی نہیں، تو لا محالہ اُسکی تخلیق خود خالق کے لیے ہوئی ہے،

الغرض دنیا کی ساری چیزوں کی غرض غایت بواسطہ یا بلا واسطہ انسانوں کی بقا، زندگی اور آسائش ہے، لیکن خود انسان کی زندگی اس کے لیے نہیں، بلکہ خدا کے لیے ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے،

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ اور میں نے جن اور انسان کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری

(ذاریات۔ ۳) طاعت کریں،

عقل و فہم اور ارادہ و اختیار کے لحاظ سے مخلوقات کی تین قسمیں ہیں،

۱۔ ایک وہ جو ان صفات سے یکسر محروم ہیں جیسے آفتاب، مانتاب، زمین، ہنسی، ہنجر، پھل، پھول، درخت،

۲۔ دوسرے وہ جو صرف ابتدائی احساس اور علم و فہم رکھتے ہیں، لیکن قیاس و استقراء، تشبیل اور حاضر پر غائب کو قیاس

کرنے کی کوئی نوع علم کا استخراج کرنا ان کی قدرت سے باہر ہے، ان کا ارادہ و اختیار بھی صرف ظاہری محسوس اشیاء تک محدود ہے، جیسے حیوانات،

۳۔ تیسری وہ مخلوق ہے جو عقل و ادراک رکھتی ہے، قیاس آرائی کرتی ہے، استقراء و تشبیل کے ذریعہ سے استنباط کرتی ہے،

جزئیات سے کلیات بناتی اور کلیات سے جزئیات پر حکم لگاتی ہے، بدیہیات سے نظریات تک پہنچتی، اور غائب کو حاضر پر قیاس کرتی ہے،

پہلی قسم کی مخلوقات سے جو حرکات اور آثار پیدا ہوتے ہیں، وہ اضطرابی اور غیر ارادی ہوتے ہیں اور کبھی ان میں

تخلّف نہیں ہوتا، اسی لیے ان کو فطری آثار اور طبعی خصائص کہتے ہیں، جن کا صدور ان مخلوقات سے ہمیشہ یکساں اور بلا

ارادہ ہوتا رہتا ہے، دوسری قسم کی مخلوقات سے جو آثار اور حرکات پیدا ہوتے رہتے ہیں، وہ گو ارادہ اور احساس اور

ابتدائی فہم کے ماتحت صادر ہوتے ہیں، لیکن ان کے ہر فرد سے صرف ایک ہی قسم کے افعال، حرکات اور آثار یکساں طور

سے ظاہر ہوتے ہیں، ان کے خلاف نہیں ہو سکتا، اور نہ ایک دوسرے سے کم و بیش ہو سکتا ہے، ان کے ان افعال، حرکات

اور آثار کو حقیقت، فطرت اور طبیعت کہتے ہیں، ان کے صدور میں بھی وہ مخلوقات اپنی فطرت اور طبیعت کے تقاضے سے

مجبور ہیں، جیسے حیوانات کے افعال اور ان کے مختلف انواع کے الگ الگ نوعی کام، کہ وہ ازل سے قیامت تک

ایکسان، ایک ہی طرح اور وہ بھی کسی غایت اور انجام و مال کے پہلے سے سوچے بغیر اُن سے صادر ہوتے ہیں،
 تیسری مخلوق کے بعض افعال کو طبیعت و جبلت کے مطابق ہوتے ہیں جو دیگر مخلوقات کی طرح ویسے ہی بے ارادہ
 اور اضطرار سرزد ہوتے ہیں، مگر اُس کے اور دوسرے افعال و حرکات تا مگر اُس کے ارادہ، اختیار اور فہم سے صادر ہوتے
 ہیں، صرف یہی آخری قسم کے افعال وہ ہیں جن پر خیر و شر اور نیک و بد کا حکم جاری ہوتا ہے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اُس کے
 تمام عقائد نامہ کام، عاقبت بینی، انجام اور مال کار کو خیال کر کے اُس کے ارادہ سے صادر ہوتے ہیں اور یہیں سے اسکی ذمہ داری
 کا سوال پیدا ہو جاتا ہے،

جن اُن کے علاوہ تمام دوسری مخلوقات خیر و شر کی ذمہ داری سے بری ہیں، جمادات و نباتات تو اس لئے کہ
 اُن کے افعال و حرکات تمام تر مجبورانہ بے ارادہ، اور فکر انجام کے بغیر صادر ہوتے ہیں، یا یوں کہو کہ اُن احکام کے بموجب ہمیشہ
 ہوتے ہیں، جو خدا نے اُن کو اول ہی دن دیدیئے ہیں، حیوانات بھی اسلئے اس ذمہ داری سے بری ہیں، کہ اُن کے افعال
 و حرکات بھی تمام تر جبلتی و طبعی ہیں، اور وہ جبلت و طبیعت پر مجبورانہ بے ارادہ اور انجام کے خیال کے بغیر عامل ہیں، یا یوں
 کہو کہ وہ اپنے خالق کے احکام پر ہمیشہ اضطرار اُگل پیرا ہیں، اسی طرح فرشتے بھی اس تکلیف سے سبکدوش ہیں، کیونکہ وہ
 بھی اپنی خلقت اور جبلت سے اطاعت پر مجبور ہیں، اور اسی لئے اُن سے عصیان نہیں سرزد ہوتا، صرف ایک انسان
 ایسی مخلوق ہے جو بہت سی باتوں میں ارادہ، اختیار اور علم رکھتا ہے، نیکی، بدی اور خیر و شر ان دونوں پہلوؤں میں سے
 کسی ایک کے اختیار پر قطعی مجبور نہیں ہے، بلکہ وہ عقل و فہم سے سوچ سمجھ کر مال کار اور انجام پر غور کر کے یا اپنے جذبات
 کے ماتحت کوئی کام کرتا ہے، اس لئے وہی خیر و شر کے امتیاز اور حق و باطل کے فرق کے لئے پیغام الہی کا محتاج قرار پایا
 جمادات و نباتات، اور دیگر مخلوقات سے احکام الہی کی مجبورانہ اطاعت یعنی جبلت یا فطرت یا خاصیت کو، قرآن
 پاک یوں ادا کرتا ہے،

اور خدا ہی کے آگے سر جھکتے ہیں، جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں،

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ

جانداروں میں، اور فرشتے وہ کمرشی نہیں کرتے، اپنی پروردگار کا اوپر سے ڈر

دَابَّةٍ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ، يَخَافُوْنَ

رَبَّهُمْ مِّنْ فَتْرَةٍ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (نحل)

لکھتے ہیں اور کرتے ہیں، جو حکم پاتے ہیں،

اس فطری اطاعت الہی کا دوسرا نام فطری وحی بھی رکھ لو، جیسا کہ قرآن میں ہے،

وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ

اور تیرے پروردگار نے شہد کی مکینوں پر وحی بھیجی کہ پہاڑوں

بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ كُلِّي مِّنْ

میں اور درختوں میں اور جہاں چھت ڈالتے ہیں، اپنے

كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا

یہ گھر بنائے، پھر ہر محل میں سے کھا، پھر اپنے پروردگار کی

(نحل-۹)

راہوں پر (مقررہ احکام پر) چل، مطیع ہو کر،

دیکھو اس آیت پاک میں طبعی الہام کی مجبورانہ پیروی کو اطاعت الہی کہا گیا ہے، اور دوسری جگہ انکی اپنے خالق

اور پیدا کرنے والے کے حکم کی اسی طبعی اطاعت اور فطری تعمیل کو ان کی زبانِ حال کی نماز اور تسبیح فرمایا گیا ہے،

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مِّنْ فِي السَّمَوَاتِ وَ

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین میں جو کوئی ہے اور اُن

الْأَرْضِ وَالطَّيْرِ مَصْفُوفًا كُلُّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ

جانور پر کھڑے انکی یاد کرتے ہیں، ہر ایک نے جان بھیجی اپنی

وَسَبِّحْهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ (نحل)

طرح کی نماز اور انکی پاکی کی یاد اور خدا کو معلوم ہے جو وہ کرتے

لیکن انسان کو دوسرے موجودات و مخلوقات کی طرح مجبور محض نہیں پیدا کیا گیا ہے، بلکہ جیسا کہ بتایا جا چکا، وہ انسان

اور ارادہ جو جمادات میں معدوم، نباتات میں محلِ بحث، اور حیوانات میں متحرک ہے، وہ انسان میں پوری طرح بیدار

اور کار فرما ہے، اسی طرح وہ ارادی قدرت و اختیار جو جمادات میں معدوم، نباتات میں مفقود اور حیوانات میں محدود ہے،

وہ انسان میں ایک حد تک وسیع ہے، علاوہ اذین ہر کام میں عاقبت بینی، اور مال اندیشی صرف انسان کا خاصہ ہے،

اسی لیے تمام مخلوقات میں وہی ارادی تکلیف کا مستحق قرار پایا، اور غیر ذی ارادہ مخلوقات کی طرح بالاضطرار اور مجبورانہ

اطاعت الہی کے لیے نہیں، بلکہ بالارادہ اطاعت کے لیے انکی تخلیق ہوئی فرمایا،

إِنَّا نَعُوْذُ بِالْإِيمَانَةِ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

ہم نے اپنی امانت آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں پر

وَالْجِبَالِ فَابْتِئْنَا أَن يَحْمِلْنَاهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا

پیش کی تو اونھوں نے انکار کیا اور اس سے ڈرے،

وَجَلِّمُوا الْاِنْسَانَ ط (احزاب - ۹) اور انسان نے اُس کو اٹھالیا،

یہ امانت، اوستکی نیکی و بدی کی تمیز اور خیر و شر کا فرق ہے جس کے نتیجہ کے طور پر شریعت الہی کا نزول ہوا ہے انسان کو اپنی اس امانت سے عہدہ برآ ہونے کے لیے بارادہ اور باختیار افعال میں بھی بے ارادہ اور بے اختیارانہ افعال کی طرح احکام الہی کی اطاعت کرنا ضروری ہو، یعنی جس طرح بے اختیارانہ افعال میں فطرت و جبلت کی مجبورانہ اطاعت کر کے حکم الہی کی تعمیل کی جاتی ہے، اُسی طرح بارادہ اور اختیاری افعال میں بھی شریعت کی بارادہ اطاعت کر کے حکم الہی کی تعمیل ضروری ہو،

اس مطلب کو دوسرے نقطوں میں یوں ادا کر سکتے ہیں، کہ غیر ارادی افعال حرکات میں جس طرح ہم اپنے فطری الہام و وحی کی مجبورانہ پیروی کرتے ہیں، اُسی طرح ارادی افعال میں بھی شرعی الہام و وحی کی بارادہ پیروی کریں، لیکن کسی کی اطاعت اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اُس کے احکام و اوامر سے ہم کو واقفیت نہ ہو، انبیاء اور رسولِ دہی بن جبرائیل تعالیٰ اپنے ان احکام اور اوامر کی شریعت کو وحی کرتا ہے، اور وہ ان ذی ارادہ بندوں کو اس سے آگاہ و باخبر کرتے اور اُنکی اطاعت کی دعوت دیتے ہیں،

یہ نکتہ کہ انسان کے علاوہ تمام دیگر بے ارادہ مخلوقات خدا کی اطاعت پر طبعاً مجبور اور مجبور ہیں اور کسی قدر باختیار انسان کے افراد اپنے اُسی تھوڑے سے اختیار اور ارادہ کے بل پر اپنے خالق سے سرکشی کرنے پر آمادہ ہیں، خود قرآن پاک کے الفاظ میں موجود ہے، فرمایا،

اَلَمْ نَرَاَنَّ اللّٰهَ یَجْعَلُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَیَمِیْنِ

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی کے آگے سر جھکتا ہے جو آسمانوں

فِی الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتِ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ

میں ہوا و درجہ زمین میں ہے، اور سورج اور چاند اور ستارے

وَالشُّجُرُ وَالْاَشْبَابُ وَکَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ ط و

اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان، اور

کَثِیْرٌ مِّنْ عَلٰیہِ الْعَذَابُ ط (حج - ۲)

بہت ہیں انسانی، جہنم عذاب ٹھہر چکا،

دیکھو کہ انسان کے علاوہ تمام دوسری بے ارادہ اور بے عقل مخلوقات کی کئی اطاعت اور سرفاکنہ گی کا اعلان

لیکن خاص با ارادہ اور عقل اور انجام بین انسانوں کی دو قسمیں کر دی گئیں، بطبع اور سرکش!

کائنات کے صحیفہ کا تدبیری مطالعہ کرو تو معلوم ہو گا کہ جمادات، نباتات، حیوانات، اور انسان میں جس صفت مخلوق میں احساس، ارادہ، اور اختیار کی غنئی کمی ہو، اسی قدر فطرت اس کی دایہ گری کی خدمات زیادہ انجام دیتی ہے، اور جس تک احساس، ارادہ، اور اختیار کا دائرہ اصنافِ ہستی میں بڑھتا جاتا ہے، اس قدر معلّم فطرت اپنے فرائض سے کنارہ کش ہوتا جاتا ہے، اور وہ صنفِ کائنات اپنی ذمہ داری آپ قبول کرتی جاتی ہے، جمادات اپنی نشوونما کے لیے بیرونی غذا کے محتاج نہیں، نباتات جن میں ان اوصاف کی ہستی صرف اپنی انگلیں کھولتی ہے، اُن کی غذا خود اُن کے پانون کے نیچے ہوتی ہو، اور وہ خود اڑ کر اور چل کر اُن تک پہنچ جاتی ہے، حیوانات جن میں یہ اوصاف جاگ کر کروٹیں بدلتے ہیں، انکی غذا بے جوتے بوئے، بے پٹے نکھارے، بن پکے پکائے، ہر قدم پر ہر وقت تیار ملتی ہے، لیکن انسان جس میں یہ تینوں اوصاف ملے، حکمران اور کار فرما ہوتے ہیں، اس کے منہ تک غذا کا ایک دانہ بھی اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا، جب تک اُس کی جدوجہد، محنت، اور جانفشانی کے پسینہ کا گرم قطرہ پیشانی سے چل کر اس کے پانون تک نہیں پہنچتا،

جہاں احساس، ارادہ اور اختیار جیسے جیسے کم ہے، اس قدر طبیعت، فطرت، اور جبلت کی اضطراری حکومت قائم ہے، لیکن جیسے جیسے ان تینوں اوصاف کی ترقی و تکمیل ہوتی جاتی ہے، طبیعت، فطرت اور جبلت کی حکومت کا دائرہ تنگ ہو کر احساس، ارادہ اور اختیار کی شہنشاہی قائم ہوتی جاتی ہے، اور حرکات و اعمال کی باگ فطرت و جبلت کے مضبوط اور نامکن تغیراتھوں سے نکل کر اختیار و ارادہ کے کمزور اور ہر آن بدل جانے والے ہاتھوں میں آ جاتی ہے، جمادات ہمیشہ وہی کرین گے، جو ان کو کرنا چاہئے، نباتات عموماً وہی نہیں گے جو ان کو بننا چاہیے، حیوانات وہی کام انجام دیں گے جو ان کے سپرد کر دیا گیا ہے، لیکن انسان کسی قدر اختیار اور ارادہ پا کر اکثر اپنی راہ سے ہٹ جاتا ہے، اور حدود و اعتدال سے قدم باہر نکال دیتا ہے، اور اپنے اس اختیار و ارادہ کی ذمہ داری کی امانت کو بھول جاتا ہے، انبیاء اور رسول وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس ذی ارادہ اور با اختیار مخلوق کو اس کی اُس ذمہ داری کے فرائض سمجھانے کے لیے آتے ہیں،

اس اختیار اور ارادہ کے مرکز کا نام مذاہب کی زبان میں "دل" ہے جو انسان کے سر سے لیکر پاؤں تک کی رگ رگ اور ریشہ ریشہ کی ایک ایک لچلی چٹائی حرکت پر محرک ہے اور اسی کے حکم سے اس جسم کے اندرونی عالم میں سب کچھ ہوتا اور سرانجام پاتا ہے، انبیاء اسی دل کے نظام کو درست کرنے کے لیے آتے ہیں،

انسان کو اپنے وجود، بقا، ترقی اور تکمیل کی ہر منزل میں قدم قدم پر ہزاروں چیزوں کی احتیاج ہوتی ہے، ان چیزوں کے مہیا اور تیار کرنے کے لیے ہر انسان میں استعداد و قوت الگ الگ ہوتی ہے، اور یہ استعداد و قوت فیض قدرت کی طرف سے پیدائش بلکہ پیدائش سے پہلے ہی آب و گل کے عالم میں اس میں ودیعت رکھی جاتی ہے، یہی سبب ہے کہ ہر انسان میں جس قسم کا میلان ہوتا ہے، اسی کی استعداد اس میں پائی جاتی ہے، اور پھر بعد کو خاص خاص فنی الہامات کے ذریعہ سے جبکو تم ایجادات اور اختراعات کہتے ہو، ہر پیشہ وراپنے متعلقہ کام کو بڑھانا، اور ترقی دیتا ہے، اور تمہاری ضرورت کے مطابق تمہارے لیے سامان فراہم کرتا ہے،

ان مادی ضروریات کے بنانے والوں کے حسب استعداد اور حسب حیثیت مختلف درجے اور مرتبے ہیں بعض ان میں محض مقلد ہوتے ہیں، جو وہی بنا سکتے ہیں، جو بنانا سیکھا ہے، بعض چابکدست اور مہین ہوتے ہیں، جو اچھے کاریگروں کے صرف نمونوں کو دیکھ کر اچھی چیزیں تیار کر سکتے ہیں، بعض ایسے ذہین اور فطین ہوتے ہیں کہ وہ نئی نئی چیزیں بناتے، دریافت کرتے، اور ایجاد کرتے ہیں، اور بعد کے آنے والے مدت تک انہیں کی تقلید کرتے رہتے ہیں، کاشتکاری کے اہول، ازالہ مرض کی تدبیریں، کھانے پکانے کے طریقے، سواری کے ضروریات، رہنے سنے کے مکان، پہننے کے کپڑے، لڑنے کے آلات، ان میں سے ہر شے کی ضرورت ہے، اور ان میں ہر ضرورت کے لیے خالق فطرت نے ایک ایک گروہ کو پیدا کر دیا ہے، اور وہ اپنے اپنے کام کو انجام دیتے رہتے ہیں، ان ضرورتوں کے فراہم ہو جانے سے انسان کی مادی زندگی کی تکمیل ہو جاتی ہے، اب اس کے بعد اس کی روحانی اور اخلاقی زندگی کے ضروریات کا جبکو تم اہول محمدؐ، طریقہ معاشرت، آئین عدل و انصاف، اخلاق حسنہ اور دین و تقویٰ کے نام سے موسوم کرتے ہو اور شروع ہوتا ہے، اگر یہ اہول اور تعلیمات انسانوں کے سامنے نہ ہوں، تو آدم کے بیٹوں کی یہ جنت و ذریعہ

اور اشرف المخلوقات کی یہ جماعت، جانوروں کا گلہ اور مردوں کا جھنڈ بن جائے۔

جو تمہارے لیے غلہ پیدا کرتا ہے، وہ کاشتکار ہے، اور جو اوزار بناتا ہے وہ لوہار ہے، جو یورگر کرتا ہے، وہ سونار ہے، جو تمہارے کپڑے بنتا ہے وہ جولاہا ہے، جو تمہارے مکان بناتا ہے وہ معمار ہے، جو تمہاری حفاظت کرتا ہے وہ سپاہی ہے، جو تمہاری نگہبانی کرتا ہے، وہ حاکم ہے، جو تمہارے آپس کے جھگڑے چکاتا ہے، وہ قاضی ہے، جو تمہارے ملک کے اندر امن و امان کا ضامن ہے، وہ بادشاہ ہے، جو تمہاری جسمانی بیماریوں کا معالج ہے، وہ طبیب ہے، جو اپنی صنایعوں سے تمہاری ضرورتوں کے لیے کاریگری کی چیزیں بناتا ہے وہ صنایع ہے اور جو تمہارے لیے مادی کائنات کے چہرہ سے اسرار کا پرڈ ہٹا کر، تم کو ہر چیز سے باخبر کرتا ہے وہ حکیم ہے،

اسی طرح جو برگزیدہ افراد تمہارے روحانی و اخلاقی و اجتماعی حالات کے معلم و نگران ہیں، ان کی بھی ایک عہدیت ہے، لیکن جس طرح تمہارے مادی ضروریات کے بنانے والوں کے حسب استعداد اور حسب حیثیت درجے ہیں، اسی طرح ان روحانی ضروریات کے فراہم کرنے والوں میں بھی مرتبے اور درجے ہیں، بعض وہ ہیں جو صرف اگلے روحانی تعلیم کی نقل و تقلید کرتے ہیں، یہ عام علما ہیں، بعض وہ ہیں جو اچھے روحانی نو نون کو دیکھ کر، خود بھی ان کی عمدہ نقل امارتے ہیں، اور دوسروں کو بھی بتاتے ہیں، یہ مجتہدین ہیں، بعض ایسے ہیں جو الہام ربانی سے فیض پا کر روحانیت کے نئے نئے احوال وضع کرتے اور دُنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں، یہ انبیاء ہیں، ان کے مقدس ہاتھ، تمہارے لیے غلہ پیدا کرنے، مکان بنانے، کپڑا بنانے، اوزار بنانے اور صنایعی کرنے کے لیے نہیں بلکہ ان سے بدرجہا بلند تر اور بہتر کام کے لیے ہیں، انکی مبارک انگلیاں تمہارے ان تاروں پر پڑتی ہیں، جن سے یہ صد ہا قسم کے نفع نکل رہے ہیں، یعنی تمہارے دل کی رگوں پر، غور کرو کہ یہ اصل مرکز جس پر تمہارے تمام اعمال و افعال اور ہر قسم کے حرکات و سکنات اور ہر طرح کی جذبہ و جذبہ کا کدو ہے، یعنی تولد کیا انبیاء اور ان کے متبعین کے سوا کوئی طبقہ اس کی نشو و نما، حفاظت، ترقی، تکمیل، اور اصلاح کے لیے بھی کام کر رہا ہے، اور کیا خالقِ فطرت کا یہ فرض نہ تھا، کہ وہ تمہاری مادی ترقی و اصلاح کی طرح، تمہاری روحانی ترقی و اصلاح کی بھی فکر کرتا، اولاً یہاں ہمنا کہ اس نے اس کی ترقی و تکمیل و اصلاح کی خدمت، نوع انسانی کے کسی کارکن طبقہ

سے متعلق نہیں کی ہے، کیا اسکی شانِ ربوبیت کیساتھ سو وطن نہیں ہی،

یہی وہ طبقہ ہے جو تمام متفرق اور مختلف انسانی طبقتوں کو باہم جوڑ کر ایک عام انسانی تمدنی سطح پر لایا ہے، وہ ان سب کو جو تمہارے لیے روٹی تیار کرتے ہیں، کپڑے بناتے ہیں، چھوڑے بناتے ہیں، اور سامان اور اوزار درست کرتے ہیں، ایک دوسرے کیساتھ مشارکت اور معاونت اور نیکی پر آمادہ کر کے ان میں روحانی برادری پیدا کرتے ہیں، اور مٹی سے پیدا ہونے والے ایک آدم کے بیٹوں کو جنگو دولت و غربت، سوسائٹی اور مجلس، حکومت اور تعلیم، اور جغرافی و قومی تقسیم نے پارہ پارہ کر رکھا ہے، باہم جوڑ دیتے ہیں، اور ان تمام مصنوعی امتیازات کو مٹا کر پوری زمین کو ایک ملک، تمام اقوام عالم کو اولادِ آدم، اور کل بلبُستِ طبقتوں کو ایک انسانی طبقہ قرار دیتے ہیں، اور ان کے اخلاقی روحانی عالم میں اصلاح و ترقی اور امن و امان پیدا کرتے ہیں، ان کے دلوں سے بغض و کینہ کو نکال کر اخوت و محبت کا نور بھرتے ہیں، ان کے احساس، ارادہ، اور اختیار کی باگ پر ان کے دل کو قابو حاصل کرنے کی تدبیر بتاتے ہیں، اور ان کو اعتدال کی حد بتا کر حسی و غلط کی تیز عطا کرتے ہیں،

یہی وہ انسانی طبقہ ہے جس کو ہم نبی، رسول اور پیغمبر کہتے ہیں، ان کو گو براہِ راست جسم و جسمانیات سے تعلق نہیں ہوتا، بلکہ صرف دل اور قلب و روح کے عالم سے سروکار ہوتا ہے، تاہم اس دل اور قلب و روح کی اصلاح کے لیے جسم و جسمانیات کی کسی قدر اصلاح بھی اس حد تک ان کے فرائض میں داخل ہے، جہاں تک ان کو دل اور قلب و روح کے کاموں کی اصلاح کیلئے ضرورت معلوم ہوتی ہے،

ایک شبہ اور اس کا جواب | اس مقام پر ایک شبہ یہ ہوتا ہے، کہ افرادِ انسان کے درمیان، امن و امان اور اطمینان پیدا کرنے کا کام تو بادشاہ بھی کرتے ہیں، اخلاق کا ایک معلم بھی کرتا ہے، ایک فلسفی اور اجتماعیات کا ایک حکیم بھی کرتا ہے، مگر ان کے کاموں کے درمیان جو عظیم الشان فرق ہے، اس کو سمجھ لینا ہی اس شبہ کا ازالہ ہے، علمی اصطلاح میں یوں سمجھو کہ مختلف فنون کے ماہر ایک ہی چیمپر پر مختلف حیثیتوں سے نظر ڈالتے ہیں، اور اسی اختلافِ نظر سے ان کا فن بھی متحد و متحدہ ہو جاتا ہے، کسی جسم کے اجزائے ترکیبی سے اگر بحث کی جائے، تو کمپوزیشن ہے، اگر اس کی زندگی اور اسباب

زندگی پر غور کیا جائے تو بیا لوجی (علم الحیات) ہے، اگر اس کے دماغی قویٰ اور ان کے آثار کی تحقیق کی جائے، تو سائنس کا لوجی (علم النفس) ہے، اگر اس کے جذبات اور جذبات کے مطابق اس کے شخصی افعال و اعمال کے حدود اور ان کے اسباب و علل اور غرض غایت پر نظر ڈالو، تو یہ آئیٹھکس (فلسفہ اخلاق) ہے، اگر اس کے جماعتی خصائص اور لوازم کی تفتیش کی جائے، تو یہ سوشیا لوجی (علم اجتماع و معاشرت) ہے، اگر جسم کی صحت و مرض کے اسباب کی جستجو کی جائے، تو یہ طب ہے، دیکھو کہ ایک ہی جسم یا متعلق جسم پر کتنی حیثیتوں سے بحثیں کی گئی ہیں، اور ان سے کتنے مختلف علوم پیدا ہو گئے ہیں، تاہم وہ سب کے سب جسم اور جسمانی ہی سے متعلق اور وابستہ ہیں، اور بالانہیمہ ان میں سے ہر ایک علم و فن علیحدہ اور ہر ایک علم و فن کے جاننے والے علیحدہ ہیں،

اسی طرح ایک نبی اور ایک رسول کا کام بھی بادشاہوں، فلاسفوں اور حکیموں کی طرح انسانوں ہی کی اصلاح ہے، مگر ان میں سے کسی ایک کا کام بھی دوسرے سے ملتا جلتا نہیں ہے، بادشاہ صرف اس کا ذمہ دار ہے کہ وہ اپنے زور و قوت سے بازاروں، گلیوں، آبادیوں، اور میدانوں میں امن و امان اور انصاف کو قائم رکھے، فلاسفہ انسانوں کے تمام اعمال و خیالات کے اسباب و علل کی تفتیش اور ان میں نظم و تسلسل اور علت و معلول کا ربط پیدا کرنے کا تفصیل ہے، فلسفہ اخلاق کے معلم تمہارے اخلاق و عادات کے اسباب و علل تم کو بتاتے اور ناقابل فہم جذبات کی تشریح کرتے ہیں، اس سے آگے ان کا کوئی کام نہیں، حکیم اور واعظ تمہارے اعمال و اخلاق کی اصلاح کے لیے نہایت سیریز خوشگوار اور ڈھلے ہوئے فقرے سناتے ہیں، مگر ان میں سے کوئی نہیں جو تمہارے دلوں کا رہنما ہو، جو تمہارے احساس ارادہ، اور اختیار کے قدم کو غلط روی سے روک سکے، وہ نہ صرف تمہارے اخلاق و عادات اور جذبات کے اسباب و علل بتائے، بلکہ تمہارے اخلاق و عادات اور جذبات میں خیر و شر کی تمیز کرے، اور خیر کے حصول اور شر سے حفاظت کی تدبیر بتائے، بلکہ اس کے ہاتھ اور زبان میں یہ قوت ہو کہ اپنی تعلیم و تلقین و فیض صحبت سے تمہارے اخلاق و عادات و جذبات بلکہ احساس ارادہ اور اختیار کی غرض غایت بلکہ پورے دل کی قوتوں میں انقلاب پیدا کر دے، اور شر کے تخم کو دلوں کی سرزمین سے نکال کر خیر کا برگ و بار پیدا کر دے، البتہ نبی یہ تمام کام سرانجام دیتا ہے، وہ انسان کو

اس کے احساس ارادہ اور اختیار کی بھولی ہوئی ذمہ داری یاد دلانا ہی، اور ان قوی کے مرکز یعنی دل کو خدا کے حکم سے درست کر دیتا ہے،

وہ بادشاہوں کی طرح صرف بازاروں، مجموعوں اور آبادیوں کا امن و اطمینان نہیں چاہتا، بلکہ وہ لوگوں کے دلوں کے اندر کا امن و اطمینان چاہتا ہے، وہ متعلین اخلاق کی طرح اسباب و علل کی تلاش و جستجو و تشریح کی پروا نہیں کرتا، بلکہ اخلاق ہیئت خواہ کسی سبب سے ہوں، وہ ان کی نیکی کرتا ہے، اور اخلاق حسنہ خواہ وہ کسی علت کے معلول ہوں وہ ان کو انسانوں کے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، وہ انسانی اوہام کے طلسم کو توڑ دیتا ہے، اور غلط رسوم و رواج کی بندشوں کو کھولتا ہے، اور انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے آزاد کر کے صرف خدا کی غلامی میں دیتا ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا يَخْفَىٰ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ اللَّهُ وَهُوَ يُعْلِمُ الْسُّرُوسَ وَمَا يَكُونُ لَكُمْ عِلْمٌ بِمَا يُكُونُ لَدُنَّ الرَّسُولِ إِلَّا بِمَا نُنَازِلُكُمْ بِهِ مِن كِتَابٍ ۚ فَاذْكُرُوا مَا كُنْتُمْ عَلِيمِينَ (اعراف ۱۹)

وہ ان کو بھلائی کا حکم دیتا ہے، اور برائی سے روکتا ہے اور اچھائیوں کو ان کے لیے حلال اور خبیث چیزوں کو حرام ٹھہراتا ہی، اور ان کے اس بندھن اور زنجیروں کو جو ان پر ہوتی ہیں، ان سے اتارتا ہے،

رُسُلًا مُّبْتَلِينَ وَنُنَزِّلُ لَكَ لَوْ لَا يُكُونُ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ، (نساء ۲۳)

ایسے رسول بھیجے جو نیکوں کو خوشخبری دیتے اور بدکاروں کو ہشیا کرتے ہیں، تاکہ رسولوں کے اس عطا و تدبیر کے بعد پھر انسانوں کو خدا پر الزام دینے کا موقع نہ ملے (کہ تم بھولے تھے تو خدا نے ہم کو یوں یاد دلایا)

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُفَّ هَا النَّاسُ بِالْقِسْطِ (حدید ۳)

ہم نے رسولوں کو کھلی باتیں دیکھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اتاری، اور (عدل کی) ترازو تاکہ لوگ حد و انصاف پر قائم رہیں، (اور دنیا امن و اطمینان کی زندگی بسر کرے)

نوع انسانی کے دوسرے تمام خدام اور کارکن اپنے فرائض کو جن اغراض سے انجام دیتے ہیں، ان کا دائرہ موجودہ زندگی کی بھلائی اور برائی سے آگے نہیں بڑھتا، مگر انبیاء اور رسول نوع انسانی کی خدمت کے یہ کام بھی

اس کی موجودہ زندگی کی بھلائی اور برائی کو اس لحاظ سے سامنے رکھ کر کرتے ہیں کہ ان کا اثر اس کی دوسری دائمی و پائیدار زندگی پر کیا پڑے گا، وہ جسم کی خدمت جسم کے لیے نہیں بلکہ روح کے لیے کرتے ہیں اور مخلوق کی خدمت خالق کے منشا کے مطابق بجالاتے ہیں، وہ صرف ایک مخلوق کو دوسرے مخلوق ہی سے نہیں بلکہ مخلوق کو خالق سے اور خالق ہی کے لیے ایک مخلوق کو دوسرے مخلوق سے جوڑتے ہیں،

وہ صرف اچھی اچھی اور میٹھی میٹھی باتیں لوگوں کو نہیں سناتے، بلکہ خود بہتر سے بہتر عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو اس کا عامل بناتے ہیں، وہ خیال آرا شاعروں اور جھوٹے حکیموں کی طرح نہیں ہوتے، جو کہتے ہیں اور کرتے نہیں، دماغ ہوتے ہیں مگر دل نہیں ہوتے، زبان ہوتے ہیں، مگر ہاتھ نہیں ہوتے،

وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ وَأَنَّهُمْ يَفْتَخِرُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ (شعراء ۱۱)

اور شاعروں کے پیروکار گم کردہ راہ ہوتے ہیں تم دیکھتے نہیں کہ وہ ہر میدان میں سر مارنے پھرتے ہیں، اور وہ وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں،

وہ اس دعویٰ کیساتھ انسانوں میں آتے ہیں کہ ان کے خالق نے جس نے ان کے ذرہ ذرہ کا سامان جبراً فراہم کیا ہو، وہی ان کے قلب و روح کا سامان راحت بھی بہم پہنچاتا ہے، اور ہمیں اس لیے بھیجا ہے کہ ہم ان کے قلب و روح کو اس سامان کا برتنا سیکھائیں اور ان کے رب کا پیغام ان کو سنائیں اور بتائیں کہ وہ کیا چاہتا ہے، کہ اس کے بندے اپنے احساس اپنے ارادہ اور اپنے اختیار کو کس طرح اس عالم میں صرف کریں کہ وہ پریشانی و بے اطمینانی کی تاریکی سے نکل کر سکون و اطمینان اور امن و سعادت کی روشنی میں داخل ہوں،

هَٰذَا الَّذِي يَدْعُو عَلَىٰ عَبْدٍ بِآيَاتِ بَيِّنَاتٍ وَهُوَ خَدَّاهُ جَوَانِبَهُ (رسول) بندے پر کھلی آیتیں اتارتا ہو کہ تم کو (اے انسانو!) وہ تاریکی سے نکال کر روشنی میں لائے

اللَّهُ بِكُمْ لَدِينٌ وَرَحِيمٌ (احدید ۱)

(اور اللہ نے ایسا اس لیے کیا کہ وہ تم پر شفقت کرنے والا مہربان ہو)

انبیاء بھی ایک بادشاہ کی طرح جاعثوں کا انتظام کرتے ہیں مگر ملک کے خراج اور زمین کی آبادی کے لیے

نہیں، بلکہ خدا کے لیے، وہ بھی جان و مال کی حفاظت کے لیے مقتن کی طرح قانون بناتے ہیں، اور قاضی کی طرح سزا و جزا کا حکم سناتے ہیں، مگر انعام شاہی اور تنخواہ ماہانہ پا کر کسی دنیاوی بادشاہ کے فرمان کی تعمیل کے لیے نہیں، بلکہ حیم و جان کے شہنشاہ اور کائنات کے مالک کے فرمان کی تعمیل میں، وہ بھی فلاسفر کی طرح رموز و اسرار کا پردہ فاش کرتے ہیں، مگر تجربہ، استقامت اور قیاس سے نہیں بلکہ عالم الاسرار کے مبدع و علم سے فیض پا کر، وہ بھی حکیم و واعظ کی طرح پر تاثیر کلام کرتے ہیں، مگر ان کے مانند اپنے دل سے جوڑ کر نہیں بلکہ خدا سے منکر اور وہ صرف کہتے نہیں بلکہ جو کہتے ہیں وہ کرتے ہیں، اور جو کرتے ہیں وہ دوسروں سے کراتے ہیں، وہ خدا سے ہیں خدا سے پاتے ہیں اور اسی سے سنتے ہیں اور وہی اور ان کو سناتے ہیں، غرض اور پر آسمان سے ان کو جو کچھ ملتا ہے وہی وہ نیچے زمین پر سب کو بانٹتے ہیں،

وَالْجَعْرِ اِذَا هُوَ مَا خِصْلٌ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ
وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُؤْتٰهُ
كَلَمًا مُّسْتَدِيدًا لِّقَوٰى، ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى، وَ
هُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى

فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ اِمَّا اَوْحٰى، مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا
رَاٰى، اَهُتَارُوْنَهُ عَلٰى مَا يَآئِى

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى، لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰیٰتِ
رَبِّهِ الْكُبْرٰى، (والجهم۔)

قُلْ اِنَّمَا اَنْشِئُ مَا يُوْحٰى اِلٰىَّ مِنْ رَبِّىْ، هٰذَا
بَصَآئِرٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ

يَتَّقُوْنَ (اعراف ۷۲)
وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّكَ
يَهْدِىكَ لِكُلِّ شَيْءٍ وَرَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّكَ

فیض و رحمت ہیں اور ان کے لئے جو ایمان لگتے ہیں اہدایت اور رحمت ہیں، یہ تو عالم کی پرورش کرنے والے کی طرف سے آگاہ کیا ہے، اس کو انستوالی سے

عَلَيْكَ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُتَنَبِّئِينَ
 نے تیرے دل پر اتارنا کہ فیصیح عربی زبان میں تو ہمارے کرنیوالوں

بِلِسَانِ عِبْرَتِي مُبَشِّرِينَ (شعرا ۱۱)
 میں سے ایک ہو

نکتہ: یہ بالکل ممکن، بلکہ واقعہ ہے، کہ ایک ہی قوم کا کام مختلف لوگ مختلف غرض منیت سے کرتے ہیں کسی قوم کی اصلاح کا کام ہو کہ اس کو مختلف لوگ مختلف غرض منیت سے کرتے ہیں خود غرضی کے غیر مخلصانہ اغراض سے قطع نظر کر کے مخلصانہ اغراض کو لو، کوئی یہ سمجھتا ہو کہ قوم کی مالی حالت کی درستی سے قوم بن سکتی ہو، کوئی اصلاح کی جڑ تعلیم کو قرار دیتا ہو، کوئی رسم و رواج و معاشرت پر زور دیتا ہے، کوئی ظاہری تمدن پر مدد رکھتا ہے، کوئی جہانی قوت پر بھروسہ رکھتا ہو، کوئی سیاسی کامیابی کو قومی اصلاح کا مرکز ٹھہراتا ہے، لیکن نسبتاً کے نزدیک یہ سب ثانوی درجہ کی باتیں ہیں، وہ اپنی بنیاد صرف قلب کی اصلاح پر رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہی اصلی چیز ہے اور اسی کے بدلنے سے سب کچھ بدل سکتا ہے، اُن کی غرض خدا کی اطاعت، خدا کی محبت، اور خدا کی معرفت ہوتی ہے، اور تمام دوسری ترقیوں اور اصلاحوں کو وہ یکسر اسی ایک اصل کی فروع اور اسی ایک جڑ کی شاخیں جانتے ہیں،

یہی سبب ہے کہ اُن کی دعوت کی کامیابی سے قوموں کو سلطنت بھی ملتی ہے، دولت بھی ہاتھ آتی ہے، علم بھی حاصل ہوتا ہے، زور اور قوت بھی پیدا ہوتی ہے، اور دنیاوی عظمت و جلال کا ہر منظر خدا مانہ اس کے استقبال کے لیے آگے بڑھتا ہے، مگر یہ خوب سمجھ لیں نا چاہو کہ سیاسی مصلحین کی طرح سلطنت، مالی مصلحین کی طرح دولت، تعلیمی مصلحین کی طرح تعلیم و فن، جہانی مصلحین کی طرح زور و قوت، ان کا مطمح نظر نہیں ہوتا، بلکہ جو کچھ اُن کے سامنے ہوتا ہے، وہ صرف خدا کی اطاعت، خدا کی محبت، خدا کی خوشنودی ہوتی ہے، اور باقی تمام چیزیں ان کی نگاہ میں فرعی، ثانوی اور ضمنی ہوتی ہیں،

نبی اور غیر نبی کے امتیازات | سطور بالا سے ہوتا ہے کہ انبیاء اور ان کے مشابہ اشخاص میں کتنا عظیم الشان فرق ہے، یہ فرق چار حیثیتوں سے نمایاں ہو، مبدء اور منبع کا فرق، غرض و غایت کا فرق، طریق و دعوت کا فرق، اور عظیم و عمل کا فرق، نبی کے علم کا مبدء منبع، ماخذ اور سرچشمہ جو کچھ ہو وہ تعلیم تباری شرح صدر، اور وحی الہام ہوتا ہو، اور حکیم کے علم کا ماخذ و منبع، تعلیم انسانی، گزشتہ تجربہ، اشتقاق اور قیاس ہوتا ہے، یعنی حکیم عقل سے جانتا ہے، اور نبی خالق عقل سے، اسی طرح ایک حکیم کے تمام اقوال

اور جہد و جہد کا منشا، اپنی شہرت طلبی، علم کا اظہار، قوم یا ملک کی محبت کی خاطر اسکی اصلاح ہوتا ہے، مگر ایک نبی کا مقصد خدا کے حکم کا اعلان اور خالق کی رضا مندی کے لیے مخلوق کی بھلائی ہوتا ہے، طریق دعوت کا فرق یہ ہوتا ہے، کہ حکیم اپنی دعوت کی عمارت کو تاثر حکمتوں، مصلحتوں، اور علت و اسباب کے ستونوں پر کھڑی کرتا ہے، مگر نبی اپنی دعوت کو زیادہ تر خالق کی اطاعت، محبت اور رضا جوئی پر قائم کرتا ہے، حکیم کہتا ہے لیکن اس کا کرنا اس کے لیے ضروری نہیں، نبی جو کہتا ہے، وہ کرتا ہے، اور اس کا کر کے دکھانا اس کیلئے ضروری ہے، وہ صرف جلوت کے منبر پر آراستہ نہیں ہوتا بلکہ وہ جلوت و خلوت اور ظاہر و باطن میں یکساں حسنت سے آراستہ اور برائیوں سے پاک ہوتا ہے، دنیا میں سقراط، افلاطون، ارسطو، دیوجانیس، وغیرہ ایک طرف اور ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد دوسری طرف ہیں، اور دونوں کے سوانح اور سیرتیں اور کارنامے بالکل نمایاں اور ایک دوسرے سے اس طرح ممتاز ہیں کہ ان میں ذرا التباس نہیں،

بادشاہ اپنی تلوار کے زور اور اپنی فوج و لشکر کی قوت سے رعایا کو اپنے قانون کا پابند بناتے ہیں، تاکہ فتنہ و فساد رک جائے، فلاسفر اپنے دعویٰ کو صرف استدلال کی قوت اور عقل کے خطاب سے ثابت کرنا چاہتے ہیں، تاکہ انکی بات لوگ تسلیم کریں، لیکن پیغمبر اپنے پیروں کے قلب کو اس طرح بدل دینا چاہتے ہیں کہ وہ از خود برائی کو چھوڑ کر نیکی اختیار کر لیں، وہ اگر کبھی قانون وحد و سنرا کو اختیار کرتے ہیں، یا ساتھ ساتھ عقل کو بھی مخاطب کرتے ہیں، تو انکا یہ غرضی یا ثانوی کام ہوتا ہے، اولین نہیں، ان کی اولین غرض یہ ہوتی ہے کہ ان کے پیروں کو خدا کی قدرت اور اس کے حاضر و ناظر ہونے کا اتنا محکم اور پختہ یقین ہو جائے کہ وہ اس کے حکم اور نصیحتوں کو جو ان کے ذریعہ آتی ہیں، بے چون و چرا تسلیم کر لیں،

دنیا کے بادشاہ اور فاتح اور کشور کش اپنے زور، بازو اور تلوار کی قوت سے دنیا کے طبقے ملت و سیتے ہیں، انہوں نے کبھی کبھی چار دانگ عالم پر حکمرانی کی، قوموں کی جان مال پر اپنا قبضہ اقتدار چلایا، ان کی تلواروں کی دھاک نے آبادیوں اور جمہور کے مجرموں کو روپوش کر دیا، اور بازاروں اور راستوں میں امن و امان پیدا کر دیا، لیکن کیا انھوں نے دونوں کے طبقے بھی اسلئے اپنی سلطنت کے دائرہ سے باہر کسی کمزور سے کمزور انسان سے اپنے حکم کو منوا سکے جو

لوگوں کو کہہ دوں کو بھی اپنے قبضہ اقتدار میں لاسکے جوہ آبادیوں اور مجبوں کے روپوش مجرموں کو بھی فنا کر سکے؟
دلوں کی بستیوں میں بھی امن امان پیدا کر سکے؟ وہ روجوں کی ملکوتوں کا بھی نظم و نسق قائم کر سکے؟

حکما اور فلاسفر جو اپنی عقلِ ساس کے ذریعہ سے عجائباتِ عالم کی ظلم کشائی اور کائنات کے مخفی اسرار کے فاش کرنے کے مدعی ہیں، کیا وہ قلبِ روح کے عجائبات کو بھی دریافت کر سکے؟ وہ ماورائے مادہ اسرار و رموز کو بھی حل کر سکے؟
وہ انسانوں کی اصلاح و ہدایت کا بھی کوئی سامان اپنی تحقیق و تفتیش سے فراہم کر سکے؟ ان کی دقیق نکتہ بینیوں اور خیال آرائیوں کے پیچھے، ان کے ذاتی محسنِ عمل کا بھی کوئی نمونہ ہے؟ ارسطو نے فلسفہ اخلاق کی بنیاد ڈالی، دوسرے حکماء نے اخلاق کے اسباب و علل کے حدود و ظہور اثر اور نتیجہ کے ایک ایک حرف کی تحقیق کی، مگر کیا اس سے کسی انسان کے دل سے برائی کا تخم دوڑا؟ اچھائی کے بیج نے نشوونما پائی؟ ان کے اخلاق و تعلیمات کے فلسفیانہ رموز و اسرار کا دائرہ ان کی درسگاہوں کی چار دیواریوں سے کبھی آگے بڑھ سکا؟ کیونکہ وہ اپنے درس کے کمروں سے نکل کر جب انسانی صحبتوں میں داخل ہوتے ہیں تو ان کی اخلاقی زندگی اور قلبی صفائی عام انسانی افراد سے ایک انچ بھی بلند نہیں ہوتی، حکماء یونان میں سقراط سے بڑھ کر کوئی نہیں، مگر کیا یہ وہی نہیں ہے جو بازار کی فاختہ عورتوں سے ارتباط رکھتا تھا، اور ان میں ایک پیشہ ور کے فروغ اور کامیابی کے لیے کوشاں رہتا تھا یہی یونان کے دوسرے حکما کا حال تھا، اور تو حید و خدا پرستی کا درجہ تو اس سے بدرجہا بلند ہے، جس کی ان کو ہوا بھی نہیں لگی تھی،

ان سطرون سے اندازہ ہوا ہوگا، کہ ہر شیریں نوا واعظ، ہر مؤثر لبیان خطیب، ہر دقیقہ رس مقنن، ہر کشورکشاف، فاتح اور ہر نکتہ دان حکیم اس لائق نہیں، کہ نبوتِ رسالت کا اہم اور بلند اور مقدس منصب اُس سے منسوب کیا جائے، اس منصب کے ساتھ کچھ ایسے شروط و لوازم اور خصوصیات بھی وابستہ ہیں، جو اس کے ضروری اجزاء اور عناصر ہیں۔
۱۔ سب سے پہلی بات یہ ہے، کہ اُس کا تعلق پر اسرارِ عالم غیب سے ہو، وہ غیب کی آوازیں سنتا ہو، غیب کی چیزیں دیکھتا ہو، غیب سے علم پاتا ہو، عالم ملکوت کی تائید اُس کے ساتھ ہو، روح القدس اُس کا ہم صفیہ و ہم نوا ہو،
۲۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کو تمام بندوں میں سے اس کے لیے چنا ہو، کہ وہ اس بلند منصب پر سرفراز ہو،

۳۔ اُس سے خدا کے حکم سے عجیب و غریب اور حیرت انگیز تصرفات صادر ہوں، جن سے اُس کا مقبول بارگاہ ہونا ثابت ہو،

۴۔ فضائل اخلاق کے پھولوں سے اُس کا دامن بھرا ہو، اور ہر قسم کے گناہ کے خس و خاشاک سے پاک و صاف ہو، کہ گندہ ہاتھوں سے میلے کپڑے پاک و صاف نہیں ہو سکتے،

۵۔ وہ لوگوں کو خدا اور عالم غیب پر یقین کی دعوت اور فضائل اخلاق کی تعلیم دے، اور روزِ است کا بھولا ہوا عہد اُن کو یاد دلائے،

۶۔ نہ صرف تعلیم، بلکہ اُس میں یہ قوت ہو کہ وہ شریوں کو نیک اور گمراہوں کو راست رو بنا دے، اور جو خدا سے بھاگتے ہوں، اُن کو پھیر کر پھر اُس کے آستانہ پر لے آئے،

۷۔ اُس سے پہلے خدا کی طرف سے آئے ہوئے صحیح اصول کو انسانی تصرفات سے پاک و صاف کر کے پیش کرنے،
۸۔ اُسکی اس دعوت، جدوجہد اور تعلیم تلقین سے مقصود کوئی دنیاوی معاوضہ، شہرت، جاہ طلبی، دولت مندی، قیامِ سلطنت وغیرہ نہ ہو، بلکہ صرف خدا کے حکم کی بجا آوری اور خلقِ خدا کی ہدایت،

یہ نبوت و رسالت کے وہ اوصاف اور لوازم ہیں جو دنیا کے تمام پیغمبروں میں یکساں پائے جاتے ہیں، مذاہبِ عالم کے صحیفوں پر ایک نظر ڈالنے سے حقیقت منکشف اور آشکارا ہو جاتی ہے، خصوصاً قرآنِ پاک نے جو دنیا کی نبوت کا سب سے آخری اور سب سے مکمل صحیفہ ہے، اور جس نے نبوت و رسالت کی حقیقت اور شرائط و لوازم کی سب سے بہتر تشریح کی ہے، سورہ انعام میں اکثر پیغمبروں کا ذکر کر کے یہ حقائق ان الفاظ میں بیان کئے ہیں،

وَتِلْكَ جُمْلَتُ مَا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ فِي الْقُرْآنِ عَلَى قَوْمٍ مَّ ط

نَرَفَعُ دَرَجَاتٍ مَّنْ نَّشَاءُ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ

عَلِيمٌ وَوَهَبْنَا لَهُ أَسْمَاءً وَيَعْقُوبَ مَرْكُوحًا

هَذَا يُبَلِّغُكَ مَا جَاءَكَ مِنَّا مِن قَبْلُ وَ مِنْ دُونِهَا

اور یہ بھی ہماری دلیل جو ہم نے ابراہیم کو اُسکی قوم کے مقابلہ میں

دی، ہم جسکو چاہتے ہیں، کئی درجے بلند کرتے ہیں، بے شبہ

تیرا پروردگار تدبیر والا خبردار ہے، اور ہم نے ابراہیم کو اسکی

اور یعقوب بخشا، اور ہر ایک کو ہدایت دی اور نوح کو اس

۳۔ یہ بھی کہا کہ ہم نے ان کو چنکر پسند کیا اور جس کو چاہیں اپنے بندوں میں سے یہ ہدایت عطا کریں جس سے مقصود ہے کہ یہ منصب سچی و محنت سے نہیں بلکہ خدا کی مرضی اور انتخاب سے ملتا ہے۔

۴۔ فرمایا کہ ہم نے ان کو کتاب حق و باطل کے فیصلہ کی طاقت (حکم) اور احکام غیب کی تعلیم (نبوت) دی اس سے معلوم ہوا کہ اس منصب اہل ان کو کیا چیزیں عطا ہوتی ہیں

۵۔ حکم ہوا کہ ان کی رہنمائی کی پیروی کر اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کی رہنمائی اور دعوت پر مامور ہوتے ہیں، اور لوگ ان کی پیروی سے نیکو کار اور صالح بنتے ہیں،

۶۔ فرمایا کہ ”اے پیغمبر! یہ کہہ دے کہ میں اپنے کام کا کوئی معاوضہ یا بدلہ تم سے نہیں چاہتا، یہ تو اہل دنیا کے لیے نصیحت اور یاد دلانا ہے اس سے ثابت ہوا کہ خالق کی خوشنودی اور اس کے ذریعہ سے مخلوق کی خیر خواہی کے علاوہ ان کا کوئی دوسرا مقصد اور طرح نظر نہیں ہوتا،

دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ خاص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق و نسبت سے ان حقیقوں کو قرآن پاک نے کئی دفعہ تصریح بیان کیا ہے جن میں سے چار باتیں سب سے زیادہ نمایاں ہیں،

۱۔ انبیاء غیب، امور خیر اور فلاح و سعادت کے اسباب پر اس کا علم خدا کی تعلیم سے کامل ہو،

۲۔ وہ اپنے علم کے مطابق اپنے عمل میں کامل اور راستہ باز ہو،

۳۔ وہ دوسروں کو ان امور کی تعلیم دیتا ہو،

۴۔ اور ان کو بھی اپنی تعلیم اور صحبت کے فیض سے سب استعداد کامل بناتا ہو،

قرآن پاک میں متعدد موقعوں پر آپ کی نسبت یہ فرمایا گیا،

يٰۤاَيُّهَا عَلِيُّہُمْ اٰتِيہُمْ وِیٰزِیْہُمْ وَاَعْلَمُہُمْ اَللّٰہُ

وہ رسول ان پر مومن کو خدا کی باتیں سناتا اور ان کو پاک

صاف بناتا اور ان کو کتاب بے مکہ سکھاتا ہو،

وَالْحِکْمَۃَ تَارِیْقَہُ وَجَعَدَ ۱

اس مختصری آیت میں ان چاروں مذکورہ بالا امور کا کجا ذکر کیا ہے، جاہلون کو آیات الہی پڑھانے اور کتاب

دلالت سکھانے سے پہلے یہ ضروری ہو کہ خود اس کو آیات الہی پڑھائی اور کتاب حکمت سکھائی گئی ہوں اور دوسروں کو پاک صاف بنانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود پاک صاف ہو کہ ایک جاہل اپنے ہی جیسے دوسرے جاہل کو عالم اور ایک ناپاک اپنے ہی جیسے دوسرے ناپاک کو پاک نہیں بنا سکتا، ایک دوسری آیت میں ہو،

سَتَقَرُّنَاكَ فَلَا تَنْفِكُ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّهُ يُعَلِّمُ
اَجْمَعُ مَا يَخْفَىٰ وَيُخْفِيكَ لِلْيُسْرَىٰ، فَاذْكُرْ اَن تَنْفَعْتَ
الَّذِي كَرَّمَ سَيِّدُكَ كَرَمًا يَخْتَصُّ وَيُجَنِّبُهَا اِلَّا شَقًّا

ہم تجھے پڑھائیں گے تو تو نہیں بھولے گا، مگر جو اللہ چاہے، وہ جانتا
ہے، بچاؤ اور چھپاؤ اور ہم تجھے آہستہ آہستہ آسانی تک پہنچائیں گے
اور تو سمجھا، اگر تیرا بھانا فائدہ دے جس کو خدا کا سنا ہوگا، وہ سمجھے گا۔

اور جو بد بخت ہوگا، وہ اس سے پرہیز کرے گا،

(اعلیٰ)

ایسا پڑھانا جس میں بھول نہ ہو، پیغمبر کی روحانی تعلیم ہے، اور آسانی کی منزل کی طرف اس کو آہستہ آہستہ لے چلنا، اور اس کے لیے اس شخص منزل کو آسان کر دینا اس کے ذاتی عمل کو کمال کے درجہ تک اس طرح پہنچا دینا ہے کہ تمام امور خیر اس سے بہولت از خود صادر ہونے لگیں، پھر اس کو دنیا کے سمجھانے پر مامور کرنا، اس رُخ کو آشکارا کرنا ہے کہ دوسروں کی تعلیم و تذکیر کا منصب اس کا ملا ہے، اس کے بعد یہ فرمانا کہ مشقی اس نصیحت سے فیض پائیں گے، اور بد بخت محروم رہیں گے، اس کی تشریح یہ ہے کہ ناقصوں کی تکمیل اور ذی استعداد لوگوں کو انکی استعداد کے مطابق فیض پہنچانا بھی اس کا فرض ہے،

نبوت کے لوازم اور خصوصیات | نبوت کی شرح حقیقت اور اس کے ضروری لوازم اور خصوصیات کے اجمالی بیان کے بعد ضرورت ہے کہ نبوت کے چند اہم خصوصیات پر تفصیل سے گفتگو کی جائے تاکہ وقت کی بہت سی غلط فہمیوں کا سد باب ہو، لیکن ان خصوصیات کے ذکر سے پہلے خود ہم کو خصوصیت کو سمجھنا ہو کہ اس سے مقصود کیا ہے،

دنیا میں ہر نوع، اور ہر نوع کے ماتحت ہر صنف میں کچھ نہ کچھ مخصوص صفات ہوتی ہیں، یہ مخصوص صفات

اس نوع اور صنف کے ہر فرد میں یکساں پائی جاتی ہیں، انہی کو ہم لوازم اور خصوصیات کہتے ہیں، پھل پھول پھوپھا

سے یہ تشریح اور طریقہ استدلال امام رازی نے اپنی تفسیر اور بعض کتب کلامیہ میں اختیار کیا ہے،

پہندے، انسان، تمام انواع میں کچھ نہ کچھ ایسی خصوصیات ہیں، جو دوسروں میں نہیں پائی جاتیں اور انہیں خصوصیات کی بنا پر ہر نوع دوسرے سے ممتاز اور ہر صنف دوسرے سے علو ہے، گلاب میں خاص قسم کا رنگ، خاص قسم کی خوشبو، خاص قسم کے پتے ہوتے ہیں یہ نامکن ہے کہ کوئی گلاب ہو، اور اس میں یہ چیزیں نہ پائی جائیں لیکن گلاب کی بھی مختلف صنفیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک میں کچھ ایسی لازمی صفات ہوتی ہیں جسے گلاب کی ہر صنف (قسم) دوسری صنف (قسم) سے علانیہ الگ نظر آتی ہے،

اسی طرح انسانیت کے کچھ خاص لوازم ہیں، دو ہاتھ، دو پاؤں، سیدھا قد، بولنے کی طاقت، سمجھ بوجھ اور خورد فکر کی اہلیت، ایجاد و اختراع کی قوت، انجام دہی اور مال اندیشی کی صلاحیت وغیرہ اس کے خواص ہیں اور جس طرح شہد میں مٹھاس، جنٹل میں کڑواہن، آگ میں گرمی، اور برف میں ٹھنڈک، نوعی خواص کی حیثیت سے خود بخود پیدا ہو گئی ہیں، اسی طرح انسان میں انسانیت کی مذکورہ بالا خاصیتیں فطرۃً ودیعت ہیں، لیکن اس وصف انسانیت میں اشتراک کے ساتھ گلاب کے اصناف کی طرح نوع انسانی کے بھی مختلف اصناف ہیں، جیسے ہندی، چینی، حبشی، رومی، ایشیائی، یورپین، دیکھو کہ ان میں سے ہر ایک صنف میں انسانیت کے اشتراک کے باوجود قد و قامت، چہرہ و رنگ، روغن، صورت، شکل، اخلاق، عادات، وغیرہ بیسیوں چیزوں کا نمایاں امتیاز ہوتا ہے، اور یہ تمام اصناف انسانی جو مختلف آب و ہوا، مختلف مزد و بوم، مختلف نسل، اور مختلف ماحول سے تعلق رکھتے ہیں، انسان ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے صریحاً ممتاز ہیں،

اسی طرح ہر صنف انسانی کے اندر مختلف افراد ہیں، اخلاق، فطرت نے ان میں سے ہر ایک کو مختلف قابلیتیں عطا کی ہیں، شاعری، زبان دانی، فلسفہ، ریاضی، متاعی، باغبانی، ہماری، پہلوانی، سینکڑوں مختلف قسم کی انسانی استعدادیں اور قابلیتیں ہیں، ان میں سے ہر صنف کی اور ہر صنف میں سے ہر ایک فرد کی قابلیت و استعداد کی خصوصیتیں دوسروں سے الگ ہیں، ایک تخیل پسند شاعر، اور ایک حقیقت شناس ریاضی دان میں عظیم الشان فرق ہوتا ہے، ادب و انشا کے خیالی بلند پرواز، عموماً ریاضیات جیسے محسوس اور واقعی علوم سے کورے ہوتے ہیں اور واقعات سے بہرہ

ریاضیات کے جاننے والے، ادب و شاعری سے بیگانہ، پہلوانی کے جوہر یا غبانی سے الگ ہیں، اور ایک صناعت کی طبیعت ایک فلسفی سے متضاد ہوتی ہے،

اسی کے ساتھ صنف شعراء میں خاص دماغی قابلیت کا اتحاد ہوتا ہے نظم کی قوت تخیل کی بلندی، حماکات کی قدرت الفاظ کا زور و متاعی کا جوش، یہ تمام شعراء کی مخصوص صفات ہیں، ایسی طرح تمام فلسفیوں کی ایک خاص دماغی کیفیت ہوتی ہے خاموشی، غور و فکر، وقت نظر، خارجی عالم سے بے پردائی، تصور میں انہماک، خلوت گزینی، اخلاق کی خشکی، الغرض مرد و بو اور آب و ہوا، کے اختلاف کی بنا پر جو اصناف انسانی پیدا ہوتے ہیں اور ان میں جو اختلاف و امتیاز ہوتا ہے، اسی طرح دماغی و ذہنی و روحانی اختلاف استعداد کی بنا پر جو اصناف انسانی پیدا ہوتے ہیں ان میں بھی یہ اختلاف و امتیاز نظر آتا ہے، ہینبال و نپولین، تیمور و چنگیز، روم کے دم میں آبادی کو دیرانہ، اور دیرانہ کو آبادی، پہاڑ کو میدان اور میدان کو پہاڑ بنا سکتے تھے، مگر وہ بیٹھکر فلسفہ اخلاق پر چند صفحے نہیں لکھ سکتے تھے، افلاطون تنہائی میں بیٹھکر جمہوریت کا فلسفیانہ خاکہ تیار کر سکتا تھا، مگر آئینہ زکریا کے تخت پر بیٹھکر ایک لمحہ حکمرانی کا فرض انجام نہیں دے سکتا تھا، سلطان محمود کے درباری شاعر فردوسی نے اپنی طبیعت کے زور سے سینکڑوں خیالی سومنات کے معرکے فتح کیے لیکن تھکے ایک چٹان پر بھی کھڑی نہ مار سکا، اس کے برخلاف سلطان محمود فوجوں کے دل بادل کے ساتھ پہاڑوں کو چیرتا، دریاؤں کو پھاڑتا، اور ریگستانوں میں پانی بہاتا ہوا، غزنی سے چل کر گجرات کے کنارے تک پہنچ گیا، اور سومنات کے سنگی قلعہ اور عتبہ کو چکنا چور کر ڈالا، مگر فردوسی کی طرح تنہا بیٹھکر وہ خیالی شاہنامہ کا ایک معرکہ بھی فتح نہیں کر سکتا تھا،

ان مثالوں سے یہ ثابت ہے کہ نوع انسانی میں اشتراک ہونے کے باوجود اصناف انسانی کی ہزاروں قسمیں ہیں، اور ان میں سے ہر قسم و صنف کے الگ الگ خصوصیات، صفات، اور لوازم ہیں، انہیں مختلف اصناف انسانی میں انبیاء علیہم السلام کی بھی ایک صنف ہے، اور نوع انسانی کی اس مقدس صنف کے بھی چند خاص اور خصوصیات، اور لوازم ہیں، جو ان کو دوسرے اصناف انسانی سے علانیہ ممتاز بناتے ہیں،

اس تمہید کے بعد اب ہم کو اس مسئلہ کی طرف توجہ کرنی چاہیے کہ نبوت رسالت کے اہم لوازم اور خصوصیات کیا ہیں وہی استعداد ان میں سے سب سے پہلی چیز وہی استعداد ہے، اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے، کہ مختلف انسانوں میں مختلف قسم کی فطری استعدادیں پائی جاتی ہیں اور انہیں کی طرف ان کا طبعی میلان ہوتا ہے، اور جیسے وہ آگے بڑھتے جاتے ہیں، انکی استعداد اور میلان طبع کا جو ہر بزرگ بار پیدا کرنے لگتا ہے، یہاں تک کہ ایک چل مقررہ مدت میں جا کر وہ پوری طرح ظاہر ہو جاتا ہے جس طرح ہر درخت سے آم کا پھل پیدا نہیں ہو سکتا، بلکہ اسی سے ہو گا۔ جس کو خدا نے آم کا درخت بنایا ہے، پھر آم کے درخت کے آثار خواص پھل اُس کا مزہ، اُس کا رنگ، بو، وزن، جملہ خصوصیات خود اُس درخت میں اُسی وقت موجود ہوتے ہیں، جب وہ ہنوز تخم کی صورت میں ہوتا ہے، وہی تخم پودا بنتا ہے، پودا بڑھتا ہے، کوئیل اور شاخیں پیدا کرتا ہے، اور چند سال میں پھل دینے لگتا ہے، لیکن اپنی ترقی کے ہر دور میں وہ اپنی مخفی خصوصیات وہی رکھتا ہے، جو ایک دن اُس سے آخر میں ظاہر ہونے والے ہیں، اور اس پھل کی صفت ہمیشہ اُس میں بالقوہ موجود تھی،

اسی تمثیل کے مطابق یہ سمجھنا چاہئے کہ ہر انسان کو نش سے بنی نہیں ہو سکتا، بلکہ وہی ہو سکتا ہے جس کو خدا نے نبی بنایا ہے، اور نبوت کے یہ آثار خواص اور کیفیات اس میں بالقوہ اور استعداد کی صورت میں اُسی وقت سے موجود رہتے ہیں، جب وہ ہنوز آب و گل کے عالم میں ہوتا ہے، شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کہ تین اسی وقت بنی تھا آدم ہنوز آب و گل میں تھا، اسی قسم کا مطلب ہو گا،

انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ جب سے عرصہ وجود میں قدم رکھتے ہیں، اسی زمانہ سے آنے والے وقت اور ملنے والے منصب کے آثار ان سے ظاہر ہونے لگتے ہیں، وہ حسب و نسب اور سیرت و صورت میں ممتاز ہوتے ہیں، شرک و کفر کے ماحول میں ہونے کے باوجود اُس کی گندگی سے بچائے جاتے ہیں، اخلاق حسنہ سے آراستہ ہوتے ہیں، اُن کی دیانت، امانت، سچائی، راست گفتاری مسلم ہوتی ہے، اور یہ تمہیدیں اس لیے

ہوتی ہیں، تاکہ منصب ملنے کے بعد ان کے دعوائے نبوت کی تصدیق اور لوگوں کے میلان خاطر کا سامان پہلے ہی سے موجود رہے، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت یحییٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد رسول اللہ صلوٰۃ اللہ علیہم کے حالات و واقعات قبل نبوت پڑھو، تو ہمارے اس دعویٰ کی سچائی تم کو نظر آئے گی، حضرت ابراہیمؑ کا نبوت پانے سے پہلے ہی سے آسمان زمین کے خالق کی تلاش سورج، چاند اور ستاروں پر متفکرانہ نظر اور بت پرستی کے خلاف نفرت کا شدید جذبہ، کس بات کی شہادت ہے؟ حضرت اسماعیلؑ کا بے آب و گیاہ میدان میں پرورش پانا، چاہے زمزم کا طور اُنے جانے والے قافلوں کا اوسکی آبادی کی طرف میلان چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تو مقدس باپ کے ساتھ مقدس سفر کے لیے تیاری، اور اس کسنی میں باپ کے خواب کو عملی جامہ پہنانے کے لیے پوری آمادگی، اور صبر و شکر اور تسلیم و رضا کا اظہار کس مستقبل کی خبر دیتا ہے؟ حضرت اسحاقؑ کا فرشتوں کی بشارت سے پیدا ہونا، اور پیدائش سے پہلے ہی غلامِ علیہم (عمرہ) کا خطاب پانا، پھر مقدس باپ کی نشتی اور اورشلیم کی مسجد کی پاسبانی کے لیے انتخاب کس مقصود کا دیباچہ ہے؟

حضرت یوسفؑ کا بچپن میں رویائے صادقہ اور صبر و شکر، اور پاکدامنی کس بات کی گواہی دیتی ہے؟ حضرت موسیٰؑ کی عین خطرہ میں پیدائش، حفاظت، پرورش اور نبوت سے پہلے ہی فرعون یون سے تنہا مجاہدانہ اویش، کس مسئلہ کی خبر ہے؟ حضرت سلیمانؑ کا آغازِ عمر میں علم و فہم، فصلِ مقدمات کی قوت، کس نتیجہ کے آثار ہیں؟ حضرت یحییٰؑ کی دعا پیدائش بچپن ہی میں اُن کی نیکی، سعادت مندی، نرم خوئی، پاکی کس مقصد کی تمہید ہے؟ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش، اور بچپن ہی میں نیکی، سلامت روی، تورات کی حقیقت رسی کس ردِ روشن کی صبح ہے؟ اور خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعائے خلیل، نویدِ مسیحی، رویائے آمنہ، اور احوالِ ولادت و تربیت، مراہمِ شرک سے اجتناب، اخلاقِ حسنہ، دیانت، آثارِ خیر و برکت، نبوت سے پہلے ہی تنہائی پسندی، خلوت گزینی، حقیقت کی تلاش، اور غور و فکر کس خوشیہ جہاتِ تاب کا مطلع انوار ہے؟

حضرت اسماعیلؑ کا یہ حال ہے،

تو ہم نے ابراہیم کو ایک بردبار لڑکے کی خوشخبری دی، تو جب وہ
اُسکے ساتھ دوڑنے کی عمر کو پہنچا، تو اُس نے کہا کہ اے میرے بیٹے! میں
خواب میں دیکھتا ہوں، کہ تجھ کو مین فوج کر رہا ہوں اُسے جواب دیا،
میرے باپ کو ڈال جو تجھ کو کہا گیا، تو مجھے خدا نے چاہا تو میرے گریو لاون میں ^{بیٹا}

فَبَشِّرْنِي بِلَدٍ عَالِيَةٍ ۖ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ
يُنَبِّئُنِي إِنَّي بِرَأْيٍ فِي الْمَنَاصِرِ إِنِّي أَذْجُكَ فَأَنْظُرُ
مَاذَا أَتَرَى ۖ قَالَ يَا بَتِ ۖ أَفَعَلَ مَا لَوْ مَرَّ سَجْدَةً
إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ (صفت ۳۰)

حضرت موسیٰ کو یہ خطاب ہے،

اور مجھے تجھ پر دوسری دفعہ احسان کیا جب تیری حفاظت اور
پرورش کے متعلق تیری مان کے دل میں وہ باؤالہدی جو دلگئی

وَلَقَدْ مَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ إِذْ أَوْحَيْنَا
إِلَىٰ أُمَمِكَ مَا لَوْ مَرَّ سَجْدَةً (طہ ۲۰)

حضرت عیسیٰ کی نسبت یہ ارشاد ہے،

اسے بحی کتاب (توراة) کو مضبوطی سے پکڑا، اور ہم نے اس کو مضبوط
کرنے کی قوت پہنچی، ہی میں یدہی اور اپنے پاس سے رحم مہر اور مہر
اور تجھ پر میرے گارا اور اپنے مان باپ کا فرمان بردار نہ تھا زبردستی
کرنے والا، انا فرمان مسلماتی ہوا اس پر جس دن پیدا ہوا،

يُحْيِي خُذْ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا
وَحَنَانًا مِّن لَّدُنَّا وَزَكَاةً ۖ وَكَانَ تَقِيًّا ۚ
وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَعَنَكَ جِبْرَائِيلُ ۖ وَ
سَلَّمَ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدَ (سورہ ۱۰۱)

میرے حضرت عیسیٰ کے متعلق ہے،

ہم کیسے اُس سے بات کریں جو ہنوز گوارہ میں بچہ ہے جیسی نے
کہا میں خدا کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب الہی دی
اور مجھے نبی ٹھہرایا، اور مبارک بنایا، میں جہان ہوں،

كَيْفَ نُسَلِّمُ مَن كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۚ قَالَ إِنِّي
عَبْدُ اللَّهِ ۖ أَتَنبِئُ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا وَجَعَلَنِي
مُبَارَكًا ۖ إِنَّمَا كُنْتُ مَرْمُومًا (۲۰)

اور کہہ کا الامین تہوت کے پہلے کی اپنی پوری زندگی موقع شہادت میں بے خطر پیش کر دیتا ہے،

تو اس پر ہمیری کے دعویٰ سے پہلے میں تم میں ایک
عمر گزار چکا ہوں، کیا تم نہیں سمجھتے،

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ ۖ أَفَلَا
تَعْقِلُونَ (یونس ۲۰)

انبیاء علیہم السلام کے احوال مبارکہ کے جزئیات، باہم ملکر، اپنی نسبت خود کو کلیہ بنا کر پیش کرتے ہیں
 عیسیٰ علیہ السلام | نبوت کا دوسرا سب سے اہم خاصہ اُس کا غیبی علم ہے، یعنی وہ علم جو عام انسانوں کی طرح وجدان، احساس
 یا عقل و قیاس سے نہیں، بلکہ براہ راست صدائے غیب، یا روایائے صادقہ یا فرشتوں کے ذریعہ سے خدا سے پاک سے
 حاصل ہوتا ہے، اسی کے آغاز سے نبوت کی استعداد بالقوۃ کا علی ظہور شروع ہو جاتا ہے، اس مسئلہ کو پوری طرح سمجھنے
 کے لیے کسی تفصیل کی ضرورت ہے،

علم انسانی کے اخذ | علم انسانی کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو بلا واسطہ ہوتا ہے، اور دوسرے وہ جو کسی واسطہ سے حاصل
 ہوتا ہے، بے واسطہ علم کی بھی تین قسمیں ہیں،

۱۔ وجدان، انسان کو اپنے جسمانی وجود اور اس جسمانی وجود کے اندرونی کیفیات کا علم سب سے زیادہ فطری
 طور سے ہوتا ہے، ہر شخص کو اپنے وجود کا یقین ہے، اور اس کے اندر جھوک، پیاس، بیماری، صحت، غم، خوشی، خوف وغیرہ
 اندرونی تغیرات کا علم اُس کو بلا واسطہ از خود ہو جاتا ہے،

۲۔ فطرت، اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ ہر نوع مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ ایسی نوعی
 خصوصیتیں عطا ہوتی ہیں، جو دوسری نوعوں میں نہیں پائی جاتیں، اور انہیں سے باہم نوعوں کا اختلاف اور امتیاز
 ظاہر ہوتا ہے، ان نوعی خصوصیتوں کا علم ہر نوع کے افراد کو بلا کسی ذریعہ اور واسطہ کے از خود ہوتا ہے، اور اسی کو بعض
 علماء کی اصطلاح میں فطری یا نوعی الامام اور اہل فلسفہ کی اصطلاح میں جبلت کہتے ہیں، حیوانات کو اپنے متعلق بہت
 سی باتوں کا علم از خود فطرۃً ہوتا ہے، پرندوں کے بچوں کو دانہ چکنا، اور اڑنا، کون سکھاتا ہے، آبی جانوروں کو تیرنے کی
 تعلیم کون دیتا ہے، شیر کے بچہ کو درندگی کا سبق کس معلم نے پڑھایا، انسان کے بچہ کو پیدا ہوتے ہی رونا، سونا، دودھ پینا
 کون سکھاتا ہے،

۳۔ پداہستِ اولیۃ، انسان کو کچھ ہوش و تیز آنے کے بعد بلا دلیل بعض ایسی باتیں از خود یا دینی
 نازل اس طرح معلوم ہو جاتی ہیں، کہ اُن میں پھر کسی قسم کا شک و شبہ راہ نہیں پاتا، دو اور دو چار ہوتے ہیں

برابر کا برابر برابر ہوتا ہے، ایک ہی وقت میں، ایک ہی چیز سیاہ و پسیدہ دونوں نہیں ہو سکتی، ہر نئی ہونی چیز کا کوئی بنانے والا ہوتا ہے، وغیرہ بہت سے ایسے ضروری مقدمات اور کلیات جنہر انسان کے استدلال کا تمام تر مدار ہے، اُس کو بدابہتہ معلوم ہو جاتی ہیں،

یہ تو بلا واسطہ علم کی تین قسمیں تھیں، اس کے بعد علم انسانی کی وہ قسمیں ہیں جن کا علم اُس کو کسی واسطہ سے ہوتا ہے انسان کے پاس اس قسم کے دو واسطے ہیں، ایک احساس اور دوسرا عقل، پہلے سے وہ گرد و پیش کی مادی چیزوں کا اور دوسرے سے ان مادی چیزوں کا جو سامنے موجود نہیں، یا سرے سے خارج میں موجود نہیں، بلکہ علم غیب میں ہیں یا صرف ذہن میں ہیں علم حاصل کرتا ہے،

۴۔ انسان کے جسم کے اندر پانچ قسم کی جسمانی قوتیں ہیں، باصرہ، سانس، شامہ، ذائقہ، لامسنہ باصرہ دیکھتی، سانس سنتی، شامہ سونگھتی، ذائقہ چکھتی، اور لامسنہ چھوتی ہے، انہیں کا نام حواس خمسہ ہے، انسان کے پاس ہی پانچ آلات ہیں جن کے ذریعہ سے وہ اُن مادی چیزوں کے متعلق علم حاصل کرتا ہے، جو اُس کے ان آلات سے آکر ٹکراتی ہیں، اسی کا نام احساس ہے، ہم چمک کر مزہ پاتے، سنکر آواز پہچانتے، دیکھکر صورت جانتے، چھو کر سختی و نرمی دریافت کرتے، اور سونگھ کر بو معلوم کرتے ہیں، ان حواس کے ذریعہ سبھی جو علم ہم کو ہوتا ہے، وہ اکثر یقینی اور شاذ و نادر غلط بھی ہوتا ہے، کیونکہ وہ کبھی کبھی کسی سبب سے دھوکا بھی کھاتے ہیں، اور دریافت میں غلطی بھی کرتے ہیں، اور دلائل سے اُن کا یہ دھوکا اور اُن کی غلطی ثابت ہوتی ہے، بیماری میں قوت ذائقہ بدل گئی ہے، اور اس نے میٹھے کو کڑوا بتایا ہے تیز حرکت میں قوت باصرہ نے ہم کو دھوکا دیا ہے، ریل میں ہم کو ساکن اور ٹھہری ہوئی چیز چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے، چلتے ہوئے جہاز میں جہاز ہم کو ٹھہرا ہوا معلوم ہوتا ہے، متحرک چمکاری کا نقطہ تیز سیدھی حرکت میں ہم کو آتشیں خطا اور گول حرکت میں آتشیں دائرہ معلوم ہوتا ہے، آسمان کے چمکتے ہوئے بڑے بڑے ستارے کتنے چھوٹے معلوم ہوتے ہیں، لیکن کیا درحقیقت وہ ایسے ہی چھوٹے ہیں،

۵۔ علم بالواسطہ کی دوسری قسم وہ ہے جس کو ہم اپنی عقل و تخیل سے غور، فکر اور استدلال کے ذریعہ سے حاصل

کرتے ہیں ان کی بنیاد و حقیقت انہیں معلومات پر ہوتی ہے، جبکہ علم ہم کو اپنے وجدان، آئام فطری (یا جبلت) بدآہت اولیہ اور احساس سے پہلے ہو چکا ہے، اور انہیں معلوم شدہ امور پر غیر معلوم امور کو تمثیل یا استقرار کے ذریعہ سے قیاس کر کے ان معلوم شدہ امور کے خصوصیات اور آثار کا حکم ان غیر معلوم لیکن مشابہ و مماثل امور پر لگا کر نتیجہ حاصل کرتے ہیں وہ غیر معلوم امر جس پر معلوم امور کے ذریعہ ہم کوئی حکم لگاتے ہیں اگر مادی ہوتا ہے، تو نتیجہ حیدان غیر مشکوک نہیں ہوتا، سوائے اس کے کہ جزئیات کا استقرار پورا نہ کیا گیا ہو، تمثیل تمام نہ ہو یا تجربہ و مشاہدہ نے دھوکا دیا ہو، یا کوئی اور اصولی غلطی ہو گئی ہو، طبیعات اور سائنس کے مسائل اکثر اسی طرح معلوم کیے گئے ہیں لیکن اگر وہ امر مجہول غیر مادی ہے، تو مادی امور پر اُس غیر مادی کو قیاس کر کے اسکی نسبت جو کچھ کہا جائے گا، اُس کا مرتبہ ظن و تخمین سے آگے نہیں بڑھتا، مگر یہ کہ وہ تمام تر فطریات و بدیہیات و محسوسات پر علانیہ منتہی ہو، یا بعد الطبیعہ اور فلسفہ الہیات کے مسائل اسی طریقہ استدلال سے حاصل ہوتے ہیں، اور اسی لیے اُن میں اختلافات کی بڑی گنجائش نکلتی ہے کہ ان کے آخری نتیجہ اور ابتدائی بنیادی وجدانی یا بدیہی یا حتی مقدمات کے درمیان قیاسات کی کئی منزلیں ہیں اور ان میں سے ہر منزل خطرون سے لبریز ہے، مشابہت و مماثلت میں دھوکا ہو سکتا ہے عقلی اور وجدانی اور حتی اُس کے خواص کے درمیان اختلاف اور فرق ہو سکتا ہے، غور و فکر، بحث و نظر، تحقیق و جستجو اور ترتیب مقدمات جو اس قیاس عقلی کے کارکن اور فاعل ہیں، وہ اپنے کام میں دھوکا کھا سکتے ہیں، اسی لیے یہ علوم شکوک و شبہات سے لبریز ہیں

ذائع علم کے پھول کے زمانے | سطور بالا سے ہوتا ہے، کہ ہمارے سب سے زیادہ یقینی علوم ہمارے وجدانیات اور ان کے مراتب اور فطریات ہیں، جو ہم کو قدرت کی طرف سے سب سے پہلے عنایت ہوتے ہیں، کہ ہمارے

وجود کی بقا اس علم پر موقوف ہے، جیسے بھوک اور پیاس کا احساس، اور اس علم کا یقینی ہونا بھی ضروری ہے، ورنہ ہم اپنا وجود قائم نہ رکھ سکیں گے، ہم کو جو بھوک یا پیاس لگتی ہو، کیا اس کے یقینی اور قطعی علم میں ہم سے غلطی ہو سکتی ہے، اور کیا کسی کے شک نے لانے سے کہ ممکن ہو کہ تم کو بھوک نہ ہو، ممکن ہے کہ تم کو پیاس نہ ہو، کبھی بھوک کے یا پیاس کے کو اپنی بھوک اور پیاس کے متعلق شک ہو سکتا ہے، اور یہ احساس اور علم وجود کے ساتھ ساتھ انسان کو ملتا ہو، یہاں تک کہ آج کا

پیدا شدہ بچہ بھی اس کا احساس کرتا اور علم رکھتا ہے، ورنہ وہ اپنے وجود کو قائم نہ رکھ سکے،

وجدانیات و فطریات کے بعد محسوسات کا علم انسان کو ملتا ہے، دیکھنا، سننا، چکھنا، سونگھنا، چھونا، یہ ہمارے

پانچ حواس ہیں جو ہمارے مادی علم کے آلات ہیں، اور جن کے بغیر کوئی باہر کا علم ہمارے اندر نہیں آسکتا، یہ احساسات

بھی ایک ہی دفعہ نہیں کمال پا جاتے، بلکہ ضرورت کے مطابق حسب استعداد ملے اور ترقی پاتے ہیں، اور پیدائش کے

چند ماہ بعد تکمیل کو پہنچتے ہیں، کیونکہ وجود کی بقا اور ضروریات کی تکمیل ابھی سے ان پر رفتہ رفتہ موقوف ہوتی جاتی ہے،

محسوسات کے بعد بدہیئیات اولیہ کا درجہ آتا ہے، انسان کو اپنے اس علم میں بھی وہی اذعان و

قطعیت ہوتی ہے، دو دو چار ہوتے ہیں، دس پانچ کا دو نا ہے، ایک چیز ایک ہی وقت میں دو جگہ نہیں ہو سکتی،

ایک چیز ایک ہی وقت میں سیاہ و سپید نہیں ہو سکتی، ان بدیہی علوم کو ہر شخص مانتا اور تسلیم کرتا ہے، مگر اس کا علم

انسان کو بچپن میں نہیں ہوتا، بلکہ تیز و رشد کے بعد ہوتا ہے، کیونکہ اسی وقت اس کی ضرورت پیش آتی ہے، اگر

یہ علوم اس سن میں اوسکو عطا نہ ہوں، تو وہ دنیا کے ضروری کاروبار چلانے کے لائق نہ ہوا، ورنہ دوسرے علوم

کی دریافت کی اس میں استعداد پیدا ہو، فطری احمق اور بوقوت انھیں کہتے ہیں، جن میں ان بدہیئیات کا علم

کم یا بالکل نہیں ہوتا،

سب سے اخیر میں اُس علم کا درجہ آتا ہے، جو وجدانیات، فطریات، بدہیئیات اور محسوسات پر قیاس کے

ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے، اور جنکو معقولات کہتے ہیں، اسی علم اور اسی کی قوت کی کمی بیشی کا نتیجہ ہے، کہ انسانی

عقلین درجہ اور مرتبہ میں تفاوت ہوتی ہیں، ایک طرف تو (کی کمی میں) وہ حاکم تک پہنچ جاتی ہے، اور

دوسری طرف (سمت کمال میں) قائل، عاقلتر اور عاقل ترین طبقہ تک اونچی ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ درجہ بھی آتا

ہے، کہ کسی کی عقل اس مرتبہ تک جا پہنچتی ہے، جہاں کوئی اُس کا دوسرا حریت اور ہمسر نہیں ہوتا، ایک جاہل حبشی

سے لے کر ارسطو اور بوعلی سینا تک سب اسی عقلی مدارج کے مختلف انسانی نظائر ہیں، با این ہمہ یہ ظاہر ہے کہ اس

علم کا طریقہ نہایت پرخطر اور منزل مقصود ہمیشہ مشکوک رہتی ہے،

عام طور سے انسانی علم کے یہ پانچ ذریعے اور طریقے سمجھے جاتے ہیں، لیکن درحقیقت ایک اور ذریعہ بھی ہے جس کا تعلق تامتر اور اے مادہ سے ہے، غور کیجئے کہ آپ کا سب سے پہلا علم یعنی وجدانیات آپ کے اندرونی حواس کا نتیجہ ہوا دوسرا یعنی فطریات کا علم خالق فطرت خود آپ کے اندر ودیعت رکھتا ہے، تیسرا علم یعنی محسوسات کا علم آپ کے اُن ظاہری حواس کا نتیجہ ہے، جو گو باہر ہیں، مگر آپ کے جسم کے اندر ہیں، آپ کا تیسرا ذریعہ علم یعنی بدہیئات اولیہ آپ کے حواس اور ذہن کا ایک مشترک فیصلہ ہیں، چوتھا ذریعہ علم جو آپ کی عقل و ذہن کی قیاس آرائی ہے، وہ آپ ہی کے اندر کے دماغی قوی کا عمل ہے، تھوڑے تامل سے معلوم ہوگا، کہ آپ کا علم وجدان سے لے کر ذہن تک بتدریج مادیت سے ترقی کر کے مادہ اور اے مادہ کے قریب تک پہنچتا ہے، وجدان تامتر ہماری اندرونی جہانی مادیت ہے جس میں کوئی شک نہیں، محسوسات بھی ہمارے ہی جسم کے مادی آلات علم کے نتائج ہیں، بدہیئات، ہمارے حواس سے جو مادی ہیں، اور ہمارے ذہن سے جو غیر مادی ہو، مشترک تعلق رکھتے ہیں، یعنی بدہیئات مادی اور غیر مادی ذرائع علم کے ہیں، بین بین، اور معقولات تامتر ذہنی اور غیر مادی ہیں، تاہم اس غیر مادی قوت کا مرکز ہمارا مادی جسم ہی ہے، اور اس حد تک اس غیر مادی قوت کا مادہ سے تعلق بہر حال ہوتا ہے،

غیر مادی علم | اب اس کے بعد اس علم کا وجہ آتا ہے جس کی سرحد اس کے بعد آتی ہے، اور جس کا تعلق مادہ سے اتنا بھی نہیں ہوتا، جتنا معقولات اور ذہنیات کا ہے، وہ تامتر مادہ اور مادیات سے پاک ہوتا ہے، اُس کو مادہ سے اسی قدر لگاؤ ہوتا ہے، کہ وہ علم مادی دل و دماغ کے آئینہ پر اوپر سے آکر اپنا عکس ڈالتا ہے،

اس غیر مادی علم کے بھی یہ ترتیب مختلف درجے ہیں، جہکو فراست، حدس، کشف، الہام، اور وحی کہتے ہیں اور جس طرح انسانی علم کے مذکورہ بالا چاروں ذریعے انسان کے جہانی قوی سے متعلق تھے، اسی طرح یہ غیر مادی ذرائع انسان کے روحانی قوی سے وابستگی رکھتے ہیں، اور جس طرح آپ نے دیکھا ہے، کہ وجدانیات سے لے کر عقلیات تک یہ ترتیب ہمارا ذریعہ علم خالص مادی، کامل مادی، کم مادی اور برائے نام مادی تک ترقی کرتا چلا گیا ہے، اسی طرح فراست، حدس، کشف، الہام، اور وحی بھی برائے نام مادی درروحانی سے لیکر پھر روحانی، کامل

روحانی اور خالص روحانی کے ذریعہ تک ترقی کرتا چلا گیا ہو،

فراست۔ کے لفظی معنی "تازہ جانے" کے ہیں تازہ لینے کی قوت ہر شخص میں نمایاں نہیں ہوتی، مگر جس میں نمایاں ہوتی ہے، اُس کی یہ کیفیت ایک ملکہ کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے، جو تجربہ کی کثرت اور عمل کی مہارت اور کمال کے بعد انسان کو حاصل ہو جاتا ہے، اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسی چیز کے دیکھنے، سننے، چکھنے، سونگھنے یا چھونے کے ساتھ ہی صرف بعض علامتوں کے جان لینے سے دوسری متعدد ضروری علامتوں پر تفصیلی نظر ڈالے بغیر اس جلدی سے انسان صحیح نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے، کہ دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ گویا وہ غیب کی بات بیان کر رہا ہے، حالانکہ اس کا علم تا مگر ظاہری علامتوں اور نشانوں پر مبنی ہوتا ہے، جبکہ ہر شخص دیکھ سکتا تھا، مگر دیکھتا نہ تھا، ایسے ماہر فن اور ذی فراست اشخاص برابر ہر شخص کے مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں جس کو جس چیز پر فن میں یہ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے، اُس کی فراست اُس کو حاصل ہو جاتی ہے، جرائم کے پتہ لگانے والے ماہرین اور جاسوس اپنے فن کی فراست میں یہ کمال رکھتے ہیں کہ صورت دیکھی اور تازہ لگے، اسی طرح ہر علم و فن کے ماہروں کو اپنے اپنے فن کے اندر یہ ملکہ حاصل ہو جاتا ہے، اُچار اور نیکو کاروں کو اپنی جماعت کے افراد کے پہچان لینے اور جان لینے کی طاقت بھی اسی طرح حاصل ہوتی ہے، اور اُسی کو ایک حدیث میں ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے،

اَلْقَوَا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاَنْتُمْ بِنَظَرِهِ تَرَوْنَ
مومن کے تازہ لینے سے ڈرو کہ وہ خدا کی روشنی سے

دیکھتا ہے،

(ترمذی)

۲۔ فراست کے بعد خدس کا درجہ ہے، فراست کے ابتدائی مقدمات حواس پر مبنی ہوتے ہیں، لیکن خدس کے ابتدائی مقدمات ذہنی اور عقلی ہوتے ہیں اور انھیں ذہنی اور عقلی مقدمات کے غور و فکر و تلاش اور ترتیب سے نتیجہ حاصل ہوتا ہے، مگر فطری کمال یا فن کی حاصل کردہ مہارت کے سبب سے غور و نظر و فکر و تلاش اور ترتیب مقدمات کے منطقیانہ مرحلوں کو ذہن رسا اس تیزی اور سرعت کے ساتھ طے کر کے آخری نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے، کہ خود اس کو بھی اس کا احساس نہیں ہوتا، کہ اس نتیجہ کے حاصل کرنے میں اُس نے کوئی دماغی عمل بھی کیا ہے، یہ چیز بھی اکثر

کامل عقل اور صائب الرائے انسانوں کو فطرۃً عطا ہوتی ہے، اور دنیا کے مشہور عقلاء اور دانایان روزگار کے واقعات میں اس کی کثرت سے مثالیں ملتی ہیں،

۳۔ کشف، کے لفظی معنی تو کھولنے اور پردہ اٹھانے کے ہیں، مگر اس سے مقصود یہ ہے کہ مادیت کے ظلمانی پردہ کو چاک کر کے مادی چیز روحانی عالم میں مشاہدہ کے سامنے آجاتی ہے، وہ کبھی اصلی صورت میں اور کبھی اپنی مثالی صورت میں نظر آتی ہے، عام لوگوں کے سمجھنے کے لیے اس کی بہترین مثال خواب کی ہے، فرق اتنا ہے کہ خواب عالم خواب کی بات ہے، اور کشف عالم بیداری کی جس طرح عام لوگوں کو خواب میں جب ظاہری حواس بیکار ہو جاتے ہیں، ایسی چیزیں معلوم ہوتی ہیں، جو کبھی کبھی عین واقعہ ثابت ہوتی ہیں، اسی طرح خاص لوگوں پر بیداری ہی میں ظاہری حواس کے تعطل سے ایسا سامان پیش آتا ہے، شخص کے تجربہ میں ایسے متعدد حیرت انگیز واقعات گزرتے رہتے ہیں،

۴۔ اِلہام کے لفظی معنی دل میں ڈالنے کے ہیں، اور اس سے مراد وہ علم ہے جو محنت، تلاش، تحقیق، غور اور ترتیب، مقدمات کے بغیر دل میں آجاتا ہے، اور ممکن ہے کہ اس کی صحت بعد کو حتیٰ تجربوں اور عقلی دلیلوں سے بھی ثابت ہو جائے، مگر خود وہ علم پہلے پہل ذہن میں کسی حتیٰ تجربہ یا عقلی دلیل کے نتیجہ کے طور پر نہیں آتا، بلکہ خود بخود دل میں آجاتا ہے، کیونکہ آتا ہے؟ اور کہاں سے آتا ہے؟ اس کے جوابات مختلف ہو سکتے ہیں، مگر یہ واقعہ ہے کہ وہ آتا ہے، اور اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا، اس کی ابتدائی اور معمولی مثالیں وہ خیالات ہیں جو محققین، علماء، شعراء اور موجدین کے ذہن میں پردہ عدم سے پہلے پہل آتے ہیں، اور وہ اُن کو دنیا کے سامنے اپنی ایجادات کی صورت میں پیش کرتے ہیں،

۵۔ وحی کے لغوی معنی کسی کا اپنے دلی مشا کو لبوں کو جنبش دینے بغیر خفا اور سبکی کے ساتھ دوسرے پر ظاہر کر دینا ہیں، اور اصطلاحاً اس کے معنی خدا کا اپنے دلی مشا سے اپنے خاص بندوں کو کسی غیبی ذریعہ سے مطلع کرنا ہیں، یہ علم و اطلاع کے روحانی ذریعوں کی آخری سرحد ہے،

کامل عقل اور مناسب الرے انسانوں کو فطرۃ عطا ہوتی ہے، اور دنیا کے مشہور عقلاء اور دانایان روزگار کے واقعات میں اس کی کثرت سے مثالیں ملتی ہیں،

۳۔ کشف، کے لفظی معنی تو کھولنے اور پردہ اٹھانے کے ہیں، مگر اس سے مقصود یہ ہے کہ مادیت کے ظلمانی پردہ کو چاک کر کے مادی چیز روحانی عالم میں مشاہدہ کے سامنے آجاتی ہے، وہ کبھی اصلی صورت میں اور کبھی اپنی مثالی صورت میں نظر آتی ہے، عام لوگوں کے سمجھنے کے لیے اس کی بہترین مثال خواب کی ہے، فرق اتنا ہے کہ خواب عالم خواب کی بات ہو، اور کشف عالم بیداری کی، جس طرح عام لوگوں کو خواب میں جب ظاہری حواس بیکار ہو جاتے ہیں، ایسی چیزیں معلوم ہوتی ہیں، جو کبھی کبھی عین واقعہ ثابت ہوتی ہیں، اسی طرح خاص لوگوں پر بیداری ہی میں ظاہری حواس کے تنطل سے ایسا سامان پیش آتا ہے، شخص کے تجربہ میں ایسے متعدد حیرت انگیز واقعات گذرتے رہتے ہیں،

۴۔ الہام کے لفظی معنی دل میں ڈالنے کے ہیں اور اس سے مراد وہ علم ہے جو محنت، تلاش، تحقیق وغیرہ اور ترتیب، مقدمات کے بغیر دل میں آجاتا ہے، اور ممکن ہے کہ اس کی صحت بعد کو حسی تجربوں اور عقلی دلیلوں سے بھی ثابت ہو جائے، مگر خود وہ علم پہلے پہل ذہن میں کسی حسی تجربہ یا عقلی دلیل کے نتیجہ کے طور پر نہیں آتا، بلکہ خود بخود دل میں آجاتا ہے، کیونکہ آتا ہے؟ اور کہاں سے آتا ہے؟ اس کے جوابات مختلف ہو سکتے ہیں، مگر یہ واقعہ ہے کہ وہ آتا ہے، اور اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا، اس کی ابتدائی اور معمولی مثالیں وہ خیالات ہیں جو محققین، علماء، شعراء اور موجدین کے ذہن میں پردہ عدم سے پہلے پہل آتے ہیں، اور وہ اُن کو دنیا کے سامنے اپنی ایجادات کی صورت میں پیش کرتے ہیں،

۵۔ وحی کے لغوی معنی کسی کا اپنے دلی منشا کو لبوں کو جنبش دینے بغیر اخفا اور تسکلی کے ساتھ دوسرے پر ظاہر کر دینا ہیں، اور اصطلاحاً اس کے معنی خدا کا اپنے دلی منشا سے اپنے خاص بندوں کو کسی غیبی ذریعہ سے مطلع کرنا ہیں، یہ علم و اطلاع کے روحانی ذریعوں کی آخری سرحد ہے،

جس طرح علم کی تین جہانی قسمیں یعنی وجدانیات، حیاتیات اور بدہیاتیات عام انسانوں کے لیے یقینی ہیں اسی طرح روحانی ذرائع علم کے یہ تین ذریعے کشف، اہام اور وحی انبیاء علیہم السلام کے لیے یقینی ہیں، اور جس طرح علم کے مادی ذریعوں میں سے یقین کا سب سے پہلا ذریعہ وہ ہے جو تمام تر مادی ہے، یعنی وجدان، پھر حس ظاہر اور پھر بدہیاتیات، اسی طرح علم کے روحانی واسطوں میں سب سے زیادہ یقینی وہ ہے جو تواتر روحانی ہے، یعنی وحی، پھر اہام، پھر کشف،

ہم نے علم کے روحانی ذرائع کی جو تین قسمیں کی ہیں یعنی وحی، اہام اور کشف، یہ قرآن پاک کی اصطلاح میں نہیں ہیں، اس کی اصطلاح میں روحانی ذریعہ علم کا نام مکالمۃ الہی (خدا سے بات کرنا) ہے، اور اس کی حسب ذیل تین قسمیں بیان کی ہیں،

۱۔ وحی (اشارہ) سے بات کرنا، یعنی دل میں کسی معنی کا بغیر آواز اور الفاظ کے آجانا، یہ اگر حالت بیداری میں ہے، تو کشف ہے، اور اگر خواب میں ہے تو رویا ہے،

۲۔ خدا کا پردہ کے پیچھے سے بات کرنا، یعنی متکلم نظر نہیں آتا، مگر غیب سے آواز آتی ہے اور الفاظ سنائی دیتے ہیں، اس کو اہام کہہ لو،

۳۔ فرشتہ کے ذریعہ سے بات کرنا، یعنی فرشتہ خدا کا پیغام لے کر سامنے نظر آتا ہے، اور اس کے منہ سے وہ

الفاظ ادا ہوتے ہیں، جنکو نبی سن کر محفوظ کر لیتا ہے، اسی کو عام طور سے وحی کہتے ہیں، کیونکہ قرآن پاک کا نزول ہی آخری طریقہ سے ہوا ہے، لیکن اس شہرت عام کے یہ معنی نہیں ہیں، کہ دو اور دوسرے طریقے وحی کی قسمیں نہیں ہیں، وحی کی ان اقسام کا ذکر سورہ شوریٰ میں ہوا،

وَمَا كَانَتْ لِبَشَرٍ أَنْ يُخَاطَبَهُ اللَّهُ كَلَامًا وَخَبِيرًا
اور کسی آدمی کی یہ تاب نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے،

مِنْ قُرْآنٍ مَّجْہَبٍ، اَوْ يُرْسِلَ رُسُلًا لَا تَلْقَوْنَ
لیکن وحی (اشارہ) سے، یا پردہ کے پیچھے سے یا کسی قاصد کو بھیجے

بِأَذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّكُمْ عَلَىٰ حَكِيمٍ مُّشِيرٍ (شوریہ ۵)
تو وہ خدا کے حکم سے جو چاہے اور کو وہ وحی کر دیتا ہے، بیشک اللہ

مکالمہ الہی کے یہ تینوں طریقے یعنی وحی (اشارہ) سے بات کرنا، پردہ کے پیچھے سے بات کرنا، اور فرشتہ کے ذریعہ سے بات کرنا، وحی کی یہ تین مختلف قسمیں بھی ہیں، اور پھر ان تینوں کا اجمالاً مشترک نام بھی وحی ہے یعنی یہ منقسم ہیں اور اپنی تین قسموں میں سے بھی ایک پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، اسی آیت میں دیکھو کہ فرشتہ کے ذریعہ سے کلام کو بھی وحی فرمایا گیا، اور تینوں مذکورہ بالا طریقوں میں جس طریقہ سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غیبی تعلیم اطلاق دی گئی ہے، اس کو بھی وحی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، یعنی وہ عام مکالمہ الہی کے مرادف بھی مستعمل ہوا ہے،

مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ
 نبی خواہش نفس سے کلام نہیں کرتا، بلکہ وہ وحی ہوتی ہے جو اس کو کیجاتی ہے، (نجم۔ ۱)

الغرض اسی امتیاز کے لیے علمی اصطلاحات میں ان تینوں طریقوں کے لیے کشف، الہام، اور وحی کے تین علیحدہ علیحدہ الفاظ وضع کر دیئے گئے ہیں تاکہ بول چال میں ہر روحانی طریقہ گفتگو دوسرے سے ممتاز ہو جائے، بیداری میں اشارہ سے بات کرنا، کشف ہی، اور خواب کے عالم میں رویا ہے، پردہ کے پیچھے سے آواز کا آنا، الہام، اور فرشتہ کی درمیانیگی سے بات کرنا وحی ہے۔

تذکرہ، اوپر کی آیت میں جہاں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ کسی بندہ کی یہ تاب نہیں کہ خدا اس سے بات کرے، لیکن ان تین طریقوں سے اس کے آخر میں فرمایا ہے، کہ وہ سب سے بلند اور حکیم ہے، یعنی اس کی بلندی و برتری کا اقتضا تو یہ ہے کہ وہ کسی کو اپنے مکالمہ کے شرف کا مستحق نہ سمجھے، مگر اس کی حکمت کا اقتضا یہ ہے کہ وہ اپنے بندگان خاص کو عام بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ان تین غیر معمولی طریقوں میں سے کسی طریقہ سے گفتگو فرمائے،

بہر حال غیبی ذریعہ اطلاع کی یہ سب سے بلند قسم جس کو اصطلاح میں وحی کہتے ہیں، اس کا تجربہ عام لوگوں کو نہیں، لیکن اس سے نیچے درجہ کے غیبی ذرائع اطلاع کا تجربہ ہر شخص کو بخیر و اہستہ ہے، اور ہر انسان کی زندگی میں

۱۔ ان اصطلاحات کی بحث کیلئے اقوال فقہ کی اہم کتابوں کی طرف توجہ کرنی چاہیے، کم از کم اس موقع پر تحریر ابن ہمام المتوفی ۱۱۳۰ھ کی شرح التقریر و التجرید لابن امیر الحاج المتوفی ۱۱۳۰ھ جلد سوم ص ۲۹۵ مطبوعہ امیر یہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ دیکھنی چاہیے،

جو بعض پر اصرار اور ناقابل فہم واقعات پیش آتے ہیں، اُن پر غور کرنے سے غیب کے اس اعلیٰ ترین ذریعہ علم کا دھندلا سا خاکہ ذہن میں آسکتا ہے، جس سے غیر جہانی اور غیر حسی مادی ذرائع علم کے سمجھنے اور باور کرنے میں جو استبعاد معلوم ہوتا ہے وہ دور ہو سکتا ہے، خصوصاً اس عہد میں جب ایسا کالو جی کی تحقیقات سے نفس کی بہت سی نامعلوم طاقتوں کا تہہ چل چکا ہے اور آپس پر تلزم کے ذریعہ ارواح سے خطاب کلام کی سلسلہ جہانی ہو رہی ہو، اور جدید روحانیات کا فن ایک مستقل سائنس کی صورت اختیار کر رہا ہو،

انبیاء علیہم السلام کو اپنے کثمت، الہام، اور وحی پر اتنا ہی یقین ہوتا ہے، جس قدر عام انسانوں کو اپنے وجدانیت محسوسات، فطریات، اور بدہیات پر، انبیاء کا یہ روحانی علم ایسا ہی اندرونی ہوتا ہے جیسا عام انسانوں میں وجدانیت فطریات، اور بدہیات و محسوسات کا علم ہوتا ہے جس طرح کسی شخص کو اس علم میں دھوکا نہیں ہو سکتا، کہ اُس کو بھوک یا پیاس معلوم ہو رہی ہے، یا اُس کو غم یا خوشی ہے، اسی طرح نبی کو بھی اپنے روحانی وجدانیت میں دھوکا نہیں ہوتا، اور جس طرح تم کو اپنے فطریات میں یہ مغالطہ نہیں ہوتا، کہ دو اور دو چار نہیں ہوتے، اسی طرح اُس کو بھی پیغمبرانہ فطریات میں مغالطہ واقع نہیں ہوتا، اور جس طرح تم کو اپنے محسوسات میں اگر کسی کو سامنے دیکھ رہے ہو، یا کسی کی آواز سن رہے ہو، شبہ نہیں ہو کرتا، اور سکو بھی اپنے روحانی محسوسات میں شبہ نہیں ہو کرتا، غرض وہ اپنی ان جہلیبی اور روحانی فرائع علم میں ہرگز غلطی نہیں، غلطی اور غلطی سے اس طرح پاک ہوتا ہے جس طرح تم اپنی وجدانیت، فطریات، محسوسات اور بدہیات میں غلطی اور غلطی سے پاک ہوتے ہو۔

علم غیب | اسلام کے عقیدہ میں غیب کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں، قرآن میں بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اعلان کی ہدایت ہوئی ہے،

فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ (یونس - ۲) تو کہہ دے اسے پیغمبر کہ غیب خدا کے لیے ہے،

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَعِيَ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ الْغَيْبُ کہہ دے کہ آسمانوں میں اور زمین میں خدا کے سوا کوئی

نہیں، جسکو غیب کا علم ہو، (نمل - ۵)

رسول کہتے ہیں،

كَلَّا اَعْلَمُ الْغَيْبَ (الفہم-۵) اور میں غیب نہیں جانتا،

لیکن اسی کیساتھ دو موقعوں پر یہ بھی کہا گیا ہے، کہ با این ہمہ خدا اپنے برگزیدہ پیغمبروں کو غیب کی اطلاع دیتا ہے،

سورہ جن میں ہے،

فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا اِلَّا مَن ارْتَضٰ
مِنْ رَّسُوْلٍ (جن) (۱)
تو اللہ اپنے غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتا لیکن اُن
پیغمبر جس کو پسند کرے،

دوسری جگہ سورہ آل عمران میں ہے،

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ
اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَّشَاءُ
اور نہ تھا اللہ کہ غیب کی باتوں پر تمکو مطلع کرتا، لیکن یہ کہ
اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہے چن لیتا ہو،

ان دو آیتوں سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ پیغمبروں کو غیب کی باتوں کی اطلاع دیتا ہے

اس سے معلوم ہوا کہ جن آیتوں میں غیب اُن کی کثمتہ اور قطعاً نفی کی گئی ہو، اُن سے مراد ذاتی اور حقیقی علم ہے، یعنی
خدا کے سوا بالذات کسی کو غیب کا علم نہیں؛ البتہ خدا کے واسطے اور ذریعہ سے اور اس کی تعلیم و اطلاع سے پیغمبروں
کو اس کا علم حاصل ہوتا ہے، ساتھ ہی آیت الکرسی میں فرما دیا گیا،

وَلَا يَحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِہٖ اِلَّا بِمَا شَاءَ
(بقرہ ۲۴)
اور وہ خدا کے ایک ذرہ علم کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے، لیکن
اتنے کا جتنے کا وہ چاہے،

یعنی اپنے علوم غیب سے جتنا اور جس قدر وہ پسند کرتا ہے، اور مصلحت سمجھتا ہے، وہ اُن کو بذریعہ وحی اُن سے

واقف کرتا رہتا ہے، با این ہمہ بعض باتوں کی نسبت جیسا کہ سورہ ہود اور لقمان میں ہے، اللہ تعالیٰ نے قطعی طور سے
فیصلہ کر دیا ہے، کہ ان کا علم کسی کو نہیں، مثلاً قیامت، بارش، موت، حکم ماورین اُکھا ہے یا لڑکی، کل کیا ہوگا، ان باتوں
کو خدا نے تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اسی طرح بعض آیتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے کہا گیا ہے، کہ اے

کا مکمل علم نہ تھا جیسا کہ غزوہ تبوک میں عدم شرکت کے بعض عذر خواہ اصحاب کے متعلق سورہ توبہ میں ہے کہ انھوں نے جھوٹی قسمیں کھا کر اجازت حاصل کر لی، خدا نے فرمایا،

عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ

لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ (توبہ)

خدا نے تجھ سے معذرت فرمائی کیونکہ تو نے ان کو اجازت دی، تاکہ تم پر معلوم

ہو جائے جو سچ بولے، اور جھوٹوں کو جان لیستہ،

انھوں نے پہلے قتلہ پیدا کرنا چاہا، اور ترسے سامنے واقعات

اُلت دیئے، یہاں تک کہ حق بات آگئی، اور خدا کی بات

کھل گئی اور وہ ایسا نہیں چاہتے تھے،

اُگے چل کر ہے،

مَرْدُوًّا عَلَى الْبَيْتِ لَا تَعْلَمُهُمْ يَكُنْ تَعْلَمُهُمْ (توبہ)

یہ نفاق پر اڑے ہیں تو ان کو نہیں جانتا ہم جانتے ہیں

ان آیتوں سے یہ واضح ہے، کہ پیغمبروں کو غیب کا کئی علم نہیں ملتا بلکہ اُن کو غیب کی اطلاع دینے جانے

کے موقع کی دونوں آیتوں میں ”رسول“ ہی کا لفظ استعمال کرنا اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے، کہ جن انجیل

کی اطلاع پیغمبروں کو دی جاتی ہے، اُن کا تعلق فریضہ رسالت اور اس کی مصلحتوں اور اور شریعتوں سے ہے،

غیب کی حقیقت علم غیب کے اس نا دید راستہ میں اتنی منزل طے کر لینے کے بعد یہ سوال سامنے آتا ہے کہ قرآن مجید کی

اصطلاح میں غیب کس کو کہتے ہیں؟ قرآن مجید کے اس لفظ کے استعمال کے تمام مواقع پر غور کرنے سے اس کے

اجمالی اور تفصیلی دونوں معنی واضح ہوتے ہیں، اجمالاً اس کا اطلاق اُن امور پر ہوتا ہے جن کا علم انسان اپنے علم کے عام

اور طبعی و فطری ذریعوں سے حاصل نہیں کر سکتا، گند بچا ہے کہ انسانی علم کے طبعی ذریعے، وجدان، حواس، اور عقل

و استدلال وغیرہ ہیں، ان طبعی ذریعوں سے جو ہر انسان کو ملے ہیں، جو علم حاصل نہیں ہوتا، اُس کو علم غیب کہتے

ہیں، یعنی اُس شے یا اُن اشیاء کا علم جو انسان کے ظاہری و باطنی حواس اور دماغی قوی کی نگاہوں کے سامنے سے

غائب ہیں، اور اس کا مقابل لفظ شہادت ہے جس کے معنی حاضر ہونے کے ہیں، یعنی وہ اشیاء جو ہر انسان کے

حواس اور قوائے دماغی کے سامنے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے کو بار بار بِالْعَلَمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ کہا ہے (انعام)۔
 (عشر: تباہین) یعنی انسانوں کے طبعی ذرائع علم کے سامنے جو حاضر ہے، اور جو غائب ہے، اُن سب کا عالم اور واقعہ کل
 وہی ہے، الغرض اجمالاً علم غیب اُس غیبی طریقہ علم کا نام ہے، جو عام انسانوں کو نہیں ملا ہے،

تفصیلی حیثیت سے قرآن پاک میں غیب کا اطلاق چار چیزوں پر ہوا ہے،
 ۱۔ زمانہ ماضی کے واقعات جن کا علم بعد کو نہ تو حواس کے ذریعہ ہو سکتا ہے، کہ حواس سے صرف شاہد (سامنے موجود)
 کا علم ہوتا ہے، اور نہ عقل و فکر کے ذریعہ ہو سکتا ہے، اگر ہو سکتا ہو تو تحریر و روایت کے ذریعہ، لیکن جس کے لیے تحریر و روایت
 کا ذریعہ یقینی طور سے مسدود ہو، اُس کے لیے ان کا علم اگر ہو سکتا ہو، تو غیبی ہی ذریعہ سے ہو سکتا ہو،
 حضرت نوحؑ کے مختصر قصہ کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہو،

تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ لَوْ جِئْتَهُمُ الْيَقِينُ مَا
 كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا تَقُولُكَ مِنْ قَبْلُ
 یہ غیب کی بعض خبریں ہیں، ہم اُن کو وحی کرتے ہیں تیری طرف
 تو تو اُن کو پہلے سے جانتا ہی نہ تھا، اور نہ تیری قوم جانتی
 هَذَا (ہود-۴۷) تھی،

حضرت مریمؑ کے قصہ میں ارشاد ہوتا ہے،
 ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ لَوْ جِئْتَهُمُ الْيَقِينُ وَمَا
 كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُقُولُونَ أَقْلَامُهُمْ أَتَاهُمْ
 يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ
 یہ غیب کی خبریں ہیں سے ہے اُس کو ہم تیری طرف وحی
 کرتے ہیں، اور نہ تو اُن کے پاس موجود تھا جب وہ اپنے
 قلم (قلم کے طور پر) ڈال رہے تھے، کہ کون مریم کو پالے
 اور نہ تو اُن کے پاس اس وقت تھا جب وہ جھگڑ رہے تھے
 (الاحقاف-۵)

دیکھو کہ محسوس واقعات کے علم کا طبعی طریقہ اُس وقت موجود رہ کر دیکھنا اور سننا تھا، اُس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
 نفی کی گئی، کہ آپ وہاں یقیناً اُس وقت موجود نہ تھے، اب رہ گیا کسی دوسرے انسانی ذریعہ سے سننا اُسکی بھی نفی
 پہلے ہی سے ہو، کہ تیری قوم میں سے بھی کسی کو معلوم نہ تھا، اور نہ دوسروں سے معلوم کیا، اب اس کا علم جس غیر طبعی

طریقہ سے رسول کو دیا گیا وہ وحی کا ذریعہ ہے،

اسی طرح حضرت یوسفؑ کے پورے واقعہ کے ذکر کے بعد فرمایا،

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبِیَاءِ الْغَيْبِ لَوْ حِصِرَ اِلَيْكَ وَ یَغِیْبُ کِیْ خَبْرُوْنَ مِنْ سِیِّئِمْ اَسْ کُوْتِرِیْ طَرَفِیْ

مَا کُنْتُ لَدَیْکُمْ اِذَا جَمَعُوْا اَمْرَهُمْ وَهُمْ کَرْتُمْ بِنِیْنِ اَوْرَتُوْا سِیْ وَتِیْنِ اُنْ کَیْ سِیْ تَحَا جِبْ

یَمُکْرُوْنَ (یوسف - ۱۱) اپنا کام طے کرنے لگے اور چال چل رہے تھے،

اس میں بھی علم شاہد کی نفی کر کے، علم غائب کو ثابت کیا گیا، بہر حال ان آیتوں سے واضح ہے، کہ ماضی کے

واقعات کے غیر طبعی طریقہ علم کو بھی علم غیب کہا گیا ہے،

۲۔ اسی طرح آئندہ مستقبل میں جو واقعات ہونے والے ہیں، اُن کو بھی غیب کہا گیا ہے، اُن کا علم دلائل

قیاس کے طبعی فرائع کے علاوہ غیر طبعی ذریعہ سے ہوا ہو، تو اُس کو بھی علم غیب کہیں گے، قرآن پاک میں ایک موقع

پر اُن کفار کے جواب میں جو نشانہوں کے طالب تھے، یہ کہا گیا،

فَقُلْ اِنَّمَا الْغِیْبُ لِلّٰهِ فَاصْبِرْ لِحُکْمِیْ وَ اِنِّیْ مَعَكُمْ تَوَکِّدْ کَیْ غِیْبِ کَیْ عِلْمِ خَدَیْ کَیْ یَیْ، اَتَظَا کَرُوْیْنِ

مِنْ الْمُنْتَظَرِ (یونس - ۱۰) بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں،

مستقبل کے منتظرہ واقعات کو اس آیت میں غیب کہا گیا ہے، اسی طرح قیامت کو بار بار غیب لکھا ہے،

خدا سے اس کے علم کی نفی کی گئی ہے،

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَکَ عِلْمُ السَّاعَةِ (لقمان - ۴۰) خدا ہی کے پاس قیامت کا علم ہے،

یَسْأَلُوْکَ عَنِ السَّاعَةِ اٰیَانَ مَّرْسِیْہَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُہَا عِنْدَ رَبِّیْ (احزاب - ۳۳) وہ قیامت کو پوچھتے ہیں، کہدے کہ اُس کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے،

اسی طرح مستقبل کے دوسرے واقعات کے علم کی بھی انسانوں سے نفی کی گئی ہے،

وَمَا تَدْرِیْ لِنَفْسِیْ مَا اِذَا اُنْکَسِبْتُ عِندَ اٰوْ کُوْیْ نَنِیْنِ جَانِتَا کُلْ وَہِ کَیْ کَرِیْجَا، اَوْرَدَ کُوْیْ یَیْ جَانِتَا

مَا تَذَرِي نَفْسٌ تَأْتِي الْأَرْضَ تَمُوتُ (لقمان - ۴) کہ وہ کس سرزمین میں مرے گی،

۳۔ اُن چیزوں پر بھی غیب کا اطلاق کیا گیا ہو جو گواہی اور مستقبل نہیں، بلکہ زمانہ حال میں موجود ہیں، تاہم انسان کے حواس خمسہ اور عقل کی محدود طاقت سے اُن کا علم نہیں ہو سکتا، ہم کو دیکھنے اور سننے کی طاقت دی گئی ہے، مگر اُس کے لیے کسی نہ کسی مسافت، عدم حجاب اور دیگر چند شرائط کی قید لگا دی گئی ہو، جن کے بغیر ہماری یہ طاقت بالکل بے کار ہے، ہم دنی میں بیٹھ کر مٹی کے پیش نظر مناظر کو نہیں دیکھ سکتے، اور نہ بغیر آلات کے ہم یہاں سے وہاں کی آواز آج بھی سن سکتے ہیں، اس لیے زمانہ حال کے علم کے لیے بھی جو طبعی شرائط اور قیود ہیں، اُن کے بغیر جو علم حاصل ہو گا وہ غیب ہو گا،

حاملہ عورت سامنے موجود ہے، مگر اُس کے بطن کے پے درپے حجابات کے اندر جنکو آنکھیں چاکنہ نہیں کر سکتیں، کیا ہے؟ کس کو معلوم ہے،

وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ (لقمان - ۴) اور اللہ جانتا ہے، رحمون کے اندر جو ہے،

آسمان وزمین میں اسوقت جو کچھ ہے، وہ سب زمانہ حال میں سب کے سامنے موجود ہے، تاہم اُس کا علم ہمارے حواس اور عقل کی محدود دسترس سے اُس وقت تک باہر ہے جب تک ہمارے دیکھنے اور سننے اور جاننے کے لیے خد نے جو طبعی شرائط بنا دیے ہیں، وہ پورے نہ ہوں،

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (ہود) اور خدا ہی کیلئے ہوا آسمانوں اور زمین کا غیب،

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (ہود) بیشک خدا جانتا ہے آسمانوں اور زمین کا غیب،

۴۔ عالم غیب کی آخری چیز وہ امور ہیں، جو غیر اذی ہونے کی وجہ سے ہمارے حواس اور عقل کے تنگ دائرہ علم سے قطعاً باہر ہیں، ہم فرشتوں کو نہیں دیکھتے، خدا کی رویت کی صلاحیت نہیں رکھتے، جنت و دوزخ ہمکو یہاں نظر نہیں آ سکتی، یہ تمام امور بھی غیب ہیں،

الَّذِينَ يَخْتَفُونَ تَحْتِ الْاَغْصَانِ (انبیاء - ۴) جو لوگ اپنے رعبے ڈرتے ہیں غیب میں،

اَلَّذِيْنَ يُؤْتِيْكَ مِنْ رِّبَا لِّغَيْبٍ (بقمرہ ۱۰) وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں غیب میں

يَا أَيُّهَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادًا بِالْغَيْبِ (مريم ۴۴) وہ جنت جس کا وعدہ اس ہر بان خدا نے اپنے بندوں کی غیب میں

”غیب میں“ کے معنی ہیں بے جانے، بن دیکھے، جو اس سے علم حاصل کیے بغیر، اور باوجود اس کے کہ وہ چیزیں اس عالم میں دیکھی نہیں جاسکتی ہیں،

پیغمبر کو اللہ تعالیٰ غیب کی جن باتوں سے آگاہ کرتا ہے، وہ ان چاروں قسم کے امور غیب ہوتے ہیں: بعض گذشتہ قوموں اور پیغمبروں کے عبرت انگیز اور نصیحت آمیز حالات سے بھی روایت اور تحریر کے ذریعہ کے بغیر، وحی کے واسطے سے اُن کو مطلع کرتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید کے حوالوں سے اوپر گذر چکا، آئندہ مستقبل میں دنیا کے فتنوں، امت محمدیہ کے انقلابات، قیامت کے مناظر، اور اُس کے بعد کے پیش آنے والے واقعات کا علم آپ کو دیا گیا، جیسا کہ اُن دنیاوی پیشینگوئیوں اور قیامت و محشر کے اُن مناظر سے ظاہر ہے جو قرآن پاک اور احادیث صحیحہ میں تبصریح مذکور ہیں، اسی طرح حال کے اُن احوال و مناظر کا علم بھی ثابت ہے، جو باوجود سائنس موجود ہونے کے احساس و تعقل کے طبعی شرائط نہ پائے جانے کے سبب عام انسانوں کو نظر نہیں آتے، قبروں کا انکشاف پس پردہ رویت، دوسروں کے موجودہ احوال سے واقفیت وغیرہ، اس علم غیب میں سے بھی پیغمبر کو عطا ہوتا ہے، اور سب سے آخر میں وہ منیبات ہیں، جن کا احساس و تصور ہمارے مادی ذرائع علم سے قطعاً خارج ہے، تاہم وہ بھی اُس کو دکھائے اور بتائے جاتے ہیں، خود خدا کا دیدار فرشتوں کی رویت، جنت و دوزخ کا مشاہدہ، وغیرہ، ان تمام امور غیب میں سے اللہ تعالیٰ جس رسول کیلئے جس قدر مناسب اور سزاوار سمجھتا ہے، اُس کا علم وحی کے مختلف اقسام کے ذریعہ سے اُس کو عطا فرماتا ہے،

وحی اور ملکہ نبوت | حکماء اسلام نے وحی کی حقیقت ”ملکہ نبوت“ کے لفظ سے ظاہر کی ہے، اس کی تشریح یہ ہے، کہ ترتیب کائنات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ کائنات میں علم اور تعقل نے پستی سے بلندی کی طرف رفتہ رفتہ ترقی کی ہے، جمادات بے حس ہیں، اس کے اوپر نباتات ہیں جن میں صرف محدود احساس ہوتا ہے، اور دماغی

قوی، حافظہ تیز، اور غور و فکر کی قوت سے وہ محروم ہیں، اُن سے اونچے حیوانات ہیں، جنہیں یہ تمام قوی ناقص طریقے سے نمودار ہوتے ہیں، اور آخر میں اُن سے بالاتر، مستی یعنی انسان میں جا کر یہ قوی پورے کمال میں ظاہر ہوتے ہیں، ان قوی کی ترقی ہمیں تک محدود نہیں ہے، بلکہ جس طرح نباتات میں قوتِ احساس ہے، جس سے جمادات محروم ہیں، اور حیوانات میں حافظہ، تصور، نقل و غیرہ کی وہ قوتیں ہیں، جو نباتات میں نہیں، انسان میں وہ دماغی و ذہنی قوی ہیں، جو حیوانات میں نہیں، اسی طرح انبیاء میں علم و نقل کی ایک ایسی قوت موجود ہوتی ہے، جو عام انسانوں میں نہیں ہوتی، اور اسی کا نام **ملکہ نبوت** ہے،

جو اس صرف مادیات کو دریافت کرتے ہیں، دماغی قوی مادیات سے بلند ذہنیات اور عقلیات کو، اور ملکہ نبوت اس سے بھی اونچا جاتا ہے، وہ ذہنیات و عقلیات سے بلند تر حقائق یعنی غیبت یا کو دریافت کرتا ہے، اس ذریعہ علم میں غور و بحث اور منطقیانہ فکر و نظر اور ترتیبِ مقدمات کی ضرورت نہیں پڑتی، بلکہ حقائق اس طرح سامنے آتے ہیں جس طرح وجدانیات، فطریات، بدہشیات، اور محسوسات سامنے آتے ہیں، اور انہیں کی طرح وہ یقینی بھی ہوتے ہیں، اور چونکہ اس ذریعہ میں علم انسانی کے عام ذریعے اور طریقے، یعنی وجدان، فطرت نوعی، بدہشت اولیہ، احساس اور غور و فکر سے معلومات حاصل نہیں کیے جاتے، بلکہ خود غلام الغیوب، وہ علم ان انسانی وسائل کے بغیر اُن کو عطا کرتا ہے، شرع کی زبان میں اُسی کو وحیِ الہام کہتے ہیں، علم کلام کی اصطلاح میں ملکہ نبوت اور عام محاورہ میں اُس کو غیبی علم کہہ لیجئے،

لیکن اہل نقل کی اصطلاح میں وحی کی یہ صورت نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کو وقتاً فوقتاً احکام اور ارادوں سے براہِ راست فرشتوں کے ذریعہ سے مطلع کرتا رہتا ہے، یہی وحی ہے،

اسحاقِ نظر سے معلوم ہو گا کہ اہل عقل و نقل کے اختلاف کا منشا یہ ہے کہ آیا یہ وحی خود پیغمبر کے مافوق اور غیر معمولی وہی علم و فہم کا نتیجہ ہوتا ہے، یا خود براہِ راست وقتاً فوقتاً تعلیم ربانی کا، دوسرے لفظوں میں یہ کہ کو کہ جس طرح عام انسانوں میں علم و فہم کی قوت آغازِ پیدائش ہی میں فطرۃً ودیعت کر دی جاتی ہے، اسی طرح انبیاء میں منشاءِ لہی

جاننے کی قوت بھی شروع ہی میں فطرۃ و دینیت کر دیا جاتی ہے، یا یہ کہ وہ فطرۃ تو ویسے ہی عام انسانی طریقہ کا طبعی علم و فہم رکھتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نبوت کے بعد اپنے منشاء الہی سے انکو کسی غیبی ذریعہ سے وقتاً فوقتاً آگاہ کرتا رہتا ہے، لیکن اقمہ یہ ہے کہ حقیقت عقل کی نقل سے، اور عقل کی عقل سے علیحدگی میں نہیں، بلکہ اتحاد میں ہے، وہ لوگ جو عقل و نقل دونوں کے جامع ہیں، وہ ان دونوں کو مجتمع کرتے ہیں،

یا ربما این دار دو آن نیز مسم

انبیاء علیہم السلام میں اللہ تعالیٰ کے فیصل و کرم سے بدر فطرت اور آغاز پیدائش سے ان امور کے متعلق جتنا ان کی رسالت و نبوت سے تعلق ہے، اور جن کو دین کہتے ہیں، وہ کلی استعداد اور عمومی فہم ہوتا ہے جس سے غیر بنیاد محروم ہیں اور اس پوشیدہ قوت کا عملی ظہور اُس وقت سے شروع ہوتا ہے جب وہ نبوت کے منصب پر علماء فرما ہوتے ہیں، اسی کا نام ”ملکہ نبوت“ ہے، اور اہم امور دین کے متعلق ان کو وقتاً فوقتاً جو غیبی اطلاع ملتی رہتی ہے، اس کا نام ”وحی“ ہے،

آج کل قرآن فہمی اور عقل کے مدعیوں اور نقل کے نقضی پابندوں میں جو اختلاف ہے، وہ دراصل انہیں دو قوتوں کے درمیان تمیز نہ کرنے کا نتیجہ ہے، نقل کے نقضی پابند یہ سمجھتے ہیں کہ ہر لفظ جو نبی کے منہ سے نکلتا ہے، وہ اُسی معنی میں وحی ہے، جس معنی میں قرآن ہے، کہ وہ براہ راست خدا کی غیب کی اطلاع ہے، اور عقل کے مدعی یہ سمجھتے ہیں، کہ قرآن بیشک خدا کی براہ راست وحی ہے، مگر اس کے ماسوا رسول جو کچھ کہتا ہے، وہ اس کے پیغمبرانہ نہیں، بلکہ انسانی و بشری علم و فہم کا نتیجہ ہے، لیکن حقیقت ان دونوں کے ماوراء ہے، جیسے وحی قرآنی وحی براہ راست ہے، اسی طرح نبی کے دوسرے احکام اُس کے عام انسانی و بشری علم و فہم کا نہیں، بلکہ اسکی پیغمبرانہ وہی قوت علم و فہم کا نتیجہ ہیں، جو وحی کی ایک دوسری قسم اس لیے کہی جاسکتی ہے، کہ اُس کا منشاء ”ملکہ نبوت“ کے ذریعہ وحی ربانی کی ترجمانی ہے، اس لیے پیغمبر کی وحی اور ملکہ نبوت دونوں کے احکام واجب الاتباع ہیں،

کتاب اور سنت | اس تقریر کا منشاء یہ ہے، کہ پیغمبر کو جو علم حاصل ہوتا ہے، اُس کی دو قسمیں ہیں، ایک ”وحی حقیقی“ یعنی

وہ علم جس کو اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً اپنے خاص الفاظ میں پیغمبر پر نازل کرتا رہتا ہے، اور جس کے مجموعہ کو کتاب الہی صحیفہ ربانی، تورات، انجیل، زبور اور قرآن کا نام دیا گیا ہے، دوسرا وہ علم جو پیغمبر کے ملکہ نبوت یا نور نبوت، یا فہم نبوت کا نتیجہ ہوتا ہے، پہلا علم اصلی اور دوسرا ضمنی ہے، یا یوں کہو کہ پہلا اصولی اور دوسرا فروعی ہے، یعنی علم اول پیغمبر پر شریعت کے غیر متبدل اور ازلی احکام کلیہ اور قہات کو واضح کرتا ہے، اور دوسرا علم پہلے علم کے غیر متبدل کلی اُصول کے ماتحت اس کے مقصود کی صحیح تشریح اور اُس کے جزئیات کی ضروری تفصیل کرتا ہے، اور غیر اہم اور متبدل امور کے متعلق ہنگامی اوقات میں مصلحتی احکام بتاتا ہے، اور اسی دوسری قسم کا علم ہے جو روایات اور احادیث کی صورت میں ہے، اور جس کو اہل اُصول اصطلاحاً **سنت** کہتے ہیں، کتاب اصولی احکام ہیں، اور **سنت** ان اصولی احکام کی علی تشریح ہے، بیان ہے، کتاب براہ راست وحی الہی کا نتیجہ ہے، اور سنت ملکہ نبوت اور فہم نبوی کا، کتاب بلفظہ وحی ہے، اور سنت بلفظہ وحی مثلاً اور وحی غیر مثلاً بعض علمائے اُصول نے کتاب اور سنت دونوں کو وحی مانا ہے، اور ان دونوں کے درمیان تفریق یہ کی ہے کہ کتاب اس وحی کا نام ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے، اور سنت اُس وحی کو کہتے ہیں جس کی تلاوت نہیں کی جاتی، اس تشریح کا مقصود حقیقہً تلاوت عدم تلاوت کا فرق نہیں ہے، بلکہ یہ ہے کہ کتاب میں معنی کے ساتھ الفاظ بھی وحی کئے گئے ہیں، اور وہ الفاظ بھی محفوظ ہیں، ان کا حرف حرف اور نقطہ نقطہ وَاِنَّا لَکَافِعُونَ کی پیشگوئی میں داخل ہے، اور اس لیے اس میں الفاظ کی کمی بیشی اور حذف و اضافہ محال ہے، اور سنت میں الفاظ کی نہیں صرف معانی کی حفاظت ہے، اسی لیے کتاب کی وحی مدون، مکتوب، اور محفوظ لگائی اور نماز میں اس کی قرأت کا حکم ہے، اور یوں بھی عام طور سے اس کی تلاوت مسنون ہے، اور سنت کی وحی بالفاظہا مقصود نہیں، اس لیے اس کی لفظی حفاظت کو اتنی اہمیت نہیں دی گئی، اور نہ نماز میں اس کے الفاظ قرأت کیے جاسکتے ہیں، اور نہ اس کی تلاوت کی جاتی ہے، نہ ان کو کتاب الہی کہا جاسکتا ہے، مگر معنی اُصولی حیثیت سے ان کی حفاظت خود قرآن نے اپنے اندر کر لی ہے، اور جزئیات کی حیثیت سے گو الفاظ میں نہیں، مگر عمل میں خود رسول اور اس کے پیروں اور پھر ان کے پیروں کے مسلسل تعامل سے یہاں تک کہ آج بھی تمام مسلمانوں کے عمل درآمد سے عملی تواتر کی صورت میں محفوظ ہے، اور

بعد کے امامون نے اچھی طرح تحقیق کر کے الفاظ اور کتب حدیث کے اوراق میں بھی اُن کو محفوظ کر دیا ہے،

سنت کو وحی کہنا اس لحاظ سے ہے کہ اُس کے جزئیات اصولاً وحی حقیقی یعنی کتاب کے اندر داخل ہیں اور اس کی کلیت میں سنت کے تمام احکام مندرج ہیں بنا برین چونکہ سنت وحی کے کلی منشا کے اندر داخل ہے، وہ بھی ضمنی حیثیت سے وحی کہی جاسکتی ہے، لیکن چونکہ اُس میں الفاظ کی تعیین خدا کی طرف سے نہیں، اسلئے وہ غیر منشاء اس فسق کا راز یہ ہے، کہ کتاب کی اصلی حیثیت کلی قانون کی ہے، قانون کے اصل منشا

کی حفاظت اور وضاحت کے لیے نہ صرف اُس کے ایک ایک لفظ کے محفوظ رہنے کی ضرورت ہوتی ہے، بلکہ اُس کے لیے ایک ایک نقطہ، شوئہ، وقف، وصل، فصل، عطف، قطع، تقدم، تاخر، یعنی اسکل کی اصطلاح میں ایک ایک ڈیش اور کونے کی بعینہ حفاظت کی ضرورت ہے، ورنہ ذرا سے تغیر میں قانون کا مطلب کچھ کچھ ہو جاسکتا ہے اور سنت کی یہ کلی قانونی حیثیت نہیں ہے، بلکہ وہ اُس کلی قانون کی تشریحات، تفصیلات، اور جزئیات میں جو حقیقت اس کلی قانون کے اندر مندرج تھے، مگر چونکہ عام لوگوں کی فہم میں نہیں آتے تھے، یا عام لوگ اُس کو نہیں سمجھتے تھے، اس لیے صحابہ کے دریافت پر یا خود حضور صلیم نے اسکی ضرورت محسوس فرما کر اُس کو کھول کر بیان فرما دیا، کہ پھر اشتباہ نہ رہ جائے،

اسی مقام پر ایک اور نکتہ بھی ہے، کہ کتاب الہی میں جو حکم جن الفاظ میں ادا ہوا ہے، وہ اگر بعض کم فہم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آیا، اور انھوں نے آنحضرت صلیم سے اسکی تشریح چاہی، یا انہیں نہیں معلوم ہوا، کہ اس خاص جزئی واقعہ کا کیا حکم ہے، اور قرآن پاک کی کس صلی سے ماخوذ و مستنبط ہوگا، اور اس لیے انھوں نے آنحضرت صلیم سے دریافت کیا، تو اُس کے جواب میں اگر آنحضرت صلیم قرآن پاک کے بعینہ انھیں الفاظ کو بے کم و بیش دہرا دیتے تو یہ بیکار ہوتا، کہ انھیں الفاظ کے نہ سمجھ سکنے کے سبب سے تو سوال کی نوبت آئی، اس لیے ضرور تھا کہ آنحضرت صلیم الفاظ کو بدل کر اور طریقہ تعبیر کو تغیر دے کر، ان الفاظ کی تشریح فرمائیں، اور یہی احادیث ہیں،

درحقیقت احادیث میں قانون الہی اور کتاب ربانی ہی کے مفہوم و منشا کو رسول اللہ صلیم نے سمجھنے والوں

کی سہولت، مگر ہون کی تکمیل بہایت، اور اصل منشاء الہی کی پوری توضیح اور کہیں پوری تاکید کی خاطر مختلف لفظوں مختلف عبارتوں اور مختلف تعبیروں سے ادا فرمایا ہے، اس لیے اصل مفہوم و منشا کے لحاظ سے احادیث کے معانی ضناوحی ہیں، لیکن الفاظ عبارت، اور تعبیر کی حیثیت سے یعنی لفظاوحی نہیں ہیں، بلکہ فہم نبوی، اجتہاد نبوی اور ملکہ نبوت کے غیر خطا پذیر نتائج ہیں، اسی لیے ان کو اصطلاح میں دوحی غیر متلو کہتے ہیں،

ہم اس فرق کی ایک مثال دیکر اپنے مطلب کو زیادہ واضح کر دینا چاہتے ہیں، قرآن پاک میں والدین کی خدمت اور اطاعت کا حکم ہے اور ساتھ ہی یہ بھی اشارہ ہے کہ والدین کی رضا مندی گناہوں کی مغفرت کا سبب ہے، یہ دوحی الہی کا حقیقی منشا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منشاء الہی کو ان الفاظ اور مختلف تعبیروں سے ادا فرمایا، مان کے پاؤں کے نیچے جنت ہے، یہی ارشاد ہوا، رب کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں ہے، ایک صحابی نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ فرمایا، تیری مان، تیری مان، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، صحابہ حضوری کے شرف سے ممتاز تھے، کہ زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوئے، وہ ذلیل ہوا، وہ ذلیل ہوا، وہ ذلیل ہوا، حاضرین نے عرض کی یا رسول اللہ! ”کون“ ارشاد ہوا، ”وہ جس نے اپنی مان یا باپ کیضعیفی پائی اور پھر ان کی خدمت گزاری کر کے جنت نہ حاصل کر لی“، ایک اور مجلس میں صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیکی کے کاموں میں خدا کو سب سے زیادہ کون کام پسند ہے؟ فرمایا ”وقت پر ناز ادا کرنا“ دریافت کیا اس کے بعد فرمایا ”مان باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا“

ان تمام احادیث پر معمولی سی غور و فکر کی نظر بھی یہ راز ظاہر کر دیگی، کہ یہ کل حدیثیں ذیل کی آیتوں کی تشریح بیان ہیں،

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (بقرہ ۶۷-۶۸-۶۹)

ان باپ کے ساتھ نیکی کرو،

وَلَا تَقُلْ لَهُمَا آيَاتٍ (اسہل ۳)

وہ بوڑھے ہو جائیں تو ان کو آفت نہ کہو،

وَتَجَاوَزَ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ (احقاف - ۲) یہ (مان باپ کے گندگزار) وہ ہیں جنکی بدیوں سے ہم درگزر کرتے ہیں

یہی حال دوسرے قرآنی احکام کے بیانات و تشریحات کا ہے،

احادیث قرآن کا بیان ہیں | قرآن پاک اور احادیث دونوں پر چنگی عمیق و وسیع نظر ہے، اُن کو یہ بر ملا معلوم ہوتا ہے،

کہ احادیث صحیحہ کے تمام فرعی اور ثانوی احکام قرآن پاک کے عمومی اور کُلّی احکام کے تحت میں مندرج ہیں، انھیں صلعم نے اپنے الفاظ میں صرف اُن کی تشریح فرمائی ہے، اس قسم کی حدیثوں کی عموماً تین شکلیں ہیں، ایک وہ جنہیں آنحضرت صلعم نے اپنے الفاظ میں حکم بیان فرمانے کے بعد خود قرآن پاک کی کوئی آیت اوس کے ساتھ پڑھ دی، اس قسم کی حدیثوں کے بیان ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے؟ دوسری شکل یہ ہے کہ اپنے آیت نہیں پڑھی مگر خود اُس حکم میں ایک دو لفظ ایسے فرمادیئے ہیں، جو کسی آیت کا جزو ہیں جس سے یہ اشارہ ہوتا ہے، کہ یہ حکم فلاں آیت کی تشریح ہے، اس صورت میں بھی اصل فرع کی تیز اہل علم کے لیے آسان ہے، تیسری شکل یہ ہے کہ اپنے کسی آیت یا اشارہ کے بغیر صرف حکم بیان فرمادیا، اس قسم کی حدیثوں کے مآخذ کی تلاش و قتب نظر کا کام ہے، انھیں پتہ زبان نبوت اور فہم رسالت کے طرز و اسلوب کے سمجھنے والے راہنمائی فی العلم ہی پاسکتے ہیں،

الہام و اجتہاد و حکمت | امام شافعی نے کتاب الرسائل میں احادیث و سنن کی تین قسمیں بیان کی ہیں، ایک وہ جو بعینہ قرآن پاک میں مذکور ہیں، دوسری وہ جو قرآن پاک کے فعل حکم کی تشریح ہیں، تیسری وہ جنکا ذکر (بظاہر) قرآن پاک میں نہ تفصیلاً ہے، نہ اجمالاً، یہی تیسری قسم قابل بحث ہے، امام صاحب نے اس کے متعلق ائمہ مفسرین کے چار نظریے نقل کیے ہیں،

۱۔ اللہ تعالیٰ نے رسول کی کُلّی اطاعت فرض کی ہے، اور اس کے علم میں پہلے ہی سے یہ ہے، کہ رسول

لے مجھے پہلے شبہ تھا کہ میں اس رائے میں منفرد ہوں، مگر کچھ ائمہ کی تلاش و تحقیق سے ثابت ہوا، کہ دیگر متعدد علمائے قبول کا یہی مسلک ہے، چنانچہ یہ خیال اجمالاً سب سے پہلے امام شافعی کی کتاب الرسائل (ص ۲۸ و ۲۹ و ۳۰) مطبوعہ علیہ مصر ۱۳۱۷ھ میں اودھ نظر سے سب سے زیادہ منقول امام شافعی اندلسی المتوفی ۳۹۷ھ کی اہم تصنیف الموافقات فی اصول الاحکام (جلد اول ص ۱۷۵-۲۲۱) مطبوعہ سلفیہ مصر ۱۳۳۱ھ میں موجود ہے، اور شاہ ولی اللہ صاحب کی حجتہ اللہ باللہ میں بھی اسکا ایک باب ہے، سلفیہ کتاب الرسائل امام شافعی ص ۲۸،

جو کچھ کہے اور کرے گا، اس میں رضائے الہی کی توفیق اس کے ساتھ شامل ہوگی، (حاصل یہ ہے کہ پہلے ہی سے رسول کو یہ توفیق ربانی عنایت کی گئی ہے، کہ وہ رضائے الہی کو دریافت کرے)

۲۔ رسول نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا ہے جس کی اصل کتاب اللہ میں نہ ہو (مقصود یہ ہوا کہ اس قسم کے احکام بھی دراصل کتاب اللہ ہی سے ماخوذ ہیں، گو بظاہر کم بینوں کو ایسا نظر نہ آئے)

۳۔ تمام احادیث نبوی، القاری فی الترفعین (یعنی رسول کے دل میں خدا نے ڈال دیئے ہیں) اور یہ اس حکمت کا نتیجہ ہیں جو آپ کے دل میں ڈالی گئی،

۴۔ اس قسم کے تمام امور جو احادیث میں ہیں، کتاب الہی سے جداگانہ، مستقل پیغام ربانی کے ذریعہ رسول کو معلوم ہوئے ہیں،

چوتھے نظریہ کو چھوڑ کر بقیہ تین راہیں میرے خیال میں تقریباً ایک ہی ہیں، پہلے نظریہ کا منشا یہ ہے، کہ صریح وحی کے علاوہ جو وقتاً فوقتاً نبی پر آتی رہتی ہو، اس کو ابتدا ہی سے ایک توفیق ازلی بھی عنایت ہوتی ہے، جس سے وہ پیش آمدہ امور میں رضائے الہی کو دریافت کر کے فیصلہ کرتا ہے، تیسرے نظریہ میں اسی توفیق علم کو الہام، اتقاد فی الروح، اور دل میں ڈال دینے سے تعبیر کیا گیا ہے، اور دوسرے نظریہ کا منشا یہ ہے کہ رسول کے جو احکام بظاہر کتاب اللہ میں نہ ہوں، ان کی اصل بھی درحقیقت کتاب اللہ میں ہے، اور رسول اُسی اصل سے اپنے احکام کو مستنبط کرتا ہو، مگر ظاہر ہے کہ یہ استنباط عام انسانی و بشری فہم سے نہیں ہوتا، ورنہ اُس کا غلطی سے پاک ہونا مستتبہ رہے گا، بلکہ وہ پیغمبرانہ قوتِ فہم کا نتیجہ ہوگا، اور جب ایسا ہے تو اس پیغمبرانہ قوتِ فہم کی تعبیر خواہ الہام سے کرو، اتقاد سے کرو، یا اُس کو حکمتِ نبوی کا نتیجہ کہو یا توفیقِ الہی کہو، بات ایک ہی ہوتی،

میرے نزدیک صحیح مسلک یہ ہے کہ رسول کے تمام صحیح ذبانی احکام بھی عموماً اس کے صحیفہ ربانی سے ماخوذ و مستنبط ہیں، اور ان کے جزئیات کتاب الہی کے کلیات کے تحت میں مندرج ہیں، اور رسول کا یہ اخذ استنباط، اور فہم اُس کی اُس پیغمبرانہ قوتِ علم کا نتیجہ ہیں، جنکو حکماء، ملکہ نبوت، اور اہل شرع حکمت، الہام، اور تشریح صدر وغیرہ

میری رائے میں یہ اصطلاح بھی معنی گذشتہ اصطلاحوں کے قریب قریب ہے، اس لیے اس اجتہادِ نبوی کے معنی انہامِ حکمت، ملکہ نبوت، فہم نبوی، وغیرہ گذشتہ اصطلاحات سے عملاً الگ نہیں کہ اس کی حیثیت بھی وحیِ ثنائی کی قرار پا جاتی ہے،

اس بحث پر شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ الباقیہ میں جو خیال ظاہر فرمایا ہے اُس کا ترجمہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں،

”قوانِ مبحثِ حایثِ نبوی شریعت کے خاتم کرنے میں“ ”علومِ نبوی صلیع کے اقسام“

رسول اللہ صلیع کی جو روایتیں حدیث کی کتابوں میں جمع کی گئی ہیں، انکی دو قسمیں ہیں،
۱۔ ایک تو وہ جن کا تعلق تبلیغِ رسالت سے ہو اور یہ آیت،

مَا أَتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوا وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (حشر۔ ۱)
پیغمبر تم کو جو کچھ دے اوس کو لے لو، اور جس چیز سے منع کرے اُس سے باز آؤ،

اسی قسم کے متعلق نازل ہوئی ہے،

علومِ معاد یعنی قیامت اور آخرت کے احوال، جزا و سزا اور عجائب الملوک (یعنی دوسرے عالم کے احوال و کیفیات) اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں، اور ان سب کا دار و مدار صرف وحی پر ہے، اور ان احوال کے مطابق جن کا ذکر اوپر گزر چکا، قوانینِ شریعت، اور عبادات و معاملات کی جزئیات کا ضبط بھی اسی قسم میں داخل ہے، لیکن ان میں سے بعض چیزوں کا دار و مدار وحی پر اور بعض کا اجتہاد پر ہے، لیکن رسول اللہ صلیع کا اجتہاد بھی وحی کی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ خداوند تعالیٰ نے آپ کو غلط رائے قائم کرنے سے محفوظ رکھا ہے، اور یہ ضروری

نہیں ہے کہ آپ کا ہر اجتہاد کسی خاص نصِ آیت سے استنباط کا نتیجہ ہو، جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے، بلکہ آپ کے اجتہاد کی زیادہ تر صورت یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے شریعت اور وضعِ قانون کے مقاصد انسانوں کی آسانی اور بھلائی اور اصولی مقاصد کا قانون آپ کو تعلیم کر دیا تھا، وہ مقاصد جن کا ماخذ وحی تھا، آپ اسی کٹی ہوئی قانون کے ذریعہ سے جو آپ کو سکھایا گیا تھا، ان کی تشریح فرما دیا کرتے تھے حکمت کی متفرق باتیں اور عام مصلحتیں جن کے لئے آپ نے کوئی وقت مقرر کیا نہ ان کے حدود بتائے، مثلاً اخلاقِ صالحہ اور اخلاقِ غیر صالحہ کا بیان بھی تبلیغِ رسالت سے تعلق رکھتا ہے، لیکن ان میں اکثر کا دار و مدار اجتہاد پر ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے آپ کو باہمی معاملات و اجتماع کا کٹی قانون تعلیم کر دیا تھا، اور آپ نے حکمت کی باتیں اسی کٹی قانون سے جو آپ کو تعلیم کر دیا گیا تھا، مستنبط کیں، اور ان کے متعلق ایک کلیہ بنایا، فضائلِ اعمال اور ان پر عمل کرنے والوں کے مناقب بھی اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں، اور میرے خیال میں ان میں بعض کا دار و مدار وحی پر اور بعض کا اجتہاد پر ہے، ان قوانین کا بیان اوپر گزر چکا ہے، اور ہم اسی قسم کی شرح کرنا اور ان کے معانی کو بیان کرنا چاہتے ہیں،

۲۔ دوسری وہ روایتیں ہیں جو تبلیغِ رسالت سے تعلق نہیں رکھتیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ میں صرف ایک آدمی ہوں، جب میں تمہارے دین کے متعلق تم کو کوئی حکم دوں تو اس پر عمل کرو، اور جب میں تم کو اپنی رائے سے کوئی حکم دوں تو یہ سمجھو کہ میں صرف ایک آدمی ہوں، اور چھوہاروں کے جوڑ لگانے کے واقعہ میں آپ کا یہ فرمان کہ میں نے ایک خیال قائم کیا تھا، میرے خیال پر تم لوگ عمل نہ کرو، البتہ جب خدا کی کوئی بات بیان کر دو تو اس پر عمل کرو، کیونکہ میں خدا پر جھوٹ نہیں باندھتا، اسی قسم سے تعلق رکھتا ہے، طب کے متعلق حدیثیں اور ان کا یہ ارشاد کہ تم سیاہ رنگ اور ایسے گھوڑے پر سوار ہو جس کی پیشانی میں تھوڑی سی سفیدی ہو، اسی قسم میں داخل ہے، اور اس کا دار و مدار تجربہ پر ہے،

آپ نے جو کچھ مادہ کیا، عبادۃ نہیں، اتفاقاً کیا، قصداً نہیں، وہ بھی اسی قسم میں داخل ہے، آپ نے جو واقعات ایسے بیان کیے، جن کا تمام قوم میں چرچا تھا، مثلاً اتم زرع اور خرافہ کے قصے وہ بھی اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں،

اور اسی بات کو حضرت زید بن ثابتؓ نے جب اُن سے چند لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان کرنے کی درخواست کی، اس طرح بیان کیا ہے، کہ میں آپ کا پڑوسی تھا، اور جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی، تو آپ مجھ کو بلا بھیجتے تھے، اور میں آپ کے حکم سے اس کو لکھا کرتا تھا، لیکن جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تھے، تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس کا ذکر فرماتے تھے، اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تھے، تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس کا ذکر کرتے تھے، اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تھے، تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس کا ذکر کرتے تھے، تو کیا میں ان تمام چیزوں کو بطور حدیث بیان کروں؟“

اسی میں وہ چیزیں بھی داخل ہیں، جنکو آپ نے اپنے زمانہ کی جزئی و عارضی مصلحت کے طور پر کیا ہے، اور وہ تمام امت کے لیے ضروری نہیں ہیں مثلاً فوج کی آراستگی، اور جنگی علامت کی تعیین کے وہ احکام جنکو خلیفہ دیتا ہے، اور حضرت عمرؓ کے اس قول کے کہ اب ہم کوچ میں اگر کر چلنے کی کیا ضرورت؟ ہم ایک قوم (کفار قریش) کے سامنے اس کی نمائش کرتے تھے، لیکن اب خدا نے اس کو ہلاک کر دیا، یہی معنی ہیں کہ وہ اس کو ایک خاص جزئی و عارضی مصلحت سمجھتے تھے، لیکن چونکہ آپ نے اس اجتہاد پر پورا اطمینان نہ تھا، اس لیے اُن کو یہ خوف ہوا، کہ شاید اس کا کوئی اور سبب ہو، اس لیے اس میں دست اندازی نہیں کی، اسی طرح دوسرے احکام بھی اسی پر محمول کئے گئے ہیں، مثلاً آپ کا یہ ارشاد کہ جو شخص جسکو قتل کرے اُس کا ہتھیار اسی کا حق ہو، نیز آپ کے مخصوص فیصلے بھی اسی قسم میں داخل ہیں، کہ آپ مقدمات کے ان فیصلوں میں گواہوں اور قسوں کے مطابق فیصلے کرتے تھے، آپ نے حضرت علیؓ کو کرم اللہ وجہہ سے جو یہ فرمایا تھا کہ واقعہ میں حاضر جو کچھ دیکھتا ہے اس کو غائب نہیں دیکھتا، اس کے معنی بھی یہی ہیں، (اتنی کلامتہ)

شاہ صاحب کے نظریہ کا خلاصہ یہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جس کا تعلق پیغمبرانہ فرائض، تبلیغ رسالت، اور جماعت امور دین سے ہے، یہ تمام باتیں براہ راست وحی و تعلیم الہی سے اخذ ہیں، دوسری وہ جو عام انسانی باتیں ہیں، اس کی متعدد صورتیں ہیں،

۱۔ کسی جزئی عارضی مصلحت کی بنا پر کوئی حکم جیسے حج میں اپنے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ قریش کے سامنے اکڑ کر سعی کرین تاکہ قریش یہ سمجھیں کہ مدینہ کی آب ہوانے ان کو کمزور کر دیا ہے،

۲۔ وہ امور جنکو دین و رسالت سے براہ راست کوئی تعلق نہیں، بلکہ زمانہ کے حالات کے ساتھ وہ بدلتے رہتے ہیں، مثلاً جنگ کا طریق، ہتھیار کے اقسام، حکومت کے صیغوں کی ترتیب وغیرہ،

۳۔ وہ امور جنکو آپ اپنی شخصی، قومی، یا ملکی عادت کے مطابق کرتے تھے، جن کو دین و رسالت سے کوئی واسطہ نہیں، مثلاً وضع و لباس، فرش پر نشست، کھل اور ہٹنا، دسترخوان اور چھون کا عدم استعمال، عمامہ باندھنا، تہبند پہننا، اونٹ پر سوار ہونا وغیرہ،

۴۔ وہ امور جو عرب میں بطور قصہ کے مشہور تھے اور آپ نے بھی ان کو اُسی طرح تفتن طبع کے لیے یا کسی اخلاقی نتیجہ کی خاطر بیان فرمایا، مثلاً ام زرع اور انکی نو سہیلیوں کی کہانی، خرافہ کی داستان، بنی اسرائیل کی بعض چٹھانیاں،

۵۔ عربوں کے بعض تجربی مسلمات اور علاج و معالجہ کی بعض باتیں،

۶۔ زراعت وغیرہ کے متعلق بعض ذاتی رائیں، مثلاً مدینہ میں قاعدہ تھا، کہ فصل کے موقع پر زچھو ہارون کے پھول مادہ چھو ہارون کے درختوں میں ڈالے جاتے تھے، آپ نے یہ طریقہ دیکھا تو اس کو محض رسمی بات سمجھ کر فرمایا کہ اگر ایسا نہ کیا کرو تو کیا ہو؟ مدینہ والوں نے آپ کے اس ہلکے سے اشارہ کو حکم کے طور پر مانا اور اس سال یہ ترکیب چھوڑ دی، نتیجہ یہ ہوا کہ اُس سال پیداوار کم ہو گئی، لوگوں نے اگر عرض کی، فرمایا میں نے ایسا کیا کیا تھا، ”انتم احلہذا منہ دنیا کثرتم اپنے دنیاوی کاروبار اور معاملات سے زیادہ واقف ہو؟ یہ امور تغیر اور رد و بدل کے قابل ہو سکتے ہیں،

الغرض یہ وہ امور ہیں جنہیں رسول کے ارشادات کی حیثیت، انسانی باتوں کی ہے، لیکن ان کے علاوہ دوسرے امور جنکا تعلق دین و رسالت و نبوت سے ہے، مثلاً عقائد، عبادات، اخلاق اور اخبارِ مواد اور معاملات کے بعض ضروری حصے، یہ سب کے سب وحی اور تعلیم ربانی سے ہیں، جو دائمی اور ناقابلِ تغیر ہیں،

ان ناقابلِ تغیر امور کی تعلیم اطلاق کی دو صورتیں ہیں، براہِ راست وحی الہی جو وقتاً فوقتاً پیغمبر کی تعلیم و اطلاق کے لیے خدا کی طرف سے آیا کرتی تھی، اور دوسری اجتہادِ نبوی، یہاں بحث اسی دوسری چیز سے ہے، شاہ صاحب اس کے متعلق دو باتیں فرماتے ہیں،

۱۔ ایک یہ کہ اجتہادِ نبوی کی صورت و حقیقت مجتہدین کے اجتہاد کی طرح نہیں ہے۔ مجتہدین کا اجتہاد کسی خاص نص سے استنباط کا نام ہے اور پیغمبروں کے اجتہاد کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اجمالی طور سے شریعت کے کلی اصول و قواعد کا علم منصبِ نبوت کے ساتھ ساتھ عطا فرما دیا ہے، اسی علم کے مطابق آپ وحی کی توضیح احکامِ منصوبہ کی تفصیل کسی کلی کے جزئیاتِ مسائل کی تشریح، اپنے الفاظ میں فرما دیا کرتے تھے،

۲۔ پیغمبروں کا یہ اجتہاد، دوسرے عام انسانی مجتہدین کے اجتہادات کے برخلاف خطا و غلطی سے یکسر پاک و منزہ ہوتا ہے، کیونکہ اُن کی رائے خطا و غلطی پر باقی رکھے جانے سے محفوظ بنائی گئی ہے، اسی لیے ”اون کا پیغمبر اجتہاد بھی بمنزلہ وحی کے ہے“

”پیغمبرانہ اجتہاد“ کی جو تشریح شاہ صاحب نے فرمائی ہے، اُس کو پیشِ نظر رکھ کر یہ فیصلہ نہایت آسان ہے، کہ دو

لوگ، ملکہِ نبوت، الہام، انشاء، حکمتِ ربانی، فہمِ نبوی سے جو کچھ مراد لیتے ہیں، اُس میں اور ”اجتہادِ نبوی“ میں علماً کوئی فرق نہیں ہے، کہ اس اجتہاد سے مقصود وہ قوتِ علیمہ یا الہامیہ یا نبویہ ہے، کہ جس کو اللہ تعالیٰ خاص پیغمبر کے سینہ میں ودیعت رکھتا ہے، اس لیے مجتہدانہ اجتہاد اور پیغمبرانہ اجتہاد کے درمیان صرف لفظ کی مشارکت ہے، معنی کی نہیں، مزید بحث آگے آئیگی،

ایک نکتہ کی طرف یہاں اور اشارہ کر دینا ہے، آنحضرتِ صلعم کے سوا اور جتنے صاحبِ کتاب انبیاءؑ، اُن کی وحی کتاب اور نتائجِ حکمتِ نبوی میں فرق و امتیاز باقی نہیں رہا، چنانچہ توراۃ و انجیل و زبور میں یہ باتیں ملی جلی ہیں، جیسا کہ اُن کے پڑھنے سے ہر شخص کو نظر آسکتا ہے، مگر محمد رسول اللہ صلعم چونکہ آخری اور غیر منسوخ کتاب لیکر آئے تھے، اس لیے آپ کی کتاب کی ہر طرح حفاظت کی گئی، اور ہر تخیل و آمیزش سے محفوظ

رکھی گئی، بلکہ اسی لیے آغاز اسلام میں آپ نے نتائجِ حکمت نبوی کی تحریر سے لوگوں کو باز رکھا، تاکہ کتاب کے ساتھ اون کی آمیزش نہ ہو، بعد کو جب یہ خطرہ باقی نہیں رہا، تو اکثر لوگوں کے نزدیک یہ ہے کہ آپ نے ان کی تحریر کی اجازت دیدی اور بعض متشدّد صحابہ اور علماء کے نزدیک یہ اجازت مخصوص لوگوں کے لیے تھی، عام نہیں، لیکن یہ اختلاف تحریر و کتابت میں ہے، اون کی صحیح طور سے حفاظت و روایت و تبلیغ میں نہیں، اسلئے اس خدمت کو تمام صحابہ نے بہا^{بعین} تبع تابعین اور تمام علمائے صحابین نے ہمیشہ ادا کیا،

عصمت اور یگانہ پن | نبی کی تیسری اہم خصوصیت، او سکی معصومی اور بے گناہی ہے، یہود میں چونکہ پیشینگو ہونے کے علاوہ نبی کا کوئی صحیح تخیل نہیں، اس لیے ان کی کتابوں میں انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف ایسی باتیں منسوب کی گئی ہیں جو ان کی شانِ نبوت کے سراسر منافی ہیں، عیسائیوں میں صرف ایک مسیح کی ذات معصوم مانی جاتی ہے، لیکن اسلام میں یہ عقیدہ ہر نبی اور رسول کی نسبت عام ہے، اُس کے نزدیک تمام انبیا اور رسول گناہوں سے پاک اور معصوم تھے، ان سے بقا ضاعے بشریت بھول چوک ہو سکتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ اپنی وحی سے اون کی ان غلطیوں کی بھی اصلاح کرتا رہتا ہے، نبوت کے متعلق عقلی حیثیت سے بھی جب تک عصمت کا اصول مانا نہ لیا جائے، نبی اور عام حکیم و مصلح میں فرق نمایاں نہیں ہو سکتا، اور نہ نبیوں اور رسولوں کی کامل صداقت و صحت پر اعتبار کیا جاسکتا، اسی لیے اسلام نے اس عقیدہ کا بھی بڑا اہتمام کیا ہے، ایک ایک کر کے تمام پیغمبروں کے مقدس احوال کا تذکرہ کیا ہے، اور ان واقعات کی تردید کی ہے، جو شانِ عصمت کے خلاف ہیں، اور جن کو لوگوں نے ان کے سوانح میں شامل کر دیا ہے،

عرب کے مشرکوں کا یہ عقیدہ تھا، کہ کاہن جو غیب کا حال بتاتے ہیں، اور شاعر جو پر جوش اور پرتاثر کلام نظم کرتے ہیں، یہ شیطانوں سے سیکھ کر بتاتے اور کرتے ہیں، اور یہی بات وہ محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی نسبت بھی رنوذ بانہد کہتے تھے، قرآن نے ان کے جواب میں کہا، درخت اپنے پھل سے اور شے اپنے آثار سے پہچانی جاتی ہے،

إِنَّكَ لَيْسَ لَكَ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ
رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ، إِنَّمَا سُلْطَانُكَ عَلَى
الَّذِينَ يَتَوَلَّوْا نَدَىٰ، وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ مُشْرُكِيهِمْ
شَهِيدٌ، وَإِنْ يَدْعُوا إِلَىٰ نَارِ اللَّهِ مِن
بَعْدِ خُرُوجِهِمْ قُلْ سَبِيلُ اللَّهِ سَوَاءٌ لِّمَنِ الْكَافَرُونَ،
اس کے بعد آخر تک اس خیال کی ترویج کی ہے، اور پھر خاتمہ اس پر ہے،

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ
وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ، إِنَّ اللَّهَ
مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ،
اور صبر کر۔ اور تیرا صبر کرنا بھی خدا ہی کی مدد سے ہے، اور نہ
تو اُن پر غمگین ہو، اور نہ اُن کے فریب سے تنگدل ہو، بیشک
خدا اُن کے ساتھ ہے، جو پرہیزگار ہیں، اور جو نیکو کار
ہیں، (غل-۱۶)

اس آیت سے ظاہر ہوا کہ انبیاء کرام شیطانوں کے فریب سے آزاد، متقی، پرہیزگار اور نیکو کار ہوتے ہیں
سورہ شعراء میں اسی شبہ کا جواب تمام پیغمبروں کے حالات کو سنا کر آخر میں یہ لکھ کر دیا ہے،
هَلْ أَنتُم عَلَىٰ شَيْءٍ مُّسْتَكْبِرُونَ، أَمْ يَرَاهُمُ اللَّهُ حَكِيمٌ
مُّبِينٌ، أَمْ لَهُمْ آلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ،
تَنْزِيلٌ عَلَىٰ كُلِّ آفَاكٍ أَثِيمٌ، يُلْقُونَ السَّمْعَ
وَأَكْثَرُهُمْ كَذِبُونَ، (مشماء-۱۱)
کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں، اور نہ
پر اترتے ہیں، جو جھوٹ گھڑتے ہیں، گنگار ہوتے ہیں،
لوگوں کو یہ یقین دلانے کیلئے کہ وہ غیب کی باتیں سن رہے ہیں،

سورہ جاثیہ میں مخالفین کے جواب میں کہا گیا،

وَيْلٌ لِّكُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ يَسْمَعُ آيَاتِ اللَّهِ تُنْزِلُ
عَلَيْهِ ثُمَّ يَصُرُّ مُصْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا
فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ، (جاثیہ-۱)
جھٹکار ہو اُس پر جو جھوٹ گھڑنے والا گنگار ہے، خدا کی آیتوں کو جو
اُس کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، وہ سنتا ہو اور پھر اپنے غور پر راز رہتا ہے
گویا کہ اُس نے سنا نہیں، تو اس کو دردناک عذاب کی بشارت دے

اس کے معنی یہ ہوتے کہ انبیاء علیہم السلام جھوٹ گھڑنے والے اور گنگار نہیں ہوتے، کہ اگر ایسے ہوں تو فرشتوں
کے بجائے وہ شیطانوں کے قرین و رفیق ثابت ہوں، اور اُن کی سچائی اور صداقت مشتبہ ہو جائے، اور نیز یہ کہ

نبوت کی حقیقت کذب و گنگاری کے صریح منافی ہے،

ایک اور موقع پر ارشاد ہوا،

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ
وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا
عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ، (آل عمران - ۸)

اُس آدمی کے جس کو اللہ کتاب اور فیصلہ اور نبوت دے

یہ شایان نہیں کہ وہ لوگوں سے کہے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے

بندے ہو جاؤ،

یعنی پیغمبروں کی دعوت کا منشا خدا کی بندگی کا اعلان ہے، نہ کہ لوگوں کو اپنا بندہ اور پرستار بنانا، ۱۱

یہ گناہ اُن سے سرزد نہیں ہوتا،

اور ایک آیت میں فرمایا۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ
بِمَا غُلَّ يَكْذِبُ الْفَقِيرَ ثُمَّ تُرْوَى كُلُّ نَفْسٍ مِمَّا
كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ، أَفَمَنْ اتَّبَعَ
رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطٍ مِنَ اللَّهِ وَمَا لَهُ
جِثَمٌ وَلَا يُوْثِقُ الْمَصِيرُ هُمْ دَرَجَاتٌ
عِنْدَ اللَّهِ، وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ
لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ
فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ أَتَيْتُمْ أُغْلِبْتُمْ اللَّهَ
وَرُسُلَهُ فَبِئْسَ الْفِتْنَةُ وَاللَّهُ يُضِلُّ
مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

کسی پیغمبر کا یہ کام نہیں کہ وہ کچھ چوری سے چھپائے۔ اور جو

چھپائیگا قیامت کے دن لیکر اُس کو حاضر ہوگا پھر اُس وقت

ہر شخص کو اُس کے کام کا پورا بدلہ ملے گا، اور اُن پر ظلم نہ ہوگا،

کیا جو خدا کی خوشنودی کی پیروی کرے، وہ اس کے جیسا

ہو سکتا ہے، جو خدا کا غضب کسے، اور اُس کا ٹھکانا جہنم ہے،

اور وہ برا ٹھکانا، جو انسانوں کے خدا کے نزدیک کئی درجے میں

اور خدا اُن کے کام سے خبردار ہے، بے شبہ اللہ نے ایمان والوں

پر احسان کیا، کہ اُن میں ایک ایسے رسول کو بھیجا، جو اُن کو

اُنکی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، اور اُن کو پاک و صاف بناتا، ۱۲

کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، اور وہ بے شبہ اس سے

پہلے کھلی گمراہی میں تھے،

(آل عمران - ۱۷)

ان آیتوں میں گوہر نبی سے غلول (مال چھپانے) کی نفی کی ہے، اور فرمایا ہے کہ نبی جو خدا کی خوشنودی کی ہمیشہ پیروی کرتے ہیں وہ انکے مانند نہیں ہو سکتے جو خدا کی خفگی کرتے ہیں، مگر خصوصیت کیساتھ آنحضرت صلعم کی طرف اشارہ ہے اور بتایا گیا ہے کہ نبی کی یہ شان نہیں کہ اُس سے ایسا جرم سرزد ہو سکے کہ اللہ کی رضا مندی کا طالب، اُنکی ناخوشی کے کام کافر نہیں ہو سکتا، اور جو دوسروں کو احکام الہی سنائے، خود اُس سے اُن احکام کی خلاف ورزی ممکن نہیں اور جو دوسروں کو پاک وصاف کرنے پر مامور ہے، وہ خود گنہگار و ناپاک نہیں ہو سکتا،

انیا علیم السلام کے لیے بار بار قرآن نے ”چنکر پسند کرنا“ کا لفظ استعمال کیا ہے، جو سرتاسر اُن کی عصمت اور گناہوں سے محفوظ و پاک رہنے پر دلالت کرتا ہے، عام پیغمبروں کے متعلق یہ آیت ہے،

اللّٰهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ خدا فرشتوں میں سے اپنے پیغمبر کو چنکر پسند کرتا ہے،

(ج- ۱۰) اور آدمیوں سے،

چند مخصوص پیغمبروں کی شان میں ہے،

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓ اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهٖمَ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِغٰلِبِ اَعْيُنِ النَّاسِ اِلٰہ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام اہل دنیا پر چنکر پسند کیا،

وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلٰی الْعٰلَمِيْنَ، (آل عمران- ۴) خاص حضرت ابراہیم کے متعلق ارشاد ہوا،

وَلَقَدْ اَصْطَفَيْنَا فِي الدُّنْيَا (بقرہ- ۱۲۹) ہم نے اُس کو دنیا میں چنکر پسند کیا،

حضرت موسیٰ کی نسبت فرمایا،

اِنِّیْ اصْطَفٰیْتُكَ عَلٰی النَّاسِ بِرِسَالَتِیْ وَ اِنِّیْ بَصِيْرٌ (اعراف- ۱۴) میں نے تجھ کو اپنے کلام اور پیغاموں کے لیے لوگوں پر چنکر پسند کیا،

ایک آیت میں پیغمبروں کے لیے اصطفاء کے ساتھ خیر (بہتر اور نیکو کار) کی صفت ظاہر کی گئی ہے،

وَ اٰذْکُرْ عِبَادَنَا اِبْرٰهٖمَ وَاِسْحٰقَ وَاٰیْمٰنَ وَاٰدَمَ اُولٰٓئِکَ عَلٰی النَّاسِ اَحْسَنُ ہمارے خاص بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو

اُولٰٓئِذِیْ وَالْاَبْصَارِ اِنَّا اَخْلَصْنٰهُمْ
بِخَالِصَةٍ ذِکْرٰی الدَّارِ الْاٰخِرَةِ عِنْدَ الْمَلٰٓئِکَةِ
المُصْطَفٰیْنَ الْاٰخِیَارِ (ص - ۴)
کیا اور وہ ہماری بارگاہ میں چنے ہوئے نیکو کاروں میں تھے
سورہ انبیاء میں اکثر پیغمبروں کے تذکرہ کے بعد فرمایا،

وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِیْنَ، وَجَعَلْنٰهُمْ اٰیَمَةً
یُّقَدُّوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحٰیْنَا اِلَیْهِمْ فَعَلِ
الْخٰیِرَاتِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتٰهُمُ الزَّكٰوةَ
وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ (انبیاء - ۵)
ان میں سے ہر ایک کو ہم نے صالح بنایا اور ہم نے انکو وضو
بنایا جو ہمارے حکم سے لوگوں کو راہ دکھاتے تھے اور ہم نے انکو
نیک کاموں کے کرنے کی اور نماز پکڑی کرنے اور زکوٰۃ دینے
کی وحی کی اور وہ ہمارے پرستار تھے،

کیا اس سے زیادہ اونکی عصمت اور بیگناہی کی شہادت ہو سکتی ہو، کہ وہ امام و پیشوا اور صلح اور خدا کے
پرستار بنائے گئے،

سورہ انعام میں بہت سے پیغمبروں کے نام گنا کر سب کو صلح فرمایا گیا،
كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ، (انعام - ۱۰) یہ سب صالحوں میں تھے،

پھر اگے چل کر فرمایا، كُلًّا فَضَّلْنَا عَلٰی الْعٰلَمِیْنَ (انعام - ۱۰) ہر ایک کو دنیا والوں پر فضیلت دی
پھر ان کا ذکر کر کے فرمایا، وَاجْتَبٰیْنٰهُمْ وَهَدٰیْنٰهُمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دو اور ہم نے ان کو برگزیدہ کیا اور
ان کو سیدھی راہ چلایا یہ صالح ہونا، برگزیدہ ہونا اور راہ راست پر ہونا، سرِ عصمت اور بے گناہی ہے،
شقی و سجد اور گناہگار و نیکو کار دونوں کی سیرتوں اور زندگیوں کا فرق اتنا نمایاں ہے، کہ ان میں امتیاز
اور اشتباہ ممکن نہیں، تاہم دوسری خاموشی اور غلطی کی گویا زبانیں جس جھجک اس فرق و امتیاز کی منادی کرتی
رہتی ہیں، اس مہول کو قرآن پاک نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے،

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّئَاتِ اَنْ
کیا وہ جو گناہوں کے مرکب ہیں، یہ گمان کرتے ہیں کہ

تَعْلَمُ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَجَعَلُوا الصَّلَاةَ سَوَاءً
ہم اونکو اونکی طرح جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے بنائیں گے

فَعِيَا هُمْ وَمَا تَعْلَمُونَ (عاشیہ - ۲)
اُن دونوں کی زندگی اور موت یکساں ہو یہ اُنکا فیصلہ کتنا برا ہے

اس آیت پاک سے معلوم ہوا کہ ان دونوں کی زندگی، اور موت دونوں ممتاز ہوتی ہیں،

انبیاء کے وصف میں فرمایا،

الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ
جو اللہ کے پیغاموں کو پہنچاتے ہیں، اور اُس سے ڈرتے ہیں

وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ، (احزاب - ۵)
اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے،

آنحضرت صلعم کے اہل بیت اور بیویوں کو جو عزت اور شرف حاصل ہے، وہ نبوت و رسالت ہی کی

نسبت سے ہے، ازواج مطہرات کی شان میں ہے،

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ
اے پیغمبر کی بیویو! تم عام سورتوں میں سے کوئی ایک

إِنِ اتَّقَيْتُنَّ، (احزاب - ۶)
نہیں ہو، اگر تم متقی ہو،

پھر اہل بیت نبوی کو خطاب کر کے فرمایا کہ ارادہ رہا بانی یہ ہے، کہ وہ تم کو برائی سے پاک اور صاف

اور ستھرا بنائے،

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ
اللہ ہی چاہتا ہے، کہ تم سے ناپاکی کو دور کر دے، اے نبی

أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (احزاب - ۳۳)
کے گھر والو! اور تم کو بالکل صاف ستھرا بنا دے،

ظاہر ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام کے ازواج و اولاد کی شرافت کے لیے گناہ اور بدی کی نجاست خیل ہے

تو خود انبیاء علیہم السلام کا کیا ذکر ہے، ایک دوسری آیت میں حضرت عائشہؓ کو تہمت سے بری کر کے اللہ تعالیٰ
نے ارشاد فرمایا،

الْحَبِيشَاتُ الْخَبِيثَاتُ وَالْخَبِيثُونَ الْخَبِيثَاتُ
گندیاں، گندہوں کے واسطے، اور گندے، گندیوں کے

وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ
پیسے، اور ستھریاں، ستھروں کے واسطے، اور ستھرے ستھروں

اُولَٰئِكَ مُبَرَّذُونَ مِمَّا يُفْتَرُونَ (نور-۳) کے واسطے، یہ اُن کی تمّت سے پاک ہیں،

یہاں طیب، پاک اور تھرے سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے، اور اسی ستمبر اپنی پاک اور طہارت سے ازواجِ مطہرات کے اخلاقی ستمبر، پاک اور طہارت پر استدلال کیا گیا ہے،

انبیاء و حقیقت مقتدی اور مشیوا، اور نمونہ بنکر اس دنیا میں بھیجے جاتے ہیں، اسی لیے فرمایا،
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (سورۃ احزاب)

نیز اُن کی اطاعت واجب ہے،

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ (ن-۱-۹) ہم نے کوئی نبی نہیں بھیجا، لیکن اس لیے کہ خدا کے حکم اُس کی اطاعت کیجئے،

اور خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت تصریح ہے، کہ آپ کی پیروی، خدا کا محبوب بننے کا مستحق ٹھہرتی ہے
إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (آل عمران) اگر تم خدا کو چاہتے ہو تو میری پیروی کرو۔ خدا تم کو چاہیگا،
کیا کسی گنہگار اور عصیان کار کی زندگی، پیروی، اتباع اور نمونہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، تاریکی سے روشنی کبھی نکلی، اور گندگی سے پاکی کبھی پیدا ہوئی، اور گنہگاروں کی دعوت سے کبھی نیکو کاری پھیلی ہے؟
برایوں اور گنہگاروں کا اصلی سرختمہ اور منبع شیطان، یا انسان کی خود قوت شر ہے، لیکن خدا کے خاص بند اُس کے دام فریب سے آزاد ہیں،

إِنْ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ وَتَقِينَا مِيرَے بندوں پر تیرا (اے شیطان) کوئی زور

وَكُفِيَ بِبَيْتِكَ وَكِيلًا (اسرائیل-۷) نہیں تیرا پروردگار اپنی بندوں کی طرف سے کوئی بچہ کر دینے کو ہے

کیا انبیائے کرام علیہم السلام سے بڑھ کر کوئی بندہ رب ہو سکتا ہے،

انسانوں کی گمراہی اور عصیان کاری، و سوء شیطانی کا نتیجہ ہوتی ہے خواہ یہ شیطان خود اپنے دل کے اندر (خاس) چھپا ہو، یا انسان اور جن کی صورت میں ہو، ہر ایک کے فتنہ سے اُن کی ذات، پاک اور بلند ہے

آنحضرت صلعم کو بعض خود غرض لوگوں نے بعض مشرور و مین پھسلانا چاہا، مگر خدا نے پھسلنے نہ دیا، اور فرمایا کہ میری جو رحمت اور مہربانی تجھ پر مبذول ہے، وہ ہر وقت تیری دستگیر ہے، اور اگر اسی سے تیری نگہبان ہو اور کتاب الہی اور حکمت و دانائی جو تجھے عطا ہوئی وہ تیری پاسبان ہے،

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَفُتَّتْ
طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ، وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا
أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَصْحُرُونَكَ مِنْ شَيْءٍ وَأَنْزَلَ اللَّهُ
عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ
تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا، ﴿٥٠﴾

اور اگر تجھے اللہ کا فضل اور مہربانی نہ ہوتی، تو ایک گروہ نے تیرے
گمراہ کرنے کا ارادہ کیا تھا، اور وہ گمراہ نہیں کر سکتے، لیکن خود اپنے
آپ کو، اور تجھے کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور خدا نے تجھے
کتاب اور حکمت اُتاری ہے، اور اُس نے وہ سکھایا جو تو نہیں
جانتا تھا، اور تجھے خدا کا بڑا فضل ہے،

اور یقیناً موقع و محل کی شہادت سے اس سب سے بڑے فضل سے یہاں مراد عصمت ہی،

خود نفس انسانی بھی اپنی جھوٹی متناؤں، خود غرضانہ آرزوؤں اور خوشنماخیوں سے لوگوں کو دھوکا
دیتا ہے، لیکن انبیاء علیہم السلام اس فریبِ تناس سے بھی پاک ہیں، بشریت کے اقتضائے یہ تو ممکن نہیں کہ خود اپنے
میشن اور جس دعوتِ حق کو یکروہ اُسے ہیں، اسکی جلد از جلد کامیابی، اور لوگوں کے بسرعت قبولِ ایمان کے
متعلق اُن کے دل میں متناہیں اور آرزوئیں پیدا ہوتی ہوں، لیکن وہ مصلحتِ الہی کے مطابق نہیں ہوتیں اسلئے
اللہ تعالیٰ اُن خیالات اور متناؤں کو اُن کے دلوں سے نکال دیتا ہے، اور اپنے فیصلہ کو بر جا رکھتا ہے، فرمایا،

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ
إِلَّا إِذَا تَمَنَّاهُ عَلَى الشَّيْطَانِ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنْسِفُ
اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكُمُ اللَّهُ أَلَيْسَ
وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ، (ہج-۷)

اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی نبی یا رسول نہیں بھیجا، لیکن یہ کہ
جب وہ خیال باندھتا ہے، تو شیطان اس کے خیال میں کچھ
لا دیتا ہو، تو خدا شیطانوں کی ملاوٹ کو مٹا دیتا ہے، اور اپنے
حکون کو مضبوط کر دیتا ہے، اور خدا غالب اور حکمت والا ہے،

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کے کرام غلط خیال آرائی کے گناہ سے بھی محفوظ رکھے جاتے ہیں،

آنحضرت صلعم کے متعلق فرمایا گیا،

مَا خَلَقَ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ (نجم-۱) (اے مسلمانو! تمہارا صاحب نہ گمراہ ہوا، نہ بھٹکا،

اس عدم گمراہی اور عدم ضلالت کا تعلق کسی خاص عہد اور وقت سے نہیں ہے، بلکہ اس آیت میں آنحضرت صلعم کے ہر عہد سابق اور زمانہ ماضی سے ضلالت اور غویت کی پوری نفی کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ آپ کا دامن سدا ان کاٹون سے پاک رہا،

بعض شبہات کا ازالہ | قرآن پاک میں بعض ایسے الفاظ ہیں جن سے ایک ظاہر ہیں کہ یہ دھوکا ہو سکتا ہے، کہ بعض پیغمبروں کے دامن پر عدم معصومیت کے بھی دلغ ہیں، مگر علمائے محققین نے ان میں سے ہر ایک شبہ کا تشفی بخش جواب دیدیا ہے، اور خصوصیت کے ساتھ علامہ ابن حزم اندلی نے الفصل فی الملل والنحل (جلد چہارم) میں اور قاضی عیاض مالکی نے شفا (قسم ثالث، باب اول) میں خفاجی نے شرح شفا (جلد چہارم) میں اور متاخرین میں ملا دوست محمد کابلی نے تحفۃ الاخلاقی عصمۃ الانبیاء میں ایک ایک شبہ کو پوری طرح رد کیا جو جس سے ظاہر ہو گیا کہ پروردہ انگھون کے سامنے سے ہٹ جاتا ہو، اور اصل حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے، ان میں سے ہر شبہ کا ذکر کرنا اور ان کا رد کرنا ایک طویل عمل ہے، مختصر اٹھو لی طور سے یہ کہا جاسکتا ہے، کہ اس مسئلہ میں جو غلط فہمیاں کسی کو پیش آتی ہیں، ان کے دو اسباب ہیں، اور ان اسباب کی تشریح کر دینا ہی اون غلط فہمیوں کو دور کر دینا ہو، اس سے پہلی بات یہ ذہن نشین کر لینی چاہئے، کہ انبیاء علیہم السلام کا پایہ بندوں میں بلکہ تمام مخلوقات میں خواہ کسی قدر بلند ہو، اور ان کا دامن گناہ و عصیان کے گرد و غبار سے کتنا ہی پاک ہو، تاہم اوس فوج و جلال والا کرام کے سامنے ان کی حیثیت ایک عبد، ایک بندہ، اور ایک عاجز مخلوق ہی کی ہے، ایک عبد غلام خواہ کسی قدر اطاعت کیش، کتنا ہی وفا شعار، اور مطیع و فرمانبردار ہو، تاہم اپنے آقا کے سامنے اوس کو اپنے تصور کا معترف، اپنی تقصیر کا متقر، اپنی کوتاہیوں پر نخل اور اپنی فروگزاشتوں پر نادم ہی ہونا چاہیے ایسی ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نیکی اور پاکی کی شہادت سے قرآن بھرا ہوا ہے، وہ خدا کی عظمت و جلال اور اس کی رحمت و شفقت کے ذکر

مین فرماتے ہیں،

وَالَّذِي كَلَّمَكَ أَن لَّيَعْفِيَنِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ
اور وہ خدا جس سے جزا کے دن اپنی بھول چوک کی معافی کی

(شعراء-۵) پوری اُمید رکھتا ہوں،

نبی کا یہ اعتراف واقرا اور خجالت و ندامت، اُس کا نقص نہیں، بلکہ اُس کی بندگی اور عبودیت کا کمال ہے،
اور آقا کو حق پہنچتا ہے، کہ اُس کے غلام، اطاعت و فرمانبرداری کے جس حیرت انگیز رتبہ تک بھی پہنچے ہیں، وہ اُن
سے اطاعت کدشی، اور وفا شعار کی کے اُس سے بھی بلند رتبہ کا مطالبہ کرے، کہ اُس کے دربار میں اُن کے عروج و
ترقی کی کرسی اور بھی اونچی ہوتی جائے، بعض آیتوں میں اگر کسی پیغمبر کو خدا سے مغفرت مانگنے کی ہدایت کی گئی ہو
تو اُس کا سبب گناہ کا وجود نہیں، بلکہ ہر قدم پر گزشتہ رتبہ اطاعت پر قناعت کر لینے پر تنبیہ اور مزید اطاعت کا مطالبہ
ہے، تاکہ وہ اُس کے مزید تقرب کا ذریعہ بن سکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے،

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ
جب اللہ کی مدد آچکی اور فتح ہو چکا اور لوگوں کو اللہ کے

يَدُ خُلُوفٍ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْجَاءُ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ
دین میں گروہ درگروہ جاتے دیکھ چکا تو اپنے پروردگار کی

رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ إِنَّكَ كَانَ تَوَّابًا. (فتح ۱۷)
پاک بیان کر اور اُس سے معافی چاہ کہ وہ بڑے علینہ رجوع فرماتا ہے

غور کرو کہ خدائی مدد آنا، مکہ فتح ہونا، بت پرستی کی بجائے، اور لوگوں کا مسلمان ہو جانا کوئی جرم ہے جس سے

کوئی معافی چاہیے، اسی طرح سورہ فتح میں فرمایا،

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا
ہم نے تجھ کو کھلی فتح دی تاکہ اللہ تیری اگلی پچھلی خطا کو معاف کرے

تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرُ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ
اور اپنا احسان تجھ پر پورا کرے، اور تجھ کو سیدھی راہ

عَلَيْكَ وَيُغْفِرَ لَكَ جَمِيعًا مِّسْتَقِيمًا لِّيَنْصُرَكَ
جلائے، اور تجھ کو مضبوط مدد دے،

اللَّهُ نَصْرًا (فتح-۱)

دوبارہ غور کرو کہ مکہ کی فتح کا بل نصیب ہونے کو حضور کی معافی سے بجز اس کے کیا تعلق ہے، کہ اللہ تعالیٰ

اپنے بندہ کے حق خدمت کو قبول فرما کر اپنی خوشنودی کا اظہار فرماتا ہے،

اس استعقار سے مقصود نفوذِ بانشہ پیغمبر کی گنگاری کا ثبوت نہیں، بلکہ اُس کی عبدیت کا ملکہ کا اظہار ہے،
حضرت عیسیٰ علیہ السلام، جن کے خدا کے بیٹے ہونے کے عیسائی، اور فرشتے، جن کی خدا کی بیٹیاں ہونے کے
اہل عرب قائل تھے، اور اُن کو خدا کا درجہ دیتے تھے، اُن کے متعلق قرآن نے کہا،

لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمُسِيءُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا
الْمُطْلِكُ الْمَقْتُولُونَ وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ
عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْمِلْ يُحْمَلُهُمُ الْيَوْمَ وَجْهُهُمُ النَّارُ

مسیح کو ہرگز اس سے عار نہ آئیگا کہ وہ خدا کا بندہ ہو، اور نہ

مقتول فرشتوں کو اور جو اُس کی بندگی سے عار کرے گا، اور

بڑائی چاہیگا، تو خدا اُن سب کو اپنے پاس اکٹھا کرے گا،

اس سے مقصود نفوذِ بانشہ حضرت عیسیٰؑ کی توہین نہیں، بلکہ انکی عبدیت اور بندگی کا اعلان ہے،

الغرض انبیاء کا خدا کے حضور میں اپنی کوتاہی کا اعتراف، اُن کی گنگاری کا ثبوت نہیں، بلکہ اُن کی عبدیت

کا ملکہ کا اظہار ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا کسی پیغمبر کی نسبت یہ فرمانا کہ میں نے تجھے معاف کیا، اس کی گنگاری کا اظہار

نہیں، بلکہ اپنی پسندیدگی، رضا، اور قبولِ تام کی بشارت ہے، سورہ فتح کی جو آیتیں اوپر گزر چکی ہیں، اُن کو پڑھو، تو ظاہر

ہوگا کہ چونکہ بت برستی کی آلائش سے مکہ کی تطہیر اور کل جزیرہ عرب میں حق و باطل کی تیز مکہ کی فیصلہ کن فتح پر موقوف

تھی، جب وہ پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانوں کی مسلسل کوششوں اور جانفروشیوں سے حاصل ہوئی تو خدا نے اعلان

فرمایا کہ آج اس فتح سے نبوت کے فرض کی، اور تجھ پر میرے سلسلہ احسانات کی تکمیل ہوئی، پھر خدا آپ سے صراطِ مستقیم

کی طرف ہدایت کا اور اپنی زبردست مدد کا وعدہ کرتا ہے، حالانکہ ان میں سے ہر چیز آپ کو پہلے ہی عنایت ہو چکی

تھی، کیا فتح مکہ سے پہلے آپ صراطِ مستقیم یعنی اسلام پر نہ تھے، یا آپ کو زبردست مدد نہیں مل چکی تھی، یہ سب مرتبہ حاصل

تھے، مگر ان باتوں کے یہاں ذکر سے اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ وہ اس موقع پر اس طرح اپنی مزید رضا مندی کا اظہار

فرمائے، اور رسول کی اگلی پھلی تمام فروگزاشتوں پر (اگر ہوں) خطِ غفور پھیرنے کا اعلان کر کے ان کو نیا صلیبِ فائزہ

عطا، اور نئے مراتبِ جلیلہ عنایت کرے،

عبدیت کا ملکہ کا یہی راز و نیاز ہے، جو حضرت مسیحؑ کے اس فقرہ میں نمایاں ہے، ایک سرداران کو "اے نیک سنا" مکر خطاب کرتا ہے، اُس کے جواب میں وہ فرماتے ہیں،

"تو کیوں مجھ کو نیک کہتا ہے؟ کوئی نیک نہیں، مگر ایک یعنی خدا" (لوقا ۱۸-۱۹)

حضرت مسیحؑ کے اس فقرہ سے کسی کا یہ قیاس کرنا کہ وہ نیک نہ تھے، کس قدر غلط ہوگا، اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کا اپنی مشہور دعائیں یہ کہنا کہ

"اور جس طرح ہم اپنے قرضداروں کو بخشے ہیں، تو اپنے ذینِ ہم کو بخندے" (متی ۶-۷)

اُن کی گنہگاری کی دلیل نہیں، بلکہ عبدیت کا ملکہ کے اظہار کا ثبوت ہے،
 نکتہ - عربی زبان میں گناہ کے لیے مختلف الفاظ ہیں، مثلاً ذنب، اثم - جث، جرم، وغیرہ، ان میں سے ذنب کے سوا دوسرے الفاظ کا اطلاق اُس حقیقی گناہ پر کیا جاتا ہے، جو بالقصد اور جان بوجھ کر کیا جائے، لیکن ذنب کا اطلاق ہر غلط فعل پر ہوتا ہے، خواہ وہ جان بوجھ کر کیا جائے، یا بظن جانے، غلط فہمی سے ہو، یا سوچ سمجھ کر بھول چوک سے ہو، یا قصداً، اور اُن کاموں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، جو درحقیقت عام امت کے لیے گناہ نہیں، لیکن انبیاء کے حق میں اتنی غفلت بھی مواخذہ کے قابل ہے، اسی معنی میں کہا گیا ہے، کہ تَسْنَأُ الْاَبْرَارِ تَسْنَأُ الْمُقْرَبِينَ، رنیکوں کی نیکیاں، مقربین کی بُرائیاں ہیں (ع)

جن کے رتبے میں سوا اُن کو سوا شل ہو

انبیاءِ علیہم السلام کے استغفار کے موقع پر ہمیشہ ذنب کا لفظ استعمال ہوا ہے، جرم، اثم یا جث کا نہیں، ذنب کا لفظ بھول چوک اور غفلت سے لیکر عصیان تک کو شامل ہے، اس لیے کسی نبی کو اگر خدا کی طرف سے

اس فرق کو عام لغت نویسوں نے ملحوظ نہیں رکھا ہو، مگر جن علما نے لغت کے فرق پر کتب میں لکھی ہیں انھوں نے اس کی تصریح کی ہے، ہم یہاں پیروی کے طور پر عیسائی لغت نویس ادیب الاب ہنریکوس لاس کی کتاب فرائد اللغۃ فی الفرق کی عبارت نقل کرتے ہیں، الاثم الذنب الذی یستحق العقاب علیہ ولا یصفت بہ الا بالجرم، و بین الاثم والذنب فرق من حیث ان الذنب مطلق الجرم عند اکان او سوا، بخلاف الاثم فانهما یستحقان العقاب، فیختص بما یکون عندا، والحث ابلغ من الذنب، لان الذنب یطلق علی الصغیرۃ والحث علی الکبیرۃ، والجرم لا یطلق الا علی الذنب العلیظ، (صفحہ ۹۶ و ۹۷) مطبعہ کاتولیک، ۱۸۸۷ء

سے استغفار ذنب کی ہدایت کی گئی تو اُس کے معنی صریح عصیان و گناہ کے نہیں، بلکہ یہی انسانی بھول چوک اور فرو گذاشت ہو جس کی اصلاح و توبہ اللہ تعالیٰ اپنے رحم و کرم اور لطف و عنایت سے فرماتا رہتا ہے، اور اسی کیلئے استغفار کا حکم اُن کو ہوتا رہتا ہے،

اسی سے ایک اور نکتہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے، کہ بھول چوک، اور بلا ارادہ غفلت، گواہت کے حق میں قابلِ مواخذہ نہیں، مگر انبیاء علیہم السلام کے بلند مرتبہ کے لحاظ سے یہ چیزیں بھی گرفت میں آتی ہیں، کیونکہ اولاً کا قول و فعل شریعت بناتا ہے، اس لیے شریعت کی حفاظت کے لیے اُن کے ہر قول و فعل کی حفاظت بھی ضروری ہے، اس بنا پر اگر اُن سے احیاناً کوئی ایسی بات ہو جاتی ہے، تو فوراً اس پر تنبیہ کی جاتی ہے، اور ان کو ہتھیار کر دیا جاتا ہے، اور اسی کیساتھ اُن کی یہ چیز معاف کر کے اُن کو بشارت سنادی جاتی ہے، اور اس طرح ہر چھوٹے بڑے، دانستہ اور نادانستہ تمام گناہوں سے اُن کا دامن پاک و صاف رکھا جاتا ہے،

فَلَمَّا أَدْرَمْنَا رَبِّهِمْ كَلَّمَتْ مَرْيَمُ رَبَّهَا قَوْلًا سَمِيعًا (۱۰۰) تو آدم نے اپنے رب سے چند باتیں سیکھ لیں، تو وہ اُس کی طرف مڑا

ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ قَوْلًا سَمِيعًا (طہ-۷) پھر خدا نے آدم کو برگزیدہ کیا، پھر اُس کی طرف رجوع ہوا،

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ (توبہ-۱۱) یقیناً اللہ نبی کی طرف رجوع ہوا،

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَتَجَنَّبْنَاهُ مِنْ غُلَمٍ (انبیاء-۶) پھر ہم نے یونس کی دعا قبول کی، اور اُس کو غم سے رہائی دی

لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ (فتح-۱) تاکہ ہم تیری اگلی پچھلی سب فرو گذاشت معاف

کر دیں،

کابل اور عام عفو و مغفرت کا یہ مرتبہ بلند خود بندہ کی زندگی میں، انبیاء کے سوا کسی دوسرے کو نصیب نہیں

۲۔ انبیاء کی معصومیت کے مسئلہ میں غلط فہمی کا دوسرا سبب یہ ہے، کہ انبیاء کی قبل از نبوت اور بعد از نبوت

زندگیوں میں، قوت اور فعل کا جو فرق ہے، اُس کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا، علم اور جہل، ضلالت اور ہدایت، اضافی الفاظ میں سے ہیں، علم کی ہر حد کو علم کے مافوق درجہ کے لحاظ سے جہل اور ہدایت کے بلند سے بلند مرتبہ کو اُس سے

ایک اور آیت میں علم الہی کی تعریف میں ہے،

لَا يُضِلُّ رَبِّي وَلَا يَشِيءُ (طہ-۲) نہ چوکتا ہے میرا رب نہ بھولتا ہے،

ان آیتوں میں لفظ ضلالت کا استعمال بتاتا ہے کہ ضلالت کے معنی عربی زبان اور محاورہ قرآن میں صرف گمراہ کے نہیں بلکہ بھول چوک کے بھی ہیں اسی طرح اُس حالت کے بھی ہیں جس میں گمراہی گو گمراہی معلوم ہوتی ہے، لیکن ہنوز ہدایت الہی کا نور اُس کے سامنے نہیں چمکا، غلطی کا احساس ہوتا ہے، مگر اُس غلطی کی جگہ ہنوز محبت نظر نہیں آئی ہے، جہل کی برائی تو معلوم ہو گئی ہے، مگر ہنوز ظلم کا دروازہ نہیں کھلا ہے، اور یہی قبل نبوت کی کیفیت ہوتی ہے، حضرت موسیٰ نے اپنی نبوت سے پہلے ایک تم شعا قبطی کو گھونسا مارا تھا، جس کے صدمہ سے وہ اتفاقیہ مر گیا تھا، نبوت پاکر حب و لوٹے تو فرعون نے اُن کو طعنہ دیا، کہ تم تو میرے فراری مجرم ہو، حضرت موسیٰ نے جواب دیا،

فَعَلِمْتُ إِذَا أَنَا مِنَ الضَّالِّينَ (شعراء-۲) میں نے اُس حالت میں کیا تھا، کہ میں چوکے والوں میں تھا

اس چوک اور ضلالت سے مقصد صرف یہی ہے، کہ اُس وقت میں نبوت کی عزت سے سرفراز نہ تھا، و نہ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ نے نبوت سے پہلے کوئی گمراہی کی بات نہیں کی تھی نہ بُت کو پوجا تھا، نہ فرعون کو سجدہ کیا تھا، نہ کوئی اور شرک کیا تھا، کسی کے طمانچہ سے اتفاقیہ کسی کمزور کا مرجانا، مارنے والے کا کوئی بالقصد گناہ نہیں، جس کو ضلالت کہیں، اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ کا اپنے کو اس وقت ضال کہنے سے مراد نبوت سے سابقہ زندگی ہے، اس قبل نبوت کی زندگی کو بعد نبوت کی زندگی کے لحاظ سے جسے یہاں "ضلالت" کہا گیا ہے، دوسری جگہ اس کو "غفلت" (بیخبری) سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، حضرت یوسفؑ کے قصہ میں آپ کو خطاب ہے،

لَقَدْ نَفَّسْ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا

إِلَيْكَ هَذَا الْقُرْآنَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ

لَمِنَ الْخَافِلِينَ (یوسف، ۱) ہم تجھے بہترین قصہ سنائیں، کیونکہ ہم نے تیری طرف

یستدآن اُمارا، اگرچہ اس قرآن کی وحی سے پہلے تو

بے خبروں میں تھا،

اس پیغمبرؐ کے عالم کی تفسیر دوسری آیت میں ہے، جس میں پیغمبرؐ کی قبل از نبوت اور بعد از نبوت کی زندگی کا فرق ظاہر فرما دیا ہے،

وَكُنَّا لَكَ آوْحِينَآ إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا
اور اسی طرح ہم نے اپنے (خلوت خانہ) راز سے ایک
مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ
روح تیری طرف وحی کی، تو نہیں جانتا تھا، کہ کتاب
وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نَافَثًا مِّنْ أَمْرِنَا
کیا ہے، اور نہ ایمان، لیکن ہم نے اُس کو نور بنا دیا،
مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ
جس سے جس کی چاہتے ہیں، اپنے بندوں میں سے رہنمائی
مُسْتَقِيمٍ، (شوریٰ - ۵)

”کتاب ایمان“ کے نور و ہدایت ملنے سے پہلے کی یہی وہ کیفیت و حالت ہے، جس کو کہیں ضلالت اور کہیں غفلت کہا گیا، اس سے مقصود حقیقی گنہگار، عصیان کاری، اور باطنی گمراہی نہیں ہے، بلکہ طلبِ حق، تلاشِ معرفت، اور انتظارِ حقیقت ہے، کہ وہی اُن کے حق میں ضلالت اور غفلت کا حکم رکھتا ہے، آخر وہ وقت آتا ہے، جب روشنی چمکتی ہے، روحانی سکون کا چشمہ بہتا ہے، اور منزلِ رسی کے بعد دوسروں کی رہنمائی کا منصب عطا ہوتا ہے، یہ ہدایت کا دور ہے، چنانچہ ایک موقع پر انبیاء کے نبوت ملنے کو ہدایت کے لفظ سے ادا فرمایا گیا ہے،

وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا
اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب بخشا، اور اُن میں
وَلَقَدْ هَمَمْنَا بِنُوحٍ قَبْلُ (انعام)

اس ہدایت دینے سے اگر نبوت عطا کرنا مراد ہے، تو ظاہر ہے کہ عدمِ نبوت کا عہد ”ضلالت“ ہی کہلائے گا، مگر اس سے مقصد صرف وہ حالت ہوگی، جہاں اُن کو ہنوز نبوت نہیں ملی تھی، اور اس مرتبہ بلند کا انتظار تھا، اس تشریح سے یہ واضح ہو گیا کہ انبیاء کے حق میں ضلالت سے مقصود گنہگار، عصیان کاری اور گمراہی نہیں، بلکہ عدمِ نبوت کا دور، اور رسالت کی زندگی سے پہلے کا عہد ہے، جو نبوت و رسالت کی ہدایت کے مقابلہ

میں نسبتِ ضلالت ہے،

نبی کی بشریت | نبی کی مصوتیت اور اُس کے دوسرے مقدس خصوصیات کے باوجود اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ نبی خدا کا مخلوق خدا کا بندہ اور آدمی ہی ہوتا ہے، وہ خدا، خدا کا اوتار، دیوتا یا فرشتہ نہیں ہوتا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ اُن مسائل میں سے ہے، جن کی اصل حقیقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے افراط و تفریط کی تاریکی میں گم تھی، اور آپ کے فیضِ تعلیم سے وہ روشن ہوئی، اسلام سے پہلے یہودیوں کی طرح ایسے اہل مذہب بھی تھے جو پیغمبرِ دون کو ایک پشینگوئی کی صفت کے علاوہ ہر حیثیت سے معمولی انسان سمجھتے تھے، وہ ہر قسم کے گناہ بھی کرتے تھے، و بخل و غلو کے بھی مرتکب ہوتے تھے، وہ کفر بھی کرتے تھے تاہم وہ پیغمبر بھیجوا سکتے تھے، دوسری طرف عیسائی بھی تھے، جو اپنے "نجات دہندہ" کو انسانیت سے پاک، خود خدا، یا خدا کا جزیر یا ناسوت و لاہوت کا ایک مجموعہ سمجھتے تھے، اور ہندو بھی تھے جو اپنے رہنماؤں کو دیوتا، اور اوتار، یعنی مجسم خدا، یا انسان کے بھیس میں خدا سمجھتے تھے، اور جن کو ہر قسم کی خدائی طاقتیں حاصل تھیں۔ اسلام نے اپنی تعلیم ان دونوں کے وسط میں پیش کی، وہ ایک طرف رسولوں کو مخلوق محض، صرف انسان اور پورا بندہ اور خدا کے حکم کے سامنے عاجز و رماندہ تسلیم کرتا ہے، لیکن دوسری طرف وہ اُن کو خدا کا برگزیدہ، موصوفہ نیک، اور خدا کی قدرت سے فیض پا کر برکتوں، سعادتوں، اور ہدایتوں کا مرکز، اور اسکی اجازت سے عجیب و غریب امور صادر کرنے والا، بتاتا ہے، اور بے اعتدالی کے اُن دونوں خیالات کی جو غلط فہمی پر مبنی ہیں، علانیہ تردید کرتا ہے۔ اہل عرب بھی ہندو، یونانیوں، اور عیسائیوں کی طرح یہ سمجھتے تھے کہ انسان کی رہنمائی کے لیے خود انسان نہیں بلکہ انسان سے مافوق ہستی ہونی چاہیے، اور وہ ہستی صرف فرشتوں کی ہے، قرآن نے اُن کے اس خیال کی باہر باز تکذیب کی ہے، اور کہا ہے کہ اگر زمین میں فرشتے آباد ہوتے، تو فرشتہ کو اُن کے پاس رسول بنا کر بھیجا جاتا، اور انسانوں میں فرشتہ بھی آتا تو انسانیت ہی کے پیکر میں آتا، تو ایسی حالت میں تم اس فرشتہ کو فرشتہ کب مانتے،

حقیقت یہ ہے کہ پیغمبرِ ن کے دورِ رخ ہوتے ہیں، ایک طرف تو وہ بشریت کے جامہ میں ہوتے ہیں، وہ انسانوں ہی کی طرح کھاتے، پیتے، چلتے، پھرتے، سوتے جاگتے، شادی بیاہ کرتے اور پیدا ہوتے اور مرتے ہیں۔

طرف وہ اپنی روحانیت، بے گناہی، پاکدامنی، اور اختصاص نبوت میں انسانوں سے بلند ترین، یہودیوں کی طرح جن کی نظر ان کے انسانی رُخ پر پڑتی ہے، وہ ان کو ہر طرح معمولی انسان سمجھتے ہیں، اور عیسائیوں کی طرح جنگی نظر ان کے باوق انسانیت پر پڑتی ہے، وہ ان میں الوہیت کے اوصاف ثابت کرنے لگتے ہیں، حالانکہ حق ان دونوں کے بیچ میں ہے، وہ اپنے بشری اوصاف کے لحاظ سے بلاشبہ انسان ہوتے ہیں، لیکن اسی کے ساتھ وہ اپنا باوق بشری خصوصیات کی بنا پر فوق البشر ہوتے ہیں، یہی مغالطہ اپنے اپنے پیغمبروں کے متعلق کفار کو ہوتا تھا، پیغمبر ان کے سامنے جب اپنی نبوت اور خدا کی طرف سے آنے کا دعویٰ پیش کرتے تھے، تو وہ ادوں کی بشری خصوصیتوں کو دیکھ کر کہتے تھے کہ تم تو ہماری ہی طرح آدمی ہو، تم خدا کے قاصد اور پیامبر کیسے ہو سکتے ہو، چنانچہ کفار نے بار بار پیغمبروں کو مارا۔

اَبَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا رَّسُوْلًا۔ (اسرائیل ۵) کیا خدا نے بشر کو قاصد (رسول) بنا کر بھیجا،

وہ بشریت کو رسالت کے منافی سمجھتے تھے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا،

هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ (اسرائیل ۱۰) میں تو نہیں ہوں مگر انسان رسول،

ادوں کو شبہ تھا، کہ کیا گمراہ انسانوں کو، انسان ہی رہنمائی کر سکتا ہے،

اَلْبَشَرُ يَهْدِيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَهْتَدُوْنَ۔ (تقواٰں ۱) کیا انسان ہماری رہنمائی کریں گے،

یہ وہی شبہ تھا، جس میں پھنس کر عیسائی حضرت عیسیٰ کی انسانیت سے منکر ہوئے، کہ موروثی گنہگار انسان کو انسان کا بیٹا کیونکر نجات دے سکتا ہے، اور یہ نہیں سمجھے کہ انسان موروثی گنہگار نہیں، بلکہ وہ گنہگار بھی ہو سکتا ہے اور بے گناہ بھی، بے گناہی اور معصومیت کے لیے انسانیت سے پاک ہونا ضرور نہیں، یہی بات اور کفار کی سمجھ میں بھی نہیں آتی تھی، اور انبیاء کو ظاہری اور جسمانی طور سے اپنی ہی طرح انسان سمجھ کر، ان کو نبوت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے، اور کہتے تھے،

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا۔ (ابراہیم ۱۲) تم تو نہیں ہو، لیکن ہماری ہی طرح ایک بشر،

دوسروں کو نبی کے انکار کرنے پر اس طرح آمادہ کرتے تھے کہ

هَلْ هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (انبیاء-۱) نہیں ہے یہ لیکن تمہاری ہی طرح بشر،

مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (مومنین-۲) نہیں ہے یہ لیکن تمہاری ہی طرح بشر،

انبیاء کے سامنے وہ یہی دلیل پیش کرتے تھے،

مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (شعراء-۸) تم تو ہماری ہی طرح بشر ہی

مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (رکبیین) تم لوگ تو ہماری ہی طرح بشر ہو،

اور وہ اپنے اس دعویٰ کی صداقت کو ہدایت اور مشاہدہ سے ثابت کرتے تھے،

مَا تَأْتِيكُمُ الْبَشَرُ إِلَّا مِثْلُنَا (ہود-۳) ہم تو تم کو اپنی ہی طرح بشر دیکھتے ہیں،

انبیاء علیہم السلام نے ہمیشہ یہی جواب دیا کہ ہاں تمہاری ہی طرح ہم بشر ہیں، لیکن خدا کے فضل و کرم سے

سرافراز ہیں، اور یہی تم میں اور ہم میں فرق ہو فرمایا،

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (انکس رسولوں نے جواب دیا کہ ہم تمہاری ہی طرح بشر ہیں لیکن خدا

وَلَكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ (ہود-۳۱) اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے،

ان کفار کی نظر صرف ان کے ایک رُخ یعنی عام انسانی پہلو پر پڑتی تھی، انبیاء نے جواب میں اس پہلو کے

ساتھ اپنے دوسرے رُخ کو بھی ان کے سامنے پیش کر دیا، اور کہا کہ ہاں ہم انسان ہیں لیکن ایسے انسان جس پر اللہ تعالیٰ

کے فضل و کرم کی بارش ہے، یعنی نبوت سے سرافراز اور اسکی خصوصیتوں سے ممتاز ہیں

دوسرے نبیوں کی طرح ختم المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ بار بار ارشاد فرمایا، بلکہ وحی الہی نے آپ کی

زبان سے یہ اعلان کر دیا کہ اللہ و کرم میں تو تمہاری ہی طرح ایک آدمی اور بشر ہو، اس اعلان نے جو حقیقت

اُس غلط عقیدہ کے مٹانے کے لیے تھا، جو انبیاء کی شان الوہیت کے متعلق عیسائیوں کے اثر سے لوگوں میں پھیل

گیا تھا، اور افسوس ہے کہ اس قسم کا غلط خیال اُس نبی کی امت کے ایک گروہ میں بھی پایا جاتا ہے، جو دنیا میں خدا کی

توحیدِ کامل کا مبلغ بکرایا تھا، دوسری طرف اس اعلان سے ایک تقریباً پسند کردہ نے یہ نتیجہ نکالا، کہ پیغمبر اور عام انسانوں میں کوئی فرق اور امتیاز نہیں، اور نہ پیغمبروں کو عام انسانوں پر کوئی بلندی و برتری حاصل ہے، الایہ کہ پیغمبروں پر وحی آتی رہتی ہے، اور عام انسان اس سے محروم ہیں، گویا اس کا منشا یہ ہے، کہ پیغمبر صرف اس لمحہ اور آن میں منصب نبوت کا امتیاز پاتا ہے، جب اس پر کسی قسم کی وحی نازل ہوتی ہے، اور اس کے پہلے اور اس کے بعد وہ عام انسان ہوتا ہے، اس سے آگے بڑھ کر اسی لیے ایک اور مختصر سے فرق نے یہ دعویٰ کیا کہ محمد رسول اللہ صلعم کا پیغمبر نہ حکم صرف وہی ہے، جو وحی قرآنی کی صورت میں آیا، اس کے علاوہ آپ کے تمام احکام جو قرآن سے باہر ہیں، وہ صرف حاکمانہ اور انتظامی امور ہیں، جنگی پیروی کرنا، اسلامی شریعت ہے، نہ اسلام کا جز ہے، یہ خیالات حقیقت میں دوسرے مفراطہ فرقہ کے مقابلہ میں تقریباً نہ ہیں، اور دونوں اعتدال کی حد سے باہر اور حقیقت ان کے بیچ میں ہے،

قرآن پاک میں تین تین جگہ وہ تین ہیں جنہیں خاص آنحضرت صلعم کی بشریت کا اعلان ہے، مگر ہر جگہ توحید کا بیان اور خدا کے مقابلہ میں رسولوں کی عبدیت کی تشریح اور اس عقیدہ باطل کی تردید میں ہے، کہ رسولوں کے ہاتھوں میں یہ قوت ہونی چاہیے، کہ وہ خدا سے زبردستی کسی بات کو منوالین، اور سعی و سفارش کر کے تصور محال کرادیں، قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ ان کو جو کچھ حاصل ہے، وہ خدائے تعالیٰ کی اجازت، اذن اور عطا سے ہے، سورہ کہف میں ان مشرکوں کا ذکر ہے، جو خدا کے بندوں کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں،

اَلْغَيْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ يَّخْبُوْۤا اَنْ يَّعْبَادِيَ مِنْ دُوْنِ اَوْ لِيَاۤءَ مَا اَنَاۡمَتُنَا۟ بِحَقِّهِمْ كَلْفٍ مِّنْ نُّزُلًا (رکعت ۱۲)

کیا وہ جنہوں نے کفر کیا، یہ سمجھے ہیں، کہ وہ میرے بندوں کو اور فرشتوں کو (میرے سوا) اپنا حاجتی بنائیں گے ہم نے ان کا فردن کے لیے جہنم تیار کی ہے،

قرآن اس خیال کو کفر قرار دیتا ہے، یہ رکوع کا شروع ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے غیر محدود و اوصاف و کمالات کا ذکر ہے، پھر ارشاد ہے،

قُلْ اِنَّمَا اَنَاۡ نَبِيٌّ مِّثْلُكُمْ يُوحٰی اِلٰی اَنْمَآءُ

کہے کہ میں تو تمہاری ہی طرح ایک بشر ہوں، مجھے وحی

إِلَهُ وَاحِدٌ، (کہت ۱۲)

کیجاتی ہے، کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے،

دوسری جگہ ہی تعلیم بعینہ سورہ حم السجدہ (فصلت) میں ہے،

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ

إِلَهُ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوا ۚ

وَوَيْلٌ لِلْبَاطِلِينَ ۚ (حم السجدہ ۱۰)

اس آیت کا منشا بھی یہی ہے، کہ خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں سول اُسی طرح ایک بندہ ہے، جس طرح خدا کے

دوسرے بندے، دعائیں خدا ہی سے مانگنی چاہئیں، اور اسی سے اپنے گناہوں کی معافی کی درخواست کرنی

چاہئے، یہ اختیارات خاص خدا کے ہیں، بندوں کے نہیں، اس تعلیم سے مقصود حقیقت میں عیسائیوں کے مسئلہ

کفارہ اور ان کے اس عقیدہ کی تردید ہے کہ گناہوں کا معاف کرنا حضرت عیسیٰ کے اختیار میں ہوگا، اور مسلمانوں

کو اپنے رسول کی نسبت اس قسم کی باطل عقیدہ مندوں سے بچانا ہے، چنانچہ تیسری جگہ قرآن پاک میں جہان

انحضرت صلعم سے کفار کا یہ مطالبہ مذکور ہے، کہ تم خدا کے پیغمبر ہو، تو میرے لیے سونے کی چھت بنا دو، جہان

نہیں، وہاں نہ زمین جاری کر دو، ہمارے سنان جنگلون کو باغ و بہار بنا دو، اپنے ساتھ جلو میں فرشتوں

کے پرے لیکر جلو، ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جاؤ، اور وہاں سے ہاتھ میں کتاب لیکر سامنے آترو،

وَقَالُوا لَوْ تَوَكَّلْنَا عَلَىٰ اللَّهِ لَآتَيْنَاكَ الْكِتَابَ

وَيَتَّبِعُونَكَ، أَوْ كُنَّا لَكَ جَنَّاتٍ مِّنْ تَحْتِهَا

عُيُنُ فَنُفِخَ فِيهَا نُفُورًا، أَوْ نُسْقِطُ

السَّمَاءَ كَمَا رَعِمْتَ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنْ ذَرِّيبٍ

وَالسَّيِّدَةُ قَبِيلًا، أَوْ يَكُونُ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ

زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَوْ تَوَكَّلْنَا

عَلَىٰ اللَّهِ لَآتَيْنَاكَ الْكِتَابَ، (سجدة ۲۴)

اور انھوں نے کہا کہ ہم تم پر ایمان اس وقت تک نہیں لائیں گے،

جب تک تم ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ نہ بہاؤ، یا آسمان

پر کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ نہ ہو جائے، یا آسمان

تمہارے لیے سونے کی چھت نہ بنائے، یا آسمان پر کھجوریں

بارش کی طرح نہ پڑیں، یا آسمان پر کھجوریں نہ پڑیں، یا آسمان

پر کھجوریں نہ پڑیں، یا آسمان پر کھجوریں نہ پڑیں، یا آسمان

لِرُؤْيَاكَ حَتَّىٰ تَنْزِلَ عَلَيْنَا لَكِتَابًا نَّقْرُؤُهُ، جڑھنے کا ہم کو اُس وقت تک یقین نہ آئے گا جب تک تم وہاں

(ذی اسرئیل - ۱۰) سے ایک نوشتہ نہ ہم پر اتارا، جس کو ہم پڑھ لیں،

یہ امور مشکل محال نہ تھے، لیکن نبوت کے اوصاف کو ان بازگراۓ مآشون سے تعلق نہ تھا، اور اس سے زیادہ یہ کہ اس غلط عقیدہ کا ابطال کرنا تھا، کہ پیغمبر میں براہِ راست کچھ خدائی اختیارات ہوتے ہیں، اسلئے اچکویہ جواب سکھایا گیا، کہ آپ فرمائیں،

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلُكُمْ، اُمید سے اسے پیغمبرِ سبحان اللہ میں تو ایک بشر ہوں رسول

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمْ الْهُدَىٰ، اور لوگوں کو جب اُنکے پاس ہدایت آئی، ایمان لانے کو باز نہیں رکھا،

إِلَّا أَنْ قَالُوا الْبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا مِّثْلَ رَسُولِكُمْ، مگر اس خیال نے کہ کیا خدا نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے، اُمید

كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلِكٌ يُشَاقُّ مُطَهَّرِينَ، کہ اگر زمین میں فرشتے ہوتے تو ہم اُن پر آسمان سے فرشتہ کو

لَنَزَّلْنَاهُ عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا مِّثْلَ رَسُولِكُمْ (اسراء - ۱۱) رسول بنا کر اُن پر اتارتے،

آنحضرت صلم سے حکمِ خدا عزرات بھی صادر ہوئے، اور اُن کی حیرت انگیزی کو انھوں نے تسلیم بھی کیا، پھر بھی یہ خیال

کہ ایک بشر رسول کیونکر ہو سکتا ہے، قائم رہا،

کفار نے معجزات دیکھنے کے بعد بھی یہی کہا،

هَلْ هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَفَتَأْتُونَ السَّحَرَةَ، یہ تو ہماری ہی طرح بشر ہے، کیا تم دیکھ بھال کر بھی جاؤ

وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ (انبیاء - ۱) کے پاس آتے ہو،

معجزات کی حیرت انگیزی کو جادو و ککمر تسلیم کیا، مگر پھر بھی ان کو بشریت، رسالت کے منافی ہی معلوم ہوئی،

اور یقین کیا گیا کہ نبوت و رسالت کے اوصاف و خصائص تم سے زیادہ اُن کو معلوم ہیں، جنگو تم سے پہلے آسمانی کتابیں

عطا ہوئیں، یعنی یہود، اُن سے پوچھ لو کہ رسول اور نبی بشر ہی ہوتے آئے ہیں،

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوْحِي إِلَيْهِمْ، اور ہم نے نہیں بھیجا رسول بنا کر تم سے پہلے لیکن انسانوں

فَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (انبیاء)

ہی جو اب سورہ یوسف میں دیا گیا،

وَمَا كُنَّا لِنُؤْتِيَكَ إِلَّا رَجُلًا أَتَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ مِنْ

أَهْلِ الْقُرَىٰ (یوسف ۱۲)

اس سے زیادہ تفصیل سورہ نحل میں ہے،

وَمَا كُنَّا لِنُؤْتِيَكَ إِلَّا رَجُلًا أَتَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ

فَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ،

يَا بَنِيَّ إِنَّكَ الْبَيْتُ وَالزُّبُرُ، وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ

يَتَفَكَّرُونَ (نحل ۶)

اور ہم نے نہیں بھیجے تم سے پہلے لیکن انسانوں کو جسکی طر

ہم وحی کرتے تھے، تو پوچھ لو کتابوں سے اگر تم نہیں

جانتے کھلی نشانیاں اور کتابیں یوں، اور ہم نے تمپر کتاب

رذکر، اتاری تاکہ تم کھول کر بیان کرو، جو ان کی طر

اتاری گئی، اور تاکہ وہ سوچیں۔

ہر شخص جو مشیت اور بشریت کی ان آیتوں پر ایک نگاہ ڈالے گا، وہ یہی سمجھے گا کہ ان آیتوں میں جس قسم کی

مشیت اور بشریت کا ذکر ہے، اُس کا تعلق ظاہری جمائیت اور جسمانی قویٰ اور مخلوقیت سے ہے، ورنہ اخلاقی، روحانی، دماغی،

علمی اور علیٰ حیثیت سے وہ انسان رہ کر بھی غیر نبی انسانوں سے بلند تر اور علانیہ ممتاز ہوتا ہے، نبی اور غیر نبی میں

وحی کے امراق ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں، کہ نبی القائے ربانی سے متصف ہونے کے علاوہ بقیہ تمام اوصاف و کمالات

یا عیوب و نقائص میں عام انسانوں کے برابر ہوتا ہے، یہ کہنا ایسا ہی ہے، جیسے اگر کوئی یہ کہے کہ عالم و جاہل میں

علم کا فرق ہے، ورنہ دونوں برابر کے انسان ہیں، تو اس کے معنی یہ نہیں، کہ علم و جاہل کے علاوہ علم و جاہل کے علاوہ

ممتاز و متضاد اوصاف میں بھی وہ دونوں برابر ہیں، اور ان میں عقل، اخلاق، تہذیب، سلیقہ، راسے اور حکمت و

دانائی کا کوئی فرق نہیں، حالانکہ ان میں علم و جاہل کا فرق کمکر، درحقیقت ان دونوں کے درمیان علم و جاہل کے

سینکڑوں اوصاف، لوازم، اور خصائص کا فرق و امتیاز تسلیم کرنا ہے،

اسی طرح نبی اور غیر نبی میں وحی کا فرق مانکر وحی والے اور بے وحی والے انسانوں میں خود وحی اور عدم وحی کے سینکڑوں لوازم، خصائص اور اوصاف کا فرق تسلیم کرنا پڑے گا، وحی و رسالت کو چھوڑ دو، دوسرے انسانی کمالات کو مثلاً لالہ تو بھی یہی ماننا پڑے گا، انسان کے لیے جتنے اوصاف و کمالات ممکن ہیں، ان سب کی اعلیٰ سے اعلیٰ جانب کمال تک پہنچا ممکن ہے، اور جو وہاں تک پہنچ جاتے ہیں، وہ اپنے جسمانی اوصاف و خصائص کے لحاظ سے انسان ہونے کے باوجود، اپنے دوسرے فنی میں عام انسانوں سے یقیناً بلند اور ممتاز ہوتے ہیں، کوئی کہہ سکتا ہے کہ جسمانی قوت کا ایرانی ہیرو رستم انسان نہ تھا، علم و عقل کا یونانی مجسمہ ارسطو، انسانیت سے پاک تھا، اور موجودہ دنیا کی بہت سی حیرت انگیز ایجادوں کا مخترع اولین بشر نہیں، لیکن اس انسانیت اور بشریت کے اشتراک کے باوجود، اپنے دائرہ میں، وہ عام انسانوں سے بلند تر اور ممتاز تر ہیں، اور با اہمیت وہ اپنے جسمانی خصائص، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، سونے جاگنے، دیکھنے بھاننے، صورت نکل، ہاتھ پاؤں، ہر ایک چیز میں وہ ویسے ہی انسان ہیں اور مخلوق انسان بلکہ مجبور انسان ہیں، جیسے دوسرے کمزور، جاہل، اور بلید الذہن انسان، یہی مثال ایک معنی میں انبیاء کرام علیہم السلام کی بھی ہے، کہ وہ غیر نبی انسانوں کے ساتھ بہت سے انسانی اوصاف میں شریک ہونے کے باوجود، وحی اور اس کے خصائص اور لوازم میں ان سے صریحاً الگ، بلند اور اعلیٰ بلکہ بعض جسمانی خصائص میں بھی ان سے ممتاز ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صوم وصال رکھتے دیکھ کر جب صحابہ بھی آپ کی پیروی میں کئی کئی دن تک کا متصل روزہ رکھتے ہیں، تو آپ ان کو منع کرتے ہیں، اور اپنی نسبت فرماتے ہیں، اَیُّکُمْ مِثْلُیْ اَبِیْتِ یَطْعَمُنِیْ رِقًی وَ یَسْقِیْنِیْ، تم میں کون میری مثل ہے، میں رات گزارتا ہوں، تو میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، کیا عام انسانوں کو بھی یہ روحانی غذا اور روحانی سیرابی میسر آتی ہے، اور وحی کے علاوہ بعض دوسری حیثیتوں سے بھی شہادت کی؟

میں نفی نہیں ہے،

اسی طرح نیند کی حالت میں بھی نبی کے قلب اور اس کے احساسات کا غافل نہ ہونا صحیح حدیثوں سے ثابت ہے

آپ نے فرمایا میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل نہیں سوتا؛ وَكَذَلِكَ الْأَنْبِيَاءُ تَنَاهَوْا عَيْنَهُمْ وَلَا تَنَاهَوْا قُلُوبَهُمْ اور اسی طرح انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں، مگر اُن کے دل نہیں سوتے کیا یہی کیفیت عام انسانوں کی نیند کی بھی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گون کو نماز میں صفوں کو درست رکھنے کی تاکید کرتے ہیں، تو فرماتے ہیں کہ میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھ رہا ہوں جیسے سامنے سے کیا عام انسانوں کی قوت بصارت کا یہی عالم ہوتا ہے، قرآن پاک میں ہے اَفَتَعْتَبِرُونَ عُلَىٰ مَائِرِي، کیا پیغمبر جو دیکھتا ہے تم اُس میں اُس سے جھگڑتے ہو، وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ اور اُس نے فرشتوں آسمان کے کناروں میں دیکھا کیا عام انسان بھی یہ مشاہدہ کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتساب اہل بیت میں تو جو شرف حاصل ہوا، اُس کا اقتضایہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بیت کو خطاب کر کے فرمایا، يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لَسْتُمْ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اِنَّ الْفَتَيَاتِ (احزاب - ۴) ”اے پیغمبر کی بیویو! تم ایسی نہیں ہو، جیسی ہر عورت اگر خدا کا ذکر رکھو“ تو اگر پیغمبر کی بیویان تقویٰ کے بعد عام عورتوں کی مثل نہیں ہیں، تو خود پیغمبر تو بدرجہا اس کا سزاوار ہے کہ وہ کَاَحَدٍ مِّنَ الرِّجَالِ نہ ہو، اور اپنے خصائص میں عام انسانوں سے بدرجہا بلند تر اور ممتاز ہو،

الغرض نبی اور غیر نبی میں صرف وحی و نبوت کا جو فرق ہے، اس کے یہی معنی ہیں کہ ان دونوں میں وحی و رسالت کے تمام لوازم خصوصیات اور ضروری اوصاف میں فرق اور امتیاز ہے، اس لیے کسی انسان کو صاحبِ وحی ماننے کے ساتھ ہی اُس کو ان تمام اوصاف و لوازم اور خصوصیات کا مالک بھی ضروری ماننا پڑے گا،

اجتہاد نبوی میں خطا | شبہ کا ایک اور سبب یہ ہے کہ قرآن مجید میں بعض جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی چند فرد گزشتوں پر تنبیہ کیا گیا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خاص وحی الہی کے علاوہ آپ اپنی عقل و مصلحت سے جو حکم دیتے تھے، وہ غلطیوں سے پاک نہیں ہوتا تھا، اس سلسلہ میں یہ بات تمام مسلمانوں کو تسلیم ہے کہ جن بعض امور میں آپ پر وحی قرآن نازل نہیں ہوتی تھی، اور عین آپ اپنے پیغمبرانہ علم و حکم اور فہم نبوی سے فیصلہ فرماتے تھے، لیکن غور کے قابل یہ بات ہے کہ اگر آپ کو آپ کے اُس فیصلہ پر خدا نے تعالیٰ کی طرف سے تمہیں کوئی تنبیہ نہ ہوئی ہوتی، تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ آپ کے

تمام فیصلے صحیح اور منشاء الہی کے مطابق ہوتے تھے، مگر یہ بھی کہنے والا کہہ سکتا تھا کہ اجتہاد نبوی کے فیصلوں کی صحت و خطا کی ذمہ داری خدا نے نہیں لی تھی، اس لیے تنبیہ نہ فرمائی گئی، مگر واقعہ ان دونوں کے خلاف ہے، صورت یہ ہے کہ بعض فیصلوں پر تنبیہ لگائی ہے، اور بعض پر نہیں، اس سے بدانتہ ثابت ہوتا ہے کہ اجتہاد نبوی میں غلطی ہو جانا ممکن ہے، مگر اس غلطی پر چند لمحوں کا قرار بھی ممکن نہیں، ادھر لغزش ہوئی، اور ادھر علام الغیوب کی بے خطا وحی نے اس کی تنبیہ اور اصلاح کی، اس واقعہ سے دوسرا نتیجہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمام امور و احکام جن کو آپ نے اپنے پیغمبرانہ اجتہاد و علم و حکمت سے ارشاد فرمایا، یا ان پر عمل کیا، اور وحی الہی نے ان پر خاموشی برتی، تو منشاء الہی نے گویا ان کی صحت و صداقت پر اپنی خاموشی سے مہر کر دی، اور ان کی حیثیت بمنزلہ وحی کے ہو گئی،

آنحضرت صلعم کی نبوت کی عمر ۲۳ سال ہو، ان پورے تئیس سالوں میں ہزاروں واقعات اور امور پیش آئے جن پر آپ نے اپنے اجتہاد اور شرح صدر سے فیصلے صادر کئے، مگر ان میں سے کل پانچ باتیں ایسی ہیں، جن پر وحی الہی نے تنبیہ کی، اور عجیب تر یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے، جس کا تعلق حکم دینی، شریعت ابدی، اعتقاد عبادات یا شرعی معاملات سے ہو، بلکہ وہ کل کے کل ایسے امور ہیں، جن کی حیثیت تماشہ شخصی یا خانگی ہے، اس سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ دین و شریعت میں آپ کے پیغمبرانہ اجتہادی فیصلے خطا، و غلطی سے تماشہ پاک تھے اس خطا کے معنی عام انسانوں کے اجتہادات میں جن اسباب غلطیاں واقع ہوتی ہیں، وہ یہ ہیں کہ جن مقامات پر ان کا اجتہاد دینی ہوتا ہے، وہ غلط ہوتے ہیں، یا ان کا علم، ان کو قطعی طور سے نہیں ہوتا، یا استقراء تام نہیں ہوتا، یا تمثیل پوری نہیں ہوتی، علت مشترکہ صحیح نہیں معلوم ہوتی، مگر یہ تمام صورتیں اجتہاد نبوی میں متفق ہیں، کیونکہ اجتہاد نبوی نہ ان طریقوں پر مبنی ہوتا، نہ وہ غور و فکر، نظر و استدلال، اور استقراء و تمثیل کے منطقی و اصولی ذرائع پر قائم ہوتا ہے، بلکہ وہ نور رسالت، فہم نبوت، حکمت ربانی اور شرح صدر پر مبنی و قائم ہوتا ہے، جن میں یہ بیچ کی منزلیں سرے سے نہیں ہوتی ہیں، اسی لیے لفظ اجتہاد و جو عام طور پر پہلے معنی میں مستعمل اور مشہور ہو، اس سے اس مقام پر التباس نہ پہنچنے کی خاطر احتراز کرنا بہتر ہے، ایک اور نکتہ بھی پیش نظر ہے، آنحضرت صلعم کے پیغمبرانہ اجتہاد میں اگر غلطی ہوئی ہے، تو اس غلطی کا مفہوم

یہ نہیں ہے، کہ آپ نے جو پہلو اختیار فرمایا، وہ کوئی گناہ، یا بدی، یا بد اخلاقی کا پہلو تھا، بلکہ یہ ہے کہ دو بہتر راستوں میں سے آپ نے بہترین راستے کو چھوڑ کر بہتر راستے کو اختیار کیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی، اور بہتر کی جگہ بہترین کی تلقین کی۔ اس قسم کے جو چند واقعات پیش آئے ہیں، ان پر ایک نظر ڈالنے سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ بہترین کو چھوڑ کر جس بہتر کو آپ نے اختیار فرمایا، اس کا منشا ہمیشہ امت پر رحم و کرم اور شفقت کی نگاہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اس ظاہری یا عارضی رحم و کرم و شفقت کی جگہ ان احکام کی تلقین فرمائی جنہیں گویا ہر سختی معلوم ہوتی ہے، مگر علام الغیوب کی دائمی مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ وہی سخت پہلو اختیار کیا جائے،

ذیل میں ہم ان اجتہادی امور کی تشریح کرتے ہیں، جن پر وحی الہی نے تنبیہ کی ہے،

چار اجتہادی امور پر تنبیہ الہی | جن اجتہادی امور پر وحی الہی نے تنبیہ کی ہے، ان میں،

۱۔ پہلا واقعہ یہ ہے کہ ہجرت کے قبل مکہ معظمہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت کی تبلیغ فرما رہے تھے، تو ایک دن قریش کے بڑے بڑے رؤساء آپ کی مجلس میں آکر بیٹھے، آپ انکو سمجھا بھجھا رہے تھے، بت پرستی کی برائیاں اور توحید کی خوبیاں، ان پر ظاہر فرما رہے تھے، اور دل سے چاہتے تھے کہ وہ اس دعوت کو قبول کر لیں، کہ اتنے میں ایک غلبہ لیکن غریب اور نابینا مسلمان عبد اللہ بن ام مکتوم بھی آکر بیٹھ گئے، اور کچھ دریافت کرنا چاہا، قریش کے یہ رؤساء بید مغرور اور خود پسند تھے، وہ آپ کے جلوس میں صرف اس لیے آنا پسند نہیں کرتے تھے، کہ آپ کی مجلس میں بد حال، بے حیثیت اور ادنیٰ درجہ کے لوگ آیا کرتے ہیں، اس لیے اس موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو، ان رمیوں کی اثر پذیری کے کچھ امکانات نظر آ رہے تھے، عبد اللہ بن ام مکتوم کا آجانا اور پوچھنا ناگوار ہوا، کہ ان کے آنے سے ان رمیوں کی توجہ اور بڑائی کے جذبہ کو اشتعال ہوا، اور راستہ سے بدک گئے،

عبد اللہ بن ام مکتوم کی آمد اور دریافت پر یہ ناگواری جو بالکل نیک نیتی سے تھی، یعنی اس لیے تھی کہ آپ جانتے تھے، کہ عبد اللہ بن ام مکتوم تو مسلمان ہی ہیں، اس وقت ان کی بات کے جواب نہ دینے میں چند ان ہرج نہیں لیکن ان رمیوں کی ناگواری پورے باشندگان مکہ پر اثر انداز ہوگی، اگر یہ مسلمان ہو گئے، تو کہ میں اسلام کی اشاعت

ٹی راہ میں پھر کوئی روک باقی نہیں رہی، یہ جھگڑا حضرت صلعم عبداللہ بن ام مکتوم کی طرف سے بے اتفاقات ہو کر، ان رُئیوں کی تبلیغ و مواعظت کی طرف سر تاپا متوجہ رہے، اس پر وحی الہی نے حسب ذیل الفاظ میں تنبیہ کی،

عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ اَنْ جَاءَهُ الْاَنْحٰى وَمَا يُدْرِيكَ نَعْلَهُ
یَوْمَ لَیْ اَوْدِعَ تَفْوَیْنَهُ الَّذِیْ ذِکَّرَیْ، اَمَّا مِنْ شِیْءٍ

توڑی چڑھائی، اور نہ پھر کہ وہ اندھا آیا، اور تجھے کیا خبر کہ شائد
وہ سنوڑنا یا سوچنا تو (تھارا) سمجھنا کام آتا، وہ جو پروا نہیں کرتا

فَاَنْتَ لَنْ تَصُدِّیْ، وَمَا عَلَیْكَ الْاَلَمِیْ، وَاَمَّا
سوتو اُس کی فکر میں ہو اور اُس کے دشمنوں نے کا تجھ کوئی اڑا

مَنْ جَاءَكَ یَسْعٰی، وَهُوَ یَحْتَسِبُ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهٰی،
نہیں اور جو تیرے پاس دوڑا آیا، اور وہ (غلام) ڈرتا ہے

كَلَّا اِنَّمَا تَذَكَّرُ شَاءَ ذَکَرًا، (میں۔) تو اُس سے تغافل کرتا ہے، یوں نہیں، یہ تو نصیحت ہی، جو

ان آیتوں میں آنحضرت صلعم کے اس اجتہاد پر کہ ایک پرانے لیکن غریب مسلمان کی مزید ہدایت سے قریش کے رئیسوں کا سمجھنا زیادہ بہتر ہے تنبیہ لگائی، اور اس نکتہ کو ذہن نشین کیا گیا، کہ اسلام کی اصولی بنیادوں میں سے ایک یہ ہے، کہ اُس کے نزدیک امیر و غریب، آقا اور غلام اونچے اور نیچے، کی کوئی تمیز نہیں، اُنکی نگاہ میں بنیا اور بنیاد دونوں برابر ہیں، یہ نکتہ تو اس وقت کے فیصلہ میں آپ کے پیش نظر رہا، کہ ایک مسلمان اندھے کی دجھوٹی سے ان رئیسوں کی جائز دجھوٹی کر کے اُن کو اسلام کی طرف مائل کرنا زیادہ بہتر ہے، مگر یہ نکتہ نظر انداز ہو گیا، کہ اس طریقہ عمل سے خود اسلام کی بنیادی تعلیم پر کیا اثر پڑے گا، اس لیے وحی الہی نے تنبیہ کی کہ اسلام کا یہ پیغام دنیا کے لیے صلاے عام ہے، جو چاہے قبول کرے، اس میں کوئی تمیز و تخصیص نہیں، علاوہ ازیں اس کا بھی اشارہ کیا کہ یہ رؤساء قریش جن کے مسلمان ہونے کی آپ اس قدر کوشش فرما رہے ہیں وہ ایمان سے محروم ہی رہینگے، اس لیے ان کی طرف مزید توجہ بے سود ہے، اور ظاہر ہے، کہ آپ اُن کے حق میں دانائے غیب کے اس فیصلہ سے پہلے نگاہ نہ تھے، اس لیے آپ اپنے موجودہ علم کے مطابق اپنے فعل کو صحیح سمجھ رہے تھے،

دوسرا واقعہ | سب سے پہلی لڑائی میں مسلمانوں کے مال غنیمت حاصل کرنے اور بدر کے قیدیوں سے زبردستی قبول کرنے کا ہے، اس وقت تک ظاہر ہے کہ مال غنیمت اور فدیہ کا قانون نازل نہیں ہوا تھا، کہ ابھی اس کا موقع ہی نہیں آیا تھا

مسلمانوں کو مدینہ منورہ اگر سب سے پہلے سریہ نخلہ میں مال غنیمت ہاتھ آیا، اس کے بعد ہی بدر کے معرکہ میں پھر مال غنیمت ملا، اور ساتھ ہی قریش کے شرفیدی بھی ہاتھ آئے، جنہیں اکثر مکہ کے دولتمند اور شرفاء تھے ان قیدیوں کی نسبت مسلمانوں کی مختلف رائیں تھیں، بعضے ان کو آگ میں زندہ جلا دینا چاہتے تھے، کچھ لوگ فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دینا چاہتے تھے، جس سے ان کو چالیس ہزار درہم ملنے والے تھے، نفسیات کے ماہر جانتے ہیں، کہ جو قوم مدت سے ہرقم کی مصیبت اور تکلیف اٹھاتی رہتی ہے، وہ بیکسی مظلومیت، مغلوبیت، اور غربت کے دور سے نکل کر جب پہلے پہل غالب اور دولتمند ہوتی ہے، اور اس کو ملکی و مالی قوت پر دسترس حاصل ہوتی ہے، تو وہ لمحہ اُس کی زندگی میں اخلاقی حیثیت سے بڑا ہی نازک ہوتا ہے، غلبہ، قوت، اور دولت پا کر بھی اُس کے نشہ میں وہ سرشار نہ ہو، اور اپنے دل و مانع پر قابو رکھے یہ بڑا ہی مشکل کام ہے، جو مظلوم تھا، وہ غالب ہو جائے، اور جو ظالم تھا، وہ مغلوب ہو جائے، اور اُس وقت ردِ عمل اپنا کام کر کے مظلوم غالب کو اپنے ظالم مغلوب سے شدید انتقام لینے کا جذبہ نہ پیدا کرے، یہ کوئی آسان کام نہیں، سیاسی و مذہبی تاریخ نویس اہل متعذ و مثالین موجود ہیں، کہ ایسا نہ ہو سکا، خود عیسائی قوم کو دیکھیے جس نے یہودیوں اور بت پرست رومیوں کے ہاتھوں سے تین صدیوں تک برابر سخت سی سخت تکلیفیں اٹھائیں لیکن قسطنطنیہ کے زمانہ میں جب دفعۃً جو مظلوم تھے، وہ غالب اور جو ظالم تھے وہ مغلوب ہو گئے، تو عیسوی قوم کا پچھلا جو ہر ایک ایک کر کے رخصت ہو گیا، اور ان لوگوں نے جو پہلے مظلوم تھے، اس نشہ میں چور ہو کر یہودیوں اور رومی بت پرستوں کیساتھ وہ کچھ کیا، جس سے اخلاق انسانی کی تاریخ آج بھی شرماتی ہے، غزوہ بدر کی غیر متوقع فتح نے مظلوم و بیکس مسلمانوں کے لیے تاریخی درد کا وہی نازک موقع پیدا کر دیا، غریب و تنگ دست مسلمانوں کو جو سا اہمال سے کسبِ معاش سے محروم، اور غیر معمولی ضروریات کے بوجھ سے دبے ہوئے تھے، ان کو غنیمت اور فدیہ کی دولت ہاتھ آئی، اور وہی قریش جن کے ظلم و ستم سے ان کے بدن زخمی اور ان کے سینے داغدار تھے، وہ دفعۃً مغلوب ہو گئے، ان کے بڑے بڑے سردار، ان کے ہاتھوں سے لڑائی میں مارے گئے، اور ان کے ہاتھوں میں قید ہو کر، شہرِ سردار صرف ان کے رحم و کرم پر زندہ تھے،

اب تک مسلمان نہایت یکدلی ٹہرتی، اور خلوص سے اپنی راہ طے کر رہے تھے، اور یہ اخلاقی جوہر مظلوموں کی برادری میں اکثر پیدا ہو جاتے ہیں، لیکن دولت اگر ان کے بجائے ان میں اختلاف، تفریق، اور حرص و طمع اور ذاتی اغراض کے جذبات پیدا کر دیتی ہے، اس اتفاقی دولت اور غیر متوقع فتح و غلبہ نے صحابہ کرام کے لیے امتحان کا وہی نازک موقع پیش کر دیا، اور دنیا کے سب سے بڑے رہنما کی قوت رہنمائی کے اظہار کا بھی یہی موقع تھا، چنانچہ اس وقت مال غنیمت، زبردیہ اور قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کے متعلق غالب فتح مسلمانوں میں اختلاف برپا ہو گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس وقت اہم ترین کام تھا، اپنے امرا و اول کی طرف توجہ فرمائی، کہ مظلوم فاتح قوت پا کر اپنا جوہر نہ کھو بیٹھیں، چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے ان قیدیوں کے قتل کی جو تجویز پیش کی تھی، اپنے رفیق اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تجویز کو فدیہ لے کر ان کو رہا کر دیا جائے، قبول فرمائی، اور ان سے فرمایا، کہ اے ابوبکر تمہاری مثال ابراہیم اور عیسیٰ کی ہو، اور اے عمر تمہاری مثال نوح اور موسیٰ کی ہے، آپ نے حضرت ابراہیمؑ کی نیک دلی اور حضرت عیسیٰؑ کی رحم دلی کی مثال کی پیروی کی، اور بدر کے ان قیدیوں کی جان بخشی فرمائی، اور قتل کے سچے زبردیہ ادا کر دینے پر رہائی کا حکم دیدیا، اور جو ان میں نادار تھے، ان کو چند مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دینے پر آزادی کا فرمان جاری کر دیا، اور صحابہ کو تاکید کی، کہ ان کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کریں، چنانچہ بعضوں کا یہ حال تھا، کہ وہ خود کھجور پر قناعت کرتے تھے، اور اپنے قیدیوں کو روٹی کھلاتے تھے،

لیکن وحی الہی کی نگاہ میں اس سے زیادہ اہم پہلو ان غریبوں کا دفعۃً مال و دولت کی حرص و طمع میں مبتلا ہو جانا تھا، چنانچہ یہی صورت پیش آئی، مال غنیمت کے فراہم کرنے والوں نے دعویٰ کیا، کہ اس پر ہم نے لڑائی قبضہ کیا ہے، اس لیے ہمارا ہے، لڑنے والے نوجوانوں نے دعویٰ کیا، کہ ہماری تلواروں سے فتح حاصل ہوئی ہو، اس لئے اسکے اصلی حقدار ہم ہیں، جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہے تھے، وہ کہتے تھے کہ سب نازک اور خطرناک فرض ہمارا تھا، اس لیے ہم کو ملنا چاہیئے، یہی اختلاف زبردیہ کی ملکیت کی نسبت بھی ہوا ہوگا، جیسا کہ سورہ انفال

صلحت تدبیر کا حکم ہم کو ملنا چاہیئے، یہی اختلاف زبردیہ کی ملکیت کی نسبت بھی ہوا ہوگا، جیسا کہ سورہ انفال

کی ابتدائی آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے،

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاِنْفَالِ ط قُلِ الْاِنْفَالُ لِلّٰهِ وَ
الرَّسُولِ ط فَاَتَقُوا اللَّهَ وَاصْلَحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيعُوا
اللَّهَ وَرَسُولَهُ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ، (انفال-۱)

(اے پیغمبر!) تجھ سے (تیرے ساتھی) غنیمت کا حکم پوچھتے ہیں تو کہہ دے کہ مال غنیمت اللہ کا ہے، اور رسول کا ہے تو اللہ سے اور آپس میں صلح کرو، اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی اطاعت کرو۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے پوچھا گیا، کہ سورہ انفال کے نزول کی کیا وجہ ہے، تو کہا،

فينا اصحاب بدر من نزلت حين اختلفنا في الغل
وساعات فيه اخلاقنا فخرنا الله من ايننا
فجعل الله الى رسول الله صلعم فقسمه رسول
صلعم بين المسلمين عن سراة

یہ سورہ ہم بدر والوں کے متعلق نازل ہوئی، جب مال غنیمت ہمنے باہم اختلاف کیا، اور اس میں ہمارے اخلاق برے ہو گئے، تو خدا نے اس کو ہمارے ہاتھوں سے چھین لیا، اور رسول صلعم کے اختیار میں دیدیا، تو آپ نے تمام مسلمانوں کے مابین برابر

یہی وہ تہیہ ہے جو وحی الہی نے آنحضرت صلعم کے اس فیصلہ پر کی اور آیت اتری،

مَا كَانَ لِنَبِيِّ اَنْ يَّكُون لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يَشْفٰى
فِي الْاَوْصِ ط تَرِيْدُ وَنْ عَرْضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ
يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ط وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيْمٌ ط لَوْ لَا كِتٰبٌ
مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِئًا اَخَذَ تُعَذِّبُ
عَظِيْمٌ، فَكُلُّوْا مِمَّا غَنَمْتُمْ حَلٰلًا ط كِتٰبٌ
اَتَقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ عَفُوٌّ رَّحِيْمٌ، (انفال-۹)

کسی پیغمبر کو زیبا نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں، تاکہ زمین میں فساد کرے، تم لوگ دنیا کا سامان چاہتے ہو، اور اللہ عزوجل چاہتا ہے، اور اللہ غالب اور دانا ہے، اگر خدا کی طرف سے یوں ہونا مقدر نہ ہو چکا ہوتا، تو تمہارے اس لینے پر تم کو بڑی سزا ملتی، تو اب جو تم نے لوٹ میں پایا حلال و پاک کر کے کھاؤ اور اللہ کا ادب کرو، اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے

اسی قدر نہیں بلکہ ان قیدیوں کو جین سے زبردستی وصول ہوایا وصول کیا جا رہا تھا، اس کے بعد ہی یہ آیت اتری

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي آيِدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَى
 اِنْ يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا لِّأُولَئِكَ خَيْرًا مِّمَّا
 اُخِذَ مِنْكُمْ لَغَفْرٌ لَّكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ
 اے پیغمبر! تمہارے ہاتھوں میں جو قیدی ہیں ان سے کہو
 کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں نیکی جانچا، تو تم کو اس سے بہتر
 چیز دیکھا جو تم سے لی گئی، اور تم کو معاف کر دیا، اور اللہ مہربان

(انفال - ۱۰)

کرنے والا اور رحم والا ہے،

بعضوں کو یہ شبہ ہوا ہے کہ یہ تنبیہ قیدیوں کے ذریعہ لیکر رہا کرنے اور قتل نہ کیے جانے پر ہوئی، حالانکہ ظاہر ہے، کہ جن قیدیوں سے ذریعہ لیے جانے پر اللہ تعالیٰ نے ان سے ہمدردی فرمائی اور اگر وہ جن نیت سے ظاہر گرین، تو ان کی مغفرت کا وعدہ، اور اس دنیاوی خزانہ سے، جو ان سے بطور فدیہ لیا گیا، ان کو بہتر دولت دیئے جانے کی امید دلائی، کیا ان کا قتل ذریعہ لینے سے کم سزا ہوتی؟ اور جن سے فدیہ لیا گیا، ان کے قتل کیے جانے پر ان کے قاتلوں پر اس سے زیادہ سزائیں اور ان مقتولوں سے اس سے زیادہ ہمدردی نہ کی جاتی،

بہر حال وہی مال غنیمت اور ذریعہ جس کو اس وقت آنحضرت صلعم نے صاف و صریح وحی آنے سے پیشتر قبول فرمالیا تھا، اور جس پر تنبیہ ہوئی، وہ آخر کار اجتہاد نبوی کے مطابق مناسب موقع پر جائز اور حلال و طیب ہی ٹھہرایا گیا، اور غلطی غلطی باقی نہیں ہی، مال غنیمت لینے کے متعلق کُلُّوْا مِمَّا غَنَمْتُمْ کا حکم اسی وقت آگیا، اور فدیہ لینے کی اجازت اِنَّمَا مَتَابَعِدُ وَاِذَا فِدَاءُ کے الفاظ میں بعد کو مناسب زمانہ میں آگئی، اور اس مال دولت کی حرص و طمع سے اس وقت جو بد اخلاقی پیدا ہونے والی تھی، اس کا ازالہ ہمیشہ کے لیے اس طرح کر دیا، کہ اسکی تقسیم کا ابدی قانون بنا دیا گیا، اور اس میں تمام ضروری مستحقین کے حصے لگا دیئے گئے،

تیسرا واقعہ | تیسرا واقعہ یہ ہے کہ آپ غزوہ تبوک کیلئے جا رہے تھے، جس میں بکثرت مسلمانوں کی شرکت کی ضرورت تھی، کہ مقابلہ رومیوں کے دل بادل فوج سے تھا، اور کسی منظم سلطنت سے ٹکرا کھانے کا یہ پہلا موقع مسلمانوں کو پیش آیا تھا، اور موسم بھی نہایت گرم اور سخت تھا، تیس ہزار مسلمانوں کی جمعیت روانہ ہو گئی، مگر کچھ غلبہ مسلمان مجبوراً چھوڑ

۱۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھو سیرۃ النبی جلد اول میں غزوہ بدر کا بیان،

گئے، اور اکثر منافقین نے جان بوجھ کر اسکی شرکت سے جی چڑایا، آپ واپس آئے، تو عدم شرکت کے قصور وار منافقین آکر جھوٹی جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اپنے عذرات بیان کرنے لگے، آپ نے اُن کا اعتبار کر کے، رحم فرما کر اُن کے قصور سے درگزر کیا، اس پر تنبیہ ہوئی،

سَيَعْلَمُونَ بِاللّٰهِ لَوْ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ
وہ خدا کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم مقدور رکھتے تو ضرور تمہارے
الْأَنفُسُ هُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ، عَفَا
ساتھ نکلتے، اور اللہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں، اللہ جھکوبختے تو
عَنْكَ لِمَ اَذْنَبْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَّبِعُونَكَ الَّذِيْنَ
اُن کو رخصت کیوں دی، جب تک تجھ پر یہ کھل جاتا جو ان
صَدَقُوا وَلَعَلَّمَكُمُ الْكِتَابَ، (نہ ۴۰)

ظاہر ہے کہ آپ علم غیب سے آگاہ نہ تھے اور اُن کے واقعی حالات سے بیخبر تھے، اس لیے بظاہر اُن کے قول پر اعتبار ہی کرنا تھا، اور وہی آپ نے کیا، مگر علام الغیوب نے حقیقت حال سے باخبر فرما کر، اُن کے جھوٹ کا پردہ چاک کیا، بہر حال یہاں بھی منشاء سے خطا، اگر خطا سمجھی جائے، تو وہی ترمیم کی شان تھی،

چوتھا واقعہ | منافقین کی نسبت آپ کو اطلاع دیدی گئی تھی، کہ اُن کے حق میں آپکی دعائے مغفرت قبول نہ ہوگی، اور فرمادیا گیا تھا کہ

اسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً
تَوَّانُ كِي مَغْفِرَتِيْ كِي دَعَا مَآئِ مَرَّةً، يٰ اَنَا مَآئِ مَرَّةً، اَلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ
مَغْفِرَتِيْ كِي دَعَا مَآئِ مَرَّةً، تَوَّانُ كِي مَغْفِرَتِيْ كِي دَعَا مَآئِ مَرَّةً، يٰ اَنَا مَآئِ مَرَّةً، اَلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ
وَرَسُوْلِيْهِ (نہ ۱۰۰)

اس حکم کے آنے کے بعد عبداللہ بن ابی بن ملول کا انتقال ہوا، یہ منافقوں کا سردار تھا، اُس کا لڑکا مخلص مسلمان تھا، اُس نے اگر آپ سے نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی، جس کو آپ فرما کر کم سے رد نہ فرما سکے، حضرت عائشہ نے عرض بھی کی کہ یا رسول اللہ! اُس کے عدم مغفرت کے متعلق تو حکم ہو چکا ہے، فرمایا میں شرفہ سے بھی زیادہ اس کی مغفرت کی دعا مانگوں گا، بہر حال آیت بالا میں گو آپ کے مغفرت مانگنے اور نہ مانگنے دونوں کو بیکار دوسود

بتایا گیا تھا، مگر اُن کے حق میں سرے سے دعائے مغفرت نہ مانگنے کی کوئی عادت نہ تھی، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غایت شفقت سے اس بیکار فرض کو انجام دیا، تاکہ اُس کے فحش مسلمان فرزند کی دشمنی نہ ہو، اور اس پہلو سے تداخل نہ فرمایا، لہذا گو ایک مسلمان کی دجوتی تو ہوگی، مگر بیسویں منافقین کو اپنے چھپانے میں کامیابی ہو جائیگی اور وہ مسلمانوں کے اندر رہ کر قتلوں کے باعث بنیں گے، اس لیے حکم ہوا،

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّا تَابَ أَبَدًا ۖ وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ ۚ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ
اور نہ کبھی اُن میں سے کسی کے جنازہ کی نماز پڑھو، اور نہ اُسکی قبر پر کھڑا ہو، بیشک انھوں نے خدا اور اس کے رسول کا انکار کیا، اور اسی گنہگاری کی حالت میں مرے، (تعبہ-۱۱)

پانچواں واقعہ | اس کی تفصیل یہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض بیویوں کی خوشنودی اور رضامندی کے لیے کبھی چیز کو، جو آپ کو بہت مرغوب تھی، اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، یعنی اُس کے کبھی نہ استعمال کرنے کا عہد فرمایا تھا، ظاہر ہے کہ ہر شخص پر مباح چیز کا کھانا فرض نہیں، اور سکو حق حاصل ہو کہ وہ اپنی خوشی سے یا کسی دوسرے کی رضامندی کیلئے اُس کے نہ کھانے کا عہد کرے، اس لیے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض بیویوں کی خاطر جن کو وہ شے پسند نہ تھی، اور سکو اپنے اوپر حرام کر لیا، تو ظاہر ہے، کہ آپ کا اپنی بعض بیویوں کی خاطر داری کے لیے ایسا کرنا الزام کے قابل نہیں، کہ آپ نے بحیثیت شوہر کے اُن کی اتنی دجوتی کو بھی عورتوں کے ساتھ عدل انصاف کے مناسب سمجھا، مگر اس مسئلہ کی ایک دوسری حیثیت بھی تھی، اور وہ یہ کہ بحیثیت ایک پیغمبر کے، ایک حلال و جائز چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے اور اُس کے نہ کھانے کا عہد کرنے سے آپ کی اقتدا میں امت کے عام افراد بھی اُس کو ناجائز نہیں تو نا پسند ضروری کرتے اور یہ ایک طرح سے شریعت الہی میں تبدیل و تحریف کا مرادف ہو جاتا، اس لیے حکم آیا، کہ ان امور میں پیغمبر کو کسی کی دجوتی اور خاطر داری کی پروا نہ چاہیے، فرمایا،

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتِ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (تہیم-۱)
پیغمبر! جسکو اللہ نے حلال کیا، تو اُس کو حرام کیوں کرنا ہو، اپنی بیویوں کی مرضی چاہتا ہو، اور خدا بخشنے والا مہربان ہے،

اس موقع پر اللہ تعالیٰ کا آپ کو نبی الکر خطاب کرنا یہ واضح کرتا ہے کہ بحیثیت ایک انسان اور شوہر ہونے کے آپ ایسا کر سکتے تھے، مگر پیغمبر کی حیثیت سے آپ کو یہ اختیار نہیں،

الغرض یہی وہ پانچ واقعے ہیں جنہیں آپ کی اجتہاد کی خطا ثابت کی گئی ہے، مگر تفصیلات سے معلوم ہو گیا ہوگا، کہ ان کو خطا کہنا درحقیقت مجاز ہے، کہ پیغمبر کی بلندی اور معصومی کو پیش نظر رکھ کر اس کو اس مجازی خطا کی بھی اجازت نہیں، اور اسی لیے وحی الہی نے اُن میں سے ہر موقع پر تنبیہ کی، اور اپنے صحیح فیصلہ سے رہنمائی فرمائی، اب کیا کاشبہ یہ بھی ہو کہ جس طرح آنحضرت صلی علیہ وسلم کو یہ معمولی مسامحات پیش آئے، جنکی تنبیہ و اصلاح ہر وقت وحی الہی نے کی، ایسے ہی ممکن ہے، کہ آپ کو اور بھی ایسے مسامحات پیش آئے ہوں، جنکی تنبیہ و تصحیح کی حکمت الہی نے پرواہ کی اور خاموشی برتی، اگر کسی کو یہ شبہ ہے تو وہ درحقیقت رسالت و نبوت کی مرتبہ شناسی اور دین الہی و شریعت ربانی کی حقانیت اور اللہ تعالیٰ کے طرق رشد و ہدایت کی معرفت سے کوسون دور ہے، رسولوں کی بعثت اس لیے ہے کہ وہ غلط کار انسانوں کو، اذن کی غلطی سے نکال کر حق و جواب کی تعلیم دیں، نہ اس لیے کہ اُن کے ذریعہ اُلٹے ہدایت کے بجائے مزید ضلالت کا اضافہ ہو، استغفر اللہ، ثم استغفر اللہ، اس لیے ناممکن ہے کہ رسولوں کے ہاتھوں اور زبانوں سے کوئی ایسا کام یا حکم صادر ہو جو حکمت الہی کے مطابق نہ ہو، اور پھر وہ اسکی تصحیح اور رہنمائی سے تغافل برتے، اور انسانوں کو خود اپنے رسولوں کے ذریعہ گمراہ ہونے دے،

پیغمبرانہ اجتہاد اور اُسے علم کا وہ کوثر ہے، جس کی دھارین دماغ سے نہیں، بلکہ دل کے سرچشمہ سے بہتی ہیں، جو انسانی رائے و تجربہ سے نہیں، بلکہ الہام الہی، اِنقائے ربانی، حکمت یزدانی، فہم رسالت، ملکہ نبوت سے ماخوذ ہیں، اور جس کی نسبت محرم اسرار شریعت عمر فاروق بر سر منبر یہ فرماتے ہیں،

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ الرَّاغِبِينَ إِلَيْنَا كَانُوا مِنْ رُسُلِ اللَّهِ صَلَاحُ مَصِيبِ الْإِنِّ اللَّهُ كَانُ يَرِيهِ

اے لوگو! آنحضرت صلی علیہ وسلم کی رائے غلطی سے پاک تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو وہ رائے دکھاتا تھا، اور ہماری رائے ہم لوگوں اور ان سے جدا ہے، (ابوداؤد، سنن ابی یوسف)

وہ رائے نبوی، جو خدا کے بتانے اور دکھانے سے قائم ہوئی ہو، ظاہر ہے کہ مترادف وحی کے ہے، اور اُس کا نام بشری اجتہاد اور انسانی رائے نہیں، بلکہ نبوی اجتہاد اور پیغمبرانہ رائے ہی، جو علما و وحی الہی کی ہم مرتبہ اور کلام ربانی کی ہم پایہ ہے، حضرت عمرؓ نے اس خطبہ میں جو کچھ کہا ہی، درحقیقت وہ خود کلام پاک سے مستنبط ہی، قرآن پاک میں ہی، اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ ہم نے تجھے کتاب سچائی کے ساتھ اتاری، تاکہ لوگوں کے درمیان یہاں اَرْمِكَ اللَّهُ طَوْلًا لَّا تَكُنُ لِلْخَائِبِينَ خَصِيمًا جو اُنہ تجھ کو سوچھائے فیصلہ کرے، اور تو نہ ہو دغا بازوں کی طرف سے جھگڑنے والا، (شاء ۱۶)

اس سے ظاہر ہوا کہ آنحضرت صلعم کو جو دکھایا، سوچھایا، اور رائے پیدا کرائی جاتی تھی، وہ خدا کی طرف سے ہوتی تھی، یہی وہ پیغمبرانہ رائے ہے جسکی نسبت خود آنحضرت نے ارشاد فرمایا،

اَنَا قَضِي بَيْنَكُمْ بَرَاءً فِيمَا لَمْ يَنْزِلْ عَلَيَّ مِّنْ تَمَّ لَوْ كُنْ كَعَدَمٍ مِّنْ حَسْبِ نَبْتٍ مَّجْهَرٍ
(ابو داؤد - تفسیر)

یہ فیصلہ اگر غلط ہوتا تو فوراً وحی الہی دست گیری کرتی، اور صحیح راستہ پر لے آتی، جیسا کہ گذشتہ پانچوں مقامات سے ظاہر ہے،

ایک غلط استدلال | اس آیت پاک سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے، کہ مقدمات کے فیصلوں میں، آپ کو ارادت الہی ہوتی تھی، یعنی خدا کی طرف سے آپ کو رائے سوچھائی جاتی تھی، اور ظاہر ہے، کہ ارادت الہی (خدا کی طرف سے سچھایا جانا) تاکہ آپ کتاب الہی کے مطابق فیصلہ کریں غلط نہیں ہو سکتی، لیکن ابو داؤد وغیرہ میں ایک حدیث ہے کہ آنحضرت صلعم نے اہل مقدمہ سے فرمایا،

”دین ایک بشر ہوں، تم لوگ میرے پاس اپنے جھگڑے لیکر آتے ہو، اور شاید تم میں سے بعض زیادہ زبان اُتار ہوں، جو اپنی دلیل کو خوبی سے بیان کر سکتے ہوں، تو میں جیسا سنتا ہوں، ویسا فیصلہ کر دیتا ہوں، تو میں اگر کسی کو وہ حق دادوں جو اُس کا نہیں، بلکہ اُس کے بھائی کا ہو، تو وہ نہ لے کہ میں اُس کو آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دیر ہوں“ (کتاب التفسیر)

اس سے ایک غلط فہم یہ استدلال کر سکتا ہو، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے ہمیشہ غلطی سے پاک نہیں ہوتے تھے، اس لیے اہمیت آپ کے قضایا اور فیصلوں کی پیروی پر مجبور نہیں لیکن ایسا خیال کرنا سراسر مغالطہ ہے، اصل یہ کہ مقدمات میں دو چیزیں ہوتی ہیں، ایک واقعہ کی اصلی رو داد، جس کو ہر مدعی اور مدعا علیہ اپنے دعویٰ کے مطابق بنا کر اپنے رنگ میں بیان کرتا ہے، اس کے بعد دوسری چیز اس بیان کردہ رو داد کے مطابق صحیح اور غلط حکم اور فیصلہ ہے، جو تادمہ مقدمہ کی اُس رو داد پر مبنی ہوتا ہے۔ جو حاکم و قاضی کے سامنے بیانات اور شہادتوں کے ساتھ پیش ہوتی ہے، یہ بات کہ واقعہ کی اصلی رو داد کیا ہے، اور ان میں سے کون صحیح کہہ رہا ہے، علم غیب سے تعلق رکھتا ہے، جس کا دعویٰ کسی نبی کو نہیں، اور اگر ہو بھی تو یہ دعویٰ بجائے خود مسلم ہے کہ قاضی کا ذاتی علم و دانسانوں کے درمیان فیصلہ کا مبنی نہیں قرار پاسکتا، اس کے لیے فریقین کے بیانات شہادتیں اور دلائل ہی بکار آمد ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ امراؤں کے متعلق عموماً آپ کو غیب کا علم عطا نہیں ہوا، لیکن دوسری چیز، یعنی جس رو داد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح باور کیا، اُس کے مطابق آپ کا فیصلہ کبھی کبھی صحیح و صواب اور غلط نہیں ہوتا تھا، یہ کہنا رسول و نبی کی شان کی توہین و تحقیر ہے، اور اُس ارادت الہی کے خلاف ہے، جس کا شرف تعالیٰ کے فیصلہ میں آپ کو بخشا جاتا تھا، اس لیے جو غلطی فیصلوں میں آپ سے ہو سکتی تھی، وہ فریقین میں سے کسی ایک کی دلیل و شہادت کو سکر اُس کے صحیح یا غلط، مطابق واقعہ یا مخالف واقعہ سمجھنے میں، لیکن جسکو آپ صحیح باور فرمایا اُس کے مطابق مناسب و صحیح حکم و فیصلہ کرنے میں آپ کبھی غلطی نہ ہوئی، اور نہ ہو سکتی تھی، اور اہمیت آپ کی پیروی آپ کے ان قضایا اور فیصلوں میں کرنی ہو نہ کہ نزاع مذکور کے گزشتہ واقعات اور گزشتہ مقدمات کے صحیح یا غلط باور کرنے میں فتنان بینما،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان میں نکتہ یہ ہے، کہ شاید فریقین میں سے کوئی غلط بیان یا جھوٹا یا برسرِ طیل جو اپنے مقدمہ کی رو داد زیادہ خوبی سے بنا کر آپ کی عدالت سے موافق فیصلہ حاصل کرے، یہ سمجھے کہ گو حقیقت میں میرا حق نہ تھا، لیکن جب عدالت نبوی نے میرے حق میں فیصلہ کر دیا، تو میری ملکیت ثابت ہو گئی، اور غصب

حق کے گناہ سے براہت ہو گئی تو اس کا ایسا سمجھنا صحیح نہ ہوگا گو قانوناً حکم نافذ ہو جائیگا، مگر عند اللہ جو برسرِ حق تھا وہ حق ہی رہیگا، اور جو برسرِ باطل تھا، وہ باطل ہی رہیگا، اور جو اہل مالک تھا، وہی مالک رہیگا، اور جو غاصب ہے وہ غاصب ہی ٹھہریگا، اسی اعلان کا اثر تھا، کہ جب آنحضرت صلعم نے ایک مقدمہ میں فریقین کو اس حقیقت سے مطلع فرمایا تو دونوں رو پڑے، اور دونوں ایک دوسرے کے حق میں دست بردار ہونے پر آمادہ ہو گئے،

آنحضرت صلعم، رو داد مقدمہ کو سامنے رکھ کر جو فیصلے فرماتے تھے وہ تہا تر حق، منصفانہ اور صحیح ہوتے تھے اور ان کی اطاعت سے انحراف، کفر و نفاق تھا، اسی لیے ارشاد ہوا کہ

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا. (نساء-۹)

سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے جب تک وہ تجھ کو حکم نہ مانیں پھر اپنے دلوں میں تیرے فیصلے سے تنگی نہ پاد اور مان کر قبول کریں،

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُمْسِقَةٍ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ وَفَّىٰ صَلَاتَهُ لِرَبِّهِنَا (احزاب-۵)

کسی ایماندار مرد یا عورت کا یہ کام نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کر دے، تو بھی اس کو اپنے کام کا اختیار ہے، اور جو خدا اور اس کے رسول کے بے حکم چلا، وہ صریح گمراہ ہوا،

کیا امت کو رسول کی اطاعت اور اس کے فیصلہ کے بچون و چرا قبول کر لینے کا خدا کی طرف سے تاکیدی حکم برسرِ باطل پہلو پر ہو سکتا ہے؟ چنانچہ دوسری آیت میں اسکی تصریح کر دی گئی ہے، کہ آپ کا کوئی فیصلہ کبھی ظالمانہ اور غلط نہیں ہو سکتا،

وَإِذَا دُعِيَ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُونَ وَإِنْ يَكُنْ لَهُمُ

اور جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے تاکہ رسول، ان کے درمیان فیصلہ کر دے، تو ان میں سے ایک

اَنْتُمْ يَا قَوْمِ الْاَكْبَرُ مِنْ عَيْنَيْنِ، اَفِي قُلُوبِكُمْ مَسْرَعَةٌ
 اَهْزَانًا تَابِعًا اَهْزَانًا فَوْنًا اَنْ يَحْيِفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ
 وَرَسُوْلُهُ بَلْ اَوَّلِيْلَكَ هُمْ الظّٰلِمُوْنَ، (نور، ۷۰)

عقل بشری | اس میں بھی شک نہیں کہ وحی اور ملکہ نبوت کے علاوہ نبی میں نبوت و رسالت کے فرائض سے باہر کی چیزوں میں اس کی عقل وہی ہوتی ہے، جو عام انسانوں کی ہوتی ہے، اور جس میں اجتہادی غلطی کا ہر وقت امکان ہے، شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک اجتہاد کی یہی وہ دوسری قسم ہے، جس میں نبی سے بھی غلطی ہو سکتی ہے، کہ اس کا مدار وحی والہام اور ملکہ نبوت پر نہیں، بلکہ انسانی علم و تجربہ پر ہوتا ہے، اور یہی وہ قسم ہے، جس کا اتباع پیروں پر واجب نہیں، اور اس کی بہترین مثال کھجور کی کاشت کا واقعہ ہے،

صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے بعض باغوں میں گزرے تو دیکھا کہ کچھ لوگ کھجوروں کے درختوں پر چڑھ کر کچھ کر رہے ہیں، آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا کر رہے ہیں، ایک ہمارے ہی نے کہا کہ یہ مادہ کھجوروں میں زہر کھجوروں کے پھول ڈالتے ہیں، کہ پھل زیادہ آئیں، فرمایا میں تو نہیں سمجھتا کہ اس سے کچھ فائدہ ہوگا، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اگر ایسا نہ کرتے تو بہتر ہوتا، اُس نے جا کر باغ والوں سے آپ کا یہ فقرہ بیان کر دیا تھا، نے جو سراپا اطاعت تھے، اُس پر عمل کیا، اور ایسا کرنا چھوڑ دیا، پھل اُس سال کم آئے، یا کم ٹھہرے، آپ کا پھر گزر ہوا، تو اُن لوگوں نے صورت حال عرض کی، آپ نے فرمایا میں نے تو یونہی ایک بات سمجھ سے کہہ دی تھی، اگر اُن کو اس عمل سے فائدہ ہوتا ہے تو کریں، پھر فرمایا،

اِنَّهَا اَنَا لَبَشْرٌ اِذَا امْرُتُكُمْ لَبَشْرٌ مِّنْ دِيْنِكُمْ
 فَخُذُوا بِرَءَاۡسِ امْرُتُكُمْ لَبَشْرٌ مِّنْ رَّأٰی فَاَنَا
 میں تو ایک آدمی ہی ہوں، جب تمہارے دین کا کوئی
 حکم دون تو اس کو قبول کرو، اور جب اپنی رائے سے
 کچھ کہوں تو میں ایک آدمی ہوں،

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں،

اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاَمْرٍ دُنْيَاكُمْ
تم اپنے دین کے کام کو زیادہ جانتے ہو،

تیسری روایت کے یہ الفاظ ہیں:-

اِنَّمَا ظَنَنْتُمْ ظَنًّا فَلَا تَأْخُذْ بِنِیِّ بِالظَّنِّ وَلٰكِنْ
اِذَا حَدَّثَكَ عَنْ اللّٰهِ شَيْئًا فَخُذْ وَلَا يَلِيْ
مِنْ نَّكَابٍ عَلٰی اللّٰهِ،
میں نے ایک گمان سا کیا تھا، گمان پر مجھ کو نہ پکڑو، ہاں جب
خدا کی طرف سے کوئی بات کہوں تو ادا سکولو، کہ میں خدا پر جھوٹ
نہ کہوں گا،

ان تینوں روایتوں میں آپ نے اپنے اس ارشاد کو ظن (گمان) رائے اور امر دنیا سے تعبیر فرمایا ہے۔
اس سے یہ کلیہ سمجھ میں آتا ہے، کہ امور دین و شریعت میں آپ کا ہر حکم واجب اور من جانب اللہ ہے، لیکن کھیتی
باڑی، علاج و معالجہ وغیرہ خالص دنیاوی امور میں اگر آپ نے کچھ کہا ہے، تو اس کی حیثیت فقط مشورہ اور
رائے کی ہے، یہی سبب ہے، کہ صحابہ کرام جن باتوں میں اپنا مشورہ آپ کو دینا چاہتے تھے، پوچھ لیتے تھے، کہ یا رسول
اللہ یہ وحی سے ہے یا رائے ہے، آپ جب فرمادیتے تھے کہ رائے سے ہے، تو وہ اپنا مشورہ پیش کرتے، اور آپ
فرماتے تو قبول فرماتے، غزوہ بدر میں آپ نے ایک مقام پر پڑاؤ ڈالنا چاہا، ایک صحابی نے اگر عرض کی یا رسول
اللہ اس مقام کا انتخاب وحی سے ہے یا رائے سے ہی فرمایا محض رائے ہے تو عرض کی کہ جی نقطہ نظر سے یہ مقام بہترین فلان
مقام بہتر ہے آپ نے انکی رائے پسند کی اور اس پر عمل فرمایا، اسی طرح صلح و جنگ اور حکومت کے دوسرے معاملات میں بھی
صحابہ سے مشورہ لیا، اور عمل فرمایا، اور اسی میں خود حضور صلح و صلح کے کوئی شک و شبہ نہ تھا (توبہ) یعنی جو حکومت میں یا عام امور میں صحابہ سے
بلائے کا حکم خدا کی طرف سے ہی پہنچے غزوہ اُحزاب میں خندق کھودنے میں سلمان فارسی کی رائے پر عمل کیا، لیکن امور جنگ و سیاست میں بھی
جس بات کا حکم عقل بشری سے نہیں، بلکہ وحی الہی یا فہم نبوی سے ہوا تھا، اس میں آپ نے نہ کسی سے مشورہ لیا، اور
نہ کسی کے مشورے کو قبول فرمایا، صلح حدیبیہ کے شرائط اور دفعات جو سراسر مصلحت الہی اور حکمت ربانی پر مبنی تھے، انکے
بدلے پر حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ نے کیا کیا زور نہیں لگایا، مگر آنحضرت صلح نے کچھ التفات نہ فرمایا، اور آخر میں

لہٰذا تینوں حدیثیں صحیح مسلم باب جو بات مثال ما قالہ، تھامدون، ماکر صلح من معاش الدنیا علی سبیل الراہ ج ۲ ص ۳۵ مصر میں ہیں،

نے بتا دیا کہ فہم نبوت سرسری سمجھتی تھی، اسی طرح غزوہ اُحد جیسے نازک موقع پر عبداللہ بن ابی کاتین سو آدمیوں کے ساتھ پھر جا ناگوار کیا، مگر مدینہ سے باہر جا کر صفت آرا ہونے سے باز نہ آئے، اور پھر مستقبل نے مصلحت الہی کے راز کو فاش کیا۔

ایک ادنیٰ سا تامل عقلی حیثیت سے بھی یہ راز بتا دیگا کہ دنیا میں ہر صاحب فن کی ایک نہیں دو عقلیں ہوتی ہیں، ایک اُس فن کے متعلق، جسکی استعداد اُس کے اندر رکھی جاتی ہے، اور پھر تعلیم و تربیت، مشق اور کثرتِ عمل سے وہ اتنی بلند اور پختہ ہو جاتی ہے، کہ وہ اس فن کے بڑے بڑے عمیق اور مشکل دقائق کو ایک نظر میں معلوم کر رہے، اور اُس کے لابلعل عقد و ن کو اشاروں میں حل کر دیتی ہے، لیکن اوس دائرہ کے باہر اوسکی دوسری عقل عام انسانوں ہی کی طرح معمولی ہوتی ہے، ایک شخص جو فنِ تعمیر کی مہارت اور ہندسہ اور انجینئرنگ کی صنعتی میں غیر معمولی عقل و ذہانت رکھتا ہے، بالکل ممکن ہے، کہ کھجور کی کاشت میں اوسکی عقل معمولی انسانوں سے بھی کم درجہ ہو، ایک فلسفی جو اپنے زورِ فکر سے افلاطون و ارسطو کی غلطیاں نکالتا ہو، وہ تعمیر کے فن میں ایک معمولی مزدور سے بھی زیادہ کم عقل ہو، یہ روزمرہ کی پیش آنے والی مثالیں ہیں، اسی طرح وہ برگزیدہ انسان جو روزِ قضا کے اسرار و معرفتِ ربانی کے حقائق، تزکیہ نفس کے رموز، اخلاق و معاشرت کے آداب، اور حقوق و شریعت کے مسائل میں دقیقہ رس فہم، اور نکتہ دان عقل رکھتا ہو، اوسکو تعمیر و کاشتکاری کے مسائل میں محض معمولی درجہ ہو، بلکہ بالکل نہ ہو۔

اسی طرح انبیاءِ علیہم السلام امورِ دین و شریعت میں وحی اور ملکہ نبوت سے جو کچھ فرماتے ہیں، وہ عین مصلحت عین حکمت، خطا اور غلطی سے سرتاپا مبرا اور پاک ہوتا ہے، لیکن دوسرے امور مثلاً پہننے اور نہنے، کھانے پینے، رہنے سہنے، سلطنت و سیاست، نظم و نسق، صلح و جنگ، سامان و اسلحہ، موکب و سواری، صنعت و حرفت، طب و علاج، وغیرہ دنیاوی امور کی نسبت کلی مصلحتیں بتا کر، جزئیات کی تفصیل سے اُنھوں نے احتراز فرمایا، اور کسی قطعی فیصلہ کا مسلمانوں کو پابند نہیں کیا، پہننے اور نہنے کے متعلق، صرف تین باتیں فرمائیں، پہلی یہ کہ وہ جس

اور طرز لباس نہ اختیار کیا جائے، جس سے سرعورت نہ ہو، دوسری یہ کہ مرد، وہ لباس اختیار نہ کریں، جو عورتوں کے لیے زیبا ہے، نہ عورتیں وہ لباس اختیار کریں جو مردوں کے لیے مناسب ہے، تیسری بات یہ ہے کہ وہ لباس پسندیدہ نہیں، جس سے غرور و نخوت نمایاں ہو، کھانے پینے میں چند حرام چیزوں کے سوا کسی کی مانعت نہیں نظم و نسق اور نظام حکومت و سلطنت میں چند کلی اصول تعلیم فرمائے، شہنشاہانہ اور جابرانہ حکومت نہ ہو، لوگوں میں مساوات ہو، اور اہم امور میں اہل عمل و عقد کا باہمی مشورہ ہو، و علیٰ ہذا القیاس،

الغرض یہی وہ امور ہیں جن میں زمانہ اور تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ تغیر و انقلاب ہوتا ہے، اس لئے

اُن کو ہمیشہ کے لیے محدود کر دینا مصلحت الہی کے خلاف تھا،

ملکہ نبوت عقل نبوت | گذشتہ مباحث سے یہ امر واضح ہوتا ہے، کہ نبی بن علم و فہم کے تین ذریعے ہیں، وحی، ملکہ نبوت
کاشعری ثبوت | اور عام عقل بشری، ان میں سے اول و آخر کے ثبوت کے لیے اب کسی استدلال کی ضرورت

نہیں کہ اول تو یہ مسلمات سے ہیں، اور دوسرے اوپر کے تشریحات میں مستقل طور سے اُن پر بحث نہیں ہو چکی ہیں، لیکن اب تک ہم نے دوسری چیز یعنی ملکہ نبوت کیلئے کوئی شرعی دلیل پیش نہیں کی ہے، اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات یہ کہنی ہے، کہ جن علمائے اس کی حقیقت ظاہر کی ہے، انھوں نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اس کے لیے الگ الگ اصطلاحیں قائم کی ہیں، مگر مفہوم و معنی کے لحاظ سے وہ دراصل ایک ہیں، ہفت صاحبین میں سے بعض نے اس کو اتقار فی الرُّوح (دل میں ڈالنا) نبی کی حکمتِ قلبیہ، توفیقِ اِزلی، اور قوتِ تمیز میں سے تعبیر کیا ہے، امام غزالی و امام رازمی اور دوسرے متکلمین نے اس کو ملکہ نبوت سے ادا کیا ہے، شاہ ولی اللہ صاحب اور علمائے اصول نے اس کو تغیرانہ قوتِ اجتہاد کہا ہے، اور صوفیہ کی عام پسند اصطلاح میں اس کو علمِ لدنی کہا جاتا ہے، مگر ان سب کے معنی تقریباً ایک ہی ہیں یعنی نبی کے اندر کی وہ غیرانہ عقلی قوت، جو بشری عقل سے فوق ہے، جسکے ذریعہ سے وہ وحی کی تشریح، اسرارِ شریعت کا بیان، اور دقائقِ حکمت کی اپنی زبان سے توضیح کرتا ہے،

لہٰذا یہ تمام الفاظ امام شافعی کی کتاب الارسالہ میں مذکور ہیں

انبیائے کرام کے اُن ربانی انعامات کی فہرست پڑھیے، جنکا تذکرہ قرآن نے باجایا کیا ہے، تو وحی کی مخصوص نعمت کے بعد سرِ فہرست جو چیز نظر آئیگی وہ علم نبوت ہے، جس کو کہیں ذکرِ زیادداشت (کہیں حکمِ حق و باطل میں تمیز کا ملکہ) نہیں ملتا (دانی) کہیں شرحِ صدر (سینہ کا کھول دینا) کہیں تفہیم (سمجھ بوجھ دینا) کہیں تعلیم (دکھا دینا) کہیں ارادت (دکھا دینا سوچا دینا) کہا گیا ہے، ان سب مختلف الفاظ کا مفہوم وحی سے نیچے اور عقل بشری سے اوپر عقل نبوی کے سوا اور کیا ہے؟ ان سے مراد وحی تو اس لیے نہیں کہ ان کا ذکر وحی سے الگ ہوتا ہے، اور عقل بشری اس لیے نہیں کہ عقل بشری خاص نبی پر کوئی انعام نہیں، کہ یہ نعمت تو ہر انسان کو کچھ نہ کچھ ملی ہے، اس بنا پر اس سے مراد عقل نبوی اور حکمت نبوی کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا،

حکمت انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نعمتیں عطا ہوتی ہیں، اون میں ایک خاص نعمت کا ذکر قرآن پاک میں بار بار آتا ہے، اور وہ حکمت ہے، آلِ ابراہیم پر اللہ تعالیٰ نے جو احسانات کئے اون کا ذکر وہ ان الفاظ میں فرماتا ہے،

۱۔ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
وَأَيَّدْنَاهُمْ بِمُلْكٍ عَظِيمٍ (نساء ۶)

تو بے شک ہم نے ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت دی،
اور ان کو بڑی سلطنت بخشی،

حضرت لقمان کی نسبت ہے،

۲۔ وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ (لقمان ۲)

اور یقیناً ہم نے لقمان کو حکمت دی،

حضرت داؤد کی شان میں ہے،

۳۔ وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَأَيَّدْنَاهُ بِحِكْمَةٍ
فَصَلِّ الْخُطَابَ (ص ۲۰)

اور ہم نے داؤد کی سلطنت مضبوط کی، اور اس کو حکمت اور
قول فیعل عطا کیا،

۴۔ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ
وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مَا يَشَاءُ (بقرہ ۲۴۷)

اور داؤد نے جالوت کو مارا، اور خدا نے داؤد کو سلطنت اور
حکمت بخشی، اور جو چاہتا ہے، انہیں سے کچھ سکھایا،

حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں۔

۵۔ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلَفُونَ فِيهِ (زمرہ ۶)۔
۵۔ میں تمہارے پاس حکمت لیکر آیا ہوں تاکہ جن باتوں میں تم باہم اختلاف رکھتے ہو کچھ باتیں ان میں سے کھول دوں،

خود اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ پر اپنا احسان جتنا ہے، تو فرماتا ہے،

۶۔ وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْحِيدَ ۚ
وَالْإِنْجِيلَ (مائدہ ۴-۱۵)
۶۔ اور یاد کر جب میں نے تجھ کو کتاب اور حکمت اور توحید اور انجیل کی تعلیم دی،

عام انبیاء کے متعلق ہے،

۷۔ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ (ال عمران ۹)
۷۔ اور جب اللہ نے نبیوں سے وعدہ لیا کہ جو میں تم کو کوئی کتاب اور کوئی حکمت دوں،

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طور کی یہ دعا مانگی تھی،

۸۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (لقمان ۱۵)
۸۔ ہمارے پروردگار! اور ان میں سے ایک رسول بھیج، جو ان کو علیہم آیتاتک وعلیمہم الکتاب والحکمۃ ویزکیہم اے اے انت انت العزیز الحکیم، (لقمان ۱۵)

اللہ تعالیٰ نے انکی یہ دعا قبول فرمائی،

۹۔ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (لقمان ۱۸)
۹۔ جس طرح اس نے تم میں سے ایک رسول بھیجا، وہ تم کو ہماری آیتیں سناتا اور تم کو سنوارتا ہے، اور تم کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہو، اور وہ تم کو سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے،

اس دعاے ابراہیمی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طور کا احسان اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران میں ہم پر

جسایا ہے،

۱۰۔ یقیناً اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا کہ ان میں انہیں میں
 ۱۔ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ
 رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَ
 يُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ
 كَانُوا مِن قَبْلُ لَنَفَى ضَالِّ مُبِينٍ (ال عمران - ۱۰۴)
 سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھکراتا ہے اور
 ان کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اگرچہ
 وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے،

اللہ تعالیٰ نے اپنا یہی احسان انہیں الفاظ میں سورہ جمعہ میں دہرایا ہے،

۱۱۔ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُوْلًا
 ۱۱۔ وہی اللہ جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہیں میں سے ایک
 رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ
 رسول بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں سنا رہا ہے اور ان کو پاک
 الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَنَفَى
 و صاف کرتا ہے اور کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور وہ
 ضَالِّ مُبِينٍ (جمعہ)
 اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے،

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے اپنا یہ احسان ان پر ظاہر فرمایا ہے،

۱۲۔ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ
 ۱۲۔ اور اگر خدا کا فضل و کرم تجھ پر نہ ہوتا تو ان میں سے ایک عبادت
 خَاطِفَةٌ مِنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا
 ارادہ کر چکی تھی کہ وہ تجھے گمراہ کر دے اور وہ گمراہ نہیں کر
 يَضُرُّوكَ مِنْ شَيْءٍ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ
 لیکن اپنے آپ کو اور تجھے کچھ نقصان نہ پہنچا سکتے، خدا نے
 وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ
 تجھے کتاب اور حکمت اتاری، اور تجھ کو وہ سکھایا جو تو نہیں
 فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (نساء - ۱۰۴)
 جانتا تھا، اور تجھ پر خدا کا بڑا فضل تھا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے،

۱۳۔ ذَلِكَ بِمَا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ
 یہ وہ ہے جو خدا نے حکمت کی باتوں میں سے تپہ سرجی
 کی ہے، (اسرا ٹیل - ۳۰)

عام مسلمانوں سے ارشاد ہے،

۱۳- وَ اذْكُرْ وَ اٰمَنَّا اللّٰهَ عَلٰیكُمْ وَمَا اَنْزَلَ عَلٰیكُمْ
۱۳- اور اللہ کا جو احسان تم پر ہے، اور اس نے تم پر جو کتاب عطا

میں اَلْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ لِيُظَاهَرُ بِهِ (بقہ ۲۹) تمہاری ہی، اور انکو یاد کرو، خدا تم کو اس سے سمجھاتا ہے،

خاص طور سے ازواجِ مطہرات کو خطاب ہے،

۱۵- وَ اذْكُرْنَ مَا يُتْلٰی فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ
۱۵- اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور حکمت کی جو باتیں

وَالْحِكْمَةِ (احزاب- ۴) سنائی جاتی ہیں، ان کو یاد رکھو،

یہ نعمت حسبِ استعداد عام مسلمانوں کو بھی ملا کرتی ہے،

۱۶- يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ وَمَنْ يُؤْتِ
۱۶- اور خدا جس کو چاہتا ہے حکمت بخشتا ہے، اور جس کو حکمت بخشنے

الْحِكْمَةَ فَقَدْ اَوْفٰی خَيْرًا كَثِيْرًا (بقہ ۳۰- ۳۱) اوسکو بڑی دولت (بجلائی) دی گئی،

اسی کے ذریعہ تبلیغ و دعوت کا حکم بھی ہوتا ہے،

۱۷- اٰذْعُ اِلٰی سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ
۱۷- اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف، تو حکمت اور اچھی نصیحت کے

الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ، (نمل- ۱۶) ذریعہ سے بلا، اور ان سے عمدہ طریقہ سے مناظرہ کرو،

ایک جگہ قیامت اور عبرت کے واقعات پر حکمت کا اطلاق ہوا ہے،

۱۸- وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ اٰلِ اَنْبِيَآءٍ مَا فِیْهِ مُرَدُّ جَرٍّ
۱۸- اور ان کو اتنے احوال جتنے میں ڈانٹ ہو سکتی ہی پہنچ چکے ہیں،

حِكْمَةٍ بِاللِّغَةِ فَمَا تُغْنِ الشُّذُوْرَ (نمل- ۱) مؤثر حکمت، تو ان کو ڈر سنانے والے فائدہ نہیں پہنچا سکتے

اور ہر کی سطروں میں وہ تمام آیتیں لکھ دی ہیں، جنہیں حکمت کا لفظ آیا ہے، ان آیتوں میں ”حکمت کا لفظ

کہیں تنہا آیا ہے، اور کہیں کتاب کے بعد کتاب کے معنی قرآن میں آئے ہیں، ایک صحیفہ ربانی کے

معنی میں، اور یہ اکثر آیا ہے، اور دوسرے نوشتہ ”الہی اور علم الہی کے معنی میں، جیسے لَوْ كُنَّا كِتَابًا مِنَ اللّٰهِ سَبَقَ

(اگر خدا کا نوشتہ، یا علم پہلے نہ ہوتا) ان سابقہ آیتوں میں کتاب سے تو بے شبہ آسمانی کتاب اور صحیفہ ربانی،

یا یون کہو کہ وحی کتابی، جیسے تورات و قرآن وغیرہ مراد ہے، لیکن حکمت کا مفہوم ان آیتوں میں کیا ہے؟

حکمت کے لغوی معنی تو ”دانائی کی بات اور کام کے ہین“ مگر یہاں اس سے مقصود کیا ہے؟ اس تحقیق کے لیے ضرورت ہے کہ مستند اہل لغت، اور ماہرین قرآن کے اقوال نقل کر کے تبصرہ کیا جائے، سب سے قدیم لغت نویس ابن درید المتوفی ۳۲۱ھ اپنی کتاب جہرۃ اللغات میں ”حکمت“ کے حسب ذیل معنی لکھتا ہے،

فعل كلمة وعظمتك وخرجتلك اودعتك
 ہر وہ بات جو تجھ کو سمجھائے، یا تجھ کو تنبیہ کرے، یا کسی اچھی
 الی مكرمة اودعتك من قبيل فعی حكمة و
 کی طرف بلائے، یا کسی بری چیز سے روکے وہ حکمت اور
 حکم، (جلد ۲ ص ۱۸۶ - حیدر آباد)

لغت کا امام جوہری، اپنی صحاح اللغات میں لکھتا ہے،

الحكمة من العلم والحكيم العالم وصاحب
 حکمت یعنی علم، اور حکیم یعنی عالم اور حکمت والا، اور حکیم کا موصوف
 الحكمة والحكيم المتقن للا موصوف (جلد ۲ ص ۱۸۶)

عربی لغت کی مبسوط و مستند کتاب لسان العرب میں ہے،

والحكمة عبارة عن معرفة افضل الاشياء
 اور حکمت بہترین چیز کو بہترین علم کے ذریعہ سے جاننے
 العلوم، (ج ۵ ص ۳۰ مصر)

نفاۃ قرآن کے مشہور امام راغب مہمبانی مفردات القرآن میں کہتے ہیں،

والحكمة اصابة الحق بالعلم والعقل، فالحكمة
 اور حکمت، علم اور عقل سے سچی اور صحیح بات کو جاننا ہی، تو
 من الله تعالى معرفة الاشياء وایجادها علی
 اللہ تعالیٰ کی حکمت، چیزوں کا جاننا اور ان کو کمال بخوبی
 غاية الاحكام ومن الانسان معرفة
 پیدا کرنا ہے، اور انسان کی حکمت موجودات کو جاننا
 الموجودات وفعل الخيرات (ص ۱۲۶ - مصر)

اور اچھی باتوں کا کرنا ہے،

یہ تو عربی لغت کے اماموں کی تصریحات تھیں، اب اُن بزرگوں کے اقوال پر غور کرنا ہے، جو زبانِ دینی کے ساتھ قرآن اور شریعت کے استدلالات اور محاوروں سے بھی کامل طور سے آگاہ تھے، ابن جہان اندلسی

نے اپنی تفسیر بحر المحیط میں ان کے اکثر اقوال کو یکجا کر دیا ہے،

۱۔ قال مالك وابو رزين: الحكمة الفقه في الدين ۱۔ امام مالک اور ابو رزین کا قول: حکمت، دین میں سمجھ اور اُرد

والفهم الذي هو حجة ونور من الله تعالى، فہم کو کہتے ہیں جو ایک فطری ملکہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور ہے

۲۔ وقال مجاهد: الحكمة فہم القرآن، مجاہد کا قول: حکمت یعنی قرآن کا فہم،

۳۔ وقال مقاتل: العلم والعمل به لا يكون الرحيل ۳۔ مقاتل کا قول: حکمت، علم اور علم کے مطابق عمل کو کہتے ہیں کسی شخص

حکیم یا حتیٰ جمعہ ما، تو حکیم اس وقت تک نہیں کہا جاتا جب تک وہ علم اور عمل دونوں کا جامع نہ ہو

۴۔ وقيل: الحكم والقضاء، ۴۔ بعضوں کا قول: حکمت فیصلہ کرنا،

۵۔ وقيل ما لا يعلم الا من جهة الرسول، ۵۔ ثنی کا قول: حکمت وہ جو رسول کے سوا کسی اور ذریعہ سے معلوم نہ ہو سکتا

۶۔ وقال ابو جعفر محمد بن يعقوب: كل صواب ۶۔ ابو جعفر کا قول: ہر وہ صحیح بات جو صحیح عمل پیدا کرے،

من القول ورث فعلاً صحيحاً فهو حكمة، حکمت ہے،

۷۔ وقيل وضع الاشياء مواضعها، ۷۔ ثنی کا قول: چیزوں کو اپنی اپنی جگہ پر رکھنا حکمت ہے،

۸۔ وقيل: كل قول وجب فعله، ۸۔ ایک اور کا قول: ہر وہ بات جس کا کرنا ضروری ہو،

امام ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں حسب ذیل اقوال لکھے ہیں:

۱۔ قال (مالك): المعرفة بالدين والفقه في الدين کی معرفت اور دین میں سمجھ اور

الدين ولا اتباع له، اسکی پیروی،

۲۔ قال ابن زيد: الحكمة الدين الذي لا ۲۔ ابن زید کا قول: حکمت دین کا وہ حصہ ہے جو صرف رسول

يعرفونه الا به صلعم، يعلمهم اياها، قال الحكمة سے معلوم ہوتا ہے، وہی اس کو سکھاتا ہے، نیز انہیں کا

العقل في الدين وقرء "وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ قول ہوا کہ حکمت، دینی عقل کا نام ہے، اور اس پر آیت پڑھی

له زيارت والبث فيهم وسوكتهم لا يسع احد ۳۹۳، مطبوعہ سعادت مصر،

فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرٌ كَثِيرًا“ وقال عيسى“ وِلْعَلَّمَهُ
 الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ“ وَقَرَأَ ابْنُ
 زَيْدٍ“ وَأَتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ الْكِتَابَ فَآلَسْلَمْ
 مِنْهَا“ قَالَ لِمَنِ نَفَعُ بِالْآيَاتِ حِينَ لَمْ تَكُنْ مَعَهُ حِكْمَةٌ
 قَالَ وَالْحِكْمَةُ شَيْءٌ يَجْعَلُهُ اللَّهُ فِي قَلْبِ نَبِيٍّ لَهُ بِهِ
 كَرَمٌ وَسَدَقَةٌ وَأَمَانَةٌ وَأَمَانَةٌ وَأَمَانَةٌ
 کہ جس کو حکمت دی گئی اس کو بڑی دولت دی گئی اور خدا نے حضرت
 عیسیٰ کو کہا کہ خدا ان کو کتاب اور حکمت اور توراۃ اور انجیل سکھاتا
 ہے ابن زید نے یہ آیت بھی پڑھی کہ ان کو اسکا حال سناؤ جو کہتے ہیں
 آئین دین تو وہ ان سے الگ ہو گیا یعنی ان کی تون سے نفع نہیں اٹھایا کہ
 ان کے پاس حکمت نہ تھی حکمت وہ چیز جو کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے قلب میں

۳۔ عن قتادة: والحكمة اى السنة ۴۔ قتاده حکمت یعنی سنت نبوی،

آخر میں امام طبری اپنا فیصلہ سناتے ہیں،

۴۔ قال ابن جرير الطبري: والصواب من القول
 عندنا في الحكمة انها العلم باحكام الله التي لا
 يدرك علمها الا ببيان الرسول صلعم و
 المعرفة بها وما دل على ذلك من نظائر
 وهى عندى ما خوذ من الحكم الذى بمعنى
 الفصل بين الحق والباطل،
 ۵۔ ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ حکمت ان احکام الہی کے
 علم کا نام ہے جو صرف رسول کے بیان (تشریح) سے معلوم
 ہوتے ہیں، اور اوں کی اور جواوں کی مثالین اور نظیرین
 ہیں، ان کی معرفت کو کہتے ہیں، اور حکمت کا لفظ سیر
 نزدیک حکم سے ماخوذ ہے، جس کے معنی حق و باطل
 میں تیز کرنے کے ہیں،

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف کتاب الرالہ میں قتادہ کے مسلک کو پسند کیا ہے، لکھتے ہیں

۵۔ وسمعت من ارضي من اهل العلم بالقراء
 يقول: الحكمة سنة رسول الله صلعم (ص ۲۸)
 ۵۔ میں نے قرآن کے ان اہل علم سے جب کو پسند کرتا ہوں یہ
 سنا کہ حکمت آنحضرت صلعم کی سنت کا نام ہے،

امام شافعی اسی کتاب میں آگے چل کر بعضوں کا قول نقل کرتے ہیں،

وسنة الحكمة القى القى فى روعه عن الله
 عن رجل (ص ۲۸)
 اور آپ کی سنت وہ حکمت ہے، جو آپ کے دل میں خدا
 کی طرف سے ڈالی گئی،

ائمہ نعت اور علمائے قرآن کے ان تمام اقوال پر ایک غائر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ یہ کل کے کل ایک ہی مفہوم کی مختلف تعبیریں اور ایک ہی حقیقت کی متعدد تفسیریں ہیں، حکمت عقل و فہم کی اُس کامل ترین حقیقت کا نام ہے، جس سے صحیح و غلط، صواب و خطا، حق و باطل، اور خیر و شر کے درمیان تمیز و فیصلہ، بذریعہ غور و فکر، دلیل و برہان اور تجربہ و استقراء کے نہیں، بلکہ منکشفانہ طور سے ہو جاتا ہے، اور اُسی کے مطابق اُس صاحب حکمت کا عمل بھی ہوتا ہے،

ہر فن کے واقفکار و دوقم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو کسی فن کو باقاعدہ حاصل کرتے، اور اس کی مشق کرتے اور اُس میں مہارت اور کمال ہم پہنچاتے ہیں، دوسرے وہ جو اُس فن کی فطری استعداد اور قابلیت رکھتے ہیں اور تجربہ و دلیل کے بغیر خود اپنی فطری صلاحیت، صحیح و جہان، اور سلیم ذوق سے اُس فن کی کسی شے کو دیکھنے کے ساتھ اُس کے متعلق جچی تلی رائے دیتے ہیں، اور حرف حرف صحیح دیتے ہیں، اسی کا نام آپ صحت و جہان اور سلامت ذوق رکھتے ہیں، شاعری، انشا پر داری، اور دوسرے فنون لطیفہ میں اُسکی مثالیں بکثرت دیکھی اور سنی جاتی ہیں، اسی طرح بعض لوگوں میں اشیاء کے حق و باطل اور افعال کے خیر و شر کی تمیز کا صحیح و جہان، اور صحیح ذوق ہوتا ہے، اُس کے دقیق سے دقیق مسئلہ کے متعلق اپنے ربانی ذوق و جہان سے صحیح رائے دیتے ہیں، جو دوسرے لوگ وسیع مطالعہ اور غور و فکر کے بعد بھی نہیں دیکھتے، یہی وہ معرفت اور نور الہی ہے جو جہد اور سعی و محنت سے نہیں، بلکہ عطا و بخشش سے حاصل ہوتی ہے، اور اسی کا نام حکمت ہے،

دوسری ربانی استعداد و فن اور فطری بخشش کی طرح حکمت کا عطیہ بھی سب کو یکساں نہیں ملتا، بلکہ حسب استعداد معمولی حکمت سے لیکر اعلیٰ ترین اور کامل ترین حکمت تک عطا ہوتی ہے، اس کے مختلف درجے اور مراتب عام انسانوں کو مل سکتے ہیں، اور ملتے ہیں، لیکن اسکا اعلیٰ ترین اور کامل ترین درجہ اور مرتبہ صرف نبیاً علیہم السلام کو ملتا ہے،

مگر یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح اس ربانی عطیہ، آسمانی فہم، دینی عقل اور نورانی قوت پر حکمت کا

اطلاق ہوتا ہے، اُسی طرح اس قوتِ حکمت کے آثار و نتائج اور اُس کی تعلیمات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، چنانچہ دوسری آیت جس میں حضرت لقمان کو حکمت دیے جانے کا بیان ہے، اُس کے بعد اس حکمتِ لقمانی کی حسب ذیل تعلیمات کا ذکر ہے، اللہ کا شکر ادا کرنا، شرک کی مانعت، والدین کی خدمت، اچھون کی پیروی، خدا کا ہمہ گیر علم، نماز کا حکم، صبر، فقر و غرور کی مانعت، میاں نہ روی، آہستہ بولنا، اسی طرح تیسری آیت میں حکمتِ محمدی کی حسب ذیل تعلیمات کی تفصیل ہے، شرک کی مانعت، والدین کے ساتھ احسان، قرابتداروں اور بیگنوں سے نیک سلوک، اسراف کی برائی، نرمی کی بات کرنا، میاں نہ روی، اولاد کے قتل کی مذمت، کسی کی جان نہ لینا، مقتول کا بدلہ لینا، یتیم کے ساتھ اچھا برتاؤ، عقد پورا کرنا، ناپ تول ٹھیک کھنا، بے جانی چیز کی پیروی نہ کرنا، فقر و غرور کی مذمت، ان تمام باتوں کو بیان فرما کر اللہ کہتا ہے،

ذٰلِكَ مِمَّا اَوْحٰى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ (اسلمہ)

یہ بین حکمت کی وہ بعض باتیں جو خدا نے تجھ روح کی ہیں، حکمت کی ان بعض باتوں کی تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے، کہ حکمت کے مظاہر اور نتائج کس قسم کی باتیں ہوتی ہیں، یہ عموماً وہی باتیں ہوتی ہیں، جنکی عالمگیر صداقت اور سچائی کو خود فطرتِ انسانی اور حسِ اخلاقی تسلیم کرتی ہے، اور یہی سبب ہے کہ تیسری اور چوتھی آیت میں حکمت کا اطلاق زبور پر، اور پانچویں اور چھٹی آیت میں انجیل پر ہوا ہے، کہ ان میں اسی قسم کی دلائل و نصیحتوں اور عالمگیر صداقتوں کی تعلیم ہے، اور خود قرآنِ پاک نے بھی اپنی صفتِ حکمت والا قرآنِ مظهر کی ہے، تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ (لقمان دینس) وَالْقُرْآنِ الْحَكِيْمِ (تسین) وَالَّذِي كُنَّا نُنَزِّلُ (ال عمران) ان آیتوں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے، کہ حکمت کی بعض اہم تعلیموں اور باتوں کو وحیِ الہی خود اپنے اندر بھی شامل کر کے ان کو آتبِ معطر بنا دیتی ہے، یہ چیز انبیاء کو کتاب کی وحیِ الہی کیساتھ عام طور سے ملتی ہے، فرمایا،

وَاِذْ خَلَقْنَا النَّبِيْنَ لَنُعَلِّمَهُمُ الْقُرْآنَ (ال عمران ۴۸)

اور یاد کرو جب خدا نے پیغمبروں سے عہد کیا کہ اللہ جو بین

کتاب و حکمت (ال عمران ۴۸) تم کو کتاب اور حکمت دون، بہر حال یہ حکمت کی قوتِ انبیاء علیہم السلام کو بدرجہ اتم حاصل تھی، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ان کی ہر بات و آیت

اور ان کا ہر کام دانشمندی پر مبنی تھا، اور یہ قوت ان کو حاصل تھی تو اس قوت کے آثار اور نتائج بھی اقوال و اعمال کی صورت میں ظاہر ہوئے، اور ان نبوی حکیمانہ آثار و نتائج کا اقرار و اعتراف اور ان پر عمل بھی نبوت کی تصدیق کے اندر داخل ہوا، پس رہوین آیت میں ہے،

وَلَا كُفْرُ مَائِنِي فِيْ بَيِّنَاتٍ مِّنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ وَحُكْمِهِ (اور اے محمد رسول اللہ کی بیویو! تمہارے گھر دن میں خدا

جو باتیں اور حکمت کی باتیں سنائی جاتی ہیں، ان کو یاد رکھو، (احزاب-۴)

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو آیاتِ الہی کے علاوہ کس حکمت کے یاد رکھنے کا حکم دیا گیا، ظاہر ہے کہ وہ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت و دانائی کی باتوں کو یاد رکھنے کا حکم ہے، اب اگر وہ باتیں امور دین سے متعلق نہ ہوتیں، تو ان کے لیے ان کا یاد رکھنا کیون ضروری قرار دیا جاتا، اسی طرح اٹھوین، نوین، دسویں، اور گیارہویں آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں ہے،

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ، (جمع-۱) وہ مسلمانوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے،

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب کے بعد کس حکمت کی تعلیم دیتے تھے؟ ظاہر ہے کہ خود اپنی حکمت کی، تو جس حکمت کی تعلیم دے دیتے تھے، وہ خود ان کے اندر بھی تھی، کہ جو چیز ان کے پاس نہیں، وہ دوسروں کو کیا بخشے، تو جب یہ قوت آپ کے پاس تھی، تو اوس کے آثار و نتائج بھی اقوال و افعال کی صورت میں ہون گے، جنکی وہ تعلیم فرماتے تھے، اور اپنے ان امورِ حکمت کی تعلیم سے آپ کا مقصد بھی یہی ہو سکتا ہے، کہ مسلمان ان پر عمل کریں، پانچویں آیت میں ہے، کہ حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں،

قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي

تَخْتَلِفُونَ فِيْهِ (ذخون-۶) تم باہم اختلاف رکھتے ہو کچھ باتیں ان میں سے کھول دوں،

اسے لفظ سبیل سے کسی کو شبہ نہ ہو کہ وہ کتاب کے لیے خاص ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کتاب کا کوئی صفحہ پڑھ کر نہیں سنا تھے، بلکہ الفاظِ الہی کو ربانی اور فرماتے تھے، اسے قرآن پاک میں حروفِ علت سے قبل واؤ آیا کرتا ہی جیسے وَلَيَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ یہ حروفِ علت نہیں،

اس سے معلوم ہوا کہ حکمت کا ایک فرضیہ تبیین بھی ہے، یعنی کسی عمل، ذوق، محسوس اور مختلف فیہ مسئلہ کی تشریح و تفصیل جس سے وہ اجمال اور اختلاف جاتا رہے، اور اصل مقصود کی تشریح ہو جائے، چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے قورات کے بعض احکام کی ضمن میں یہ مختلف الزائے تھے، تفصیل فرمائی، اور اونکی غلطی دور کی، بارہویں آیت میں ہے،

وَلَوْ كُنَّا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ دَرَجَتَهُ لَهَيَّيْنَاكَ لَأَقْبَعَنَّ مِنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَصْرِوْكَ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمْنَاكَ مَا لَمْ تُكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (نملہ)

اور اگر خدا کا فضل و کرم تجھ پر نہ ہوتا تو اون میں سے ایک گروہ نے چاہا تھا کہ تجھ کو گمراہ کرے، اور وہ گمراہ نہیں کرتے، لیکن اپنے آپ کو اور تجھے ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچائیں گے، اللہ نے تجھے کتاب اور حکمت اتاری، اور تجھ کو سکھایا جو نہیں جانتا تھا اور اللہ کا فضل تجھ پر بڑا ہے،

ان آیتوں میں بیان ہے، کہ منافقین کا ایک گروہ آپ کو غلط رائے دیکر بہکانا چاہتا تھا، مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کہ اون کی یہ چال کار گر نہ ہوئی، اور وہ تجھ کو بہکانہ سکے، اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ کا تجھ پر فضل و کرم ہے، اور وہ فضل و کرم یہ ہے کہ اُس نے تجھ پر کتاب اور حکمت اتاری، اور تجھے وہ علم بخشا، جو پہلے نہ تھا، اس سے ظاہر ہوا، کہ گمراہی سے آپ کی یہ حفاظت، خطا سے یہ عصمت، اور علم کی یہ بخشش آپ کو کتاب اور حکمت کے ملنے کے سبب حاصل ہوئی ہے، الغرض اس حفاظت و عصمت کے حصول میں کتاب الہی کیساتھ حکمت ربانی کے انعام کو بھی دخل کا ملنا، یہ تو وہ نبوی حکمت ہے جس کا سرچشمہ صرف سینۂ نبوت ہے، لیکن یہ فیض حسب استعداد اُن کے اتباع میں دوسروں کو بھی ملتا ہے، جس کا یہ اثر ہوتا ہے، کہ وہ سچی اور صحیح بات کو بہت آسانی سے سمجھ لیتے، قبول کر لیتے، اور اس پر عمل کرتے ہیں،

تبلیغ اسلام کے تین ذبیحون، حکمت، معرفت، اور خوش خلقی کے مناظرہ میں سب سے اول اویسی کو جگہ دی گئی،

أُذِخْ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ
تو اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کیساتھ دعوت دے

الْحُسْنَةَ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (نحل-۱۶)
اور اُن سے مناظرہ بطریق احسن کر،

سچی بات صحیح اور صاف بات دل تک پہنچ جاتی، اور بہت جلد اپنا اثر دکھائی ہے، فرمایا،

حِكْمَةً بِالْعَقَّةِ (قصہ-۱)
دل تک پہنچ جانے والی حکمت،

یہ حکمت ہر نیکی کی جڑ اور بھلائی کی اصل ہے، پھر اس سے بڑھ کر دنیا میں اور کیا دولت ہو سکتی ہے، اسی لیے

ارشاد ہوا،

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا
جس کو حکمت دی گئی اوس کو بڑی نیکی (دولت)

دی گئی، (بقبرہ-۳)

اس سلسلہ میں دو مشہور و مستند حدیثوں کا حوالہ بھی مناسب ہے، جس سے حکمت کی حقیقت واضح

ہوگی، اور کم از کم قرن اول میں اس لفظ کا مفہوم ظاہر ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد کے ایک خطیب کا بیان

سنکر فرمایا،

إِنَّ مِنَ الشَّعْرِ لِحِكْمَةٍ وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا
بعض شعر حکمت ہیں اور بعض تقریریں جادو ہوتی ہیں

اس حدیث میں بعض اشعار کو حکمت اور بعض تقریریں بیان کو جادو کہا گیا ہے، اس تقابل سے ظاہر ہے

کہ اس عربی حکمت کا مفہوم اردو حکمت کے مفہوم سے بلند تر ہے، یعنی سحر و جادو کے مافوق انسانی تصور کی طرح

حکمت کے عربی مفہوم میں کوئی مافوق بشری تخیل ضرور ہے، اسی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ عربی میں حکمت کے

معنی عقل و فہم وغیرہ مراد الفاظ سے کوئی بلند اور غیر معمولی حقیقت ہے، اردو میں اس حقیقت کو "حکمت"

کے ساتھ فقط الہامی "بڑھا کر ادا کیا جاسکتا ہے، یعنی "الہامی حکمت"

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ارشاد و حدیث

جائز ہے تو صرف دو شخصوں پر ایک اُس پر جس کو مال کی دولت ملی، تو وہ اُسکو صحیح مصرف میں لٹاتا ہے،

دوسرے رَجُلٌ آتَاہُ اللہُ الْحِکْمَۃَ فَهُوَ یَقْضِیْ بِہَا وَیُعَلِّمُہَا رَیِّحٌ بِنَارِی، کتابِ معلّم) اس شخص پر جس کو حکمت ملی ہے، تو وہ اس کے ذریعہ سے فیصلہ کرتا ہے، اور دوسروں کو سکھاتا ہے، اور اس میں معلّم ہونے کی شان پیدا ہوتی ہے، یہ عام انسان کا درجہ ہے، تو انبیاء علیہم السلام کو یہ دولت کس بہتات سے ملی ہوگی، اور وہ یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حصّہ میں بھی آئی، اب اس حصولِ دولت یعنی عطاۃِ حکمت کا نتیجہ بھی آپ کے ظاہر ہونا چاہیے اور وہ فیصلہ اور تعلیم ہے، آپ کے یہ لہانہ فیصلے اور حکیمانہ تعلیمات تمام تروجی ربانی کی علی اور ربانی شرح اور بیان ہے، کتابِ حکمت کی تعلیم | اوپر کی چار آیتوں ۸-۹-۱۰-۱۱ میں خفیف سے تغیر کے ساتھ حسبِ فیل آیت ہے،

یَسْأَلُ عَلَیْہِمُ اٰیٰتِہٖ وَیَنْزِلُ عَلَیْہِمُ وَیُعَلِّمُہُمْ لِّکِتٰبٍ
(وہ رسول) اُن ران پڑھوں) کو خدا کی آیتیں سناتا اور
وَالْحِکْمَۃَ، (جسہ ۱-)

ان آیتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین کاموں کا ذکر ہے،

۱- خدا کی آیتوں کو پڑھنا، اور دوسروں کو سنانا،

۲- اُن کو شرک اور بد اخلاقی کی نجاستوں سے پاک و صاف کرنا اور سنوارنا،

۳- اُن کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دینا،

سوال یہ ہے کہ پہلی اور تیسری آیتیں ایک ہی معنی رکھتی ہیں، یا دو، اگر ایک معنی رکھتی ہیں، تو اس مبیود

بکرا کا فائدہ کیا؟ یا کیوں نہ دوسری جگہ بھی یَسْأَلُ یعنی تلاوت ہی کا لفظ رکھ دیا گیا، اور اگر دو الگ الگ معنی رکھتی

ہیں، جیسا کہ ہر صاحبِ نظر سمجھ سکتا ہے، تو ان دونوں معنوں میں کچھ نہ کچھ فرق ہوگا، اگر رسول کا فرض محض دجی

کی زبان سے سنی ہوئی آیتوں کو پڑھ کر، دوسروں کو سنا دینا ہے، اور اسی پر اوسکی تبلیغ کا فرض ختم ہو جاتا، تو اُسکا

تیسرا فرض الفاظ کی تلاوت سے آگے بڑھ کر کتاب اور حکمت کے سبق کی تعلیم کو نہ کر دیا جاسکتا، بالکل ظاہر

ہے کہ تعلیم کا مفہوم تلاوت سے بہت کچھ زیادہ ہے، خصوصاً جبکہ لفظ تعلیم تلاوت کے بعد آتا ہے، دجی

کے الفاظ کو سنا دینے سے تلاوت کا فرض ادا ہو جاتا ہے، مگر تعلیم کا فرض ہنوز باقی رہ جاتا ہے، کتاب کی تعلیم

کے معنی تلاوت کی طرح کتاب کے الفاظ کا سنا دینا اور پڑھا دینا اور دوسروں کو یاد کر دینا نہیں، بلکہ الفاظ قرآنی کی تلاوت کے بعد جو آپ کا پہلا کام تھا، اُس کے مشکل مطالب کو حل کرنے بھل معانی کو سمجھانے اور اپنی زبان اور عمل سے اونکی شرح و تفصیل کر دینے کا نام کتاب و حکمت کی تعلیم ہے، اور یہ آپ کا دوسرا تفسیر فرضیہ تھا، اور یہی وہ تعلیم تھی جسکا ان آیتوں میں بار بار ذکر ہے، اب جب ان مطالب و معانی کی شرح و تفسیر بھی آپ کے فرائض نبوت میں داخل تھی، تو اس پیغمبرانہ شرح و تفصیل کی حیثیت بھی دینی ہوگی، اور اس کی تعمیل بھی امت کے لیے ضروری ہوگی، آپ کی اسی زبانی و علی شرح و تفصیل کو صحابہ اور تابعین نے اپنی روایت و عمل سے محفوظ رکھا، اور وہ احادیث و سنن کے نام سے موسوم ہے،

اس تفصیل کے بعد حکمت کے ادون معنوں پر ایک نظر دوبارہ ڈال لیجئے، جو اُنہ لُغت اور علمائے قرآن نے بیان کیے ہیں، تو آپ کو یقین آجائگا، کہ وہ کل ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیریں، اور ایک ہی معنی کی متعدد تفسیریں ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال جیسے اصطلاحی نام احادیث و سنن ہیں، کتاب الہی کی علی و زبانی تفسیر ہیں، کتاب الہی، وحی زبانی کا نتیجہ ہے، اور احادیث و سنن، سینہ نبوی کی ملہانہ حکمت کا اس مقام پر امام شافعیؒ کی تحقیق پیش نظر رہے،

وَسَنَّا الْحِكْمَةَ الَّتِي اتَّقَى فِي رُوحِهِ عَنِ اللَّهِ اور آپ کی سنت وہ حکمت ہے جو آپ کے قلب میں خدا

عز و جل (کتاب الرسالہ ص ۲۸ مصر) کی طرف سے ڈالی گئی،

اور اسی مفہوم کو مجاہد اس طرح ادا کرتے ہیں، کہ الْحِكْمَةُ فَصْلُ الْقُرْآنِ، حکمت فہم قرآن کا نام ہے دوسری عبارت میں یوں کہو کہ قرآن کے معانی و مطالب کی تشریح حکمت ہے، اور اس تشریح کا نام جو رسول کی دست و زبان سے ادا ہوئی، سنت ہے، اور اس معنی کو امام مالک اور ابوزرین اور ابن زید غنیہ دوسری صدی کے علمائے قرآن ان عبارتوں میں ادا کرتے ہیں کہ حکمت، معرفت دین، فقیہ دین، اور اس دینی علم کو کہتے ہیں جس کو رسول نے بیان کیا، اور حکمت اُس نور کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کسی قلب میں پیدا کر کے

اُس کو منور کر دیتا ہے:

خلاصہ بحث یہ ہے کہ اصل حکمت نبوی وہ نور نبوت اور الہامی معرفت ہے، جو اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کے قلب و سینہ میں ودیعت رکھا تھا، اور چونکہ آپ کے سنن اقوال اپنی اسی ودیعت شدہ حکمت نبوی کی پیدائش اور آثار اور نتائج ہیں، اس لیے اُن پر بھی حکمت کا اطلاق جائز ہے، اس تفصیل کے بعد ظاہر ہو گا کہ بعض اہل علم اور عالموں نے حکمت کی تشریح میں اصل معنی کی طرف توجہ کی ہے، اور بعض نے ثانوی معنی کو بیان کیا ہے، اور دونوں حق پر ہیں،

علم | علم کے معنی یعنی جاننے کے ہیں، مگر ہر فن کے تعلق سے جاننے کی نوعیت اور معلومات کی حیثیت مختلف ہوگی، انبیاء کے تعلق سے اس کا جب استعمال ہوگا، تو اس سے طبعاً امر و خدا کی توحید، ذات و صفات، دین و آخرت کے احکام اور اخلاقی تعلیمات ہوگی، حضرت ابراہیم توحید پر استدلال کر کے اپنے باپ سے فرماتے ہیں،
يَا بَتِّ اِنِّي قَدْ جِئْتُكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ
اے میرے باپ! میرے پاس علم کا وہ حصہ آیا ہے جو
(مرید - ۳) تیرے پاس نہیں آیا،

حضرت خضر کے متعلق ہے،

وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا (کہف - ۹) اور ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم سکھایا،

خدا کے پاس سے تو ہر چیز ہے، پھر اپنے پاس سے علم سکھانے کا مفہوم کیا ہے، ہر وہ شے جو انسان کی ذاتی محنت، کوشش، جدوجہد وغیرہ معمولی ذرائع کے بغیر حاصل ہوتی ہے، وہ منجانب اللہ کی جاتی ہے، اسی طرح خدا کے پاس سے علم عطا ہونے کے معنی اُس علم کے ہیں، جو انسان کے طبعی ذرائع علم و استدلال اور تلاش و تحقیق کے بغیر خود بخود عطا ہو، وہی علم خدا واد ہے، اور اسی لیے صوفیہ کی اصطلاح میں اس کو علم لدنی (پاس والا علم) کہتے ہیں،

حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کی نسبت ہے،

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا (نمل-۲) اور بے شمار ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم دیا،

حضرت یوسفؑ کے امانتِ نبوت کے موقع پر ہے،

وَكَذَلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَحْتِ نَاقِلٍ اور اسی طرح تیرا پروردگار تجھ کو نوازیگا، اور تجھ کو باتوں کی حقیقت کی

الْحَادِثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ (یوسف-۱) (تاویل) سکھائیگا، اور تجھ پر اپنا انعام پورا کرے گا،

ان آیتوں میں اس علم کا ذکر نہیں ہے، جس کا منشا ”وحیِ موقت“ ہے، کیونکہ ان میں سیاقِ کلام سے علم کے یکبارگی دیئے جانے کا ذکر ہے، جو وحیِ موقت کی شان نہیں، خصوصاً آخری آیت میں تاویلِ احادیث کا علم بیک دفعہ دیئے جانے کا ذکر ہے، اسی لیے حضرت یوسفؑ ایک خواب کی تعبیر بیان کر کے دوسرے موقع پر کہتے ہیں،

ذَلِكُمْ مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي (یوسف-۵) یہ وہ ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھایا ہے،

یہ کہیں بیان نہیں ہے، کہ خواب کی تعبیر کے وقت ان پر وحی اگر حقیقت سے ان کو مطلع کرتی تھی، بلکہ خود ان کے اندر یہ علمی قوت ہمیشہ کے لیے ودیعت کر دی گئی تھی، اسی قسم کا وہ علم ہے جس کی نسبت سے بعض انبیاء کو پہنچن ہی میں عَلِيم (جاننے والے) کا خطاب ملا،

وَبَشِّرْهُ بِالْعِلْمِ عَلِيم (ذاریت-۲) اور فرشتوں کو اس کو ایک بڑے صاحبِ علم فرزند کی خوشخبری دی

إِنَّا نَبْشِرُكَ بِالْعِلْمِ عَلِيم (حج-۴) ہم تجھے ایک بڑے صاحبِ علم فرزند کی خوشخبری دیتے ہیں،

یہاں لفظ عَلِيم اختیار کیا گیا ہے، عالم نہیں، جو لفظ عالم سے علم پر زیادہ دلالت کرتا ہے، ان آیتوں

سے ظاہر ہوا کہ وحیِ موقت جو گاہ گاہ آتی ہے، اس کے علاوہ علم کا ایک دائمی عطیہ بھی نبی کی شان ہے،

علم و حکم بہت سے انبیاء کے متعلق علم کے ساتھ حکم کا عطا ہونا بھی بیان ہوا ہے، حکم کے معنی نعت میں فیصلہ اور

حق و باطل میں تمیز کرنے کے ہیں، جس کا ترجمہ اردو میں سمجھ اور بوجھ کے نتیجے یعنی فیصلہ کے کر سکتے ہیں، امامِ رُغَب

ہفتماہی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں،

وَالْحُكْمَ بِالشَّيْءِ ان تَقْضَىٰ بِالشَّيْءِ بَاتِه كذا
 کسی شے پر حکم کرنا یہ فیصلہ کرنا ہے، اگر شے ایسی ہے، یا ایسی نہیں
 اَوْ لَيْسَ كذا اسواء الزمیت ذلک غیر اولہ
 ہے، عام اس سے کہ اس فیصلہ کا تم دوسرے کو پابند کر سکو
 تلزمہ (۱۲۶- مصر)

عربی لغت کی مشہور کتاب لسان العرب میں ہے،

الحكم العلم والفقه والقضاء بالعدل (۱۵-۱۶)
 حکم کے معنی علم، سمجھ اور منصفانہ فیصلہ کرنا،

ان انبیاء علیہم السلام کو جب کسی کتاب کا ملنا ثابت نہیں اس علم اور حکم کا عطا ہونا ثابت ہے، اس سے یہ
 معلوم ہوا، کہ وحی کتاب کے علاوہ کسی اور عطیہ علم و حکم کی طرف اشارہ ہے، چنانچہ حضرت یوسفؑ کی شان میں
 وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا،
 اور جب یوسف جوانی کی قوت کو پہنچا تو ہم نے اس کو حکم
 (یوسف- ۳) اور علم دیا،

حضرت لوطؑ کے متعلق ہے،

وَلَوْ طَأْتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا (انبیاء- ۵)
 اور لوط کو ہم نے حکم اور علم دیا،

حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ کے ذکر میں ہے،

فَفَقَّمْنَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا
 تو ہم نے سلیمان کو وہ فیصلہ سمجھا دیا، اور ہر ایک کو ہم نے حکم
 اور علم دیا تھا، (انبیاء- ۶)

حضرت یحییٰؑ کی نسبت ہے،

يَحْيَىٰ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ
 اسے یحییٰ کتاب (توراة) کو مضبوطی سے پکڑ اور ہم نے اس کو
 حکم بچپن میں عطا کر دیا، صبیثا، (مریم- ۱)

ایک جگہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر اپنی نعمتیں ان الفاظ میں شمار کرتا ہے،

وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ
 اور بلا شک ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکم، اور

وَالنَّبُوءَةُ (حاشیہ - ۲)

نبوت دی،

اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اور حکم اور نبوت تین چیزیں ہیں، یہاں کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ ان آیتوں میں حکم سے مراد دنیاوی حکومت اور سلطنت ہے، کہ اس معنی میں یہ لفظ فاحص اور قدیم عربی میں نہیں آیا، یہ اہل عجم کا محاورہ ہے، قرآن نے ہر جگہ اسکو فیصلہ اور قوت فیصلہ کے معنی میں استعمال کیا ہے، جیسے

فَاَحْكُمُ بَيْنَنَا يَالْحَقِّ (ص - ۲) ہمارے درمیان حق کیساتھ فیصلہ کر،

فَاَحْكُمُ بَيْنَ النَّاسِ يَالْحَقِّ (ص - ۲) تو لوگوں کے درمیان حق کیساتھ فیصلہ کر،

وَإِنْ حَكَمْتَ فَاَحْكُمُ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ (مائتہ - ۷) اور اگر تو ان کے درمیان فیصلہ کرے تو انصاف کیساتھ فیصلہ کر،

حضرت داؤد اور سلیمان ایک مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہیں،

وَدَاوُدُ وَسُلَيْمَانُ إِذْ يَحْكُمُونَ فِي الْحَمِّثِ، اور داؤد اور سلیمان کو جب وہ دونوں حکمت کا

فیصلہ کر رہے تھے، (انبیاء - ۶)

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ط اور جس کسی چیز میں تم نے اختلاف کیا، تو اس کا فیصلہ

اللہ کی طرف ہے، (شوری - ۲)

سب بڑھکر یہ کہ یہی تین باتیں سورہ انعام میں بہت سے پیغمبروں کے نام گنا کر الگ الگ دہرائی

گئی ہیں،

أُولَٰئِكَ الدِّينَ اتَّخَذْتُمْ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ یہ وہ لوگ تھے جنکو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت

وَالنَّبُوءَةَ (انعام - ۱۰) بخشی،

جن پیغمبروں کے نام اوپر گناے گئے ہیں، اور جنکی طرف وہ لوگ لکھنا اشارہ کیا گیا ہے، یہ ہیں

ابراہیم، اسحاق، یعقوب، نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، ایسا

اسماعیل، ایسح، یونس، لوط علیہم السلام، ان اشارہ ناموں میں حکم "یعنی حکومت و سلطنت (اگر ہو) تو اس

کے مستحق صرف دو ہیں، سلیمان اور داؤد، اور چاہے کسی طرح کسی تاویل سے یوسف اور موسیٰ کو بھی شامل کر لیں جو باقی جو وہ نام ان پیغمبروں کے ہیں، جنکو اس کا کوئی حصہ نہیں ملا تھا، اس لیے لامحالہ حکم کا لفظ قرآن میں نعر کے اصلی صحیح و صریح معنی میں مستعمل ہے اور اس لفظ سے خدا کا جو مقصود ہے، وہ کتاب کے ساتھ ساتھ ان

پیغمبروں کو براہ حقیقت میں ملا تھا، غلط فہمی کا پورا پورا پردہ چاک کرنے کے لیے ایک اور آیت کریمہ پر نظر ڈالیے،

مَا كَانَ لِلْبَشَرِ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَ

الْحِكْمَةَ وَالنَّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا

عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا

رَبَابًا نَبِينَ بِمَا كَانُوا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ وَ

بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ، (ال عمران - ۸)

والے نو،

ان آیتوں میں مخاطب اہل کتاب ہیں، اور جس مقدس بشر کا ان میں ذکر ہے، بظاہر اس سے مراد

حضرت عیسیٰ ہیں، وہ نہ ہوں تو خود محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم ہیں، اور یہ اُس وقت کی بات ہے، جب یہودی پوپا

وقت مدینہ کے لطاف اور جازمین موجود تھے، اور اسلام ہنوز ان کے مقابلہ میں کمزور و ناتوان تھا، ایسی صورت میں

جس حکم کے ملنے کا ذکر ان آیتوں میں ہے، وہ کتاب اور نبوت ہی کی جنس کی کوئی چیز ہو سکتی ہے، کہ حضرت

عیسیٰ کو تو حکومت و سلطنت کا ادنیٰ شائبہ بھی عطا نہیں ہوا تھا، اور آنحضرت صلی علیہ وسلم کو اُس وقت تک جب تک

بنی اسرائیل اپنی ممتاز قوت کیساتھ مدینہ اور جازمین موجود تھے، یہ رتبہ نہیں ملا تھا، آیت اِنْ اَخْلَكُمُ اللَّهُ

مِنْ بَشَرٍ مِّنْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ میں بھی مراد وہی فیصلہ اور قضائے ربانی ہے، حکومت و سلطنت نہیں، تسکین کے لیے اس آیت

کے آگے پیچھے کے الفاظ پر نظر ڈالو،

اَمْ دَرَسَ (اے پیغمبر!) کہ میں اپنے پروردگار کی کھلی دلیل پر ہوں

قُلْ اِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّي وَكَذَّبْتُمْ بِهِ

اور تم اسکو جھٹلاتے ہو، میرے پاس وہ نہیں جسکی تم جلدی

مَا عِنْدِي مَا اسْتَعِجِلُونِ بِهِ اِنْ اَخْلَكُمُ اللَّهُ

لِلّٰهِ طَيْفُصُّ الْحَقِّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ۔ کرتے ہو۔ فیصلہ کسی کا نہیں لیکن اللہ کا وہ حق بیان کرنا

(انعام - ۷) ہے، اور سب فیصلہ کرنے والوں سے وہ بہتر ہے،

ان وجوہ سے اس میں کوئی شک نہیں رہتا کہ انبیاء علیہم السلام کو منصب نبوت اور وحی کتاب کیساتھ حکم کی سند بھی ملتی ہے، جس کے صاف و صریح معنی کلام عرب، اور لغت، اور قرآن کے قرینوں سے علم، فہم، فیصلہ، اور حق و باطل میں تمیز ہے، اور اس لیے رسول کی اس قوت و طاقت کے نتائج بھی ہمارے لیے واجب العمل ہیں،

شرح صدر ربانی علم و معرفت کا ایک اور مقام **شرح صدر** ہے، شرح صدر کے معنی "سینہ کھولنے کے ہیں" عام خیال یہ ہے کہ سینہ کی تنگی اور ضیق، جہل و نادانی کی علامت، اور سینہ کی کشادگی اور فراخی، علم کی وسعت اور معرفت کی فراوانی پر دلالت کرتی ہے، اسی لیے شرح صدر کے اصطلاحی اور مجازی معنی علم کی کثرت اور گاہی کی وسعت کے ہیں، اور خاص طور سے اُس علم و معرفت اور اطلاع و آگاہی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، جو کسی دقیق اور مشکل مسئلہ کے متعلق دفعہ اور یک بیک قلب میں وارد ہو جاتی ہے، اور اس حل سے اسکی تسکین ہو جاتی ہے، اور اس کے شکوک و شبہات دور ہو کر اُس کو یقین کی راحت و مسرت حاصل ہو جاتی ہے، **جمہرہ ابن درید میں ہے،**

والشرح من قولهم شرح لك الامور۔ شرح اہل عرب کے اس محاورہ سے جو کہ تین نے تیرے لیے بات

..... ای اوضحتہ و کشفته، و شرح اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرح کر دی یعنی واضح کر دیا، اور کھول دیا، اور اللہ نے اس کے

فانشرح اذا اتسع لقبول الخیر (۲-۱۳۴) سینہ کو کھول دیا، تو وہ کھل گیا، یعنی جب کسی کے قبول کرنے کیلئے

صحاح جوہری میں ہے،

الشرح الکشف تقول شرح الغامض شرح یعنی کشف رکھنا، تم کہتے ہو میں نے اس پوشیدہ

اذا فسرته، مسئلہ کی شرح کر دی، یعنی اس کی تفسیر کر دی،

لسان العرب میں ہے،

الشرح الکشف یقال شرح فلان امرًا اِی
اوضحه وشرح مسئلةً مُشکلةً بَيَّنَّهَا، وشرح
الشيءَ یُشرِّحه شرحًا وشرحًا فَتَحَهُ بَيَّنَّهُ
و کشف وکل ما فتح من الجواهر فقد شرح
تقول شرح التامض اذا افسرته.....

... وشرح الله صدره لقبول الخیر لشرح
شرحًا فالشرح وشرحه لقبول الحق فالشرح
بات کے قبول کرنے کیلئے تو دکھل گیا، یعنی اوسکو قبول حق کیلئے

قال ابن الاعرابی: الشرح الحفظ والشرح
الفهم والشرح البیان، والشرح الفهم
ابن عرابی نے کہا: شرح کے معنی یاد رکھنا، کھونا، بیان
کرنا، سمجھنا،

قرآن مجید میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبوت کے منصب ملتے وقت دعا مانگی،

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي خَلَّلَ
عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي، (طہ-۱۰)

دعا کے پہلے جملہ میں حضرت موسیٰ نے اپنے لیے شرح صدر کی استدعا کی ہے، اور آخر میں فصاحت بیان

کی، یعنی اول میں صحیح معانی کے الفاظ اور آخر میں اُن کے لیے صحیح الفاظ کے انتخاب کی دعا ہے، تاکہ اونکی
دعوت و تبلیغ کو بخاطر سمجھ سکیں، لیکن یہ دولت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بن مانگے ملی، خدا نے فرمایا،

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ، وَوَضَعْنَا

عَنْكَ وَزَجَرْنَا، (الشہاح-۱) دیا، اور تیرے بوجھ کو تجھ سے تار دیا،

شرح صدر اور سینہ کھولنے کی جو تشریح احادیث صحیحہ میں مذکور ہے، اس کے لیے عام اصطلاح صحیحہ

کی ہے، یعنی عالم رویا یا بیداری میں فرشتوں نے اگر سینہ مبارک کو ڈھکاف کیا، اوس کو آب زمزم سے دھویا اور سونے کے طشت میں ایمان اور حکمت بھر کلائے، اور ان سے سینہ مبارک کو معمور کر کے شکاف کو برابر کر دیا، اگر یہ واقعہ اپنی ظاہر حقیقت پر محمول کیا جائے، تو بالکل کھلی ہوئی بات ہے، کہ سینہ مبارک کو واقعاً چاک کر کے اور زمزم کے پانی سے پاک و صاف کر کے ایمان اور حکمت اُس میں بھرا گیا، اور اگر تمثیل کے رنگ میں لیا جائے، تو بھی یہ حقیقت مانتی پڑے گی، کہ سینہ صافی ایمان و حکمت سے معمور کیا گیا، بہر حال شرح صدر کی حقیقت ایمان اور حکمت کی رہائی بخش ہے،

شرح صدر کے اس مذکورہ بالا معنی کو جوش صدر کے واقعہ کی تفصیل سے واضح ہے، اگر کوئی تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہو تو مجد اللہ کی تسکین کا سرمایہ بھی قرآن پاک میں موجود ہے، سورہ زمر میں ہے،

أَفَنَنْشُرَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِرَبِّهِمْ أَفَلَا يَسْلَوْنَ
بِجَاحِ اسْمِ اللَّهِ الَّذِي اسْلَمَ عَلَيْهِ لِيَكُونَ لِيَهْدِيَهُ

علیٰ ثویری مِّنْ رَبِّهِمْ (زمر- ۳)

اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشنی میں ہے،

اسلام کے لیے سینہ کے کھول دینے سے مقصود یہ ہے، کہ اسلام کی حقیقت مؤثر طریقہ سے اُس پر اس طرح ٹھل گئی، کہ اُس کو اسلام کی سچائی کا پوری طرح یقین آگیا، اور اس کو اپنے اس یقین پر کامل تسکین حاصل ہو گئی، اس کا نتیجہ یہ ہے، کہ اُس کو اپنی منزل مقصود کے ہر قدم پر اللہ کی روشنی حاصل ہے، یہی شرح صدر کی حقیقت ہے، اس روشنی کی کمی و بیشی درجوں اور منصبوں کے مطابق ہوگی،

اس سلسلہ میں حدیث کے دو ایسے موقعوں کا ذکر کرنا ہے، جن سے لفظ شرح صدر کے معنی کی پوری تشریح ہو جاتی ہے، یہاں یہ نکتہ پیش نظر ہے، کہ ان حدیثوں سے معنوی احتجاج یہاں مقصود نہیں، بلکہ صدر اَوَّل کے کلام عرب سے شرح صدر کے محاورہ کی تشریح مقصود ہے،

صحیح بخاری، صحیح مسلم، و نسائی، ابواب معراج و اسرار و فرض الصلوٰۃ و مسند احمد بروایت انس بن مالک و سنن ترمذی، تفسیر سورہ انشراح،

۱۔ پہلا واقعہ یہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب کے بعض قبیلہ زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کرتے ہیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ اُن پر فوج کشی کا ارادہ کرتے ہیں، حضرت عمر فاروقؓ اگر عرض کرتے ہیں، کہ یا خلیفہ رسول اللہ! اُن سے جہاد کیونکر ممکن ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے لا الہ الا اللہ کہا اُس نے جان و مال مجھ سے بچا لیا، حضرت صدیقؓ نے جواب دیا، خدا کی قسم! میں اُس سے لڑونگا، جو زکوٰۃ اور نماز میں فرق کرتا ہے، نماز خدا کا حق ہے، اور زکوٰۃ بندوں کا حق ہے، اگر وہ بکری کا ایک بچہ بھی جس کو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیتے تھے، اب نہ دیں گے، تو میں اُن سے لڑونگا،

قَوْلَ اللَّهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ قَدْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ
ابن ابی بکر فعرفت انہ الحق (بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ) کے سینہ کو، تو میں نے جان لیا کہ وہی حق ہے،

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ جنگ یمامہ میں قرآن کے بہت سے حافظ شہید ہوئے، اُس وقت حضرت عمرؓ نے اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مشورہ دیا، کہ قرآن پاک کو ایک ترتیب کا غدر پر کی لکھ لیا جائے، حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا، کہ میں وہ کام کیونکر کروں جس کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، لیکن حضرت عمرؓ اپنے مشورہ کے بہتر ہونے پر اصرار کرتے رہے، یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ کی سمجھ میں بھی بات آگئی، اُس موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے

فلم یزل عمر یراجعنی حتی شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ
تو عمر بار بار مجھ سے کہتے رہے، یہاں تک کہ خدا نے اس

لَذَلِكَ وَرَأَيْتُ فِي ذَلِكَ الَّذِي سَرَّحَ عَمْرٍو
کہ پے میرے سینہ کو کھول دیا، اور میں نے بھی وہی

(صحیح بخاری۔ جمع القرآن) دیکھا جو عمر دیکھتے تھے،

ان دونوں موقعوں پر فقط شرح صدر اپنے استعمال کا محل اور اپنی حقیقت کو ظاہر کر رہا ہے یہی شرح صدر ہے، جس کو قرآن نے جیسا کہ اوپر سورہ زمر کے حوالہ سے گزرا، نور بر تابی یا نور بصیرت کہا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شرح صدر کی جو وسعت عطا ہوئی تھی، اس کے سمجھنے سے پہلے بلاغت کا ایک مسئلہ سمجھ لینا چاہیے، جب کوئی نفع متعلقات کے صلہ اور مفعول کے ساتھ مقید ہو کر بولا جاتا ہے تو اُس سے معنی کی

تخصیص و تحدید ہو جاتی ہے، لیکن وہی لفظ جب تعلقات کے صلہ اور مفعول کی قید کے بغیر بولا جائیگا، تو وہ عموم کے ساتھ فعل کے ثبوت کا فائدہ دیگا، مثلاً علم (جاننا) مفعول کو چاہتا ہے، جس چیز کا علم ہوتا ہے، اوسکو عبارت میں مفعول بناتے ہیں اور اس عبارت میں اس علم سے مقصود اسی خاص شے کا علم ہوگا جسکو مفعول بنایا ہے، لیکن اگر مفعول حذف کر دین تو اُس کا مقصد کسی خاص چیز کے علم کے بجائے مطلق اور عام علم کا ثبوت ہوگا، ایک جگہ قرآن میں یَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (روم) ”وہ حیات دنیا کا ظاہری پہلو جانتے ہیں“ ظاہر ہے کہ اس علم کا تعلق صرف ایک چیز کے علم سے ہے یعنی دنیا کی ظاہری زندگی کے علم سے، عام علم سے نہیں، لیکن دوسری جگہ ہے هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُونَ ”کیا جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے (یعنی جو علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے) دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ یہاں یہ ذکر نہیں کرنا خاص بات کو جانتے ہیں، بلکہ مقصود عام علم ہے، تو یہاں معنی یہ ہونگے کہ ”جو ہر طرح کے علم والے ہیں اور جو مطلق بے علم ہیں دونوں برابر نہیں ہو سکتے“ بلاغت کی کتابوں میں هُوَ يَأْمُرُ وَيَنْهٰی هُوَ يَعْلَمُ وَيَكْفُرُ هُوَ اَخْلَقَ وَابْشَرَ کی مثالوں سے اس مفہوم کی توضیح کی گئی ہے،

اس تہید کے بعد شرح صدر کے گذشتہ استمالوں اور مثالوں پر نظر ڈالیے، ہر جگہ آپ کو یہ معلوم ہوگا، کہ جس بات کے سمجھنے کے لیے سینہ کھولا جاتا ہے، اُس پر لام آتا ہے، یا قرینہ سے سمجھا جاتا ہے، مثلاً اسلام کیلئے سینہ کھول دیا جمع قرآن کے لیے سینہ کھول دیا، مانعین زکوٰۃ کے قتال کے لیے سینہ کھول دیا، مگر حضرت موسیٰؑ اور آنحضرت صلی علیہ وسلم کے لیے قرآن میں جس شرح صدر کا ذکر ہے، اُس میں اُس بات کا ذکر نہیں ہے، جس کے لیے انبیاء علیہم السلام کے سینے کھولے گئے، اس سے یہ مقصود ہے کہ ان انبیاء کو امور دین میں مطلق اور عمومی شرح عنایت ہوئی، اور یہیں سے عام امت اور انبیاء کے فرق مراتب کا اظہار ہوتا ہے، کہ امت کے عام افراد کو خاص خاص امر کے سمجھنے کے لیے شرح صدر ملتی ہے، اور انبیاء کو اپنے دائرہ میں کلی اور عمومی حیثیت سے یہ چیز عنایت ہوتی ہے،

ایک اور لطیف پہلو بھی یہاں ذکر کے قابل ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا، اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان دونوں موقوف پر ہیں اور لاکھ ہے، حضرت موسیٰ کہتے ہیں: ”میرے لیے میرے سینہ کو کھول دیا“ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”کیا میں نے تیرے لیے تیرے سینہ کو کھول نہیں دیا؟“ سوال یہ ہے کہ ”میرے لیے“ اور ”تیرے لیے“ کے اضافہ کی ضرورت، اور اس ”لام“ کی حاجت کیا تھی؟ مفسرین میں امام زمخشری نے اس سوال کے جواب دینے کی کوشش کی ہے، اور لکھا ہے کہ یہ صرف تاکید کے لیے ہی حالانکہ یہ لام تملیک کے بجائے لام افادہ ہے، جیسا کہ خَلَقَ لَكُمْ مِمَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا میں ہے، مقصد یہ ہے کہ یہ صریح کی دولت تجھ کو تیرے لیے ملی ہے یعنی تیرے کشفِ علم کے لیے، یا تائید کے لیے، یا فائدہ کے لیے اور یہ کشفِ علم اور شرح صدر خود تیری ذات کے لیے ہے، کہ وہ کامل سے کامل ہو کر ظاہر ہو

اب آخری سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کی جو یہ عمومی شرح صدر عنایت ہوئی، اس کا کوئی اثر و نتیجہ بھی تو نمایاں ہوگا؟ تو دراصل اسی کے یہ آثار و نتائج ہیں جو ”افعال“ و ”اقوال“ اور ”احادیث و سنن“ کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں،

تبیین کتاب [آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں جس شریعت کو لے کر آئے، وہ آخری اور ابدی تھی، اور ایسی آخری اور ابدی شریعت کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ زیادہ تر زور شریعت کے کلی اور ابدی اصول و مبادی پر دے، چنانچہ اس آخری وحی الہی نے اپنی کتاب الہی کو صرف اصول و کلیات تک محدود رکھا، اور جزئیات کے لیے اپنی آیتوں میں ایسے اشارے رکھے، جن کے ہمارے سے وہ دل جو علم و معرفت سے پر نور اور حکمت سے معمور، اور شرح صدر اور تائید ربانی سے فیضیاب ہوں وہ علی قدر مراتب جزئیات کو صحیح طور سے جان لین چنانچہ یہ رتبہ سب سے پہلے خود نبی کو ملا، اور چونکہ وہ خطائے معصوم ہے، اس لیے اس کے اس منصب کے نتائج بھی خطائے محفوظ ہیں، پھر رسول کے وسیلہ سے یہ رتبہ خلفائے راشدین، اکابر صحابہ، ائمہ تابعین و تبع تابعین و مجتہدین عظام اور علمائے اعلام کو ہمیشہ کے لیے ملتا رہا، اس کا اصطلاحی نام اجتہاد ہے، جس کو ہر زمانہ کے

فیضیاب علوم نبوت اور حاملین اسرار شریعت، خدا کی دی ہوئی بصیرت کے مطابق، اس کی وحی کی روشنی میں ہمیشہ انجام دیتے رہے ہیں اور دیتے رہیں گے، یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی توضیح و تفسیر کی ذمہ داری بھی خود اپنے اوپر لی ہے، فرمایا،

لَا تَحْزَنْ بِهِ لِسَانُكَ لِنَعْمَلْ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا
تَجْمَعُهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا أَرَأَيْتَهُ فَاَتَّبِعْ قَوْلَهُ
ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ،

تو قرآن کی وحی کیساتھ اپنی زبان کو اس غرض سے حرکت
نہ دے تاکہ اس کی تلاوت و اشاعت میں جلدی کرے ہم
پر جو قرآن کو جمع کرنا اور اس کا پڑھانا، اور جب ہم نے اس کو
پڑھا دیا، تو تو اس پڑھائی کی پٹری کر، پھر ہم پر اس کی شرح

(قیامہ - ۱)

اس بیان اور شرح کی ذمہ داری کبھی بذریعہ وحی ادا ہوئی ہے، جو قرآن میں مذکور ہے، اور کبھی رسول کی تقریر و عمل سے پوری ہوئی ہے، جو عملی تو اترے منقول اور احادیث و سنن کے مستند و فہمین موجود ہے، یہ امر کہ اس بیان و شرح کی طاقت، اور اس شرح و بیان کا اختیار رسول کو خدا کی طرف سے عطا ہوا تھا، حسب ذیل آیت سے ثابت ہے،

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ
إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ، (نحل - ۶)

اور ہم نے تیری طرف یہ نصیحت (کی کتاب) اتاری تاکہ لوگوں کی
طرف جو اتارا گیا ہو، تو اس کو کھول کر بتا دے، شاید وہ سوچیں

”بیان“ اور تبیین کے لفظی معنی کھولنے اور واضح کرنے کے ہیں، اور ان کا استعمال دو معنوں میں ہوتا ہے، ایک اعلان اور اظہار کے معنی میں، یعنی اخفا کے مقابل، دوسرے توضیح و تفسیر کے معنی میں، قرآن پاک میں یہ نقطہ تبیین اپنے دونوں معنوں میں آیا ہے، اب یہ تیز کر کہ کس آیت میں کیا معنی مراد ہیں، سیاق و سباق اور موقع و محل سے ہو سکتی ہے، مثلاً ایک جگہ قرآن پاک میں ہے،

يَا هَلْ أَلِكُمُ الْقَلِيبُ قَدْ جَاءَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

اے کتاب والو! تمہارے پاس ہمارا رسول آیا، کہ تم
کی جو باتیں تم چھپاتے تھے، وہ ان کو تمہارے لیے

يَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ، (مائتہ ۳) ظاہر کرنے اور بہت سی باتوں سے درگزر سے،

یہاں تبیین صریح طور سے اخفا کے مقابلہ میں ہے، اس لیے یہاں تبیین کے معنی یقینی طور پر اظہار و اعلان کے ہیں لیکن یہی لفظ دوسری جگہ سورہ نحل میں اس طرح آیا ہے،

وَمَا أُنْزِلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ
الَّذِي اُخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً
لِّقَوْمٍ يُنْفِقُونَ، (نحل-۸)

اور ہم نے تجھے کتاب نہیں اتاری لیکن اس لیے تاکہ تو وہاں
الذی اختلفوا فیہ کی وضاحت و تشریح کی ضرورت ہے، کہ جس امر میں
اختلاف ہو، وہ اس توضیح و تفسیر کے بعد دوہو جائے، اب پہلی آیت پر غور کرنا چاہیے جو اسی سورہ میں ایک
اور مقام پر ہے،

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ
إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَفْكُرُونَ،
اور ہم نے اسے پیغمبر! تیری طرف نصیحت کی کتاب (ذکر)
کو اتارنا تاکہ لوگوں کی طرف جو اتارا گیا تو اسکو ان کیلئے
کھول کر بتا دے، شاید کہ وہ سوچیں، (نحل-۶)

سوال یہ ہے کہ اس آیت پاک میں بیان کرنے کا مفہوم ظاہر کرنے کے ہیں یا تشریح و تفصیل کرنے
کے ہیں، ہمارا دعویٰ ہے، کہ ظاہر کرنے کے بجائے یہاں غور و فکر کی مناسبت اور قرینہ کے سبب تشریح و
تفصیل کے معنی لینا صحیح ہے، امر مخفی کا اظہار سننے اور ماننے کے تو مناسب ہو سکتا ہے، مگر سوچنے کے نہیں سوچنے اور غور
و فکر کرنے کے لیے یہاں تشریح و تفصیل کی ضرورت ہے، نہ کہ اظہار و اعلان کی، اب جبکہ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
یہ تفصیل تبیین کا منصب خدا کی طرف سے ثابت ہے، تو اس تفصیل و تبیین کی پیروی اور اتباع بھی خدا ہی
کے احکام کی پیروی ہوگی، اور آپ کی تبیین و تشریح آپ کے نور حکمت کا فیضان ہوگا، جس کے انشائے
خود کتاب الہی کے اندر اسکو موجود نظر آتے ہیں،

اِذَا رَأَيْتَ | انسانی الفاظ میں یہ قدرت نہیں کہ اُن کے ذریعہ سے کوئی ایسا قانون وضع کیا جاسکے، جو ایک طرف اختلافِ فہم سے محفوظ رہے، اور دوسری طرف اُس میں یہ وسعت ہو کہ تمام آئندہ پیش آنیوالے واقعات پر جنکے جزئیات کی کوئی حد نہیں پوری طرح حاوی ہو، لیکن فہم انسانی کے اختلاف کے جو نقائص قانون میں ہوتے ہیں، گو اُن کو تا مکرور نہیں کیا جاسکتا تاہم اُن کو کم کیا جاسکتا ہے، اسلام نے اپنے قانونِ الہی سے جو بہر حال انسانی بول چال کے الفاظ میں ہے، اس اختلافِ فہم کے نقص کو کم کرنے کے لیے یہ کیا کہ اپنے رسول کی سنتِ زبانی اور علی طور سے اسکی تشریح و تبیین کرادی، گو انسانی ذرائعِ حفظ اور روایت کی فطری کمزوریوں کے سبب سے اس تشریح و تبیین میں بھی اختلافِ فہم پیدا ہو گیا، مگر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اگر یہ تشریح و تبیین نہ ہوتی تو اختلافات کی خلیج اس سے بھی زیادہ عمیق اور وسیع ہوتی،

روزمرہ کے پیش آتے رہنے والے جزئیات کے فیصلہ کی یہ صورت رکھی گئی، کہ آنحضرت صلعم کی عدالت میں روزانہ اس قسم کے واقعات اور مقدمات پیش ہوتے رہتے، اور آپ وحی کتاب کے اصول و کلیات کے ماتحت اپنے نورِ بصیرت اور فہمِ حکمت سے اُن کے فیصلے فرماتے رہتے، خلفائے راشدین نے اپنے اپنے عہد میں ان نو بنوا و تازہ بہ تازہ واقعات کے فیصلوں کے لیے اولاً وحی کتابی کو، اور اُس کے بعد آنحضرت صلعم کے ان قضایا اور فیصلوں کو جو فہمِ نبوت، نورِ بصیرت، اور ارادتِ الہی کے ذریعہ فیصل ہوئے تھے، اپنا ماخذ قرار دیا، اور یہی اصول بعد کے فقہاء اور مجتہدین نے اختیار کیا، اور ہر نئے واقعہ کو وحی کتاب، اور فیصلہ نبوی کے معصوم و مسلم معیار پر جانچ کر اُن میں سے کسی نہ کسی مماثل اور مشابہ فیصلہ پر قیاس کر کے اپنے فیصلے دیئے، اور جو چیزیں اُن میں نہ ملین اُن کو معمولی عدل و انصاف، رسم و رواج، عقل و فکر و استحسان وغیرہ کے اصول پر سمجھ کر اُن کا فیصلہ کیا، یہی مجموعہ آج فقہِ اسلامی کہلاتا ہے،

وحیِ الہی قرآنِ پاک میں ہے، اور آنحضرت صلعم کے قضایا اور فیصلے احادیث و سنن کی صحیح روایتوں میں محفوظ ہیں، وحیِ الہی کی صداقت میں تو کلام نہیں ہو سکتا، اب رہ گئی آنحضرت صلعم کے قضایا اور فیصلوں

کی پیروی، تو اس کے متعلق بھی وحی الہی ناطق ہو،

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ

بِمَا أَرْسَلَكَ اللَّهُ، (نساء۔ ۱۱۴)

ہم نے (اسے پیغمبر) تیری طرف سچائی کے ساتھ کتاب اتاری

تاکہ تو لوگوں کے درمیان جو تجھ کو اللہ سو جھائے اُسکے ذریعہ فیصلہ کرے

اس کتاب الہی کے نزول کی غرض ہی یہ بتائی گئی ہے، کہ تو اپنے پیغمبر! اس کے احکام اور قوانین کو لیکر

اُس فہم کے ذریعہ جو اللہ تعالیٰ تجھ کو سو جھائے، اور دکھائے، تو لوگوں کے درمیان فیصلہ اور انصاف کر، اللہ تعالیٰ

کا اپنے پیغمبر کو یہی سو جھانا اور دکھانا جو کچھ تھا، وہ آپ کے عمل اور قضا یا اور فیصلوں کی صورتوں میں محفوظ ہو،

اور اسلام کے قانون کا وحی الہی کے بعد دوسرا خد ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عدل و انصاف پر خود منافقین تک کو بھروسہ تھا، چنانچہ اُن کا قاعدہ تھا کہ جب اُن کا

حق کسی پر ہوتا تو وہ دوڑے ہوئے عدالت بنوی میں حاضر ہوتے، کیونکہ سمجھتے تھے کہ یہ حق آپ ہی کی عدالت

سے ہم کو ملیگا، لیکن جب اُن پر کسی کا حق نکلتا تو وہ ٹال جاتے اور دوسرے طریقے سے فیصلہ چاہتے، اس

پر اللہ تعالیٰ نے اُن کی سرزنش کی،

وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ

إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُونَ وَإِنْ يَكُنْ لَهُمُ نَذِيرٌ

يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ، أَفِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ

أَمْ هُمْ زَانِقُونَ أَمْ يَخِيفُونَ أَنْ يَخِيفَ اللَّهُ بِهِ

وَرَسُولُهُ طَبْلًا أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ

وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا

وَأَطَعْنَا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ وَمَنْ

اور جب اللہ تعالیٰ اور رسول کی طرف بلا جائیں کہ رسول اُن کے

درمیان فیصلہ کر دے، تو اُن میں سے کچھ لوگ منہ موڑتے ہیں

اور اگر ان کو کچھ حق پہنچتا ہو، تو فرمان بردار بن کر رسول کے پاس

چلے آئیں، کیا ان کے دل میں بیماری ہو، یا وہ شک ہیں

یا وہ ڈرتے ہیں، کہ خدا اور اُس کا رسول ان کے ساتھ بے انصافی

کرے گا، بلکہ وہی لوگ بے انصاف ہیں، ایمان ان کی بات

تھی کہ جب ان کو خدا اور رسول کی طرف بلا یا جا، تاکہ وہ ان کے

درمیان فیصلہ کر دے، تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا

يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشِ اللَّهَ وَيَتَّقِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ

انھیں لوگوں کو بھلا ہے، اور جو کوئی اللہ کے اور اس کے رسول کے حکم پر چلے، اور اللہ سے ڈرتا رہے، اور اللہ سے

(نور-۷) بچ کر بچے، وہی لوگ بین مراد کو پہنچے،

ان آیات سے معلوم ہوا کہ رسول کے تمام فیصلے منصفانہ ہوتے تھے، اور رسول کے فیصلوں کی اطاعت خود خدا کے حکم کی اطاعت ہے، بلکہ ایمان کی دلیل اور نشانی ہے،

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (نساء-۹)

تو تم ہے تیرے رب کی، وہ مومن نہ ہونگے، جب تک وہ تجھے اپنے جھگڑوں کا منصف نہ بنائیں، اور پھر جو فیصلہ کرے اس سے اپنا دل میں نفلی نہ پائیں، اور پوری طرح تسلیم کریں،

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ صُلًى مَبْطِئِينَ (احزاب-۵)

اور مومن مرد، یا مومن عورت کا یہ کام نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول فیصلہ کرے، تو ان کو اپنے کام کا اختیار ہو، اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلا گمراہ

ہوا،

یہ اطاعت، اور مطلقاً سرفکندگی، اور تمام فیصلوں کا قطعی حق اور منصفانہ فیصلہ ہونے کی ربانی ذمہ داری ہر حاکم وقت، اور سلطان زمانہ کے لیے نہیں، یہ انبیاء کے لیے خاص ہے، وہ شخصوں کے باہمی جزئی و شخصی مقادیر کا فیصلہ ظاہر ہے کہ خود اللہ تعالیٰ وحی قرآنی کے ذریعہ نہیں کرتا تھا، بلکہ رسول کے فہم نبوت، نور نبوت، فیض حاکمیت شرح صدر، تبیین حقیقت اور ارادت (دکھانا اور سوچھانا) کے ذریعہ فرماتا تھا۔ لیکن کلیات کی حیثیت سے وہ یقیناً وحی قرآنی کے مطابق ہوتا تھا، اور ان کلیات کے مطابق ان جزئیات کا فیصلہ خود اللہ تعالیٰ آپ کو سوچھاتا تھا،

آپ کے ان قضایا اور فیصلوں کی رضامندانہ اطاعت ہر مسلمان پر قیامت تک ضروری ہے آپ کی

زندگی کے بعد ان فیصلوں کی اطاعت یہ ہے کہ اوس قسم کے مقدمات اور معاملات میں ہم وہی فیصلے جاری کریں، جو آپ نے اپنی زندگی میں ان میں کیے، کہ آپ کے فیصلے حکم خدا غلطی سے پاک، ظلم سے بری، اور بے انصافی سے منزہ تھے، اور دنیا میں رسول کے سوا کسی انسان کو اس بے گناہی اور عصمت کا درجہ اور تہ حاصل نہیں،

رسول کا وجود مستقل ہوا جو اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو امام و پیشوا اور ہادی و رہنما فرمایا، یعنی نبوت اور وحی سے سرفراز ہونے کے بعد اون کی ذات مجسم ہدایت و رہنمائی، اور امامت و پیشوائی کے لیے خاص ہو جاتی ہے، ان کی بعثت اسی لیے ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کی رہنمائی فرمائیں، اور ان کو ضلالت و گمراہی سے بچائیں، جس امت میں مبعوث ہوتے ہیں، اُس کے سامنے ہدایت و رہنمائی کے دو چراغ روشن ہوتے ہیں، جن دونوں کی روشنی مل کر ایک ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جنھیں یہود اپنی شرارت اور سازش سے گمراہ بنانا چاہتے تھے، خطاب کر کے فرماتا ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا فِرْعَوْنَ فَأَنتُمْ لَمِنَ
الَّذِينَ أُوْتُوا الْكِتَابَ يَوْمَ ذِكْرٍ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ
لَقَدْ كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ، وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ
آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ (آل عمران - ۱۰۱)

اے مومنو! اگر تم اہل کتاب کے کسی گروہ کا کمانہ لو گے، تو وہ یہاں
لا چکے بعد تمھیں مژدہ کر کے کافر بنا دیں گے، اور تم کو کیونکر کفر
کرنا چاہیے، درآنحالیکہ تم کو اللہ کی آیتیں سنائی جاتی ہیں
اور تم میں اللہ کا رسول موجود ہے،

آیت کے آخری کلمے سے ثابت ہوا کہ کفر سے بچانے والی دو مستقل چیزیں مسلمانوں کے پاس تھیں
ایک تو آیات الہی جو ان کو سنائی جاتی تھیں، اور دوسری خود رسول کا مستقل وجود جو اپنی تعلیم، فیض،
صحبت، اور اثر سے ان کو بہکنے نہ دیگا، اور ضلالت سے مانع آئے گا، اگر صرف کتاب الہی اس کتاب کو انجام
دے سکتی تو رسول کے ذکر کی حاجت، بلکہ خود بعثت کی ضرورت کیا تھی، اس سے یہ واضح ہوا کہ اللہ کی کتاب
صامت (قرآن) اوس کی کتاب ناطق (رسول) سے مل کر اپنے فریضہ کو انجام دیتی ہے،

تزکیہ | انبیاء علیہم السلام کا عموماً اور آنحضرت صلیع کا خصوصاً ایک اور امتیازی وصف تزکیہ ہے، تزکیہ کے معنی پاک و صاف کرنے کے ہیں، نبوت محمدیہ کے اس وصف کا ذکر ان آیتوں میں ہے، جنہیں آپ کی یہ توصیف لگائی ہے، "ایک رسول جو لوگوں پر خدا کی آیتیں تلاوت کرتا ہے، اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور ان کو پاک و صاف کرتا ہے، ظاہر ہے کہ آپ کا یہ تمیز و وصف، دو پہلے اوصاف سے الگ ہے، یہ پاک و صاف کرنا، آیات الہی کی تلاوت، اور کتاب و حکمت کی تعلیم کے بعد نبی کی عملی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے، کہ آپ کی تعلیم و ترویج فیضانِ صحبت، حسنِ اخلاق، پند و معطی، اور تبلیغ و دعوت کی تاثیر سے بُرے، اچھے، بد نیک اور اشرار آشوبار بنجاتے ہیں،

انبیاء علیہم السلام کی ہر تاریخ اس واقعہ کو ظاہر کرتی ہے، کہ وہ گمراہ اور بدکار قوموں میں مبعوث ہوئے ہر طرح کی اذیتیں اٹھائیں، تکلیفیں سہیں، مصیبتیں جھیلیں، اور آخر تاریکی کو روشنی سے، جہالت کو علم سے، اور کفر کو توحید سے بدل کر رہے، اور مدت تک اُن کی تاثیر کا فیض جاری رہا، اُن کا یہ وصف تزکیہ وحی و الہام کے علاوہ اُن کے جسم و جان اور زبان و دل کی کیمیا اثری کا نام ہے، خواہ ادنیٰ زبان اوس وقت وحی الہی سے مترجم ہو یا خاموش، ہر آن آفتابِ حق کی کرنیں مطلعِ نبوت سے نکل نکل کر دلوں کی سرزمین کو روشن کرتی رہتی تھیں،

نور | اسی لیے نبوت کا سینہ، صدق و صفا کا آئینہ ہوتا ہے، نبی کا مجسم سیکرِ ظلمتِ کدہ عالم کا چراغ، اور علم و ہدایت کا مطلع انور ہوتا ہے، جس طرح اس کا صفحہ الہامی اور وحی ربانی نور ہوتا ہے، وہ خود بھی سراپا نور ہوتا ہے، جس سے اندھے دیکھتے، گمراہ راہ پاتے، اور حق کے طالب روشنی حاصل کرتے ہیں، خود آپ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا،

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَهِيدًا وَمُبَشِّرًا

اے نبی! ہم نے تجھ کو بتانے والا، خوشی سنانے والا

وَنَذِيرًا ۚ وَذَاعِبًا إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِ وَسِرَاجًا

چوکتا کرنے والا، اور روشن کرنے والا چراغ

بنامکرمیجا،

مُشْرِئًا، (احزاب - ۶)

یہ آس پاس کی چیزوں کو روشن کرنے والا چراغ خود رسولؐ کی ذات ہے، سوال یہ ہے کہ اگر آپ کے جسم و جان، زبان و دل، خلق و عمل، علم و فہم میں روشنی نہیں، تو آپ کی ذات جو انہیں چیزوں کا مجموعہ ہے، روشن چراغ کیونکر ثابت ہوگی، اور جب آپ کی ذات مبارک کی یہ تمام چیزیں انوار الہی ہیں، تو ان انوار میں ہر نور کی روشنی میں چلنا ہدایت ہے، اور ان میں سے کسی سے قطع نظر کرنا بھی ظلمت کے ایک گوشہ میں قدم ڈرنا آیات و ملکوت کی رویت | جس طرح انبیاء علیہم السلام اپنی قوت سامعہ سے ندائے غیب کو سنتے اور صدائے وحی کو سماعت کرتے ہیں، اسی طرح ان کی آنکھیں بہت کچھ دیکھتی ہیں جو عام انسان نہیں دیکھتے، حضرت ابراہیمؑ کے ذکر میں ہے،

وَكَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَلِيَكُونٍ مِنَ الْمُوَقِّنِ (انعام- ۹)

اور اسی طرح ہم ابراہیمؑ کو آسمانوں کی اور زمین کی ملکوت دکھاتے تھے، تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں ہو، استعدادِ نبوت کی تربیت اور نشوونما کے لیے یہ رویت و بصیرت کی مافوق قوت اور ان کو عطا ہوئی حضرت موسیٰؑ کو طور پر جو کچھ نظر آیا، وہ جلوہ گریٰ حق و عشق کی مشورہ کہانی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ روحانی کا تذکرہ معراج کے تعلق سے ان الفاظ میں کیا گیا ہے،

لِنُرِيَهُ مِنْ اٰتِنَا (اسرائیل- ۱)

تاکہ ہم اُس (رسول بندہ) کو اپنی نشانیاں دکھائیں،

دوسری جگہ ہے،

مَا كَذَّبَ الْفَوَاقِ مَا رَاٰ اَفْتَمُّ مَوْنَهُ عَلٰی مَا يَرٰ^ی
وَلَقَدْ رَاٰ نَزْلَةَ الْخُبْرِ (نجم- ۱)

دل جھوٹ نہیں بولا جو اُس نے دیکھا، اُس پر اُس سے جھگڑتے ہو، اور دوسری بار اُس کو اترتے دیکھا،

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی، لَقَدْ رَاٰ مِنْ اٰتِیَاتِ

نکاح نہ ہلکی، اور نہ کمرش ہوئی، اُس نے اپنے رب کی

رَبِّهِ الْكَبْرِی، (نجم- ۱)

بڑی نشانیاں دیکھیں،

ایک اور مقام پر ہے،

وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللّٰهُ
اوسکو پہنچا دے، اور اگر یہ نہ کیا تو، تو نے اوس کے پیغام پہنچانے

يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ-۱۰)
کے فرض کو کاہنیں کیا اشد جھگڑوگوں سے بچائیگا،

ان کی تبلیغ و دعوت میں تشریر اور انداز و دنوں ہوتا ہے، تشریر یعنی بشارت دینا، اور خوشخبری سنانا، اور

انداز یعنی خدا کے جلال سے ڈرانا، عذاب الہی کا خوف دلانا، اور اُن کو اودن کے انجامِ بد سے آگاہ کرنا، اور

اونکی آمد اس شان سے اس لیے ہوتی ہے کہ خدا کی حجت بندوں پر تمام ہو جائے،

رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ
یہ سب پیغمبر خوشخبری سناتے اور بشار و بیدار کرتے ہوئے آئے

لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (نساء-۲۳)
تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کیلئے خدا پر کوئی حجت نہ رہے

ان سب پیغام الہی پہنچانے کے ساتھ اپنی خیر خواہی، دلسوزی و اخلاص مندی کا اعلان کیا،

اَبْلَغَكُمْ رِسَالَتِي وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اٰمِيْنٌ
میں تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں، اور میں تمھارا

(اعراف-۹)
امانت دار خیر خواہ ہوں،

يَقُوْرُهٗ لَقَدْ اَبْلَغَكُمْ رِسَالَتِي وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اٰمِيْنٌ
اے میرے لوگو! میں نے اپنے رب کا پیغام تم کو پہنچا دیا، اور تمھاری

لَكُمْ وَلٰكِنْ لَا تُحِبُّوْنَ النَّصِيْحَتِ (اعراف-۱۰)
خیر خواہی کر چکا، لیکن تم خیر خواہوں کو پیار نہیں کرتے،

يَقُوْرُهٗ لَقَدْ اَبْلَغَكُمْ رِسَالَتِي وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اٰمِيْنٌ
اے میرے لوگو! میں نے اپنے رب کے پیغام تم کو پہنچا دیا،

لَكُمْ فَاَكَيْفَ اَسِيْ عَلَىٰ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ
اور تمھاری خیر خواہی کر چکا، تو پھر کیسے نہ ماننے والے لوگو

(اعراف-۱۱)
پر میں غم کھاؤں،

یہ بھی فرمایا کئے،

لَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِيْٓ اِلَّا عَلٰی
میں اپنی نصیحت کی تم سے مزدوری نہیں مانگتا، میری

فَطَرْتَنِيْ (ہود-۵)
مزدوری تو خدا پر ہے، جس نے مجھ کو پیدا کیا،

لَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا اِنْ اَجْرِيْ
میں اپنی تبلیغ کے بدلہ تم سے مال و دولت کا خواہاں

ایک شبہ کا ازالہ | اس سلسلہ میں ہر ایک اور غلط فہمی کو دور کرنا ہے، جو بعضوں کو حضورؐ کی صفت تبلیغ کے سمجھنے میں پیش آئی ہے۔ قرآن مجید میں متعدد آیتیں اس معنی کی آئی ہیں کہ رسول کا فرض صرف پیغام پہنچانا (البلایع) ہے، اس سے آج کل کے بعض کو تاہ بنیوں کو یہ دھوکا ہوا کہ رسول کا فرض صرف ”وحی الہی کی تبلیغ ہے“ یعنی قرآن پاک کے الفاظ کو انسانوں تک بعینہ پہنچا دینا اس کا کام ہے، اس کے معانی کی تشریح اور مطالب کی توضیح کا نہ اس کو منصب ہے، اور نہ حق ہے، اُن کے نزدیک مبلغ رسول کی حیثیت صرف ایک قاصد اور نامہ بر کی ہے، جو ایک جگہ سے دوسری جگہ خط تو پہنچا دیتا ہے، مگر اس خط کے مفہوم و معنی کی تشریح کا اوس کو حق نہیں ہوتا، بلکہ اوس کو یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ اس بند لفاظہ میں کیا ہے،

شاید اُن کو یہ دھوکا اس آیت کے علاوہ لفظ ”رسول“ سے بھی ہوا ہے، جس کے لفظی معنی پیغامبر اور قاصد کے ہیں، لیکن وہ لوگ یہ خیال نہیں کرتے، کہ جہاں اُس کو رسول کہا گیا ہے، نبیؐ (خبر پانے والا) بھی تو کہا گیا ہی، بشر (خوشخبری سنانے والا) نذیر (ڈرانے والا) سرچ منیر (روشن چراغ) صاحب حکمت صاحب خلق عظیم، صاحب مقام محمود مجتبیٰ (مقبول) مصطفیٰ (برگزیدہ) مبین (بیان اور شرح کرنے والا) معلّم (سکھانے والا) مزکی (پاک و صاف کرنے والا) داعی الی اللہ (اللہ کی طرف بلانے والا) حاکم (فیصلہ کرنے والا) مطاع (واجب الاطاع) آمر (حکم دینے والا) اونیٰ ہی (روکنے والا) بھی تو کہا گیا ہے، کیا یہ اوصاف و القاب اوس کی اسی حیثیت کو ظاہر کرتے ہیں، کہ وہ صرف ایک پیغام پہنچانے والا قاصد ہے، جس کو اصل پیغام کے مفہوم و معنی سے ایک معمولی قاصد اور نامہ بر کی طرح کوئی سروکار نہیں؟ اُس کے پیغام کے مفہوم و معنی کی تشریح و تفسیر کا آج تو ہر عربی دان کو حق حاصل ہے، اور اوسکی اصل حقیقت تک پہنچ جانے کا ہر مدعی کو دعویٰ ہے، مگر خود صاحب پیغام کو اپنی پیغامبری کے وقت نہ مفہوم و معنی کا علم تھا، اور نہ اوسکی تشریح کا اوس کو حق تھا، اِنَّ هَذَا الْعَجَاب، ہم نے پچھلے صفحات میں جو کچھ لکھا ہے اس سے

اس غلط خیال کی پوری تردید ہو جاتی ہے،

اون کے اشتباہ کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ اسلام میں شرع اور وضع قانون کا حق صرف اللہ تعالیٰ کیلئے تسلیم کیا گیا ہو کہ وہی اصلی شارع ہے، اب اگر رسول کو بھی وحی کتابی سے الگ شرع بنانے کا حق تسلیم کیا جائے تو خدا کے سوا ایک اور شارع تسلیم کرنا ہوگا لیکن اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ ہم رسول کو شارع نہیں، شارع قرار دیتے ہیں، کیا عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر جب حکومت کے قانون کی توضیح و تشریح کرتا ہے تو وہ اپنے اس عمل سے سلطان وقت بن کر وضع قانون کا منصب حاصل کرتا ہے، یا صرف قانون کے مفہوم کا شارح ہوتا ہے؟ یہی حیثیت آسمانی عدالت کے اس قاضی کی ہے، جس کو ہم نبی اور رسول اور معلم اور مبین کہتے ہیں،

دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہر پیام اور مقصد اور مفہوم اور فیصلہ سے صرف وحی کے اسی طریق خاص کے ذریعہ اپنے پیغمبر کو مطلع نہیں فرماتا، جس طریق خاص سے قرآن مجید نازل ہوا ہے، بلکہ وہ اپنی تینوں قسموں کے ذریعہ سے اپنے اغراض اُس رسول پر واضح کرتا ہے، اور ان میں سے ہر طریق کی وحی کی اعلیٰ تمام امت پر فرض ہے، خواہ وہ وحی ہو، جو الفاظ الہی کی قید کیسا تھائی ہو، جس کو قرآن کہتے ہیں، یا ربانی مفہوم و معنی رسول کے الفاظ میں ادا ہوں، جس کو حدیث و سنت کہتے ہیں، الغرض خواہ وہ کتاب الہی کے ذریعہ سے ہو، یا حکمت ربانی کے فیض سے ہو،

قرآن مجید کی وہ آیتیں جنکے معنی یہ ہیں کہ ہمارے رسول پر صرف پیغام پہنچانا ہے یہ مشائخ کہتے ہیں کہ وہ صرف پیغام پہنچانے والا ہے، خوشخبری سنانے والا نہیں، ہشیار و بیدار کرنے والا نہیں، پیغام الہی کے نفاذ سنانے کے بعد ان کی تعلیم دینے والا نہیں، آیات الہی کی تفسیر و تشریح کرنے والا نہیں، رہنما اور ہادی نہیں، نجاستوں سے پاک و صاف کرنے والا نہیں، ایسا کہ قرآن کا انکار اور عقل و فہم کا ماتم ہے قرآن میں کسی جگہ ہے،

إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ (ص، رعد، نازعات) تو تو صرف ڈر سنانے والا ہے،

ایک جگہ ہے،

إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ (ص-۵)

میں تو صرف ڈرسانے والا ہوں۔

کیا ان آیتوں کا مفہوم یہی ہو کہ ڈرسانے کے سوا، رسول کا کام بشارت اور خوشخبری سنانا نہیں، اور صرف مُنذِر ہے، مُبَشِّر نہیں، اصل یہ ہے کہ اس قسم کی آیتوں

إِنَّمَا عَلَى رُسُلِنَا الْبَلْغُ الْمُبِينُ (مائتہ ۱۲) ہمارے رسول پر صرف پیغام پہنچا دینا ہے،

کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ وہ صرف پیغام رسان اور قاصد ہے، مُبَشِّر اور شاربح نہیں، بلکہ یہ ہے کہ اس کا کام صرف خدا کا پیغام پہنچا دینا ہے، زبردستی لوگوں کے دلوں میں اس پیغام کا اتار دینا نہیں، بے زور لوگوں کو مسلمان بنا دینا نہیں، جبراً منوالینا نہیں، اور نہ پیغام پہنچا دینے کے بعد تمہارے کفر و انکار و عدم ایمان کی ذمہ داری اس پر ہے، قرآن میں جہاں جہاں اس معنی کی آیتیں آئی ہیں، اُن کا منشا یہی اور صرف یہی ہے، قرآن پاک کی تیرہ مختلف آیتوں میں یہ بات کہی گئی ہے، اور ہر جگہ یہی ایک مفہوم ہے،

۱- وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ

کتاب والوں اور اُن پڑھون سے کہدے، کیا تم نے اسلام

ءَاسْلَمْتُمْ فَإِنْ اَسْلَمْتُمْ اَفْقَدْ اهْتَدَوْا

قبول کیا، اگر کیا تو ہدایت پائی، اور اگر نہ پھیرا تو بھیر

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ وَاللَّهُ

(اے رسول) صرف پیام پہنچانا ہے، اور اللہ بندوں

بَصِيرٌ تَالْعِبَادِ (ال عمران-۲) کا دیکھنے والا ہے،

مفہوم بالکل ظاہر ہے، کہ اسلام کی ہدایت قبول کرنے میں کوئی زبردستی نہیں، اگر لوگ قبول کریں

تو انھوں نے حق کی راہ پائی، اور اگر انکار کیا تو رسول کا کام صرف پیغام پہنچا دینا تھا، وہ اُس نے پہنچا دیا اُس کا فرض ادا ہو چکا، اب خدا جانے، اور اُس کے بندے جانیں،

فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ

تو تیرا فرض صرف پیغام پہنچا دینا ہے، اور ہمارا فرض

اُن سے حساب لینا ہے،

(معد-۶)

اس کی مزید تفصیل سورہ غاشیہ میں ہے،

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ، لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّطٍ
تَوَّابٍ مُبِينٍ، تَوَّابٍ مُبِينٍ، تَوَّابٍ مُبِينٍ
إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ، لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّطٍ
تَوَّابٍ مُبِينٍ، تَوَّابٍ مُبِينٍ، تَوَّابٍ مُبِينٍ
إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ، لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّطٍ
تَوَّابٍ مُبِينٍ، تَوَّابٍ مُبِينٍ، تَوَّابٍ مُبِينٍ

یہی مفہوم سورہ شوریٰ میں ہے، کہ رسول کا کام صرف سمجھانا اور تبلیغ کرنا ہے، وہ سلطان کا فرما، داروغہ اور فرمانروا بنا کر نہیں بھیجا گیا، کہ لوگوں سے بزور اپنی بات منوالے،

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَصَلَّيْتُ لَكُمْ خَيْرًا
إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ، أَصَلَّيْتُ لَكُمْ خَيْرًا
إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ، أَصَلَّيْتُ لَكُمْ خَيْرًا
إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ، أَصَلَّيْتُ لَكُمْ خَيْرًا

کافروں نے جب بھی رسولوں کو جھٹلایا، انھوں نے یہی کہا کہ ہمارا کام پہنچا دینا ہے، ماتے نہ ماننے کا اختیار ہے،

قَالُوا مَا آتَيْنَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِثْلُنا وَمَا أَنْزَلَ إِلَيْنَا
مِنْ شَيْءٍ، قَالُوا تَكْذِبُونَ، قَالُوا تَكْذِبُونَ
يَعْلَمُونَ أَنَّا إِلَهُكُمُ لَمَّا سَأَلُوا، وَمَا عَلَيْنَا
أَلَّا نُنْزِلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ، وَمَا عَلَيْنَا

خود اللہ تعالیٰ نے بھی رسولوں کو تسلی دی ہے، کہ ان منکروں کے انکار سے دل شکستہ نہ ہو، اگلے پھر ان کے منکروں نے بھی یہی کیا تھا، تمہارا فرض ان کو منوانا نہیں، ان تک ہمارا پیام پہنچانا ہے،

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا
مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ، وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا

حَرَمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ كَذَلِكَ فَعَلَ اللَّهُ
مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ
الْمُبِينُ. (نحل-۵)

حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام کرتے، (خدا اکسا ہے کہ) ایسا ہی
کیا تھا اون کے پہلوں نے، کیا ہمارے پیغمبروں پر
پہنچا دینے کے سوا کچھ ہے؟

وَإِنْ تَكْذِبُوا فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِنْ قَبْلِكُمْ
وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (عَلَيْكُمْ)

اگر تم جھٹلاؤ، تو کیا ہے، تم سے پہلے بھی قومیں جھٹلا چکی ہیں
اور رسول پر نہیں لیکن کھول کر پہنچا دینا،

رسول کا کام پہنچا دینا ہے، باقی علام الغیوب جو چاہے سو کرے،
مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا
تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ، (مائتہ-۱۲)

رسول پر نہیں ہے، لیکن پہنچا دینا، اور اللہ جانتا ہے جو تم
ظاہر کرتے ہو، اور جو چھپاتے ہو،

بَقِيَةُ آتَيْنِ حَسْبَ ذِيلِ هُنَّ، جَوَائِبُ هِيَ مَفْهُومُ كَوَادِرْتِي هُنَّ،
وَاطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا
فَإِنْ تَكْفُرْ لَكُمْ فَاَعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ
الْمُبِينُ (مائتہ-۱۲)

اور اللہ کا فرمان اور رسول کی بات مانو اور بچو، اور
اگر تم نے منہ پھیرا تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صرف
کھول کر پہنچا دینا ہے،

قُلْ اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا
فَأَنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَإِنْ
تَطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا
الْبَلَاغُ الْمُبِينُ، (نور-۵)

کہہ دے اے پیغمبر! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو،
پھر اگر وہ منہ پھیریں، تو رسول پر وہ جو جھکا اور سپر بوجھ ہے، اور تم
وہ جو جھکا بوجھ نہیں ہے، اگر اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پائے گے،
اور رسول پر نہیں لیکن کھول کر پہنچا دینا،

كَذَلِكَ يَتِمُّ لَكُمْ بِعَمَلِهِ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُونَ
فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (نحل-۱۱)

اسی طرح اللہ تم پر اپنا احسان پورا کرے گا، تاکہ تم مسلمان ہو جاؤ، اور اگر
انہوں نے منہ پھیرا تو تم پر سوائے کچھ نہیں کہ کھول کر پہنچا دے،
اور خدا کا مانو، اور رسول کی فرمانبرداری کرو، اگر تم نے

فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِينُ (تغابن: ۲) منہ پھیر تو ہمارے رسول پر صرف کھول کر پہنچا دینا ہے،

پیغمبر کا قول ہے،

فَاِنْ كُوْنُوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَا اُرْسِلْتُ بِهٖ لَكُمْ تُو اگر تم منہ پھیر دو تو میں جو پیام دے کر تمہارے پاس بھیجا گیا

(ہی: ۵-۵) وہ میں نے تم کو پہنچا دیا، (یعنی میرا فرض ختم ہو چکا)

ان تمام آیتوں کا تعلق نبوت کے منکروں سے ہے، یہاں پر یہ نکتہ بھی لحاظ کے قابل ہے، کہ جو لوگ ہنوز نبوت کے منکر ہوں، ان سے رسول کا تعلق صرف تبلیغ و نصیحت، پند و موعظت، اور سمجھانے کا ہی، لیکن جو خوش قسمت اقرار نبوت کی سعادت کو حاصل کر لیں، تو ان کا تعلق رسول سے پھر اتباع و پیروی و اطاعت کا ہو جاتا ہے، اور اس کے بعد رسول اوس کو تبلیغ ہی نہیں، بلکہ امر و نہی بھی کرتا ہے، کوئی حکومت، دوسرے ملک کے کسی باشندہ کو زبردستی اپنی رعایا نہیں بناتی، لیکن اگر کوئی شخص از خود اس حکومت کی رعایا بن جائے تو پھر اس کے قانون کی پیروی پر زور مجبور کیا جائے گا، کہ رعایا بننے کے معنی ہی اوس کے قانون کے قبول کرنے کے ہیں،

انبیاء کی تعلیم کا امتیازی عقیدہ | دنیا میں جس قدر پیغمبر آئے، وہ ایک ہی دین اور ایک ہی عقیدہ لیکر آئے، وہی توحید و ہی نبوت، وہی عبادت، وہی اخلاق، وہی جزا و سزا، اور عمل کی پرش، اس کا طے سے انبیاء کی تعلیم میں کوئی اصولی فرق نہیں اس لیے فرمایا کہ شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصَّی بِہٖ نُوْحًا اٰیہ، یعنی خدا نے تمہارے لیے وہی دین شروع کیا، جو نوح وغیرہ دوسرے پیغمبروں کو دیا، اور اسی کا نام اسلام ہے۔ لیکن انبیاء کی تعلیم کا اہم اصول اور سب سے ضروری جز توحید ہے، اور وہی نبوت کے سوا کا اصلی اور ازلی ترانہ ہے،

ممکن ہے کہ دنیا میں اسلام سے پہلے بہت سے اچھے لوگ گذرے ہوں، اور ان کی دعوت بھی مغید ہو، ان کے اخلاقی و عظیمی دل پسند ہوں، وہ یونان کے حکیم ہوں، یا ہندوستان کے اوتار، لیکن ان کی تعلیم میں اگر توحید کی دعوت شامل نہیں، تو وہ نبوت کے رتبہ کے قابل نہیں، کہ پیغمبرانہ تعلیم کی پہچان ہی توحید کی دعوت

ہے، اگر یہ نہیں تو نبوت بھی نہیں فرمایا،

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي
اور بنے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا لیکن اونکو یہ وحی کی

إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ (انبیاء)

کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، میری ہی پرستش کرو،

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنْ اعْبُدُوا

اور ہر قوم میں ہم نے ایک رسول بھیجا کہ خدا کی عبادت

اللَّهُ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (نحل-۵)

کرؤ اور بتوں سے پرہیز کرو،

اس سے معلوم ہوا کہ تعلیمی حیثیت سے نبوت کی شناخت اسی سے ہو سکتی ہے، اسلام سے پہلے جس

نبوت کی تبلیغ کا اہم ترین جزو توحید نہیں، اسکو دعوائے نبوت کا کوئی حق نہیں،

نبوت کی غرض غایت انبیاء علیہم السلام کی آمد کی غرض و غایت کو شاعرانہ زبان، اور خطیبانہ جوش بیان میں بہت کچھ

بتایا جاسکتا ہے، لیکن یہاں مقصود یہ ہے کہ ان اغراض کو گنایا جائے، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی مبارک

کی زبان سے ادا ہوئے ہیں، اصل دعویٰ وہی ہے، جس کو مدعی ظاہر کرتا ہو، نہ کہ گواہ،

انبیاء کی بعثت کی سب سے پہلی غرض اُس روزِ است کے بھولے ہوئے ازلی عہد و پیمان بندگی کی یاد دہانی

وَإِذَا أَخَذْنَا مِنْ بُرْكَاتِكَ مِنْ تَبِيِّ آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ
اور جب تیرے رقبے بنی آدم کی پیٹھوں سے اونکی نسلوں سے

ذُرِّيَّتِهِمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَسْتُ
عہد دیا، اور اونکو خود اپنے اوپر آپ گواہ کیا، کہ کیا میں تمہارا پروردگار

بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى نَشْهَدُ نَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ
نہیں ہوں، انھوں نے کہا کیوں نہیں تو ہو، ہم نے گواہی دی

الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ (اعراف-۲۲)

کہ قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم اسکو بھول گئے تھے،

اس لیے ضرور ہوا کہ ان کو موقعِ موقع اون کا یہ وعدہ یاد دولا یا جائے،

یہی وجہ ہے کہ رسول کی بعثت کی ایک غرض یہ بھی بتائی گئی ہے، کہ اُن کا وجود بنی آدم پر تمام حجت ہو،

مکن ہو کہ آدم کے فرزند یہ بجا عذر کریں، کہ ہم کو کوئی یاد دلانے والا نہیں آیا تو فرمایا،

رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ

رسول خوشخبری سنانے والے، اور ڈرانے والے، تاکہ نہ کوئی

لِّلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (سورہ ۲۴) کی آمد کے بعد لوگوں کے لیے خدا پر کوئی حجت باقی نہ رہے

تذکیر کے بعد نبی کا فرضِ اولین ہدایت اور رہنمائی ہے، کہ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی صفتِ ہادی کے

منظر اور موردِ دہن، اسی لیے ایک آیت میں نبی اور رسول کے لیے ہادی کا لفظ آیا ہے۔ فرمایا

وَبِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (۲-۱۰۰) اور ہر قوم کے لیے ایک راہ دکھانے والا آیا،

سورہ شوریٰ میں فرمایا۔

وَأَنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (شوریٰ ۵) اور تو اے پیغمبر سیدِی راہ دکھاتا ہے،

سورہ انبیاء میں بہت سے پیغمبروں کے ذکر کے بعد ہے،

وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً يُقَدُّونَ بِأَمْثِلِنَا (انبیاء ۵) اور ہم نے ان پیغمبروں کو پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے راہ دکھاتے تھے

اسی طرح ان آسمانی کتابوں کو جو ان کو دیکھی تھیں، بار بار ہدایتی (ہدایت) کہا گیا ہے، اور کہیں

کو ضیاء اور نور (روشنی) کے الفاظ سے ادا کیا گیا ہے،

اس ہدایت اور رہنمائی کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ وہ بندگانِ الہی کو باطل کے اندھیرے سے نکال کر حق

کی روشنی میں لاتے ہیں، انسان جن فاسد خیالات، یہودہ انکار بے سود اعمال کی تاریکیوں میں پھنس کر فطری

بصیرت اور روحانی معرفت کے نور سے محروم ہو جاتا ہے، انبیاء ان اندھوں کے ہاتھ پکڑ کر ان کو ظلمات سے

انوار میں لاتے ہیں، ان کو شک کی جگہ یقین، جہل کی جگہ علم، باطل کی جگہ حق، اور ظلمت کے بجائے نور عطا کر

هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَى عَبْدٍ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ (ہی اللہ جو اپنے بندہ پر کھلی آیتیں اتارتا ہے، تاکہ وہ تم کو

يُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ (حدیدہ ۱۰) تاریکیوں سے نور میں لائے،

اس دنیا کی نجات صرف اعتدال میں ہے، جب کبھی مزاجِ انسانی کی طرح اوس کے ادنِ عنصر

میں چھنے اور اسکی ترکیب ہوئی ہے، افراط و تفریط پیدا ہوگی، روئے زمین پر فساد رونما ہوگا، انسانی جماعتوں

اور قوموں میں بھی یہ ترازو جب اعتدال کے معیار پر پوری نہ ہوگی، کبھی دونوں پہلے برابر نہ ہوں گے، آسمان

سے زمین تک ایک ایک ذرہ امتداد کی ترازو میں تلا ہوا ہے، کیمسٹری اور علم الفلک کا و افکار اس ترازو کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے، اور حیرت کرتا ہے، کہ کہیں ایک ذرہ کی کمی بیشی نہیں ہے جس طرح اس مادی دنیا میں یہ حیرت انگیز توازن ہے، ٹھیک اُسی طرح روحانی اور اخلاقی دنیا میں بھی اس توازن کی ضرورت ہے، عقائد ہون کہ عبادات، اخلاق ہون کہ معاملات، اسی توازن کا نام **حق** اور **عدل** ہے، فرمایا،

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ، وَأَقِيمُوا الزُّنْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَخْسِرُوا الْمِيزَانَ، (رحمن - ۱)

اور آسمان کو اونچا کیا، اور ترازو رکھی، کہ اس ترازو میں کمی بیشی نہ کرو، اور تول کو ٹھیک رکھو، اور ترازو کو کھٹاؤ نہیں،

یہ توازن اور برابر تول جو بے ارادہ اور بے اختیار دنیا کے ذرہ ذرہ میں اور اس کی ایک ایک حرکت اور ایک ایک کام میں خالقِ فطرت کے اندازہ اور تقدیر سے قائم ہے، یہی توازن اور برابر کا تول رسولوں کے ذریعہ آئی ہوئی میزانِ شریعت کے مطابق ذی ارادہ اور خود اختیار انسانوں کی ایک ایک حرکت اور ایک ایک جنبش میں ہونا چاہئے، بے ارادہ دنیا کی میزان کا نام **قانونِ فطرت** ہے، اور بے ارادہ دنیا کی میزان کا نام **قانونِ شریعت** ہے، بے ارادہ دنیا کا نظامِ عدل اسی خدائی میزانِ فطرت سے چل رہا ہے، اگر اس میزان میں ایک ذرہ بھی کمی بیشی ہو جائے، تو عالم کا نظام درہم برہم ہو جائے، اسی طرح انسانی دنیا کی سکینت، طمانیت، اور امن و امان کا نظام اسی میزان کے ذریعہ قائم ہو سکتا ہے، اگر یہ نہ ہو تو اس کا نظام بھی درہم برہم ہونا لازمی ہے، فرمایا،

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (حدید - ۳)

ہم نے بے شبہ اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلین دے کر بھیجا، اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری، تاکہ لوگ عدل کو قائم کریں،

انبیاء کی بعثت کی یہ غرض و غایت کہ لوگ شریعت کی میزان کے مطابق **عدل** اور توازن کو قائم کریں

اس موجودہ دنیا ہی کے نظام کی امن و سلامتی کے لیے ہے، آج یورپ کے اتحاد کی گونج نے دنیا کے گوشہ گوشہ کو پُر شور بنادیا ہے، آج رسولوں کی اہمیت اور ان کی تعلیمات کی ضرورت پر شکوک و شبہات کی نزالہ باری ہو رہی ہے، لیکن وہی و خیالی مباحث سے قطع نظر کر کے عملی حیثیت سے دنیا کی ایک ایک اقلیم، اور ایک ایک آبادی کا جائزہ لو، آج جہاں کہیں بھی سچائی کی کوئی روشنی اور حقیقت کی کوئی کرن چمکتی ہے، وہ اسی مطلعِ نور شید سے چھنکر نکلی ہے، کوئی دیندار ہو یا ملحد، خوش عقیدہ ہو یا بے عقیدہ، یونان کا حکیم ہو، یا افریقہ کا جاہل، یورپ کا تمدن ہو، یا صحارائی کا وحشی، رومی ہو یا زنگی، عیسوی ہو یا موسوی، بت پرست ہو یا موصوفہ، مسیحی ہو یا ہندو، مسلم ہو یا غیر مسلم، شہری ہو، یا دیہاتی، ہمالیہ کی چوٹی پر آباد ہو، یا زمین کی گہرائی میں کہیں بھی ہو، کوئی بھی ہو، اگر وہ اللہ کے نام کی عظمت سے واقف ہے، اور نیکی اور بدی کی تیز سے آشنا ہے، تو وہ خدائی رسولوں اور ربانی پیغمبروں کے علاوہ کس معلم کی کوششوں کا ممنون ہے؟ آج جہاں بھی عدل و میزان کا وجود ہے، وہ کسی یونانی حکیم، یا یورپین فلاسفر کی تعلیم و تصنیف و تقریر و خطبہ کا اثر نہیں ہے، بلکہ طبقہ انبیاء ہی کی بے واسطہ یا بواسطہ تعلیمات کا نتیجہ ہے، آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں کیسے ہی بدترین مبلغ سہی مگر نیکی، عدل، احسان، ہمدردی، نیکو کاری، حسنِ خلق کی تعلیم تبلیغ اور دعوتِ اویھن کی زبانوں سے ہو رہی ہے، جو رسولوں کے پیروں اور پیغمبروں کے تابع ہیں، جو عقیدہ کے ملحد ہیں، اوں کی بھی نیکو کاری اور اویھن پیغمبروں کے نادانستہ فیضانِ تعلیم کا نتیجہ ہے، اس بنا پر جو لوگ ذہنی طور سے پیغمبروں کے منکر ہیں، وہ بھی علیٰ طور سے اُن کی تعلیم کے مُقر، اور مستحق ہیں، اسی لیے انبیاء کا وجود تمام دنیا کے لیے رحمت بنکر ظاہر ہوا ہے، اور قرآن نے آسمانی کتابوں کو بار بار رحمۃ و ہدیٰ، رحمت اور رہنمائی کی غرض سے بھیجے گا جو اعلان کیا ہے، وہ تائید اسی غرض و غایت کی تشریح ہو، اور اسی لیے خاتمِ نبوت محمد رسول اللہ صلعم کی ذات والا صفات تمام عالم کے لیے رحمت بنکر آئی، فرمایا وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ، اور ہم نے تجھ کو (اے محمد) تمام دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے،

تائید و نصرت | انبیاء علیہم السلام جو مقصد لے کر آتے ہیں، خواہ کسی قدر مشکلات پیش آئیں، کتنی ہی رکاوٹیں ہوں
کتنی ہی تکلیفوں اور زحمتوں کا سامنا ہو، بالآخر وہ مقصد کامیاب ہی ہوتا ہے، پیغمبروں کی سیرت اور ادن کی
دعوت کی تاریخ، خود اس دعویٰ پر گواہ صادق ہے، قرآن نے کہا،

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ إِنَّمَا
لَهُمُ الْمُصْطَرَّوْنَ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ
الْغَالِبُونَ، (القصص - ۵)

اور ہماری بات اپنے رسول بندوں کے لیے پہلی ہی
ہو چکی ہے، کہ یقیناً انہیں کی مدد ہوتی ہے، اور ہمارے
شکر غالب ہوتا ہے،

نہ صرف اس دنیا میں بلکہ حشر کے دن بھی انہیں کو اور ان کے ذریعہ اہل ایمان کو کامیابی ہوگی،
إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ
الدُّنْيَا وَلَيُؤَيِّدُونَهُمْ أَكْثَرُ مَا يَنْفَعُ
الظَّالِمِينَ مَعَذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللّعْنَةُ وَ
لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ، (مومن - ۶)

اور بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد
اس دنیا میں کرتے ہیں، اور اُس دن بھی جب گواہ کھڑے
ہونگے، جس دن گنہگاروں کو ان کے بہانے کام نہ دیں گے
اُن پر پھٹکار ہوگی، اور اُن کیلئے برا گھر ہوگا،

پیغمبروں پر ایسے بھی سخت وقت آتے ہیں، جب اپنی قوم کے قبول ہدایت کی طرف سے پوری مدد
ہو جاتی ہو اور امید کی روشنی کسی طرف سے دکھائی نہیں دیتی، اور عذاب میں دیر ہونے کے سبب ان کے منکر یہ سمجھنے
ہیں کہ ان کو عذاب کی دھمکی جھوٹ دی گئی، تو دفعۃً امید کا دروازہ کھلتا ہے، اور خدا کی تائید و نصرت کے پرے
آتے اس طرح دکھائی دیتے ہیں، کہ صالح لوگوں کے دل قبول کے لیے کھول دیئے جاتے ہیں، اور جاندار
پر کسی نہ کسی طرح عذاب اگر ان کا استیصال ہو جاتا ہے، فرمایا،

حَتَّىٰ إِذَا اسْتَأْذَنَ الرُّسُلُ وَظَنُوا أَنَّهُمْ
قَدْ كُذِّبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا، (یوسف - ۱۲)

یہاں تک کہ جب پیغمبروں کو (اپنی قوم کے ایمان سے) مایوسی
لگی اور ان کے منکر دن کو یہ خیال ہو گیا کہ انہیں جھوٹ کہا گیا، تو

اللہ تعالیٰ کی اسی تائید و نصرت اور حفاظت دعوت کا یہ یقین ادن کو ہوتا ہے، کہ وہ ہر مشکل کو اس رُ

میں جھیل لیتے ہیں، اور اپنے سروں کو ہتھیلیوں پر لیے پھرتے ہیں، مخالفوں کی فوج دشکریغ و خجراور خوف و
 خطر کے باوجود اپنی دعوت و تبلیغ کے فریضہ سے باز نہیں آتے، اور کسی دام پر بھی مخالفوں سے صلح پر آمادہ نہیں
 ہوتے، منکروں کو شروع شروع میں اُن کی ظاہری بچاگی اور تنہائی کو دیکھ کر اُن کی ناکامی کا گمان ہوتا ہے،
 لیکن اللہ تعالیٰ اُن کے سوء ظن کی تردید کر کے فرماتا ہے،

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفًا وَعْدًا رُسُلُهُ، سو تو مت خیال کر کہ اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی

(ابراہیم - ۷) کرے گا،

ازل کے دن ہی یہ قانون بن چکا ہے، کہ سچائی کے ان پکارنے والوں ہی کی آخر حیت ہوگی،

كَتَبَ اللَّهُ لَا أُغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي (مجادلہ - ۳) اللہ لکھ چکا کہ میں ہی غالب ہو گا، اور میرے رسول،

غافلہ اس تفصیل اور تشریح سے مقصود ناظرین کو نبوت کے اصلی کمالات کا ایک جلوہ دکھانا تھا،

فلسفی را از پیرو شناس آگینہ را ز گوہر و شناس

آگینہ را نہ پسنداری بدست جزو میکہ گوہرے آری بدست

چون گہر آمد بدست شب چراغ آگینہ شد سیہ چون پر زراغ

فلسفی اندر بُن چاہ نژند زرد بان دارد بخور شید بلند

زرد باش می برد تا چندارش پس بچاہ افتد نگون گشتہ سرش

دان پیمر خود ز بام آسمان رشتہ افکنده سوئے خاکیان

رشتہ جان را بدین رشتہ تاب پس بر آ، تا بارگاہ آفتاب

ز آسمان پیغمبر آواز ت دہد فلسفی از خاک پرواز ت دہد

این ز دورت رہنماید سو جان دان بخواند خود ترا از کوئے جان

شبِ ظلمت

پیغمبرِ اسلام کی بعثت کے وقت دنیا کی مذہبی اور اخلاقی حالت

اگر یہ سچ ہے، کہ دنیا کی ہر شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے، بارش کی خشکی سخت مہلک کے بعد ہی زیادہ خوشگوار معلوم ہوتی ہے، روشنی کی پوری قدر شبِ تاریک ہی میں ہوتی ہے، اور فضا جس قدر تاریک ہو، بجلی کی چمک اتنی ہی زیادہ درخشان نظر آتی ہے، تو اس میں شبہ نہیں کہ ہر اصلاحی تحریک کی وقعت اور عظمت کے جانچنے میں یہ کاٹ رکھنا چاہیے، کہ دنیا اس وقت کتنی گمراہی میں مبتلا اور اصلاح کی محتاج تھی، اور ایسی اصلاح کی محتاج تھی جس کے لیے پیغمبرانہ دست و بازو کی حاجت تھی، اور وہ بھی ایک ایسے پیغمبر کے دست و بازو کی جس کے متعلق خود خدا یہ فرما سکے،

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ
يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (فتح - ۱)

جو تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں، وہ خدا کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں، اور ان کے ہاتھوں کے اوپر خدا کا ہاتھ ہے،

اسلام یا محمد رسول اللہ صلعم کے پیغام اور تعلیم کے متعلق ہمارا یہ دعویٰ ہے، کہ وہ دنیا کی ایک عظیم الشان روحانی و اخلاقی معاشرتی دعوت تھی، اس بنا پر ہمیں دیکھنا چاہیے، کہ ظہورِ اسلام کے وقت دنیا کی کیا حالت تھی؟ اُس وقت کی دنیا کے متعلق اگر یہ کہا جائے، کہ وہ ایک ایسا کرہ ارضی تھا، جس پر آفتاب نہیں چمکتا تھا، تو بالکل سچ ہوگا، تمام دنیا میں سچے اور صحیح عقیدہ کا کمینہ وجود نہ تھا، توحید کی روشنی سے دنیا کا ذرہ ذرہ محروم تھا، مصر، یونان و روم میں، سورج، چاند، اور مختلف تیاروں اور ستاروں کی خدائی تھی، انھیں کے معبود تھے، اور ان کے ناموں پر بے گناہ انسانوں اور جانوروں کی قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں، ہر جگہ پتھر کی مور تون اور مٹی

کی صورتوں اور سونے چاندی اور جواہرات کے بتوں کی پوجا کی جاتی تھی،

اس وقت کی دنیا میں اخلاق کے تین معلم تھے، رواقی، عیسائی اور بودھ مت کے پیرو اور یہ تینوں کے تینوں تجربہ، رہبانیت، اور جوگی پن میں مبتلا ہو کر اس طرح غصہ معطل ہو گئے تھے کہ دنیا کا دست تہ تی شل ہو کر رہ گیا تھا، اور ایسی سخت سنگد لائے ریاضتوں کو نیکی اور عبادت کا مراد سمجھ رکھا تھا کہ آج انکی تفصیلات سننے سے بھی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں،

یہ سچ ہے کہ مسیح نے چھ صدی قبل تزکیہ نفس کے کچھ درس دیئے تھے، لیکن مدت ہوئی، دنیا اس سبق کو بھلا چکی تھی، یہ بھی سچ ہے کہ موسیٰ نے اس سے بھی پیشتر ہدایت و نجات کی ایک شمع جلائی تھی، لیکن قنوں اور ہنگاموں کی آندھی میں یہ چراغ طور بھی جل کر گل ہو گیا تھا، اور پھر یہ بھی سچ ہے، کہ مدت مدید ہوئی کہ زرتشت نے روحانیت کی آگ سلگائی تھی، لیکن یہ شعلہ بھی انسانی خون کی چھینٹوں سے سرد ہو چکا تھا، یہ بھی سچ ہے کہ اس کے بھی پہلے بودہ نے آریہ ورت کے پہاڑوں اور غاروں میں روح کا دارالامن ڈھونڈ نکالا تھا، مگر حوادث کے طوفان نے ان پہاڑوں کو بے نام و نشان صحرا، اور ان غاروں کو درندوں کا بھٹ بنا دیا تھا، ہر قوم دوسری قوم سے برسر پیکار اور ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے خون کا پیاسا تھا، حرص و طمع اور کشت و خون کی گرم بازاری تھی، نفس انسانی کی ملکوٹی طاقت جذبات خبیثہ کے دیوتا کے سامنے پامال ہو چکی تھی، عدل رستی اور پاکبازی و پارسائی کے عطر معبر کی خوشبو انسان کے جائنہ خاکی سے اڑ چکی تھی، توحید اور خدا پرستی کا نور دیوتاؤں، دیسیوں، ستاروں، شہیدوں، ولیوں، اور مجتہدوں کی پرستش کی مالگیر تاریکی میں چھپ گیا تھا، غرض دنیا کے حالات ہر طرح سے اس ضرورت کے متقاضی تھے، کہ کوئی عالم کا مصلح، اخلاق کا معلم، حق کا داعی، کوئی نجات دہندہ، آخری بار وجود میں آئے، اور وہ انسانیت کے شیرازہ میں، جو عرصہ دراز سے پرگندہ و منتشر ہو رہا تھا، چلنم و انتظام پیدا کر دے، اور روحانیت و خدا پرستی کے خزان رسیدہ باغ کو از سر نو پر بہار بلکہ سدا بہار اور دنیا کے ظلمتکدہ کو پھر مطلع انوار بنا دے،

یہ اس عہد کی دنیا کی حالت کا ایک اجمالی خاکہ تھا تفصیل کے لیے ہمیں مختلف قوموں اور ان کے مذہبوں کی تاریخ پر ایک ایک کر کے نظر کرنی چاہیے،

ظہور اسلام کے وقت دنیا کی تمدنی اور مذہبی حالت کیا تھی؟

مختار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت مصر یونان، کلدانیا، اسیریا، اور بابل کی عظمت، افسانہ پارسیہ بن چکی تھی، خود عرب و مضافات عرب میں جو نامور حکومتیں کبھی تھیں مثلاً

نابتی، جمیری، سبائی وغیرہ مدت گزری کہ ان کا خاتمہ ہو چکا تھا،

اس موقع پر صرف یہ دیکھنا مقصود ہے کہ صبح سعادت کے طلوع کے وقت میں کون کون تو میں دنیا

پر حکمران تھیں اور ان کی مذہبی و اخلاقی حالت کیا تھی، اور دنیا کے مذاہب اس وقت کی روحانی حالت کے

سنجھانے کی کہاں تک استطاعت رکھتے تھے، اس وقت روئے زمین کی اہم طاقتیں دو ہی تھیں فارس

اور روم، فارس کا مذہب مجوسیت تھا، جس کا دائرہ عراق سے لیکر ہندوستان کی سرحد تک محیط تھا، اور روم

کا مذہب عیسوی تھا، جو یورپ، ایشیا اور افریقہ کے تینوں براعظموں کو گھیرے تھا، لیکن مذہبی حیثیت سے دو اور

قومیں بھی ذکر کے قابل ہیں، چین سے ہر ایک کو اپنی اپنی جگہ قدامت کا دعویٰ ہے، اور وہ یہود اور

ہندو ہیں،

جو فارس

عرب کی پہلی ہمسایہ سلطنت فارس تھی، جس کے تمدن کا ستارہ ایک زمانہ میں اوج کمال پر تھا

مگر عہد بعثت سے سو ڈیڑھ سو برس پہلے سے ساسانی شان و شوکت اور کیانی جاہ و جلال مٹتے مٹتے سایہ سا گیا تھا

مسلل بنا و تون، سفاکانہ خونریزیوں اور سیاسی بد امنیوں نے اس کو تہ و بالا کر دیا تھا، بادشاہوں کے ظلم و

ستم اور امراء کی غیاشیوں اور خود غرضیوں نے صداقت، اخلاص، اور ہر قسم کے اخلاقی جوہر کو جن کے خمیر سے

قوم کی زندگی تعمیر ہوتی ہے، فنا کر دیا تھا،

ایران میں بابل کے اثر سے ستارہ پرستی بہت عام تھی، اسی کا اثر ہے کہ فارسی لٹریچر میں افلاک اور

ستاروں کی کار فرمائی آج تک نمایاں ہے، زردشت نے اس تاریکی میں اپنی آگ روشن کی، اور نور و

ظلمت یا خیر و شر کے دو خالق یزدان و اہرن اُسکے دو خدا اور اگ اوسکی مسجد بنی، اسلام سے کچھ صدیاں پیشتر ہی نے مسیحیت اور مجوسیت کی آمیزش سے مذہب کا ایک نیا مرقع تیار کیا تھا، جس میں نور و ظلمت کے فلسفہ کا ایسا گورکھ دھندلایا تھا جس سے اخیر آخر تک اس قوم کو نکلنا نصیب نہ ہوا، اوسکی تعلیم یہ تھی کہ دُنیا سے گونہ گیری کر کے اُس کو دیران و برباد اور ترک و دلج سے نسل انسانی کو منقطع کر دیا جائے، تاکہ بدی کا خاتمہ ہو جائے۔
 اخلاقی حیثیت سے حرّات کا وجود ہمیشہ اُن کے ہاں مختلف فیہ رہا، باپ کا بیٹی کو، اور بھائی کا بہن کو اپنی زد میں لیسنا وہاں کوئی غیر معمولی بات نہ تھی، یہ سنکر کس قدر حیرت ہوگی، کہ یزدگرد ثانی جو پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں وہاں کا بادشاہ تھا، اس نے اپنی بیٹی سے اپنا عقد کیا، اور پھر اوس کو قتل کر ڈالا، عورتوں کو اس قسم اور اس مذہب میں جو حیثیت حاصل تھی، وہ اُن افسانوں اور مقولوں سے ظاہر ہے، جو ایرانی ادبیات کا اب بھی جزو ہیں، اور جو شاہنامہ کے اوراق میں اب بھی ہر شخص کو نظر آسکتی ہے، عورتوں کی بیوفائی، بغضانی اور اُن پر عدم اعتماد پرانے ایرانی تمدن کا سب سے بڑا جزو تھا۔

سلاطین اور امراء درجہ بدرجہ رعایا کے خدا اور دیوتا تھے جن کو سجدے کیے جاتے تھے، اون کی اہمیت کے گیت گائے جاتے تھے، اون کے دربار میں کوئی بیٹھ نہیں سکتا تھا، اون کے خلاف کوئی کشتابی جرات نہیں کر سکتا تھا، اُن کے جرائم پر اُن کو سزا نہیں دی جاسکتی تھی، رعایا اُن کے مظالم کے سامنے دم نہیں مار سکتی تھی،

ملک کا بڑا حصہ رومی عیسائیوں کی دائمی جنگ و پریشان حال تھا، اور گرجاؤں اور آتشکدوں کی باہمی آویزش کا غیر ختم سلسلہ قائم تھا، جب رومی فاتح ہوتے، تو آتش خانے ٹوٹ کر کلیے بن جاتے، اور جب ایرانی

۱۔ کتاب الفہرست ابن ندیم ذکر مانی، و کتاب البیرونی تاریخ مقدسی فرقہ مانویہ ۱۵۰ تا پنج غر اخبار الفرس ثعالبی، مطبوعہ پیرس صفحہ ۵۰۲، ۱۵۱ ایضاً صفحہ ۲۰۱، ابو داؤد دین ہے کہ حضرت عیسیٰ نے اپنے زمانہ میں حکم دیا کہ جو سیرن کو اس فصل شبنم سے باز رکھا جائے (کتاب الخراج والامارۃ والحق جلد دوم صفحہ ۲)
 ۲۔ مورخون کی تاریخ عالم ج ۸ ص ۸۴۔ ۱۵۰ غر اخبار الفرس ثعالبی، صفحہ ۵۰۲ پیرس،

غالب آتے، تو کلیسے ٹوٹ کر آفتاب دیوتا کے معبد اور آتش خانے تعمیر ہو جاتے، یہودیوں کو جو مظالم توڑے جاتے اُس کا ایک مختصر ساقشہ توراۃ کے قصبہ ایسترین نظر آتا ہے، اور بعد کو مفتوح عیسائیوں پر وہ جس جس طرح ظلم کرتے تھے، اوسکی تفصیل گین کے اوراق میں منتشر طور پر ملے گی،

بعثت سے پہلے جہان بانی کا قرعہ قباد اول بن فیروز کے نام پڑا، بیرونی حملوں اور اندرونی بد نظمیوں کا سلسلہ روز بروز بڑھتا گیا، آخر رعایا نے قباد کو قید کر دیا، قباد نے قید خانہ سے بھاگ کر تاتاریوں کے پاس پناہ لی، اور ان کی اعانت سے دوبارہ تاج حاصل کیا لیکن ملک پر اس سے بھی زیادہ مصیبت یہ نازل ہوتی ہے کہ اس کے عہد میں مزدک نام ایک شخص پیدا ہوتا ہے، جو اس امر کی تعلیم دیتا ہے، کہ دولت اور عورت کسی خاص شخص کی ملک نہیں، بلکہ اُن کو تمام جماعت میں مشترک ہونا چاہیے، چنانچہ ایک شخص کی بیوی مزدک کے عقائد کی رو سے، ہر شخص کے ساتھ ہم بستر ہو سکتی تھی، عیش پرست اور ہوس ران امراء اور عوام دونوں نے اُس کو خوشی خوشی قبول کیا، اس مذہب نے بہت جلد شاہی سایہ میں ترقی حاصل کی، اور خود قباد نے اس دین کی ترویج و اشاعت میں نمایاں حصہ لیا، قوم کی اخلاقی حالت پر اس تعلیم کا جو اثر پڑ سکتا ہے، وہ ظاہر ہے نتیجہ یہ ہوا کہ سارا ملک عیش پرستی اور ہوس رانی کے نشہ میں سرشار ہو گیا،

۵۳۱ء میں قباد کی جگہ خسرو نوشیروان نے لی، ایرانیوں میں اس کی عدل پروری اب تک مشہور ہے مگر اس کو یہ مبارک لقب اپنے عزیزوں اور افسروں اور ہزاروں بے گناہوں کے قتل کے بدولت ملا، مزدک کی فتنہ کو اُس نے تلوار کے زور سے دبانا اور کیشِ زردشتی کو دوبارہ فروغ دینا چاہا، مگر خود اُس کا بیٹا نوشیروان شہنشاہ کی پرستی کی طرف مائل تھا، اس کے پاداش میں قید ہوا، اور قید سے بھاگ کر ایک عیسائی فوج لے کر زردشتیوں سے صفت آرا ہوا اور مارا گیا،

۵۹۰ء میں نوشیروان نے وفات پائی، اور ایران کا تخت، ہرمز چہارم کے حصہ میں آیا، اغیار کی

دست انداز یون کیساتھ، اندرونی نظمی اور باہمی خانہ جنگی، بادشاہوں کی متنافس شکاری، امرا کی عیش پرستی اور عوام کے اخلاقی انحطاط میں برابر ترقی ہی ہوتی گئی، یہاں تک کہ ۳۳۰ء میں جاہدین اسلام کی فتنہ زری کے طوفانی مصر کے سامنے ملک فارس کی پٹنماتی ہوئی شمع ہمیشہ کے لیے بجھ گئی،

اوپر کے بیانات سے معلوم ہوا ہوگا کہ ایران کی سرزمین فتنہ توحید سے کبھی گوش آشنا نہیں ہوئی، اخلاق کے متعدد ابواب بین جواہر کے آئین میں کبھی داخل نہیں ہوئے، یزدان و اہرمین، نور و ظلمت اور خیر و شر کی بھول بھلیوں نے ان کو ہمیشہ سرگردان رکھا، حکومت اور شاہی کے متعلق ان کا تخیل خدائی کا ہر تہ تھا، اسلام و فارس کی جنگ میں مغیرہ بن شعبہ مسلمانوں کی طرف سے سفیر بنکر جب سپہ سالار ایران کی بارگاہ میں گئے، اور آزادی کے ساتھ جاکر برابری سے بیٹھ گئے، تو ایرانی امیرون کو اس میں اپنے نائب السلطنہ کی توہین نظر آئی، اور ان کو سامنے سے ذلت کے ساتھ اٹھا دیا، انھوں نے جواب میں کہا: ہم عربوں کا یہ دستور نہیں کہ ایک خدا بنکر بیٹھے اور دوسرے اس کے سامنے غلامی اور بندگی کریں۔

انحضرت صلعم کی ولادت سے تقریباً ڈیڑھ صدی پیشتر سے ایران میں جس قسم کا سیاسی انحطاط شروع ہو گیا تھا، وہ روز بروز بڑھتا ہی گیا، اس سے بخوبی واضح ہوتا ہے، کہ فارس کے روحانی آئینہ میں اب زندگی کی کوئی چنگاری باقی نہیں رہ گئی تھی، اسی لیے جب اسلام کا نور طلوع ہوا، تو اس کے شیعہ کے لیے کوئی دوسرا پردہ پنج میں حائل نہ ہوا، سر جان ملکہ جن کا مسیحی تعصب، عساکر اسلامی کو ان کی زبان سے "فرقان عرب" کا لقب دلاتا ہے، فتح فارس کے متعلق حسب ذیل رائے دیتے ہیں:-

یزدجرد ثالث کا عہد حکومت اس لیے یادگار ہے کہ اسی زمانہ میں فارس کی تسلیم شہنشاہی

کا تختہ برہنہ بن "سوسا خوارون" کے ایک بستہ نے الٹ دیا کہ اسی تھقیر امیر لقب کیساتھ عرب قبل

کے یہ مغرور ہمسایہ ان کا ذکر کرتے تھے، اس انقلاب عظیم کی علت کوئی عمومی سبب نہیں ہو سکتا

(مسلمان) فارسی مورخین، کچھ تو اپنے حب وطن اور کچھ اپنی دہم پرستی کی بنا پر اس واقعہ کو ایک معجزہ عظیم خیال کرتے ہیں، جس کے ذریعہ سے خدا نے محمدؐ کی صداقت کو ظاہر کر دیا، لیکن جو لوگ دنیاوی حیثیت سے اس واقعہ پر غور کرتے ہیں، انھیں فوراً نظر آجاتا ہے، کہ فارس کی ایسی سلطنت، جو عیش پرستی کے ہاتھوں لالچ و خفیت ہو چکی ہو، حسین اندرونی منافقات کے باعث بد نظیمان پھیلی ہوئی ہوں، جو بیرونی محاربات سے یکسر خستہ و ناتوان ہو، اور جو اپنی کبر سنی اور تقاہت سے غرور وال کی جانب خمیدہ پشت ہو، اس کے لیے پرجوش قزاقان عرب کی مدافعت کرنا سخت دشوار تھا۔

مگر سوال یہ ہے کہ پاک نژاد ساسانیوں کی خشکی و ناتوانی، تقاہت و کمزوری "قزاقان عرب" ہی کی ترقی کی کیوں تہید بنی؟ کیا نئے عربوں کے پاس اس سے زیادہ سامان جنگ اور سپاہی تھے، جو عراق و ایران کے اخیر اخیر معرکوں میں بھی ایرانی عربوں کے مقابلہ میں لاتے رہے؟ واقعہ یہ ہے، کہ زرتشت کی آگ میں آب گرمی نہیں باقی رہی تھی، نور ظلمت، خیر و شریکی و بدی کے فلسفہ نے ایران کی ہر قم کی علی طاقت فنا کر دی تھی، "یزدان" اور "اہرمین" کی دو علی حکومت نے روحانی امن و امان کی سلطنت برباد کر دی تھی، بیسیوں چھوٹے بڑے فلسفیانہ مذہبی فرقے پیدا ہو گئے تھے، جنہیں سب سے اہم مانوی فرقہ تھا، جو عیسائیت اور مجوسیت کا بھون کرب تھا، آخر میں مزدکی فرقہ کی ہیمنانہ تعلیم نے ایران کی اخلاقی رُوح کو اور بھی موت کے قریب کر دیا، نوشیروان نے تلوار کی نوک سے اس فتنہ کو دبا دیا، اور اس کے صلہ میں بادشاہ عادل و دادگر کا خطاب بھی پایا، تاہم ایران کی روحانی زندگی ان خون کی چھینٹوں کے بعد بھی اسی طرح تشنہ لب رہی، جس طرح پہلے تھی، اور منتظر تھی کہ دنیا کے خشک صحرائے عرب سے چشمہ ابل کر ادھر آئے تو وہ اپنی پیاس بجھائے،

عیسائی روم | آغاز اسلام کے وقت جس قدر ایران کی جہانی و روحانی شہنشاہی کے اوراق منتشر و پراگندہ تھے،

روم کی قبائے سلطنت اس سے کچھ کم کرم خوردہ نہ تھی، حالانکہ یہ وہی رومۃ الکبریٰ ہے جو یونان کے زوال کے بعد دنیا کی سب سے بڑی سلطنت سمجھی جاتی تھی اور جس کے ایک تاجدار جو لیس سیزر کا نام ہمیشہ کے لیے قیصر کی صورت میں بادشاہ و شہنشاہ کا مردونہ بن گیا، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی سلطنت میں مبعوث ہو کر دنیا کو امن و سلامتی کا پیام سن کر رخصت ہوئے، اُن کے رفع و صعود کے بعد ہی اُن کے شاگردوں میں فرقہ آرائیان شروع ہوئیں، اور بالآخر پال نے جو ایک نو عیسائی یہودی تھا، اس طرح عیسائیوں پر غلبہ پایا کہ اس کے بدعات کی خاک میں اصلی عیسویت ہمیشہ کے لیے دفن ہو گئی، اور باپ، بیٹے، روح القدس کا مشرکانہ عقیدہ اس میں داخل ہو گیا، اور توراۃ جس کا کوئی نقطہ خود حضرت عیسیٰ بھی مٹا نہیں سکتے تھے، وہ اُن کی روحانی شاگردی کے مدعی (پال) کے ہاتھوں ہمیشہ کے لیے لعنت قرار پائی، ۳۲۰ء میں رومی سلطنت کے مشرقی و مغربی دو حصے ہو گئے، مشرقی حصہ کے تاجدار قسطنطین اعظم نے عیسائی مذہب اختیار کیا، اور رفتہ رفتہ پوری رومی حکومت میں یہ مذہب پھیل گیا، مگر درحقیقت اُس مشرقی تاجدار روم کے اس قبول مذہب کا جذبہ اخلاص و صداقت سے زیادہ سیاست اور سلطنت کی مصلحت پر مبنی تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ اب باپ، بیٹے، اور روح القدس کی تثلیثی الوہیت میں ہر نیا ملک جو فتح ہوتا، اس کا دیوتا کسی نہ کسی نام اور رسم سے اس مذہب میں شامل ہو جاتا، تخت سلطنت کے غیر متوقع حصول نے مذہبی خاکساروں میں یہ حوصلہ پیدا کر دیا، کہ کلیساؤں نے مذہبی شہنشاہی کا خواب دیکھنا شروع کر دیا، اس کے لیے عقائد کی وہ لڑائیاں کھڑی کی گئیں، کہ شاہانہ سایہ میں بیٹھ کر بھی کونسلوں نے خدا کے دین کا خاکہ تیار نہیں کیا، اتحاد اور اجتماع کی ہر نئی کوشش نئی مذہبی تفریق کا پیش خمیہ ثابت ہوئی، اور ایک عیسوی مذہب ایک صدی کے اندر اندر عیسویوں فرقوں میں تقسیم ہو گیا،

۳۳۷ء میں قسطنطین کی وفات پر مذہبی خانہ جنگیوں کے ساتھ ساتھ رومیوں کی سیاسی خانہ جنگیوں کی زیرِ خاکستراگ بھی زور و شور سے شعلہ زن ہوئی، اچان سلطنت میں مختلف گروہ بندیان ہو گئیں، اور با

نفاق اور فتنہ و فساد کا بازار گرم ہو گیا، بالآخر سلطنت روم مختلف صوبوں میں تقسیم ہو کر مختلف مملکتوں میں
 کے حصے میں آئی، ناقابل فرمان روادوں کی کمزوری دیکھ کر ایک طرف، گوتھ، وندال، وغیرہ بعض وحشی قوموں نے
 حملے شروع کئے، اور دوسری طرف خود دور افتادہ صوبوں کی رعایا بناوٹ پر آمادہ ہو گئی، نتیجہ یہ ہوا، کہ پانچویں
 صدی عیسوی کے آخر میں سلطنت روم کا مغربی بازو، جو برطانیہ، فرانس، وغیرہ پر مشتمل تھا، بالکل کٹ گیا، اور
 خود روم کا دار الحکومت دشمنوں کے حملے سے محفوظ نہ رہ سکا، اس وقت، یعنی پانچویں صدی کے پچھلے تین لوگوں
 کو صاف نظر آ رہا تھا کہ ان کے مورث اعلیٰ نے بارہ گرگون کو خواب میں دیکھا تھا، اور جس کی بنا پر اس زمانہ
 کے کاہنوں نے یہ پیشین گوئی کی تھی، کہ یہ سلطنت بارہ صدیوں تک قائم رہے گی، اب اس پیشین گوئی کے پورا
 ہونے کا وقت آگیا، مورخ گین اس زمانہ کی تصویر ان نقطوں میں کھینچتا ہے،

”اس پیشین گوئی نے جس پر اس قوم نے اپنے عروج و اقبال کے زمانہ میں کبھی اعتنا بھی نہ
 کیا تھی، اب بارہ صدیوں کے خاتمہ پر جب کہ ہر طرف سے ذلت و بد قسمتی کا سامنا تھا، اہل روم کو
 یاس آمیز جذبات سے پر کر دیا،..... لیکن ان کے زوال کی علامتیں گرگون کے خواب سے
 زیادہ واضح و نمایان موجود تھیں، رومن حکومت، مخالفین کی نظروں میں روز بروز زیادہ
 کمزور اور خود اپنی رعایا کی نظر میں زیادہ ظالمانہ اور ناقابل برداشت ہوتی جاتی تھی، کھلی
 جتنی زیادہ ضروری ہوتی جاتی تھی، اسی نسبت سے اس کی جانب سے بے اعتنائی، بڑھتی جاتی
 تھی، اور جس نسبت سے رعایا کے مصائب روز افزوں تھے اسی نسبت سے ان میں فتنہ ہوتا جاتا تھا۔“

امراء نے اپنے مصارف کا بار بھی عام رعایا پر ڈالنا شروع کیا، جس کے باعث وہ اپنی قلیل آمدنی سے
 بھی محروم ہو گئی، اس کی عدم ادائیگی کی صورت میں رعایا پر اس قدر جبر کیا جاتا تھا، کہ اس کے دل میں حکومت

کی طرف سے نفرت و عداوت پیدا ہو گئی، یہاں تک کہ وہی رومن قوم جو کبھی اپنے اس لقب پر فخر کرتی تھی اب اپنے کو اس قوم کی طرف منسوب کرتے شرمانے لگی، اور رومن حکومت پر ہر وحشی سی وحشی سلطنت کی محکومیت کو ترجیح دینے لگی، امرا، وزراء اور سلاطین خود اپنی ناما قبوت اندیشیوں سے رعایا کو اپنا دشمن بناتے، اور جب بغاوت ہوتی تو فوج کشی کرتے، اور ناکام رہتے، غرض اندرونی بد نظمیوں سے ملک کی یہ ذلت پہنچ گئی تھی کہ گین کے الفاظ میں

”اگر اس وقت روم کے تمام بیرونی وحشی مخالفین فنا بھی ہو جاتے تو ان کی مجموعی معدومیت

بھی سلطنت کے مغربی بازو کو زوال و بربادی سے نہیں بچا سکتی تھی۔“

پانچویں صدی کے خاتمہ پر مغربی حصہ کے نکل جانے کے بعد، مشرقی صوبوں تک یعنی ڈینیوب سے لیکر جبلہ و نیل تک کی سرزمین، روم کے ماتحت رہ گئی تھی، لیکن اس کی حالت بھی روز بروز نازک سے نازک تر ہوتی جاتی تھی، مورخین کا بیان ہے کہ رومن فوج کی مجموعی تعداد جو ایک زمانہ میں ۶۵۰۰۰ تھی، اب شاہ جسنین کے زمانہ میں (یعنی ۵۲۷ء) گھٹ کر ایک چوتھائی سے بھی کم یعنی کل ۱۵۰۰۰ رہ گئی تھی، اور وہ بھی نہایت متفرق و ابتر حالت میں، رعایا کی جبین خالی تھیں، فوج کی تنخواہیں چڑھی ہوئی تھیں، اور امرا و اعیان سلطنت اپنے ذاتی مصارف کے لیے ہر طرح کے جعل و فریب، رشوت ستانی اور لوٹ مار کو جائز رکھتے تھے، فوج یون تو بہت سے سپاہیوں کے نام لکھے ہوئے تھے، لیکن میدان جنگ میں جانے کے وقت بہت تھوڑے سے لوگ تیار ہوتے، فوجی افسرین جنگ کے بجائے اپنا وقت باہمی حدود رقابت میں صرف کرتے اور ہر افسر کی یہ کوشش رہتی، کہ دوسرے افسر کی بدنامی و ذلت سے فائدہ اٹھا کر خود ترقی و منصب حاصل کر لے۔ اندرونی بد نظمیوں پر مستزاد یہ تھا کہ بیرونی غنیمت اہل روم کو ایک دم کے لیے چین سے بیٹھے نہیں دیتے تھے، روم و فارس کے درمیان مدت سے لڑائیوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ جاری تھا، پھر مہارڈس، گو وڈاس، وغیرہ کے ہم حملے، روم کی رہی سہی قوت کو اور بھی پامال کر رہے تھے،

الغرض چھٹی صدی عیسوی کے خاتمہ پر یعنی خاتمِ تلمیذین صلح کی ولادت سے دو چار سال بعد روم بقول
 لگبن کے اپنے زوال کے سبب ترین نقطہ تک پہنچ گیا تھا، اور لگبن کی زبان میں اس کی مثال بعینہ اس
 عظیم انسان درخت کی ہو گئی تھی، جس کے سایہ میں ایک وقت تمام اقوام عالم آباد تھیں، مگر اس پر ایسی خزان تھی
 کہ برگِ مبارک کے ساتھ اس کی شاخیں اور ٹہنیاں بھی رخصت ہو گئی تھیں، اور اب خالی تنہ خشک ہو رہا تھا،
 خود پایہ تخت کے اندر عظیم کے گھس آنے کا ایسا خوف تمام آبادی پر چھایا ہوا تھا، کہ تقریباً کل کاروبار بند ہو گئے
 تھے، وہ بازار اور تماشا گاہیں جہاں دن رات چل پھل رہتی تھی، اب ویران اور انسان پُری تھیں، عیش و
 کا یہ عالم تھا کہ لوگ ایک عرصہ سے تافل کے بجائے تجرد کی زندگی زیادہ پسند کرتے تھے، تاکہ زیادہ آسانی اور
 آزادی کے ساتھ اپنے شہوانی جذبات کی تشفی کر سکیں۔

ملک کی عام سیاسی و اخلاقی حالت سے قطع نظر کر کے، جب ہم مذہبی پہلو پر نظر کرتے ہیں تو اس سے
 بھی زیادہ دلخراش تصویر نظر آتی ہے، بہت پرست رعایا کو چھوڑ کر جو ستارون، دیوتاؤں اور بتوں کی پوجا میں
 بدستور مصروف تھیں، اور جنھوں نے عیسائیت قبول بھی کر لی تھی، وہ باپ، بیٹا، روح القدس اور مریم کی خدا
 کے معتقد تھے، حضرت عیسیٰ اور مریم روح القدس کی شخصیت اور مرتبہ کی تصمین نے عیسویوں فریق پیدا کر دیئے
 تھے، جنہیں زبانی مناظروں سے گذر کر جنگ و جدل کی نوبت لگنی تھی، یہاں تک کہ ۵۱۷ء میں خود عیسائیوں
 کے دو گروہوں کے درمیان ایک عظیم انسان مذہبی جنگ چھڑی جنہیں ۶۵۰۰۰ عیسائیوں کو خارج البلد
 ہونا پڑا، اس جنگِ عظیم کے علاوہ ہمہ وقت ہر فریق دوسرے فریق کے خون کا پیاسا رہا کرتا، اور بار بار
 چھوٹی چھوٹی باتوں پر کشت و خون کی نوبت آجاتی، پادریوں نے اپنے منصبِ مذہبی کو حصولِ جاہ کا ایک
 ذریعہ قرار دے لیا تھا، اور اس بنا پر محض حبِ جاہ کی خاطر وہ ہر طرح کی ناجائز کوششوں میں مصروف رہتے
 ان پادریوں کے ایک اسقفِ اعظم، سینٹ سرل نے جو جو سفاحیان کی ہیں، ان کی تفصیل کے لیے ایک

پوری کتاب دکھا رہے، ایک مرتبہ اُس نے اپنے مریدوں کو ہمراہ لیکر غیر مسلح یہودیوں پر دھاوا کیا، اور ان سب کو جلاوطن کر دیا، ان کا مال اسبابِ سرِ ل کے مریدوں کے ہاتھ لگا، اور ان کے معابد زمین کے برابر کر دیئے گئے ہر کا حریف ارسٹس نامی پادری تھا، ایک روز جب ارسٹس راستہ سے گزر رہا تھا، تو ۵۰۰ راہبوں کی جماعت اس پر ٹوٹ پڑی اور اپنی سنگ باری سے اُس کو خون میں نہلا دیا، سرِ ل کی ایک خاتون دوست ہلشیا نامی تھی ایک روز وہ اپنی درگاہ سے واپس آ رہی تھی کہ راہبوں کے ایک بہت بڑے گروہ نے اس پر حملہ کر دیا، گاڑی سے اتار کر برہنہ کی گئی اور اس حالت میں تمام شہر کی سڑکوں پر گھسیٹے ہوئے اُسے کلیسا میں لائے، جہاں پہنچ کر پاپا پیٹر کے گرز سے اس کا خاتمہ کر دیا گیا، قتل کے بعد اس کا گوشت ہڈیوں سے جدا کیا گیا، نقش کے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے، اور آلاشِ جسم کو آگ میں ڈال دیا گیا، یہ واقعات ایسے ہیں جنکے ذکر سے آج قلم لرزتا ہے، مگر عیسائی مذہب کے علمبرداروں کا سب سے روشن کارنامہ ہے، یہی حالت ان تمام ملکوں کی تھی جہاں رومیوں کے زیرِ ستا عیسوی مذہب پھیلا ہوا تھا، یعقوبی، نستوری، اور دوسرے فرقے جو سرکاری عیسوی مذہب سے الگ تھے، وہ دو دراز صوبوں اور ملکوں میں اپنی پناہ ڈھونڈتے تھے، انہیں کی کونسل کے بعد آریوس اور اُس کے حریفون میں جو معرکہ آرائیاں ہوئیں، انھوں نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ شہزادہ امن کا مذہب ان جنگ جوؤں کے ہاتھ تباہ و برباد ہونے سے بچ نہیں سکتا،

مسٹر مارٹن، جو پیغمبرِ اسلام کو نعوذ باللہ بہت بڑا مکار قرار دیتے ہیں، اپنی تاریخِ ہندوستان میں صمن ایک موقع پر تحریر کرتے ہیں :-

”اس نازک موقع پر (یعنی ظہورِ اسلام کے وقت) ان بے باکانہ بدعات کے درمیان جو چرچ و خجش کر رہے تھے، اور اختلافات کے اس غیر منقطع سلسلہ کے درمیان، جو چرچ میں ایک پل ڈالے ہوئے تھے، اگرچہ مشرق میں اصلی مسیحیت کی شعلہ نظر آتی تھی، لیکن بہت ہی مدغم و دم کے

یقصرود کی قوت کچھ تو اندرونی نراغون اور کچھ بیرونی حملوں کے باعث اپنی بنیاد سے اکھڑ کر غیر
 فانی طرف تیز رفتاری کے ساتھ جاری تھی، یہود بے صبری کے ساتھ گیلی کے اس حقیر شخص کے
 مذہب پر نظر کر رہے تھے، جس کے دین کو اب شاہ قسطنطین کے مسیحی ہو جانے کے بعد اپوری شاہ
 و شوکت اور شاہی غفلت حاصل ہو گئی تھی، اور ہر اس تحریک کی مدد کے لیے تیار تھے جو ایسے قابل
 نفرت مذہب کا خاتمہ کرنا چاہے۔ اہل فارس نہایت غلط و غصہ کے ساتھ ان پر جوش
 و ناروا دار ستحند عیسائیوں کو دیکھ رہے تھے، جنہوں نے ان کے معبود آتش تیشی کی بے حرمی کی
 تھی، اور شرک کی ساری دنیا اپنے برباد شدہ معبودوں اور ڈھٹے ہوئے معبودوں پر ماتم کر رہی
 اور ان کے انتقام کے لیے آمادہ اور مستعد تھی۔

مارس صاحب واقعات کی نقشہ کشی میں خواہ کتنا ہی مسیحی رنگ بھریں لیکن نفس واقعات کی صحت انکو
 شاید ہم سے بھی زیادہ مسلم ہے،

بہر حال مؤرخین کا بیان ہے، کہ تیسری صدی سے لیکر ساتویں صدی تک مسیحیت کی جو حالت رہی
 ہے، وہ اس کے لیے باعث رنگ ہے، مشرکانہ رسوم نے مذہب کی جگہ لے لی تھی، اصل رومی بت پرستانہ
 عقیدوں نے مسیحی مذہب کا روپ بھر لیا تھا، حضرت مسیح کے ناسوتی اور لاہوتی دو عنصروں کی تحلیل، مہر کو تابو
 میں لانے کے لیے لگی، جس سے حضرت مسیح کے ”دہی ایک ہے“ کی تعلیم ہمیشہ کے لیے ان کے مذہب سے مٹ گئی
 ضعیف الاعتقادی اس درجہ بڑھ گئی تھی، کہ قبر پرستی عام ہو گئی تھی، اور ہر بڑے پادری سے اسکی وفات کے بعد
 دعا مانگی جاتی تھی، ملک شام میں جو بڑے پادری اور بطریق تھے، ان کے معتقدان کو سجدے کرتے تھے
 مسیح و مریم روح القدس اور حواریین اور مسیحیت کے دیگر اساطین کے مجسمے بنا کر ان کی پرستش اس کثرت سے
 ہونے لگی، کہ اس کی نظیر زمانہ مابعد کے رومن کی تھو لک فرقہ کی بت پرستی میں بھی نہیں ملتی ہے

سید صاحب ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں لکھتے ہیں :-

”گر جا کے پادریوں (CLERGY) نے مذہب کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے، اور امن، محبت اور نیکی کو مفقود کر دیا تھا، اہل مذہب کو بھول گئے تھے اور اس کے متعلق اپنی خیال آرائیوں پر جھگڑتے تھے، اسی تاریک زمانہ میں اکثر وہ توہمات جو رومن چرچ کے لیے باعث تنگ بین مذہبی صورت میں قائم کیے گئے، خصوصاً ولیوں اور مجتہدوں کی پرستش نہایت بے شرمی سے ہونے لگی، نیس کی کاؤنسل کے بعد مشرقی چرچ روزانہ کے مناظرات میں مشغول ہو گیا، اور اپریس سبلنس، بسطرنیس، اور یولیکینس کے جھگڑوں میں ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، انصاف علانیہ فروغ کیا جاتا تھا اور ہر طرح کی بدعنوانیاں ہوتی تھیں،

مغربی چرچ میں ڈیسیس اور اسیسیٹس نے شب کی جگہ صبح کرنے کے لیے قتل تک تو پہنچا دی اور آخر ٹیوٹس کی فتح ہوئی، اس موقع پر کہا جاتا ہے کہ سسی نیس (SICININUS) کے گرجا میں ایک روز میں ۱۴ آدمی قتل کئے ہوئے پائے گئے، اور کوئی حیرت نہیں کہ یہ لوگ ان جگہوں کے اس قدر خواہاں ہوتے تھے، اس لیے اس مذہب سے اُن کو گراں بہا سمجھتے تھے، اپنی گاڑیوں پر نہایت تزک و احتشام سے نکلتے تھے، اور اُن کے دسترخوان پر بادشاہوں سے زیادہ شان و شوکت ہوتی تھی،

ان مناقشات کا سبب زیادہ تر شہنشاہ ہوا کرتے تھے، جسٹینین کے وقت میں حالت اور زیادہ خراب ہو گئی، اس کے نزدیک اپنے عقیدہ کے مخالفوں کو مار ڈالنا کوئی جرم ہی نہ تھا،

بادشاہوں اور پادریوں میں عقائد اور اخلاق کی جو خرابیاں پھیلی ہوئی تھیں اُس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ عوام کی حالت بھی مبتذل ہو گئی، اُن کا مقصد صرف روپیہ پیدا کرنا رہ گیا خواہ کسی ذریعہ سے ہو اور اس روپیہ کو وہ نفاست اور عیاشی میں اڑاتے تھے،

دینداری کا سب سے اہم جز تجربہ کی زندگی اور رہبانیت تھی، ہر قسم کے آرام و آسائش سے جسم کو محروم کر کے ہر قسم کی تکلیف و عذاب میں اپنے کو تمام عمر مبتلا رکھنا بہترین عبادت تھی، کسی نے تمام عمر غسل نہ کرنے کی قسم کھا لی تھی، کسی نے اپنے کو دلدل میں ڈال دیا تھا، کوئی اپنے کو بوجھل زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھا، کسی نے سایہ بیٹھنے کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، کسی نے اپنے کو اندھیری کوٹھری میں بند کر لیا تھا، ان باپ، عزیز و قریب اہل عیال، دینداری و تقویٰ شکاری کی راہ کے کاٹے تھے، ان سے پرہیز بلکہ ان سے نفرت کمال تقویٰ سمجھا جاتا تھا، اور اسی پر فخر کیا جاتا تھا۔

ہندوستان | دنیا کے اون متمدن ملکوں میں جہاں کوئی با اثر مذہب قائم تھا ایک ہندوستان بھی ہے ہندوستان کے تین کچے پانچ مختلف دور گزرے ہیں، ایک اصلی ہندو ویدک عہد، جو دو ہزار سال، ق م سے لیکر تقریباً چودہ سال ق م تک رہا، دوسرا اور جنگ، یعنی جس میں کورون اور پانڈون وغیرہ کے مناقشات رہے، اور جو چودہ سال ق م سے لیکر تقریباً ایک ہزار قبل مسیح تک رہا تیسرا دور عقلیت جس میں حکماء و عقلمین کا دور دورہ تھا، اور جو ۱۰۰۰ قبل مسیح سے لیکر تقریباً تیسری صدی قبل مسیح کے نصف تک رہا، چوتھا دور بودھ، جس مذہب کا عروج تقریباً دو سو پچاس قبل مسیح سے لیکر پانچویں صدی عیسوی کے خاتمہ تک رہا، پانچواں دور، ہندو مت کا حسین بجاے ویدیا گوتم بدھ کی تعلیمات کے پرانوں کی تلقین پر عمل درآمد تھا، اور یہ عہد، تقریباً پانچویں صدی عیسوی کے آخر سے لیکر مسلمانوں کے داخلہ ہند تک قائم رہا،

مورخین کا اجماع ہے کہ قدیم ہندوستان کی تاریخ میں سب سے زیادہ تاریک اور نقائص سے معمور آخری دور ہے، جو تقریباً شہ سے شروع ہوتا ہے، اس دور کے نمایاں خصوصیات حسب ذیل تھے،
(۱) شرک، جو ابتدا ہی سے ہندوستان کی خمیر میں داخل تھا، اب وہ حد اعتدال سے خارج ہو گیا، چنانچہ وید میں جو ۳۲ دیوتاؤں کی تعداد تھی، وہ اب بڑے بڑے ۳۳ کر در دیوتاؤں تک پہنچ گئی تھیں۔

لے تاریخ اخلاق و روحانیت کی دوسری جلد میں یہ واقعات مفصل لکھے ہیں، ۱۷۷ آر سی، دت کی ہندوستان قدیم جلد ۳ صفحہ ۲۷۵

(۲) ویدک عہد میں اصنام کی پرستش کا رواج نہ تھا لیکن اس زمانہ میں مندرون کے اندر بت پرستی
 علی العموم رائج ہو گئی تھی؛

(۳) مندرون کے فطین بد اخلاقی کے سر خمیہ تھے، جو لاکھوں کرورون ناواقف پرستش کرنے
 والوں کو مذہب کے نام پر خوب لوٹے؛

(۴) ویدک عہد میں ساری ہندو قوم میں یگانگی تھی، لیکن اب ذات پات کی تفریق شروع ہو گئی
 جو نظام معاشرت کی تباہ کن تھی؛

(۵) عورتوں کو محکومتیت و غلامی کا درجہ دیا گیا؛

(۶) قوانین اس قدر غیر معقول و نامنصفانہ وضع کئے گئے، جن سے علانیہ بعض ذاتوں کی پاسداری
 و حمایت اور بعض پر جبر و ستم مقصود تھا، مثال کے لیے چند قوانین درج ذیل ہیں،
 (الف) برہمن کو کسی حالت میں، خواہ وہ کتنے ہی سنگین جرائم کا مرتکب رہ چکا ہو سزا موت
 نہیں دی جاسکتی،

(ب) کسی اونچی ذات کے مرد کا کسی نیچی ذات کی عورت کے ساتھ زنا کرنا کوئی جرم نہیں،

(ج) کسی بودھ راہبہ تک کی عصمت دری کی سزا کچھ جرمانہ کافی تھی،

(د) اگر کوئی اچھوت ذات کا شخص کسی اعلیٰ ذات والے کو چھو لے تو اس کی سزا موت ہے،

(ه) اگر کوئی نیچی ذات والا اپنے سے اونچی ذات والے کو مارے، تو اس کے اعضاء قطع کر ڈالنے

اگر اسے گالی دے تو اس کی زبان کاٹ ڈالنی چاہیے، اور اگر اسے تعلیم دینے کا دعویٰ کرے تو گرم تیل اس کے
 منہ میں ڈالنا چاہیے،

(۷) راجاؤن کے محل میں بادہ نوشی کثرت سے رائج تھی، اور رانیان اسی حالتِ خمار میں جا عصبست امار ڈالتی تھیں۔

(۸) شاہراہوں پر آوارہ گرد و جرائم پیشہ افراد کا مجمع لگا رہتا تھا؛

(۹) خدا کی تلاش آبادیوں اور بازاروں میں کرنے کے بجائے جنگلون اور پہاڑوں میں کی جاتی تھی، جسم کو سخت سے سخت ایذا اور تکلیف اُن کی بہترین عبادت تھی،

(۱۰) ادھام و خیالاتِ فاسدہ، بھوتوں، پلٹوں، اور سینکڑوں قسم کے طنون و ادھام اُن کا مذہب تھا، اور آسمان سے لیکر زمین تک ہر چیز اُن کا خدا تھی، اور ہر ایک کے سامنے سر بسجود ہونا اُن کا دھرم تھا، بتوں، دیوتاؤں، دیویوں کا شمار اندازہ و قیاس سے باہر تھا، اور اُن کے افسانوں کا گیت اُن کا ترانہ حمد تھا، ظہورِ اسلام کے بعد بھی جو عرب سیاح یہاں آتے رہے، انھوں نے پیشیا کرنے والے جوگیوں کے وہ عجیب حالات لکھے ہیں، جنکو پڑھ کر اُنکی حالت پر رحم و دُفوس آتا ہے، اور اسی طرح اُن میں سے وہ سیاح جو سندھ اور دکن کے شہروں اور ساحلوں سے گزرے ہیں، اُن کے معبدوں میں پجاری عورتوں اور لودیاؤں کی جو اخلاقی کیفیتیں لکھی ہیں، وہ حد درجہ شرمناک ہیں، اور اس سے زیادہ شرمناک یہ ہے، کہ یہ سب خدا کی خوشنودی اور مذہبی عقیدہ کے رو سے انجام دیا جاتا تھا،

عورتیں جو اُن میں ہاری جاتی تھیں، ایک عورت کے کئی کئی شوہر تھے، وہ بیوہ ہو کر زندگی کی لہڑ سے عمر بھر کے لیے قانوناً محروم کر دی جاتی تھیں، اور اسی لیے شوہر کے مرنے پر بعض عورتیں زندہ در آتش ہونا پسند کرتی تھیں، لڑائی میں شکست کے خوف کی صورت میں اُن کو خود اُن کے باپ بھائی اپنے ہاتھوں سے قتل کر ڈالتے تھے، یہاں کے بعض فرقوں میں عورتیں مرد کو، اور مرد عورتوں کو ننگا کر کے اُنکی پوجا کرتے تھے، اور

مذہبی تہواروں میں شراب پی پی کر ایسے بدست ہوتے تھے، کہ پھر انھیں مان بہن، بیٹی اور اپنی اور پرانی کی تمیز باقی نہیں رہتی تھی، اور اس کو وہ نیکی کا کام سمجھتے تھے، شہر و دیہات کے نام سے ایک پوری قوم کی قوم ایسی غلامی میں مبتلا تھی کہ تعلیم و تربیت، تہذیب و اخلاق اور دین و ایمان ہر چیز سے محروم رہنا اس کا فرض تھا، وید کی آواز بھی اس کے کان میں نہ پڑ جائے تو اُس میں سب سے گھلا کر ڈال دینے کا حکم تھا، راجاؤں کی بیویوں کی کوئی تعداد قانوناً مقرر نہ تھی، قانون کی بنیاد مساوات انسانی پر نہیں، بلکہ ذات پر تھی، عورتیں فروخت کی جاتی تھیں،

اس مختصر خاکہ سے معلوم ہوا ہوگا، کہ بد، اسلام سے ایک صدی پیشتر سے دیوتاؤں کی یہ جنم بھومی بھی شیطانوں کے اُس جال میں گرفتار تھی، جس کے شکار فارس و روم ہو رہے تھے،

یہود دنیا کی آبادی اور اصلاح کی سب سے زیادہ امید اُس قوم سے ہو سکتی ہے، جو سام کی اولاد میں سب سے پہلے وحی الہی کی امانت دار بنی، اسی لیے قرآن نے اُن سے کہا: **لَا تَكُونُوا اَوَّلَ كَافِرِيْهُمْ** (بقہ ۵) اور سب سے پہلے تم ہی پیغام الہی کے منکر نہ بنو، مگر یہ قوم سخت جانی کے ساتھ سنگدل بھی ثابت ہوئی، اس نے پتھروں کے سینوں کو پھٹتے، اور اُن کی چھاتیوں سے میٹھے پانی کا دودھ بہتے دیکھا اور پیانے پر بھی اُس کے سینہ کا دل پتھر ہی رہا، قرآن نے اپنے زمانہ میں اسکو طعن دیا،

فَهِىَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً (بقہ ۹) اُنکے دل پتھروں کے مانند بلکہ ان سے بھی بڑھ کر سخت ہیں

اُس نے مختلف زمانوں میں اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا، اُن کو تکلیفیں دیں، بلکہ اُن کو قتل تک کر دیا، حضرت موسیٰ اور اُن کے بعد کوئی پیغمبر اُن میں ایسا نہ آیا، جس نے ان کی سنگدلی کا ماتم نہ کیا ہو، اور اُنکی سرکشی پر اُن کے حق میں بددعا نہ کی ہو چنانچہ خود قرآن مجید نے کہا،

لَعْنُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ يَوْمَ يُصْعَقُوْنَ اَلْسِنَتُهُمْ لَوْ كَانَتْ اِلَيْهِمْ رِجَالٌ يَّمْشُوْنَ عَلَيْهِمْ يَوْمَ اَكْبَرُ الْعَذَابِ
 دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُوْنَ

بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا، اُن پر دواؤں کے
 مریم کے بیٹے عیسیٰ کی زبان سے لعنت کی گئی، یہ اس کے

عَصَوًا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ، كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ
عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ
کہ انھوں نے نافرمانی کی اور حد سے آگے بڑھتے تھے اور
ایک دوسرے کو اُس برائی سے جو وہ کرتے تھے منع
نہیں کرتے، اُن کا کام کتنا برا ہے، (مائتہ-۱۱)

حضرت داؤدؑ نے زبور میں کئی دفعہ بنی اسرائیل کی سرکشی اور نافرمانی کا ماتم اپنے سوز و گداز کی لئے
میں کیا ہے، زبور ہم میں ہے،

» اے میرے گروہ! میری تعلیم پر کان رکھ، میرے منہ کی باتیں کان دھر کے سنو...
..... تاکہ آنے والی پشت وہ فرزند جو پیدا ہوں سیکھیں، اور وہ خدا
پر توکل کریں اور خدا کے کاموں کو بھلا نہ دیں، بلکہ اُس کے حکم کو حفظ کریں، اور اپنے
باپ دادوں کی طرح ایک شریر اور سرکش نسل نہ بنیں، نہ ایسی نسل کہ جس نے اپنا دل مستعد نہ
کیا اور ارون کے جی خدا سے لگے رہے..... باوجود اس سب کے پھر انھوں نے
گناہ کئے اور اُس کے عجائب قدرتوں کے سبب اعتقاد نہ کیا..... لیکن انھوں نے
اپنے منہ سے اُس کے (خدا کے) ساتھ دیا کاری کی، اور اپنی زبانوں سے اس سے جھوٹ
بولے، اور وہ اس کے عہد میں وفادار نہ رہے، کیونکہ اُن کے دل اُن کے ساتھ قائم
رہے..... بکتی بار انھوں نے بیابان میں اِس (خدا) سے بغاوت کی اور
ویرانہ میں اُسے یزار کیا..... تِس پر بھی انھوں نے خدا تعالیٰ کو آزمایا اور
اُسے یزار کیا، اُنکی شہادتوں کو حفظ نہ کیا، بلکہ برگشتہ ہوئے، اور اپنے باپ دادوں
کے مانند بے وفائی کی، وہ ٹیڑھی کمان کے مانند ایک طرف پھر گئے،

زبور ہم میں ہے،

» اے میرے لوگو! سنو کہ میں تجھ پر گواہی دوں گا، اے بنی اسرائیل اگر تو میری سُنید گاتو

تیرے درمیان کوئی دوسرا معبود ہو تو کسی جہنی معبود کو سجدہ نہ کرنا۔ خداوند تیرا خدا مین ہوں، جو تجھے
مصر کی سرزمین سے باہر لایا، اپنا منہ کھول کہ اوسے بھر دو گنا، پر میرے لوگوں نے میری آواز
پر کان نہ دھرا، اور اسرائیل نے مجھے نہ چاہا، تب مین نے اُن کے دلوں کی سرکشی کے پس چھوڑ دیا
بہت سے بنی اسرائیل جو حضرت داؤد سے باغی ہو کر لڑنے پر آمادہ تھے، حضرت داؤد نے اُن کے
متعلق یہ بددعا کی،

”کہ تو وہ خدا نہیں جو شرارت سے خوش ہو، شریر تیرے ساتھ رہ نہیں سکتا۔ وہ جو شیخی
باز مین تیری آنکھوں کے سامنے کھڑے نہیں رہ سکتے، تو سب بد کرداروں سے عداوت
رکھتا ہے، تو اُن کو جو جھوٹ بولتے ہیں، نابود کر دیگا۔ اے خداوند اپنی
صداقت مین میرا رہبر ہو، میرے دشمنوں کے سبب میرے سامنے اپنی راہ کو سیدھا کر
. اُن کے باطن مین سر اسر کھوٹا پن ہے۔ اے خدا تو انہیں
ملزم جان، ایسا ہو کہ وہ اپنی مشورتوں سے آپ ہی گرجائیں، اُن کو اُن کے گناہوں
کی کثرت کے سبب نچال پھینک، کہ اُنھوں نے تجھ سے سرکشی کی ہے“ (زبور۔ ۵)
حضرت عیسیٰ نے بھی نخل مین بنی اسرائیل کو لعنت کی اور فرمایا،

”اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ تم سفیدی پھیری ہوئی قبروں کے مانند ہو جو باہر سے
بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں، پر بھتیر مردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی ناپاکی سے بھری ہیں
اسی طرح تم بھی ظاہر مین لوگوں کو راست باز دکھائی دیتے پر باطن مین ریاکار اور شرارت
سے بھرے ہو،

اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کیونکہ نبیوں کی قبریں بناتے اور راست باز
کی گوریں ستواتے ہو اور کہتے ہو کہ اگر ہم اپنے باپ دادوں کے دنوں مین ہوتے تو نبیوں

کے خون میں اُن کے شریک نہ ہوتے، اسی طرح تم اپنے اوپر گواہی دیتے ہو کہ تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہو، پس اپنے باپ دادوں کا پیمانہ بھرو، اے سانپو! اور اے سانپوں کے بچو! تم جہنم کے عذاب سے کیونکر بھاگو گے؟ (متی ۲۳-۲۷-۳۳)

بعینہ یہی الزام قرآن نے بھی اُن کو دیا ہے،

وَيَقْتُلُونَ النَّبِيَّ بِغَيْرِ حَقٍّ ط ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ (بقرہ-۷۰)

اور وہ ناحق پیغمبروں کو مار ڈالتے ہیں، اس لیے کہ وہ نافرمان اور حد سے بڑھنے والے ہیں،

قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنْبِيَاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (بقرہ-۶۱-۱۱)

کہہ کہ پھر کیوں اللہ کے نبیوں کو پہلے تم قتل کرتے رہے اگر تم مومن تھے،

آل عمران میں اس سے بھی بڑھ کر ہر حق کے داعی اور خیر کے مبلغ کے قتل کر دینے کا اُن پر بجا الزام ہے،

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُ الَّذِينَ بَايَعُوا اللَّهَ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيَّ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (آل عمران-۳)

بیشک وہ لوگ جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے، اور ہر اُس شخص کی زندگی کے دشمن بناتے ہیں جو ان کو عدل و نیکی کی بات سمجھاتے تو ان کو دردناک سزا کی خوشخبری سناوے،

سورۃ بقرہ اور آل عمران میں یہودیوں کے ایک ایک عیب کو کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے دین و ملت کا قوام کتنا بگڑ گیا تھا، اونکی مذہبی سنگدلی اور تعصب کا سب سے دردناک سانحہ وہ ہے جو اسلام سے ۵۰۰ برس پہلے یمن میں پیش آیا کہ یہودی حمیر یوں نے نجران کے عیسائیوں کو گڈھوں میں آگ جلا کر اُن میں جھونک دیا، اور وہ کنارے بیٹھے اس حسرتناک منظر کا تماشا دیکھتے رہے، چنانچہ قرآن مجید نے اس پر دردِ آستان کو ان لفظوں میں انھیں یاد دلایا،

قُلْ أَصْحَابُ الْأُحُدِ مُدِّ الْأَرْدَابِ الْوَقُودِ؛ گڈھے والے لوگ مارے گئے، بھڑکتی آگ کے گڈھے،

إِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُودٌ وَهُمْ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ
بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا
أَن يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ (برج - ۱)

جب وہ ظالم اُن کے کنارے بیٹھے ایمان والوں کی تشا
جو کر رہے تھے اس کو دیکھ رہے تھے، اُن کا گناہ یہی تھا
کہ وہ غالب اور خوبون والے خدا پر ایمان رکھتے تھے،

جزئیات کو چھوڑ کر کلی طریقہ سے ان میں حسب ذیل تقاضے تھے،
۱۔ ان کو اپنے محبوب خدا، اور خاص خدا کے کنبہ ہونے پر بے انتہا غور تھا، وہ سمجھتے تھے کہ ہم کچھ کریں
ہم سے قیامت میں مواخذہ نہ ہوگا،

فَنَحْنُ بَيْنُكُمْ وَاللَّهِ وَاجِبَاؤُهُ (مائدہ - ۲)
وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً
ہم اللہ کے بیٹے اور اُس کے پیارے ہیں،
اور کہا کہ ہم کو دوزخ کی آگ ہرگز نہیں چھوئے گی، لیکن
(بقہ ۸-۹) چند روز،

وہ سمجھتے تھے کہ جنت کی نعمتیں صرف انہیں کے لیے خاص ہیں، قرآن نے کہا،
قُلْ إِن كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ
خَالِصَةً مِّنْ دُونِ النَّاسِ فَتَقْنُوا مَوْتَ
إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ، (بقہ ۱۱-۱۲)
کہہ دے کہ اگر آخرت کا گھر تمام لوگوں کو چھوڑ کر صرف
تمہارے ہی لیے ہے تو موت کی آرزو کیوں نہیں کرتے
اگر تم سچے ہو،

وہ سمجھتے تھے کہ نبوت اور رسالت صرف اُن کے گھر کی چیز ہے، کسی دوسرے کا اس میں حق نہیں
قرآن نے اُن کے جواب میں کہا،

ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ، (جمعہ)
یٰۤاٰیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوا سَبِیْلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا
جہان میں پڑھے لکھے عالم تھے، وہ خدا کے احکام کو اپنے منشا اور دو تمندوں کی خوشنودی کے لیے
اپنی باطل تاویلوں سے اوستے بدلتے رہتے تھے، اور اپنی تصنیفات اور اجتماعات کو کتاب الہی کا درجہ دیتے
یُخْرِجُونَ الْكَلِمَةَ عَنْ مَوَاضِعِهَا، (مائدہ ۴۶-۴۷)
وہ نظروں کو اپنی مناسب جگہ سے ہٹا دیتے ہیں،

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُمُونَ الْكُتُبَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ
يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيُشْرَوْا بِهِ
ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ
وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ (بقہ ۷-۹)

تو بھٹکار ہو ان پر جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر
کہتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے تاکہ وہ اس کو دنیا کا معر
فائدہ اٹھائیں، تو بھٹکار ہوں پر جو وہ لکھتے ہیں، اور
بھٹکار ہو ان پر جو وہ کاتے ہیں،

جو ان میں ان پڑھ اور جاہل تھے، وہ اپنے سنے سنائے قصوں پر ایمان رکھتے تھے،
وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكُتُبَ إِلَّا
أَمَانِي وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ (بقہ ۷-۹)

اور ان میں بعض ان پڑھ ہیں، جنکو تورات کا علم نہیں،
لیکن بناوٹی باتیں معلوم ہیں، وہ صرف اُنکے خیالات ہیں
احکام الہی میں سے جو آسان اور ضرورت کے مطابق حکم ہوتا، اسکو قبول کرتے، اور دوسرے حکموں کو پس
پشت ڈالتے،

مَنْ ذَا الَّذِي يَنْفَرُ مِنَ الَّذِينَ آتَوْا الْكُتُبَ كِتَابَ اللَّهِ
وَلَا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ كَمَا تَعْلَمُونَ (بقہ ۱۱)

جنگو خدا کی کتاب دی گئی تھی، ان میں سے ایک فریق اللہ
کی کتاب پس پشت ڈالتا ہو، گویا کہ وہ جانتا ہی نہیں،
کیا جب کوئی رسول بجا آئے تو ان کو لا تھوڑی آنکھوں
نفسانی خواہش کے موافق ہوتا ہے، تو کچھ کو جھٹلایا اور کچھ

(بقہ ۷-۱۱) کو مار ڈالتے ہیں

ایک دفعہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تھے، اور یہود نے بھی انکی ملکی سرداری کو ایک گود قبول
کر لیا تھا، تو ایک زنا کا مقدمہ انکی عدالت میں لائے، آپ نے پوچھا کہ تمہارے مذہب میں اس جرم کی سزا
کیا ہے، بولے ہم مجرم کو کوڑے مارتے ہیں اور اسکی تشہیر کرتے ہیں، آپ نے ان سے توراۃ طلب فرمائی
جب وہ لائے اور اس جرم کے متعلقہ حکم کی آیتوں کو پڑھ کر سنانے لگے تو بیچ سے سنگساری کا حکم چھپا دیا
مگر ایک نو مسلم یہودی عالم نے اس حکم کو پڑھ کر بتا دیا، آپ نے فرمایا خداوند امین پہلا شخص ہو گا جو تیرے

مردہ حکم کو زندہ کرونگا، (صحیح بخاری و مسلم کتاب الحدود، والوداؤد و باب رجم الیہودین)

اپس میں قتل و خوریزی کا بازار اُن میں گرم تھا، اُن میں ایک طاقتور قبیلہ دوسرے کمزور قبیلہ کو گھر سے بے کر دیتا تھا، اور پھر کوئی گرفتار ہو جاتا تو فدیہ دے کر اس کو چھڑا بھی لیتے تھے، قرآن نے کہا،

ثُمَّ اَنْتُمْ هُمْ لَا تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ

پھر تم ہی لوگ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرتے اور

فَرِیْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِیَارِهِمْ تَطْهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ

گروہ کو اُن کے گھروں سے نکالتے ہو، اور ان کے بھلائی گناہ

بِاِلٰہِ تَعَالٰی وَالْعُدُوِّ اِنْ یَاْتُوْكُمْ اُسْلَمٰہِی

اور ظلم سے مدد کرتے ہو، اور اگر وہ تمہارے پاس فیدیہ بنا کر

تَقْدُوْهُمْ وَهُوَ حُرٌّ عَلَیْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ

تو تم فدیہ دیکر چھڑاتے ہو حالانکہ اُن کا کھانا تم پر حرام تھا،

اَفْتَوْا مِنْهُمْ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ

کیا تم کتاب کے کچھ حکموں کو مانتے، اور کچھ کا انکار

بِبَعْضٍ (بقرہ ۶-۱۰)

کرتے ہو،

۲۔ دوسری چیز مال و دولت کی حرص و طمع تھی، اس کی وجہ سے ان میں ہر قسم کی لالچ اور اخلاقی کمزوری پیدا ہو گئی تھی، کسی بڑے کام کی خاطر وہ اپنی راحت و آرام اور جسم و جان کو قربان نہیں کر سکتے تھے،

وَلَمَّا جُمِعَ لَهُمْ اَخْرَصَ النَّاسُ عَلٰی حَیٰوِہِہِمْ

اُن کو سب لوگوں سے زیادہ زندگی کا لالچی پاؤ گے، مشرکوں

الَّذِیْنَ اٰسٰہُمْ لَوْ اَبَیُوْا اَحَدٌ هُمْ لَوْ یَعْلَمُوْنَ

سے بھی زیادہ، اُن میں ایک ایک چاہتا ہے کہ اُس کو ہزاروں

اَلْفَ سَنَہٍ (بقرہ ۱۱)

کی زندگی ملے،

عربوں کے ساتھ ان کے لین دین کے تجارتی تعلقات قائم تھے، مگر وہ سخت نادہند تھے اور سمجھتے تھے کہ عربوں کیساتھ جس طرح سختی اور بددیانتی کے ساتھ بھی برتاؤ کیا جائے وہ مذہباً منع نہیں، قرآن نے اس معاملہ میں عیسائی اہل کتاب کی تعریف کے بعد اسرائیلی اہل کتاب کی نسبت فرمایا،

وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنٰہُ بِدِیَارِہِہِ لَیُّوْہِہِ

کتاب والوں میں بعض ایسے ہیں کہ اگر اُن کو ایک دیناری

اَلِیْکَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَیْہِہِ قَائِمًا ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ

امانت رکھنے دو، وہ تم کو اس وقت واپس نہ دیں، جب تک

قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمُتِينَ سَبِيلٌ وَلَا نَقُودُ
 تم اونکے سر پر کھڑے نہ رہو، یہ ایسے کہ وہ کہتے ہیں کہ ان جابل
 عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَكْمُلُونَ، (ال عمران ۸۰) عربوں کا ہم پر حق نہیں اور وہ جان بوجھ کر خدا پر جھوٹ بولتے ہیں

توراة میں اپنے بھائی کے علاوہ "عہی" سے سود لینے کی اجازت کا مطلب وہ یہ لیتے تھے کہ یہودی یہودی سے
 نہ لے، اور اہل عرب جو یہود نہ تھے، ان سے بھاری بھاری شرح سود وصول کرنا جائز سمجھتے تھے، اور تعجب پر تعجب
 یہ تھا کہ ان کے علماء اونکو اس سے باز نہیں رکھتے تھے، اس حرام خوری اور ان کے علماء کی اس خاموشی پر اونکو
 قرآن نے بار بار ٹوکا،

وَتَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْأَثْمِ
 اور ان میں سے بہتوں کو تو دیکھ لے گا کہ وہ گناہ اور ظلم کرنے میں
 وَالْعُدْوَانِ، وَكُلِّهِمْ السُّخْتُ، وَلَيْسَ
 ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرتے ہیں ان کے کروڑ
 كَانُوا يَعْمَلُونَ، لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ أَنَّ
 کتنے برس ہیں ان کے درویش اور عالم گناہ کی بات بولنے
 عَنْ قَوْلِهِمْ الْأَثْمُ وَكُلِّهِمْ السُّخْتُ، وَلَيْسَ
 اور حرام کھانے سے کیوں نہیں باز رکھتے، ان کے کام
 مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ، (مائتہ ۹) درحقیقت کئے خراب ہیں،

سَمِعْتُمْ لَكَ الْكَذِبَ أَكُلُونَ لَلْشُّحِ (مائتہ ۹)
 جھوٹ کو سننے والے اور حرام کھانے والے ہیں،
 وَأَخَذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَكُلِّهِمْ مَوَالٍ
 اور ان کے سود لینے کے سبب، حالانکہ وہ اسے روکے گئے تھے
 النَّاسِ بِالْبَاطِلِ (نساء ۲۲) اور لوگوں کا مال ناجائز طریقوں سے کھا جانے کی وجہ سے،

اسی لیے وہ تورات کی آیتوں میں تحریف، اور ان کے معنوں میں تاویل کر کے ایسے فقہی چیلے تراشتے
 تھے کہ وہ ہر حکم کو اپنے مطلب کے مطابق بنا لیتے تھے، خدا نے فرمایا،

إِنَّا أَنْزَلْنَا الْقُرْآنَ فِيهِ هَادًى وَنُورٌ مُبِينٌ
 ہم نے قرآن اتاری، جس میں ہدایت اور روشنی ہے، اسی
 هُمَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا
 مطابق نبی جو تابعدار تھے، یہودیوں کا فیصلہ کرتے تھے،
 وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ
 اور ان کے درویش و عالم بھی خدا کی کتاب کے جن حصوں کو

کَلِيبُ الشَّعْرِ . . . (مائدہ ۷۷) انھوں نے بچا رکھا تھا، اُن میں سے فیصلہ کرتے،

اس کے بعد اس کے احکام کے اجراء اور خاص کر قصاص کا ذکر کیا اور فرمایا،
وَمَنْ لَّمْ يَجِدْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (مائدہ ۷۸) وہی کافر ہیں،
اور جو خدا کے اتارے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں

ان میں مشرکانہ بت پرستی کے بھی بعض اثرات پیدا ہو گئے، وہ جہت اور طاعوت کی پرستش میں مبتلا تھے
قرآن اُن کو خطاب کر کے کہتا ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا الْكَلْبُ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا
مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا
يَغْفِرُ أَنْ تُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ
لِمَنْ يَشَاءُ (نساء ۷۷) اے کتاب والو! ہم نے جو اتارا جو تمہاری کتاب کی
تصدیق کرتا ہے، اس پر ایمان لاؤ خدا
شرک کو معاف نہیں کرتا، اور اس کے سوا جس کو چاہے
معاف کرے،

. اَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ
مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ
وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هُوَ أَهْدَىٰ
مِنَ الَّذِيْنَ آمَنُوا سَبِيلًا (نساء ۷۸) یہ تو نے اُن کو نہیں دیکھا جنکو کتاب کا
ایک حصہ دیا گیا، وہ بتوں اور شیطانوں پر ایمان رکھتے ہیں
اور کہتے ہیں کہ یہ کافر مسلمانوں سے زیادہ صحیح
راستہ پر ہیں،

اوہام و خرافات پر ان کا ایمان تھا، توحید، گنہگار، جادو اور علیات پر فریفتہ تھے، اور سمجھتے تھے کہ یہ حضرت
سیلمان کی تعلیم ہے، (بقرہ ۱۲۰) لبید اصحم وغیرہ مدینہ میں بہت سے عامل تھے، جو گنگیمون اور بالون میں منتر
پڑھ کر بھوکے تھے،

عرب باہر یہودی، یونانیوں اور رومیوں کی حکومتوں میں یورپ، افریقہ اور ایشیا کے مختلف ملکوں

اور شہرون میں اس طرح پراگندہ اور منتشر تھے کہ عربیہ باہر دنیا کی قوموں میں اُن کا کوئی شمار نہ تھا، عرب کے اندر جو یہود زمانہ دراز سے آباد تھے، ان کا بڑا شغل زراعت اور تجارت تھا، سودی کاروبار کرتے تھے، غریب عربوں کو اپنے گران شرح سود اور قرضوں کے بار میں اس طرح دباؤ تھے کہ اُن کی حالت اُن کے سامنے غلاموں کی سی تھی، اس سلسلہ میں صرف ایک واقعہ کا ذکر پوری حالت کے اندازہ کے لیے کافی ہوگا،

محمد بن سلمہ انصاری اور اُن کے رفقاء جو مدینہ کے یہودی سردار کعب بن اشرف کے قتل پر مامور ہوئے تھے، وہ اس سے ملنے اور بات چیت کرنے گئے، انھوں نے اس سے کہا: اے کعب! اس شخص (محمد رسول اللہ صلم) نے تو صدقہ وصول کر کر کے ہم کو دق کر ڈالا، اب میں تم سے کچھ قرض لینے آیا ہوں، اُس نے کہا خدا کی قسم مجھے معلوم تھا کہ تم اُس سے آخر نیرادہ ہو جاؤ گے، انھوں نے کہا، میں نے ادنیٰ پیروی اختیار کی ہے، لیکن میں اُس کو چھوڑنا نہیں چاہتا، انتظار ہے کہ معاملہ کی صورت کس سُرخ پلٹتی ہے؟ میں تم سے کچھ غلہ قرض لینے آیا ہوں، اس نے کہا، مگر تم کھالت میں کیا چیز رہن رکھو گے، انھوں نے کہا، تم بتاؤ تم کیا چاہتے ہو، اُس نے کہا، اپنی بیویاں گرور رکھو، انھوں نے جواب دیا، ہم اپنی بیویاں کیسے گرور رکھ سکتے ہیں کہ تمام عرب میں تمہارے حسن جواب نہیں، بولا اچھا تو اپنے لڑکوں کو گرور رکھو، کہا ہم اپنے لڑکوں کو کیسے گرور رکھیں، اُن کی کوئی بے عزتی نہ کرے، یہ ہمارے لئے بڑی شرم کی بات ہے، ہاں ہم اپنے ہتھیار گرور رکھ سکتے ہیں۔

اس سوال و جواب کے اندازہ ہوگا کہ یہود کی اخلاقی حالت کتنی پست اور ذلیل ہو چکی تھی، کوئی غیر عورت اگر اُن کے بازار کی طرف جا نکلتی تو اس کی عزت بچی بچل ہو جاتی، کسی بچہ کو ذرا سے زیور کے لالچ میں موقع پاتے تو بیدردی سے قتل کر کے زیورات مار لیتے، علماء اور پیشوایان دین کی وہی کیفیت تھی جس کا نام اُس وقت سے چھ سو برس پیشتر حضرت عیسیٰؑ نے کیا تھا، لفظی ٹوٹکا فیون اور ظاہری دینداری کے سوا روح و اخلاق کا جو ہر ٹکڑا

کھو گیا تھا، اسلام جو ابراہیم حنیف کے ترانہ توحید موسیٰ کی صدائے طور کی آواز بازگشت تھی، وہ اُن کے نزدیک عوہ کے بہت پرستون کے جاہلانہ مذہب سے زیادہ بڑا تھا، وہ کہتے تھے کہ اُن مسلمانوں سے یہ مشرک زیادہ راہ راست پر ہیں، اسلام کی اس مصالحانہ دعوت

يَا هَلْ أَكَلْتَ تَعَالَى إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ مِّنْ لَّنَا
وَبَيْتُكُمْ لَا نَعْبُدُ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكُ
بِهِ شَيْئًا وَلَا يَخِذْ بَعْضُنَا بَعْضًا اِرْبَابًا مِّنْ
دُونِ اللَّهِ (آل عمران - ۷۰) بنائیں

اے کتاب والو! اُوں ایک بات پر ہم سب متحد ہو جائیں،
جو ہم میں تم میں مشترک ہو کہ ہم خدا کے سوا کسی کو اپنا معبود نہ بنائیں
اور نہ ہم خدا کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو اپنا رب

میں بھی عداوت اور دشمنی ہی کی جھلک دکھائی دیتی تھی، اس لیے مدینہ میں اسلام کی صلح کی ہر کوشش کو دھککا
رہے، کیونکہ روحانی عظمت کے مقابلہ میں اس دعوت کے قبول میں ان کو اپنی قومی و مالی و تجارتی عظمت کی
بربادی نظر آتی تھی،

عیسائیوں کی نقل میں وہ بھی عذیر (عذرا) کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ،
(توبہ - ۵) اپنی دولت و ثروت کے غرور میں وہ کہتے تھے، يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ (مائیدہ - ۶۴) خدا کے ہاتھ
بند ہے ہوئے ہیں، قرآن کی دعوت کے جواب میں کہتے تھے کہ تم پر اس دعوت کا اثر نہیں ہو سکتا کہ ہمارے
دل نامحزون ہیں، وَقَالُوا أَتُخَلَّفُ الْبُكَافُ (بقرہ - ۱۱) ان فرقوں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ اب دنیا میں
نیابت الہی کے منصب کے قابل نہیں رہے تھے،

عرب کے باہر یہودیوں کی پرانہ ٹولیاں مختلف سلطنتوں کے سایہ میں پناہ گزین تھیں، اُن کا مذہبی مرکز
اُن کے ہاتھ سے نکل چکا تھا سیاسی اہمیت وہ مدت ہوئی کہ کھو چکے تھے، ابراہیم یعقوب کے خدا کے بجائے، ہر جگہ
سونے چاندی کے ڈھیر ہی کو خدا بنائے تھے، اُن کے مذہبی فرقوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی، زمین باہمی عداوت

قائم تھی، اور اُس وقت سے چھ سو برس پہلے کی طرح بنی اسرائیل اب پھر ایک نبی اعظم کی بعثت کا بیتابانہ انتظار کر رہے تھے، (بقرہ - ۱۱) خود عرب میں یہود اس وقت اُس نبی کے جلد پیدا ہونے کی بشارت کا اپنی مجلسوں میں تذکرہ کرتے رہتے تھے، جسکی پیشینگوئیوں سے تورات کے صحیفے بھرے تھے، اور انھیں سے سُن کر شہزادوں کے اوس و خزرج ایک نبی کی آمد کی پیشینگوئی سے باخبر تھے،

دنیا کی ان مختلف قوموں کے حالات پر ایک اجمالی نظر ڈالنے کے بعد ضرورت ہے کہ اُس قوم کے حالات پر ایک تفصیلی نظر ڈالی جائے جس کے افق نبوت سے صبح سعادت طلوع ہونے والی تھی،

ظہور اسلام کے وقت عرب کی مذہبی و اخلاقی حالت

مِین میں جب وہ مشہور سیلاب آیا، جس کی بلندی سطح زمین سے ایک سو بیس فٹ اوپر تھی تو پائے تخت یعنی مآرب اور اسکے اضلاع دفعتاً برباد ہو گئے، یہ دوسری صدی عیسوی کا واقعہ ہے، قرآن مجید نے اسی سیلاب کو سَبِيلِ عَرَمَ کہا ہے، اس سیلاب کا ایک نتیجہ ہوا کہ اٹھ بڑے بڑے خاندان، جلاوطن ہو کر ادھر ادھر نکل گئے، جس سے نظام سلطنت میں ضعف آگیا، چھٹی صدی عیسوی میں یہاں کے فرمانروا، ذوالواس سے جو مذہبِ یہودی تھا رُخا نے بغاوت کی اور شاہِ حبش سے اعانت چاہی، اس نے ۵۲۹ء میں ایک فوج بھیجی، جس نے ذوالواس کو معزول کر دیا، اور اس خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا، ۵۲۹ء میں قبیلہ حمیر کے ایک با حوصلہ شخص ذُووَرْن نے فارس کی مدد سے اپنا ملک واپس لیا، لیکن چند روز کے بعد وہ قتل کر دیا گیا، اور مین شاہنشاہی فارس کا ایک معمولی صوبہ رہ گیا،

جو قبیلے مین سے نکلے ان میں سے ایک نے دوسری صدی عیسوی میں حیرہ مین، جہان اب کوہ

لے سیرۃ ابن ہشام ذکر بیعت عقبہ،
 لے اس بند کے اندام کی تاریخ کی تعیین مشکل ہے اور اسی لیے اسکی تعیین میں کئی نظریے ہیں، کوئی اسکو اگر دوسری صدی عیسوی کا واقعہ بتاتا ہے، تو دوسرا پانچویں صدی عیسوی کا، اصلیت یہ معلوم ہوئی ہے کہ اس بند کے مختلف حصے مختلف زمانوں میں منہدم ہوتے رہے، اور بنتے رہے، آخری دفعہ پانچویں صدی عیسوی میں بالکل برباد ہو گیا، (سیلمان)

آباد ہے، ایک سلطنت قائم کی، لیکن وہ فارس کے زیر اثر اور مذہبی خیالات میں تجوس سے متاثر تھی، دوسری شام میں جا کر آباد ہوا، جو عثمانی خاندان کہلاتا ہے، چونکہ یہ خاندان رومیوں کے زیر اثر تھا اس لیے رفتہ رفتہ عیسائی ہو گیا، اور اسلام کے زمانہ تک عیسائی رہا،

غرض عرب کے اصلی تمدن پر بیرونی اثر جو کچھ پڑا تھا وہ مجوسیت یا نصرانیت کا تھا، یہودی عقائد اور خیالات کا اثر بھی بہت کچھ تھا جسکی وجہ یہ تھی کہ عرب کا ایک بڑا حصہ یعنی وادی القریٰ اور خیبر و فدک تہا مہر یہودی آباد تھا، اور خود مدینہ میں یہودی ہی صاحب اقتدار اور صاحب حکومت تھے، باقی تمام ملک میں مشرک کا عہد جاری اور جاہلانہ مذاہب پھیلے تھے، لوگ بتوں، پتھروں، درختوں، ستاروں، فرشتوں اور جنوں کی پرستش کرتے تھے، خدا کا اعتقاد تاہم اسمین شبہ نہیں کہ عرب زمانہ دراز سے ایک خدا کے برتر پر اعتقاد رکھتے تھے، آجکل عرب کے جو قدیم کتبات دستیاب ہوئے ہیں، ان پر اللہ کا لفظ، خدا کے معنی میں لکھا ہوا ہے، البتہ اسکا الما اللہ نہیں بلکہ ھکھ ہے، عرب شمال کے عرب جو نابتی کہلاتے ہیں ان کے ناموں کے ساتھ اللہ کا لفظ بھی شامل ہوتا تھا مثلاً زید اللہ، عبد اللہ، خود قرآن مجید میں خدا کفار کی نسبت کرتا ہے،

وَلَکِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ (نحلہ - ۳)

اور جو تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو بول اٹھیں گے کہ خدا نے، تم کہو کہ خدا کا شکر ہے،

یہ اصل میں حضرت ابراہیم کی تعلیم تھی، لیکن رفتہ رفتہ شرک کا اعتقاد پیدا ہوا، یعنی یہ کہ خدا کے اعظم کے سوا اور بھی چھوٹے چھوٹے خدا ہیں گو اللہ ان سب میں بڑا ہے، یہ اعتقاد اس قدر راسخ ہو گیا کہ اور معبودوں کے انکار سے ان کو اس قدر نہج ہوتا تھا جس قدر خود خدا کے انکار سے ہو سکتا تھا، بلکہ چونکہ ان کے نزدیک دنیا کا کاروبار اور وزمرہ کی ضرورتیں انھی چھوٹے چھوٹے خداؤں سے انجام پاتی تھیں اور کام اکثر انھی خداؤں سے

لے کر غلامے انساب کا بیان ہی ہو کہ یہ قبائل میں سے تھے لیکن میں نے ارض القرآن میں بدلائل اس سے اختلاف کیا ہے،
لے مذاہب اخلاق کی انسائیکلو پیڈیا، جلد اول، صفحہ ۶۶۴، بحوالہ پروفیسر نولڈیکی،
(ریٹا)

پڑتا تھا، اس لیے اللہ کا خیال کچھ یوں ہی سار گیا، انہی خداؤں کی پرستش کرتے تھے، انہی پر قربانی چڑھاتے تھے، انہی سے حاجتیں مانگتے تھے، اللہ تو زمین آسمان بنا کر بیکار سا ہو چکا تھا، جو کچھ کرتے تھے یہی خدایانِ اصغر کرتے تھے، یہی سبب تھا کہ کوئی شخص اللہ کا خالی نام لیتا تھا تو لوگ بہت کبیرہ ہوتے تھے،

وَإِذَا ذَكَرَ اللَّهُ وَحْدَهُ شَمَّانَتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا ذَكَرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَاهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ط (سورہ زمرہ - ۵)

اور جب خالی اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو یہ لوگ جو کہ قیامت کے معتقد نہیں ہیں، ناک بھون چڑھاتے ہیں، لیکن جب خدا کے سوا اوروں (معبودوں) کا بھی ذکر کیا جاتا تو دقت وہ کھل جاتی ہے

اور سمجھتے تھے کہ ان چھوٹے معبودوں کی نذر دنیا زود قربانی سے خدا خوش ہوگا، اور وہ اُس کے دربار میں سفارش کریں گے، چنانچہ وہ کہتے تھے،

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُنَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (زمرہ - ۱)

ہم ان بتوں کو اس لیے پوجتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا کے قریب کیوں لانا کہے گی۔

لَا تَكُنْ مِنَ الْإِثْمِ شُرَكَاءِ عِلَّاوَهُ، خدائے عظیم کی نسبت یہ مانتے تھے کہ اُس کے بال بچے بھی ہیں، چنانچہ فرشتوں کو خدا کی بیسیان کہتے تھے،

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيَسْمُوتْنَ
الْمَلَائِكَةَ تَسْمِيَةً أَلَا تُنْثَىٰ (سورہ ہنجم - ۲)

جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کو خدا کی بیسیان کہتے ہیں،

أَلَمْ تَكُنْ لَهُ الْاُنْثَىٰ تِلْكَ إِذْ هَمَّتْ خُمُودٌ (سورہ ہنجم - ۱)

تھارے تو لڑکے ہوں اور خدا کے لڑکیاں ایہ تو کچھ اچھی تقسیم نہیں،

اس لیے جس طرح بعض یہود و عیسویوں اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو خدا کا ستی سمجھتے تھے، وہ فرشتوں کو خدا کی اولاد سمجھ کر انکی الوہیت کے بھی قائل تھے،

وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَوْلِيَاءَ (آل عمران - ۸)

اور نہ تو خدا تم کو اس کا حکم دیتا ہے کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا ٹھہراؤ،

وَجَعَلُوا ابْنَيْهٖ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ لَنَسْبًا ۖ (صفت-۵) اور شرکون نے خدا و جنوں کے درمیان شتہ داری بنائی

اسی لیے وہ جنات کو خدا کی خدائی میں شریک کرتے تھے،

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ الْجِنِّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَئِنِّينَ ۚ اور انھوں نے جنوں کو خدا کا شریک بنایا اور وہ خدا کی

بندیت بغیرِ علم (انعام-۱۲) مخلوق ہیں، اور بن جانے والے بیٹے اور بیٹیاں گھڑیں

اور جب وہ خدا کے رشتہ دار اور خدائی کے شریک ٹھہرے، تو اُن کی عبادت اور پرستش بھی ضروری ہوئی

چنانچہ جاہلیت میں اہل عرب ان جنوں کی بھی پوجا کرتے تھے، اِن کا اَلْوَلَدُ يَعْبُدُوْنَ (نحۃ) اکثر وہم بہم مومنون

(سبا-۵) تم لوگو! جن کو پوجتے تھے اور ان میں سے اکثر اونچین پر ایمان رکھتے تھے؛ مسافر جب راستہ میں کہیں قیام

کرتے تھے، تو پہلے وہاں کے جنوں کی وہائی پکار لیتے تھے، قرآن میں ہے، وَاَنْتُمْ كَانْتُمْ اَجَالًا مِّنْ اِلٰہِیْنَ یُعٰذُوْنَ

بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمَ ۙ هَآءَا (جن-۱) اور ثبات یہ تھی کہ کچھ انسان بعض جنوں کی وہائی مانگا کرتے

تھے، اور انھوں نے اُن کو اور مغرور بنا دیا؛ چنانچہ بعض خوفناک مقامات میں خاص طور سے اُن کے نام کی

قربانی کیجاتی تھی اُن میں سے ایک مشہور مقام درہم تھا، جہاں کے رہنے والے جنوں (مکان الدرام) پر جانور

ذبح کر کے چڑھائے جاتے تھے، تاکہ قربانی کرنیوالے انکی شرارت سے محفوظ رہیں؛ قبیلہ خزاعہ کی شاخ بنو یلیح

خاص طور سے جنوں کی پوجا کرتی تھی، اور کلبی کا بیان ہے کہ انھیں کے متعلق یہ آیت اتری ہے،

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ خدا کو چھوڑ کر تم جنکو پکارتے ہو وہ تمھاری ہی طرح

عِبَادٌ اَمْثَلُکُمْ (اعراف-۲۴)

بندے ہیں،

بیتِ پستی | جن خداؤں کو یہ لوگ مانتے تھے، اُن کے بُت بنائے تھے، اور جاہلِ عظیم الشان بتکدے قائم ہو گئے

تھے، یہ رواج اس قدر عام ہو گیا تھا کہ جہاں کوئی خوبصورت پتھر مل گیا اٹھا لیا اور اسکی پرستش شروع کر دی، اس سے

۱۔ صحیح مسلم کتاب تفسیر ۲۔ لسان العرب لفظ "سکن"

۳۔ کتاب الاصلان ہشام الکلبی مطبوعہ مصر صفحہ ۳۴

زیادہ خوبصورت ملگیا تو اُس کو پھینک دیا اور اسکی پرستش کرنے لگے، جہاں کوئی پتھر نہ ہا تھا یا خاک کا ایک تودہ نہ لیا، ایک بکری لاکر، اسکا دودھ اُسپر دھوا یا، پھر اُس کے گرد طواف کیا، اور اب وہ ایک معبود بن جاتا تھا، چنانچہ صحیح بخاری کتاب المغازی، باب وفد بنی حنیفہ میں، یہ پوری تفصیل مذکور ہے،

اس بت پرستی کی ابتدا یوں ہوئی کہ قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص جب کانام عمرو بن لُحی تھا، اور جو قبیلہ جرہم کو شکست دیکر کعبہ کا متولی بن گیا تھا، ایک دفعہ بلقا گیا، وہاں لوگوں کو بت پرست دیکھ کر بت پرستی کی طرف مائل ہوئے اور وہیں سے ایک بت لاکر کعبہ میں نصب کیا، چونکہ اس کا اثر تمام عرب پر تھا، اس لیے تمام عرب نے بت پرستی قبول کر لی، اور گھر گھر بتجانے بن گئے، انہیں ہبل سب سے بڑا تھا، اس سے اُتر کر منات، لات، اور عزیٰ تھے، منات مدینہ منورہ سے سات میل پر تھا، انصار کے قبیلے یعنی اوس و خزرج اور اور پاس پاس کے قبائل اُسی کاج کرتے تھے، کعبہ کاج بھی جب یہ لوگ کرتے تھے تو احرام پہین اُکراتا کرتے تھے، حلفیہ معاہد بھی پہین ہوتے تھے، عبد العزیٰ مزیٰ کہتا ہے،

اِنِّیْ حَلَفْتُ بِمَیْمَنِ صَدِیقِ بَرِّیْ
مِنَ نَمَاتِیْ سَجِّ قَمِّ کَمَائِیْ

بمناۃ عند محل آل الخزرج اہل خزرج کے احرام اتارنے کی جگہ کے پاس

لات، قبیلہ ثقیف کا معبود تھا جو مقام طائف میں نصب تھا، اہل طائف اس کو کعبہ کے برابر تسلیم کرتے تھے،

عزئی ایک درخت تھا، اُسکے پاس ایک بت تھا، یہ قبیلہ غطفان کا بت تھا، لیکن قریش بھی اُسکی نہایت عزت کرتے تھے اور اسکی زیارت کو جاتے تھے، قریش جب کعبہ کا طواف کرتے تھے تو یہ پڑھتے تھے،
وَاللّٰتِ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةِ اٰلَآخِرِیْ
لات، عزیٰ، اور تمیزامناۃ یہ بڑے برگزیدہ ہیں،

۱۔ یہ پوری تفصیل معجم البلدان، نقط منات میں ہے،

۲۔ معجم البلدان، نقط لات و کتاب الاصنام للکلبی مطبوعہ دارالکتب المصریہ ۱۳۴۳ھ صفحہ ۱۹

اِنَّھن الغرائضُ الْعُلَىٰ وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَشَرْحٰیؕ اور انکی سفارش کی خدا کے ہاں تیسرے ہو۔

بت پرستی نے رفتہ رفتہ اور بہت سی برائیاں پیدا کر دیں، جانوروں سے گذر کر انسانی قربانیان اُن چڑھائی جانے لگیں، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جدِ امجد عبد المطلب نے جو اپنے صاحبزادہ (عبداللہ) کی قربانی کرنی چاہی تھی اسی رسم کی تقلید تھی،

بحیرہ، سائبہ، حام کے نام سے بتوں کے نام پر سائد چھوڑتے تھے، کعبہ کے سامنے جو قربانی کرتے تھے اس کا خون، کعبہ کی دیواروں پر ملتے ملتے تھے، بتوں کے سامنے شگون کے تیر رہتے تھے، ان میں سے ایک پر ”ہان“ ایک پر ”نان“ لکھا رہتا تھا، جو کام کرنا چاہتے پجاری سے کہتے کہ فال نکالے، ”ہان“ کا تیر نکلتا تو اس کا کھوکھرتے ورنہ باز رہتے،

جاہلیت میں جن چیزوں کی پرستش کی جاتی تھی، وہ مختلف قسموں کی تھیں، اصنام و اوثان، انصاب، اور بتوت، اصنام و اوثان جنکا واحد صنم اور وثن ہے، یہ انسانی شکل و صورت کے بت تھے، اگر وہ لکڑی کے ہوتے تو بعیم کہلاتے، اور اگر رنگ اور مسالے سے بنے تو ان کو دومیہ کہتے، انصاب اور نصب بن گھڑے ہوتے تھے، جنکو کھڑا کر کے اُن پر چڑھا دے چڑھاتے اور جانور ذبح کرتے تھے، بتوت جبکا واحد بت ہے، چند گھڑے، جیسے رضا، رنام، قلیس وغیرہ جنہیں بت پرستانہ رسوم ادا کئے جاتے تھے، جن بتوں کے ارد گرد چکر لگاتے تھے، اُن کو دوار کہتے تھے، اور ان پر جو قربانی کی جاتی تھی، اسکو غیرہ کہتے تھے، پھروں کا ڈھیر لگا کر اس کے چاروں طرف چکر لگاتے تھے، اس ڈھیر کو رجمہ کہتے تھے، جاہلی شاعر کہتا ہے،

کما طاف بالرجمۃ المرتجم جیسے پھروں کے ڈھیر کا طواف لگانے والا طواف کرتے،

جن بتوں کی پرستش کی جاتی تھی انکی کوئی انتہاء تھی مع

”قبیلہ قبیلہ کا ایک بت جدا تھا“

لے نیل المرام فی تفسیر آیات الاحکام صفحہ ۱۱۰ و ۱۱۱ سلہ ان الفاظ کے لیے دیکھو سان العرب،

خاص خانہ کعبہ اور اُس کے اطراف میں تین نو سو ساٹھ بُت تھے، ان میں سے قرآن پاک میں جن کے نام بتائے گئے ہیں وہ یہ ہیں، لالت، عزیٰ، مناتہ، یغوث، یثوث، نسر، وڈ، سواع، بعل، لیکن جاہلیات کے پرانے موزخون اور نفث نویسون نے جاہلیت کے شخصی ناموں اور شعراء کے اشعار سے بہت سے نام ذکر کیے ہیں، ہشام کلبی کی کتاب الاصنام میں جو اس موضوع پر پہلی کتاب ہے، اور جو اب مقررین چھپ بھی گئی، تقریباً تیس بتوں کے نام ہیں، علامہ زکی پاشا جنھوں نے کلبی کی اس کتاب کو ۱۳۴۳ھ میں تحشیہ اور تکملہ کے بعد شائع کیا ہے، اپنے تکررہ میں چھپائیس نام اور بڑھائے ہیں، میں اور جازمین آثار قدیمہ کے محققون نے عہد جاہلیت کے جو کتبے پڑھے ہیں، اُن میں الملقہ، عتار، نکرہ، قینان وغیرہ بہت سے اور ناموں کا پتہ لگایا ہے میں ارض القرآن کی دوسری جلد میں جو ۱۳۳۶ھ میں چھپی ہے، ان معلومات کو یکجا کر دیا ہے،

ذیل میں ہم اُن بتوں کی فہرست درج کرتے ہیں، جنکے نام اب تک معلوم ہو چکے ہیں،

بتوں کے نام	قبیلوں کے نام جو اُن کو خاص طور سے پوجتے تھے،
لات -	ثقیف،
عزیٰ -	قریش، و بنو شیبان بن جابر،
مناتہ -	اوس و خزرج اور عامر و ب،
یغوث -	بنو مذحج و اہل جریش،
یثوث -	بنو ہمدان و اہل حنواں،
نسر -	حتمیر،
وڈ -	بنو کلب،
سواع	بنو نضیر،
اساف،	(بُت جس پر حج میں قربانی ہوتی تھی) (بہت پرانا نام؟)

نائله ، بُت - جِپَر جِ مین سربانی ہوتی تھی ،
 اُقصیر ، قضاہ دتخم و جذام ، و عالمہ و غطفان ،
 باجر ، از دو طی و قضاہ ،
 ذوالخلصہ ، بنو امامہ ، ششم ، بجالہ ، از دالہ اسراۃ ،
 رضا ، یار رضی ، بنو سبیہ کا تجانہ ،
 رنام ، خمیر کا بت خانہ ،
 سجد ، بنی ملک بن کنانہ ،
 سُعیف ، عُنْزہ ،
 ذوالشری ، بنو حارث ،
 عاتم ، از دالہ اسراۃ ،
 عم اس دیا عُمَیْس ، خولان ،
 قلس ، طی ،
 ذوالکفین ، بنو وس ،
 منات ، قریش ،
 نُمس ، مزنہ ،
 ہبل ، قریش ،
 بعل ، قبائل بنی عدنان ،
 یعیوب ، جدیلہ بن بنی طی ،

شہل،	بنو عبد الاشہل،
اوال،	بکر ثقلب،
بس،	غطفان کا بُت خانہ،
بعیم،	(ایک لکڑی کا بُت،)
بلج،	(ایک بُت،)
جسم،	(،)
جُرش یا جَریش،	ایک بُت جس کی طرف عبد جرش کی نسبت ہے،
جلد،	(ایک بت کا نام،)
چار،	ہوازن کا معبود،
دار،	بنو عبد الدار،
دوار،	(ایک بُت کا نام،)
ذوالرجل،	حجاز کا ایک بُت،
شارق،	(ایک بت کا نام جس کی طرف عبد شارق کی نسبت ہے،)
شس،	بنو عبد شمس،
صدا،	عاد کا بت،
صمودا،	،
ضمار،	عباس بن مرد اس سلی کا قبیلہ،
ضیزن،	منذر اکبر،
عجب،	قضاء،

عوض،	بکر بن وائل،
عوف،	(ایک بت کا نام،)
غبنب،	(اس پر جانور ذبح کئے جاتے تھے)
قراض،	سعد الغنیرہ،
کثری،	جدیس و طسم،
ثعبہ،	(ایک بت کا نام)
مخرق،	بکر بن وائل،
مدان،	عبدالمدان،
مرحب،	حضر موت،
منہب،	(ایک بت کا نام)
ہبا،	عاد،
ذات الودع،	(ایک بت کا نام)
یایل،	عبد یایل،

ستار پرستی | عرب میں ستارہ پرستوں کا بھی ایک گروہ تھا مختلف قبیلے مختلف ستاروں کی پوجا کرتے

تھے، اُن میں سے اہم سورج اور چاند تھے۔ اسی لئے قرآن پاک نے خصوصیت کیساتھ کہا،

لَا تَسْجُدْ لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ (حم السجدة - ۵) نہ سورج کو سجدہ کرو، نہ چاند کو،

یعنی میں سب کی قوم سورج ہی کو دیوی مانتی تھی، (نمل - ۳) بن کے بادشاہ شمر عرش نے سورج

دیوی کا مندر بنوایا تھا، سورج اور چاند کے بعد ستاروں میں شہری کی بڑی قدر و منزلت تھی، ایسے قرآن پاک

بلقہ تاریخ ملوک الارض حمزہ اصفہانی ص ۱۱۱، کلکتہ،

نے کہا،

وَأَنَّ هَذِهِ الشَّعْرَى (نجم - ۲) اور وہی خدا شعری کا مالک ہے،

صاعدانندی المتوفی ۱۲۶۲ھ نے اپنی کتاب طبقات الامم میں عرب کے حسب ذیل قبیلوں کو مختلف ستاروں کا پرستار بتایا ہے،

قبیلہ حمیر سورج کو پوجتا تھا، کنسانہ چاند کو، تمیم دبران کو، نجم اور جذام مشتری کو، طلی ہیل کو، قیس شعری البور کو، اور اسد عطار کو،

جن اور شیاطین اور جہوت پلٹ | جن اور شیطان کی نسبت عرب کے عجیب عجیب اعتقاد تھے، وہ جن شیطان اور جہوت پلٹ، سب کو ایک ہی جنس سمجھتے تھے، گو اختلاف صورت اور اشغال کی وجہ سے اُن کے الگ الگ نام پڑ گئے تھے، جو آجہتہ جنگوں اور میدانوں میں رہتے تھے، اور مسافروں کو اپنی صورتیں یا کبس، بدل بدل کر دھوکا دیتے تھے اُن کا نام غول تھا، یہ مذکور بھی ہوتے تھے اور نمونٹ بھی،

عبید بن ایوب الغیری،

وغول اقفر ذکروا انہ
کان علیہما قطع البجاد
نمونٹ کو سعالہ کہتے تھے،

انزل وسعالہ وغول بقفرہ
اذا اللیل واری الجن فیہ ارنٹ
میں پھسلتا ہوں اور چرٹیل اور غول بیابان میں
جب بات پڑ پڑ ہوتی تھی تو بھوت میں آواز دیتے تھے

عمر بن یزید ایک ممتاز شخص تھا اس نے سعالہ سے نکاح بھی کیا تھا اور اس سے اولاد بھی ہوئی تھی، راجز کہتا ہے،

لہ طبقات الامم تافہ صاعدانندی، ص ۱۳۵، بیروت،

یا قاتل اللہ بسے السعلاة
بلقیس ملکہ مین سعلاة ہی کے پیٹ سے تھی،

یہ اکثر گاتے بجاتے تھے اور اہل عرب اُن کے نغموں سے غلط ہوتے تھے،

کم جبت دونک من بهماء مظلة
تنتی اندھیری گھپ راتوں مین، مین نے

تیبہ اذا ما مغنے جتلا سمر
صو کو قطع کیا جب بان کے جتا مفتی افسانہ گوئی کر تھا،

صحرائشین بدوؤن کی صحتوں مین شریک ہوتے تھے، جاڑوں مین جب بدواگ جلا کر بیٹھتے تھے تو

یہ بھی آگ تاپنے کو آجاتے تھے، لیکن جب ان کو کھانے پر بلاتے تھے تو وہ عذر کرتے تھے کہ ہم آدمیوں کی غذا
نہیں کھا سکتے،

الوانا ری فقلت منون انتم
وہ لوگ رات کو بیسے پاس آتے مین نے کہا تم کوئی

فقالوا الجحقت عمو اطلاما
انھوں نے کہا ہم جن مین، مین نے کہا اس تادیکی مین خوش ہو

دعوت الی الطعام فقال منهم
مین نے ان کو کھانے کیلئے بلایا، تو ان مین سے ایک سوار نے کہا

زعیم نحسد لافس الطعام
ہم ستم انسان کے کھانے پر حسد کرتے ہیں،

یہ زیادہ تر جہان آباد تھے ان موضوعوں کے نام، بدی، بقار، اور عبقر تھے،

ع جن البدی واسیا اقدامها
بدی کے جن، جن کے تدم جے تھے،

ع تحت السنور، جنة البقار
زرد ہون کے نیچے بقار کے بھوت تھے،

ع علیہن فتيان کجشة عبقر
اولان پر شہسوار جوان عبقر کے بھوت معلوم ہوتے تھے،

ان کے اقسام حسب ذیل تھے،

جو آدمیوں کے ساتھ بل بل کر رہتے تھے ان کو عامر کہتے تھے،

جو بچوں کو سناٹے تھے ان کا نام رُوح تھا،

جو زیادہ شریعت تھے اُن کو شیطان کہتے تھے،

اس درجہ سے بڑھکے جو شریعت ہوتا تھا اسکو عفریت کہتے تھے،

یہ اکثر بچوں اور جوانوں کو اٹھائے جاتے تھے، حضرت علیؑ کے ایک بھائی طالب تھے، اُن کو اٹھا لگئے اور پھر اُن کا پتہ نہ لگا، عمر بن عدیؓ نے جو عرب کا بادشاہ تھا اس کو بھی اٹھائے گئے تھے، لیکن کئی برس کے بعد، جذیمہ ابرش کو لا کر دے گئے،

اسی طرح خرافہ کا قصہ ہے جس کو جن اٹھائے گئے تھے، مدت کے بعد وہ واپس آیا، تو عجیب عجیب باتیں بیان کرتا تھا،

ان اجنبہ یا شیطین سے جن لوگوں کے تعلقات زیادہ بڑھ گئے تھے ان میں سے تائب شترا، اور ابوالہی
ملوی زیادہ مشہور ہیں، ملوی نے ایک دفعہ ایک بھوت کو مار ڈالا تھا اس کے واقعات ایک نظم میں لکھے ہیں

لَقِيتُ الْعَوَّلَ تَسْرِي فِي ظِلَالِهِ مِثْلُ غُولٍ يَبْأِي بَانِي سَ مَا حِرَاتِ كَوْنَهُ حَيْرٌ مِّنْ حَلْوٍ مِّنْ

.. .. .

فَصَدَّتْ وَانْتَحَيْتُ لَهَا بِالْعَضْبِ تَوَّاسٌ نَعَى رَوْحًا أَوْ مِثْلَ بَنِي جَوْثِي مِثْلَ تَوَّاسٍ لِّكِرْ

حسام غیر موگشب یمانی اُس کی طرف بڑھا،

فَقَدْ سَرَّاهَا وَالْبَرْدَ مِنْهَا تَوَّاسٌ مِثْلُ سُرَّاهَا أَوْ مِثْلَ زَهْرُونِ كَوْنَهُ كَوْنُهَا

فَحَزَنَتْ لِلْيَدِينِ وَاللَّجْجَرَانِ اور وہ دونوں ہاتھوں اور سینہ کے بل زمین پر گر پڑا

انہیں اجنبہ اور شیطین کا زور توڑنے کے لیے قرآن نے قیامت کے اس سوال و جواب کا انداز اختیار کیا کہ اُن کے دوست انسان وہاں بھی اونکی دوستی کا دم بھرتے جائیں گے، اس سے اندازہ ہوگا کہ

لے شامل ترمذی باب الستر، لے یہ تمام تفصیل کتاب الحيوان جاحظ سے ماخوذ ہے، اس نے کئی درجہ میں نہایت تفصیل سے یہ واقعات لکھے ہیں، دیکھو کتاب مذکورہ صفحہ ۸۰، جزیرہ ششم، مطبعہ مطبع سعادت، مصر،

جابل عربون پران کا کس قدر استیلا تھا،

يَمْعَثُ الْجَنِّ قَدِ اسْتَكْبَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ

وَقَالَ اَوَلَيْسَ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمَعَ

بَعْضًا مِّنْ بَعْضٍ (العام- ۱۵)

رب اہم میں سے ایک نے دوسرے کا کام نکالا،

کہانت اکہانت ایک سخت بلا تھی، جو تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھی، ہر جگہ ایک یا کئی کاہن ہوتے تھے، جو آئندہ

واقعات کی پیشین گوئی کر رہے تھے اور آسمانی خبریں بتاتے تھے، اہل عرب کا اعتقاد اور خود کا ہنوں کا دعوے

تھا کہ ان کے ساتھ ایک ایک جن رہتا ہے اور وہی انکو اتقا کرتا ہے، وہ اپنی شکل و صورت ایسی بناتے

تھے کہ پہچان لیے جاتے تھے، چنانچہ ایک بار حضرت عمرؓ کے پاس سے ایک آدمی گذرا، انھوں نے قیادہ سے

پہچان لیا کہ وہ کاہن ہے، اوسکو بلا کر پوچھا کہ ”تیرے جن نے تجھ سے سب سے عجیب تر بات کیا

بیان کی؟“ اُس نے کہا کہ میں ایک روز بازار میں پھر رہا تھا کہ میرا جن گھبرایا ہوا آیا، ادا کہا،

المترا الى الجن وابلاسها فياسها من بعد

انكاسها ولحقها بالقلاصا حلاصها

کیا تم جنوں کی سرنگی و نکی ناہمدی اور اُنکے کاروبار

کی اتبری نہیں دیکھتے،

حضرت عمرؓ نے فرمایا سچ کہتا ہے، میں ایک روز زمانہ جاہلیت میں بتوں کے پاس سویا ہوا تھا کہ میں نے

خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی نے ایک گوسالہ لاکر ذبح کیا، اُس کے بعد ایک شخص زور سے چلایا،

يا جليل، امز فحيم رجل فصيح يقول لا اله الا الله

اے جلیل، کامیاب امز ایک فصیح شخص لا اله الا الله

کہتا ہے،

اے اللہ،

اس کے چند ہی دنوں کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، صحیح بخاری (تفسیر سورہ الفتح) میں روایت

ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کچھ علیل ہو گئے اور دو تین دن رات کو عبادت کے لیے نہیں اُٹھے

اس پر ایک عورت (یہ ابولہب کی زوجہ تھی) نے اگر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہا،

انی ارجوان یكون شیطانك قد ترکك میا خیال ہو کہ تیرے شیطان نے مجھ کو چھوڑ دیا،

یہ وہی خیال تھا، چونکہ کفار آپ کو کاہن خیال کرتے تھے، اس لیے اُن کو خیال تھا کہ آپ کے ساتھ کوئی

جن یا شیطان رہتا ہے، قرآن پاک نے اسی کی تردید اس آیت میں کی ہے،

هَلْ اَنْتُمْ عَلٰی مَنْ تَنْزِلُ الشَّيْطٰنُ ؕ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتا ہے، شیطان

تَنْزِلُ عَلٰی كُلِّ اَفَّاكٍ اَشِيْمٍ ؕ یَلْقَوْنَ السَّمْعَ ہر جھوٹے گندگار پر اترتا ہے، جو مٹی سنائی بات افکار کرتے

وَاَلْتَرٰهُمْ مَخْلٰذِبُوْنَ ؕ (شعراء-۱۱) ہیں، اور وہ اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔

یہ کاہن تمام مقدمات اور نزاعات کا فیصلہ بھی کرتے تھے اور اس بنا پر تمام ملک پر اُن کا اثر چھایا ہوا تھا

ان میں سے حازمی، شق، سطح، عزی، بہت مشہور تھے، جاحظ نے اُن کے کاہنہ فقرے، کتاب بیان میں

نقل کئے ہیں،

وکلارض والسماء، والعقاب والصقلاء قسم ہے زمین اور آسمان کی اور عقاب اور آفتاب کی

واقعة ببقعاء، لقد نفر المجد بنی میدان میں واقع ہوا کہ بزرگی جو عشا پر غالب گئی

العشرا للمجد والسناء، بوجہ بڑائی اور بلندی کے،

یہ کاہن جو خبریں بتاتے یا تلقین کرتے وہ بڑے تکلف کے مقفی اور متبع فقرے ہوتے اس لیے جب

ایک دفعہ آنحضرت صلعم کے سامنے ایک ساقط اہل نچہ کا مقدمہ پیش ہوا، اور آپ نے اسکی دیت کا فیصلہ کیا تو ایک شخص نے

عوب کے دستور کے مطابق اعتراض کیا،

ارأیت من لا شرب ولا اکل ولا صاح غور فرمایا کہ جس بچہ نے نہ کھایا نہ پیانہ چھینا نہ رویا کیا اگا

فاستهل الیس دمه یطل خون معاف نہ ہوگا،

آپ نے فرمایا یہ کاہنون کے بھائیون میں سے ہے، (صحیح مسلم و بیہ بخنین و صحیح بخاری باب الکھانتہ)

یہ کہن تجانوں میں رہتے تھے، اور کسی ٹھٹھ کے پجاری ہوتے تھے، جب لوگ اُن سے غیب کی بات پوچھتے، یا وہ خود آئندہ کے متعلق پیشینگوئی کرنے لگتے، تو ایک خاص کیفیت اپنے اوپر طاری کرتے۔ مرد بھی کہن ہوتے تھے، اور بعض عورتیں بھی ہوتی تھیں، جو کاہنہ کہلاتی تھیں، یہ مصیبتوں اور بلاؤں کے دور کرنے کے لیے بت پرستانہ علاج اور تدبیر بتاتے تھے، یہ اپنی کہانت کی اجرت میں بڑی بڑی رقم اور نذرانے وصول کرتے تھے، اسلام کے بعد ان میں جو مسلمان ہو گئے تھے، وہ علانیہ اپنے خدع و فریب کا اعتراف کرتے تھے، اُن کو نذر و نیاز اور اجرت کی جو رقم یا تحفہ ملتا، اُس کا نام حُلوان الکاہن تھا، یعنی کاہن کے منہ میٹھا کرنے کے لیے تحفہ، اسلام نے اگر اس کو روک ڈیا،

غرض ان کاہنوں نے عوام فریبی کا بڑا جال پھیلارکھا تھا، اور یہ انھی کا اثر تھا کہ ملک کا ملک کیلرو قسم کی وہم پرستیوں میں مبتلا ہو گیا تھا،

شعراء کی نسبت بھی عرب کا خیال تھا کہ ہر شاعر کے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے اور وہی اُس کو اشعار افکار دیتا ہے، چنانچہ تخیل شاعر کی شیطان، عمر و کی بیٹی تھی، اور اُسے جو عرب کا مشہور شاعر تھا، اس کے شیطان کا نام سُحُل تھا، اُسے خود کہتا ہے،

دعوتُ خلیلے مسحلا و دعوالہ میں نے اپنے دوست سُحُل کو پکارا اور انھوں نے

بجھنا مرید عی اللہ جین المذمم اُسکے کو جہنم کو پکارا، اور یہ کہینہ بدطوار کیلئے بلایا جاتا تھا

حبانی اخی الجحیٰ نفسے فداء مجھ کو میرے جن دوست نے میری جان اُس پر فدا ہو

باقیہ حیاش العشیات من جہنم شاموں کی قوت سے بے ہوش، مار پیس اور سخت پھر کر اُڑاؤ

جو اعلیٰ درجے کا شاعر ہوتا تھا اس کا شیطان یا جن مذکور ہوتا تھا، ابو النجم کہتا ہے،

لہ بخاری جلد اول ص ۱۰۶ کتاب الطب باب الکتمان لہ بخاری ایضاً ص ۱۰۶ کے دیوان مطبوعہ دیاناصدق میں صرف پہلا شعر ہے، اور اس کا بھی دوسرا مصرع اس طرح ہے، جھٹھا وجد ع اللہ جین المذمم،

اَنّٰی وَکَل شاعر من البشر ہر شاعر کا شیطان تو مومنٹ ہے
 شیطانہ انٹے وشیطانی ذکر مگر میرا شیطان مذکر ہے
 شتقان اور شیبان، رؤسے شیاطین تھے جو شاعری سکھاتے تھے، ایک شاعر کو اس پر فخر تھا کہ
 اس کا معلم اسی شیبان کی اولاد سے ہے،

ولی صاحب من بنے الشیبان میرا ساتھی شیبان کی اولاد ہے
 فطوراً اقول وطوراً اهوہا تو کبھی میں شعر کہتا ہوں کبھی وہ،
 اوہام پرستی | سانپ کو قتل نہیں کرتے تھے، یہ اعتقاد تھا کہ سانپ مارا جائے تو اُسکا جوڑا اگر بدلہ لیتا ہے، یہ
 اعتقاد تھا کہ مرنے کے بعد روح ایک پرند بن کر اُڑتی رہتی ہے، اُسکو ہامہ کہتے تھے، یہ اعتقاد تھا کہ پیٹ میں ایک
 سانپ رہتا ہے جو بھوک کے وقت کاٹتا ہے، جو کام کرنا چاہتے تھے پہلے شگون لے لیتے تھے، مثلاً اُسوقت
 کوئی پرند داہنی جانب سے اُڑا تو مبارک سمجھتے تھے اور بائیں جانب سے اُڑا تو اُسوقت اُس کام سے باز رہتے
 تھے، بکری کے جب بچہ پیدا ہوتا تو اگر زہوتا تو بت پر چڑھادیتے، اونٹنی جب دس بچے جن لیتی اُسکو چھوڑ دیتے
 وہ ساند کی طرح چھوٹی پھرتی،

کسی شخص کے پاس جب اونٹوں کی تعداد ہزار تک پہنچ جاتی تو ایک اونٹ کی ایک آنکھ پھوڑ دیتے
 کہ نظر نہ لگجائے، جب کبھی قحط پڑتا تو بیٹیر یا دنبہ کی دم میں گھانس بھونس باندھ کر آگ لگا دیتے اور سمجھتے کہ اس
 پانی برسیگا، سفر میں جاتے تو کسی درخت میں ڈورا وغیرہ باندھ کر گرہ لگا دیتے، واپس آکر دیکھتے اگر گرہ کھلگئی جو
 تو سمجھتے کہ انکی بیوی نے بدکاری کی، سفر میں راستہ بھول جاتے تو کپڑے انکڑھن لیتے اور سمجھتے کہ اس سے
 راستہ مل جاتا ہے، یہ خیال تھا کہ جو شخص لات و عزی کو گالی دیتا ہے اُس کو برس یا حزام ہو جاتا ہے، ہاتھوں
 میں پتلیں کی انگوٹھی پہنتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس سے ضعف جاتا رہتا ہے،

اس قسم کے سیکڑوں اوہام پھیلے ہوئے تھے، جنکا شمار نہیں ہو سکتا،

یہ تو ان کے مذہبی حالات و خیالات تھے، انکی اخلاقی کیفیت بھی ایسی ہی پست تھی، ان کے اخلاقی معیار میں سب سے نمایاں چیز انکی جنگجوئی تھی، جس نے ان کو حد درجہ خونخوار، سنگدل اور سفاک بنا دیا تھا،

جنگجوئی اور اسی بات پر ٹرنا، اور ایک دوسرے کا سر کاٹ لینا ان کے نزدیک کوئی بات ہی نہ تھی، قبیلہ دوسرے قبیلہ سے، اور ہر خاندان دوسرے خاندان سے برسرِ پیکار تھا، ہر بچہ اپنے باپ اور عزیزوں کے قتل سے انتقام لینے کے جذبہ میں پرورش پاتا تھا، اور جوان ہو کر اس مقدس فرض کو انجام دیتا تھا، اور اس طرح ایک ایک لڑائی کا سلسلہ برسوں تک قائم رہتا تھا، انھیں لڑائیوں کو مورخین اور اہل ادب آیام العرب کہتے ہیں، جنکی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے، میدانی نیشاپوری المتوفی ۱۱۱۵ھ نے کتاب الامثال میں ان ۱۳۲ لڑائیوں کے نام بتانے کے بعد یہ لکھا ہے،

هذا الفن لا يتقصا الا احصاء فاقصرت
یہ فن شمار کا استقصاء نہیں کر سکتا، اسلئے جو کچھ میں نے بیان

علا ما ذکرنا (جلد ۲ صفحہ ۳۰۵ مصر) کیا ہے، اسی پر میں نے قناعت کی،

یہ تمام لڑائیاں وہ ہیں جو اسلام سے چالیس پچاس برس پیشتر سے اسلام تک ہوئیں، ان میں سب سے مشہور لڑائی جس و ذبیان کی ہے، جس کا واقعہ یہ ہے کہ ان دو قبیلوں کے دو گھوڑے وحاش اور غیرا کا بھی مقابلہ تھا، ان میں سے ایک فریق نے گھوڑے دوڑ کے قواعد کی خلاف ورزی کی، اور لڑائی ہو پڑی، یہ لڑائی ان دونوں قبیلوں میں پورے چالیس برس تک قائم رہی، دوسری مشہور لڑائی حرب لبوس ہے، اس کا واقعہ یہ ہے کہ لبوس نامی ایک قبیلہ کی عورت کی اوٹنی، کلیب بن وائل کے چراگاہ میں جا پڑی، کلیب نے اپنے تیر سے اس کے عنق کو زخمی کیا، اس بات نے قبیلہ میں آگ لگا دی، کلیب جان سے مارا گیا، اور بکرو و قلوب میں خونریز جنگ ہوئی، عکاظ کے میلہ میں سلیم اور عطفان کے سرداروں میں کچھ مناقشہ ہوا، چند روز کے بعد موقع پا کر ایک قتل کر دیا گیا، اس کے انتقام کے لیے خون کی ندیاں بہیں، بکرو و تم میں ایک چراگاہ کے ملحق

میں خونریز لڑائی ہوئی، اوس و خراج مدینہ کے دو قبیلوں میں جو ہولناک لڑائیاں ہوتی رہیں، ان میں سب سے مشہور یوم بُعات ہے جس میں دونوں قبیلوں کے اکثر سردار کام آئے، اس لڑائی کا خاتمہ انصارِ مدینہ کی بیعت پر ہوا، قریش کی مشہور لڑائیوں کا نام ایامِ فجار ہے، ایک اور مشہور لڑائی کا نام ذی قار ہے، الغرض معمولی سے اشتعال سے قتل تک نوبت پہنچتی تھی، قتل سے انتقام کا جذبہ پیدا ہوتا تھا، اور لڑائیوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ قائم ہو جاتا تھا، ان میں لڑنا، اور مرنا اور مارنا جاہلیت کا شرف، اور قبیلہ کی آن سمجھی جاتی تھی، اور اس خون آشامی کا ذوق ان کی فطرتِ ثانیہ بن گئی تھی، ان لڑائیوں میں سفاکی، بیرحمی، اور قتل و غارت کی بدترین مثالیں پیش آتی رہتی تھیں،

شراب خوری | شراب جو ہر قسم کے فسق و فجور اور مظالم اور بدکاری کا سرچشمہ ہے، عربوں میں اس کا اس قدر رواج تھا کہ ہر گھر ایک میکدہ بن گیا تھا، اس کا نہ پینا اس قدر ناموس بات تھی کہ جن چند آدمیوں نے اسلام سے پہلے اس کے پینے سے پرہیز کیا تھا، ان کے نام یاد رکھے گئے ہیں، دوست و احباب کی گھر میں جمع ہوتے، شراب کا دُور چلتا، ساتھ ہی جوئے کھیتے، ان میں اونٹوں کی ہار جیت ہوتی، جو جیتا وہ جیتے ہوئے اونٹوں کو اسی وقت ذبح کر کے لوگوں کو کھلا دیتا، کبھی نشہ میں سرشار ہو کر خود صاحبِ خانہ اٹھ کھڑا ہوتا، اور اپنے اونٹوں کو کاٹ کاٹ کر ڈھیر کر دیتا، لوگ گوشت بھونتے، کباب لگاتے، اور کھاتے اور کھلاتے، اور اپنی اس بیجان فاضی پر فخر کرتے، سامنے فاحشہ مغنیہ عورتیں گاتیں بجاتیں، اور اسی غمخواری کے عالم میں بشری کی باتیں کرتے، جاہلیت کا مشہور شاعر طرفہ کہتا ہے،

وان تبغنی فی حلقة القوم تلفی وان تقنصنی فی الحوائت تصطب

اگر تو مجھے لوگوں کے حلقہ میں ڈھونڈے تو پایگا اور اگر شراب خانوں میں مجھ کو شکار کرنا چاہے تو کر سکتا ہو

منی تاتنی اصحوا کاسار ویتہ وان کنت عنہا غائباً فاعن وازد

اے ان لڑائیوں کے مفصل حالات کے لیے دیکھو عقد الفریۃ ابن حجر ربہ جلد ۱۲ اور امثال میدانی لفظ بہ یوم

جب بھی تو میرے پاس آئے میں تجھ کو شراب کا سیلاب پیالہ پلاؤں گا، اور اگر تو اس بے نیاز ہو کر نہ آئے، جا اور بے نیازی کر
 ند امانی بیض کا لہجہ وقینۃً تروح الینا بین برد و مجسد
 میری مغل شریک ہنشین ستاروں کی طرح گورے چٹے بین ایک مغنیہ جو شام کو ہمارے پاس یعنی چاؤ اور غزنی کپڑوں میں آتی ہے
 رحیب قطاب الجیب متھا رفیقۃً بحس النداسی لخصۃ المتجرد
 اُس کے گریبان کا شگفتہ بڑا ہے، شربانی رفیقوں کی دست درازی ہوا نوس اؤ اُس کے بدن کے برہنہ حصے لطیف بین
 اذ انحن قلنا اسمعینا انبرت لنا علی رسلہا مطر و قۃ لم تشدد
 جب ہم کہتے ہیں کہ ہمیں سناؤ، تو آہستہ آہستہ ۔۔۔ نزاکت کے ساتھ آگے بڑھتی ہے،
 و ما زال تشربانی الخمر و لذتی و بیعی و انفاقی طریفی و متلدی
 میری شراب نوشی، اور لذت اندوزی، اور اپنی حاصل کردہ اور موروثی دولت کو خرچ کرنا میرا شمار رہا۔
 فلولا ثلث حق من لذۃ الفتنۃ وجدک لم احفل متی قاهر عوقدی
 اگر تین باتیں نہ ہوتیں جو ایک شریف کا لطفِ ذوق ہیں، تو میں اپنی موت کی پروا نہ کرتا،
 فمنھن سبق العاذلات بشریۃً لثیمت متی ما تغل بالماء تزدید
 ان میں سے ایک تو نصیحت کرنے والیوں کی بات کا خیال کو بغیر سرخ دیا رنگ شراب کا پیالہ پی لیا کہ میں فی الحال نہ ہوں
 و تقصیر یوم الدجن والدجن عجیب بیہنکتہ تحت الخباء المعمد
 اور دوسری باگھنگو گھٹا کے دن کو اور وہ کیسا پر لطف تھا جو کسی بلند خیمہ کے نیچے حسین مشق سے لطف اندوزی میں چھو کرنا،
 کریم رومی نفسہ فی حیا ستعلم ان متناغدا اینا الصدی
 میں وہ فیاض ہوں جو اپنی زندگی میں اپنے آپ کو شراب پلا کر سیلاب کرتا ہوں موت کے بعد معلوم ہوگا کہ ہم میں کیا کون
 و بنوک ہجو قد اشارت مخافقی بوادیعاً مشی بعضب مجرم
 کتنے سوئے بیٹھے اونٹ تھے، کہ میرے خون نے اونکے اگلون کو ڈرا دیا جب میں نگلی تلوار لیکر چلا۔

فسرّت کھاۓ ذات خیف جلالۃ عقیلۃ شیخہ کالو میل بلند
 تو ایک موٹی اونٹنی جو ایک بڑے کی جوتھ کی طرح جھگڑا کرتی تھی، قیمتی چیز تھی، سامنے آگئی
 وقال الاماذا ترون بشارب شدید علینا بغیہ متعدد
 (تو اسے کو بچ کاٹ کر اس کو گرا دیا، تو اس بڑے نے کہا کہ اس بدست کو دیکھ جو جان بوجھ کر ظلم کر رہا ہے
 فذل الاماء یمتللن حوارھا وتسع علیھا بالسدیف المسرھا
 تو لوندیاں اس کے بچے کو بھوننے لگیں اور چربی دار کوہان کا گوشت لیکر دوڑنے لگیں،
 لبید بن ربیعہ جو عرب کا مشہور شاعر، اور سیدہ معلقہ کی محفل کا چوتھا ممبر ہے کہتا ہے،
 بل انت لاتدرین کم من لیلۃ طلق لذید لھوھا وندامھا
 بلکہ تو نہیں جانتی کہ کتنی کھلی ہوئی راتیں، جن کی دلچسپی اور مسکونی پر لطف تھی
 قد بٹ سامرھا وغایۃ تاجر وافیت اذا رفعت وعزمدامھا
 میں اُن کا قہقہہ کرتا تھا، اور شراب فروش کی منزل میں آتا تھا، رہا جب شراب کی قیمت زیادہ، اور شراب گران ہو گئی
 اعلی السباء بکل ادکن عاتق او جوندۃ قدحت وفض ختامھا
 میں اس کی قیمت کو اور گران کر رہا تھا، اپنی ٹانگ کی مشک بخم کو خرید کر چوہا لٹوین بھری جاتی، اور اس کی مہر توڑی جاتی،
 وصبح صافیۃ وجذب کرینۃ بمؤثر تلتالہ ابھا مھا
 اور کتنی صبح کی صاف شراب، اور مغنیہ کا عود کو کھینچ کر، اپنے انگوٹھے سے دباننا
 بادرت حاجتھا الدجالج بسحرة لاعل منها حین ہبّ نیا مھا
 میں شراب کی ضرورت مرغ سحر سے پہلے پوری کی، تاکہ میں اُسکے سونے والوں کے جاگنے سے پہلے دہراؤں،
 تغلب ان قبیلون میں تھا جنھوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا، لیکن اس مذہب نے بھی عربوں
 کو اس بری عادت سے باز نہیں رکھا تھا، بلکہ شراب کی درآمد زیادہ تر انھیں عیسائیوں کے ملک شام سے ہوتی

تھی، قلب کا سب سے بڑا شاعر، اپنے فخریہ میں کہتا ہے:

الاهی بصحنك فاصحينا ولا يتق خمسرا لا ندرينا
ہاں، اپنا پیالہ لیکر اٹھ جا، اور مجھے صبح کی شراب پلا، اور اندر کے (رہائی) گاہوں کی کوئی شراب چھوٹنے نہ پائے
مشعنة كأن الحص فیہا اذا ما الماء خالطها سحينا
پانی میں ملی ہوئی گویا تھیں کو سم کے پھول پڑے ہیں، جب گرم پانی اُس میں ملاؤ
تجو ربذی اللبانة عن هواہ اذا ما ذاقها حتی تلینا
غرضند عشق بھلا دے، اگر اوس کو چکھ لے، یہاں تک کہ اوس کو نرم کر دے
تدری الخمر الشحیح اذا امرت علیہ لمالہ فیہا مھینا
تنگ دل نہیں پر بھی اگر اُس کا ایک دور گزار دیا جائے تو وہ اپنی دولت کو ٹٹا دے
صنبت الکاس عناقر عمری وکان الکاس بھراھا الیمینا
اے عمر کی ماں! تو نے ہم سے پیالہ ہٹا لیا، حالانکہ پیالہ کا دور واپس ہی طرف تھا
وما شرتا الثلثة اہ عمر بصاحبک الذی لا تصحینا
حالانکہ تیرا وہ ہم نشین جس کو تو نہیں پلاتی، تین میں سب سے بدتر نہیں،
وکاس قد شربت ببعلبک واخری فی دمشق وقاصرینا
اور ایک وہ پیالہ جسکو بعلبک میں پیا، اور دوسرا وہ جو دمشق اور قاصرین میں پیا،

ان اشعار سے اندازہ ہوگا کہ جاہلیت میں شراب نوشی کا کیا عالم تھا، شراب فروشوں کی دوکانیں
کسی ممتاز مقام پر ہمیشہ کھلی رہتی تھیں، اور نشان کے لیے وہاں جھنڈا اوڑا کرتا تھا، جسکو غایت کہتے تھے،
(دیکھو اوپر لیلید کا دوسرا شعر) انتہا یہ ہے کہ تجارت کا لفظ ”شراب فروشی“ کا مرادف بن گیا تھا، ایک
جاہلی شاعر عمرو بن قیس کہتا ہے،

اذا مسح الریط والمروط الى ادنى تجاری والنقص اللما

(حاشیہ)

یاد کردہ دن جب میں اپنی چادر گھسٹتا ہوا قریب ترین شہر نما میں جاتا تھا اور اپنے گیسو ون کو جھارتا تھا

بدر میں قریش کے جو دو لہتمند دُسا مارے گئے تھے، ان کے مرثیہ میں قریش کا ایک شاعر خاص طور سے

ان کی بوم شراب، اور مجلس رقص و سرود کی بربادی کا ماتم کرتا ہے،

وماذا بالقلب قلب بدر من القینات والشرب الکراہ

بدر گڑھے میں (جہنم مقولین کی لاشیں ڈالی گئی تھیں) ناپچے والیون اور فیاض شرابیوں کا ماتم ہے

شراب کے رواج عام کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عربی زبان میں شراب کے ڈھائی سو نام ہیں

اور علامہ مجد الدین فیروز آبادی نے خاص ان ناموں پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، تمام گھرون میں شراب

کی مجلسیں قائم ہوتیں، گھر کی عورتیں اور چھوٹے بچے ساقی بنتے تھے، یہ شعرا و پرگزر چکا ہے جس میں شاعر اپنی

بیوی سے کہتا ہے،

صنبت الکاس عناً اذ عید اے ام عمر! تو نے شراب کا پیالہ ہم سے ہٹایا

وکان الکاس مجراھا الیمینا حالانکہ پیالہ کی گردش داہنی طرف سے تھی

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اسلام لانے سے پہلے میں اپنے باپ (عباس) کی زبان سے کم سنی

میں یہ سنا کرتا تھا، استقنا کاساً دھا قاً "شراب کا ایک لبر نریالہ ہم کو پلائے"

صحیح بخاری کتاب الاشریہ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب شراب حرام ہوئی تو اس وقت ایک محل قائم

تھی جس میں حضرت ابو دجانہؓ، ابو حمزہؓ، ہشیل بن ہبیشؓ، شریکؓ تھے اور میں جو کہ سب کمن تھا، ساتی گری کی خدمت انجام دے رہا تھا،

شراب کس بے تکلفی سے پی جاتی تھی، کس درجہ کے لوگ پیتے تھے، کس قسم کے افعال اس حالت

میں سرزد ہوتے تھے، اس کا اندازہ صحیح بخاری کی ایک روایت سے ہوگا جو حرمت شراب سے قبل کا واقعہ ہے،

۱۔ صحیح بخاری، باب الحجۃ، جلد اول، صفحہ ۱۰۰، ۲۔ صحیح بخاری باب ایام الجاہلیہ جلد اول، صفحہ ۱۰۰، ۳۔ المغازات، غزوہ بدر

غزوہ بدر میں حضرت علیؓ کو مالِ غنیمت میں سے ایک اونٹنی ملی تھی، جس میں سے ایک اور اونٹنی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عطا فرمائی، حضرت علیؓ کا نخل حضرت فاطمہؓ سے ہو چکا تھا، اور وہ دعوتِ ولیمہ کی طیارہ کر رہے تھے، ارادہ تھا کہ جنگل میں جا کر اذخر (ایک گھاس کا نام ہے) لائیں اور زرگرون کے ہاتھ فروخت کر لیں اس ارادہ سے باہر نکلے تو دیکھا کہ اُن کی اونٹنیوں کے کوہان کسی نے کاٹ لیے ہیں اور پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکال لیا ہے، لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیسا کام ہے؟ معلوم ہوا کہ پاس ہی ایک گھر میں حضرت حمزہؓ چند انصا کیسا شراب پی رہے تھے، ایک مغنیہ نے گاتے گاتے یہ مصرع گایا،

اَلَا يَاحَسَنُ لِّلشَّرِّ الْبَوَاءُ اے حمزہ! موٹی اونٹنیوں کے لیے،

حضرت حمزہؓ تلوار لیکر اُٹھے اور اونٹنیوں کے پیٹ چاک کر کے، اُن کے کلیجے نکال لیے، حضرت علیؓ نے جا کر، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خبر کی اور یہ ماجرا بیان کیا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے چادر اوڑھی اور حضرت علیؓ وزیدؓ کو لیکر حضرت حمزہؓ کے پاس گئے، حضرت حمزہؓ مخمور تھے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا، اور کہتا تم سب میرے غلام ہو۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ حالت دیکھ کر چلے آئے، حضرت حمزہؓ نے سسٹھ میں شہادت پائی ہے، اس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی، شراب کی حرمت جس تدبیر سے نازل ہوئی ہے، اس سے اندازہ ہوگا کہ تمام ملک کس طرح اس میں مبتلا تھا کس طرح وہ مقبولِ عام ہو چکی تھی کہ اسکی حرمت کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوتا تھا، اور کہنا یہ اور اشارہ سے گذر جائے کہ صاف صاف ممانعت نہیں کر دی گئی لوگ سمجھ نہیں سکے،

ابوداؤد، کتاب الاثریہ میں روایت ہے کہ جب شراب کی ممانعت نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ نے کہا،

”اے خدا! شراب کے بارہ میں ہم کو صاف صاف بتا دے۔“ ان کے اصلی الفاظ یہ ہیں،

اَللّٰهُمَّ بَيِّنْ لَّنَا فِي الْخَمْرِ بَيِّنَاتًا شَفَاءَ۔ اے خدا! شراب کے بارے میں ہمارے لیے ثانی بیا کر دے۔

اس پر سورہ بقرہ کی یہ آیت اتری،

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَا آثَمُ كَبِيرٌ، وَمَنَافِعُ
لِلنَّاسِ وَآثَمُهَا لَكُوبَرٌ مِّنْ نَّفْعِهِمَا ۚ
لوگ تمہے شراب اور قمار بازی کی نسبت سوال کرتے
ہیں، تو کہہ دو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے، اور
لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں، لیکن فائدہ سے
(بقرہ ۲۷۷)

اس آیت کے اترنے کے بعد بھی لوگ شراب پیتے پلاتے رہے، یہاں تک کہ ایک دفعہ ایک انصاری
نے حضرت علیؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ وغیرہ کی دعوت کی شراب کا دور چل رہا تھا کہ مغرب کی نماز کا وقت
آگیا، ایک صاحب نے امامت کی، مگر نشہ کے خمار میں قل یا ایہا الکافرون کے سورہ کو کچھ کچھ پڑھ گئے، اس پر
یہ آیت اتری،

۱۔ شراب کی حرمت کی یہ تدبیر بھی صورت حضرت عمرؓ (رضی تفسیر مائدہ والوداؤد کتاب الاشربة) حضرت ابو ہریرہؓ (مسند احمد ج ۲ صفحہ ۲۵۱)
اور حضرت علیؓ (ابوداؤد کتاب الاشربة) سے مروی ہے، یہ بات کہ وہ کون صحابی تھے جنہوں نے نشہ کی حالت میں غلط سلط سو پڑھ
دی تھی، روایات سے صاف طور سے ظاہر نہیں ہوتی، ایک روایت میں حضرت علیؓ کا نام ہے، دوسری میں عبدالرحمان بن عوفؓ کا
نام اور تیسری میں کوئی مہاجر مذکور ہے، حضرت الاستاذ نے سیرۃ جلد دوم (تاریخ احکام ذکر حرمت شراب) میں ابوداؤد کتاب الاشربة
کے حوالہ سے حضرت علیؓ کا نام لکھ دیا تھا، مگر مزید تحقیق سے یہ نسبت مشکوک معلوم ہوتی ہے، اس خاص روایت کا مرکزی راوی عطاء
بن اسباب عن ابی عبدالرحمن اسلمی ہے، ابو عبدالرحمن اسلمی حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے، اس سے یہ روایت مختلف
طریقوں سے آتی ہے، اور ہر ایک میں شراب پینے والوں، اور حالت نشہ میں نماز پڑھانے والے کے نام کا اختلاف ہی، چنانچہ ہر
روایت کے اصل الفاظ یہ ہیں:-

وہ روایتیں جن میں حضرت علیؓ کا نام ہے،

۱۔ عن ابی جعفر الرازی عن عطاء بن السائب
عن ابی عبد الرحمن السلی عن علی بن ابی
طالب قال صنع لنا عبد الرحمن بن عوف
طعاماً فداونا وسقانا من الخمر فاخذت
الخمر منا وحضرت الصلوۃ فقد مونی
فقرات قل یا ایہا الکافرون لا عبد الا تعبدون
ابو جعفر رازی نے عطاء بن سائب، عطاء نے ابو عبدالرحمان
اسلمی سے ابو عبدالرحمان اسلمی حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت
کی کہ انہوں نے فرمایا کہ عبدالرحمان بن عوف نے ہمارے لیے
کھانا تیار کر لیا اور ہکود ہو گیا اور شراب پلائی، جب ہم شراب کے نشہ
میں چور ہو گئے، اور نماز کا وقت آیا تو لوگوں نے مجھ کو امام بنایا، اور
میں نے قل یا ایہا الکافرون کا عبد سوا تعبدون

لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ (نساء-۷)

نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو، یہاں تک کہ تم جو کوئی
اُسکو سمجھ بھی سکو،

اس کے بعد جب نماز کا وقت آتا تو منادی اعلان کرتا تھا کہ کوئی مخمور نماز میں شامل نہ ہونے پائے۔

بقیہ حاشیہ ۱) ونحن نعبد ما تعبدون، فانزل الله
يا ايها الذين امنوا لا تقربوا الصلوة و
انتم سُكَارَىٰ (تو منادی تفسیر نساء)

و نحن نعبد ما تعبدون، پڑھی، اس پر خدا نے یہ آیت نازل
”يا ايها الذين امنوا لا تقربوا الصلوة و انتم سُكَارَىٰ“
یعنی مسلمانو! نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو،

۲- عن سفیان حدیثا عن عطاء بن السائب عن
ابی عبد الرحمن السلی عن علی
علیہ السلام ان رجلاً من الانصار
دعا لعبد الرحمن بن عوف فسقاها
قبل ان تحم الحمرة فاتهم علی فی المغرب
فقهر قل يا ايها الکافرون فخلط فیها ففرلت
لا تقربوا الصلوة و انتم سُكَارَىٰ حتی تعلموا
ما تقولون (ابوداؤد کتاب الاشریہ)

۲- سفیان نے عطاء بن سائب سے عطاء نے ابو عبد الرحمن
سلی سے ابو عبد الرحمن سلی نے حضرت علی علیہ السلام سے
روایت کی کہ کہ انصار کے ایک شخص نے ان کو اور عبد الرحمن
بن عوف کو مدعو کیا اور تحريم شراب سے پہلے ان دونوں کو شراب
پلائی، پھر علی نے نماز مغرب کی امامت کی اور قل يا ايها
الکافرون پڑھا، لیکن اس میں گڈ کر دیا، اس پر یہ آیت اتری
”لا تقربوا الصلوة و انتم سُكَارَىٰ حتی تعلموا ما تقولون“
نشہ کی حالت میں نماز کے پاس جا ہیانا کہ کچھ کہتے ہو اُسکو جاننا

وہ روایتیں جن میں عبد الرحمن بن عوف کا نام ہے،
۳- عن سفیان عن عطاء بن السائب عن ابی
عبد الرحمن السلی عن علی رضی الله عنه
قال دعا نازجاً من الانصار قبل ان تحم
الحمرة فقهر عبد الرحمن بن عوف و
صلی بهم المغرب فقهر قل يا ايها الکافرون
فالتبس علیه فنزلت لا تقربوا الصلوة و انتم
سُكَارَىٰ، الاية (مسند رکہ کتاب الاشریہ)

۳- سفیان نے عطاء بن سائب سے عطاء نے ابو عبد الرحمن
سلی سے ابو عبد الرحمن سلی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت
کی کہ کہ نازجہ سے پہلے انصار کے ایک شخص نے ان کو مدعو
کیا تو عبد الرحمن بن عوف نے امامت کی اور انکو مغرب
کی نماز پڑھائی اور قل يا ايها الکافرون پڑھا لیکن اس میں
خلط ہو گیا اس پر یہ آیت اتری لا تقربوا الصلوة و انتم سُكَارَىٰ
الایہ، نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو،

۴- سفیان عن عطاء بن السائب عن ابی
عبد الرحمن السلی عن علی رضی الله عنه انه
کان هو و عبد الرحمن و رجل اخر یشربون

۴- سفیان نے عطاء بن سائب سے عطاء نے ابو عبد الرحمن
سلی سے ابو عبد الرحمن سلی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت
کی کہ کہ وہ اور عبد الرحمن بن عوف اور ایک دوسرا آدمی شراب

لیکن چونکہ اب بھی ممانعت کا کوئی عام حکم نہ تھا، اس لیے نماز کے علاوہ اور اوقات میں لوگ پیتے پلاتے رہتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے پھر دعا کی، اتفاق سے اسی زمانہ میں بعض انصار نے حضرت سعد وقاصؓ کی دعوت لی، اُس میں شراب کا دور بھی چلا، یہ پی کر بدستی میں کہنے لگے کہ ہمارے انصار سے بہتر ہیں، اسپر بات بڑھی، اور نماز تک نوبت پہنچی، اس پر یہ حکم آیا، (صحیح مسلم فضائل سعد بن وقاص)

پی رہے تھے اور انکو عبدالرحمان بن عوف نے نماز پڑھائی اور
 قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ پڑھا جس میں غلط ملط
 کر دیا، اُس پر یہ آیت اتری، ”لا تقربوا
 الصَّلٰوةَ“ (الایہ)

۵۔ خالد بن عبداللہ عطاء بن سائب سے عطاء بن ابی عبدالرحمان
 روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمان نے کھانا تیار کر لیا اور
 صحابہ میں سے چند لوگوں کو جنہیں علی بن ابی طالب بھی سمجھا
 انھوں نے ”قل یا ایہا الکافرون
 لا اعبد ما تعبدون ونحن عابدون
 ما عبدتم“ پڑھی، اس پر یہ آیت اتری ”لا
 تقربوا الصَّلٰوةَ“ (الایہ)

۶۔ سفیان بن عطاء بن سائب سے عطاء بن ابی عبدالرحمان سے وہ
 حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ تم
 شراب پہلے ہکو انصار کے ایک شخص نے مدعو کیا، نماز
 مغرب کا وقت آیا تو ایک آدمی نے ہامت کی اور قل
 یا ایہا الکافرون پڑھا، لیکن بہین غلط کر دیا
 اسپر یہ آیت اتری، ”لا تقربوا الصَّلٰوةَ“ (الایہ)

الخمر فصلی بصم عبدالرحمان
 بن عوف فقہ قل یا ایہا الکافرون فخلط
 فیہا فنزلت لا تقربوا الصَّلٰوةَ (الایہ) مستدرک
 حاکم کتاب الاشربة

۵۔ خالد بن عبداللہ عن عطاء بن السائب
 عن ابی عبدالرحمان ان عبد الرحمان
 منع طعاما فذاعا ناسا من اصحاب النبی صلعم
 فیہم علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فقہ
 قل یا ایہا الکافرون لا اعبد ما تعبدون
 ونحن عابدون ما عبدتم فنزلت لا تقربوا
 الصَّلٰوةَ (الایہ) مستدرک حاکم کتاب الاشربة
 وہ روایت حسین نام کی تعیین نہیں،

۶۔ سفیان عن عطاء بن السائب عن ابی
 عبدالرحمان عن علی رضی اللہ عنہ قال
 دعانا رجل من الانصار قبل تحریح الخمر
 فنحضر صلوة المغرب فتقدہ رجل فقہ
 قل یا ایہا الکافرون فالبس علیہ فنزلت
 لا تقربوا الصَّلٰوةَ (الایہ) مستدرک حاکم تفسیر نوار
 ان چھ روایتوں میں مختلف قسم کے اختلافات ہیں،

پہلی اور پانچویں روایت میں ہے کہ داعی عبدالرحمان بن عوف تھے، دوسری تیسری اور چھٹی میں ہے کہ داعی کوئی انصاری
 تھے، چوتھی میں دعوت کے بغیر مجلس شراب کا ذکر ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ
وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَاجُ رَجَسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ
فَاجْتَنِبُوا لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ، (مائدہ ۱۲)

اسے ایمان والو! بیشک شراب، ہوا، بت اور پانے
ناپاک اور شیطان کے کام ہیں، تو ان سے بچو،
تاکہ فلاح پاؤ،

اس کے بعد شراب قطعاً حرام ہو گئی، حرمت شراب کی یہ آخری آیت جس وقت اتری ہے حضرت
ابو عبیدہ امین، اور ابی بن کعب جو سید القراء تھے، ابو طلحہ کے گھر میں حمان تھے، اور شراب کا دور چل رہا تھا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱) ۲۔ پہلی اور دوسری میں یہ کہ امام حضرت علیؓ تھے، جنہوں نے نشہ میں کچھ کا کچھ پڑھ دیا، تیسری چوتھی اور پانچویں
میں ہے کہ وہ امام عبدالرحمان بن عوفؓ تھے، اور چھٹی میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ کوئی آدمی امام تھا،

۳۔ اور روایتوں میں ہے کہ اس دعوت کی مجلس میں شراب تھی، چھٹی میں شراب کا مطلق ذکر نہیں ہے، بلکہ وہ شخص جو اہل
بناتھا، وہی شاید کہین سے پی کر آیا ہو، گو کہ حرمت شراب کے پہلے پینا کوئی شرعی جرم نہیں، تاہم حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کا پینا جو بچپن سے
انحضرت صلعم کی صحبت و تربیت میں پل کر جوان ہوئے، قیاس کے خلاف ہو، خصوصاً اس آیت کے بعد، قُلْ فِيهِمَا الْإِسْلَامُ الْغَيْرُ
(کہدے کہ شراب اور جو سے میں بڑا گناہ ہے) حضرت علیؓ کا پینا، اور بھی زیادہ واقعہ کی صحت میں شک پیدا کرتا ہے، بجز یہ دیکھا
جاتا ہے کہ اس روایت میں مختلف قسم کے ایسے اختلافات ہیں جو ناقابل تطبیق ہیں،

ان اختلافات کا راز اس وقت کھل جاتا ہے، جب ان کے راویوں پر نظر ڈالی جاتی ہے، سب سے پہلا راوی ابو عبدالرحمانؓ
جس کا نام عبداللہ بن حبیب ہے، وہ پہلے حضرت علیؓ کا طرفدار و حامی (شیعہ) تھا، بعد کو عثمانی (بنی امیہ کا طرفدار) اور حضرت علیؓ کا مخالف
ہو گیا، پھر اس کا یہ دعویٰ کہ اُس نے حضرت علیؓ سے سنا ہے، محدثین میں مسلم نہیں، بخاری نے اس کو مانا ہے، لیکن ابن ابی حاتم
نے اس سے انکار کیا ہے، روایت کے دوسرے راوی عطاء بن اسباب کا حافظ خراب ہو گیا تھا، اس لیے لوگوں نے اسکو چھوڑ
دیا تھا، گوسفیان کی اس سے روایتیں حافظ کی خرابی سے پہلے کی سمجھی جاتی تھیں، مگر اوپر کی روایتوں میں دیکھو کہ خود سفیان کی
روایتوں میں بھی وہی ناقابل تطبیق اختلاف موجود ہے، ان وجوہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف غیر جزئیات غیر مسلم ہیں، اور واقعہ
کی اصلی صورت وہی ہے جو چھٹی روایت میں ہے، کہ وہ مجلس شخص دعوت کی تھی، جہیں حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ موجود تھے، کہ
نماز کا وقت آگیا، اور ایک صاحب جو غمور تھے، نماز پڑھانے کھڑے ہو گئے، اور آیتیں غلط سلط پڑھ دیں، چونکہ اس واقعہ کے راوی
حضرت علیؓ تھے، اور وہ دعوت میں بھی شریک تھے، اسلئے یا تو ابو عبدالرحمانؓ عثمانی نے فرقہ داری کے جذبہ میں یا عطاءؓ نے ذرا
بھول میں، واقعہ کی نسبت اور دوسرے اوپر کر دی،

اس آخری چھٹی روایت کی تائید حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے ہوتی ہے، جس کی سند اس پورے سلسلہ سے الگ اور
مستقل ہے،

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ
صَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَهِيَ مَشْرُوبَةُ الْخَمْرِ يَكُونُ الْمَيْسِرُ فَسَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ
صَلَّمَ عَنْهُمْ فَأَتَوْا اللَّهَ عَلَى نَبِيَّتِهِ صَلَّيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ
شراب تین بار میں حرام لگی، رسول اللہ صلعم مدینہ تشریف
لائے تو لوگ شراب پیتے تھے، اور جو سے کا مال

ساتی گری کی خدمت حضرت انسؓ سے متعلق تھی، چنانچہ صحیح بخاری، کتاب الاشرار میں، خود حضرت انسؓ کی زبانی روایت ہے،

كُنْتُ اسْقِى ابا عبيدة واباطلحة و
ابن ابى بن كعب ۞ فجاءهم ات فقال ان
الخمر حرامٌ -
ابو عبیدہ اور ابی بن کعب اور ابوطحہ کو شراب
پلا رہا تھا کہ ایک شخص نے اگر کہا کہ شراب
حرام ہوگئی،

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں صحیح مسلم اور دیگر حدیث کی کتابوں کے حوالہ سے لکھا ہے

(بقیہ صفحہ ۲۱۸)
عن الخمر والميسر قل فيهما اثم كبير
ومنافع للناس واثمهما اكبر من نفعهما
الاية فقال الناس ما حرم علينا انما
قال فيهما اثم كبير وكانوا يشربون
الخمر حتى اذا كان يوم من الايام صلب
رجل من المهاجرين اقرأ صحابى فى
المغرب خلط فى قراءته فانزل الله
فيها آية اغلظ منها يا ايها الذين امنوا
لا تقربوا الصلوة وانتم سكارى حتى تعلموا
ما تقولون، وكان الناس يشربون حتى
ياقنى احدثهم الصلوة وهو مفيق، ثم انزلت
آية اغلظ من ذلك يا ايها الذين امنوا انما
الخمر والميسر ولا زكاه رجس من عمل
الشيطان فاجتنبوا لعلكم تفلحون - فقالوا
انتبهنا ربنا (مسند احمد جلد ۲ ص ۳۵۵)
کھاتے تھے لوگوں نے آپؐ ان دونوں کے متعلق
سوال کیا تو خدا نے آپؐ پر یہ آیت نازل فرمائی "یساؤ
عن الخمر والميسر قل فيهما اثم كبير ومنافع للناس
واثمهما اكبر من نفعهما، الاية" لیکن لوگوں نے کہا خدا
نے ہم پر حرام نہیں کی صرف یہ کہا کہ "ان دونوں میں بہت
بڑا گناہ ہے" اب بھی لوگ شراب پیتے رہے، یہاں تک کہ
ایک دن ایک ہاجر نے نماز مغرب پڑھائی اور اپنی قرات میں غلط
کر دیا ایسے خدا نے شراب کے متعلق اس سے زیادہ سخت آیت
اتاری "یا ایہا الذین امنوا لا تقربوا الصلوة وانتم
سکادى حتى تعلموا ما تقولون" اب بھی
لوگ شراب پیتے رہے، البتہ جب کوئی نماز پڑھنے
جاتا تھا تو حوش کی حالت میں جاتا تھا پھر اس سے زیادہ
سخت آیت نازل ہوئی "یا ایہا الذین امنوا انما الخمر
والميسر ولا زکاه رجس من عمل الشيطان فاجتنبوا
لعلکم تفلحون" اب لوگوں نے کہا کہ خداوند اہم باز آئے،

اس میں حضرت علیؓ کا کہیں ذکر بھی نہیں، حضرت علیؓ جیسے قرآن کے صاحب فہم کی نسبت یہ خیال کرنا کہ پہلی آیت کے
اشارہ سے وہ شراب کی حرمت کو نہ سمجھ سکے تھے، قبول کے قابل نہیں، محدثین میں حاکم نے مستدرکین میں روایت کو لکھ کر بیان کیا ہے کہ
اس واقعہ میں حضرت علیؓ کا نام شامل کرنا خواجہ کی کارستانی ہے، جس کی تردید اس روایت سے ہو جاتی ہے جس کو خود حضرت علیؓ

کہ اس جلسہ میں گیارہ بزرگ شریک تھے جنہیں حضرت معاذ بن جبل بھی تھے، اس موقع پر لحاظ کے قابل بات ہے، کہ اگرچہ یہ مدون کی عادت تھی، اور اس وقت بھی سب نمازین جھوم رہے تھے، تاہم چون ہی یہ آواز آئی کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے شراب کی ممانعت کر دی، کسی نے پوچھا گچھا تک نہیں اور دفعہ جام و سبوتوڑ دالے، یہ صرف ابو طلحہؓ کے گھر کا حال نہ تھا، بلکہ تمام مدینہ کے گلی کوچوں میں شراب کی ندیان گئیں بخاری، باب المظالم میں ہے،

فَجَرَتْ فِي سَكَاةِ الْمَدِينَةِ مَدِينَةُ كَيْلُونِ مِّنْ شَرَابٍ بَهِتِي پھرتی تھی

ان ندیوں کی روانی سے اندازہ ہوگا کہ عرب میں شراب نوشی کی کثرت کا کیا عالم تھا، قمار بازی | شراب خواری کے ساتھ ساتھ ان میں قمار بازی کا بھی عام رواج ہو گیا تھا، عرب کے مال و دولت کا تہتر سرمایہ اونٹوں کے چند گلوں تک محدود تھا، اس لیے جو ابھی انھیں کے ذریعہ سے کھیدا جاتا تھا، چنانچہ ایک جاہل شاعر اپنے حریف سے کہتا ہے،

أَعْيَرْتَنَا الْبَاخِ وَأَلْخَوْمَهَا وَذَلِكَ عَادِيَا بَنِي رَيْطَةَ ظَاهِر

کیا تو ہم پر عیب لگاتا ہے کہ ہم اونٹ کا دودھ اور گوشت کھاتے ہیں، اور بنی ریطہ ہم پر عیب نہیں لگ سکتا

فَخَالِي بَهَا أَكْفَاءُ نَا وَنَحِينَهَا وَنَشْرَبُ فِي أَثْمَانِهَا وَنَقَامِرُ

ہم کو اپنے ہمسروں کو بطور عطیہ کے دیتے ہیں اور انکو ہماری مین صرف کرتے ہیں، انکی قیمتیں شرابی اور جو کھیتے ہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۹) روایت فرماتے ہیں، حاکم کہتے ہیں،

وَفِي هَذِهِ الْحَدِيثِ فَاوَدَةُ كَثِيرَةٌ وَهِيَ

الْمَخْرُاجُ تَنْسِبُ هَذَا السُّكْرَ وَهَذَا الْقَهْرَ

إِلَى امِيرِ الْمُؤْمِنِينَ حُلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَفِي

غَيْرِهَا وَقَدْ بَرَأَ اللَّهُ مِنْهَا، فَاوَدَةُ رَاوِي

هَذِهِ الْحَدِيثِ (مستدرک تصنیف ج ۲ ص ۳۲)

اور اس حدیث میں بہت بڑا لکھ ہے اور وہ یہ ہے کہ

خوارج نے اس نشہ اور اس غلط قرأت کو امیر المؤمنین

علی بن ابی طالب ہی کی طرف منسوب کیا تھا، تو خدا نے

ان کو اس الزام سے بری کر دیا، کہ وہی اس

حدیث کے راوی ہیں،

مصحف

در حقیقت وہ واقعہ کے صرف راوی تھے لیکن عثمانی اور خارجی راوی نے خود حضرت علی کو صاحب واقعہ بنا دیا، اسلئے ابی ہریرہؓ

یعنی اول صفحہ ۲۱۹ بحوالہ روایت ابی ہریرہؓ

اس غرض سے اونٹوں کو ذبح کر کے ان کے گوشت کو دس ٹکڑوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور ان ہی ٹکڑوں پر پانی ڈالتے تھے، ان پانسوں کی صورت یہ تھی کہ دس تیر مقرر کر لیے تھے، جن کے نام یہ ہیں، قذ، توام، رقیب، حلس، مبتل، متلی، مناض، منیع، سفیح، وند، ان میں ہر تیر کے مختلف حصے معین کر لیے تھے، اور جب جو اکیلے تھے تو اون کو ایک تھیلے میں ڈال کر ایک منصف شخص کے ہاتھ میں دیدیتے تھے، وہ اون کو گڈمڈ کر کے ایک ایک تیر کو ایک ایک شخص کے نام پر بٹھاتا جاتا تھا، جس کے نام پر وہ تیر بٹھاتے تھے جن کے حصے مقرر تھے وہ کامیاب ہوتے تھے، اور جن میں تیر دن کا کوئی حصہ نہ تھا، وہ جس کے نام پر بٹھاتے ان کو ناکامیابی ہوتی تھی، اس طرح گوشت کے جو ٹکڑے جمع ہو جاتے تھے، ان کو فقیروں اور محتاجوں اور دوستوں پر تقسیم کر دیتے تھے، چونکہ یہ فیاضی کے اظہار کا ایک طریقہ تھا، اس لیے قمار بازی کی جلسوں میں شریک نہ ہونا ایک قومی عار تھا، اور اس قسم کے لوگوں کو نہایت خیل خیال کرتے تھے، اور ان کو "برم" کا خطاب دے رکھا تھا جو لوگ یہ خطاب حاصل کر لیتے تھے ان سے شادی بیاہ کرنا تنگ عار خیال کیا جاتا تھا، چنانچہ ایک جاہلی شاہ اپنی بی بی کو وصیت کرتا ہے ۵

واذا اهلکت فلا تریدی عاجزا غساولا برما ولا معزالا

اور اگر میں ہلاک ہو جاؤں تو عاجز، کمزور، اور جوے میں نہ شریک ہونے والے اور غریب قوم سے ملکر رہنے والے نہ بن کر رہا۔

جوے کی ایک صورت جس کو "رہان" کہتے تھے یہ تھی کہ کسی شرط پر بازی لگاتے تھے اور جب وہ شرط پوری نہیں ہوتی تھی تو جس چیز پر بازی لگائی جاتی تھی ادا سکولے لیتے تھے، چنانچہ جب رومیوں اور ایرانیوں میں جنگ ہوئی اور باوجود رومیوں کی شکست کے قرآن مجید نے پیشین گوئی کی کہ ان کو چند سال میں ایرانیوں پر غلبہ حاصل ہو جائے گا، تو کفار نے حضرت ابو بکرؓ سے اسی قسم کی شرط لگائی، اور اس فتح کے لیے چھ برس کی مدت مقرر کی، چنانچہ جب یہ مدت گزر چکی اور رومیوں کو فتح و ظفر نصیب نہیں ہوئی، تو حضرت ابو بکرؓ نے

لے یہ پوری تفصیل تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۳۱۰ میں ہے،

کو بازی ہار جانا پڑی، رفتہ رفتہ اس قمار بازی کا مذاق ان میں اس قدر عام ہو گیا تھا، کہ لوگ مال و دولت ٹھوپکنے کے بعد بی بی اور بال بچوں پر بازی لگا دیتے تھے، یہ قمار بازی اور وہ بھی شرب کی بدستی کے عالم میں اکثر مار پیٹ اور لڑائی پر ختم ہوتی تھی، عیس و ذبیان کی چل سالہ جنگ گھوڑ دوڑ ہی کی قمار بازی کا نتیجہ تھی حصول دولت اور کسب شہرت کے اس غلط طریقہ سے خاندان کے خاندان تباہ ہو جاتے تھے،

سود خواری | عرب میں سود خواری کا عام رواج تھا، تمام دولت مند سود پر لین دین کرتے تھے، حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے جو قریش کے سردار اور آنحضرت صلیم کے چچا تھے، تجارت کا کاروبار نہایت وسیع پیمانے پر پھیلا رکھا تھا، اور اس تعلق سے سود خواری میں نہایت شہرت رکھتے تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حجۃ الوداع میں سود کی حرمت کا اعلان کیا، تو سب سے پہلے اُن ہی کے سود کو باطل قرار دیا، حضرت عثمانؓ اور خالد بن ولیدؓ سود پر قرض دیتے تھے، مسعود ثقفی طائف کا مشہور رئیس تھا، اور اس کے بھائی عبدیاسل حبیب بن ربیعہ نہایت دولت مند تھے، بنو مغیرہ ان ہی لوگوں میں سود پر داد و ستد کرتے تھے، چنانچہ جب طائف فتح ہوا، اور یہ چاروں بھائی اسلام لائے، تو انھوں نے مغیرہ سے سود کا تقاضا کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ (بقرہ - ۲۷۸) چھوڑ دو،

ان کے علاوہ طائف ایک سرسبز اور دولت مند شہر تھا، اس لیے وہاں کے لوگ عموماً سود پر سود ہار کرتے تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جن شرائط پر مصالحت کی اُن میں ایک ضروری شرط یہ بھی تھی کہ وہ لوگ سود خواری نہ کریں گے، اسی طرح یمن کے نجرائی سود اگر بھی سودی کاروبار کرتے تھے، اُن سے بھی یہی شرط لگائی،

۱۔ ترمذی ص ۱۶۷ جوئے کی اس صورت کو رہان کہتے تھے، اور اب تک وہ حرام نہیں ہوئی تھی، ۲۔ تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۳۱، ۳۔ ایضاً ص ۵۵، ۴۔ فتوح البلدان بلاذری فتح طائف، ۵۔ ابو داؤد کتاب الامارۃ،

سود کا عام اور متداول طریقہ تو یہ تھا کہ ایک معین شرح پر قرض دیتے تھے اور اس المال کے ادا کرنے کے لیے میعاد مقرر کر دیتے تھے، جب میعاد گزر جاتی تھی تو اس کا تقاضا کرتے تھے، اگر مدیون اس کو ادا نہیں کر سکتا تھا، تو میعاد میں اور اضافہ کر دیتے تھے، اور اس کے عوض میں شرح سود بڑھا لیتے تھے، لیکن اس نے رقی کر کے ایک نہایت ظالمانہ صورت اختیار کر لی تھی، جو سود در سود سے بھی زیادہ خطرناک تھی، یعنی ایک میعاد متعینہ کے لیے کسی کو مثلاً سو روپیہ دیتے تھے، لیکن مدت گزر چکی اور تقاضا کرنے پر مدیون اس رقم کو ادا نہیں کر سکتا تھا تو میعاد اور بڑھا دیتے تھے، لیکن اس کے معاضدہ میں اس المال میں بھی ضامنہ کروا لیتے تھے، یہاں تک کہ کبھی کبھی یہ اضافہ دو گنی چو گنی مقدار تک پہنچ جاتا تھا، اس طرح اضافہ ہوتے ہوئے مدیون کی کل جائداد مستغرق ہو جاتی تھی، یہ معاملہ زیادہ تر غریبوں اور کاشتکاروں کے ساتھ پیش آتا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ غریبوں اور کاشتکاروں کا تمام طبقہ چند دو قلمندوں، اور خصوصاً یہودیوں کے ہاتھ میں گرتا تھا۔

قرآن مجید کی یہ آیت اسی طریقہ سود کو مٹانے کے لیے نازل ہوئی،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ مِزًّا ۖ ذُرِّيَّتُكُمْ
مُضَاعَفَةٌ ۖ وَالْقَوْلُ لِلَّهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۲۹۹﴾

مسلمانو! دو ناچار گناہ سود نہ کھاؤ اور خدا سے ڈرو، بچے
ہے کہ تم کا میاب ہو جاؤ،

سود کے علاوہ قرض کے متعلق اور بھی مختلف قسم کی ناجائز پختیاں پیدا ہو گئی تھیں، مثلاً اگر راہن مسیحا متعینہ پر مال مرہونہ کو چھڑا نہ سکتا تھا، تو مرہن اُس کا مالک ہو جاتا تھا، مال و دولت سے گذر کر عورتوں اور بال بچوں تک کو رہن رکھوا لیتے،

لوٹ مار | عرب میں روز کی لوٹ مار نے اگرچہ ہر قبیلہ کو غارت گرا اور راہزن بنادیا تھا، تاہم بعض قبائل میں اس قسم کے خاص خاص جتھے قائم ہو گئے تھے، جنہوں نے راہزنی کو اپنا بالکل ذریعہ معاش اور عام مشغلہ بنالیا تھا، اس قسم کے لوگوں کو "لصوص" کہتے تھے، اور قبیلہ طے کو عرب میں عام طور پر جو شہرت حاصل

لے موطا امام مالک ص ۳۲۵ بخاری، قتل کعب بن اشرف،

تھی، وہ اسی گروہ کی بدولت تھی،

یہ گروہ شہر سے باہر میدانوں میں، جنگلوں میں، پہاڑ کے کھوڑوں میں رہتا تھا، اور دھڑ سے جو مسافر باقی قلعے گزرتے تھے ان کو لوٹ لیتا تھا، ان کا استیصال صرف ایک پرزور نظام حکومت ہی سے ہو سکتا تھا جو عرب میں مفقود تھا، چنانچہ قبیلہ طے کے عیسائی سردار عدی بن حاتم مسلمان ہو کر جب آپسے ملنے آئے اور اپنے ان سے پیشین گوئی کی کہ وہ دن آئیگا جب حیرہ سے ایک پردہ نشین عورت بے خوف و خطر حضرموت کا سفر کرے گی تو چونکہ وہ قبیلہ طے کے ایک رئیس تھے اور ان کو اس قبیلہ کے ڈاکوؤں کا حال معلوم تھا، اس لیے ان کو تعجب ہوا کہ میں طے کے لصوص کیا ہو جائینگے؟

ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے مال و دولت، مویشی، بلکہ اہل محال تک پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے تیار رہتا تھا، تاجروں اور سوداگروں کے قافلے بغیر کسی بھاری انعام کے کسی میدان سے سلامت گزر نہیں سکتے تھے، ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کی عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا تھا، اور مویشیوں کو ہانک کر لے جاتا تھا، صبح کا وقت جبکہ رات بھر چلنے کے بعد مسافر آرام کرتے تھے اس کام کے لیے مخصوص ہو گیا تھا، چنانچہ ”صبح“ کا لفظ عربی میں لوٹنے کے معنی میں جاہلیت میں عام طور سے بولا جاتا تھا، کامیاب ڈاکو اپنے کارناموں کو نظم کرتے تھے، اور فخر یہ پڑھتے تھے، ایک قبیلہ کا شاعر حارث نامی ڈاکو کے سلامت نکل جانے پر کہتا ہے،

یا لھف زیابۃ للحارث الصابح فالغانم فلائب

اے زیابہ کا افسوس حارث کے لیے جو صبح کو ڈاکہ ڈالنے والا، پھر لوٹنے والا پھر سلامت واپس جانیوالا ہو

حج کے تین مہینوں میں ابستہ وہ اس پیشہ سے باز رہتے تھے، لیکن اس سے زیادہ مدت پر وہ صہبہ نہیں کرتے تھے، اور چونکہ ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے مال و دولت اور مویشی پر موقع پا کر اسی طرح تصرف کرتا تھا، اس لیے وہ اس کو عیب نہیں بلکہ بہادری کا کام سمجھتے تھے، اور اس طرح ملک میں مسلسل قتل و غارت اور لوٹ مار کا طریقہ

جاری تھا،

چوری | ڈاکہ کے علاوہ اقتصادی حالات کی مجبوری سے بدوؤں میں چوری کا رواج بھی تھا، مختلف قبیلوں کے ایسے بہادر جو قبیلہ میں کوئی نمایاں حیثیت نہیں رکھتے تھے، وہ خصوصیت کیساتھ اس پیشہ کو اختیار کرتے تھے۔ وہ تنہا بڑے بڑے خطرناک موقعوں پر جا کر اس کام کو انجام دیتے تھے، اور اس پر فخر کرتے تھے، ان میں سے سلیک بن السلکہ اور تابطا شتر اشتر عام رکھتے تھے، تابطا شتر کا ایک قطعہ حاسہ میں ہے حسین اپنی چوری اور حیلہ گری کا ذکر بڑے فخر سے کیا ہے،

قریش میں تجارت کے سبب سے دولت بھی تھی، اور خود خانہ کعبہ میں تحنوں اور نذرانوں کا خزانہ جمع رہتا تھا، اس لیے ان میں چوری کے موقع بھی زیادہ تھے، چنانچہ کلبی نے متعدد ممتاز قریشیوں کے نام بتائے ہیں جنہوں نے اس خزانہ سے سونے کا ہرن چرائیا تھا، بلکہ اس کے لیے خاص طور سے ابولہب کا نام لیا جاتا ہے،

عام بدو عربوں میں یہ برائی جتنی عام ہو گئی تھی اور سکا اندازہ اس سے ہو گا کہ آنحضرت صلعم ان مردوں اور عورتوں سے جو اسلام قبول کرنے آئے تھے، دوسری باتوں کے ساتھ ان سے یہ معاہدہ بھی لیتے تھے کہ وہ ہنڈ چوری نہ کریں گے، بلکہ خود قرآن پاک نے آپ کو اس کے معاہدہ لینے کا حکم دیا تھا،

چھپی کرنے کے عجیب عجیب طریقے ایجاد کر لیتے تھے، ایک شخص نے اپنی چھڑی کے کنارے ایک ٹھکانا لگا رکھا تھا، حج کے زمانہ میں آتا، اور جب حاجیوں کو غافل پاتا تو اس لوہے کے سہارے سے ان کے اسباب کو کھینچ لیتا،

جس طرح عرب میں طے کے ڈاکو لوٹ مار میں مشغول تھے، اسی طرح بعض قبائل چوری میں شہرت عام رکھتے تھے، چنانچہ، اسلم، غفار، مزنیہ، اور جہینہ کے قبیلے تمام عرب میں اس بنا پر بدنام تھے کہ وہ خاص طور پر حاجیوں کے مال کے اسباب کی چوری کیا کرتے تھے،

صحیح البخاری، جلد ۱۲، صفحہ ۱۱۱، کتاب الاموال، ابن قتیبہ، صحیح بخاری، کتاب الادب، اور صفحہ ۱۱۲، سورۃ المتحہ، نوکح ۵۵، مسلم بخاری، جلد ۱، باب اسلم وغفار،

چونکہ یہ چوری عربوں کی اقتصادی کمزوری کا نتیجہ تھی اس لیے اس کیلئے غیر وبیکانہ کی تخصیص نہ تھی بلکہ اسکا اثر عزیزو اقارب، ہمسایہ، دوست و آشنا، خاندان، غرض سب پر پڑتا تھا، چنانچہ مدینہ میں، بَیْشَر، بَیْشَرِ ثَمِیْن، آدمی تھے جنکو بنو اسیرق کہا جاتا تھا، ان میں بَیْشَرِ مَنَافِق تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچو میں شعر کہہ کر دوسروں کی طرف منسوب کر دیتا تھا، یہ لوگ نہایت تنگ دست اور فاقہ مست تھے، انھوں نے رفاۃ نامی ایک شخص کے بالا خانہ سے جہین ہتھیار تلوار، اور زرہ وغیرہ بھی رکھی ہوئی تھی، نقب لگا کر چوری کی، آپ نے رفاۃ کے ہتھیار واپس لئے لیکن رفاۃ نے اُن کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا اور بَیْشَر بھاگ کر مشرکین سے جا ملا،

مردوں کے علاوہ عورتیں بھی اس مرض میں گرفتار تھیں، اسی لیے قرآن پاک نے عورتوں سے سبیت لیتے وقت یہ ہدایت کی بھی تاکید کی کہ اَنْ لَا یَسْرِقْنَ (متحہ ۲) یعنی وہ چوری نہ کریں گی، شرفاً اگر اس الزام میں پکڑے جاتے تو وہ چھوڑ دیئے جاتے تھے، اس لیے یہ برائی رکھنے نہیں پاتی تھی، چنانچہ اسلام کے بعد بھی جب قبیلہ مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی تو اس پر قریش کو سخت تردد ہوا اور لوگوں نے کہا، اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کون سفارش کریگا؟ لوگوں نے اسامہ بن زید کو منتخب کیا، جنکو آپ بہت پیار کرتے تھے، انھوں نے سفارش کی تو آپ نے فرمایا تم حدود اللہ کے متعلق سفارش کرتے ہو؟ پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیا، اور اس میں فرمایا کہ گذشتہ تو میں، صرف اس لیے ہلاک ہو گئیں کہ جب شریف آدمی چوری کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے، اور ضعیف چوری کرتا تھا تو اس کو سزا دیتے تھے، خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ لیتا۔

خود شمر کے اندر اس قسم کے واردات کی یہ حالت تھی کہ صفوان بن امیہ ایک روز ایک بیش قیمت چادر اڑھ کر سو رہے تھے، ایک شخص نے موقع پا کر اُس کو اڑا لیا، وہ گرفتار کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا، تو آپ نے اُس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، صفوان کو اُس پر رحم آیا، اور اگر عرض کی کہ یا رسول اللہ ایک چادر کے لیے

ایک عرب کا ہاتھ کاٹا جائے گا، آپنے فرمایا، میرے پاس لانے سے پہلے ہی اسکا خیال رکھنا تھا، حاکم تک پہنچنے کے بعد کسی کو سفارش کا حق حاصل نہیں ہے۔

سفاکی دیرجی و وحشت | رات دن کی لوٹ مار اور کشت و خون سے درندوں کے تمام اوصاف پیدا ہو گئے تھے زندہ اونٹ اور دنبہ کے کوہان اور چپتیاں کانکر کباب لگاتے اور یہ انکی بڑی مرغوب غذا تھی،

زندہ جانوروں کو درخت وغیرہ سے باندھ دیتے اور ان پر تیر اندازی کی مشق کرتے لڑائیوں میں جانہ عورتوں کے پیٹ چاک کر ڈالتے، مقتولوں کے ناک کان کاٹ لیتے اور عورتیں ان کے ہار بنا کر پہنتیں، مت مانتے کہ دشمن کو قتل کرینگے تو اسکی کھوپری میں شراب پیئیں،

سزا دینے کا ایک یہ طریقہ تھا کہ مجرم کو دو درختوں کی ٹہنیوں جھکا کر اسکے اعضا ان میں باندھ دیتے اور پھر ٹہنیوں کو چھوڑ دیتے، مجرم کا بدن چر کر ٹہنیوں کے ساتھ رہ جاتا،

کبھی کبھی عورتوں کو گھوڑے کی دُم سے باندھ کر گھوڑے کو سرپٹ ڈال دیتے، اس کے بدن کے ٹکڑے اڑ جاتے، اس قسم کی سزائیں اکثر عرب کے سلاطین اور رؤسا دیا کرتے تھے،

کبھی آدمی کو کسی کوٹھری میں قید کر کے اس کا کھانا پانی بند کر دیتے تھے، یہاں تک کہ وہ اسی طرح بھوکھ اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جاتا تھا، اس طریقہ سزا کا نام ان کے ہاں صبر تھا، مردوں کی قبر پر اُٹ باندھ دیتے تھے، اور اسکو کھانے کو نہیں دیتے تھے، وہ چند روز میں مر جاتا تھا، سمجھتے تھے کہ یہ مردے کی سواری بنیگا، اس اونٹ کو پلٹتے کہتے تھے،

زنا اور فحش | زنا اور فحش و فجور عام تھا، اور یہ واقعات، فخریہ اشعار میں بیان کیے جاتے تھے، امرأ القیس عوب کا سب سے بڑا شاعر تھا، اس کے ساتھ شاہزادہ اور والی ملک تھا، اس نے اپنی چھوٹی زاد بہن عینہ اور اور عورتوں کے ساتھ جو افعال شنیعہ اور بیجا بیان کیں، قصیدہ لایہ میں فخر کے ساتھ تفصیل سے لکھی ہیں، باوجود اس کے

اس قصیدہ کے اشعار عرب میں بچہ بچہ کی زبان پر تھے،

ابن عباس سے روایت ہے کہ اہل جاہلیت کو بالا اعلان زنا کو جائز نہیں سمجھتے تھے، لیکن چھپے چوری کرنے کو جائز سمجھتے تھے، اور کہتے تھے کہ کھلم کھلا کرنا تو مکینہ پن ہے، لیکن چھپکر کرنے میں مضائقہ نہیں ہے، فاحشہ عورتیں گھروں کے سامنے جھنڈیاں لگا کر بیٹھتی تھیں اور صاحب لڑکیاں کہلاتی تھیں، انکی اولاد اصلی اور حلالی اولاد کے برابر سمجھی جاتی تھی، اسلام سے پہلے ایسی عورتیں خود کو مکہ معظمہ میں تھیں، ان میں سے ایک کا نام عناق تھا، مرتد عورت نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اجازت مانگی کہ میں عناق سے نکاح کروں؟ اُس پر یہ آیت اتری،

وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا الْاَزَانُ اَوْ شَرُّهَا (نور) اور زانیہ عورت سے زانی یا شرک ہی نکاح کرتے ہیں،

بڑے بڑے رؤسا گھر کی لونڈیوں کو یہ حکم دیتے تھے کہ بدکاری کے ذریعہ سے جا کر کچھ کمالائیں اور انکی نذر خیرین، عبداللہ بن ابی، مدینہ کا رئیس تھا، اور اس درجہ کا شخص تھا کہ ہجرت سے پہلے تمام انصار نے تلج بنو الیاء تھا کہ اسکو بادشاہ بنا کر پہنائیں گے، چنانچہ صحیح بخاری میں یہ واقعہ منقول ہے، عبداللہ بن ابی کی دو لونڈیاں تھیں، ایک کا نام میکہ اور دوسری کا نام امیہ تھا، وہ ان دونوں کو زنا کاری کرنے پر مجبور کرتا تھا، اُس پر قرآن مجید کی یہ آیت اُتری،

وَلَا تَكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبُعَاةِ (سورہ نور ۴) اپنی لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو،

موجودہ طریقہ کے علاوہ، نکاح کی اور چند قسمیں جاری تھیں، جو حقیقت میں بدکاری ہی کی قسمیں تھیں، ایک یہ کہ کوئی شجاع اور بہادر شخص ہوتا تو اپنی عورت کو اس کے پاس بھیج دیتے کہ اس سے ہمبستر ہو، بچہ پیدا ہوتا تھا تو سمجھتے تھے کہ اس میں بھی وہی اوصاف آجائینگے جسکایہ نطفہ ہے،

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ چند آدمی جنگی تعداد ایک وقت دن سے زیادہ نہیں ہوتی تھی، کبھی عورت کے

۱۔ تفسیر طبری آیت محضنت غیر مسافحات ج ۵ ص ۱۵۵ صحیح بخاری کتاب النکاح جلد ۲ ص ۶۹،
۲۔ ابوداؤد کتاب النکاح، ص ۱۵۵ صحیح مسلم، باب التفسیر،

پاس جاتے اور سب اس سے مصحبت ہوتے جب وہ حاملہ ہو جاتی اور بچہ جنمی تو سب کو بلو اچھتی اور کسی ایک سے
گنتی تھی کہ یہ بچہ تمہارا ہے، اسکو قبول کرنا پڑتا، اور پھر وہ اسکا بیٹا سمجھا جاتا،

تیسر طریقہ یہ تھا کہ فاختہ عورتیں جو سر بازار جھنڈیان لگا کر بیٹھتی تھیں ان کے لڑکا پیدا ہوتا تو قیافہ شناس کو
بلو اچھتیں، وہ صورت شکل دیکھ کر بتاتا کہ فلاں شخص کا لطف ہے، عورت اسکو بلا کر کہتی کہ یہ تمہارا بچہ ہے، صحیح بخاری
کتاب النکاح میں یہ تینوں طریقے تفصیل سے مذکور ہیں،

ایک اور قسم عارضی نکاح کی جاری تھی، اور وہ یہ تھی کہ کسی عورت سے مدت متعینہ کے لیے نکاح کر لیتے
تھے، اُس مدت کے گزرنے کے بعد اسکی اجرت دیکر اسکو الگ کر دیتے تھے، اسکو متعہ کہتے تھے، اسلام
نے شروع میں اسکو ضرورۃً چندے باقی رکھا، پھر ہمیشہ کے لیے اس کو حرام کر دیا،

بشری و حیائی | شرم دھیا کا وجود نہ تھا، حج کعبہ میں ہزاروں لاکھوں آدمی جمع ہوتے لیکن (قریش کے سوا)
باقی سب ماوراء النہر کے ہو کر کعبہ کا طواف کرتے، عورتیں جب ننگی ہو کر طواف کرتیں تو لوگوں سے کہتیں کہ کوئی
ہم کو اتنا کپڑا دیتا کہ ستر عورت ہو جاتا، پھر یہ شعر پڑھتیں،

الْيَوْمَ يَبْدُو بَعْضُهُ اَوْ كَلْتَا
اَجْ بَدَنٍ كَا كُفٍّ كَلَّهْ كَا يَسَارَا
فَمَا يَدَامَنَّ فُلَا اُحَدُہ
اور جو کھلا اس لطف اٹھانے کی میں اجازت نہیں دیتی،

صحیح مسلم باب التفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے،
ہماتے وقت اوٹ نہیں کرتے تھے، کھلے میدان میں بے ستر ہو کر نہاتے تھے،
پاخانہ پیشاب کے وقت پردہ نہیں کرتے تھے، جلوس میں بیٹھتے تو بیویوں سے ہم چھتی کے تمام قضا
بیان کرتے،

سوتیلی ماؤں پر ورانہ قبضہ کر کے بیوی بناتے،

۱۔ نسائی باب الاستسار عن الغسل ۲۔ ابوداؤد کتاب الطہارۃ ۳۔ ابوداؤد کتاب النکاح باب بیکرہ من الکراہل ما یکن من اصنافہ

عورتوں پر ظلم | عورتوں کی حالت نہایت خراب تھی، مورت کے متروکہ مین سے ان کو کچھ نہیں ملتا تھا، عوب کا قول تھا کہ میراث اسکا حق ہے جو تلوار پر کڑا سکتا ہو، اسی بنا پر چھوٹے بچے بھی وراثت سے محروم رہتے تھے،
 رٹائیوں میں مفتوحہ قبیلہ کی عورتیں، عین میدان جنگ میں، فاتحین کے تصرف میں آجاتیں، اگر صلح ہو جاتی اور عورتیں واپس دیدیجاتیں، تو باد جو داس کے کہ سب کے ناموس برباد ہو چکے ہوتے، بدستور گھروں میں لے لیجاتیں، اور یہ کوئی عیب نہیں خیال کیا جاتا تھا، فاتحین اس تصرف پر فخر کرتے اور اشار میں ادا کرتے، بنوئے نے جب بنو عامر پر فتح پائی تو ان کی عورتوں کو عین میدان جنگ میں رسوا کیا، فرزدق نے اس شعر میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے،

فطلت وظلت یرکبون ہبیرھا تو نوگ عورتوں پر تصرف ہو گئے،
 ولیس لھم الا عوالہما ستر اور اگر کوئی پردہ بیچ میں تھا تو مرت نیز تھے،
 قیلہ قیس اور بنو دارم میں جو معرکہ ہوا جو جر حان کے نام سے مشہور ہے اسکی نسبت خبر یہ کہتا ہے۔
 نکحت نساء ہم بغیر مھور ان کی عورتوں سے بغیر مہر کے نکاح کیا،
 عمر و معدیکرب، عوب کے مشہور بہادر اور شاعر تھے، ان کی بہن ریحانہ کی عصمت اسی طرح جب برباد ہوئی تو عمر و نے کہا،

امن ریحانۃ الداعی السمع کیا ریحانہ کی طرف سے کوئی پکارنے والا سنتے ڈالا؟
 یوثرقتی واصحابی ہجوع جس نے مجھے بے خواب کیا، لیکن میرا جواب سوتے ہیں
 اذالم تستطع امرافندعہ اگر تم کسی کام کو نہ کر سکو تو ادس کو چھوڑ کر،
 وجا و نرا الی ما تستطیع وہ کرو جو کر سکتے ہو،

طلاق کے لیے کوئی مدت اور عدت نہ تھی، یعنی جب تک شوہر چاہے، عورت نہ شوہر کے پاس رہ سکتی تھی، نہ کسی اور سے شادی کر سکتی تھی،

مسکاح کی کوئی حد نہ تھی، غیلان بن سلمہ ثقفی جب اسلام لائے تو انکی دس بیویاں تھیں وہ سب اسکی نے اسلام قبول کیا تو انھیں بیویاں اُن کے عقدِ نکاح میں تھیں۔

دو حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرتے، باپ مرجاتا تو اسکی کل بیویاں (بجز حقیقی ماں کے) بیٹے کے تصرف میں آتیں اور اسکی جائز بیویاں سمجھی جاتیں،

ایام کے زمانہ میں، عورتوں کو الگ کر دیتے، اور ان کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیتے،

عورت جب بیوہ ہو جاتی تو گھر سے باہر ایک نہایت تنگ کوٹھری رہنے کو اور خراب سے خراب کپڑا پہننے کو دیئے جاتے، خوشبو وغیرہ کی قسم کی کوئی چیز استعمال نہ کر سکتی، اس حالت کے ساتھ جب پورا سال گزرتا تو ایک بکری یا گدھالائے، اس سے وہ اپنے جسم یا... کو مس کرتی، پھر کوٹھری سے باہر نکلتی اور اسکے ہات میں مینگنی دیا جاتی، وہ مینگنی کو پھینک دیتی اسوقت سوگ سے نکل آتی اور قدیمی حالت قائم ہوتی عورت کا جو ہر مقرر ہوتا وہ باپ کو ملتا، عورت کو اس سے سروکار نہ ہوتا،

غرض مجموعی حیثیت سے، عورت، بدترین مخلوق، اور ہر قسم کی جبر و تعدی کا تختہ گاہ مشق تھی، رفتہ رفتہ یہاں نوبت پہنچی کہ جس کے گھر میں لڑکی پیدا ہوتی اسکو سخت رنج ہوتا، اور شرم کے مارے لوگوں سے چھپتا پھرتا،

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ أَظْلَقَ ۚ

وَجَعَلَ مُسَوِّدًا ۖ وَهُوَ كَظِيمٌ ۚ يَتَوَارَىٰ

مِنَ الْقَوْمِ ۚ هِرْ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ

أَيُّ مَسْكَةٍ عَلَىٰ هَوْنٍ ۚ أَرِيدُ مَسْكَةً

فِي التَّرَافِطِ (سودہ نخل۔) اسکو قبول کرے یا زندہ زمین میں دفن کر دے،

ابو حمزہ ایک رئیس تھا، اُس کے لڑکی پیدا ہوئی تو اس نے گھر میں رہنا چھوڑ دیا، اس پر اسکی بیوی یہ شفاء

لے ابو داؤد، کتاب النکاح، لے ابو داؤد، کتاب النکاح، باب اعداد المتوفی عنہا زوجہا،

پڑھ پڑھ کر بچی کو لوریاں دیتی تھی،

مَکَلَا بِي حَمْرَةً لَا يَأْتِينَا ابو حمزہ کو کیا ہو گیا ہے کہ ہمارے پاس نہیں آتا

بَيْتٌ فِي بَيْتِ اللَّتِي تَلِينَا اور ہماریہ کے گھر میں رات بسر کرتا ہے

عَضْبَانُ الْأَمْلَدِ الْبَيْنَا اسپر ناراض ہو کہ ہم بیٹے نہیں جنتے

تَاللّٰهِ مَا ذَاكَ بَايَدِينَا خدا کی قسم یہ ہمارے اختیار کی بات نہیں،

وَنَحْبُكَ لِزَرْعٍ لِّزَارِعِينَا ہم بطور کھیت کے ہیں،

نَذِيبُ مَا قَدَرْنَا عَوْلَانَا ہم میں جو بویا جائے گا وہی آگیا،

رقمہ رقمہ دختر کشی کی رسم جاری ہو گئی، لڑکی پیدا ہوتی تو اسکو میدان میں لیجا کر زمین کھودتے اور زندہ گاڑ دیتے،

اس کو عربی میں راد کہتے ہیں،

ایک صاحب نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں آکر ظاہر کیا تھا کہ انھوں نے اپنے ہاتھ سے

اتھ لڑکیاں زندہ دفن کیں،

عورت کو وراثت کا کوئی حصہ نہیں ملتا تھا، ان کا قانون تھا کہ وراثت کا حق اسی کو ہے جو تلوار چلائے

عورت بیوہ ہونے کے بعد اپنے شوہر کے وارثوں کی ملک سمجھی جاتی تھی، وہ اگر کر بیوہ پر چادر ڈال دیتا تو وہ اسکی

جائزہ خولہ بن جاتی تھی

وحشت و جہالت | حرام حلال کی کوئی تمیز نہ تھی، ہر چیز اور ہر جانور جو کھا سکتے تھے کھاتے تھے، حشرات الارض

عام غذا تھی، پھسکی تک کھا جاتے تھے، خون کو بجالیتے اور قاشین تراش تراش کر کھاتے، مردہ جانور کھانا عام بات

تھی پھر بڑے کو آگ میں بھون کر کھاتے، زندہ جانور کا گوشت کاٹ کر کھا لیتے تھے، اگر دن مڑور کر ڈنڈے سے مار کر

۱۔ تفسیر ابن جریر و ابن کثیر تفسیر سورہ وَاذْذِ الشَّمْسُ کَوْرَت، ۲۔ تفسیر یوسف صلی اللہ علیہ وسلم فی اولادکم الذکور وکل حظا لانیثین ۳۔ تفسیر
ولا تفضلون، ۴۔ اِنَّا نَزَّلْنَا سِوْطًا بِآيَاتٍ وَحُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْعِيقَةُ،

درد و ن کا مارا ہوا، سب کھاتے تھے، گدھے کا گوشت بھی کھاتے تھے،

عرب کا مشہور جاہلی شاعر عشی میمون جس نے آغاز اسلام کا زمانہ پایا ہے، اور اہل ادب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں اسکا ایک قصیدہ نقل کیا ہے، اُسمین وہ اسلام کی تائید میں اہل عرب کو جن باتوں کی طرف متوجہ کرتا ہے، وہ یہ ہیں،

وَأَيُّكَ وَالْمِيتَةَ لَا تَأْكُلُهَا	وَلَا تَأْخُذُ نَسَمًا مَّا كُنْتَ تَقْصِدُ
مرداروں سے پرہیز کر اور ان کو نہ کھا	اور نہ تیرے جانور کو قصد دیکر مار کر کھا،
وَذَا النِّصْبِ الْمَنْصُونِ لَا تَسْكُنْهُ	وَلَا تَعْبُدُ إِلَّا وَثَانًا وَاللَّهُ فَاعْبُدَا
اوپر کھڑے کئے ہوئے بتوں پر قربانی کر	اور نہ بتوں کی پوجا کر اور اللہ کی عبادت کر،
وَلَا السَّائِلِ الْمَحْرُومِ لَا تَتْرُكْهُ	لِعَاقِبَةٍ وَلَا الْاَسِيرِ الْمَقِيدَا
اور محروم بھیک مانگنے والے کو کسی اور انجام نہ چھوڑ	اور نہ زنجیر میں بند سے ہوئے قیدی کو،
وَلَا تَسْخَرَنَّ مِنْ بَانِسٍ ذِي ضَرَّازٍ	وَلَا تَحْسَبَنَّ الْعَرَبِيَّ مَّا مَحَلَّدَا
اور کسی مصیبت زدہ مفلس سے ہٹھا کر،	اور نہ کبھی یہ سمجھ کر آدمی ہمیشہ رہنے والا ہو،
وَلَا تَقْرَبَنَّ جَارَةً اِنْ سَبَّهَا	عَلَيْكَ حَرَامٌ فَانْكَحُهَا اَوْ تَابَدَا
اور نہ اپنی ہمسایہ خاتون سے بدکاری کر	وہ تجھ پر حرام ہو یا نکاح کرے اور یا نکاح نہ کرے



عربوں کے خصوصیات

خیر الامم بننے کی اہلیت

لیکن ان تمام مفاسد اور برائیوں کے باوجود اہل عرب میں کچھ ایسی خصوصیتیں بھی تھیں جو دنیا کی تمام قوموں میں انہیں کے ساتھ مخصوص تھیں اور انکی انہیں فطری اور طبعی خصوصیات و امتیازات کا اثر تھا، کہ خلاق فطرت نے ان کو اپنی نبوت و رسالت اور تعلیم و شریعت کا اہل سمجھا، اور ان کو اپنے اس خلعت خاص سے سرفراز کیا، **محتنب** | ان خصوصیات میں سب سے پہلی چیز انکی صحیح انہی ہے، شمالی عرب کے تمام قبیلے حضرت ابراہیمؑ کی اولاد اور انکی نسل سے تھے اور یہ بات ایسی مشہور و متواتر روایتوں سے ثابت تھی کہ کسی نے انکی تردید کی ہمت نہیں کی تو قرآن نے حضرت ابراہیمؑ کی جن اولادوں کے نام بتائے ہیں ان میں سے ایک ایک نام کا سرخ عرب کی پرانی آبادیوں میں ملتا ہے، چنانچہ ریورنڈ فارنر نے **عرب** کا جو تاریخی جغرافیہ لکھا ہے، اس میں پوری دلیل اور تفصیل اور شہادتوں کے ساتھ ان آبادیوں کا پتہ لگایا ہے، اور انکی جگہیں متعین کی ہیں، قدیم یہودی مؤرخ یوسفوس نے بھی یہی لکھا ہے، اور آجکل ایک یہودی فاضل ڈاکٹر اسرائیل ولفسون نے تاریخ ایسودنی بلاد العرب ایک کتاب لکھی ہے، اس میں بھی اُس نے اس واقعہ کو تسلیم کیا ہے، اور انکی محنت پر دلیلیں پیش کی ہیں، اور بعض حال کے مناظر عیسائیوں کے علاوہ اس واقعہ کے قواتر میں کسی نے شک نہیں کیا ہے، اور غالباً اسی لیے سینٹ پال نے اپنے خطوط میں عرب کی ہجرہ کی تمثیل استعمال کی تھی، اور قرآن پاک نے اہل عرب اور قریش کو خطاب کر کے صاف کہا ہے،

سَلَّةَ آبٍ كَمَا تَبْرَأُ هَيْمَ (ج) تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب۔

حضرت ابراہیم تک نام بنام سلسلہ نسب کے پہنچے مین پشتون کی کمی بیشی، یا نامون کا گھٹنا بڑھنا ممکن ہے، مگر مجموعی حیثیت سے یہ دعویٰ کہ حضرت ابراہیم کی اولاد تھے کسی حیثیت سے مشکوک نہیں ہے، خصوصاً جب اُس کے ساتھ خارجی تہذیب پر بھی نظر کر لیا جائے کہ وہی تمدن اور طرز معاشرت جو تورات میں حضرت ابراہیم اور اُن کے اہل و عیال کی نظر آتی ہے، اسلام کے عہد تک بلکہ آج تک وہ اسی طرح عربوں میں قائم و باقی ہے، وہی خیمے ہیں، وہی صحرا ہیں، وہی مویشی ہیں، وہی بدویانہ زندگی ہے، وہی رسوم و رواج ہیں، جبکہ اسلام نے اگر اور زیادہ نکھار دیا، وہی بیت اللہ حج اور قربانی کی عبادتیں ہیں، اور یہ ایسا کھلافہ ہے جو آج بھی یورپ کے محققوں کی نگاہوں کے سامنے ہے، مشہور جرمن محقق فولڈیک کہتا ہے،

اور نیز عربوں میں قدیم سامی کیرکٹر اپنے خاص رنگ میں باقی سمجھا جاتا ہے، اور انکی زبان اہل زبان کے بہت قریب ہے۔

اہل عرب کو اپنے حسب و نسب کی حفاظت کا جو خیال و محاط تھا اوس کے ذکر سے عرب کی تاریخ میں معجزہ چنانچہ نسب پر فکر کرنا انکی شاعری کا اور نسبی مفاخرت انکی تقریر کا سب سے بڑا موضوع تھا، اپنے باپ اور نسل ناموں کو یاد رکھنا اُن کا خاندانی فرض سمجھا جاتا تھا، یہاں تک کہ انسانوں سے ہنکر جانوروں (گھوڑوں) تک کے نسب نامے وہ محفوظ رکھتے تھے قبائل کے نسبی تعلقات کو یاد رکھنے والے خاص خاص ہر قبیلہ میں موجود رہتے تھے اور یہی سبب ہے کہ آج بھی اُن کے اکابر اور مشاہیر کا سلسلہ نسب آپکو معلوم ہو سکتا ہے، اور اس پر بہت سی اہم کتابیں لکھی گئی ہیں، اور یہ وہ خصوصیت ہے جو دنیا میں صرف اہل عرب کیساتھ مخصوص ہے، یہود اور بنی اسرائیل بھی گو حضرت ابراہیم ہی کی نسل سے تھے، مگر وہ بھی اس خصوصیت میں انکی برابری نہیں کر سکتے، کہ دوسری قوموں کے احتلاط اور میل جول اور کسی خاص وطن نہ ہونے کے سبب انکی اکثر خاندانی خصوصیتیں مٹ گئیں،

۱۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، طبع یازدہم، مضمون 'السنہ سامیہ' میں نے ارض القرآن جلد اول صفحہ ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱

نسب بجائے خود کوئی فخر کی چیز نہیں، اسی لیے محمد رسول اللہ صلعم نے عمل کے مقابلہ میں نبی فخر کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کی ہدایت کے لیے جو دعا کی تھی، اور اُن کو جس بیت اللہ کی پاسبانی سپرد کی تھی اُن میں ایک نبی کی بعثت کی جو دعا مانگی تھی، اور خدا نے انکی نسل میں دینی اور دنیاوی برکات کے عطا کرنے کا جو عہد کیا تھا، اُن سب کے پورا ہونے اور اُن کے حقیقی مصداق بننے کے لیے نسل ابراہیم کی صحیح النبی کی ضرورت تھی، اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس شرف کے ساتھ مخصوص کیا،

کسی پہلے مذہب میں نکلے تھے | اسی طرح اُن کو اُن تمام اثرات سے محفوظ رکھا جو قوموں کے عادات و اخلاق اور استعداد کو بدل دیتے ہیں، مثلاً وہ باوجود اس کے کہ ہر چار طرف سے مختلف بڑے بڑے مذہبوں سے ٹکرا رہے تھے، مگر کوئی مذہب اُن کو نسخ نہیں کر سکا تھا، جو نیست خلیج فارس سے لیکر مین تک حکمران تھی، یہودیت مین اور حجاز کے تجارت گاہوں پر قابض تھی، عیسائیت اپنی فوج و لشکر، اور راہبوں اور قیسوں کے دل بادل کے ساتھ، مین لیکر شام کے حدود تک پھیلی تھی، اور بعض افراد اور بعض قبیلوں کو وہ برے نام عیسائی بنا بھی چکی تھی، مگر پورا عرب بدستور اپنی خاص حالت پر باقی تھا، عرب مین جو نیک طبع اور دیندار لوگ ہوتے تھے، وہ مجوسی یا یہودی یا عیسائی ہونے کے بجائے اپنے کو دین ابراہیمی کا پیرو کہتے تھے، اور اسی لیے اپنے مذہب کا نام دین حنیفی رکھتے تھے، اور سب اس لیے ہو رہا تھا تا کہ خاتم الانبیاء صلعم کے ذریعہ دین ابراہیمی کی دعوت و تجدید کا راستہ کھلا رہے،

محکوم نہ تھے | عرب کا ملک تَخْلِیقِ عَالَم کے آغاز سے اسلام تک، ہر غیر قوم کی حکومت سے ہمیشہ آزاد رہا، شمالی عرب نے کبھی کسی قوم کی غلامی نہیں کی، بابل کے تخت نصر نے بنی اسرائیل کو زیر کر دیا، مگر عرب کی طرف آنکھ نہ اٹھا سکا، یونانیوں اور رومیوں نے مصر سے لیکر عراق کی سرحد تک مدیون تک حکومت کی، مگر خاص عرب کے اندر قدم نہ رکھ سکے، سکندر نے اور اس کے بعد کے رومی سپہ سالاروں نے جب اوج نظر اٹھائی تو فطرت نے ہمیشہ اُن کو شکست دی، عرب کا ملک دنیا کی دو عظیم اُشان حکومتوں، یعنی ایران اور روم کی سرحد پر واقع تھا، مگر وہ دونوں اپنے حرم و آذکار ہاتھ او کی طرف بڑھانے سے قاصر رہیں، گستاخ عیسائی جیشیوں نے مین نسخ کرنے

کے بعد ہاتھیوں کے بھرست کیساتھ مکہ منظر پر چڑھائی کی، مگر قدرت الہی نے اُن کو تباہ کر دیا۔ یہ تمام اہتمام و انتظام اس لیے تھا کہ کوئی دوسری جابرانہ قوت اُن کے دل و دماغ کی استعداد کو برباد نہ کر سکے، اونکی آزادی کی روح برقرار اور اونکی فاحشہ طاقت بدستور قائم رہے، تاکہ مخفی خزانہ خدا کے آخری مذہب کی حکومت کے قیام و بقائین کا رآمد ہو،

کتابی فائدہ تعلیم سے نا آشنا تھے | جس طرح وہ خارجی اثرات سے پاک تھے، اسی طرح صحیفہ فطرت کے سوا ہر قسم کے کتابی علم سے وہ نا آشنا تھے، یعنی اس ذریعہ سے بھی وہ دوسری قوموں کے دماغی اثرات سے محفوظ تھے اور علم کی جاہلانہ اور کج بھنائہ ذہنیت سے پاک تھے، وہ اتنی تھے، تاکہ ایک اتنی معلم کی ربانی تعلیم کے قبول کرنے کے لیے ہر طرح تیار رہیں،

وہ زمین کے وسط میں آباد تھے | عرب کا ملک پرانی دنیا کے وسط میں واقع ہے، ایک طرف ایشیا، دوسری طرف افریقہ، اور تیسری طرف یورپ کا راستہ اُس سے قریب ہے، پھر بحری جائے وقوع نے اسکو جزائر اور دور دراز ملکوں سے قریب کر دیا تھا، اس لیے عرب کے نخل کروہ ایک طرف عراق ہو کر، ایران، ترکستان، خراسان، سیستان، کابل، ہندوستان تک پہنچ گئے، اور دوسری طرف شام ہو کر مصر، افریقہ، الجزائر، ٹیونس، مراکش، اور اسپین تک جا پہنچے، اور بحری راستوں سے ایک طرف سے تمام جزائر افریقہ، حبشہ، زنجبار، پھر ادھر جزائر ہند، جاوہ، سامٹرا، اور چین تک اور اُس طرف ساپرس، کریٹ اور سیلی تک، یہ تمام مواقع اس لیے میسر آئے کہ عرب کی جائے وقوع اس دعوت کے لیے مناسب مرکز تھا، فرض کرو کہ اگر اس دعوت کی جگہ ہندوستان یا چین ہوتی تو اسپین اور سیلی تک پہنچنے کے لیے کتنا عرصہ درکار ہوتا، پھر یہ کہ اس وقت تک دنیا جن دو مشرقی اور مغربی طاقتوں کے زیر فرمان تھی، ان دونوں کے زور کو برابر طور سے اور ایک ساتھ توڑنے کیلئے عرب کے سوا دنیا میں کوئی جگہ نہ تھی، جہاں سے دونوں پر ایک ساتھ حملہ کرنا، اور دنیا کو اُن کے خون آشام پنجوں سے نجات دینا باسانی ممکن ہوا، بعض اخلاقی خوبیاں | ان کے علاوہ اہل عرب کو خیر الامم بننے اور عالم کے لیے شاہد نمود اور مصلح بننے کے لیے کچھ اور اخلاقی خوبیوں کی بھی ضرورت تھی، اور وہ اُن میں بدرجہ اتم موجود تھیں، ان خوبیوں کے بغیر وہ اسلام کی

عظیم اُشان تحریک کے علم بردار نہیں ہو سکتے تھے، اور نہ وہ دنیا کی رہنمائی کا فرض انجام دے سکتے تھے۔
 شجاع و بہادر تھے | وہ حد سے زیادہ شجاع و بہادر تھے، وہ خطرات سے بیخوف تھے، وہ لڑائی کو کھیل سے زیادہ وقعت
 نہیں دیتے تھے، یہی سبب ہے کہ وہ تمام دنیا کی قوموں اور سلطنتوں کے مقابلہ میں تنہا کھڑے ہوئے اور کسریٰ اور قصر
 کو انھوں نے ایک ساتھ چیلنج دیا، اور اس تحریک کے پھیلانے میں تھوڑی تھوڑی غیر مسلح جمعیوں سے ہزاروں
 اور لاکھوں کی فوج کا بے خطر مقابلہ کیا، اور کامیاب ہوئے،

پرجوش تھے | ساتھ ہی وہ پرجوش بھی تھے، ایسے جس دعوت اور تحریک کو لیکر اُٹھے، اسکو پوری کوشش، عزم، اور جوش
 کے ساتھ دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلا یا، اُن کے عزم اور جوش کو نہ پہاڑ روک سکا اور نہ ہند، ہر جگہ وہ توحید کا علم
 لیے بحر بردشت و جبل میں پھیل گئے، اور اپنے عزم و راسخ سے ارکانِ عالم کو منزلزل کر دیا،
 حلقو تھے، | اُن کی جسمانی شجاعت و بہادری نے اُن کو دل کا شجاع اور بہادر بھی بنا دیا تھا، جو بات اُن کے دل
 میں ہوتی تھی، وہی اُنکی زبان پر تھی، اہلِ مدینہ میں جو نفاق کا عنصر پیدا ہو گیا تھا، وہ یہود کے اثر کا نتیجہ تھا، ورنہ قریش
 اور عام اہلِ عرب میں یہ بات نہ تھی، یا تو وہ کھلے دشمن تھے، یا کھلے دوست، اپنے نزدیک وہ جس کو حق سمجھتے تھے
 اُس کے ظاہر کرنے میں اُن کو کسی کا باک نہیں ہوتا تھا،

عقل و دانش والے تھے | باوجود اس کے کہ وہ عموماً ظاہری نوشت و خواند سے عاری تھے، مگر فطرت کے عطیہ عقل و
 دانش سے وہ کافی طور پر بہرہ مند تھے، حضرت ابو بکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، علی رضی اللہ عنہ، زبیرؓ، خالدؓ، عتبہؓ
 بن جراحؓ، وغیرہ سینکڑوں ہزاروں صحابہؓ نے علم، مذہب، اخلاق اور سیاست میں جو نکتہ سنجیاں کیں وہ خود
 انکی عقل و دانش کی گواہ ہیں، روم و ایران کی تمدن قوموں سے جس طرح انھوں نے معاملہ، مراسلہ اور نامہ
 و پیام کیا، اور علم و سیاست کے اچھے سے اچھے ہوئے مسئلہ کو جس طرح سلجھایا وہ خود اسی نتیجہ کو ظاہر کرتا ہے،
 اُن کے شعر کے کلام، اُن کے مقروء کی تقریریں، اُن کے فصحاء کے مقولے سنئے تو اُن کی اس فطری صلاحیت کا
 اندازہ ہوگا، کہ ظاہری تعلیم کے بغیر کیونکر عقل و گہرہ اپنے منہ سے اُگل سکے،

ذہن اور حافظہ کے تیز تھے فطرت کا قاعدہ ہے کہ اگر اُس کے بعض قوی بیکار ہین تو اُن کی قوت دوسرے زیرِ عمل قوی کو وہ منتقل کر دیتی ہے، اور جس عضو سے زیادہ کام لیا جاتا ہے، اُس کی قوت کو وہ ترقی دیتی رہتی ہے، اسی اصول کے موافق ظاہری تعلیم اور نوشت و خواند سے محروم ہونے کے سبب جہان اُن کے بعض قوی بیکار ہو رہے تھے، وہاں اُن کو اپنی یادداشت کے لیے تحریری اوراق اور سفینوں پر بھروسہ کرنے کے بجائے خود اپنے دل و دماغ پر بھروسہ کرنے کی عادت تھی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اُن کا ذہن اور حافظہ بہت قوی تھا، یہی سبب ہے کہ اُن کے شعراء اپنے بڑے بڑے قصیدوں کو زبانی پڑھتے تھے، اور جو کچھ کہتے تھے اس کو بر زبان یاد رکھتے تھے، اور اُن کی اسی قوت کا یہ فیض تھا کہ اُن میں کا بڑا طبقہ تحریر کے بغیر قرآن پاک کی بڑی بڑی سورتوں کو یاد رکھتا تھا، اور بہتیرے ایسے تھے جو پورے قرآن کو یاد رکھتے تھے، اور یہ انھیں کی تقلید ہے کہ دنیا کے ہر حصہ میں ایسے ہزاروں مسلمان پائے جاتے ہیں جو پورے قرآن کے حافظ ہوتے ہیں، اور اہل عرب کی اسی خصوصیت کا منظر یہ بھی تھا کہ احادیث و سیر اور واقعات کا بڑا سرمایہ تحریر کے علاوہ زبانی ایک دوسرے کو پوری ذمہ داری اور حفاظت کیساتھ منتقل ہوتا رہا، اور سینکڑوں اصحاب ایسے تھے جو ہزاروں لاکھوں احادیث کو حرفِ حرف اور لفظ لفظ کی پابندی کے ساتھ یاد رکھتے تھے، اہل عرب کی اس خصوصیت نے اسلام کی حفاظت اور اشاعت کا نہایت اہم فرض انجام دیا،

فیاض تھے | اہل عرب کی ایک خاص امتیازی صفت ان کی فیاضی تھی، همان نوازی اُن کی سب سے بڑی خصوصیت تھی، ہمسایوں اور پناہ گزینوں کی امداد میں وہ اپنی جان تک لڑا دیتے تھے، اپنی شہرت اور ناموری کیلئے اونٹنوں کو ذبح کر کے کھلا دینا، یا جو سے مین چلتی ہوئی دولت کو احباب کے جلسہ دعوت میں اڑا دینا، اور اُس پر فخر کرنا، ان کی قومی رسم تھی اور یہی اوصاف اُن کی شاعرانہ مدح میں سب سے زیادہ نمایان نظر آتے ہیں، اسلام نے اُن کی اسی صفت کو تھوڑی سی اصلاح کے بعد خدا کی راہ میں خیرات و صدقات و زکوٰۃ سے بدل دیا، اور اسلام کی منجھل کشائی میں اُس نے سب سے زیادہ مدد دی،

ساوت پسند تھے | چونکہ وہ کبھی کسی دوسری قوم کے محکوم نہیں ہوئے تھے، اور نہ وہ کسی ایک مطلق العنان شخصی بادشاہ کے تابع فرمان بنے تھے، اس لیے انکی خودماری کا جذبہ بیدار تھا، وہ غلام بننا نہیں جانتے تھے، وہ اپنے کو ذلیل کرنا پسند نہیں کرتے تھے، اور وہ بڑے سے بڑے شخص کے سامنے برابری کے ساتھ بے باکانہ ٹھیکر باتیں کرتے تھے۔
عرب میں مسیون لڑائیاں صرف اسی خودماری کی حفاظت میں پیش آئی تھیں، جبکہ ایک منظر سیدہ علقمہ کے آخری قصیدہ میں نظر آتا ہے، اہل عرب کے اس جذبہ نے جنگوں کی مساوات اور جمہوریت پسندی، وغیرہ اسلامی تعلیمات کے پھیلانے میں بڑی مدد دی،

علی تھے، اہل عرب کے فطری اخلاق و کردار کی آخری دفعہ یہ ہے کہ وہ طبعاً علی اور علمیت پسند تھے، وہ اہل ایران اور اہل ہند کی طرح محض تخیل پسند خیال آرا اور نظریہ باز نہ تھے، وہ محکم عمل تھے، اور علمیت کو پسند کرتے تھے، چونکہ چڑا اور کیسے اور کیونکر کے فلسفیانہ الجھنوں سے پاک تھے، وہ دنیا کے کاروباری آدمیوں اور سپاہیوں کے طرح چند اچھی باتوں کو قبول کر کے ان پر فوراً عمل بناتے تھے، یہی سبب ہے کہ عجمیانہ نکتہ آخری اور بال کی کھال نکال کر اوس کی الجھنوں کے سلجھانے میں وہ کبھی گرفتار نہیں ہوئے، وہ ہمہ تن عمل اور صرف عمل تھے، اسی بنا پر شائع علیہ السلام نے ان کے سامنے ایک علمی مذہب کو پیش کر کے ان کو سرتاپا علی بنادیا، اور جو کچھ وہ تسلیم لائے تھے، اس کا عجم پیکر بکر چند سال میں دنیا کے سامنے پیش کر دیا، دور دور سے بدوی آنحضرت صلعم کی خدمت میں آتے تھے، اور شک و حجت اور مناظرہ و قیل و قال کے فرائض و اخلاق کی علمی تعلیم حاصل کر کے اپنے قبیلہ میں واپس چلے جاتے تھے، اور بالآخر اپنی علمی دعوت سے اپنے پورے قبیلہ کو مسلمان بنا لیتے تھے، وہ اگر ملکہ اور ممکن و نامکن کی بحث میں نہیں پڑتے تھے، وہ تعلیم کو دیکھتے تھے اور سنتے تھے، وہ اچھی معلوم ہوتی تو اس کو قبول کرتے، اور اس پر عمل کر کے دینی اور دنیاوی فوائد اور نتائج کے حصول کا یقین کرتے تھے، اور اسی غیر متزلزل یقین اور ایمان کے بھروسہ پر وہ مشکل سے مشکل اور خطرناک سے خطرناک کام کر گزرتے تھے، اہل عرب کی اسی خصوصیت نے اسلام کی سادگی کو برقرار اور عجمی فلسفیت و نظریت سے پاک و سبزا رکھا، اور ساتھ ہی چند ہی سال کے اندر اندر مغرب

شرق، شمال و جنوب میں اسلام کا پھر برا آسمان پر اڑنے لگا،

ان اوصاف کی مصلحت | اہل عرب کے ان تمام فطری وطبعی اوصاف و اخلاق کو دیکھ کر یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری دین کی اشاعت اور حفاظت کے لیے جس قوم کا انتخاب کیا تھا، وہ ازل سے اس کے لیے منتخب ہو چکی تھی، باوجود اونکی ہر قسم کی گمراہیوں کے یہ چند اچھے اوصاف اس لیے اُن میں ودیعت کئے گئے تھے، تاکہ جب خدا کی بادشاہی کا دن آئے تو اونکی فطری استعداد کا یہ سرمایہ، اوسکی امداد و اعانت کے لیے خزانہ غیب کا کام دے، یہی وہ سرمایہ تھا جو اس وقت نہ ہندو عجم میں تھا، نہ روم و فرنگ میں تھا، اور نہ ترک و زنگ میں تھا وہ عرب اور صرف عرب میں تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری نبوت کے لیے اسی قوم کو برگزیدہ کر کے، یہ امانت اُس کے ہاتھ میں سپرد کی، آنحضرت صلیع نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کی اولاد میں اسماعیل کو پسند کیا، اور اسماعیل کی اولاد میں بنی کنانہ کو، اور بنی کنانہ میں سے قریش کو، اور قریش میں سے بنو ہاشم کو، اور بنو ہاشم میں سے محمدؐ کو" ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں عبدالمطلب کے بیٹے عبد اللہ کا بیٹا ہوں اللہ نے تمام لوگوں کو پیدا کیا تو مجھے اس نے اُن سب میں سب سے بہتر نسل میں رکھا، انکو دو حصوں میں (عرب عجم میں) تقسیم کیا، تو مجھے اس حصے میں (یعنی عرب میں) بنایا، جو سب سے بہتر تھا، اس حصے کو بھی قبیلوں میں تقسیم کیا تو مجھے اُس قبیلہ میں پیدا کیا، جو سب سے بہتر تھا، پھر اس قبیلہ کو گھرانوں میں تقسیم کیا، تو مجھے سب سے بہتر گھرانے میں پیدا کیا، پھر اس گھرانے کو افراد پر تقسیم کیا تو مجھے اس گھرانے کا سب سے بہتر فرد بنایا۔

يَدْعُو قَوْمًا إِلَى السُّنَّةِ الرَّاشِدَةِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُصَلِّحُ
شَأْنَهُمْ ثُمَّ يَتَّخِذُهُمْ بِمَنْزِلَةِ جِبَارٍ فِيهَا هُدًى
بِهِمْ أَهْلُ الْأَرْضِ وَيُفَرِّقُهُمْ فِي الْبِلَادِ وَهُوَ قَوْلُهُ
تَعَالَى أَنْتُمْ خَيْرُ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ رِجَّةً
اللَّهُ الْبَالِغُ صَفْحَةُ ١٢٣ مطبوعه هند

میں خوار اور ذلیل ہے، اِنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعَالَمِیْنَ (ہم نے تم کو تمام دنیا کی قوموں پر فضیلت دی) کا تاج پہن چکی تھی، لیکن اوپر بہ تفصیل گزر چکا کہ اب تمام قوموں میں صلاحیت کا مادہ مفقود ہو چکا تھا، اس لیے ان تین ہزار برس تک ناز و نعمت میں پل کر ترقی کی روح فنا کر چکا تھا، رومیوں کے تمام قوائے عمل بوسیدہ ہو چکے تھے، ہندوؤں کا دل دماغ صرف دہم پرستی کا کام دینے کے قابل رہ گیا تھا، صرف ایک عرب تھا جو بن حبی زمین کی طرح مادہ ہائے نشو و نما سے لبریز تھا اور ایک لوحِ سادہ کی طرح ہر قسم کی نقش آرائیوں کے قابل تھا، مشیتِ ایزدی نے اسی کو تاج اور خند روز میں وہی عرب جو سرتاپا جہل، سرتاپا وحشت اور سرتاپا درندہ پن تھا، کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ کا منظر بن گیا،

ان لوگوں کا حالِیہ و جمال اور خط و خال یہ تھا،

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنَّاہُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوْا
الصَّلٰوةَ وَآتَوْا الزَّكٰوةَ وَآمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ
وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ (ج-۶)

وہ لوگ کہ ہم جب اُن کو دنیا میں اقدار دینگے تو وہ
نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دینگے، اچھی باتوں کا حکم دینگے اور
بری باتوں سے روکیں گے،

اصلاح و ہدایت کی ہر قوم کی اصلاح و ہدایت میں اول سخت اور متعدد مشکلات پیش آتی ہیں، لیکن ان کی نوعیت ایک دو سے زیادہ نہیں ہوتی، لیکن عرب کی اصلاح میں ہر نوع، ہر حیثیت، ہر

مشکلات

جہت کی گونا گوں اور لاعلاج مشکلات تھیں اور ایسی تھیں جنہیں سے ایک کا حل کرنا بھی قدرتِ انسانی سے بالاتر تھا، بنو اسرائیل ایک مدت سے مصر میں، قبطیوں کی غلامی کر رہے تھے، اور قبطیوں کے جو رسوم کا طوفان ان کے سر سے گزر چکا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر یہ احسانِ عظیم کیا کہ فرعون کے پنجہ ستم سے اُن کو چھڑا کر، مصر سے نکال لائے، لیکن غلامی میں رہتے رہتے ان کی طبیعت میں اس قدر ذلت پسندی آگئی تھی کہ جب اُن سے کہا گیا کہ آگے گناہان کی زمین ہے، اُس کو لڑکر لو، اور اسی پر تختِ سلطنت پہچاؤ تو انہوں نے حضرت

لہ تم بہترین قوم ہو جو انسانوں کے لیے (پردہ عدم سے پھر لائی گئی، جو نیکیوں کا حکم دیتی اور برائیوں سے روکتی ہے،

الْكَافِرُونَ هَذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ (ق-۱) پیغمبر بنا کر آیا، کافرون نے کہا یہ تو بڑی تعجب کی بات ہے۔

صفات الہی، آثار نبوت، احوال معاد، ان میں سے ہر بات کو سنکر وہ اسی طرح سرتاپا حیرت بخاتے تھے، نبوت کے متعلق یہ سمجھتے تھے کہ انسان تو اس کے سزاوار نہیں اس منصب پر تو فرشتوں کو ممتاز ہونا چاہئے تھا

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْنَا الْكِتَابُ (فرقان ۳) جو ایک دن ہمارے سامنے آنے کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ فرشتے پیغمبر بنا کر ہم پر کیوں نہ اتارے گئے۔

اِذْ جَاءَهُمُ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ قَالُوا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً فَإِنَّا بِمَا أُرْسِلُكُمْ كَافِرُونَ (نعلت-۲) پیغمبر ان کے پاس سامنے سے اور پیچھے سے آتے ہیں ایک خدا کے سوا کسی اور کو نہ پوجو تو وہ کہتے ہیں کہ خدا اگر کسی کو پیغمبر بنا کر بھیجنا چاہتا تو فرشتوں کو اتارتا، ہم تو تمہاری باتوں کا انکار ہی کرینگے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمْ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبْعَثَ اللَّهُ بَشَرًا مِّنْهُم قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَّمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَرَيْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا (نہی اسرائیل-۱۱) ہدایت آنے کے بعد صرف اس شبہ نے لوگوں کو ایمان لانے سے باز رکھا ہے کہ کیا خدا نے آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، جو زمین کسروں کے گریز میں فرشتے چلتے پھرتے بستے ہوتے تو ابستہ ہم آسمان سے کسی فرشتہ کو پیغمبر بنا کر بھیجتے۔

نبوت کا تخیل اگر ان کے ذہن میں کبھی آتا تھا تو بشریت سے ماوراء صورت میں یعنی یہ کہ وہ انسانی ضرورت سے منزہ ہوا، اس کے پیچھے خدا کا اور فرشتوں کا پرامہ، آسمان اور زمین کے خزانے اس کے دست قدرت میں ہونا

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي الْأَرْضِ نَدِيعُوا آهَ أَوْ نَكُونُ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ تَحْتِهَا نَاقُوتٌ فَفَجَّرَ الْأَنْهَارَ خِلَافًا وَخِلَافًا (نہی اسرائیل-۱۱) انہوں نے کہا اے پیغمبر ہم تجھ پر سو شکایاں نہ لائیگی جب تک زمین سے ہمارے لیے تو چشمہ نہ بہا دے، یا تیری ملکیت میں کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ نہ ہو جنہیں

تَفْجِيرًا أَوْ تَسْفِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْهِكَ كَافًا
 أَوْ تَأْتِي بَالِهٍ وَالْمَلَائِكَةُ قَبِيلًا أَوْ يَكُونُ لَكَ
 بَيْتٌ مِّنْ ذُرُوبٍ أَوْ تَنَزَّلُ فِي السَّمَاءِ ^ط (ربنا سئل) ^ط
 وَقَالُوا مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيُشْرِي
 فِي الْأَسْوَاقِ لَوْلَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونُ
 مَعَهُ نَذِيرٌ أَوْ يُلْقَى إِلَيْهِ كَنزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ
 جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا، (فرقان - ۱)

نہیں جاری کر دی ہوں، یا جیسا کہ تو نے کہا ہر مہر بادل کا
 کوئی ٹکڑا اگر اوسے یا خدا اور فرشتوں کو پرانا کرنے لے اُسے، یا
 تیرے پاس کوئی سونے کا گنہ جو آسمان پر نہ چڑھ جائے،
 انہوں نے کہا یہ عجیب پیغمبر ہے، یہ تو کھاتا پیتا ہے، بازاروں
 میں چلتا پھرتا ہے، اس پر کوئی فرشتہ کیوں نہ اتر جو اس کی گناہ
 ملکر لوگوں کو ڈراتا، یا اسکے پاس کوئی خزانہ کیوں نہیں ملے یا گیا یا
 اس کیلئے خاص کوئی باغ ہوتا، جس سے یہ کھاتا،

پیغمبری کے لیے اُن کے خیال میں یہ بھی ضروری بات تھی کہ وہ بڑا دولت مند ہو، اُس کے قبضہ میں کوئی بڑی جائیداد
 ہو، یہودوں کے ہرے بھرے باغ اور سونے چاندی کے خزانے اُس کے پاس ہوں، چنانچہ گذشتہ آیت میں کفار کے
 اس خیال کی طرف بھی اشارہ ہے، کہ اور طائف کے جو رؤسا دولت مند تھے وہ اس منصب کے سب سے زیادہ
 مستحق سمجھے جاتے تھے،

وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ هَذَا الْفُرْقَانُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ
 الْفَرِيقَيْنِ عَظِيمٍ (زخرف - ۳۱)

وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن کہ یا طائف کے کسی بڑے آدمی پر
 کیوں نہیں اترتا،

کسی کتاب کے نازل ہونے کے معنی اُن کے خیال میں یہ تھے کہ آسمان سے کاغذوں میں ایک لکھی لکھائی
 ترشی ترشائی، جلد بندھی ہوئی ایک کتاب سب کے سامنے جمع میں اترے،

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْفُرْقَانُ
 جُمْلَةً وَاحِدَةً (فرقان - ۳۲)

کافروں نے کہا اس پر قرآن کی بارگی کیوں نہیں
 اُترتا،

وَلَكِن تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ تُنَزَّلُ عَلَيْكَ
 كِتَابًا مُّقْرَأَةً (ربنا سئل - ۱۰)

اور کافروں نے کہا، ہم تیرے آسمان پر چڑھ جانے کے بھی مستحق ہیں
 نہیں جو تجھے جتنی ہر کوئی ایسی کتاب اتار لے جو کہ تم پر نازل ہو

وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ كُلِّ فَتْرَةٍ لَّخَرَسُوا ۚ فَلَئِمَّ سُوْرُ
 بِأَيِّدِهِمْ تَعَالَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنَّ هٰذَا
 اَلْاَسْحٰرَ الْمُتَّبِعِيْنَ ه (انعام-۱)

اور اگر کاغذوں میں لکھا ہو کوئی قرآن آسمان پر اتار دے جگمگا
 اپنے ہاتھ سے ٹٹول بھی سکتے تو کافر ہی کہتے کہ یہ تو کھلا ہوا
 جادو ہے،

غرض ایک آسمانی مذہب کی کیفیت سے بالکل بے خبر تھے، الوہیت اور صفات الہی کے اسرار و نبوت کے
 خصائص نزول کتاب کی حقیقت، ہر چیز ان کے لیے حیرت اور استعجاب کا سرمایہ تھی،

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ
 اٰبَاءَهُمْ اَلَا وَلِيْنَ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ
 فَهُمْ لَهُ مُنْكَرُوْنَ (مؤمنون-۴)

کیا انھوں نے بات پر غور نہیں کیا، یا ان کے پاس وہ تعلیم
 آئی ہے جو ان کے اسلاف کے پاس نہیں آئی، یا انھوں نے
 انبیاء کو نہیں پہچانا، تو اس کے منکر ہیں،

اس بنا پر عرب کے مشرکین اور کفار کو ایک مدت تک صدائے نبوت سے گوش آشنا ہونے کی حاجت تھی اور
 اس میں کئی برس صرف ہو گئے، لیکن وہ لوگ جو اس صدائے نامانوس نہ تھے ان تک آواز پہنچنے کی دیر تھی کہ
 وہ نہرتا پالیتک تھے، حصہ اول میں گذر چکا ہے کہ سابقین اسلام عموماً وہی لوگ تھے جو اہل کتاب یا حنفاء کے
 آغوش پروردہ تھے، انھماص کے علاوہ قبائل کا بھی یہی حال تھا، مشرکین کلام الہی کا جواب خندہ تمقیر سے دیتے
 تھے اور رموز نبوت کے دامائیم پریم اور دل پر کیف سے،

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰوْتُوْا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖ اِذَا بُشِّرُوْا
 عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سَجْدًا هٗ وَيَقُوْلُوْنَ
 سُبْحٰنَ رَبِّنَا اِنْ كٰنَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْا ه
 وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَسْكُوْنَ وَيَزِيْدُ هُمْ
 خُسُوْسًا ه (نبی اسرائیل-۱۱)

جنگوں سے پہلے علم دیا گیا ہی (یہود و نصاریٰ) جب انکو قرآن
 کی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو سجدے کے بھل ہو سجدے میں گر پڑتے
 ہیں اور کہتے ہیں کہ پاک ہو ہمارا پروردگار ہم سے (ایکٹ غمیر
 اخرا الزمان کے بھیجے گا) جو وعدہ کیا تھا وہ ضرور پورا ہوگا کہ
 وہ بھٹکے بھل گرتے ہیں اور یہ ان کے خسوع کو اور بڑھاتا ہے۔

ان میں سے زیادہ مسلمانوں کے ساتھ محبت رکھنا

الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ ۖ هَٰذَا الَّذِي يَأْتِيهِمُ
 قِسْيُونٌ وَهُمُ أَهْلُهَا ۖ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ
 وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ
 أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا
 مِنَ الْحَقِّ ۖ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا
 مَعَ الشَّاهِدِينَ (مائده: ۱۱)

وہ ہیں جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں، سبب یہ کہ ان میں
 قیس اور رامب ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے اور جب وہ
 کلام سنتے ہیں جو پیغمبر پر اترا ہے، تو انکی آنکھوں کو توڑ دیکھا
 کہ حق کو پہچانکر انہو بہاتی ہیں اور کہتے ہیں کہ خدایا ہم کو
 لائے ہمکو بھی حق کی شہادت دینے والوں میں لکھ
 ۷،

مدینہ کے یہود جو اسلام سے سیاسی اور دینی کینہ اور تعصب رکھتے تھے اور اس بنا پر اسلام کے مقابلہ میں
 زبان سے اپنی کور باطنی کا اظہار وہ اپنا فرض سمجھتے تھے، تاہم ختم دل کو نیش حق سے باز نہیں رکھ سکتے تھے،
 الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا
 يَعْرِفُونَ آبَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ
 لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (بقرة: ۱۷)

بنکرم کتاب دیکھتے ہیں وہ اس پیغمبر کو اسی طرح پہچانتے
 ہیں، جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، ان میں سے
 کچھ لوگ جانکر حق پوشی کرتے ہیں،

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ
 مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ
 يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ فَلَمَّا
 جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ (بقرة: ۱۱)

اور جب خدا کے پاس سے پیغمبر وہ کتاب لیکر آیا جو خود اوکی
 آسمانی کتابوں کو سچ کر رہی ہو، تو باوجود اس کے کہ وہ
 کافروں کو اس سے پہلے اسی کے نام سے دباتے تھے،
 اب حق پہچانکر اس کا انکار کرتے ہیں،

قرآن مجید کی شہادتوں سے قطع نظر کر کے، اگر واقعات پر غور کیا جائے تب بھی یہ حقیقت منکشف
 ہو جائے گی، حجر و دعوت حق سننے کے ساتھ جن اشخاص اور جن قبائل نے اسلام کو لبیک کہا، ان کے حالات
 پیش نظر کر لینے کے بعد صاف ثابت ہوتا ہے کہ اسلام اپنے لیے صرف اثر پذیر دل اور ذوق آشنا نگاہ کا جویا
 تھا، حضرت سعد بن زید، عثمان بن مظعون، صہیب زومی، ابوذر غفاری، سلمان فارسی وغیرہ جو سابقین اسلام

ہیں، اسی قسم کے لوگ تھے، ابولہب، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل وغیرہ قریش کے مشرکین خدا کا کلام تیرہ برس تک متصل سنتے رہے، لیکن ان کے دل کی سنگینی میں کوئی فرق نہ آیا، درقہ مکہ کا قریشی عیسائی صرف ایک باب قرآن سنتا ہے اور ناموس اکبر کی آواز پہچان لیتا ہے، مکہ کے مشرک ترپن برس تک آپ کے چہرہ کو دیکھتے رہے لیکن نور الہی کو نہ پہچان سکے، اور عبداللہ بن سلام یہودی عالم نے صرف ایک دفعہ جہاں پُر انوار کو دیکھا اور پکا اٹھے کہ یہ حق کی تجلی ہے، روسائے قریش ہر روز اپنی آنکھوں سے نزول وحی کا تماشا دیکھتے ہیں اور جنس نہیں کرتے اور نجاشی حکومت کی مسند پر اور ہر قل شہنشاہی کے تخت پر بیٹھ کر غائبانہ کلام اللہ کی چند آیتیں سنتے ہیں اور ترپ جاتے ہیں، قریش کے گھریہ دولت خود اترتی ہے، اور وہ اُس کو ٹھکرا دیتے ہیں، لیکن مدینہ سے نبی اکرم کے پڑوسی جو ان کی زبان سے آخری نبوت کی بشارت سن چکے تھے، اتفاقاً مکہ آتے ہیں اور اس دولت ابی کو اپنے گھر اٹھا لیتے ہیں، طائف کے سنگدل جاہل، بنی نضر پھر برساتے ہیں، اور انکی منسی اڑاتے ہیں، اور بخرا کے عیسائی عالم مناظرہ کی غرض سے مدینہ آتے ہیں، لیکن چہرہ پر یونہی کی معصومیت دیکھ کر دہل جاتے ہیں اور صلح کا ہدیہ پیش کرتے ہیں،

قریش، اور حجاز کے راجہ نبوت کے ناخرم دعوت حق کا جواب اکیس برس تک تیغ و سنان سے دیتے ہیں لیکن شہر، حبر، یمن، عمان، اور بحرین کے بڑے بڑے اور عظیم الشان قبائل جو یہود، نصاریٰ اور مجوسیوں کے اثر سے ان رموز سے کسی قدر آگاہ ہو چکے تھے، وہ آواز حق پہنچنے کے ساتھ دفعۃً مسلمان تھے،

آبائی دین و رسوم کی پابندی | ہرنی تحریک کو غور سے دیکھو تو معلوم ہو گا کہ اُس کے قبول کرنے میں جو چیز سب سے پہلے عائق ہوتی ہے، وہ قومی رسم و رواج اور آبائی دین و مذہب کی پابندی ہے، انسانیت کے پاؤں میں اس سے بھاری کوئی زنجیر نہیں، دوست و آشنا کا چھوٹنا، ماں باپ سے علیحدگی، آل و اولاد سے کنارہ کشی، مال جائیداد سے دست برداری، جماعت کی مخالفت، قوم سے انقطاع، وطن سے دوری، ایسی چیزیں نہیں ہیں جنکو ہر انسان آسانی سے برداشت کر سکے، بلکہ قومی رسم و رواج کی دیرینہ محبت، اور آبائی کنش و آئین کی موروثی

الفت، حق و باطل کی تمیز اور نیک و بد کی پہچان کی حس مٹا دیتی ہے، عام دنیا کی فطری حالت کے علاوہ عرب کی قوم قدامت پسندی، اور قدیم حالت پر بقا اور استحکام میں خاص شہرت رکھتی ہے، دنیا کمان سے کمان بدلتی چلی گئی، پرانی سامی نسل کی بدویانہ خصوصیتیں جو تو راقہ میں پڑھتے ہیں، وہ تمام سامی قوموں سے مٹ گئیں، مگر عرب میں اُس وقت بھی نمایاں تھیں، اور آج بھی نظر کے سامنے ہیں، دینِ ابراہیم کے چند اصول، حج، قسطنہ اور قربانی، وغیرہ ہزاروں برس کے بعد بھی عرب میں مٹ مٹا کر باقی رہ گئے تھے، اور اُن سے نہیں چھوٹے تھے، اُن کے شعرو شاعری اور فخر و مباہات کا سب سے پر جوش مضمون آباؤ اجداد اور نام و نسب پر فخر و غرور تھا، جسکو چھوڑنا اُن کے نزدیک اپنی پرانی عزت و عظمت کی دیوار کو خود گرا دینا تھا،

آنحضرت صلم نے جب مکہ میں دینِ حق کی منادی شروع کی، تو اسکی شدید مخالفت جس بنا پر سب سے زیادہ کی گئی، وہ یہی دینِ آبائی کے ترک کا مسئلہ تھا، اور یہی دینِ جدید کے بطلان کی سب سے مستحکم دلیل اُن کے پاس تھی چنانچہ قرآن مجید نے بار بار اُن کے اس قول کو دہرایا ہے، اور اسکی نفی کو ظاہر کیا ہے،

وَإِذْ أَقِيلَ لَكُمْ آبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأَلَوْا
بَلْ نَسَبُوا مَا أَفَعَيْنَا عَلَيْهِ أَبَاؤُنَا وَلَوْ كُنَّا
أَبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَحْتَدُونَ

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو اتارا ہے اسکی پیروی کرو کہتے ہیں (نہیں) بلکہ ہم اسکی پیروی کریں گے

جس پر اپنے باپ دادوں کو ہم نے پایا، کیا اگرچہ اوں کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں اور نہ راہِ راست پر ہوں (تب بھی)

بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے بزرگوں کو ایک روش پر پایا

اور ہم انہیں کے نقشِ قدم پر چل کر رہنا ہی پائین گئے اور اسی

طرح ہم نے اسے پیغمبر تم سے پہلے کسی آبادی میں کوئی

پیغمبر نہیں بھیجا لیکن اُس کے دو تہندوں نے یہی کہا کہ

ہم نے اپنے بزرگوں کو ایک روش پر پایا ہے، اور ہم

(بقرہ ۷۶-۷۷)

بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاؤُنَا عَلَىٰ أُمَّتِهِ وَإِنَّا

عَلَىٰ أُمَّتِهِمْ مُّتَمَدُّونَ وَكَذَٰلِكَ مَا أَرْسَلْنَا

مِنْ قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُهَا

إِنَّا وَجَدْنَا آبَاؤُنَا عَلَىٰ أُمَّتِهِ وَإِنَّا عَلَىٰ أُمَّتِهِمْ

مُتَمَدُّونَ قُلْ أَوَلَمْ يَجْعَلْ لَّكُمْ آيَاتٍ مَّا

مُتَمَدُّونَ قُلْ أَوَلَمْ يَجْعَلْ لَّكُمْ آيَاتٍ مَّا

رَجَدْتُ عَلَيْهِ أَبَاؤَكُمْ قَالُوا يَا بَٰعِدُ

بِهِ كُفْرُونَ

(زخرف-۲)

انہیں کے نقش قدم کے پیروہین کہو اے پیغمبر کیا اگرچہ میں

روش سے جس پر تم نے اپنے بزرگوں کو پایا زیادہ سیدھا راستہ

بیکر تمہارے پاس کیوں نہ آؤں (تب بھی تم انہیں کی پیروی

کر دو گے) انہوں نے کہا کہ ہم تو جو دیکر تم بھیجے گئے ہو اسکا

انکار ہی کرتے رہیں گے،

وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا

أَبَاءَنَا وَاللَّهِ أَمرًا بِهَا قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي

بِالْفَحْشَاءِ أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ

(اعراف-۳)

اور جب وہ کوئی بے شرمی کی بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم

نے اپنے بزرگوں کو اسی پر پایا، اور اللہ نے ہم کو اسی کا حکم

دیا ہے، کہہ دے پیغمبر کہ اللہ تو بے شرمی کی بات کا کبھی

حکم نہیں دیتا، کیا تم اللہ پر وہ تہمت باندھتے ہو جو تم نہیں جانتے،

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو اتارا ہے اُس کے

پاس اور رسول کے پاس آؤ تو کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادا

کو جس پر پایا ہے، وہی ہم کو کافی ہے، کیا ان کے باپ دادا

کچھ نہ جانتے تھے اور نبی سے راستہ پر ہوں (تب بھی وہ انہیں کی

وَإِذْ أَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَىٰ

الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا وَ

أَوَّلُكَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَحْتَدُونَ

(مائدہ-۱۴)

کچھ لوگ ایسے ہیں جو علم ہدایت، اور روشن کتاب کے بغیر

اللہ کے بارہ میں جھگڑا کرتے ہیں، اور جب ان سے کہا

جاتا ہے کہ اللہ نے جو اتارا ہے اسکی پیروی کرو تو کہتے

ہیں، بلکہ ہم اسی کی پیروی کریں گے، جس پر ہم نے اپنے باپ

دادوں کو پایا، کیا اگرچہ ان کو شیطان دوزخ کے غذا

ہی کی طرف کیوں نہ پکارے (تو وہ اُسی کی پیروی کریں گے)

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا

هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْمِعُوا

مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا

عَلَيْهِ آبَاؤُنَا أَوَّلُكَانَ الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ

إِلَىٰ عَذَابٍ شَعِيرٍ

(لقمان-۳)

کفار کے یہ سوال و جواب خود ظاہر کرتے ہیں کہ اُن کو اپنے آبائی رسوم کا چھوڑنا کس درجہ محال نظر آتا تھا۔ آپ نے بغت کے تین برس بعد جب بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی، تو قریش کی عدالت میں آپ پر سب سے بڑا جرم یہی قائم کیا گیا کہ یہ خاندانی دیوتاؤں کی تحقیر، بزرگوں کی توہین، اور آبائی رسم و رواج کی مذمت کرنے میں لگے۔ مگر میں جب آپ نے علی الاعلان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، اور بہت سے نیک لوگوں نے اس دعوت پر لبیک کہا، تو قریش کے بڑے بڑے رئیسوں نے ابوطالب کے پاس جا کر آپ کے خلاف جو الزامات قائم کیے، وہ یہ تھے "اے ابوطالب! تمہارا بھتیجا ہمارے دیوتاؤں کو برا کہتا ہے، ہمارے مذہب کی توہین کرتا ہے، ہم کو بیوقوف اور نادان کہتا ہے، اور ہمارے باپ دادوں کو گمراہ بتاتا ہے، تو یا تو تم ان کو روکو، یا ہلکوا و دس کو چھوڑ دو کہ با ہم سمجھ لیں"

یہ اُن کی عدالت کا پہلا مطالبہ تھا، ابوطالب نے اُن کو سمجھایا کر واپس کیا، تو کچھ دنوں کے بعد انھوں نے پھر اپنا مطالبہ ان الفاظ میں پیش کیا: "اے ابوطالب! تم نے اپنے بھتیجے کو اب تک منع نہیں کیا، اب خدا کی قسم ہم اپنے بزرگوں کی برائی، اپنی نادانی، اور اپنے دیوتاؤں کی سبوتاہی سن سکتے، تو یا تو اس کو باز رکھو اور یا ہم سے لڑنے پر آمادہ ہو جاؤ" اس اعلان جنگ سے کام نہ چلا تو وہ تیسری دفعہ ابوطالب کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں "اے ابوطالب! ولید کا بیٹا عامہ کیسا خوش رو جوان ہے، تم اُس کو متبلی بنالو، اور اپنے بھتیجے کو قتل کے لیے ہمارے حوالہ کر دو، کہ اُس نے تمہارے اور تمہارے بزرگوں کے دین و مذہب کی مخالفت کی ہے، تمہاری قوم کی جماعت کو پرالگ نہ کر دیا ہے، اور ان کو بے وقوف اور نادان کہتا ہے" سب سے آخری دفعہ قریش کے رئیسوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر گفتگو کی اور کہا، کہ "اے محمد! تمہارے سوا کسی قوم میں کوئی ایسا آدمی نہیں ملا، جو اپنی قوم پر وہ مصیبت لایا ہو، جو تم لائے ہو، تم نے باپ دادوں کو برا کہا، ہمارے مذہب کی تحقیر کی، دیوتاؤں کو گالی دی، ہم کو بے وقوف اور نادان بنایا، اور جماعت میں تفرقہ ڈالا، ان میں سے جو تمہارے مذہب کی مخالفت کرتا ہے، اس کو مار دے، یا اس کو قتل کر دے، یا اس کو بے وقوف اور نادان کہنا شروع کر دے، یا اس کو ہمارے مذہب کی مخالفت کرنے سے روک دے، ورنہ ہم تمہارے ساتھ ہیں"

ان الزامات کی فہرست کی ایک ایک دفعہ پڑھو، معلوم ہوگا کہ آبائی دین، مودوثی رسم و رواج اور خاندانی دیوتاؤں کی غلامی سے آزاد ہونا، ان پر کتنا بار تھا؟ اور وہ اس جرم کو کتنا سنگین سمجھتے تھے، موسم حج میں آنحضرت صلیم جب لوگوں کے پاس جا جا کر توحید کا پیغام سناتے تھے، تو ابولہب آپ کے اثر کو باطل کرنے کے لیے آپ کی تقریر کے بعد آپ کے پیچھے پیچھے صرف یہ کہتا جاتا تھا، ”لوگو! یہ وہی ہے جو تم کو تمہارے باپ دادوں کے مذہب سے برگشتہ کرتا پھرتا ہے“

ابوطالب جنھوں نے ہر موقع پر آنحضرت صلیم کی حمایت کی تھی اور وہ آپ کو اپنے جان و دل سے زیادہ عزیز رکھتے تھے وہ بھی آپ کی دعوت حق کو اپنے دین آبائی کے مقابلہ میں پذیرائی کے قابل نہ سمجھے، بھتیجے نے بار بار کہا، ”چچا جان! کلمہ شہادت، ایک دفعہ، کہ قیامت میں آپ کی شفاعت کی ایک سزا مجھے ہاتھ آجائے“ ابوطالب نے جواب دیا، ”جان پدر! سب کچھ تمہارا، لیکن بزرگوں کے مذہب کو نہیں چھوڑ سکتا، عین اس وقت جب ابوطالب دنیا سے رخصت ہو رہے تھے، اور نزع کی حالت تھی، آپ ان کے پاس تشریف لے گئے، اور فرمایا کہ ”چچا جان اب تو لا الہ الا اللہ کہہ دیجئے کہ میں خدا کے ہاں آپ کے ایمان کی شہادت دوں“ ابو جہل اور عبداللہ بن امیہ نے جو ان کے پاس بیٹھے تھے، کہا، ”ابوطالب کیا تم (اپنے باپ) عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟“ آپ بار بار لا الہ الا اللہ پڑھنے کی درخواست کرتے تھے اور یہ دونوں ان کو وہی عبدالمطلب کے دین سے علیحدگی پر شرم دلاتے تھے، بالآخر ابوطالب نے یہی کہا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر مڑتا ہوں“ اور لا الہ الا اللہ نہیں کہا، یہ صحیح بخاری کی روایت ہے، صحیح مسلم میں اس کے بعد ہے کہ ابوطالب نے کہا کہ بھتیجے جو فقرہ تم کہتے ہو میں لکھ کر تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا، لیکن قریش کہیں گے کہ ابوطالب موت سے ڈر گیا، ابن اسحاق میں ہے کہ انھوں نے آہستہ سے وہ فقرہ کہہ دیا، بہر حال اس واقعہ سے جو دکھانا ہے وہ یہ ہے کہ اس

۱۔ مستدرک حاکم ج ۱۔ ص ۵۸ کتاب الایمان، ۲۔ کتاب الجنائز، باب اذا قال المشرک عند الموت لا الہ الا اللہ، ۳۔ صحیح مسلم کتاب الایمان باب ۹ ص ۸۵ ابن ہشام، وفات ابی طالب،

حالت میں بھی مخالفین کے پاس اسلام سے باز رکھنے کے لیے اس سے زیادہ پرزور اور پراثر دلیل نہ تھی کہ ابوطالبؑ کیا آبائی مذہب کو چھوڑ دو گے؟ اس سے معلوم ہو گا کہ اسلام کی اشاعت کے راستہ میں تخیل کتنا بڑا پتھر تھا۔

تو ہم پرستی | عرب کی اصلاح و ہدایت کی راہ میں ایک اور عائق عرب کی توہم پرستی تھی، ہر قوم میں جاہلون کا جب طرح یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ فلان دیتا یا فلان پیر کے خلاف اگر کچھ زبان سے نکلا تو فوراً بلا میں آکر ہم کو لپٹ جائیگی، عرب میں گھر گھر سینکڑوں بت اور میسوں صنم خانے تھے، دنیا کے تمام کام انھیں اصنام اور بتوں سے متعلق سمجھے جاتے تھے، بتوں سے یہ خیال راسخ چلا آتا تھا کہ فلان بت کی پرستش یا خدمتگداری میں اگر کوتاہی لگائی تو آسمان سے پانی برسنا بند ہو جائے گا، فرزند زہرینہ پیدا نہ ہو گا، باغون میں پھل نہ آئیں گے، اسی بنا پر اسلام کے نام سے ان کو لڑ رہا تھا، اور یہ تخیل صرف اسی وقت پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ ایک مدت سے عرب میں چلا آتا تھا، حضرت ہودؑ کی دعوت کے جواب میں ثمود نے کہا،

إِنْ تَقُولُ إِلَّا اعْلَازَكَ بَعْضُ الْيَتْمَانِ سَعُو

ہم تو اس کے سوا کچھ اور نہ کہیں گے کہ ہمارے کسی بچہ نے تم کو آکے ستایا ہے، (ہودہ)

ابتداءً جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بتوں کے خلاف وعظ کننا شروع کیا تو اکثر لوگوں نے (نعوذ باللہ) پاگل سمجھ لیا، جاہلیت کے زمانہ کے بعض کافر احباب ہمدردی کی راہ سے جھاڑ پھونک کرنے آئے، ضام بن ثعلبہ ایک صحابی تھے، وہ مسلمان ہو کر اپنے قبیلہ میں جب واپس گئے، اور لات و دعویٰ کی مذمت شروع کی، تو تمام قبیلہ خوف سے کانپ گیا کہ ضام! ان کو برا نہ کہو، دیکھو کہین تم کو برس، جنون یا جدام نہ ہو گا۔

حضرت زہیرہ مسلمان ہونے کے بعد بصارت سے محروم ہو گئی تھیں، کفار نے کننا شروع کیا کہ لات و دعویٰ نے ان کو اندھا کر دیا ہے، حضرت طفیل بن عمرو دسی مسلمان ہو کر جب اپنے وطن تشریف لے گئے اور اپنی

لے ابن کثیر از مختصری، ابن جان، بنوئی وغیرہ تمام مفسرین نے لکھا ہے، لے دیکھو تفسیر آیہ وَمَا أَنْتَ بِمُعْجِزٍ مِّنْهُنَّ مَبْعُوثٌ مِّنْ جَنَّةٍ لَّہُ صِحْہُ سَلَّمَ باب تخفیف الصلوۃ و الخطبہ لے سند داری کتاب الصلوۃ، لے اسد الغابہ ترجمہ حضرت زہیرہ و سیرۃ ابن ہشام ذکر مستضعفین مسکین،

یوی کو اسلام کی دعوت دی، تو انھوں نے کہا ”وکیھو ذوالشری (دبت) کہین بر باد نہ کر دے“

فتحِ مکہ کے بعد حکیمہ دیوتاؤں کے زور و قوت کا راز افشا ہو چکا تھا، اور اکثر قبائل نے اسلام قبول کر لیا تھا تاہم لات، عزی، مناہ، ذی لکھن سولع کے بتانوں کو وہ اپنے ہات سے نہ توڑ سکے، خاص مدینہ سے راسخ الایمان مسلمان بھیجے گئے جنھوں نے اس فرض کو انجام دیا، پوجاریوں نے کوئی مزاحمت نہ کی، وہ سمجھتے تھے کہ ان دیوتاؤں کو کون توڑ سکتا ہے، جو اس گستاخی کا ارادہ کر گیا وہ خود تباہ و برباد ہو جائیگا۔

توہم پرستوں میں کسی مذہب کی صحت و بطلان کی دلیل شواہد عقلی نہیں ہیں، بلکہ دنیا کے ظاہری مادی فوائد اور جانی و مالی خیر و برکت، لیکن قوانینِ گاہِ عالم میں ایک مذہب پرست بھی اسی طرح آلام و مصائب گزرتا ہو سکتا ہے، جس طرح ایک غیر مسلمان، عرب کے بد و اور اعراب ابتدائے مسلمان ہونے کی ہمت بھی کرتے تھے تو معایہ توقع بھی کر لیتے تھے، کہ اب وہ ہر قسم کے آفاتِ ارضی و سماوی سے محفوظ ہوں، اس بنا پر اگر کبھی اونکی اس توقع کو صدمہ پہنچتا تو دفعہ وہ متزلزل ہو جاتے تھے، صحیح بخاری کتاب التفسیر میں ہے،

كان الرجل يقدر المدينة فان ولدت امرأته غلاما ونجبت خيلا قال هذا دين صالح وان لم تلد امرأته ولم تنجب خيلا قال هذا دين سوء،
بہر کا جو شخص مسلمان ہو کر مدینہ آتا تھا اونکی یہ حالت تھی کہ اگر اونکی بیوی لڑکا جنمتی اور اونکی گھوڑی بچہ دیتی تو وہ کہتا کہ یہ نہایت عمدہ مذہب ہے، لیکن اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ کہتا کہ یہ نہایت برآمد مذہب ہے،

قرآن مجید کی یہ آیت اسی قسم کے لوگوں کی شان میں نازل ہوئی ہے،

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّبِعُ اللَّهَ عَلَى حَرْثٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ لِّطَمَآنٍ بِهِ وَإِنْ أَصَابَهُ فِتْنَةٌ لِّأَنفَلَبَ عَلَى وَجْهِهِ (ج ۲)
اور بعض لوگ وہ بین جو خدا کی بندگی کنارہ کھڑے ہو کر کرتے ہیں یعنی دل سے نہیں کرتے، اگر کوئی فائدہ پہنچا تو انکو لطفینا ہو جاتا، لیکن اگر مشکلا مصیبت ہو تو فوراً اوپر گھستے ہو جاتے ہیں،

لہ اسلام آباد ذکر طفیل بن عمرو دسی، لہ ابن سعد وطبری، ذکر ہدم اصنام لہ تفسیر سورہ حج جلد ثانی صفحہ ۶۹۴ صحیح بخاری تفسیر سورہ حج،

ہجرت کے بعد جب مسلمان مدینہ آئے اور اتفاق سے ایک عرصہ تک کسی مسلمان گھرانے میں کوئی لڑکا نہ پیدا ہوا تو دشمن اس واقعہ کو اپنی بددعاؤں کا نتیجہ سمجھتے تھے اور خوش ہوتے تھے، آخر چھ مہینے کے بعد عبداللہ بن ابی بکرؓ پیدا ہوئے اور مسلمان بے انتہا مسرور ہوئے، سور اتفاق یہ کہ اول اول جو لوگ مدینہ میں آتے تھے، ان کو وہاں کی آب و ہوا اس نہیں آتی تھی، ابتدا سے ہجرت میں جب حضرت ابو بکرؓ و حضرت بلالؓ آئے تو سخت بیمار ہو گئے، حضرت طفیل بن عیاضؓ نے جب مدینہ کو ہجرت کی تو انکو بھی مدینہ کی آب و ہوا ناموافق ہوئی، اگرچہ غلصین اور ارباب فہم پر اس قسم کی عارضی ناگوار یوں کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا، تاہم عام لوگ جنکی ہم پرستی فطرت ثانیہ ہو گئی تھی، اس قسم کے اتفاقی واقعات بھی مدثر ہوتے تھے، چنانچہ جب عکل و عزیہ کے چند لوگوں نے مدینہ میں اگر اسلام قبول کیا اور آب و ہوا کی ناموافقت کے سبب بیمار ہو گئے اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تبدیل آب و ہوا کی غرض سے ان کو اونٹوں کی چراگاہ میں بھیج دیا تو گوہر صبح ہو گئے تاہم مرتد ہو گئے، اسی طرح ایک بدو نے اگر آپ کے دست مبارک پر بیعت کی، لیکن سور اتفاق سے دوسرے دن بخار میں مبتلا ہوا تو اپنی بیعت توڑنی چاہی، آپ نے تین بار منع فرمایا، لیکن اس کے اصرار سے آخر بیعت فسخ کر دی اور شرمایا،

المدینۃ کالکیر تنفی خبثھا وتنصع طیبھا میٹاگ کی مٹی جو بوسل کو الگ کر دیتا ہے اور حق جو ہر کو خاص کر دیتا ہے
انہی اسباب کی بنا پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مدینہ کے متعلق یہ دعا فرمائی،

اللھم حبیب الینا المدینۃ کحبنا مکۃ خداوند ائمہ کی طرح یا اس سے زیادہ ہمارے لیے مدینہ کو
واشد، اللھم وحیہا وبارک لنا فیہا محبوب بنا دے، اسکو امراض سے صحت کر دے اس کے پائے
وصاعیہا وانقل حماہا فاجعلہا بابا لرحمتہ میں برکت دے اور اس کے بخار کو جو حق میں منتقل کر دے،

قبائل کی خانہ جنگیان | اسلام کی اشاعت کا ایک بڑا مانع عرب کی باہمی خانہ جنگیان تھیں، جو عرب کے نقص

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳ و اصحابہ ذکر عبداللہ بن زبیرؓ صحیح بخاری کتاب المرضى و باب مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم صحیح مسلم کتاب الاطعمۃ
۲۔ صحیح بخاری کتاب الحارثین ۵۵ بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۵۳ کتاب الحج، فضائل مدینہ، و باب اعظام السنۃ ۱۷ صحیح بخاری باب مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قومی کا عنصرِ عظیم نگئی تھیں، یہ خانہ جنگیان ہزاروں برس سے چلی آتی تھیں، اور انکی وجہ سے قبائل میں ایسے ستم و
ثابت الاساس انتقامی جذبات پیدا ہو گئے تھے، جن کا منشا قریباً محال تھا، انھی لڑائیوں نے تار (انتقام خون)
کی رسم پیدا کر دی تھی، جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، یہ رسم ایسی سخت اور شدید الاثر تھی کہ ایک شخص کے خون کے لیے
قبیلہ کا قبیلہ مٹ جاتا تھا، ہزاروں برس کے خون قومی فرض کی طرح باقی چلے آتے تھے جو درجِ رجسٹر ہوتے
رہتے تھے، اور بچہ بچہ کی زبان پر ہوتے تھے، جو بچہ پیدا ہوتا تھا وہ ہوش سنبھالنے کے وقت سب سے پہلے تار کا
لفظ سنتا تھا، یعنی خاندان میں فلاں شخص قتل کیا گیا ہے اور اس کے خون کا انتقام اب تک باقی ہے، اس
لیے بچہ بچہ کا نصب العین ابتدائے زندگی سے یہی تار ہوتا تھا،

اس بنا پر ایک شخص یا ایک خاندان جس خلوص اور عقیدت مندی کے ساتھ اسلام کی طرف جھکتا تھا، مگر
اوسی زور اور قوت کے ساتھ دوسرے فرقہ اسلام کی مخالفت اور اس سے سرکشی پر آمادہ ہو جاتا تھا، مکہ میں اسلام
کی مخالفت کا صرف یہی راز تھا، کہ خدا نے نبوت کے لیے ہاشم کا گھرانہ چن لیا تھا، بنو امیہ کی مخالفت اس کے
لیے لاجالہ ہونی تھی،

مدینہ میں اوس و خزرج دو قبیلے تھے اسلام سے پہلے دونوں لڑکر تھک گئے تھے، اسلام کی آواز آئی
تو گو دونوں نے ایک ساتھ لبیک کہا، تاہم قبیلہ اوس کا ایک ایک فرد اگر ہمہ تن اخلاص و جوش تھا، تو خز
رج میں بیسیوں منافق تھے، انتہا یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں ہجرت سے پہلے دونوں قبیلوں کی نماز کی بات
کے لیے باہر سے ایک تیسرے قبیلہ کا آدمی بلوایا گیا تھا، کہ خدا کے سامنے بھی ایک کو دوسرے کے پیچھے کھڑے
ہونے سے غار تھا،

خزاعہ اور بنو بکر باہم شدید دشمن تھے، اور انھیں باہم پرانی عداوت چلی آتی تھی، مدینہ آنے کے بعد انھیں
صلح نے ان کو صلح کا پیام اور اسلام کی دعوت دی، خزاعہ نے اسلام کی دعوت قبول کی، اسکا لازمی نتیجہ
لے ابن ہشام ذکر بیت عقبہ،

یہ ہوا کہ بنو بکر قریش کے حلیف بن گئے،

خوب غور کرو، انصار اسلام لا کر ہمہ تن نیکو کاری اور پاکیزہ نفسی کے پیکر بن گئے، لیکن ثار کے جذبات کس طرح آسانی سے دفعہ مشتعل ہو جاتے تھے، ایک موقع پر ایک یہودی نے جنگ بعاث کا تذکرہ چھیڑ دیا، تو انصار کے دونوں قبیلوں (اوس اور خزرج) کی تلواریں میان سے نکل آئیں، اور بڑی شکل سے آنحضرت صلم نے اُنکے جوش کو فرو کیا،

حضرت عائشہؓ کے واقعہ افک میں جب آنحضرت صلم نے منبر پر کھڑے ہو کر اسکی شکایت کی اور حضرت سعد بن معاذؓ نے کہا: یا رسول اللہ! اگر وہ (تممت لگانے والا) ہمارے قبیلہ کا ہے تو میں اوسکی گردن اڑا دیتا ہوں، اور اگر ہمارے بھائی خزرج کے قبیلہ سے ہے تو آپ حکم دین، میں بجالاؤں گا۔ اس پر سعد بن عبادہ جو قبیلہ خزرج کے رئیس تھے، دفعہ کھڑے ہو گئے، اور کہا،

لَکَذِبْتَ لَعَلَّ اللّٰهَ لَا يَقْتُلُهُ وَلَا تَقْدَرُ عَلٰی
قَتْلِهِ وَلَوْ کَانَ مِنْ رَهْطِ مَا احْبَبْتَ
خدا کی قسم، تو جھوٹ کہتا ہے، تو اوسکو نہ قتل کر سکا، نہ
کر سکتا ہے اور وہ شخص اگر تیرے قبیلہ کا ہوتا تو تو اُسکو
ان یقتلہ
قتل کیا جانا پسند نہ کرتا،

اس پر اوس اور خزرج دونوں قبیلوں کے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ قریب تھا کہ جنگ چھڑ جائے، چنانچہ صحیح بخاری حدیث افک میں ہے،

فَإِلَّا الْحَيَّانَ الْاَوْسَ وَالْخَزْرَجَ حَتَّى هَمُّوا
ان یقتلوا، ورسول الله قائم علی
پس دونوں قبیلے اوس اور خزرج مشتعل ہو گئے، یہاں تک
کہ دونوں کشت و خون پر آمادہ ہو گئے اور آنحضرت صلم
اُس وقت منبر پر کھڑے تھے، المنبر،

۱۵۱ صابہ جلد مطبوعہ مصر صفحہ ۸۸، مع صفحہ طبرانی میں بھی ایک اور اسی قسم کا واقعہ مذکور ہے، معجم عبد اللہ،
۱۵۱ صحیح بخاری کتاب المغازی باب حدیث الافک،

ایک بار محم بن جثامہ لیشی نے عہد اسلام میں قبیلہ شیح کے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، آنحضرت صلعم کے سامنے مقدمہ پیش ہوا، قبائل کے تعلقات کی بنا پر عیینہ نے مقتول اور اقرب بن حابس نے قاتل کی طرف سے وکالت کی، بات بڑھی، اور سخت شور و شغب ہوا، تو آپ نے عیینہ سے فرمایا "دیت کیوں نہیں قبول کر لیتے؟" اُس نے کہا "خدا کی قسم اس وقت تک دیت نہ قبول کروں گا جب تک اس کی بی بیوں کو اس قدر نہ ستاؤں جس قدر اس نے ہمارے بی بیوں کو ستایا ہے" اس پر اور شور و غل ہوا، آپ نے پھر یہی الفاظ فرمائے اور عیینہ نے وہی پہلا جواب دیا، چونکہ اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا، اور قتل کا یہ پہلا مقدمہ تھا، جو آنحضرت صلعم کی خدمت میں پیش ہوا تھا، اس لیے قبیلہ بنو لیت کے ایک شخص نے جو مسلح کھڑا تھا، کہا کہ اب دے اسلام میں اس واقعہ کی مثال بکری کے اُس ریوڑ کی سی ہے کہ اُس کے پہلے حصہ کو تیرا لگیا، تو دوسرا بدک کے بھاگ گیا، یعنی اگر قاتل کے موافق فیصلہ کیا گیا تو لوگ سمجھیں گے کہ اسلام قصاص کو دیت سے بدل دینا چاہتا ہے اور چونکہ دونوں میں اب تک انتقام کے جذبات تازہ ہیں اور لوگ دیت لینا پسند نہیں کرتے اس لیے اُن کو اسلام کے قبول کرنے میں تاثر ہوگا، لیکن آنحضرت صلعم چونکہ سفر میں تھے، اس لیے دیت میں ۵۰ اونٹ اُسی وقت دیئے اور مدینہ پہنچ کر ۵ اونٹ کا وعدہ فرمایا، اہل عرب میں یہ جذبہ استقدر ترقی کر گیا تھا کہ گو اپنے فتح مکہ میں امن عام کی منادی کر دی، اور تلوار کے میان میں کر لینے کا حکم دیا، تاہم انتقام کا جوش اب تک تازہ تھا،

قبیلہ ہذیل کا ایک شخص اسلام لانے کی غرض سے آنحضرت صلعم کی خدمت میں جا رہا تھا، اوس نے زمانہ جاہلیت میں قبیلہ خزاعہ کا کوئی جرم کیا تھا اور وہ لوگ انتقام کے لیے اُس کو ڈھونڈ رہے تھے، سو اتفاق سے وہ راہ میں مل گیا، اور اُن لوگوں نے اُس کو فوراً قتل کر دیا کہ اگر بارگاہ نبوت میں نہ پہنچا تو پھر اس کا موقع تھا نہ آئیگا، آپ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو سخت برہم ہوئے، ان لوگوں نے حضرت عمر، حضرت ابو بکر، حضرت علی رضی اللہ عنہم سے سفارش کی درخواست کی، آنحضرت صلعم نے نماز کے بعد ایک خطبہ دیا جس کے الفاظ یہ تھے،

لے ابو داؤد و جلیل صفحہ ۵۰ کتاب الدیات،

ان کو اسلام لانے میں تامل ہوتا تھا، عمرو بن قنیش ایک صاحب تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام سے متاثر اور اُس کے قبول کرنے کے لیے ہر طرح آمادہ تھے، لیکن ایک عائق تھا جو اس راہ میں حائل تھا یعنی تارودہ جاتے تھے کہ اسلام لا کر اس خاندانی فرض کے ادا کرنے کی اونکو اجازت نہیں مل سکتی، ابن مندہ نے ان کے حال میں لکھا ہے،

وكان له تاروق الجاهلية وكذا ان يسلم
ان كان مقام زمانه جاهليت من باقى ربه كذا جاب كذا
حتى ياخذها،
نہ لے لین انھوں نے مسلمان ہونا پسند نہ کیا،

اسی طرح حضرت عمرو بن مالک جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام لا کر اپنے قبیلہ میں واپس گئے تو اسلام کی دعوت دی تو قبیلہ والوں نے کہا، بنو عقیل پر ہمارا ثار (انتقام) باقی ہے وہ لے لیں تو اسلام لائیں چاہئے، انھوں نے اویسی وقت بنو عقیل پر جو مسلمان ہو چکے تھے حملہ کیا، اور اس فرض سے سبکدوش ہوئے۔

سیاسی مشکلات | جمالت، وحشت، پابندی رسوم، آبائی اثر وغیرہ وغیرہ ان میں سے ایک چیز بھی مانع صلاح

نہ ہوتی تاہم صرف سیاسی اسباب ایسے جمع تھے کہ قریش یا دیگر قبائل عرب کبھی اسلام کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے، مکہ میں دو خاندان برابر کے رقیب تھے، اُمیہ اور ہاشم، اور آنحضرت کی بعثت سے پہلے اُمیہ کا پلہ ترجیح علانیہ گران ہو چکا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنبت کا اظہار کیا، تو سب سے پہلے اُمیہ کے خاندان نے سرکشی کی اور فتح مکہ تک یہی خاندان تھا، جو تمام لڑائیوں اور معرکہ آرائیوں کا علمبردار تھا، بنو اُمیہ کے بعد اور اور خاندان

تھے اور وہ بھی حرم کے مناسب دہ گانہ (رقادۃ وغیرہ) کے ممتاز حصہ دار تھے، ان میں سے ہر ایک دیکھ رہا تھا کہ اس جدید انقلاب میں، ان فوائد اور اقتدار کا بالکل خاتمہ ہے، اب وہاں سے جب ایک شخص نے کہا کہ محمدؐ کی دعوت اسلام کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے تو اُس نے صاف کہا کہ میں کیا کہوں، محمدؐ کے خاندان نے عذو و شرف میں برتری کا دعویٰ کیا، اور ثبوت میں دعوتیں کھلائیں، اس کے جواب میں ہم نے

لے اسد الغابہ صفحہ ۵۰ جلد ۴، ۵ اصابع فی احوال الصحابہ ذکر عمرو بن مالک،

اسی شان کی دعوتیں دین، انھوں نے خون بہا دیئے، ہم نے بھی دیئے، انھوں نے زرباشیان کین ہم نے بھی کین، ہم دونوں دوش بدوش ہو چکے تھے کہ دفعۃً اُن کی طرف سے یہ دعویٰ پیش ہوا کہ ہمارے خاندان نبوت اور آسمان سے وحی بھی آگئی، اب ہم کہاں تک برداشت کریں، خدا کی قسم ہم کبھی محمد پر ایمان نہیں لاسکتے، یہی ابوہل جب انصار کے ہات سے قتل ہوا تو اُس نے مرتے وقت حسرت سے کہا کہ کاش مجھ کو کاشدکاروں کے سوا کسی اور قوم نے قتل کیا ہوتا،

تھا،
خوب غور سے دیکھو بدر، اُحد، حراء، الاسد، احزاب وغیرہ تمام لڑائیوں میں یہی اموی غصہ تھا جو کام کر رہا قریش کے قبیلہ سے باہر جو بڑے بڑے قبیلے تھے، مثل غطفان، اسد، وغیرہ وہ یا اہل مکہ ہی کے خاندان کی کوئی شاخ تھی یا قریش کے حلیف ہم عہد تھے، خیبر میں یہود تھے جو قوم کے کاٹ سے قریش سے الگ تھے لیکن عرب تجارتی حیثیت سے تمام تر انہی کے زیر بار تھے، انہی سے قرض وام لیتے تھے، انہی کے ہاں مال متاع رہن رکھتے تھے، یہ خیبر اور غطفان ایک مدت دراز سے باہم حلیف تھے، اس طرح مکہ سے لیکر خیبر اور نجد تک ایک سلسلہ اتحاد میں مربوط تھا،

کعبہ تمام عرب میں قبلہ گاہِ اعظم تھا، ہر سال تمام ملک حج کرنے کے لیے آتا تھا، اور آستانہ کعبہ پر چھٹتا تھا، کعبہ کے مجاور معمولی پنڈوس نہ تھے، بلکہ خمیہ و خرگاہ، تیغ و سپر، جاہ و شتم غرض ریاست و امارت کے تمام سرور سامان رکھتے تھے، اس لیے تمام عرب میں اُن کی شنشنا ہی قائم تھی، یہی بات ہے کہ جب تک مکہ فتح نہیں ہوا، اسلام چین سے نہیں بیٹھ سکا، لیکن اسلام کی مخالفت، صرف قریش کی متابعت پر محدود نہ تھی، بلکہ پورا یہ تھا کہ اسلام سے خاص قریش کو جو نقصان پہنچ سکتا تھا، براہِ راست وہی تمام روسائے قبائل کو پہنچتا تھا، عرب کا ملکی نظام یہ تھا کہ تمام ملک میں قبائل پھیلے ہوئے تھے، اور ہر قبیلہ کا ایک رئیسِ اعظم ہوتا تھا جو تمام قبیلہ پر حکمران ہوتا تھا، اور مالِ غنیمت سے چوتھ وصول کرتا تھا، جس کو مزاباع کہتے تھے، اُس کے علاوہ غنائم میں

جو عورت، یا اور کوئی عمدہ چیز اس کو پسند آتی تھی اس کو چھانٹ لیتا تھا، اسکا نام صفی تھا یہ گویا چھوٹی چھوٹی ٹھکانہ تھیں، جو تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھیں، یہ ریاست خاندانی اصول پر چلتی تھی، باپ کے مرنے کے بعد بیٹا رئیس منتخب ہوتا تھا، قبیلہ کے تمام معاملات، ذاتی نزاعیں، قصاص، یا خون بہا کے فیصلے سب، رئیس کے ہاتھ سے فیصل ہوتے تھے یہ رؤساء عام قوم سے بہت سے حقوق میں ممتاز ہوتے تھے،

قبائل میں یہی امتیاز مراتب تھا کہ جو قبائل زیادہ شریف مانے جاتے تھے، ان میں سے ایک آدمی کو اگر کوئی دوسرا قبیلہ قتل کر دیتا تھا، تو اسکا خون دوسرے قبیلہ کے دو خون کے برابر سمجھا جاتا تھا، اور اس لیے ایک کے بدلہ میں دو کو قتل کرتے تھے یہ امتیاز اور فرق مراتب اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ جب غزوہ بدر میں قریش کی فوج میں سے عقبہ و شیبہ میدان میں آئے اور مبارز طلب ہوئے اور انصار ان کے مقابلہ کو نکلے تو عقبہ نے اس بنا پر ان کے مقابلہ سے انکار کر دیا کہ قریش اور انصار کا جوڑ نہیں،

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جبکہ بنو الایم خاندان عثمان کا اخیر فرمانروا اسلام لایا، اور مکہ میں آیا، ایک دن طواف میں اسکی چادر کسی شخص کے پانوں کے نیچے گئی، جبکہ نے اس کے گال پر تھپڑ کھینچ مارا، اس نے بھی برابر کا جواب دیا، جبکہ نے حضرت عمرؓ کے پاس جا کر شکایت کی، حضرت عمرؓ نے واقعہ سن کر کہا اس کا کیا قصور ہے، تم نے جو کیا اسکی جزا پائی، جبکہ نے کہا میرا یہ تہہ ہے کہ کوئی مجھ پر ہاتھ اٹھاتا تو قتل کر دیا جاتا، حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہاں زمانہ جاہلیت میں یہی قاعدہ تھا، لیکن اسلام نے اس کا خاتمہ کر دیا، جبکہ نے کہا جو مذہب شرفا کو ذلیل کر دیتا ہے میں اس سے باز آتا ہوں، یہ لکھ کر چوری سے روم چلا گیا اور عیسائی ہو گیا،

عرب کا ہر رئیس قبیلہ حقیقت جبکہ تھا اور اسلام قبول کرنے کے وقت اس کو یہی منظر نظر آتا تھا، اسلام ان تمام واقعات اور خصوصیات کو مٹاتا تھا، اس کے دربار میں شاہ و گدا، رئیس و عامی، شریف و حقیر کا ایک درجہ تھا، اس لیے عرب میں تمام رؤساء قبائل کو صاف نظر آتا تھا کہ اسلام کا پھیلنا، ان کے ہر قسم کے فخر و امتیاز کا مٹ جانا ہے،

عرب میں ایک دوسری حریف طاقت یہودیوں کی تھی، جو حجاز سے لیکر شام کے دروازوں تک پھیلے تھے، اُن کے ہاتھ میں بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے، فن جنگ سے واقف تھے، سامان و اسلحہ وافر رکھتے تھے، دولت کی بہتات تھی، باغون اور زمینوں پر اُن کا قبضہ تھا، عرب کے تمام مادی ذرائع معاش کے وہ تنہا اجارہ دار تھے پھر اسلام آیا تو اس طرح کہ اس نے یہودیوں کی ایک ایک برائی کو طشت ازبام کیا، اور اُن کے مذہبی وقار کے کھوکھلا پن کو علی الاعلان ظاہر کیا، اس لیے انھیں صاف نظر آتا تھا کہ یہ نئی طاقت ملک میں جبر پکڑ کر ادوں کو بیخ و بنیاد سے اٹھا ڈیگی، چنانچہ قرظیہ، بنی نضیر، بنی قینقاع، اور شریب، خیبر، فدک، تیمار وادی القریٰ وغیرہ کے یہودی زمیندار، سوداگر، مہاجرین، اور قلعہ نشین اُن سے چاہتے تھے کہ اس قوت کو کسی طرح ابھرنے نہ دیں، اور آخر لڑائی باقی نہیں آئیں اور دین توحید کے مقابلہ میں اہل شرک کا ساتھ دیکر خندق، و احزاب و غطفان کے معرکے پیش کیے، عرب کے مختلف قبیلوں اور سرحدی صوبوں پر ایران اور روم کی سلطنتیں، فرمانروائی کرتی تھیں، عراق، یمن اور بحرین پر ایران کی حکومت تھی، اور حجاز کے شامی حدود پر قیصر کا قبضہ تھا، عرب کے مختلف ہمسایہ قبیلے انھیں دو میں کسی ایک سلطنت کی حفاظت کا دم بھرتے تھے، اور یہ دونوں سلطنتیں اس بیچ کے سرحدی ملک کی ایک ایک حرکت اور جنبش پر نظر رکھتی تھیں، اس لیے اس ملک میں اتنی بڑی ایک عظیم الشان تحریک کا قوت پکڑنا اُن کو کسی طرح پسند نہیں آسکتا تھا، اسی لیے عرب میں اسلام کی قوت کا ان کو جب احساس ہوا، تو انھوں نے اس کی دار و گیر کرنی چاہی، کسراے ایران نے یمن کے اپنے ایرانی گورنر کو لکھا کہ اس نے مدعی کو پکڑ کر ہمارے سامنے حاضر کرو، اور قیصر نے تو حکم کھلا حملہ کی تیاری ہی کر دی تھی، جس کے باعث تبوک کی فوج کشی ہوئی، اور آخر انھیں صلح کے بعد اسلام کو ان دونوں ہمسایہ طاقتوں سے نبرد آزما ہونا پڑا،

ذریعہ معاش | اسلام لانے کا ایک بڑا مانع یہ تھا کہ عرب کا ذریعہ معاش عموماً قافلون پر حملہ آوری اور سلب ہوا اور رہنری تھا، اوپر ہم مالی قالی سے نقل کر آئے ہیں کہ عرب کا ذریعہ معاش غارتگری تھا اور چونکہ حج کے چار مہینے تک جنگ و غارت سے باز رہنے میں اُن کے ذرائع معاش مسدود ہو جاتے تھے، اس ضرورت سے

وہ حج کے مہینوں کو اہل بدل کر لیا کرتے تھے،

اندرونی عرب اتمامِ شہادت و صحرا اور بالکل دیرانہ ہے، ذراعت یا تجارت کی کوئی صورت نہیں، باوجود اس کے لاکھوں نفوس آباد ہیں، اس لیے اُن کو غارتگری کرنی پڑی اور امتدادِ زمانہ سے یہ عادت اُن میں راسخ ہو گئی تھی، رفتہ رفتہ ٹھگی، رہنری اور سرقت تمام ملک میں پھیل گیا تھا، یہاں تک کہ بڑے بڑے نامور شعراء پھر اور رہن ہوتے تھے،

اکثر بڑے بڑے تھے اس لیے قائم ہوتے تھے کہ بیارے جو ملک میں پھر رفتہ کی تجارت کرتے تھے انکو لوٹ لیا کریں، آنحضرت صلعم نے دو تہ اجندل پر جو سریہ بھیجا تھا، اسی کے اسناد کی غرض سے بھیجا تھا، دو تہا ^{بجیل} مدینہ منورہ سے پنڈراہ منزل کے فاصلہ پر ہے، تاہم یہ لوگ اس قدر فاصلہ سے خود مدینہ پر چھاپہ مارنے کی تدبیر کر رہے تھے کہ آپ کو خبر ہو گئی اور حفظِ ماتقدم کے لیے خود وہاں تک گئے اور چند روز قیام کر کے ان اطراف کا بندوبست کیا،

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے اسلام لانے سے پہلے چند شیخون کو قتل کر کے اُن کا مال چھین لیا تھا، چنانچہ جب اسلام لائے اور اس واقعہ کا اظہار کر کے لوٹ کا مال بھی آنحضرت صلعم کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ

اما لا سلام فاقبل واما المال فلست اسلام تو میں نے قبول کیا، لیکن مال سے مجھ کو کسی منہ فی شئی، (مجھ بھاری کتابا بشرط ذکر صلعم علیہ السلام) قسم کا واسطہ نہیں،

ایک نکتہ یہاں خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے، حدیثوں میں جو وارد ہے کہ آنحضرت صلعم اکثر بیعت اسلام کے وقت جن باتوں کا اقرار لیتے تھے، ان میں ایک یہ بھی ہوتا تھا کہ "چوری نہ کریں گے، اسکی ہی وجہ تھی کہ ان جرائم کا رواج تھا ورنہ آج اگر شر فاء سے بیعت کے وقت یہ اقرار لیا جائے تو لوگوں کو تعجب ہو گا کہ بیعت لینے کی کیا چیز ہے،

اسلام قبول کرنے کے ساتھ ان تمام جرائم سے توبہ کرنا ہوتا تھا، اس لیے عرب کو اسلام قبول کرنے کے وقت یہ نظر آتا تھا کہ وہ تمام ذرائع معاش سے محروم ہو جاتے ہیں، وہ قافلون پر حملہ نہیں کر سکتے، کہیں ڈاکہ نہیں ڈال سکتے، کسی کا مال نہیں چھین سکتے، تو اب ان کے لیے کیا باقی رہ جاتا ہے،

قریش خود رہن اور غارتگر نہ تھے، وہ شہر کی تمدن زندگی بسر کرتے تھے، تاہم دیگر اسباب کیساتھ ان کے اسلام نہ قبول کرنے کی وجہ یہ بھی تھی، کہ قبول اسلام کا اثر ان کے وسائل معاش پر بھی پڑ سکتا تھا، قریش کا ذریعہ معاش ضرر ان تجارتی تعلقات تک محدود تھا، جو انھوں نے باضابطہ طور پر دوسرے قبائل اور ممالک سے قائم کر رکھے تھے اور یہ تمام قبائل اور ممالک مذہبی حیثیت سے اسلام کے دشمن اور حریف مقابل تھے، اس بنا پر قریش کو خوف تھا کہ اگر وہ اسلام کے حلقہ میں داخل ہو جائیں گے تو دفعہ یہ تمام تجارتی تعلقات منقطع ہو جائیں گے، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ اجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح (صفحہ ۳۸ جلد ۲) میں امام شافعی کی روایت سے لکھتے ہیں،

قال الشافعی کانت قریش تنتاب الشام	امام شافعی کا بیان ہے، کہ قریش شام میں اکثر تجارتی
انتبیا بالکثیرا وکان کثیر من معائشھا	حیثیت سے آمدورفت رکھتے تھے، اور ان کی معاش کا
منہ، و تاتی العراق، فیقال لھا دخلت فی	تعلق زیادہ تر اسی سے تھا، اور اس غرض سے وہ عراق
الاسلام ذکر للنبی صلعم فیھا	میں بھی آتے جاتے تھے، تو کہا جاتا ہے کہ جب قریش
من انقطاع معائشھا بالتجارة من الشام	کے لوگ اسلام لائے تو انھیں شام سے ان ذرائع معاش
والعراق اذا فارقت الکفر ودخلت فی	کے منقطع ہو جانے کا خوف ظاہر کیا، اور شام و عراق
الاسلام، وخلافت ملک الشام والعراق	بادشاہوں کی اس مخالفت کا ذکر کیا جو ان کو اسلام
لاھل الاسلام، فقال النبی صلی اللہ	کے ساتھ تھی، اس پر اپنے فرمایا کہ جب کسری ہلاک ہو جائے گا
علیہ وسلم اذا ہلک کسری فلا کسری	تو پھر اس کے بعد دوسرا کسری نہ ہوگا، چنانچہ عراقی
بعدا فلم یبق بارض العراق کسری یشیت	کسری کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا، اور اپنے فرمایا کہ جب

لہ امر بعدہ وقال اذا هلك قيصر قيصر ہوا جلیگا، تو پھر دوسرے قیصر کا وجود نہ ہوگا چنانچہ
فلا قيصر بعدہ فلم يكن بارض النشأۃ ارض شام میں پھر کوئی قیصر نہیں ہوا، جسکی وہاں حکومت ہو
قیصر فاجابهم علی ما قالوا، اس لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب اون کے

رفع شک | اس موقع پر ایک غلطی کا ذکر کرنا ضرور ہے، جو عام طور پر یورپ میں پھیلی ہوئی ہے، اہل مغرب کا خیال ہے کہ اسلام کی اشاعت کی وجہ زیادہ تر یہ ہوئی کہ اس میں عرب کی ہر قسم کی خواہش ہائے نفسانی کے پورے کرنے کا سامان موجود تھا، عرب جنگ و جدل اور لوٹ مار کے شائق تھے، اسلام نے انہی چیزوں کو جہاد و غنیمت کی صورت میں بدل دیا، عرب سخت نفس پرست تھے اسلام نے چار بیویاں اور غیر محدود لونڈیوں کی اجازت دیدی، اہل عرب زاہدانہ زندگی سے بالکل آشنا نہ تھے، اسلام نے بھی رہبانیت کی تحقیق کی، اب کیا چیز تھی جو اہل عرب کو اسلام سے روک سکتی تھی،

لیکن یہ خیال تمام غلط ہے، جہاد اور تعداد و ازواج اور سرساری کی بحث کتاب کے دوسرے حصوں میں آئیگی یہاں اس قدر بیان کر دینا کافی ہے کہ جہاد یا تعداد و ازواج جو کچھ بھی تھا قدیم آزادی سے کوئی نسبت نہیں رکھتا تھا، جہاد صرف کافروں سے جائز تھا، فرض کر دیا کہ قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا تو اس پر کوئی شخص ہتھیار نہیں اٹھا سکتا تھا، اور اس کے مال متاع سے تعرض نہیں کر سکتا تھا، لیکن قدیم رسم کے لحاظ سے اتحاد مذہب کوئی روک نہ تھی، تمام قبائل بت پرستی میں متحد تھے، لیکن ہمیشہ ایک دوسرے کو ٹھٹھتے رہتے تھے، جہاد کے لیے اور بہت سی پابندیاں تھیں جو پہلے بالکل نہ تھیں، جہاد میں صرف پاس پاس کے قبائل شریک ہوتے تھے، دور دور کے قبائل اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتے تھے، جہاد میں جو لونڈیاں گرفتار ہوتی تھیں، ان سے اس وقت متاع جائز ہوتا تھا، جب ایک مہینہ کی مدت گزر جائے یا اگر حاملہ ہے تو بچہ پیدا ہو چکا لیکن اسلام سے پہلے فتح کے ساتھ ہی عورتوں کو تصرف میں لے آتے تھے، اور اس پر فخر کرتے تھے پہلے نکاح کے لیے تعداد کی کوئی قید نہ تھی ایک ساتھ آٹھ آٹھ دس دس شادیاں کرتے تھے اب چار کی قید ہو گئی

اور وہ بھی اس سخت شرط کے ساتھ کہ سب میں عدل و مساوات رہے، اس لیے یہ کہنا کہ اسلام عرب کے مرغوبات کو قائم رکھتا تھا تا مگر غلط ہے، برخلاف اس کے عرب کی ایک ایک چیز روایاتِ قدیمہ، جہالتِ عادات، رسوم، نفس پرستی ہر چیز اسلام کے قبول کرنے کی مانع تھی،

ہر قوم پر جو چیز سب سے زیادہ سختی کے ساتھ حکمران ہے، وہ قدیم عادات اور رسوم اور خیالات ہیں، آج یورپ علوم و فنون اور آزادی خیال میں اس حد تک ترقی کر گیا ہے لیکن جو یہود و تعجب انگیز زمین پہلے قائم تھیں اب بھی قائم ہیں، یا تو تعویذ کی وجہ سے ان کی برائیاں سرے سے نظر ہی نہیں آتیں یا آتی ہیں تو خدا کی حکومت کے مقابلہ میں آزادی خیال اور علوم و فنون سب عاجز ہو کر رہ جاتے ہیں،

عرب میں جب قدر رسین قومی عادتیں تھیں جو ان کی ہستی کی عناصر بن گئی تھیں، اسلام ایک ایک کا دشمن تھا، ثار، یعنی انتقام خون، عرب کے جذبات کا سب سے بڑا منظر تھا، اسلام نے اسکو بالکل مٹا دیا، خاندانی فخر و مباہات ان کی قومی زندگی کی روح تھی فنا کر دی گئی، ابوسفیان رئیس العرب کو بلالؓ (جو حبشی غلام تھے) کے ساتھ بیٹھا پڑا، یا تو قریش کو انصار کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے سے بھی عار تھا، یا اب قریش کی لڑکیاں غلاموں کے (زید و سالم وغیرہ) گھر میں لگئیں، عکاظ وغیرہ کے میلے جہاں عرب سال کے سال جمع ہو کر اپنے مفاخر کی داستانیں سناتے تھے، سر دھڑ گئے،

اسلام ایک طرف تو عرب کے تمام مفاخر کو خاک میں ملاتا تھا دوسری طرف خود اس میں ہولے نفس اور تفریح طبع کا کوئی سامان نہ تھا، اسلام قبول کرنے کیساتھ پانچ وقت کی نماز گلے کا ہار بن جاتی تھی، جو آزاد مرزا جوں پر سخت گران تھی،

وَابْتِهَا الْكِبْرُؤُاَ اِلَّا عَلَی الْحَاشِیْنَ (لقہ ۵) اور وہ (نہاد) حاشیہ کے سوا، اور دن پر یقیناً گران ہے،

روزہ یعنی تین دن تک متصل کھانا چھوڑ دینا کوئی آسان کام نہ تھا، زکوٰۃ ایسا سخت ٹکس تھا کہ شخص اس کے ادا کرنے پر حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں عام بغاوت ہو گئی، صرف حج ایک ایسا فرض تھا جو بظاہر زندہ دلی کا

سامان رکھتا تھا، لیکن اب حج وہ جاہلیت کا حج نہیں رہا تھا، طوافِ بویان کی اجازت نہیں ہی، بڑی دلچسپی کی چیز بت تھے وہ ایک ایک کر کے حرم سے نکال دیئے گئے، مقامِ منیٰ میں خاندانی واقعات کی حربہ خوانی کا جو طریقہ چلا آتا تھا بند کر دیا گیا، یہ فرائض اور اہم کاحال تھا، اسی کے ساتھ محرمات اور نوہی کی وہ عالمگیری تھی کہ ان کے جاہلانہ خیال کے مطابق زندگی، زندگی نہیں بلکہ زندانِ ننگی تھی، زنا حرام، شراب حرام، قمار حرام، سونا چاندی حرام، قلنس و حریر حرام، چنگ و عود حرام، تصویر حرام، پھر زندہ دلی اور لطیف زندگی کے لیے باقی کیا رہ جاتا ہے،

خوب غور سے دیکھو، تمام دیگر مذاہب نے عبادتوں میں بھی دلچسپی کا سامان رکھا ہے، عیسائیوں کی نماز گا کر ادا کی جاتی ہے، پارسیوں میں زمزمہ ہوتا ہے، ہندو بھی عبادت کے وقت بھجن گاتے ہیں اور سامنے دلفریب بت ہوتے ہیں، لیکن اسلام میں بظاہر دلاویزی اور دلفریبی کی ایک چیز بھی نہیں، مذکورہ بالا واقعات کی بنا پر یورپ کا یہ اعتراض کس قدر غلط اور تمام تر بے سرو پا ہے کہ اسلام اس لیے پھیلا کہ وہ نفس پرستی کی ترغیب دلاتا اور اس کے سامان مینا کرتا تھا، پھر کیا تھا؟ اس کا جواب آگے آتا ہے؟



تبلیغ نبوی

اور

اس کے اصول اور اس کی کامیابی کے سبب

تمام گذشتہ موانع، عوائق، مشکلات، اور دشواریوں کی دیواریں آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے ٹوٹی گئیں، اسلام پھیلا اور اس طرح پھیلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دنیا کو چھوڑا تو تمام عرب میں ایک بھی بت پرست نہ تھا، اس لیے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے اسباب کیا تھے؟ مخالفین کے نزدیک تو اس کا جواب صرف تلوار ہے، لیکن کار لا کے بقول نہتے اور یکہ دہنا اسلام کے ہاتھ میں یہ تلواریں تلوار کے زور سے آئی؟ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تلوار صرف اسلام کی تبلیغی دعوت تھی، اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھیں، اسلام کی اس طاقت کی تشریح کر دینا مناسب ہے،

فرضیت تبلیغ [تبلیغ کے لفظی معنی پیغام پہنچانے کے ہیں، اور اصطلاح میں اس کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز کو ہم اچھا سمجھتے ہیں، اس کی اچھائی اور خوبی کو دوسرے لوگوں اور دوسری قوموں اور ملکوں تک پہنچائیں، اور ان کو اس کے قبول کرنے کی دعوت دیں، قرآن پاک میں تبلیغ کے ہم معنی چند اور الفاظ بھی ہیں، جنہیں سے ایک لفظ انذار ہے، جس کے معنی ہتیار اور آگاہ کرنے کے ہیں، دوسرا لفظ دعوة ہے جس کے معنی بلانے اور پکارنے کے ہیں اور تیسرا لفظ تذکیر ہے، جس کے معنی یاد دلانے اور نصیحت کرنے کے ہیں، بہشت نبوی کے وقت دنیا میں دو قسم کے مذہب تھے، دو ایسے جو تبلیغی تھے، یعنی عیسائیت اور بودھ مت، باقی زیادہ تر ایسے ہی تھے جو تبلیغی نہیں، جیسے یودیت، جوتیت، ہندویت، جو دو تبلیغی سمجھے جاتے تھے، ان کی نسبت یہ فیصلہ مشکوک ہے کہ آیا یہ تبلیغ

لے ہیروز اینڈ ہیروز ورلڈ (م)

اُن کے اصل مذہب کا حکم تھا، یا بعد کے پیروں کا عمل ہے؟ کیونکہ اُن کے مذہبی صحیفوں میں اس تعظیم دعوت کی کھلی ہوئی ہدایتیں، اور اُن کے بانیوں کی زندگی میں اوکی علی مثالیں نہیں ملتی، تمام مذاہب میں صرف اسلام ایک ایسا مذہب ہے، جس نے تبلیغ کی اہمیت کو سمجھا، اور اُس کے متعلق اپنے صحیفہ میں کھلے احکام دیئے، اور اُس کے داعی و حامل علیہ السلام نے اپنی زندگی میں اوکی علی مثالیں پیش کیں،

جن مذہبوں نے تبلیغ کو اپنا اصول نہیں ٹھہرایا، اُن کے ایسا کرنے کی پہلی وجہیں دو ہیں، ایک یہ کہ اُن کے نزدیک اس حق کے قبول کرنے کی عزت کا استحقاق پیدائش سے حاصل ہوتا ہے، کوشش سے نہیں، دوسرا سبب یہ ہے کہ جو حق اُن کے پاس ہے، وہ اُن کے نزدیک اتنا پاک و مقدس ہو کہ اوکی خاص پاک و بزرگ و محترم نسل و قوم کے علاوہ، دوسری تمام قومیں جو اتنا پاک و نجس و کمتر ہیں، اُن تک اپنے پاک مذہب کو لیجانا، خود اُس مذہب کی پاکی کو صدمہ پہنچانا ہے، یہی سبب ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک دفعہ جب ایک کفانی (متی ۱۵) یا یونانی (مرقس ۷) عورت نے اُن سے برکت چاہی تو فرمایا: میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑیوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ (متی ۱۵-۲۵) پھر فرمایا: مناسب نہیں کہ (لو کون کی روٹی) (یعنی اسرائیل کا مذہب) کتوں (غیر اسرائیلی قوموں) کو پھینک دین؟ (۲۷) پھر فرمایا: غیر قوموں کی طرف نہ جانا، اور سامریوں کے کشتی میں داخل نہ ہونا، بلکہ پہلے اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑیوں کے پاس جاؤ، اور چلتے ہوئے منادی کرو (متی ۱۰-۶) پھر ارشاد فرمایا: وہ چیز جو پاک ہے، کتوں کو مت دو، اور اپنے موتی سوروں کے آگے نہ پھیکو (متی ۷-۶) ہندوؤں نے اپنے مذہب کو تمام قوموں سے جو چھپا کر رکھا، اس کا بھی یہی سبب تھا کہ وہ اپنا پاک و محرم پٹھوں اور چھوٹوں کو سکھا کر اس کو ناپاک نہیں کرنا چاہتے تھے، یہودیوں کا بھی یہی خیال تھا کہ نامختون اس نعمت کے اہل نہیں،

تبلیغ کی اہمیت | آنحضرت صلیع نے دنیا کی تمام قوموں کو برابری اور مساوات کی ایک ہی سطح پر لا کر کھڑا کیا، اور خدا کے پیغام کی منادی کا سب کو یکساں مستحق قرار دیا، اس لیے اپنی تبلیغ کے لیے قریش و غیر قریش، حجاز و یمن

عرب و عجم، ہند و روم کی شخصیں نہیں فرمائی، بلکہ دنیا کی ہر قوم، ہر زبان، اور ہر گوشہ میں صدائے الہی کا پہنچانا ضروری قرار دیا، ابتدائی وحی میں انجانون کو ہشیار اور بخبروں کو آگاہ کرنا سب سے پہلا حکم تھا، **يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ** (مدثر) ”اے چادر پوش! اٹھ کھڑا ہو! اور ہشیار و آگاہ کر“ پھر بار بار حکم ہوتا رہا کہ **يَكْفُرْ مَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ** جو تیری طرف اتارا گیا اسکو اور تک پہنچا ”فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ (شوری)“ لوگوں کو دعوت دے اور مضبوط قائم رہ“ جس طرح تجھے حکم دیا گیا فذکر ان نَفَعَتِ الذِّكْرَى (اعلیٰ) لوگوں کو نصیحت کر اگر نصیحت فائدہ مند ہو“ **وَذِكْرَ فَإِنَّ الذِّكْرَى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ** (ذاریات-۳) ”اور نصیحت کر کہ نصیحت اہل ایمان کو فائدہ پہنچاتی ہے“ **فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مِنْ تِلْكَ** (غاشیہ-۱) ”اور قرآن سے سمجھاؤ اسکو جو میری دھمکی سے ڈرتا ہو“ اور ان کے علاوہ بیسیوں آیتوں میں اس فرض کی اہمیت ظاہر کی گئی، حضرت علیؓ سے آنحضرت صلیم نے فرمایا کہ ”اے علیؓ! تمہاری کوشش سے ایک آدمی کا بھی دین حق کو قبول کر لینا دنیا کی بڑی سے بڑی دولت سے بھی بڑھ کر ہے“

اس سے زیادہ یہ کہ اسلام نے اپنے ہر پروردگار کی دعوت، امر بالمعروف نہی عن المنکر اور تواضعی باحق، یعنی باہم ایک دوسرے کو سچائی کی نصیحت کرنا، ضروری قرار دیا ہے، اور مسلمانوں کا یہ فرض بتایا ہے کہ وہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی تاریکی سے نکالنے کی جدوجہد کریں،

آنحضرت صلیم کو حکم ہوتا ہے کہ ہر قوم کے حضرات سے بے پروا ہو کر پیام الہی لوگوں تک پہنچائے، اور اگر ایسا نہ کیا تو رسالت کا فرض انجام نہ دیا،

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ اے خدا کے پیغام پہنچانے والے تیرے پروردگار کے

وَأَنْ لَّكَ تَفْعَلُ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ اور تو نے کیا کیا تو نے خدا کا پیغام نہیں پہنچایا، اور تجھکو خدا

يَعِصُوكَ مِنَ النَّاسِ (مائدا-۱۰) ایسا نہیں کیا تو نے خدا کا پیغام نہیں پہنچایا، اور تجھکو خدا

اسکی وصیت اس کے بعد اس فریضہ تبلیغ کی وسعت کی بحث ہے، پیغام الہی، سچائی کا ایک ہوتا چشمہ ہے، جو تہمت

اہستہ قدرتی رفتار سے پہلے اپنی قریب کی زمین کو، پھر آگے کو پھر اُس سے آگے کو سیراب کرتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ زمین کے کناروں تک پہنچ جاتا ہے۔ آنحضرت صلعم کو اس تبلیغ کا حکم اسی تدبیر کے ساتھ ہوا، سب سے پہلے خاص اپنے گھر اور خاندان کے لوگوں کو سمجھانے کا حکم ہوا،

وَأَذِّنْ رُعْشًا يَوْمَ تَلَقَّ الْأَقْرَبِينَ (شعراء-۱۱) اور اپنے سب سے نزدیک کے اہل خاندان کو آگاہ و ہشیار کر،

اس کے بعد یہ دائرہ بڑھ کر شہر مکہ اور اُس کے اطراف کی آبادیوں تک پہنچتا ہے،
لَتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا ۚ وَأَنَّ الْأَوَّلِينَ الْأَآخِرِينَ (شعراء-۱) تاکہ تو مکہ اور جو اُس کے آس پاس کے بدوی ہین اونکو آگاہ و ہشیار کرے،

تب تبلیغ کا دائرہ اس سے بھی آگے بڑھتا ہے اور ہر زندہ روح یعنی سمجھ بوجھ، احساس و عقل و غیر حقیقی زندگی کی علامتیں جسمیں موجود ہون اوکی مخاطب ہوتی ہے،

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقَدْ آتَيْنَا لَكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۚ لِيُنذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا (سینہ-۵) یہ قرآن تو صرف ایک نصیحت اور صاف صاف خدا کا کلام جو تاکہ وہ اوسکو ہشیار کرے جو زندہ ہے،

پھر جس تک بھی وہ آواز پہنچ جائے، سب سے اس کا خطاب ہے،
لَا تُنذِرُكَ بِهِ ۚ وَمَنْ بَلَغَ (انعام-۲) تاکہ میں تمہیں آگاہ و ہشیار کروں، اور انکو جس تک میری یہ آگاہ و ہشیار کرنے والی آواز نہ پہنچے،

پھر تمام انسانوں تک اسکی وسعت ہوتی ہے،
هَذَا بَلَاغٌ لِلنَّاسِ (ابراہیم-۷) یہ قرآن تمام انسانوں کے لیے پیغام ہے،

آنحضرت صلعم کو خطاب ہوا،
وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا (سبا-۳) اور ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لیے خوشخبری سنا سنایا اور ہشیار کرنے والا بنا کر بھیجا،

آپ کو حکم ہوا کہ تمام انسان کو خطاب کر کے یہ اعلان فرما دین،
 قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ
 اے لوگو! میں تم سب کی طرف خدا کا پیغام دے کر
 جَمِيعًا (اعراف-۱۹) بھیجا گیا ہوں،

اس سے زیادہ یہ ہے کہ تمام کائنات آپ کی دعوت و تبلیغ کے دائرہ میں داخل ہے، فرمایا،
 تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ ۚ
 بَرَکَتِ وَالَاہُ وہ خدا جس نے حق اور باطل میں امتیاز
 بِنَانِے والی کتاب اپنے بندہ (محمد) پر نازل کی تاکہ وہ
 مَلِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
 دُنیا جہان کے لیے ہشیار و نگاہ کرنے والا ہو، وہ خدا
 کی ملکیت میں آسمانوں کی اور زمین کی سلطنت ہے،
 (فہرقات-۱)

اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس تبلیغ و دعوت کی وسعت، اور اس میں کامیابی کی خوشخبری عین
 اسی وقت دید گئی تھی، جب مسلمانوں کے دلوں میں ایک قسم کی مایوسی چھائی ہوئی تھی، چنانچہ یہ آیت نازل
 ہوئی،

إِنَّ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ، وَلَتَعْلَمَنَّ نَبَأُ
 یہ قرآن تو دنیا کے لیے نصیحت ہے، اور تم ایک
 بَعْدَ حِينٍ (ص-۵) زمانہ کے بعد اس کی خبر جانو گے،

انبیاء اور بنیاد مذاہب کے علمی نمونوں اور مثالوں کی تلاش اور جستجو کرو تو یہ حقیقت اور زیادہ واضح
 ہو جائے گی، کہ اسلام کے سوا اور جو مذہب تبلیغی سمجھے جاتے ہیں، وہ حقیقت میں تبلیغی نہیں، خود بوجد
 نے ہندوؤں کے علاوہ کسی کو اپنی نجات کا راستہ نہیں بتایا، اور نہ اس کا حکم دیا، حضرت عیسیٰ نے اسرائیل کے
 علاوہ کسی دوسری قوم کو نہ اپنا وعظ سنایا، اور نہ اُن کو اپنا مخاطب بنایا، اور نہ اُن میں سے کسی کو اپنا شاگرد
 کیا، نہ کسی دوسری قوم میں اپنی زندگی میں اپنا واعظ اور مبلغ بھیجا، حالانکہ فلسطین میں رومیوں اور یونانیوں
 کی بڑی جماعت موجود تھی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں رہ کر مکہ اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو بیدار و ہشیار کیا، حج کے موسم میں عرب کے ایک ایک قبیلہ کو جا کر حق کا پیغام پہنچایا، اور اسی زمانہ میں یمن اور حبشہ تک اپنی آواز پہنچ گئی، اور لوگ تلاش حق کے لیے آپ کے پاس آئے، مدینہ منورہ آئے تو قریش کو برسوں تک دوسرے قبیلوں تک اسلام کے پہنچنے میں سدِ راہ بنے رہے، پھر بھی مبلغ اور داعی بھیج کر قبیلوں تک آواز پہنچائی گئی، اور بالآخر قریش کے خلاف اس لیے تلوار اٹھائی گئی کہ اسلام کو تبلیغ کی پُر امن آزادی ملے، پھر برس کے جنگ و جدل کے بعد حدیبیہ میں قریش نے اسلام کے اس مطالبہ کو تسلیم کیا، اور تبلیغ کی آزادی عطا کی، قرآن نے اسلام کی اس روحانی فتح کو فتحِ مبینہ قرار دیا، اور اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا نازل ہوا، اس کے بعد ہی عرب اور بیرونِ عرب میں اسلام کے واعظ، قاصد، اور مبلغ بھیجے گئے، اور دنیا کے امراء اور سلاطین کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے گئے، اور عربوں کے علاوہ ولیم، ایران، حبش اور روم کے طالب آئے، اور فیضانِ حق سے سیراب ہوئے، مشرکین عرب، یہود، عیسائی اور پارسی سب نے آپ کے زمانہ ہی میں آپ کے نور سے روشنی حاصل کی،

لیکن نفسِ تبلیغ کی فرضیت و اہمیت سے بھی زیادہ اہم چیز تبلیغ کے اصول ہیں،

تبلیغ کے اصول | یہ نکتہ کہ کس طرح لوگوں کو کسی سچائی کے قبول کی دعوت دینی چاہیے، دنیا میں پہلی دفعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے ادا ہوا، وہ مذہب بھی جو تبلیغی ہونے کے دعویٰ رکھتے ہیں، نہیں کہہ سکتے کہ اُن کے صحیفوں نے اُن کے لیے تبلیغ کے اہم اصول کی تشریح کی ہے، لیکن صحیفہ محمدیؐ نے نہایت اختصار لیکن پوری تشریح کے ساتھ اپنے پیروں کو یہ بتایا ہے کہ پیغامِ الہی کو کس طرح لوگوں تک پہنچایا جائے، اور اُن کو قبولِ حق کی دعوت دیجائے،

ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (نمل ۶۲) نصیحت کے ذریعہ سے بلا، اور اُن سے مناظرہ نہ کرنا

صحیح مسلم باب صلح الحدیبیہ،

تبلیغ و دعوت کے یقین ہول مسلمانوں کو سکھائے گئے، عقل و حکمت، موعظہ حسنہ اور مناظرہ بطریق احسن مسلمان متکلموں نے بیان کیا ہے، کہ تبلیغ و دعوت کے یقین ہول وہی ہیں، جو منطقی استدلال میں عموماً کام میں لائے جاتے ہیں، یعنی ایک تو **یُربانیات** جنہیں یقینی مقدمات کے ذریعہ سے دعویٰ کے ثبوت پر دلیلین لائی جاتی ہیں، دوسرے **خطابیات** ہیں جنہیں مؤثر اور دلپذیر اقوال سے مقصود کو ثابت کیا جاتا ہے اور تیسرے **جدلیات** جنہیں مقبول عام اقوال اور فریقین میں مسلم مقدمات سے استدلال کیا جاتا ہے، قرآن پاک نے پہلے طریقہ کو حکمت، دوسرے کو موعظہ حسنہ، اور تیسرے کو جدال سے تعبیر کیا ہے، اور استدلال کے ہی وہ تین طریقے ہیں، جسے ایک شخص دوسرے کے سامنے اپنے مدعا کو ثابت کرتا ہے، خیر یہ تو فلسفیانہ نکتہ آفرینی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ جب ہم کسی کے سامنے کوئی نئی بات پیش کر کے اُس کے قبول کی دعوت دیتے ہیں، تو عموماً تین طریقے برتتے ہیں، یا تو اُس بات کے ثبوت اور تائید میں کچھ دلنشین دلیلیں پیش کرتے ہیں، یا اُس کو مخلصانہ نصیحت کرتے ہیں، اور مؤثر انداز سے اس کو نیک و بد اور نشیب و فراز سے آگاہ کرتے ہیں، یا یہ کرتے ہیں کہ اس کی دلیلون کو مناسب طریقہ سے رد کر کے اس کی غلطی کو اُس پر واضح کرتے ہیں، پہلے طریقہ کا نام حکمت، دوسرے کا نام موعظہ حسنہ، اور تیسرے کا نام جدال بطریق احسن ہے، تبلیغ و دعوت کے ہی تین طریقے اسلام نے بتائے ہیں،

قول لیتین | حکیمانہ استدلال ہو، یا وعظ و نصیحت ہو، یا جدال و مناظرہ ہو، ضرورت یہ ہے کہ داعی نرمی و مغیر خواہی سے باتیں کرے، کہ سختی اور شدت کا طریق دوسرے کے دل میں نفرت اور عداوت کے جذبات پیدا کرتا ہے، کبھی ہی اچھی اور سچی بات ہو لیکن اس قسم کے جذبات اس کے قبول کی استعداد اُس سے سلب کر لیتے، اور سننے والے میں اپنی غلطی پر ضد اور ہٹ پیدا کر دیتے ہیں، جس سے دعوت کا فائدہ اور نصیحت کا اثر باطل ہو جاتا ہے، اسی لیے قرآن پاک نے اپنے پیغمبروں کو اپنے مخالف سے مخالفت دشمن کو بھی نرمی ہی سے باتیں کرنے کی تاکید کی ہے، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کو فرعون جیسے سرکش کے سامنے پیغام ربانی لے کر جانے

کی ہدایت ہوتی ہے، تو ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے،

اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهُ ظٰلِمٌ لِّمَا لَكَ قَوْلًا
لِّیْسَا لَعَلَّہٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰی، (طہ- ۲۰)

تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، اُس نے سرکشی کی ہے،
تو اس سے نرم گفتگو کرنا، شاید وہ نصیحت قبول کر لیا خدا اور
دعوت و تبلیغ میں رفق و نرمی اور لطف و تحمل کی تعلیم کی اس سے بہتر مثال نہیں ہو سکتی کہ نہ کوئی داعی اور
واعظ پیغمبروں سے بہتر ہو سکتا ہے، اور نہ فرعون سے بڑھکر کوئی مجرم ہو سکتا ہے، پھر ایسے مجرم کے سامنے اس
لطف و نرمی سے وعظ و نصیحت کی تعلیم جب پیغمبروں کو ہوتی ہے، تو عام داعی و مبلغ و واعظ کو عام مخالفوں،
مجرمون اور سرکشوں کے ساتھ بدرجہا زیادہ رفق و ملامت سے اپنا فرض ادا کرنا چاہیے،
اعراض اور قول بلع | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن منافقوں کے بارہ میں جو آپ کی نافرمانی کے جرم کے مرتکب ہوئے
تھے، یہ حکم ہوتا ہے،

فَاَعْرِضْ عَنْہُمْ وَعِظْہُمْ وَقُلْ لَّہُمْ فِیْ
اَنْفُسِہُمْ قَوْلًا بَلِیْغًا، (ساعہ- ۹)

تو اُن سے درگزر کر، اور اُن کو نصیحت کر، اور اُن سے
ایسی بات کہ جو اُن کے دلوں میں اثر کرے،
اس تعلیم میں تین ہدایتیں ہیں، اول یہ کہ دعوت و تبلیغ میں مخالفت کی بد سلیقگی، بد متذیبی، اور درشتی
کو درگزر اور برداشت کرنا چاہیے، دوسرے یہ کہ اُن کو نصیحت کرنا اور سمجھانا چاہیے، اور تیسرے یہ کہ گفتگو
کا وہ مؤثر طرز و انداز اختیار کرنا چاہیے جو دل میں گھر کرے،

تیسری ہدایت | انھیں ربانی ہدایتوں کی تعمیل میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ اور ابوسایہؓ
کو مین اسلام کی دعوت و تبلیغ کیلئے متعین فرمایا، تو رخصت کرتے وقت یہ نصیحت فرمائی، یَسِّرُوا وَلَا تَعْسِرُوا
وَلِیَسِّرُوا لَا تَعْسِرُوا، ”دین الہی کو آسان کر کے پیش کرنا، سخت بنا کر نہیں، لوگوں کو خوشخبری سنانا، نفرت نہ ڈالنا“
یہ وہ تبلیغی اصول ہیں جو ایک داعی و مبلغ کی کامیابی کی جان ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے سامنے، اور

صحابہؓ نے عام مسلمانوں کے سامنے اسی اصول کے مطابق دین الہی کو پیش کیا، اور کامیابی حاصل کی، دین کی جائز آسانی اور سہولت کو پیش کرنا، اور اُس کو سخت، درشت اور مشکل نہ بنانا ہی اُس کے قبولِ عام کی راہ ہے، ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے لطف و شفقت، رحم و کرم اور مہر و محبت کی دلنواز صداؤں سے دلوں کو پرامید اور مسرور بنانا اس سے بہتر ہے کہ بات بات پر خدا کی تمنا کی وجہاًری، اور ہیبت و جلال کا ذکر کر کے دلوں کو خوفزدہ اور مایوس بنایا جائے،

تدریج | تبلیغ کا ایک اور اصول آنحضرت صلیم نے یہ تعلیم فرمایا کہ کسی نئی قوم کو دعوت دیتے وقت شریعت کے تمام احکام کا بوجھ ایک دفعہ اس کی گردن پر نہ ڈالا جائے، بلکہ رفتہ رفتہ وہ اُس کے سامنے پیش کئے جائیں، پہلے توحید اور رسالت کو پیش کرنا چاہیے، اس کے بعد عبادات کو، عبادات میں بھی اہم پھر اہم کے اصول کو پیش نظر رکھنا چاہیے، عبادات میں سب سے اہم نماز ہے، پھر زکوٰۃ ہے، پھر دوسرے فرائض ہیں، حضرت معاذ بن جبلؓ کو مین بھیجے وقت آپ نے فرمایا: تم یہودیوں اور عیسائیوں کی ایک قوم کے پاس جاؤ گے، تو اُن کو پہلے اس کی دعوت دینا کہ خدا کے سوا کوئی خدا نہیں، اور محمدؐ اس کا رسول ہے، جب یہ مان لیں تو اوکو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر دن رات میں پانچ وقت کی نمازین فرض کی ہیں، اور جب یہ بھی مان لیں تو اوکو بتاؤ کہ خدا نے اُن پر صدقہ فرض کیا ہے، یہ صدقہ اُن کے دولت مندوں سے لیکر اوکے غریبوں کو دیدیا جائے، جب یہ اس کو تسلیم کر لیں تو دیکھو صدقہ میں چن چکر لے لے کر بڑھا مال کو نہ لینا، اور ہاں مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہنا، کہ اوس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔

تالیفِ قلب | تبلیغ و دعوت کے سلسلہ میں اسلام نے ایک اور طریقہ کو بھی پیش کیا ہے، جس کو تالیفِ قلب کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے وَالْمَوْئِدَةُ قُلُوبُهُمْ (توبہ - ۸)، اس کے لفظی معنی ہیں: دلوں کو ملانا، اور اس سے مقصود اُس شخص کے ساتھ جس کو اسلام کی طرف مائل کرنا ہو، لطف و محبت، امداد و اعانت، اور غمخواری و ہمدردی کرنا ہے، کیونکہ انسان طبعاً شریفانہ جذبات کا ممتون ہوتا ہے، اور یہ ممنونیت عناد اور ضد کے خیالات کو دور

کر کے قبولِ حق کی صلاحیت پیدا کر دیتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے لوگوں کو اپنے اس اعجاز سے اسلام کا حلقہ بگوش بنالیا تھا، چنانچہ مکہ کے بعض رئیس اسی جذبہ سے متاثر ہو کر اسلام لائے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حنین کی غنیمت کا سارا مال انھیں کو تقسیم کر دیا تھا، نتیجہ یہ نکلا کہ پھر حق کے خلاف اُن کی گردنیں نہ اٹھ سکیں، جو اسلام کے سخت مخالف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت بغض رکھتے تھے، وہ کہتے ہیں، ”کہ مجھکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا جتنا دیا، اور مجھے اُن سے سخت بغض تھا، لیکن آپ کے ان احسانات نے مجھے ایسا متاثر کیا، کہ اب میری نگاہ میں اُن سے زیادہ کوئی پیارا نہیں ہے، ایک دفعہ ایک بدو نے آکر کہا کہ ان دونوں پہاڑوں کے درمیان بکریوں کے جتنے ریوڑ ہیں، مجھکو عنایت کیجئے، آپ نے اسکو وہ سب دیدیئے، یہ فیاضی دیکھکر ایسا اُس پر اثر پڑا کہ اس نے اپنے پورے قبیلہ کو آکر کہا، ”بھائیو! اسلام قبول کرو کہ محمد اتنا دیتے ہیں کہ اُن کو اپنے فقر و افلاس کا ڈر ہی نہیں ہے۔“

ایک یہودی کا لڑکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا، وہ بیمار پڑا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور جا کر اُس کے سر جانے بیٹھے، پھر فرمایا کہ لڑکے اسلام قبول کر لے، اُس نے مستفسر نہ نگاہ سے باپ کی طرف دیکھا، اُس نے کہا ابوالقاسم (اپنی کنیت) کی بات مان لے، چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اٹھے تو زبانِ مبارک پر یہ فقرہ تھا کہ اُس خدا کی حمد جس نے اسکو دوزخ سے بچالیا،

دعوتِ عقل | اسلام نے تبلیغ و دعوت کے جو اصول بتائے ہیں، اُن کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ وہ ایک استدلالی اور عقلی مذہب ہو، کہ بغیر اس کے حکمت و دانشمندی، و غلط نصیحت اور جدال و مناظرہ کی بنیاد قائم نہیں رہ سکتی، اس بنا پر مذاہبِ عالم کی تاریخ میں نبوتِ محمدیہ سب سے پہلی ربانی آواز ہے، جس نے حاکمانہ قانون (توراة) یا نصرتِ عقلموں کے الٹ پھیر (انجیل) یا راجاؤں کے احکام (وید) کے بجائے عقلِ انسانی کو مخاطب کیا، غور و فکر کی غور دی، فہم و تدبیر کا مطالبہ کیا، اُس نے اپنی ہر تعلیم کے ساتھ اپنی تعلیم کی خوبی، مصلحت اور حکمت خود و ظاہر کی، اور بارِ مخالفوں کو آیاتِ الٰہی میں غور و فکر کی ہدایت کی، فرمایا،

الحق صلی اللہ علیہ وسلم بابِ جوہرہ صلی اللہ علیہ وسلم جلد دوم صفحہ ۲۹۰، مصر، ۱۵۲۰، ایضاً، ۱۵۳۰ صحیح بخاری کتاب الجنائز،

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا
 اِنْ تَتَّبِعُونَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْصُمُونَ
 قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ (انعام ۱۸-)

کہ اے پیغمبر کہ تمہارے پاس کوئی یقینی علم ہے کہ او کو
 تم ہمارے ظاہر کرو، تم تو گمان ہی کے پیچھے چلتے ہو اور تم
 اگل ہی کرتے ہو، کہہ کر اللہ ہی کی ہوجھتی ہوئی دلیل،

نیز ارشاد ہوا،

لِيُحْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَغَىٰ مَنْ
 حَقَّ عَنْ بَيِّنَةٍ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ (نمل)

تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلیل سے ہلاک ہو، اور جو جتیا رہے و
 دلیل سے جئے، اور اللہ ہے سننے والا جاننے والا،

غفلت شعار کافروں کی نسبت فرمایا،

وَكَآيَاتٍ مِّنْ آيَاتِهِ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
 يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ

اور آسمانوں میں اور زمین میں (خدا کی توحید کی کتنی
 نشانیاں (دلیلیں) ہیں، جن پر وہ گزر جاتے ہیں اور
 اُن پر غور نہیں کرتے،

(یوسف ۱۱)

غور و فکر کرنے والے اہل ایمان کی تعریف میں فرمایا،

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَحْدَاثِ
 اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيَاتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ، الَّذِيْنَ
 يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُودٍ
 وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
 رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (ال عمران ۳)

بے شبہ آسمانوں اور زمین کی بناوٹ اور رات اور دن کے
 الٹ پھیر میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں جو اللہ
 کو کھڑے، بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر یاد کرتے ہوں آسمانوں
 اور زمین کی بناوٹ میں غور کرتے ہیں اور کہتے ہیں
 کہ (اے ہمارے پروردگار تو نے یہ عالم بیکار نہیں بنایا)

اس سے زیادہ عقلی، اور علمی استدلال کی دعوت اور کیا ہوگی، مگر بہر حال یہ خارجی استدلال تھا، اندر
 استدلال کی بھی اُس نے دعوت دی، فرمایا،

وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تَبْصُرُوْنَ (ذاریات ۳)

اور خود تمہارے اندر نشانیاں ہیں، تم دیکھتے نہیں،

صحیفہ محمدی کی نسبت ہر جگہ یہ الفاظ فرمائے،

بَصِيرَةً وَذِكْرِي لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ (۱) یہ بصیرت اور نصیحت ہی ہر رجوع ہونیوالے تہذیبیہ،

هَذَا ابْصَارُ مَنْ رَبَّكُمُ (اعراف ۲۴) یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے بصیرتیں ہیں،

هَذَا ابْصَارُ لِلنَّاسِ (جاثیہ ۷) یہ لوگوں کے لیے بصیرتیں ہیں،

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ، (نساء-۱۱) کیا یہ قرآن میں تہذیب نہیں کرتے،

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا، (حدید-۱۳) کیا یہ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر لکے گئے ہیں،

وَالْقُرْآنُ الْحَكِيمُ (یس ۱) حکمت والے قرآن کی قسم،

تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ (یونس ۱) یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں،

نہ صرف اسی قدر بلکہ خدا کا وجود، توحید، رسالت، قیامت، جزا و سزا، عبادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج،

اخلاق وغیرہ ہر تعلیم کی تلقین کرتے وقت اُس نے اسکی صداقت کی عقلی دلیل پیش کی ہیں اور ہر مسئلہ کی یہ حکمتیں علی الاعلان ظاہر کی ہیں، آئندہ صفحہ میں ہر قدم پر اسکی دلیل آپکومیں گی،

مذہب میں زبردستی نہیں | آج یہ وہ حقیقت ہے جس کی صدا ہر در و دیوار سے آتی ہے، لیکن شاید لوگوں کو معلوم

نہیں کہ دنیا میں اس حقیقت کا اعلان سب سے پہلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زبان مبارک سے ہوا، اور ظاہر ہے کہ جو مذہب اپنی اشاعت کے لیے صرف دعوت و تبلیغ کا راستہ رکھتا ہو، جس نے اس کے ہول تجا

ہوں، جس نے عقل و بصیرت، اور فہم و تدبر کا ہر معاملہ میں لوگوں سے مطالبہ کیا ہو، ہر قدم پر عقلی استدلال اور

مصلحت و حکمت کا اظہار کیا ہو، وہ کیونکر جبر و اکراہ اور زور و زبردستی کے طریق کو اختیار کر سکتا تھا، اسلام نے

نہ صرف یہ کہ مذہب کی جبری اشاعت کو ناپسند کیا، بلکہ اسکا فلسفہ بتایا کہ مذہب زبردستی کی چیز نہیں، کہ اسلام

میں مذہب کا اولین جز ایمان ہے، ایمان یقین کا نام ہے، اور دنیا کی کوئی طاقت کسی کے دل میں یقین کا

ایک ذرہ بھی بزور پیدا نہیں کر سکتی، بلکہ تیز سے تیز تلوار کی نوک بھی کسی لوح دل پر یقین کا کوئی حرف نقش

نہیں کر سکتی، فرمایا:-

سَلَاكَ الرَّاهُ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرَّشْدُ دین میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت گمراہی سے الگ
مِنَ الْغَيِّ، (نمبر ۴-۳۲) ہو چکی،

یہ وہ عظیم نشان حقیقت ہے جس کی تلقین انسانوں کو صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہوئی
دوسری جگہ فرمایا،

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ، (کہف ۴)
اور کہہ دے کہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے،
تو جو چاہے قبول کرے، اور جو چاہے انکار کرے،

ایمان اور کفران دو میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے پر کوئی زبردستی نہیں ہے، عقل و بصیرت والے
اسے خود قبول کرینگے، اور نا فہم اس سے محروم رہیں گے، اسی لیے بار بار یہ واضح کیا گیا، کہ رسول کا کام لوگوں
میں خدا کا پیام پہنچا دینا ہے، زبردستی منوانا نہیں۔

أَتَمَّا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَّغُ الْمُبِينُ ہمارے رسول پر تو یہی فرض ہے کہ وہ صاف صاف
(مائیدہ ۸-۱۲) ہمارا پیام پہنچا دے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو قریش کے اعراض و مخالفت سے حد درجہ غمگین تھے، تسکین دیکٹی،

إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ (شعراء-۵) اے پیغمبر! تو صرف پیام پہنچا دینا ہے،
أَتَمَّا أَنْتَ مُذْكَرٌ، لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ اے پیغمبر! تو تو صرف نصیحت کرنے والا ہے، تو ان پر وارث
نہا کر نہیں بھیجا گیا، (غاشیہ-۱)

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ، پھر اگر وہ اسلام کی دعوت سے انکار کریں تو اے پیغمبر
ہم نے تجھ کو ان پر نگہبان نہ بھیجا، تیرے ذمہ صرف پیغام پہنچا دینا ہے،
(شعراء-۵)

کسی دین کو زبردستی پھیلانا اسلام کی نگاہ میں ایک ایسا فعل ہے جس سے رسول کی شان کو اُس نے بہت بلند سمجھا ہے، فرمایا،

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَهَمَّ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جِئِعًا
اَفَانَتْ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ

اور اگر تیرا پروردگار چاہتا کہ (لوگوں کو زبردستی مومن بنائے)
تو زمین کے سب لوگ ایمان لے آتے، تو کیا اسے پسند
تو لوگوں پر زبردستی کرے گا کہ وہ ایمان لے آئیں، (یونس: ۱۰)

اسلام میں حق کی حمایت اور باطل کی شکست کے لیے لڑنا جائز ہے، اور آنحضرت صلعم کو بھی مجبوراً لڑنا پڑا، اس سے مخالفوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ لڑائی صرف اس لیے تھی کہ اسلام کو تلوار کے زور سے لوگوں میں پھیلا یا جائے، حالانکہ قرآن میں ایک آیت بھی ایسی نہیں جہیں کسی کافر کو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم ہو، اور نہ آنحضرت صلعم کی سیرت میں کوئی واقعہ ایسا ہے جہیں کسی کافر کو زبردستی تلوار کے زور سے مسلمان بنایا گیا ہو، بلکہ اگر ہے تو یہ ہے،

وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ
حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ ابْلِغْهُ مَأْمَنَهُ
ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ (توبہ: ۱۱)

اور اگر (لڑائی میں) کوئی مشرک تجھ سے پناہ کا طالب ہو تو اس کو پناہ دے، یہاں تک کہ وہ خدا کا کلام سُنے، پھر اس کو وہاں پہنچا دے جہاں وہ بخیر ہو، کیونکہ

یہ نہیں کہا کہ حبیب وہ مسلمان نہ ہو جائے اس کو پناہ نہ دو، بلکہ یہ فرمایا کہ اس کو پناہ دیکر اس کو اس کی چاہنا

تک پہنچا دو،

حقیقت یہ ہے کہ ہماری شریعت ظالموں کی حمایت، جلاوطنوں کے حق دلانے، حج کا راستہ کھولنے اور عقیدہ کی آزادی حاصل کرنے کے لیے تھی جیسا کہ اس کا مفصل بیان کتاب میں کمین آئیگا، قرآن کی اس آیت میں

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ

الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ (الأنفال: ۶)

اور ان کافروں سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے، اور دین

پورا اللہ کے لیے ہو جائے،

”قنہ“ سے مراد عقیدہ اور مذہب کی آزادی نہ ہونا ہے، حضرت ابن عمرؓ صحابہ کی خانہ جنگیوں میں شریک نہ تھے، ایک شخص نے اُن سے اکر کہا کہ کیا خدا نے قنہ کے مٹانے کے لیے لڑنے کا حکم نہیں دیا، اور اوپر کی آیت پیش کی، اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم یہ فرض آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ادا کر چکے، جب مسلمان کم تھے، تو انسان اپنے دین کے سبب سے قنہ میں مبتلا کیا جاتا تھا یا اس کو لوگ مار ڈالتے تھے، یا قید کر لیتے تھے، یہاں تک کہ مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی، تو پھر قنہ باقی نہ رہا۔

میدان جنگ میں تبلیغ | ناواقفوں نے ایک اور مسئلہ کی غلط تعبیر کی ہے، اسلام کی امن پسندی نے یہ قانون بنایا ہے کہ اگر کسی مخالف قوم سے لڑائی آپڑے تو میدان جنگ میں پہنچ کر بھی صلح و آشتی کا خیال دہرنہ کیا جائے، بلکہ تلوار کے فیصلہ سے پہلے دو باتیں اُن کے سامنے پیش کرنی چاہئیں، ”اول یہ کہ تم بھی کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو جاؤ، اور لڑائی سے ہاتھ اٹھا کر ہمارے بھائی بن جاؤ، اگر ایسا کرو تو تم دین، حکومت اور عزت کے تمام حقوق میں ہمارے برابر ہو جاؤ گے، اگر یہ منظور نہ ہو تو اپنے مذہب پر قائم رہ کر ہماری سیاسی حکومت کو قبول کر لو، اس حالت میں تمہاری حفاظت کی ہر قسم کی ذمہ داری ہمارے سر ہوگی، اگر وہ ان دو میں سے کوئی بات قبول کر لیں تو اُن سے لڑنا ناجائز نہیں، اسلام کی تاریخ میں ایسے کتنے منظر ہیں کہ کسی دشمن سے دشمن قوم نے اسلام یا محض اطاعت قبول کر لی ہے، اور خونریزی رُک گئی ہے، اور لڑائی کا میدان، محبت و آشتی کی بزم بن گئی ہو،

یہ قانون جو سرتاپا امن پسندی، سلامت طلبی اور خونریزی سے بچنے کی آخری کوشش پر مبنی ہے، اس کو مخالفوں نے اس صورت میں پیش کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو تلوار کے زور سے مسلمان بنانے کی تعلیم دی، آنحضرت ﷺ کا دستور تھا کہ جب آپ کسی فوج کو متعین کرتے تو اُس کے سردار کو یہ ہدایت فرماتے،

”جب تو مشرکوں میں سے کسی دشمن قوم سے مقابل ہو تو او سکوت میں باتوں میں سے

کسی ایک بات کے قبول کرنے کی دعوت دے، ان میں سے جو بات بھی وہ مان لے

اوسکو قبول کر لے، اور اُس پر حملہ کرنے سے رک جا، اوسکو اسلام کی دعوت دے اگر وہ قبول کر لے تو پھر اُس سے رک جا، اس کے بعد اُس سے خواہش کر کہ وہ مسلمانوں کے ملک میں آجائے تو اُس کا وہی حق ہوگا جو مسلمانوں کا ہے، اگر وہ نہ مانے تو بدو مسلمانوں کی طرح رہے گی، قانون اُس مسلمانوں کا جاری ہوگا، لیکن غنیمت اور فنی بین اوسکا حصہ نہ ہوگا، جنگ وہ جہاد میں شرکت نہ کرے، اگر وہ اسلام قبول نہ کرے تو اس کو جزیرہ دیکر ذمی بننے کو کہہ اگر وہ اسکو مان لے تو اس سے بھی رک جا، اگر وہ اسکو بھی نہ مانے تو پھر خدا کی مدد مانگ اور لڑائی شروع کر دے۔

یہ وہ اصول جنگ ہے جس سے خونریزی کی روک تھام مقصود تھی، نہ یہ کہ کسی کو مجبور کر کے بزر و شمشیر مسلمان بنالینا، صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں ایرانیوں سے جب لڑائی شروع ہوئی، تو مسلمانوں نے تین روز تک میدان جنگ میں تلوار نہیں اٹھائی، حضرت سلمان فارسیؓ تین روز تک اُن کو سمجھاتے رہے، اور کہتے رہے کہ میں تمہاری قوم سے ہوں، لیکن دیکھتے ہو کہ عرب میرے زیر فرمان ہیں، اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ، تو تم کو بھی وہی حقوق ملین گے جو ہمارے ہیں، اور اگر تم اپنے ہی مذہب پر دھنا چاہو، تو جزیرہ دیکر رہ سکتے ہو، لیکن محکوم ہو کر رہو گے اس سے معلوم ہوا کہ جنگ جو دشمن کو بھی تبدیل مذہب پر مجبور نہیں کیا گیا، بلکہ اُس کے سامنے دوسری راہیں بھی کھلی تھیں،

نمامہ بن ثمال قبیلہ بنی حنیفہ میں سے تھے، اور یامہ کے رئیس تھے یہ قبیلہ ہے جو آخر تک سرکش رہا، اور اسی میں آنحضرت صلعم کے آخر زمانہ میں میلہ پیدا ہوا تھا، نمامہ اتفاق سے مسلمانوں کے ایک لشکر کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے، اور لا کر مسجد نبوی کے کعبے میں باندھ دئے گئے، آنحضرت صلعم ناز کے لیے تشریف لائے تو پوچھا کہ نمامہ تمہاری کیا رائے ہے، جواب دیا محمد میری رائے اچھی ہے، اگر مجھے قتل کر دو گے تو ایک خون واسے کو قتل کر دو گے اور اگر

صلح صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیرۃ ج ۱ باب السیرۃ

احسان کرو گے تو ایک شکر گزار پراحسان ہوگا، اور اگر زبردیہ چاہتے ہو تو مانگو جو مانگو گے دیا جائیگا۔ آنحضرت صلیع
نے کچھ نہیں فرمایا، پھر اسی طرح دوسرے دن سوال و جواب ہوا، پھر تیسرے دن ہوا، تیسرے دن آنحضرت صلیع
نے فرمایا کہ تمامہ کو چھوڑ دو، لوگوں نے کھول دیا، وہ دسی کھل کر آزاد ہو گئے، مگر سچائی کی زنجیر ان کے پاؤں میں پڑ
مسجد نبوی کے قریب ایک سیستان میں جا کر خود بخود غسل کیا، اور پھر مسجد میں آکر کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے
کیا کسی کو زبردستی مسلمان بنانے کے لیے اس سے بہتر موقع ہو سکتا تھا؟ بدر کے قیدی گرفتار ہو کر آئے، لیکن ان
یہ نہیں کہا گیا، کہ تلوار یا اسلام، اسی طرح جنگ کے دوسرے قیدیوں کے ساتھ بھی یہی برتاؤ رہا، قرآن پاک نے
جنگ کے قیدیوں کے متعلق کہا، فَاِمَّا مَنَّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاؤُ (معدہ ۱) "لڑائی ختم ہونے کے بعد ان
قیدیوں کو احسان دھر کر چھوڑ دو، یا فدیہ لیکر چھوڑ دو، یہ ارشاد نہ ہوا کہ اسلام یا تلوار!

غزوہ خیبر میں مسلمان روزانہ بعض قلعوں پر حملہ کرتے ہیں، اور ناکام رہتے ہیں، بالآخر شیر خدا علی رضی
کو حکم ہوتا ہے کہ فوج لیکر جاؤ، وہ پوچھتے ہیں یا رسول اللہ کیا میں ان سے لڑوں، یہاں تک کہ وہ ہماری طر
ہو جائیں، فرمایا: ہاں، سب سے روانہ ہو یہاں تک کہ ان کے میدان میں پہنچ جاؤ، پھر ان کو اسلام کی طرف بلاؤ، اور ا
ان کا جو حق ہو گا وہ ان کو بتاؤ، خدا کی قسم اگر ایک شخص کو بھی خدا تمہارے ذریعہ سے ہدایت دیدے تو اس سے
بہتر ہے کہ تمہاری ملکیت میں سرخ اونٹ ہوں، چنانچہ خیبر کے یہود نے اسلام کا مذہب قبول نہیں کیا لیکن
اسلام کی حکومت قبول کر لی، اور مصاحت ہو کر تلوار نیام میں کر لی گئی،

اسی طرح کسی مسلمان کے لیے کسی دوسرے مسلمان پر ہتھیار اٹھانا ناجائز نہیں، بلکہ کفر کا موجب ہے، کفار
کو مسلمانوں کا یہ طرز عمل معلوم تھا، اکثر لڑائیوں میں جب مشرک حملہ آور اپنی کمزوری محسوس کرتا تھا، تو اپنی جان
بچانے کے لیے کلمہ توحید پڑھ دیتا تھا اور ایک پھرے ہوئے مسلمان کو مجبوراً اپنے غصہ کو ضبط کر کے ہاتھ روک
لیسنا پڑتا تھا،

ایک دفعہ ایک صحابی نے پوچھا کہ اگر لڑائی میں میرا حریف اپنی تلوار سے میرا ہاتھ اوڑا دے، اور جب میرے حملہ کی باری آئے تو درخت کی آڑ پر کر کے مین مسلمان ہوتا ہوں تو اسے خدا کے رسول میں کیا کروں، اسکو قتل کروں؟ فرمایا نہیں، اُس کا قتل جائز نہیں، عرض کی یا رسول اللہ میرا ہاتھ اُس نے کاٹ ڈالا، فرمایا پھر بھی اُس کا قتل جائز نہیں، کہ اگر تم نے اب اسکو قتل کیا تو وہ وہ ہو گیا جو تم اُس کے قتل سے پہلے تھے، اور تم وہ ہو جاؤ گے جو وہ اس اقرارِ توحید سے پہلے تھا، حضرت اسامہ بن زید آپ کے بڑے چیتے خادم تھے، وہ ایک فوجی دستہ کے سپہ سالار بنا کر لیک لڑائی میں بھیجے گئے، جب گھمان کارن پڑا، تو ایک کافراؤں کی زمین آیا، انھوں نے حملہ کا قصد کیا تو وہ لا الہ الا اللہ پکارا اٹھا، ایک انصاری جو پہلے اُس پر بھپٹے تھے وہ تورک گئے، مگر اسامہ نے اُس کافر کے اس کلمہ پڑھنے کو اسکی جان بچانے کے فریب پر معمول کر کے، اسکا کچھ خیال نہ کیا، اور نیزہ سے اس کا کام تمام کر دیا، آنحضرت صلعم کو یہ خبر معلوم ہوئی تو اسامہ سے سخت آزر دہ ہوئے، اسامہ نے عرض کی یا رسول اللہ اُس نے صرف تلوار کے ڈر سے کلمہ پڑھا، فرمایا، اور کتنا بلخ فقرہ فرمایا؟ اسے اسامہ تم نے کیا اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا، پھر برابر یہ فرماتے رہے، اے اسامہ تم قیامت میں اس کے لا الہ الا اللہ کا کیا جواب دو گے، اسامہ کہتے ہیں کہ مجھکو اتنی ندامت تھی کہ میں نے دل میں آرزو کی کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا،

دیکھو کہ واقعہ کی تصویر کتنی الٹ دیکھی ہے، واقعہ تو یہ تھا کہ اپنی حملہ آورانہ لڑائی کے گھمان میں بعض کفار و مشرکین جنکو یہ معلوم تھا کہ کسی کلمہ کو کو مسلمان اپنے مذہب کے حکم پر قتل نہیں کرتے، وہ جب لڑائی کی زمین پڑتے تھے تو اپنی جان بچانے کے لیے فوراً کلمہ شہادت پڑھ دیتے تھے، اور بیان اس صورت میں کیا جاتا ہے کہ اسلام نے کفار کو تلوار کی نوک سے کلمہ پڑھنے پر مجبور کیا، کیا یہ صداقت ہے؟

اسی طرح آنحضرت صلعم کا ایک اور اعلان ہے جس کو اکثر غلط معنی میں پیش کیا گیا ہے، اپنے فرمایا امیر ان اقاتل الذین یقولون لا الہ الا اللہ، ترجمہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک لڑائی

کروں، جب تک وہ توحید کا اقرار نہ کریں، اور جب وہ اقرار کر لیں تو انھوں نے اپنے جان و مال کو مجھ سے بچالیا، اور انکی نیت کی پریش خدا کا کام ہے۔ اس حدیث کا مقصد صرف اسی قدر ہے، کہ مسلمان سے لڑنا تو جائز نہیں، لیکن کسی غیر مسلم قوم پر بھی لڑنا اسی وقت تک جائز ہے، جب تک وہ توحید کا اقرار نہ کرے، اور جب اُس نے یہ کر لیا تو پھر اس سے بھی لڑنا روا نہیں، خواہ وہ حملہ کے ڈر سے لا الہ الا اللہ پڑھے، یا سچے دل سے اوسنے یہ اقرار کیا ہو، اسکی تحقیق کہ کس نیت سے اس نے کلمہ پڑھا، انسان کا فرض نہیں، خدا کا ہے، یہ بالکل ایک مصالحانہ اعلان ہے، لیکن لوگ اس کو اس معنی میں پیش کرتے ہیں کہ گویا اسلام کا حکم یہ تھا کہ مسلمان دیوانہ وار تلوار لیے پھرتے اور جس کو پاتے او سکودا دھمکا کر کہتے کہ کلمہ پڑھو، ورنہ سر قلم کر دیں گے، غور کرو اگر یہ حکم ہوتا تو قیدی اقرار توحید کئے بغیر اس آسانی سے چھوڑے جاتے، اور ہاری ہوئی قوموں سے اسلام نہیں صرف چند درہم کا جزیہ لیکر انکو آزاد کر دیا جاتا، اور کیا مسلمانوں کو یہ اجازت ملتی کہ

وَإِنْ جُنْحُوا إِلَيْكَ فَاجْزُئْ لَهُمْ (انفال - ۸) اگر کفار کا محارب فریق صلح کیلئے جھکے تو تو بھی جھکنا۔

بلکہ اس کے بجائے یہ حکم ہوتا کہ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں، اُن سے صلح نہ کرنا، اور نیز کیا مسلمانوں

کو یہ حکم ہو سکتا تھا کہ

وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَاجْزُئْ لَهُ (توبہ - ۱۷) اور اگر دشمنوں میں سے کوئی تجھ سے

حقاً یسمع کلام اللہ ثم ابلغه مأمناً (توبہ - ۱۷) پناہ مانگے، تو اُس کو پناہ دے، یہاں تک کہ وہ خدا کا کلام

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ (توبہ - ۱۷) سن لے، پھر اُسکو اس کے امن کی جگہ پہنچا دے یہ ایسے

(توبہ - ۱۷) کہ یہ بے علم لوگ ہیں،

بلکہ یہ ہوتا کہ پناہ ملنے اور کلام الہی سننے کے بعد وہ مسلمان نہ ہو تو اوسکو اوسکی امن کی جگہ پہنچانے کے

بجائے، اوسکو قتل کر کے جہنم میں پہنچا دو، مگر ایسا نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی امن پسندی اور

رواداری کے مفہوم کو کس طرح الٹ کر بیان کیا جاتا ہے، حالانکہ اسلام نے تو اُن مشرکوں سے بھی جو پہلے

شُرک دوست قبیلہ کے دوست ہوں اور ہم سے صلح و آشتی سے رہنا چاہتے ہوں، لڑنے کو منع کیا ہے،

فَإِنْ اعْتَزَلْتُمْ كُمْ فَلَكُمْ يَتَاتِلُ كُمْ وَالْقَوَا
تو اگر وہ تم سے کنارہ پکڑیں، پھر نہ لڑیں، اور تمہارے

إِلَيْكُمْ السَّلَامَ ۖ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ
ساتھے صلح کی طرح دالین، تو اللہ نے تم کو ان پر حملہ

سَبِيلًا ۚ (نساء-۱۲) کرنے کی راہ نہیں دی،

یعنی پھر ان پر تلوار اٹھانا درست نہیں، حالانکہ اگر اسلام کی مذہبی جنگجوئی کے وہی معنی ہوتے کہ یا تلوار

یا اسلام، تو کیا اس میں پسندی اس صلح جوئی، اور اس ترک جنگ کی صورت ممکن ہو سکتی تھی؟

سلحہ تبلیغی جماعتیں | غلط فہمی پھیلانے کا ایک اور واقعہ یہ ہے کہ تبلیغ و دعوت کے لیے جو چار عین ملک میں بھیجی

جاتی تھیں وہ مسلح ہوتی تھیں لیکن یہ حقیقت بھلا دی جاتی ہے، کہ یہ عرب کا واقعہ ہے، جہاں کوئی منظم اور باضابطہ

حکومت نہ تھی، جس پر تمام رعایا کی حفاظت کی ذمہ داری ہو، ایک ایک وادی میں ایک ایک قبیلہ اپنی اپنی

الگ ریاست قائم کئے ہوئے تھا، اور ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ سے برسرِ پیکار تھا، راستوں پر زہر نون اور ڈاکوؤں

کا قبضہ تھا، جن سے اکا دکا آدمی کا صحیح و سالم بچنا ناممکن تھا، اسی لیے جب کہیں کوئی تبلیغی مہم بھیجی جاتی تھی تو

بد امنی کے ملک میں رہنے والوں کے عام دستور کے مطابق وہ اپنی ممکن حفاظت کے لیے مسلح جاتی تھی، اور

اس بات کی دلیل کہ اس مسلح جماعت کا تبلیغ و دعوت کے سوا کوئی مقصد نہ تھا، اس سے ظاہر ہے کہ ان کی

تعداد تھوڑی ہوتی تھی جو فوجی حملہ کے لئے کبھی کافی نہیں ہو سکتی تھی،

غزوہ بدر کے بعد جب قریش کا زور ٹوٹ گیا، اور ملک میں اسلام بھی ایک قوت شمار ہونے لگا،

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض بعض قبیلوں کی درخواست پر مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کو تبلیغ و تعلیم کے لیے

اودھر بھیجا، تب بھی وہ اکثر راستہ میں جان سے ماری گئیں، واقعہ رَجِج میں ستر و ایمون کا مارا جانا، واقعہ

بَیْرُ مَعُونہ میں چھ یا دس داعی مسلمانوں کا قتل ہونا، سریہ ابن ابی العوجار میں پچاس مسلمانوں کی شہادت، واقعہ

ذاتِ الطَّلَح میں چودہ داعی مسلمانوں کا تیرون سے مارا جانا، عروہ بن مسعود ثقفی کا تیرون سے چھدا جانا، اس

دعویٰ کی شہادت ہے،

تبلیغ و دعوت کی تنظیم | آنحضرت صلیم جب تک کہ معطلہ میں تشریف فرما رہے، بنفس نفیس اس فرض کو انجام دیتے رہے ایک ایک کے پاس جاتے اور حق کا پیغام سناتے، شہر سے نکل کر مکہ کے اُس پاس جاتے اور آنے جانے والوں کو بشارت سناتے، مکہ سے نکل کر طائف گئے، اور وہاں بھی اپنا فرض ادا کیا، یہ بھی خدا کی مصلحت تھی کہ اس نے اپنے آخری دین کا مرکز مکہ معطلہ کو قرار دیا، جو عرب کا مرکزی شہر تھا، اور حج کے موسم میں تمام قبیلے خود یہاں آجاتے تھے، آپ سالہا سال حج کے موسم میں ایک ایک قبیلہ کے پاس جاتے، اور خدا کی دعوت پیش کرتے، اسی سالانہ تبلیغ سے اسلام کو وہ جماعت ہاتھ آئی جس کا نام انصار ہے،

الغرض ان تبلیغی سرگرمیوں سے مکہ میں سینکڑوں آدمی مسلمان ہو چکے تھے، مگر قریش کے ظلم سے وہ ملک چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور آنحضرت صلیم کے مشورہ سے وہ حبشہ کی طرف روانہ ہوئے، اس سفر کی مصلحت عجیب و غریب تھی، ان مظلوم مسلمانوں کی ہجرت نے یہ موقع ہم پہنچایا کہ وہ اس مسافت میں جہاں جہاں سے گذرے اسلام کی آواز پہنچاتے گئے، اور اس طرح بین اور حبشہ دونوں ملکوں میں اسلام کی تحریک و ترقی ہوئی۔ مکہ میں آنحضرت صلیم کے بعد، عام مسلمانوں میں سب سے پہلے مبلغ اور داعیِ حق حضرت ابو بکرؓ تھے، مکہ کے بہت سے معزز گھرانوں کے پرورش و جوان انہیں کی تبلیغ سے اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت ابو بکرؓ ہی کو دشمنوں سے دائرہ اسلام میں آئے، حضرت ابو بکرؓ کے بعد اسلام کے دوسرے مبلغ حضرت مصعب بن عمیرؓ ہیں، جنکے مؤثر و عنطون کو سنکر آنحضرت صلیم کی ہجرت سے پہلے ہی مدینہ کے گھرانے کے گھرانے توحید کے پرستار ہو گئے تھے،

مدینہ منورہ اگر اسلام نے امن و امان کی سانس کی لی، تو آنحضرت صلیم نے اُن نو مسلموں کی تعلیم کیلئے جو اطرافِ ملک سے دارالاسلام میں آتے تھے، نیز ملک کے مختلف گوشوں میں اسلام کی تبلیغ کے لیے ایک جماعت قائم کی، جس کا نام عام طور سے اصحابِ صفہ (چوتھے واسے) مشہور ہے، اس میں وقتاً فوقتاً سو سے زیادہ

آدمی داخل تھے، یہ لوگ ملک میں اسلام کی دعوت کے لیے بھیجے جاتے، اور خود نو مسلموں کو تعلیم دیتے، نیز
میں شتر کے قریب جو داعی اور مبلغ راہ میں بیدروانہ قتل ہوئے تھے، وہ اسی جماعت کے ارکان تھے،

ان کے علاوہ وہ اکابر صحابہ جو وقتاً فوقتاً مختلف ملکوں، بادشاہوں، قوموں اور قبیلوں میں اسلام
کی دعوت لیکر پھیلے، احادیث و سیر کی کتابوں میں ان کے نام متفرق طور سے ملتے ہیں، میں نے تھوڑی
سی کوشش سے اس قسم کے سنیستیں صحابیوں کے نام جمع کئے ہیں، جنہوں نے از خود یا آنحضرت صلعم کے مشورہ
اس فرض کو انجام دیا، ان کے نام یہ ہیں، ابوذر غفاری، طفیل بن عمرو دوسی، جعفر طیار، عمرو بن عبسہ سلمیٰ،
بن ثعلبہ، خالد بن ولید، علی بن ابی طالب، ماجر بن ابی امیہ، زیاد بن لبید، خالد بن سعید، عدی بن حاتم،
علاء بن حضرمی، ابو موسیٰ اشعری، معاذ بن جبل، جریر بن عبداللہ بکلی، دحیہ کلبی، عمرو بن امیہ ضمری، مغیرہ بن شعبہ،
عمرو بن العاص، و بر بن نخس، عروہ بن مسعود ثقفی، عامر بن شہر، مقد بن حبان، ثمامہ بن اثال، مجہد بن مسعود
احنف، ابو زید انصاری، عمرو بن مرہ، عیاش بن ربیع خزومی، واثلہ بن اسقع، عبداللہ بن حذافہ سہمی، طاب
بن بلتعہ، سلیمان بن عمرو بن عبد شمس، شجاع بن وہب اسدی، انھیں مبلغوں اور داعیوں اور قاصدوں
کی پکار تھی جن نے مین، یمامہ، بحرین، حجاز، نجد، پورے عرب کو بیدار کر دیا، اور عرب کے باہر ایران، شام، مصر
جس ہر جگہ اسلام کا پیغام پہنچ گیا،

مبلغوں کی تعلیم و تربیت | سیرۃ کی دوسری جلد کے آغاز میں اشاعت اسلام کی تاریخ اور دعاۃ معلّین کی تعلیم
و تربیت کا حال لکھا جا چکا ہے، سلسلہ بیان کے لیے یہاں صرف اس قدر کہنا ہے کہ ان کو سب سے پہلے
قرآن پاک کی سورتیں یاد کرائی جاتی تھیں، لکھنا پڑھنا بھی سکھایا جاتا تھا، آنحضرت صلعم کے شب و روز
کے ارشادات سننے کا موقع بھی ان کو ملتا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تبلیغ کا درس اولین قرآن
اور صرف قرآن تھا،

دعوت بالقرآن | قرآن پاک اسلام کے دعویٰ اور دلیل دونوں کا مجموعہ ہے، اور وہی اُس کے مذہب

کا صحیفہ ہے، خود آنحضرت صلی علیہ وسلم اور دوسرے مبلغ صحابہ بھی تبلیغ و دعوت میں صرف قرآن کی سورتیں پڑھ کر سکتے تھے، اور جہان ان کو اس کا موقع مل جاتا، وہاں اس کی تاثیر اپنا کام کر جاتی تھی، اور یہ فرض خود قرآن نے اپنا آپ قرار دیا تھا، اس کی تبلیغ کے لیے جہاد کی ضرورت تھی، مگر اس جہاد کا ہتھیار وہ ہے کی تلوار نہیں، بلکہ قرآن کی تلوار تھی، جس کی ضرب کی روک ڈھال اور سپر سے بھی ممکن نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو اسی تلوار سے جہاد کا حکم دیا، فرمایا،

فَلَا تُطِيعِ الْكُفْرَيْنِ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا
کِبِيرًا (فرقان ۵)

تو اے پیغمبر منکروں کا کمانہ مان، اور اس قرآن سے
ان کے ساتھ بڑے زور سے جہاد کر،

اس پیغام الہی کے زمین میں اترنے کی غرض ہی یہ تھی کہ وہ خدا کے بھولے ہوئے بندوں کو ان کا
ہمدیاد دلائے، فرمایا،

فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعَبِيدُ
(ق-۳)

تو اے پیغمبر ان کو جو میری دھکی سے ڈرتے ہوں قرآن کے
ذریعہ سے یاد دلا،

قرآن رحمت عالم کا پیام عمومی ہے، اور یہی اُس کے نزول کی غرض و غایت ہے، فرمایا،

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ
لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا

برکت والا ہے، وہ جس نے حق و باطل میں امتیاز
بتانے والی کتاب اپنے بند پر اس لیے اتاری، تاکہ

تمام دنیا کو بیدار اور ہشیار کرے، (فرقان ۱۰)

یہی قرآن اسلام کی طاقت اور محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا اصلی ہتھیار تھا، جس کی کاٹ نے کبھی خطانہ کی،
اشاعت اسلام کی قدرتی ترتیب | عرب میں صرف تین قومیں تھیں، جن کا اسلام لانا گویا تمام جزیرہ نمائے عرب کا
اسلام لانا تھا، یعنی مشرکین، یہود اور نصاریٰ، مشرکین عرب کا مرکز خانہ کعبہ تھا اور ان کے مذہبی پیشوا قریش تھے
یہود کا صدر مقام مدینہ اور خیمہ تھا، نصاریٰ اور مجوس شام اور یمن کے اطراف میں پھیلے تھے،

اس بنا پر لا قہب کا قہب کے لحاظ سے اشاعت اسلام کی قدرتی ترتیب یہ تھی کہ قریش اور قفار مکہ کو پہلے دعوت توحید پہنچاتی پھر یہو کو حلقہ گنجش اسلام بنایا جاتا، ان کے بعد نصاریٰ اور مجوس کو دعوت پہنچاتی چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ترتیب کیساتھ اسلام کی اشاعت کی، اور اسی بنا پر قرآن مجید کا طریق دعوت مختلف نظر آتا ہے، تمام کئی سورتوں کے مخاطب قفار مکہ تھے، اس لیے ان میں بت پرستی کی مذمت، توحید کی ترغیب، عجائب قدرت کا بیان عذاب الہی سے تخویف اور صنادید قریش کی مخالفت کے جواب کے سوا کچھ نہیں، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے، تو یہود سے سابقہ پڑا، اور اب قرآن مجید کا طرز خطاب بدل گیا، چنانچہ ابتدائی مدنی سورتیں زیادہ تر یہود کی مذہبی تاریخ، ان کی تحریفات، ان کی اخلاقی کمزوریوں اور قصص بنی اسرائیل پر مشتمل ہیں، سب سے اخیر میں نصاریٰ کی باری آئی، اور فتح مکہ کے بعد قبائل عرب کے د فود کے سلسلہ میں ہجرا کے عیسائیوں کا وفد آیا، اسی زمانہ میں سورہ آل عمران نازل ہوئی، جہاں نصاریٰ کا ذکر ہے،

جو عرب میں بہت کم تھے، بحرین اور یمن میں خال خال وہ پائے جاتے تھے، وہ بھی ایرانی نسل تھے، خالص عرب نہ تھے، اس لیے قرآن مجید نے خاص طور پر کسی سورہ میں ان کے ساتھ خطاب نہیں کیا ہے، البتہ جا بجا مناسب موقعوں پر ان کا نام لیا ہے، اور ان کے عقائد کی تردید کی اور ان کو ثنویت یعنی دو خداؤں کی پرستش کے بجائے توحید کی دعوت دی ہے،

قبول اسلام کے لیے کیا چیز درکار تھی؟ اگرچہ یورپ کا یہ عام دعویٰ ہے کہ عرب میں اسلام صرف تلوار کے زور سے پھیلا، لیکن ابتداء میں جن اشخاص اور جن قبائل نے اسلام کو قبول کیا ان کے اوصاف کے پیش نظر کر لینے کے بعد صاف ثابت ہوتا ہے، کہ اسلام اپنے لیے صرف اثر پذیر دل کا جویان تھا، اور جب یہ اثبات مل جاتا تھا تو اس کے سامنے یہ طائر قدس اپنے پر ڈال دیتا تھا، چنانچہ ابتدائی بعثت میں جن اشخاص نے اسلام قبول کیا، وہ وہی تھے جو نیک طبع، ایماندار، راستی پسند اور حق جو تھے، اور جو نبوت کے اوصاف و خصائص سے واقف تھے، گذشتہ آسمانی مذاہب سے کچھ نہ کچھ اگاتھے اور معاشرت اور تمدن سے بہرہ ور تھے

اشخاص کے علاوہ جن قبائل اور آبادیوں نے اسلام کے قبول کرنے میں پیشدستی کی وہ بھی وہی تھے جنہیں یہ خصوصیتیں پائی جاتی تھیں، عرب کے مختلف حصوں جنوبی و شمالی میں سب زیادہ اسلام کو کامیابی عرب کے جنوبی حصہ، یعنی یمن، عمان، بحرین، یمامہ میں ہوئی، اور شمالی حصہ میں سے مدینہ منورہ اور اُس کے اطراف میں ہوئی، کیونکہ وہ تمدنی حیثیت سے دنیا کی دو ممتاز تمدن قوموں ایرانیوں اور رومیوں سے متاثر تھے، اور مذہبی حیثیت سے یہودیوں اور عیسائیوں سے اُن کا میل جوں اور خلا ملتا تھا، اہل مدینہ بھی یہودیوں کے تمدن و معاشرت، روایات اور رسم و رواج سے بہت کچھ متاثر تھے،

اسلام کو عربوں سے جب قدر لڑائیاں پیش آئیں وہ سب نجد اور حجاز میں، لیکن مسلمانوں کی کوئی جہاز فوج مدینہ، یمن، عمان، یمامہ اور بحرین کو فتح کرنے کے لیے نہیں بھیجی گئی، مدینہ نے خود مکہ میں اگر اسلام کو ایک اکھا، اطراف مدینہ کے قبائل میں غفار نے خود مکہ اگر قریش کی تلوار کی آگ میں کھڑے ہو کر لا الہ الا اللہ پڑھا، یمن سے دوس کے قبیلہ کے آدمیوں نے خود مکہ مغلطہ پہنچ کر ایمان کی دولت حاصل کی، اور اُس کے دربار نے اپنا قلعہ اسلام کی پناہ کے لیے پیش کیا، اشعر کا قبیلہ بھی اسی زمانہ میں غائبانہ مشرف بہ اسلام ہوا، ہمدان کا قبیلہ حضرت علیؑ کی دعوت پر ایک دن میں مسلمان ہو گیا،

عمان کا بھی یہی حال ہوا، وہاں بھی اسلام نے صرف اپنی تبلیغی کوششوں کے ذریعہ سے اقتدار حاصل کیا ایک بار آپ نے عرب کے کسی قبیلے کے پاس ایک آدمی کو بھیجا، وہ لوگ اُس کے ساتھ سختی سے پیش آئے، اور اُس کو زرد و کوب کی، اُس نے اگر آپ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر اہل عمان ہوتے تو تم کو نہ گالیان دیتے نہ مارتے (مسلم فضائل اہل عمان)

یمامہ کے رئیس شامہ قید ہو کر مدینہ آئے، یہاں آزاد کر دیئے گئے، مگر مدینہ کی مسجد میں جو جلوہ انھوں نے دیکھا، اپنی ظاہری مادی آزادی کے بعد بھی اسکی نورانی زنجیر سے انھوں نے رہائی نہ پائی، خود بخود مسلمان

ہو گئے اور اپنے قبیلہ میں جا کر اسلام کے داعی بن گئے، اور آخر خون کا ایک قطرہ گرسے بغیر اسلام نے وہاں اکثریت حاصل کر لی،

دیہاتوں میں سب سے پہلے قریہ جواثی نے صدائے توحید پر لبیک کہا جو مصافحاتِ بحرین میں تھا اسی قریہ جواثی کے باشندے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے، چنانچہ سجدہ نبوی کے بعد عرب کے دیہاتوں میں سب سے پہلا جمعہ اسی گانوں میں پڑھا گیا، بارگاہِ نبوت میں عرب کے وفود اگر پہنچ کر کہے بعد حاضر ہوئے لیکن بحرین کے لوگوں نے اس میں تمام قبائل عرب پر پیش قدمی کی، چنانچہ شہ میں سب سے پہلا وفد جو مکہ صلم کی خدمت میں حاضر ہوا وہ قبیلہ عبد القیس کا تھا، جو بحرین میں سکونت گزین تھا،

اہلِ یمن کا شمار اگرچہ مہاجرینِ اولین میں نہیں کیا جاتا، لیکن جب آنحضرت صلم کی ہجرت کا حال معلوم ہوا، اسی وقت حضرت ابو موسیٰ اشعرئ بھی یمن سے ۵۲ آدمیوں کو لیکر مدینہ کی طرف ہجرت کی غرض سے روانہ ہو گئے، بحری سفر تھا وہ لوگ کشتی میں سوار ہوئے تو بادِ مخالف کے جھونکوں نے اسکو حبشہ میں پہنچا دیا جو مسلمانوں کا سب سے پہلا دارالہجرہ تھا، وہاں حضرت جعفر بن ابی طالبؓ سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے کہا کہ آنحضرت صلم نے ہم کو یہیں اقامت کا حکم دیا ہے، تم لوگوں کو بھی یہیں ٹھہر جانا چاہیے، چنانچہ وہ لوگ وہیں مقیم ہو گئے، اور فتحِ خیبر کے زمانے میں مہاجرینِ حبشہ کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حقیقت کہ اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹِ جہالت اور وحشت اور اسکی اشاعت کی سب سے بڑی محرک تمدن، معاشرت اور اخلاق کی بلندی، اور کتبِ آسمانی اور دیگر مذاہب سے واقفیت تھی، خود قرآن مجید نے اس کو ظاہر کیا ہے،

اَلَا عَرَابٌ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا وَّ اَجْدُ
دیہاتی بدوی کفر اور نفاق میں سب سے زیادہ سخت ہیں
اَلَا يَكْلَمُوا كَلِمًا وَّ كَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهِ
اور زیادہ اس کے اہل ہیں کہ وہ ان احکام کو نہ سمجھیں

لے صحیح بخاری، باب الجمعۃ فی القریٰ والدن، لے صحیح مسلم کتاب الایمان لے صحیح مسلم فضائلِ جعفر بن ابی طالب واسماء بنت عمیس،

وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (توبہ ۱۳)

جو خدا نے اپنے رسول پر اتارا ہے، اور اللہ جانتا اور حکمت والا ہے

اور بھی اس قسم کی آیتیں ہیں، جو لوگ بادیہ سے آکر اسلام لائے تھے، اور کچھ مسائل سیکھ کر واپس چلے جاتے تھے، اُن سے جو بیعت لی جاتی تھی، اُسکا نام بیعتِ اعرابی تھا، جو کم درجہ بھی جاتی تھی، اس بنا پر بادیون میں الگ تھلگ رہنا صحابہ کے زمانہ میں معیوب سمجھا جاتا تھا، بلکہ بعض لوگ اوس کو ارتداد کی علامت سمجھتے تھے،

اشاعتِ اسلام کے اسنادِ ذیل | گذشتہ مباحث پر ایک غائر نظر ڈالنے کے بعد خود بخود یہ عقدہ کھل جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دینِ حق کو عربوں میں کس طرح پھیلایا، اور آپ کو کیونکر کامیابی ہوئی، تاہم اگر واقعات کی روشنی میں ایک ایک صحابی کے قبولِ اسلام کے اسباب کی تلاش کی جائے، تو حسب ذیل اسباب سامنے آئیں گے۔
۱۔ اسلام کے نشر و اشاعت کا سب سے مقدم اور اصلی سبب معجزہ قرآنی تھا، قرآن مجید جس موثر اور دل گیر کپکا پونے والے طریقہ سے عقائد و معارف و اخلاق کی تلقین کرتا تھا، اُس کے سامنے وہ تمام عوائق، اور موانع جتنا ذکر اوپر ہو چکا تھا ہو جاتے تھے، جو لوگ سرے سے خدا کے وجود کے منکر تھے قرآن مجید ان کے سامنے عالم کی بے پناہی، مظاہرِ قدرت کی بے پناہی، کائنات کی نیرنگی، اجرامِ فلکی کی جلوہ گری، اُن غاصر کی نگار آرائی سے اس طرح استدلال کرتا تھا،

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَانًا فَاَخِيَا
ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ
تُرْجَعُونَ (نقہ ۳)

تم خدا کا انکار کس طرح کرتے ہو، حالانکہ تم کبھی بیجان تھے تو اُس نے تم کو زندگی بخشی، پھر ایک دن تم کو مردہ بنا دیگا، پھر زندہ کرے گا، اور پھر اُمی کے پاس واپس آجائے گا

آسمان و زمین کی پیدائش میں شب و روز کے اختلافت میں، اُن کشتیوں میں جو سمندر میں انسانوں کیلئے سودمند چیزوں کو لیکر چلتی ہیں، بادلوں سے پانی

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاجْتِلَافِ
الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ
بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ

الحجۃ
کتاب اللہ اور
سنن شافعی
کتاب البیوعہ

مِنْهَا فَأَحْيَاهُ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ
بَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيحِ
وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِينَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ
لَا يَتْلُوَنَّ الْقَوْمَ يَعْقِلُونَ

(نہما ۲۰-)

برسانے میں، اُس پانی سے مردہ زمین کو زندہ کرنے
میں، اور اس زمین میں ہر قسم کے جانداروں کے پھیلانے
میں، ہواؤں کے چلانے میں، اُن بادلوں میں جو
فضائے آسمانی میں مسخر ہیں، دانشمندان کے لیے یقیناً
بڑی نشانیاں ہیں،

وَلَهُ اسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ
طُوعًا وَكَرْهًا اِلَيْهِ يُرْجَعُونَ

(ال عمران - ۹)

آسمان و زمین میں جو بھی ہے، برضا، یا مجبوراً اوس کی
اطاعت گزار ہے، اور اوس کی طرف ایک دن
سب لوٹائے جائیں گے،

اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ وَاِخْتِلَافِ
الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيَاتٍ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ
الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُودًا
وَعَلَى جُنُودٍ يَتَفَكَّرُونَ فِىْ خَلْقِ
السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ

هٰذَا بَاطِلًا، (ال عمران - ۱۹۰)

آسمان و زمین کی خلقت، اور شب و روز کے الٹ پھیر
میں، اُن اربابِ عقل کے لیے بے شبہ بڑی نشانیاں
ہیں جو اٹھتے بیٹھتے، لیٹتے (ہر حال میں) خدا کو یاد
کرتے ہیں، اور آسمان و زمین کی خلقت پر غور کرتے
ہیں، کہ خدا یا تو نے یہ بیکار پیدا نہیں کیا،

هُوَ الَّذِى يُسَيِّرُكُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّى
اِذَا كُنْتُمْ فِى الْفُلِكِ وَجَرَبَ بِهِمَّ بِرِّجٍ
طَيِّبَةٍ وَفَرِحْتُمْ بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ
وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوْا
اَنْهُمْ اُحْيطَ بِهِمَّ دَعَا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ

وہ وہ ہے جو تم کو خشکی اور دریا میں سفر کراتا ہے، یہاں تک
کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو، اور ہوا کشتی والوں کو خوب
لیے جا رہی ہے اور لوگ خوش ہو رہے ہیں کہ (دھن)۔
زور کا جھکڑ آیا اور ہر طرف سے موجیں اُگھین اور لوگوں کو
یقین ہو چلا کہ اب وہ گھر گئے اُس وقت وہ خالص خدا

لَهُ الدِّينَ، (یونس-۳)

کو پکارنے لگتے ہیں،

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ

اور خدا کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تمہارے لئے تم ہی

أَزْوَاجًا لَتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ

سے جوڑے بنائے کہ تم کو ان سے تسلی ہو اور تم دونوں

مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ

میں باہمی محبت اور بہمدردی پیدا کی، اس بات میں سوچو

لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ، وَمِنْ آيَاتِهِ خَلَقَ

والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَخِلَافَ النَّسْتِكُمْ

آسمان اور زمین کا پیدا کرنا ہے، اور تمہاری زبانوں

وَالْوَاكِعُ، إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِلْعَالَمِينَ

اور رنگوں کا مختلف ہونا، اس بات میں جاننے والوں

وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

کے لیے نشانیاں ہیں، اور خدا کی نشانیوں میں سے

وَأَبْتَعَاءُكُمْ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ

تمہارا رات اور دن میں سونا، اور خدا کے فضل (روزی)

لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُسْمِعُونَ،

کو ڈھونڈنا ہے، اس میں سے سننے والوں کے لیے

(روم-۳)

نشانیاں ہیں،

خدا، یا ایک قوتِ اعظم کا اعتراف، خود انسان کی فطرت ہے، لیکن غفلت شعاری اور آبائی اثر
اور دیگر اسباب سے یہ فطرت کبھی کبھی مردہ اور بے حس ہو جاتی ہے، قرآن مجید اسی خفہ جس کو بیدار کرتا تھا

إِنِّي اللَّهُ شَهِدْتُ فَاحْزِنِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

کیا خدا میں شک ہے، جو آسمانوں اور زمین کا

(ابراہیم-۲)

پیدا کرنے والا ہے،

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا

اور کیسے تم خدا کا انکار کرتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے،

فَاحْيَاكُمْ ثُمَّ نُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ

تو اس نے تم کو زندگی دی، پھر وہ تم کو موت دیکھا پھر

ثُمَّ إِلَيْهِ تَرْجَعُونَ

وہ تم کو زندہ کرے گا، پھر تم اس کی طرف لوٹائے

(زمرہ-۳)

جاؤ گے،

عرب میں ملد کم تھے، زیادہ تر بلکہ قریباً تمام مشرکین تھے جو خدا کو اگر چہ مانتے تھے، لیکن یہ بھی مانتے تھے کہ اس کے سوا اور بھی خدا ہیں جو خدا کے شریک ہیں اور نظام عالم انہی کے ہاتھ سے انجام پاتا ہے، انسان کی فطرت ہے کہ جس سے براہ راست اُس کو کام پڑتا ہے، اُسکو زیادہ مانتا ہے، اُسی سے زیادہ محبت کرتا ہے، اُسی کی زیادہ پرستش کرتا ہے، چونکہ مشرکین کا اعتقاد تھا کہ بادلوں کی بارش غلہ کی پیداوار نباتات کی روئیدگی سب اجرام فلکی یا اصنام کا کام ہے، اس لیے اُن کو عبدیت کا جو کچھ تعلق تھا، انہی معبودوں سے تھا، وہ انہی کی عبادت کرتے تھے، انہی سے محبت رکھتے تھے، انہی پر نذر چڑھاتے تھے، انہی کے سامنے قربانیاں کرتے تھے، معرکوں میں انہی کے نام کی جے پکارتے تھے، اس بنا پر آنحضرت صلیع کا اصلی کام، اسی شرک اور اصنام پرستی کو مٹانا تھا، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اہل وجود باری کے متعلق بہت کم استدلال ہوا، زیادہ تر شرک کا ابطال اور اُسکی تحقیر اور تہجین ہے،

قرآن مجید طرح طرح سے نہایت مؤثر پیرایوں میں شرک کی لغویت کا اظہار کرتا تھا،

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ خِلَافًا	کیا وہ جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا، اور اس کے بیچ
الْبَحْرَيْنِ جَعَلَ لَهَا رِاسًا وَجَعَلَ بَيْنَ	میں نہرین بہائیں، اور اس کے لیے پہاڑوں کی
الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ اِلَّا مَعَ اللّٰهِ بَلْ لَّئِي	میںخین گاڑیں، اور دونوں دریاؤں میں اوٹ رکھا
لَا يَعْلَمُونَ، اَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا	کیا خدا کیساتھ کوئی اور بھی خدا ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے
دَعَاۤهُ وَيُكْسِفُ السُّوۡءَ وَيَجْعَلُ لَكُمْ خُلَافًا	کہ ان میں اکثر لوگ جانتے نہیں، کیا وہ چوپریشان
اَلْاَرْضِ ؕ اِلَّا مَعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوۡا	خاطروں کی سنتا ہے، جب وہ اس کو پکارتے ہیں
اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِى ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ	اور بلا کو ہٹا دیتا ہے اور تم کو دنیا کا حکمران بناتا ہے،
وَمَنْ يُرْسِلِ الرِّيۡحَ بُشْرًا بَيِّنَ يَدًاۤى	کیا خدا کے ساتھ کوئی اور بھی خدا ہے، تم بہت کم
رَحْمٰتِهٖ ؕ اِلَّا مَعَ اللّٰهِ تَعٰلٰى اللّٰهُ عَمَّا	سوچتے ہو، کیا وہ جو تم کو خشکی اور تری کی اندھیری

يُشْرِكُونَ، اَمَنْ يَبْدُ وَالْخَلْقَ تَتْلِيْعُهُ
 وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اِلَهٌ
 مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ
 كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ،

(نمل - ۵)

اور وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے روزی

دیتا ہو، کیا خدا کے سوا کوئی اور ہے، تو کہہ دے کہ اگر سچے

ہو تو دلیل لاؤ،

کفار اور مشرک عموماً قیامت کے منکر تھے اور کہتے تھے کہ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ یعنی جب
 ہڈیاں سڑ گئیں تو اب کون اُن کو جلائیگا، قرآن مجید ان سے خطاب کرتا تھا،

اَلَمْ يَكُنْ لَّكَ نُفْلَةٌ مِّنْ مَّنِّيْ تُمْنٰى، شَرَكَا
 كِيَا انسان پہلے منی نہیں تھا، پھر گوشت کا لوتھڑا بنا،

عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى، فَجَعَلَ مِنْهُ الذَّوْجَيْنِ
 پھر خدا نے اس کو ٹھیک کیا اور اس سے دو جوڑ مرد و

الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى، اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِهَدٰى
 عورت بنائے کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مرد کو زندہ کرے،

عَلٰى اَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتٰى، (قیامت - ۲)

غرض عقائد، عبادات، اخلاق، اعمال ہر چیز کو قرآن اس موثر اور دلنشین طریقہ سے ادا کرتا تھا کہ
 دل میں گھر کر جاتا تھا اور رسم و عادت کا بند اس سیلاب کو کسی طرح روک نہیں سکتا تھا، اس پر بھی جو کفر
 پر ثابت قدم رہے وہ ذاتی اغراض کا اثر تھا، حقیقی محمود اور انکار نہ تھا،

تمام بڑے بڑے صحابہ بڑے بڑے رؤساء قبائل، بڑے بڑے شعراء اور خطباء قرآن ہی سن کر ایمان
 لائے، حضرت عمرؓ اس ارادہ سے چلے تھے، لیکن جب قرآن مجید کی آیتیں سنیں تو کانپ اُٹھے اور اسلام
 قبول کر لیا، عقبہ جو رئیس قریش اور علوم عرب کا ماہر تھا جب اُس نے آنحضرت صلیع کی خدمت میں آکر

کہا کہ تم نبوت کی دعوت سے باز آؤ تم تمہارے لئے سب کچھ فہیا کر دیتے ہیں، آپ نے حکم کی ابتدائی آیتیں پڑھیں، جب یہ آیت آئی،

فَاِنْ اَعْرَضُوْا قَلَّ اَنْذَارُكُمْ صَاعِقَةٌ
تو اگر وہ منہ پھیرے تو کہہ دے کہ میں تم کو اس کڑک سے

مِثْلَ صَاعِقَةٍ عَادٍ وَتَمُوْدُ (حکمِ فضلت) ڈالتا ہوں جو عاد و ثمود کی کڑک کی طرح ہے،

تو عقبہ نے بیتاب ہو کر آنحضرت صلیع کے منہ پر ہات رکھ دیا اور کہا خدا کے لئے بس، تم کو قربت کی قسم

دلالتا ہوں، پھر واپس جا کر قریش سے کہہ دیا کہ محمد جو کلام پیش کرتے ہیں وہ شعر ہونہ جادو ہے، نہ

کہانت ہو، (بلکہ کوئی اور چیز ہے) حضرت ابوذرؓ نے اسلام لانے سے پہلے اپنے بھائی انیس کو جو شعر آ

عرب میں تھے، آنحضرت صلیع کی خدمت میں تحقیق حال کے لیے بھیجا تھا، وہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہو

اور قرآن مجید سنا تو جا کر حضرت ابوذرؓ سے کہا کہ لوگ اُن کو کاہن اور شاعر کہتے ہیں، لیکن میں کاہنوں

اور شعراء دونوں کے کلام سے واقف ہوں، ان کا کلام دونوں سے الگ ہے، انیس کے بعد حضرت

ابوذرؓ خود گئے، اور واپس آئے تو اُن کا آدھا قبیلہ اُسی وقت مسلمان ہو گیا،

ولید بن مغیرہ (حضرت خالدؓ کا باپ) جو اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا جب آنحضرت صلیع کی خدمت

میں حاضر ہوا اور آپ نے یہ آیتیں پڑھیں،

اِنَّ اللّٰهَ يَآمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَيَنْهٰى
خدا عدل کا، احسان کا اور شر و ابدون کو عطا کرنے کا

ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ
حکم دیتا ہے اور فحش سے، بری بات سے، اور ظلم سے

وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾
منع کرتا ہے وہ تم کو سمجھاتا ہے کہ شاید تم سمجھ جاؤ۔ یہ آیتیں

ولید نے کہا پھر پڑھنا، آپ نے دوبارہ پڑھا، وہ واپس گیا اور قریش سے جا کر کہا کہ یہ انسان کا کلام

علامہ ابن تیمیہ نے ابواب الصیچ جلد ۴ صفحہ ۴۴ میں مستدلو علی وغیرہ سے یہ روایت نقل کی ہے، نیز یہ روایت مستدرک حاکم میں بھی ہے،
۱۷ صحیح مسلم فضائل حضرت ابوذرؓ ص ۱۷ ابواب الصیچ جلد ۴ ص ۱۷ بحوالہ عبد الرزاق،

عثمان بن مظعون بڑے پایہ کے صحابی، اور سابقین اسلام میں ہیں، یہی آئین ہیں جنکو سکر کے دل نے سب سے پہلے اسلام کا جلوہ دیکھا، وہ خانہ کعبہ کو جا رہے تھے کہ آنحضرت صلم نے راستہ میں اپنے پاس بٹھالیا، پھر فرمایا کہ ابھی مجھ پر یہ کلام اتر رہا ہے یہ کہہ کر آپ نے اوپر والی آئین پڑھیں، وہ کہتے ہیں یہ پہلا موقع تھا کہ اسلام نے میرے دل میں گھر کیا!

جبر بن مطعم نے کفر کے زمانہ میں آنحضرت صلم کو سورہ طور پڑھتے سنا جب اس آیت پر پہنچے،
 اَمْ خَلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمْ الْخَالِقُونَ
 اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلٰ لَا
 يُوقِنُوْنَ، اَمْ عِنْدَ هُمْ خَزَاۤئِنُ رَّبِّكَ
 اَمْ هُمْ الْمُصِيطِرُونَ، (طور ۲-۱۷)
 کیا یہ لوگ از خود پیدا ہو گئے، یا یہ خود خالق ہیں کیا
 آسمان اور زمین کو انھیں لوگوں نے پیدا کیا بلکہ
 (واقعہ یہ ہے کہ) ان کو ایمان نہیں، کیا ان کے
 پاس خدا کے خزانے ہیں، کیا یہی لوگ سربراہ ہیں

تو خود جبر کا بیان ہے کہ مجھ کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل اڑ چلا!

طفیل بن عمرو الدوسی مشہور شاعر اور شرفاء عرب میں تھے، ہجرت سے پہلے وہ مکہ گئے لوگوں کو ان کے آنے کی خبر ہوئی تو ان کے پاس گئے اور آنحضرت صلم کی نسبت کہا کہ ان کے پاس نہ جانا وہ لوگوں پر جادو کر دیتے ہیں، لیکن جب حرم میں اتفاقاً آنحضرت صلم کی زبان سے قرآن سنا تو ضبط نہ کر سکے اور تسلسل ہو گئے،

ہجرت سے پہلے آنحضرت صلم نے جب طائف کا سفر کیا اور مشرکین کو اسلام کی دعوت دی، تو ان کے ادھر سے اس کا جواب ڈھیلا اور پتھر تھاتا ہم خالد العدوانی نے جو طائف کے رہنے والے تھے آپ کو،
 وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ، (طارق)
 قسم ہے آسمان کی اور رات کے چلنے والے ستارہ کی

لے مسند ابن جنبل جلد اول صفحہ ۳۱۸ و ادب المفرد امام بخاری، باب البغی ص ۱۵ صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ طور، ۱۵ ان کے اسلام کا حال ابن القیم زراذل المعاد نے تفصیل لکھا ہے اور ابن اسحاق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مسند ابن جنبل جلد ۵ صفحہ ۳۳۵،

پڑھتے سنا تو وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے اسی حالتِ کفر میں پوری سورہ یاد کر لی، اور آخر اسلام لائے۔
 حضرت ابو بکرؓ کو قیام مکہ کے زمانہ میں بعض مشرکین نے انہیں مین لے لیا تھا ان زمانہ میں حضرت معصومؓ نے ایک مسجد بنوائی تھی اور اس میں نماز پڑھا کرتے تھے، لیکن نماز بابت آواز سے پڑھتے تھے، آواز سن کر محلہ کے نوجوان اور عورتیں جمع ہو جاتیں، اور قرآن سنتیں تو ان کا دل خود بخود اسلام کی طرف کھینچتا، چنانچہ اسی بنا پر کفار نے حضرت ابو بکرؓ سے شکایت کی کہ تم ان پکار کر نہ پڑھا کرو، اس سے ہمارے بچے اور عورتیں ہفتون ہوتی جاتی ہیں، انصار اول اول جب مقام عقبہ میں اسلام لائے تو قرآن ہی سن کر لائے تھے، جو لوگ داعی بنا کر بھیجے جاتے ان کو قرآن یاد کرایا جاتا اور وہ جہان جاتے یہی کارگر آلا تخیل کر جاتے، نجاشی کے دربار میں کفار قریش جب سفیر بن کر گئے اور ان کی تسکایت پر نجاشی نے مسلمانوں کو بلا کر باز پرس کی تو حضرت جعفر طیارؓ نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں، نجاشی بے اختیار رو پڑا اور کہا کہ خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل ایک ہی چشمہ سے نکلے ہیں،

جس میں جب آپؐ کی بعثت کا چرچا ہوا تو بنی شخص جو مذہباً عیسائی تھے تحقیق حال کے لیے مکہ میں آئے اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؐ نے ان کے سامنے قرآن مجید کی آیتیں پڑھیں، ان کی آنکھوں سے خیمہ آنسو جاری ہو گئے اور اسی وقت اسلام لائے، آنحضرت صلمؐ کے پاس سے یہ لوگ اٹھے تو ابو جہل نے ان سے ملکر کہا تم سخت احمق ہو، اتنے دور سے سفر کر کے آئے اور دم بھر میں اپنا مذہب بدل لیا، انھوں نے کہا ہم تم سے لڑنا نہیں چاہتے، کَلِمَةُ دِينِكُمْ وَلَكُنَا دِينُنَا،

قرآن کی پیشینگوئیوں کی صداقت نے بھی لوگوں کے دلوں کو کھینچا، چنانچہ اہل ایران کے مقابلہ میں یونان کی فتح کی جو پیشینگوئی کی تھی جس دن یہ پیشینگوئی حرف بکرت پوری ہوئی، صد ہا کافر مسلمان تھے، ایک ضروری نکتہ عام خیال یہ ہے کہ اہل عرب جو قرآن مجید سن کر اسلام قبول کر لیتے تھے صرف فصاحت و بلاغت

کی بنا پر یعنی چونکہ عرب میں شعر و خطابت کا بہت چرچا تھا، اور تمام ملک میں شاعری کا مذاق سرایت کر گیا تھا، اس لیے جب وہ دیکھتے تھے کہ اور کسی شاعر یا خطیب کا کلام ایسا فصیح و بلیغ نہیں ہے تو وہ اسلام قبول کر لیتے تھے۔ بے شک قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معجز ہے، لیکن اسکا اعجاز جس قدر عبارت و انشائین ہے اس سے زیادہ معنی و مطالب میں ہے،

فرض کرو کہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے ایسا ہی معجز ہوتا جیسا اب ہے لیکن اس میں صرف تاریخی واقعات یا اسی قسم کی اور کوئی بات ہوتی تو کیا یہی اثر پیدا ہو سکتا تھا، قرآن مجید ایک طرف تو فصاحت و بلاغت کے بنا پر اعجاز کا کام دیتا تھا، دوسری طرف جو مطالب اور مقاصد ادا کرتا تھا وہ اسلام ہی کے مقاصد اور مطالب تھے، وہ خدا کی عظمت و جلالت، انسان کی تحقیر، انسان کا بغض و تعبد، سزا و جزا، بعث و نشر، جور و ظلم کی تفسیح، اخلاق حسنہ کی تحسین، ان مطالب کو اس طرح ادا کرتا تھا کہ خود بخود دل میں گھر کرتے جاتے تھے، اور ان کو یہ نظر نہیں آتا تھا کہ وہ ان باتوں کو اس لیے مان رہے ہیں کہ مسلمان ہو چکے ہیں، بلکہ یہ باتیں براہ راست ان کے دل میں اتر جاتی تھیں اور وہ مسلمان ہوتے جاتے تھے،

موانع کا ازالہ | عرب کو جو چیزیں اسلام سے روکتی تھیں ان میں سب سے اہم (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں) ان کے ادا و اعتقادات باطلہ تھے، جو سیکڑوں ہزاروں برس سے چلے آتے تھے، یا سیاسی و معاشی ضرورتیں تھیں، مقدم الذکر باتوں کا قرآن مجید اور اعجاز نبوی نے استیصال کر دیا، عرب میں جو لوگ صاحبِ فہم اور ذی اثر تھے اور سیاسی اپنا سے مجبور نہ تھے، یہ ناممکن تھا کہ وہ قرآن سنتے اور ان کے تمام عقائد اور ادہام دفعہ فنانہ ہو جاتے، یہ ارباب اثر جو عہد متاثر ہو جاتے تھے، تو ان میں سے ایک ایک شخص کے اثر سے ہزاروں مسلمان ہو جاتے تھے، کیونکہ قبائل پرستی کی بنا پر قبیلہ کا ایک معزز اور رئیس اپنے پورے قبیلہ کے دل و دماغ کا مالک تھا،

البتہ جو لوگ سیاسی اسباب سے مطلقاً دعوتِ اسلام کی طرف متوجہ ہی ہونا نہیں چاہتے تھے، انھوں نے بار بار دار النبوۃ (مدینہ منورہ) پر چڑھائیاں کیں، لیکن نصرتِ ایزدی نے ان کو اس قدر شکستیں دیں کہ بالآخر

مجبور ہو کر بیٹھ گئے، ان میں سے کچھ قتل ہو گئے، کچھ چارنا چار اسلام کے حلقہ میں داخل ہوئے جنہیں سے اکثر رفتہ رفتہ باطنی
دل سے مسلمان بن گئے،

قبائل کی ریاست سیاسی حیثیت سے گو اسلام کے مخالف تھی، لیکن بعض وجوہ سے اسلام کو تائید بھی پہنچاتی
تھی، اسلام کی جمہوریت جس قدر ریاست کی مخالف تھی، اس قدر عام جماعت کی حامی تھی، اسلام سے اگر ایک رئیس
کی شان ریاست و خود سری کو نقصان پہنچتا تھا، تو ہزاروں آدمیوں کو نظر آتا تھا کہ اسلام قبول کر لینے سے ہر شخص
رئیس کا ہمسرہ ہو جاتا ہے، غرض اسلام اگر ایک رئیس کو مٹاتا تھا تو سینکڑوں کو رئیس بنا دیتا تھا،
اس کے ساتھ رُوسا کی ریاست بالکل زائل نہیں ہو جاتی تھی، بلکہ اسلام قبول کرنے پر وہ اپنے قبیلہ کے رئیس
باقی رہتے تھے، صرف اتنا ہوتا تھا کہ ان کی بے قید مطلق العنانی قائم نہیں رہتی تھی، اور اسلامی احکام کا پابند رہنا
پڑتا تھا، اس لیے اگر کوئی خود غرضی بھی کرنا چاہتا تھا تو اس کو بھی یہ سودا اگر ان نہیں پڑتا تھا، مولفہ القلوب کا گروہ
اس کی ایک صریحی نظیر تھا،

اب صرف معاش کی ضرورت سب راہ ہو سکتی تھی، لیکن لوگوں کو نظر آتا تھا کہ جن حدود میں اسلام کی حکومت
قائم ہو جاتی ہے، وہاں امن و امان قائم ہونے کی وجہ سے تجارت اور دیگر ذرائع معاش کثرت سے ترقی کر جاتے
۲۔ نبوت کے متعلق ان کو جو شکوک تھے مشاہدہ اور تجربہ نے ان کا پردہ چاک کر دیا، بڑی سے بڑی انتہا
اور پاک سے پاک زندگی کا جو تخیل ایک انسان کے ذہن میں آسکتا تھا، محمد رسول اللہ کی زندگی اُس سے
بھی بدرجہا بالاتر اور ارفع تھی، ان کو نظر آتا تھا کہ گو مدعی نبوت بظاہر جائزہ بشریت میں ہے، لیکن اپنی مغوی زندگی
اپنے معجزانہ اخلاق، اپنے مافوق الفطرت علم و معرفت، اپنے ربانی کرشموں کی بنا پر بشریت سے کوئی بالاتر مخلوق
ہے، مَا هَذَا بَشَرًا اِنْ هَذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ قرآن مجید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق نبوت پر اسی مقدس
اور معصوم زندگی سے استدلال کیا ہے،

فَقَدْ كَلَّمْتُ فِیْكُمْ عَنْ مِّنْ قَبْلِهِ اَفَلَا
اَسَ قُرِیشٌ بِنُبُوَّتِیْ مِنْ قَبْلِهِ مِنْ اَمِیْنٍ

تَعْقِلُون ۵ (یونس-۲) - دراز تک زندگی بسر کی ہے کیا تم نہیں سمجھتے،

زندگی کا یہی اعجاز تھا جس نے ظہورِ نبوت سے پہلے ہی امین کا خطاب اپنے لیے حاصل کر لیا تھا، یوی کے برابر انسان کے اصلی حالات و اخلاق کا واقفکار کوئی اور نہیں، نبوتِ محمدی کا معتقد اولین دنیا میں کون تھا ام المؤمنین خدیجہ بنت خویلد لیکن اُن کی اس زود اعتقادی کاراز کیا تھا، ۵ برس کے معجزانہ اخلاق اور فوق الفطرۃ اوصاف و حالات کا تجربہ اودہ خود پیغمبر کو خطاب کر کے نبوت کی تسکین ان الفاظ میں دیتی ہیں: ”محمد خدا تعالیٰ تمہیں رسوا نہ کر لگا، تم رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرتے ہو، ناداروں کی طرف سے قرض ادا کرتے ہو، محتاج کی خبر لیتے ہو، یمانوں کے ساتھ برادرات پیش آتے ہو، جو لوگ حقیقت میں مبتلائے آلام ہیں انکی اعانت کرتے ہو“ سن چکے ہو کہ عرب میں آپکی نبوت کا جب چرچا پھیلا تو ابوذر غفاریؓ نے انہیں اپنے بھائی کو تحقیق جاننے کے لیے بھیجا، انھوں نے واپس آکر پیکرِ نبوت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا: ”میں ایک ایسے شخص کو دیکھ کر آیا ہوں جو بھلائیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے“

نبوت کے بعد قریش نے ذاتِ نبوی کے ساتھ گوءعداوت اور کینہ پروری کا کوئی پہلو اٹھا نہیں رکھا تھا، کوئی ادنیٰ اخلاقی جرم بھی اُس کے ساتھ منسوب نہ کر سکے، اسلام کے سب سے اول اعلانِ دعوت کے موقع پر جب آپ نے ایک پہاڑ پر کھڑے ہو کر قریش کے مجمع کو طلب کیا اور پوچھا کہ اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر ایک فوج گراں تم پر حملہ آور ہونے کو تیار ہے تو کیا سچ مانو گے؟ سب نے بیک آواز کہا ”محمد! تیری بات آج تک ہم نے کبھی جھوٹ نہ پائی“ ابو سفیان جو ہجرت کے اٹھویں سال تک اسلام کے سخت ترین دشمن تھے، سترہ سال قبل قیصرِ روم کے دربار میں کفارِ قریش کی ایک جماعت کیساتھ محمد رسول اللہ کے اخلاق و اوصاف کے متعلق اپنی شہادتیں پیش کر رہے تھے، تاہم وہ ایک حرف بھی صداقت کے خلاف پیش نہ کر سکے، انھوں نے شہادت دی کہ محمدؐ کبھی جھوٹ نہیں بولے، انھوں نے کبھی بدعتی نہ کی، شرک سے روکتے ہیں، توحید کی تعلیم دیتے ہیں

۱۔ صحیح بخاری، بدر الوحی، ۱۷۹ صفحہ ۱۷۹، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵

عبادت، صدق، عفت، صلہ رحمی کی تاکید کرتے ہیں، ہر قہر ہر فقرہ پر کستا جاتا تھا کہ نبوت کے یہی آثار و دلائل ہیں، یہ سب سے پہلا دن تھا کہ ابوسفیان کے دل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کا یقین کیا،

کتاب کی دوسری جلد میں آپ کے تمام محاسن اخلاق یعنی رفق، ملاطفت، حسنِ معاشرت، جود و سخا، عدم تشدد، درگزر وغیرہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے، اُس پر مجموعی طور پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ تھا اور یہ معجزہ تسخیرِ قلوب ہی کے لیے عطا ہوا تھا، قرآن مجید اس نکتہ کو خود بتاتا ہے،

لَوْ كُنْتَ فَظًا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْكَ
مُحَمَّدٌ أَرْتَمَ رِشْتَ خُودَ وَرِشْتَ دِلَ هَوْتِ تَوَلَّوْكَ تَحَا

حَقِّكَ، (ال عمران - ۱۶) پاس سے چل دیتے،

آپ کی یہی معجزانہ کنش تھی جو لوگوں کو کھینچ کھینچ کے دائرہ اسلام میں داخل کرتی تھی، اور کفار کے جاہلانہ شکوک و ادہام کو دم کی دم میں مٹا دیتی تھی، صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص نے آپ سے بہت سی بکریاں مانگیں آپ نے دیدین، اُس پر آپ کی فیاضی کا اس قدر اثر پڑا کہ اپنے قبیلے میں آکر اُس نے کہا "لوگو! مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمدؐ اس قدر دیتے ہیں کہ خود اُن کو اپنے تنگ دست ہونے کا مطلق خوف نہیں ہوتا،"

فتح مکہ میں جب صفوان بن امیہ مجبوراً اسلام لایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تین سو اونٹ دیدیئے، خود صفوان کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اس قدر دیا کہ آپ پہلے میرے نزدیک بغوض ترین خلق تھے لیکن اس فیاضی سے محبوب ترین شخص بن گئے، ہند خاندانِ نبوت کی قدیم ترین دشمن تھی، جنگِ احد میں قوتِ بازو اسلام حضرت حمزہؓ کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسی نے آپ کے دل کو چاک چاک کیا تھا اور اسی نے اُن کے ناک کان کاٹ کر گلے کا ہار بنایا تھا، فتح مکہ میں بھیس بدل کر آپ کی خدمت میں اسلام لانے کے لیے حاضر ہوئی، تب بھی گستاخی سے باز نہیں آئی، لیکن دربارِ رسالت میں پہنچا آپ کے حسنِ خلق سے اس قدر متاثر ہوئی کہ بے اختیار بول اٹھی، یا رسول اللہ! سطحِ زمین پر آپ کے گھرانے سے زیادہ کوئی گھرانا مجھے بغوض نہ تھا، لیکن

لے صحیح بخاری ج ۱، ابوالدحیٰ ص ۱۲۹، صحیح مسلم ج ۱، صفحہ ۲۹، باب ۱۱، رسول اللہ ﷺ، قتال لاء، صحیح بخاری باب ۱۱، جن الخلق لاء، صحیح مسلم باب ۱۱، مذکور

آج آپ کے گھرانے سے کوئی گھرانہ خوب نہیں ہے، آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ خدا کی قسم ہمارا بھی یہی حال تھا،
 آپ پر ایک یہودی عالم کا قرض آتا تھا، اُس نے تقاضا کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں
 اُس نے کہا کہ میں تو بے ہی کے ٹلوں کا آپ نے کہا تو اب میں تمہارے ساتھ بیٹھتا ہوں، چنانچہ آپ ظہر سے لیکر فجر کی
 نماز تک اُس کے ساتھ بیٹھے رہے، صحابہ نے اس کی اس گستاخی پر ناراضی ظاہر کی اور خدمتِ اقدس میں عرض
 کی کہ یا رسول اللہ آپ کو ایک یہودی نے روک رکھا ہے، آپ نے فرمایا ہاں، لیکن مجھے خدا نے اس سے
 منع کیا ہے کہ میں کسی ذمی یا اور کسی شخص پر ظلم کروں، دن چڑھا تو یہودی نے کلمہ پڑھا اور کہا کہ ”میرا نصف مال
 خدا کی راہ میں صدقہ ہے، میں نے یہ گستاخی صرف اس لیے کی کہ توراۃ میں پیغمبر کے جو اوصاف مذکور ہیں اُن کا
 تجربہ کروں۔“

ثمامہ ابن اثال یمامہ کا ایک رئیس تھا جو اسلام کا مجرم تھا، صحابہ کا ایک دستہ نجد کے اطراف میں بھیجا گیا
 تھا، حسن اتفاق سے وہ راہ میں مل گیا، گرفتار ہو کر مدینہ آیا اور مسجد نبوی کے ایک ستون میں باندھ دیا گیا، آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے تشریف لائے تو اس پر نظر پڑی، آپ نے دریافت کیا، کہ ثمامہ تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کیا ہے؟
 اُس نے کہا کہ اگر قتل کرنا چاہیں تو ایک خونی مجرم کو آپ قتل کرین گے، اور اگر عفو فرمائیں تو یہ احسان ایک
 احسان شناس کی گردن پر ہوگا، اگر مال کی خواہش ہے تو فرمائیے جو ارشاد ہوگا حاضر کیا جائے گا، یہ سن کر آپ
 اسی حالت میں اس کو چھوڑ کر چلے گئے، دوسرے دن پھر اسی قسم کا سوال و جواب ہوا، تیسرے دن پھر یہی گفتگو
 کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اُس کے بند گروہ کھول دیئے اور رہا کر دیا، اس پر اس واقعہ کا یہ
 اثر ہوا کہ مسجد سے نکل کر ایک کھجور کے درخت کی اڑ میں گیا اور وہاں غسل کیا، غسل کر کے مسجد میں آیا اور
 کلمہ توحید پڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مخاطب ہوا، ”محمدؐ! زمین پر آپ کے چہرے سے زیادہ کوئی چیز مجھ کو
 مبغوض نہ تھی، لیکن آج وہ مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے، مجھ کو آپ کے دین سے زیادہ کسی دین سے عداوت

نہ تھی، لیکن آج وہ میرے لیے تمام مذاہب سے عزیز تر ہو گیا ہے، مجھے آپ کے شہر سے زیادہ کسی شہر سے دشمنی نہ تھی، لیکن وہ آج مجھ کو تمام شہروں سے زیادہ خوش نما نظر آتا ہے،

ایک بار آپ کسی سفر میں تھے اور ساتھ میں مطلق پانی نہ تھا، صحابہ نے پیاس کی شکایت کی، آپ نے ایک صحابی کے ساتھ حضرت علیؓ کو پانی کی جستجو میں روانہ فرمایا، راہ میں ایک عورت اونٹ پر پانی کی دو گالیں بھرے ہوئے لیے جا رہی تھی، دونوں صاحب اُس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے، آپ نے برتن منگوائے اور مشکون کے منہ کھول دیئے، صحابہ نے باری باری سے پانی پینا شروع کر دیا وہ کھڑی یہ تماشا دیکھتی رہی فراغت کے بعد اس کی محنت کے صلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور اٹا، اور ستوتھوڑا تھوڑا لوگوں سے جمع کر کے ایک کپڑے میں باندھ کر اُس کے اونٹ پر لہو دیا، وہ گھڑبچی تو لوگوں نے تاخیر کا سبب پوچھا، اُس نے کہا راہ میں مجھ کو دو آدمی ملے اور وہ مجھ کو اُس شخص کے پاس لے گئے، جس کو لوگ بدین کہا کرتے ہیں، خدا کی قسم وہ بڑا جادوگر ہے، اور واقعی خدا کا رسول ہے،

لیکن اسلام کا یہ اثر صرف اُسی کی ذات تک محدود نہ رہا، بلکہ تربیت یافتگانِ نبوت کے فیضِ اثر سے اُس کے تمام قبیلے تک وسیع ہو گیا،

نبوت کے امتیاز و شناخت کا ذریعہ صرف اخلاق ہی کا اعجاز نہیں، اس کی زبان کا ایک ایک حرف اس کی معصوم شکلِ صوت کی ایک ایک ادا اعجاز اور سرتاپا اعجاز ہوتی ہے،

”رُحی وَاَدْرِیْ سِیْرَ مَعْجَزِہِ اسْتِ“
”رومی“

آپ کی صداقت سے لبریز تقریر کا ایک ایک حرف دل میں اتر جاتا تھا اور نبوت کا اصلی معیار اس کے سامنے روشن ہو جاتا تھا،

جب آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو تمام مدینہ میں غل ہو گیا، حضرت عبداللہ بن سلام جو مدینہ کے مشہور یہودی عالم تھے اپنے نخلستان میں کھجور توڑ رہے تھے، آمد آمد کی خبر ان کے کان میں پہنچی تو فوراً آپ کی

لے صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۷۷ کتاب الجہاد والسیرۃ بخاری جلد ۹ صفحہ ۴۴ کتاب التیمم

خدمت میں حاضر ہوئے، آپ فرما رہے تھے، افشوا السلام واطعموا الطعام ووصلوا الارحام ووصلوا
الناس نیا مدت خلوا الجنة بسلا، واپس گئے تو اس قدر متاثر تھے کہ آنحضرت صلعم اٹھ کر حضرت ابویوب انصاریؓ
کے مکان میں جو نبی پہنچے، حضرت عبداللہ بن سلام بھی آئے، اور کہا کہ میں آپ کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں
اور نیزہ شہادت دیتا ہوں کہ آپ ایک حق مذہب لیکر آئے ہیں،

خدا ایک شخص تھے جنکے ساتھ زمانہ جاہلیت میں آپ کے دوستانہ تعلقات رہ چکے تھے، وہ جنون کا علاج
کرتے تھے، اتفاق سے وہ مکہ میں آئے، تو کفار سے سنا کہ آپ (نعوذ باللہ) مجنون ہو گئے ہیں، وہ آپ کے پاس آئے
اور کہا ”محمد! میں جنون کا علاج کرتا ہوں“ اس کے جواب میں آپ نے ایک تقریر کی اور اس کو ان الفاظ سے شروع کیا

الحمد لله نعمه ونستعينه من يهده

اللهم فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي

له واشهد ان لا اله الا الله وحده لا

شريك له واشهد ان محمدا عبده و

رسوله،

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کا بندہ اور اس کا رسول ہے،

اُن پر ان فقرہوں کا یہ اثر پڑا کہ وہ مکرر سننے کے مشتاق ہوئے، آپ نے تین باریہ کلمات اعادہ فرمائے انھوں
نے کہا کہ میں نے کانہوں، جادو گروں اور شاعروں کا کلام سنا ہے، لیکن آپ کے اس کلام کی طرح مؤثر کلام
کبھی نہیں سنا، وہ سمندر تک پہنچ جائیگا تاہم لائیے میں اسلام پر سبیت کرتا ہوں،

حضرت علیمہ کے شوہر حارث یعنی آپ کے رضاعی باپ جب مکہ میں تشریف لائے تو قریش نے کہا کچھ سنا
ہے، تمہارا بیٹا کہتا ہے کہ لوگ مر کر پھر زندہ ہو گئے، انھوں نے آپ سے کہا، بیٹا یہ کیا کہتے ہو؟ آپ نے نہایت زوردار

۱۔ سند ابن خنبل جلد ۴ صفحہ ۴۲، ۲۔ بخاری جلد ۴ صفحہ ۵۰۵ باب حجۃ النبی صلعم واصحابہ الی المدینہ، ۳۔ مسلم باب تخفیف الصلوۃ والصلۃ

لہجہ میں فرمایا، ہاں اگر وہ دن آیا، تو آپ کا ہاتھ پکڑ کر تبادون گا کہ جو کچھ میں کہتا تھا سچ تھا، اُن پر اسکا یہ اثر پڑا کہ فوراً مسلمان ہو گئے، اور یہ اثر اس قدر دیر پا ہوا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر میرا بیٹا ہاتھ پکڑے گا تو جنت میں پہنچا ہی کر چھوڑے گا۔ انسان کا چہرہ حقیقت کا آئینہ ہے، آپکی ادا و اصدافت اور مصونیت کا پیکر تھی، آپکی شکل نہایت پُر جلال تھی چہرہ پر نور تھا، آواز موقر اور پُر رعب تھی، اور ان تمام چیزوں کا مجموعی اثر سیرتِ انبیاء کے ساتھ دلون کو اپنی طرف جذبہ کر لیتا تھا، اسی اثر سے متاثر ہو کر حضرت عبداللہ بن سلام نو مسلم یہودی عالم آپکے چہرہ مبارک کو دیکھ کر بے اختیار بول اٹھے تھے،

وجہ لیس بوجہ کذا ب، (ترمذی ص ۱۲۷) جھوٹے آدمی کا یہ چہرہ نہیں ہو سکتا،
اور یہی کشش تھی جسکا اظہار حجۃ الوداع میں اعرابِ بادیہ کی زبان سے ان الفاظ میں ہوتا تھا،
ہذا وجہ مبارک (ابوداؤد، حج جلد ۱ ص ۱۶۱) یہ مبارک چہرہ ہے یا

بارگاہِ نبوت میں پہنچنے کے ساتھ ہی یہ اثر آنکھوں کی راہ سے دل میں پہنچ جاتا تھا، ابورافع نام ایک شخص قریش کی طرف سے قاصد بنکر آپکی خدمت میں آئے تھے، جون ہی چہرہ اقدس پر نظر پڑی وہ ہزار جان نثید تھے، اسلام قبول کیا اور آپکی غلامی کو فخر سمجھا،



اسلام

یا

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغمبر شہرام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس عظیم شان پیغام کو لیکر آئے تھے اور جس مہتمم با نشان کام کو انجام دینے کے لیے بھیجے گئے تھے، نیک دل اور حقیقت شناس لوگ تو سننے اور دیکھنے کے ساتھ اُس کے قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے، لیکن وہ بھی جنکے دل کے آئینے زنگ آلود تھے، پیغام کی سچائی، وحی کی تاثیر پیغمبر کی پُر اثر دعوت، اعجاز معصومیت اور اخلاق کے پُر توست صاف و شفاف ہوتے گئے اور عواقب، موانع، شہادت اور شکوک کی توہر توطلتیں اور تاریکیاں رفتہ رفتہ چھلٹی چلی گئیں، اور اسلام کا نور روز بروز زیادہ صفائی اور چمک کے ساتھ عرب کے افق پر درخشان ہوتا ہوا ہوتا گیا، یہاں تک کہ ۲۳ برس کی مدت میں ایک متحدہ قومیت، ایک متحدہ سلطنت، ایک متحدہ اخلاقی نظام، ایک کامل قانون، ایک کامل شریعت، ایک ابدی مذہب اور علی جماعت، خدا پرستی، اخلاص، ایثار، تدقن، تقویٰ، ایمانداری، اخلاق اور سچائی کا ایک محکم عہد یعنی ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان پیدا ہو گیا، اور گویا یہی حقیقت تھی جسکی طرف آپ نے اپنی امت کے سب سے بڑے مجمع میں (حجۃ الوداع) اپنی وفات سے تقریباً دو ماہ پیشتر یہ ارشاد فرمایا،

اَلَا اِنَّ الزَّمانَ قَدْ اسْتدارَ کَھيعةً یومَ ہاں اب زمانہ کا دور اپنی اُسی حالت پر گیا جس حالت

خَلَقَ اللہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ، (بخاری) پُر اُس دن تھا، جس دن خدا نے آسمان و زمین کو پیدا کیا،

اور یہی حقیقت تھی جس کی نسبت آپ نے اپنی وفات سے کچھ دنوں پیشتر ایک نہایت پروردگار تعالیٰ

کے آخرین یہ الفاظ فرمائے،

قد ترکتم علی البیضاء لیسما کنھا دھا مین تم کو ایک روشن راستہ پر چھوڑ جاتا ہوں جسکی روشنی کا یہ حال ہو کہ اوکی رات بھی دن کے مانند ہے،

اور آخر حجۃ الوداع کے مجمع عام میں تکمیل کی بشارت آئی کہ
 اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمُ دِیْنَکُمْ وَ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ
 اَج مین نے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر
 نَعَمْتُ (مذہب - ۱) ختم کر دی،

پروفیسر مارگو لیتھ جنکی تائیدی شہادت بہت کم مل سکتی ہے لکھتے ہیں:-

”محمدؐ کی وفات کے وقت اُن کا سیاسی کام غیر مکمل نہیں رہا، آپ ایک سلطنت کی جکا
 ایک سیاسی و مذہبی دارالسلطنت مقرر کیا گیا تھا، بنیاد ڈال چکے تھے، اپنے عرب کے متشعبان
 کو ایک قوم بنا دیا تھا، اپنے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا، اور اُن مین ایک ایسا
 رشتہ قائم کیا، جو خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا۔“

ایک دُور (یورپ) کے بیگانہ مستشرق کی نسبت جبکا علم، عرب اور اسلام کے متعلق صرف چند کتابوں
 سے مستعار ہے، خود ایک عرب عیسائی اہل قلم کو فیصلہ کا زیادہ حق ہے، بیروت کے مسیحی اخبار الوطن نے ۱۹۱۱ء مین
 لاکھون عرب عیسائیوں کے سامنے یہ سوال پیش کیا تھا کہ دنیا کا سب سے بڑا انسان کون ہے؟ اس کے جواب مین ایک
 عیسائی عالم (دو اور مجا عس) نے لکھا:

”دنیا کا سب سے بڑا انسان وہ ہے جس نے دس برس کے مختصر زمانہ مین ایک نئے مذہب

ایک نئے فلسفہ، ایک نئی شریعت، اور ایک نئے تمدن کی بنیاد رکھی، جنگ کا قانون بدل دیا

۱۷ سنن ابن ماجہ الواب سنت و بدعت و مستدرک حاکم جلد اول صفحہ ۹۶ و منذ ابن حنبل جلد ۲ صفحہ ۱۲۶ لائف آف محمد
 مارگو لیتھ صفحہ ۱۴۴ مدینہ منورہ مین آپ دس برس زندہ رہے تھے،

اور ایک نئی قوم پیدا اور ایک نئی طویل عمر سلطنت قائم کر دی، لیکن ان تمام کارناموں کے باوجود وہ اتنی اور ناخواندہ تھا، وہ کون؟ محمد بن عبداللہ قرشی عرب اور اسلام کا پیغمبر، اس پیغمبر نے اپنی عظیم نشان تحریک کی ہر ضرورت کو خود ہی پورا کر دیا، اور اپنی قوم اور اپنے پیروؤں کے لیے اور اس سلطنت کیلئے جسکو اُس نے قائم کیا، ترقی اور دوام کے اسباب بھی خود مہیا کر دیئے، اس طرح کہ قرآن اور احادیث کے اندر وہ تمام ہدایات موجود ہیں جنکی ضرورت ایک مسلمان کو اُس کے دینی یا دنیاوی معاملات میں پیش آسکتی ہے، حج کا ایک سالانہ اجتماع فرض قرار دیا، تاکہ اقوام انسانی میں اہل استطاعت ایک مرکز پر جمع ہو کر اپنے دینی و قومی معاملات میں باہم مشورے کر سکیں، اپنی امت پر زکوٰۃ فرض کر کے قوم کے غریب طبقہ کی حاجت پوری کی، قرآن کی زبان کو دنیا کی دائمی اور عالمگیر زبان بنادیا کہ وہ مسلمان اقوام کے باہمی تجارت کا ذریعہ بن جائے، قوم کے ہر فرد کو ترقی کا موقع اس طرح عنایت کیا کہ یہ کہہ دیا کہ ایک مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان پر صرف تقویٰ کی بزرگی حاصل ہے، اس بنا پر اسلام ایک حقیقی جمہوریت بن گیا جبکہ رئیس قوم کی پسند منتخب ہوتا ہے، مسلمانوں نے ایک مدت تک اس اصول پر عمل کیا، یہ کہہ کر کہ عرب کو عجم اور عجم کو عرب پر کوئی فوقیت نہیں، اسلام میں داخل ہونا ہر شخص کے لیے آسان کر دیا، نامسلمانوں کے لیے اسلامی ملکوں میں عیش آرام اور امن اطمینان سے سکونت کی ذمہ داری یہ کہہ کر اپنے اوپر لے لی کہ تمام مخلوق خدا کی اولاد ہے تو خدا کا سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اسکی اولاد کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے، خاندانی اور ازدواجی اصلاحات بھی اوسکی نظر سے پوشیدہ نہ رہیں، اُس نے نکاح و وراثت کے احکام مقرر کئے، عورت کا مرتبہ بلند کیا، نزاعات اور مقدمات کے فیصلہ کے قوانین بنائے، بیت المال کا نظام قائم کر کے قومی دولت کو سیکار نہ ہونے دیا، علم کی اشاعت اور تعلیم اوسکی کوششوں کا بڑا حصہ رہی، اُس نے حکمت کو ایک مومن کا گم شدہ مال قرار دیا، اسی سبب سے مسلمانوں نے اپنی ترقی کے زمانہ میں ہر دروازہ سے علم حاصل کیا، کیا ان کارناموں کا انسان دنیا کی سب سے بڑی ہستی قرار نہ پایا جائے؟

انگلستان کے مشہور دانشور ہارڈ کارلائل نے اپنی تھیوریز این پیروورثپ "میں لاکھوں پیغمبروں اور مذہب کے بانویں میں صرف محمد عربی (صلعم) ہی کے وجود گرامی کو اس قابل سمجھا کہ وہ آپ کو نبوت کا ہیرو قرار دے، انہی کے

پڑیا برٹانیکا کا مضمون نگار محمد آپ کی نسبت کتاب ہے۔

”قرآن سے اُس شخص کے روحانی ارتقا کا پتہ چلتا ہے جو تمام نبیوں اور مذہبی لوگوں میں سب سے زیادہ کاٹنا لیا“
 الغرض دوست و دشمن سب کو اسکا اعتراف ہے کہ انبیاء میں ہی برگزیدہ ہستی ہے جس نے کم سے کم مدت میں اپنی بعثت اور رسالت کے زیادہ سے زیادہ فرائض ادا کئے اور اصلاحات انسانی کا کوئی گوشہ ایسا نہ چھوڑا جس کی تکمیل اسکی تعلیم اور عمل سے نہ ہو گئی ہو، اور یہ اس لیے کہ تمام انبیاء میں خاتم نبوت، مکمل دین، اور آخری محکم کی حیثیت آپ ہی کو عطا ہوئی تھی، اگر انسان کی علمی و اخلاقی و دینی ضرورتوں کا کوئی گوشہ آپ کے فیض سے محروم رہ کر تکمیل کا محتاج ہوتا تو آپ کے بعد بھی کسی آنے والے کی حاجت باقی رہ جاتی، حالانکہ آپ نے فرمادیا کہ ”میرے بعد کوئی نبی نہیں، میں نبوت کی عمارت کی آخری اینٹ ہوں۔“

آپ کی تعلیمات کی یہی ہمہ گیری ہے جس پر کو تاہ نبیوں کو آج نہیں بلکہ خود صحابہ کے عہد میں تعجب آتا تھا بعض مشرکوں نے حضرت سلمان فارسی سے مذاقاً کہا کہ تمہارے پیغمبر کو ہر چیز کی تعلیم دیتے ہیں، یہاں تک کہ اسکی بھی کم تم کو قضاے حاجت کیونکر کرنی چاہیے۔ حضرت سلمانؓ نے کہا ہاں یہ سچ ہے، آپ نے ہم کو یہ حکم دیا ہے کہ ہم ایسی حالت میں قبلہ رخ نہ بیٹھیں، نہ اپنے دامن ہاتھ سے طہارت کریں، اور نہ تین ڈھیلوں سے کم استعمال کریں، ان میں کوئی ہڈی اور گوبر نہ ہو، نبوت محمدیؐ کی یہ ہمہ گیری ہی اسکی تکمیل کی دلیل ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پست سے پست اور غیر متمدن سے غیر متمدن اقوام سے لیکر بلند سے بلند اور متمدن سے متمدن قوموں تک کے لیے یکساں تعلیمات اور ہدایات رکھتا ہے، عرب کے بدویوں اور قریش کے رئیسوں دونوں کے لئے آپکی بعثت تھی، اس لیے آپکی تعلیمات میں پست کو بلند، اور بلند کو بلند تر بنانے کی برابر کی ہدایات ہیں، آج ہی خبر ہے کہ افریقہ کے وحشیوں میں اسلام اپنی تعلیمات کے ساتھ تنہا جاتا ہے، اور ان کو متمدن اور مذہب بنانے کے لیے مذہب سے باہر کسی تعلیم کی اسکو ضرورت

لے انسانیکو پڑیا برٹانیکا طبع یازدہم مضمون ”قرآن“ ج ۵ صفحہ ۸۹ سے صحیح بخاری جلد اول باب خاتم النبیین وجامع ترمذی کتاب الامثال سے جامع ترمذی و سنن ابن ماجہ کتاب الطہارت،

پیش نہیں آتی ہے، لیکن عیسوی مذہب کو چند اخلاقیات چھوڑ کر کہ جن کا ماخذ انجیل ہے، عقائد پادریوں کی کونسلوں سے
دعائیں اور عبادات کلیساؤں کے حکمرانوں سے، اور تہذیب و تمدن کی تعلیمات یورپ کے بیدنیوں اور محدود
حاصل کرنی پڑتی ہیں، لیکن اسلام میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کچھ نہیں، عقائد ہوں کہ عبادات اور دعائیں
اخلاق ہوں کہ آداب تمدن، خانگی معاملات ہوں، یا لین دین کے کاروبار، انسانوں کیساتھ معاملہ ہو، یا خدا
کیساتھ، سب کا ماخذ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ گیر تعلیمات ہیں،

آپ کی ان ہمہ گیر تعلیمات کی کتاب جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے، چار ابواب پر منقسم ہے،
اور انہیں کے مجموعہ کا نام اسلام ہے،

آپ نے بتایا کہ ہر انسان کا ایک تعلق تو اپنے خالق کے ساتھ ہے، اور دوسرا اپنے خالق کی دوسری مخلوق
کے ساتھ، اسی مفہوم کو دوسری عبارت میں یوں کہو کہ اُس کا ایک تعلق اپنے آقا اور مالک کے ساتھ ہے، اور دوسرا
اپنے آقا اور مالک کے غلاموں کے ساتھ، یا یوں کہو کہ اُس کا ایک رخ تو آسمان کی طرف ہے، اور دوسرا زمین کی
سمت، اوسکو ایک لگاؤ تو عالم غیب سے ہے، اور دوسرا عالم شہود سے، پہلے کے ساتھ اُس کا تعلق ایک مہربان آقا و
فرمانبردار غلام کا ہے، اور دوسروں کے ساتھ اُس کا تعلق برادری اور بھائی چارے کا ہے، خالق اور مخلوق یا خدا
اور بندہ کے درمیان جو علاقہ اور رابطہ ہے، اُس کا تعلق اگر صرف ہمارے ذہنی قوی اور قلبی حالات ہے تو اُس کا نام
عقیدہ ہے، اور اگر اُن قلبی حالات کے ساتھ ہمارے جسم و جان اور مال و جائداد سے بھی ہے تو اس کا نام **عبادت**
ہے، ہم انسانوں انسانوں میں یا انسانوں اور دوسری مخلوقات میں جو علاقہ و رابطہ ہے، اُس کی حیثیت سے جو احکام ہم پر
عائد ہیں اگر اُن کی حیثیت محض قانون کی ہے، تو اس کا نام معاملہ ہے، اور اگر اُن کی حیثیت قانون کی نہیں
بلکہ روحانی نصیحتوں اور برادرانہ ہدایتوں کی ہے تو اُس کا نام **اخلاق** ہے،

قرآن پاک کی اصطلاح میں پہلے تعلقات کی مضبوطی اور استحکام کا نام **ایمان** ہے، اور دوسرے
تیسرے اور چوتھے کی بجا آوری کا نام **عمل صالح** ہے، اور انہیں دونوں کے مجموعہ پر کامل نجات کا انحصار ہے

عملِ صالح کی تین قسمیں ہیں، خدا کے سامنے اپنی عبودیت کا اظہار اور اس کے احکام کی تعمیل، بندوں کے ساتھ کاروبار اور معاملہ میں قانونِ الہی کی پابندی، اور ان کے ساتھ محبت، الفت، اور نیکی اور بھلائی کا برتاؤ، اور گواہی سچا سچ کہ ان میں سے ہر ایک عمل کو جبینِ خدا کی خوشنودی اور رضامندی مقصود ہو اسلام عبادتِ کتابہ لکین اصطلاح میں پہلے کا نام عبادات، دوسرے کا نام معاملات اور تیسرے کا نام اخلاق ہے، الغرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو عالمگیر شریعت اور دائمی ہدایت لے کر آئے، وہ انھیں چاروں عنوانوں کا مجموعہ ہے، یعنی عقائد، عبادات، معاملات، اور اخلاق، انھیں کی اصلاح، تعلیم اور تکمیل کے لیے آپ کی بشت ہوئی، اور یہی آپ کے پیغمبرانہ فرائض کے اصلی کام تھے،



عقائد

عقائد کی حقیقت اور اہمیت | انسان کے تمام افعال، اعمال اور حرکات، کا محور اُس کے خیالات ہیں، یہی اوستو بناتے اور بگاڑتے ہیں، یہ عام خیالات درحقیقت اُس کے چند پختہ، غیر متزلزل اور غیر مشکوک اصولی خیالات پر مبنی ہوتے ہیں، انہیں اصولی خیالات کو عقائد کہتے ہیں، یہی وہ نقطہ ہے جس سے انسانی عمل کا ہر خط نکلتا ہے، اور اوس کے دائرہ حیات کا ہر خط اسی پر جا کر ختم ہوتا ہے، ہمارے تمام افعال اور حرکات ہمارے ارادہ کے تابع ہیں، ہمارے ارادہ کا محرک ہمارے خیالات اور جذبات ہیں، اور ہمارے خیالات اور جذبات پر ہمارے اندرونی عقائد حکومت کرتے ہیں، عام بول چال میں انہیں پیروں کی تعبیر ہم ”دل“ کے لفظ سے کرتے ہیں، اسلام کے معلم نے بتایا کہ انسان کے تمام اعضاء میں اسکا دل ہی نیکی اور بدی کا گھر ہے، فرمایا،

الاولاۃ فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کُلُّہ و اذا فسدت فسد الجسد کُلُّہ
انسان کے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جو اگر درست ہے تو تمام بدن درست ہے، اور اگر وہ بگڑ گیا تو تمام بدن بگڑ گیا، خبردار کہ وہ ٹکڑا دل ہے، (صحیح بخاری کتاب الایمان)

قرآن پاک نے دل (قلب) کی تین کیفیتیں بیان کی ہیں، سب سے پہلے قَلْبٌ سَلِیْمٌ (سلامت رو دل)، جو ہر گناہ سے پاک رہ کر باطین نجات اور سلامت رومی کے راستہ پر چلتا ہے، دوسرا اس کے مقابل قَلْبٌ اَلِیْمٌ (گنہگار دل) یہ وہ ہے جو گناہوں کی راہ اختیار کرتا ہے، اور تیسرا قَلْبٌ مُنِیْبٌ (رجوع ہونے والا دل) یہ وہ ہے جو اگر کبھی بھٹکتا اور بیراہ بھی ہوتا ہے، تو فوراً نیکی اور حق کی طرف رجوع ہو جاتا ہے، غرض یہ سب نیزنگیان اسی ایک نیزنگ ہستی کی ہیں جسکا نام دل ہے، ہمارے اعمال کا ہر محرک ہمارے اہل کا ارادہ اور نیت ہے،

لہ قرآن پاک کی آیت میں یہ ہے، فَإِذَا أَتَمَّ قَلْبُکَ (بقرہ - ۳۹)

اسی بجاپ کی طاقت سے اس مشین کا ہر پرزہ چلتا اور حرکت کرتا ہے، اسی لیے آپ نے فرمایا،

انما الاعمال بالنیات (صحیح بخاری آغاز کتاب) تمام کاموں کا مدار نیت پر ہے،

اسی مطلب کو دوسرے الفاظ میں آپ نے یوں ادا فرمایا،

انما امری ما نونی فمن كانت هجرته الى شخص کے کام کا ثرہ وہی ہے جسکی وہ نیت کرے، تو جسکی ہجرت

دنیا ۱ صیدھا والی امرة ۱ نیکم ہا فہرتہ الی کی غرض دنیا کا حصول یا کسی عورت سے نکاح کرنا ہو تو اسکی

ماہاجرا الیہ، ہجرت اسی کیلئے ہے جس کے لیے اس نے ہجرت کی دینی

(صحیح بخاری آغاز کتاب) اس سے اسکو ثواب حاصل نہ ہوگا،

آج کل علم نفسیات نے بھی اس مسئلہ کو بدایہ ثابت کر دیا ہے کہ انسان کی عملی اصلاح کے لیے، اسکی قلبی

اور دماغی اصلاح مقدم ہے، اور انسان کے دل اور ارادہ پر اگر کوئی چیز حکمران ہے تو وہ اسکا عقیدہ ہے، اصحیح

اور صلاح عمل کے لیے ضروری یہ ہے کہ چند صحیح اصول و مقدمات کا ہم اس طرح تصور کریں کہ وہ دل کا غیر مشکوک

یقین، اور غیر متزلزل عقیدہ بن جائے، اور اسی صحیح یقین اور مستحکم عقیدہ کے تحت میں ہم اپنے تمام کام انجام دین،

جس طرح اقلیدس کی کوئی شکل چند اصول، موضوع اور اصول متعارفہ کے مانے بغیر نہ بن سکتی ہے، مثلاً ثابت

ہو سکتی ہے، اسی طرح انسان کا کوئی عمل صحیح و درست نہیں ہو سکتا، جب تک اس کے لیے بھی چند مبادی اور چند

اصول موضوع ہم پہلے تسلیم نہ کر لیں،

بظاہر عقل ہمارے ہر کام کے لیے ہم کو رہنما نظر آتی ہے، لیکن غور سے دیکھو کہ ہماری عقل بھی آزاد نہیں، وہ

ہمارے دلی یقین، ذہنی رجحانات، اور اندرونی جذبات کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے، اس لیے اس پابزنجیر

عقل کے ذریعہ ہم اپنے دلی خیالات، ذہنی رجحانات اور اندرونی جذبات پر قابو نہیں پاسکتے، اگر پاسکتے ہیں، تو

اپنے صحیح دلی یقینات اور چند مضبوط دماغی و ذہنی تصورات کے ذریعہ، یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے "ایمان کا ذکر

ہمیشہ عمل صالح کے ذکر سے پہلے لازمی طور سے کیا ہے، اور ایمان کے بغیر کسی عمل کو قبول کے قابل نہیں سمجھا ہے کہ

ایمان کے عدم سے، دل کے ارادہ اور خصوصاً اُس غلصانہ ارادہ کا بھی عدم ہو جاتا ہے، جس پر حرجِ عمل کا دار مدار ہے، علیہ السلام
 بن جدعان ایک قریشی تھا جس نے جاہلیت میں بہت سے نیکی کے کام کئے تھے مگر یا نیمہ مشرک تھا، اس کی نسبت
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہؓ نے ایک دفعہ دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! عبداللہ بن جدعان نے جاہلیت میں جو
 نیکی کے کام کئے کیا اور کتنا ثواب اس کو ملے گا، فرمایا نہیں اسے عائشہ! کیونکہ کسی دن اُس نے یہ نہیں کہا کہ بار اہل!
 میرے گناہوں کو قیامت میں بخند ملے۔

بدر کی لڑائی کے موقع پر ایک مشرک نے جسکی بہادری کی دھوم تھی حاضر ہو کر کہا کہ اے محمدؐ میں بھی تمہاری
 طرف سے لڑنے کے لیے چلنا چاہتا ہوں کہ مجھے بھی غنیمت کا کچھ مال ہاتھ آئے، فرمایا کیا تم اللہ عزوجل اور اس
 کے رسول پر ایمان رکھتے ہو؟ اُس نے جواب دیا نہیں، فرمایا واپس جاؤ کہ میں اہل شرک سے مدد کا خواستگار نہیں
 دوسری دفعہ وہ پھر آیا اور وہی پہلی درخواست پیش کی، مسلمانوں کو اسکی شجاعت و بہادری کی وجہ سے اسکی
 اس درخواست سے بڑی خوشی ہوئی اور وہ دل سے چاہتے تھے کہ وہ اُن کی فوج میں شریک ہو جائے، لیکن
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پھر وہی سوال کیا کہ کیا تم کو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پر ایمان ہے؟ اُس نے پھر
 نفی میں جواب دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی فرمایا کہ میں کسی مشرک سے مدد نہ لوں گا، غالباً مسلمانوں کی تعداد کی
 کمی اور اسکی بہادری کے باوجود اس سے آپ کی بے نیازی کی کیفیت نے اُس کے دل پر اثر کیا، تیسری
 دفعہ جب اس نے اپنی درخواست پیش کی اور آپ نے دریافت فرمایا کہ تم کو خدا اور رسول پر ایمان ہے تو اس
 نے اثبات میں جواب دیا، اور نور اسلام سے متور ہو کر لڑائی کی صف میں داخل ہوا،

قرآن پاک نے اُن لوگوں کے کاموں کی مثال جو ایمان سے محروم ہیں، اُس لاکھ سے دی، جس کو ہوا
 کے جھونکے اڑا کر فنا کر دیتے ہیں، اور اُن کا کوئی وجود نہیں رہتا، اسی طرح اُس شخص کے کام بھی جو ایمان کو محروم
 ہے، بے بنیاد اور بے اصل ہیں،

مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَابْرِهِمْ اَعْمَالُ الصُّمِّ كَرَمَادٍ
 لِشَيْءٍ تَبَدَّلَ بِالرَّيحِ رَمِيمًا خِصْفًا لَا يَقْدِرُونَ
 مِمَّا كَسَبُوا اَعْلٰى شَيْءٍ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ
 جنھوں نے اپنے پروگھار کا انکار کیا، اُن کے کاموں کی
 مثال اُس لکھ کی ہے جیسپر اندھی دالے دن زور سے ہوا
 چلی وہ اپنے کاموں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے یہی
 سب سے بڑی گمراہی ہے۔ (ابراہیم ۳۰)

سورہ نور میں ایمان کی دولت سے محروم لوگوں کے اعمال کی مثال سربے دی گئی ہے کہ اُس کے وجود کی
 حقیقت فریب نظر سے زیادہ نہیں،

وَالَّذِينَ كَفَرُوا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ
 الظَّمْآنُ مَاءً حَتّٰى اِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ
 مَتٰثِيْرًا (نور-۵)
 جنھوں نے خدا کا انکار کیا اُن کے کام اُس سرب کی طرح
 ہیں جو میدان میں ہو، جسکو پیاسا پانی سمجھا رہا ہو یہاں تک کہ
 جب وہ اس کے پاس پہنچے تو وہاں کسی چھینکا وجود کو نظر نہ آئے

اوسکی ایک اور مثال ایسی سخت تاریکی کی دی گئی ہے جس میں ہاتھ کو ہاتھ سوجھائی نہیں دیتا، اور حسین ہوش و حواس
 اور اعضاء کی سلامتی کے باوجود اُن سے فائدہ اٹھانا ناممکن ہے،

اَوْ كَظُلُمٍ فِیْ بَحْرٍ لّٰحِقٍ لِّغَشٰیهِ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ
 مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ مَتَابُ مَا ظَلُمْتُ لِبَعْضِهَا
 فَوَقَّ بَعْضٌ اِذَا اَخْبَحَ يَدٌ لَّمْ يَكْتُلِبْهَا
 وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ
 نُّوْرِ (نور-۵)
 یا اُن کے کاموں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی گہرے سمندر
 میں سخت اندھیرا ہو، اُس کے اوپر موج اور موج پر موج
 موج ہے اور اُس کے اوپر بادل گھرا ہو، یہ تو اندھیرا ہے کہ
 اس میں ہاتھ نہ لگائے تو وہ بھی سوجھائی نہ دے، جسکو خدا نے
 نور نہ دیا، اُس کے لیے نور نہیں،

الغرض ایمان کے بغیر عمل کی بنیاد کسی بلند اور صحیح تخیل پر قائم نہیں ہو سکتی، اسی لیے ریا، غلامی اور خود غرضی
 کے کاموں کو کوئی عزت نہیں دیا جاسکتی وہ کام جو گویا ہر نیک ہوں، لیکن نیکی کرنیوالے کا ان سے اصلی مقصد
 نام و نمود پیدا کرنا ہوتا ہے، اخلاقی نقطہ نظر سے، تمام دنیا ان کو بے وقعت اور بے وقعت سمجھتی ہے، اس بنا پر انھیں حضرت صلعم

کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متنبہ کیا، اور فرمایا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَتَكُمْ
بِالْمَعْنِ وَلَا ذِمًّا كَالَّذِي يُفِيقُ مَالَهُ رِثَاءُ
النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ ثَرَابٌ فَأَصْطَبَتْ
وَأَبْلُ فَبُذِرَتْ كَيْدًا لَا يَقْدِرُونَ عَلَى
شَيْءٍ مِمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْكَافِرِينَ

اے ایمان والو! اپنی خیراتوں کو احسان رکھ کر اور اپنے
دیگر اُس طرح نہ برباد کرو، جس طرح وہ برباد کرتا ہے جو
لوگوں کے دکھانے کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے، اور
خدا پر (جو نیکوں کی جزا دیتا ہے) اور قیامت پر جس میں
نیکوں کی جزا ملے گی، یقین نہیں کرتا، اسکی خیرات کی مثال
اس چٹان جیسی ہے جسپر کچھ مٹی پڑی ہو، ذرا اُس پر پانی
برسا، تو مٹی دھل گئی اور پتھر گیا، جسپر جو کچھ بویا جایا گا وہ
الٹو ہوا کفریہ ہیں،

(نفرہ ۴-۳۶) اور گے گانہیں،

غرض ایمان ہمارے تمام اعمال کی اساس ہے، جس کے بغیر ہر عمل بے بنیاد ہے، وہ ہماری سیرابی
کا اصلی سرچشمہ ہے، جس کے فقدان سے ہمارے کاموں کی حقیقت سراسیمہ زیادہ نہیں، کہ وہ دیکھنے میں کام معلوم
ہوتے ہیں، مگر روحانی اثر و فائدہ سے خالی اور بے نتیجہ خدا کے وجود کا اقرار اور اسکی رضامندی کا حصول ہمارے
اعمال کی غرض غایت ہے، یہ نہ ہو تو ہمارے تمام کام بے نظام اور بے مقصد ہو کر رہ جائیں، وہ ہمارے دل
کا نور ہے، وہ نہ ہو، تو پوری زندگی تیرہ و تاریک نظر آئے، اور ہمارے تمام کاموں کی بنیاد ریا، نمائش، جاپنڈ
خود غرضی، اور شہرت طلبی وغیرہ کے دنی جذبات اور پست محرکات کے سوا کچھ اور نہ رہ جائے،

تورات میں بعض عقیدوں کا ذکر ہے، مگر ایمان کی حقیقت اور اسکی اہمیت کی تعلیم سے وہ خالی ہے،
انجیل میں ایمان کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے، مگر اخلاق کی سچائی، اعمال کی راستی، اودل کے اخلاص کے
یہ نہیں بلکہ معجزوں اور کرامتوں کے ظاہر کرنے کے لیے اور خوارقِ عادت پر قدرت اور اختیار پانے کیلئے

اُس کے برخلاف فلسفہ یونان کے بہت سے پیروں اور ہندوستان کے بہت سے مذہبوں نے محض ذہنی جولانی، مراقبہ تصور دھیان اور علم کو انسان کی نجات کا ذریعہ قرار دیا، اور اخلاق و عمل سے کوئی تعرض نہیں کیا، عیسائیو زرتشتیوں اور ہنہون نے عقائد کو یہ وسعت دی، اور انکی ایسی تفصیل کی کہ وہ سرتاپا خیالی فلسفہ بن گئے، جن سے انسانوں کے قوائے عملی سرد ہو گئے اور انکی تصویریت او انکی علیت پر غالب آگئی،

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم و عمل، تصور اور فعل، عقلیت اور علیت میں لزوم ثابت کیا، مگر اصلی زور انسان کی علیت پر صرف کیا اور عقائد کے اتنے ہی حصہ کا یقین اُسر ضروری قرار دیا، جو دل کی اصلاح عمل کی بنیاد، اور اخلاق و عبادات کی اساس قرار پاسکے، عقائد کے فلسفیانہ ابھار، اور تصورات اور نظریوں کی تشریح و تفصیل کر کے علیت کو برباد نہیں کیا، چند سیدھے سادے اصول جو تمام ذہنی سچائیوں اور واقعی حقیقتوں کا جوہر اور خلاصہ ہے، اُن کا نام **عقیدہ** اور اُن پر یقین کرنے کا نام ایمان رکھا، آپ نے صریح الفاظ میں عقائد کے صرف پانچ اصول تلقین کئے، خدا پر ایمان، خدا کے فرشتوں پر ایمان، خدا کے رسولوں پر ایمان، خدا کی کتابوں پر ایمان اور اعمال کی حمز اور سنرا کے دن پر ایمان،

یہ تمام وہ حقائق ہیں جن پر دل سے یقین کرنا اور زبان سے ان کا اقرار کرنا ضروری ہے، اُن کے بغیر خالص عمل کا وجود نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ پر ایمان کہ وہ اس دنیا کا تنها خالق اور مالک ہے، اور ہر ظاہر و باطن سے آگاہ ہے، تاکہ وہی ہمارے تمام کاموں کا قبلہ مقصود قرار پاسکے، اور اسی کی رضا جوئی، اور اسی کی مرضی کی تعمیل ہمارے اعمال کی تنہا غرض و غایت ہو، اور ہم جلوت کے سوا جلوت میں بھی گناہوں اور برائیوں سے بچ سکیں اور ہر سیکے کو اس لیے کریں اور ہر برائی سے اس لیے بچیں کہ یہی ہمارا خالق کا حکم اور یہی اُنکی مرضی ہے، اس طرح ہمارے اعمال، ناپاک اغراض اور ناجائز خواہشوں سے مبرا ہو کر خالص ہو سکیں اور جو طرح ہمارے جسمانی اعضا گناہوں سے پاک ہوں ہمارا دل بھی ناپاک خیالات اور ہوا و ہوس کی آمیزش سے پاک ہوا اور اس کے احکام اور اس کے پیغام کی سچائی پر ایسا دل سے یقین ہو کہ ہمارے جذبات، ہمارے غلط استدلالات، ہماری

اگر وہ خواہن بھی اس فتن میں شک اور تذبذب پیدا نہ کر سکیں،

خدا کے رسولوں پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ خدا کے ان احکام اور ہدایات اور اسکی مرضی کا علم انھیں کے واسطے سے انسانوں کو پہنچا ہے، اگر ان کی صداقت، سچائی اور راستبازی کو کوئی تسلیم نہ کرے، تو پیغام ربانی اور احکام الہی کی صداقت اور سچائی بھی مشکوک و مشتبہ ہو جائے، اور انسانوں کے سامنے نیکی اور نراہت اور معصومیت کا کوئی نمونہ موجود نہ رہے، جو انسانوں کے قوائے علی کی تحریک کا باعث بن سکے، پھر اچھے اور بُرے، صحیح اور غلط کاموں کے درمیان ہمارے عقل کے سوا جو ہمارے جذبات کی محکوم ہے، کوئی اور چیز ہمارے سامنے ہماری رہنمائی کیلئے نہیں ہوگی،

خدا کے فرشتے پر بھی ایمان لانا واجب ہے، کہ وہ خدا اور اس کے رسولوں کے درمیان قاصد اور سفیر ہیں اور جو مادیت اور روحانیت کے مابین واسطہ ہیں، اور مخلوقات کو قانونِ الہی کے مطابق چلاتے ہیں، اور ہمارے اعمال و افعال کے ایک ایک حرف کو ہر دم اور ہر لحظہ محفوظ کرتے جاتے ہیں، تاکہ ہم کو ان کا اچھا یا برا معاوضہ، بلکہ خدا کے احکام و ہدایات جو رسولوں کے ذریعہ انسانوں کو پہنچائے گئے، ان کو دور دراز ملکوں اور آئینہ نسلوں تک پہنچانے کے لیے ضروری ہو کہ وہ تحریری شکل اور کتابوں اور صحیفوں کی صورت میں، یا لفظ و آواز سے مرکب ہو کر ہمارے سینوں میں محفوظ رہیں، اس لیے خدا کی کتابوں اور صحیفوں کی صداقت پر اور جو کچھ ان میں ہے اسکی سچائی پر ایمان لانا ضروری ہے، ورنہ رسولوں کے بعد خدا کے احکام اور ہدایتوں کے جاننے کا ذریعہ مسدود ہو جائے، اور ہمارے لیے نیکی و بدی کی تمیز کا کوئی ایسا معیار باقی نہ رہے، جس پر تمام ادنیٰ و اعلیٰ، جاہل و عالم، بادشاہ اور رعایا سب متفق ہو سکیں،

اعمال کی باز پرس، اور جو اب وہی کا خطرہ نہ ہو اور اس کے مطابق جزا اور سزا کا خیال نہ ہو تو دنیاوی قوانین کے باوجود دنیا سے انسانیت سراپا و زندگی اور بحیثیت بن جائے، یہی عقیدہ ہے جو انسانوں کو جلوت و خلوت میں ان کی ذمہ داری کو محسوس کرتا ہے، اس لیے روز جزا اور یومِ آخرت پر ایمان رکھے بغیر انسانیت کی صلاح و فلاح ناممکن ہے، اور اسی لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے اس پر بے حد زور دیا ہے، بلکہ کلی وحی کا بشیر و نصیحتہ

جو عربوں میں پھیلے ہوئے تھے، اُن کو مٹا دیا جائے اور جن وجوہ اور اسبابِ شرک کے یہ عقائد پیدا ہوئے ہیں، انکی
سچ کنی کی جائے،

اصلاحِ عقائد | معلوم ہو چکا ہے کہ عرب میں جہالت اور وحشت کی وجہ سے سیکڑوں غلط عقائد اور توہمات پھیل گئے
تھے، اور دنیا کے دوسرے مذاہب کے عقائد میں بھی بہت سی غلطیاں داخل ہو گئی تھیں، ان میں سب سے زیادہ بدتر
اور تمام برائیوں کا اصلی محور شرک تھا، اس لیے سب سے پہلے آنحضرت صلعم نے انکی اصلاح سے آغاز کیا،

شرک اور بت پرستی کا اصلی زریعہ اسبابِ مؤثرات کا وجود ہی، خدا نے عالم میں ایک سلسلہ اسباب قائم
کر دیا ہے، اور عالم کے تمام واقعات اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، لیکن یہ تمام سلسلہ ایک قادرِ مطلق کے دستِ قدرت
میں ہے، اور اس سلسلہ کی ایک کڑی بھی اُس کے اشارہ کے بغیر جنش نہیں کر سکتی، شرک اس طرح ختم ہوتا ہے،
کہ پہلے انسان اُن اسبابِ علل میں سے بعض نمایاں اور قویٰ الاثر اسباب سے متاثر ہوتا ہے، اجرامِ فلکی کی عظمت،
آفتاب و مہتاب کی نور افشانی، سمندر کا پُر زور تلاطم، عناصر کی نیزنگ آرائیاں، انسان کو مبہوت کر دیتی ہیں
وہ اُن کی عظمت و تاثیر سے متاثر ہو پھر منفعل اور بالآخر اُن کا غلام بن جاتا ہے، اعتقاد کے پہلے مرحلہ میں انسان،
غوررسی کے دعویٰ سے اس قدر امتیاز اور تفریق کرتا ہے کہ یہ چیزیں خود خدا یا مبعودِ دینی ہیں، لیکن یہ تمیز آخر تک
قائم نہیں رہتی بلکہ رفتہ رفتہ خوش اعتقادی کا اثر غالب آتا جاتا ہے، اور یہ چیزیں خدا کی شریک بنتی جاتی ہیں
یہاں تک کہ اصلی مسببِ الاسباب نظر سے بالکل اوجھل ہو جاتا ہے،

شرک کی جو گونا گون صورتیں دنیا میں موجود تھیں اور جس طرح آنحضرت صلعم نے ان کا استیصال
کیا انکی تفصیل حسب ذیل ہے،

۱۔ دنیا کی مشہور قوموں میں عیسائی اور مجوسی علاوہ مشرک تھے یعنی تین اور دو خدا مانتے تھے، ہندو بھی
اسی کے قریب قریب تھے، ان مذہبوں کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ خدا کے جو مختلف نمایاں اور اہم اوصاف
ہیں، اُن کا منتقل اور محجم وجود قائم ہو گیا، مثلاً صفتِ خلق اور اتیان و اتانہ، برہما، بشن، ہمیش کے نام سے موسوم ہیں،

موجودیوں نے دیکھا کہ دنیا میں جقدر اشیاء اور افعال و حرکات ہیں سب باہم متضاد ہیں، نور و ظلمت، پستی و بلندی ہیں و شمال، نرم و سخت، رات و دن، خیر و شر، حلم و غضب، غور و خاکساری، فقر و صلاح کوئی چیز مقابلہ اور تضاد خالی نہیں اس لیے ایسے دو متضاد عالم کا خالق ایک نہیں ہو سکتا، اس بنا پر انھوں نے دو خدا تسلیم کئے اور ان کا نام یزدان اور اہرمین یا نور و ظلمت رکھا،

قرآن مجید میں تمام احکام نہایت تدبیر کے ساتھ نازل ہوئے ہیں، یہاں تک کہ ۱۳ برس کی وسیع مدت تک روزہ، زکوٰۃ اور حج کچھ فرض نہیں ہوا تھا، لیکن شرک کا استیصال کلی نبوت کا پہلا سبق تھا، سورہ زمر مکہ میں نازل ہوئی اور اسی سورہ میں شرک کی تمام صورتیں مٹادی گئیں، تمام دیگر سورتوں میں نہایت کثرت سے اس قسم کے شرک کا ابطال اور رد کیا ہے، اس لیے اُن کی تفصیل کی ضرورت نہیں، موجودیوں کے شرک کی بنیاد اس پر تھی کہ افعال خیر و شر کا ایک خالق نہیں ہو سکتا، ورنہ لازم آئیگا کہ خدا شر کو پیدا کرتا ہے اور بیکار ہے کہ جو شخص برائی کے پیدا ہونے کو جائز رکھتا ہے، وہ خود اچھا نہیں ہو سکتا، اس لیے قرآن مجید میں نہایت کثرت سے تصریحات آئیں کہ جب کو ہم خیر و شر کہتے ہیں سب کا فاعل خدا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت تصریح و تاکید کے ساتھ تعلیم کی، کہ جو کچھ ہوتا ہے، سب خدا کے حکم سے ہوتا ہے، باقی یہ مسئلہ کہ بری چیز کا خالق اچھا نہیں ہو سکتا، اولاً تو یہ مغالطہ آمیز غلطی ہے، ایک متاع معبود اگر ایک نہایت مکروہ جانور کی تصویر نہایت اچھی کھینچے تو اس کے کمال مصوری میں اس سے کچھ داغ نہیں آئیگا کہ جانور خود برا ہے، دوسرے اسلام نے اس مسئلہ کی جس اصلی گرہ کو کھولا ہے وہ یہ ہے کہ اشیاء بذاتہ خیر و شر نہیں، بلکہ وہ اپنے صحیح یا غلط طریقہ استعمال سے خیر یا شر ہوتی ہیں، آگ بجائے خود نہ خیر ہے نہ شر اگر اس سے اچھا کام لیا جائے تو خیر ہے، اور برا لیا جائے تو شر ہے، زہر نہ اچھا ہے نہ برا، اگر اس کو بیماریوں کے استیصال میں استعمال کیا جائے تو خیر ہے، اور اگر کسی بیگناہ کے قتل میں استعمال کر دیا تو شر ہے، اسی طرح دوسری اشیاء کے بھی خیر و شر کے دونوں پہلو ہیں، نہ کوئی نئی دنیا میں خیر مطلق ہے، نہ کوئی شر مطلق، محض اسی لیے قرآن نے شر کی نسبت خدا کی طرف نہیں کی ہے، بلکہ خود انسان کی طرف کی ہے،

لہ تعالیٰ پر ایمان

اَمِنْ بِاللّٰهِ

ایک قاعدہ مطلق اور ہمہ صفت موصوف ہستی پر یقین، اور اس کو ایک جانتا تعلیم محمدی کی پہلی اجد ہے، اسلام سے پہلے جو مذہب تھے، باوجود اس کے کہ خدا کی توحید اور صفات پر ایمان رکھنا ان کے ہول میں بھی داخل تھا، مگر ان کی تعلیمات میں ترتیب مقصود تھی، اور یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان کی نگاہ میں توحید کا مسئلہ اہمیت کے کس درجہ پر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ کی اصلی اہمیت محسوس کی، اور اس کو اپنے نصاب درس کا پہلا سبق اور روحانی معارف و حقائق اور جہانی اعمال و اخلاق کا سر بنیاد قرار دیا، خدا اگر چاہے تو انسان کے تمام گناہوں سے دیگر کر سکتا ہے، مگر اسی ایک حقیقت سے انکار وہ جرم ہے جس کو وہ کبھی معاف نہ فرمایا،

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ
مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ (نساء - ۱۸)

یقیناً خدا شرک کو معاف نہ کرے گا اور اس کے سوا جس کے جو گناہ چاہے معاف کر دے،

پھر اس کے ساتھ خالص توحید کا بیان، اسما و صفات کی تشریح، شرک کے ہر پہلو کی نفی، اور توحید کے ہر پہلو کی تکمیل، تعلیم محمدی کی امتیازی شان ہے، معلوم ہو چکا ہے کہ نبوت محمدی کی غرض نہایت صرف تخیل نظریہ آرائی، اور الہیاتی فلسفہ نہ تھا، بلکہ ایک زندہ قوم، جد و جہد اور عمل والی قوم، اخلاص و ایثار اور نیکی و تقویٰ والی قوم، پیدا کرنا تھا، اور اس کو تمام دنیا کی پیشوائی کے لیے نمونہ عمل بنانا تھا، اس لیے سب سے پہلے اہل عرب کو جو اس کے مخاطب اول تھے، رموز و اسرار توحید کا اس طرح حال بنانا تھا کہ ان کے رگ و ریشہ میں ولولہ اور جوش کا ایک نشہ پیدا ہو جائے، اس کے لیے ضرورت تھی کہ سب سے پہلے زمین کو ہوا کر کیا جائے، شرک کے وہ تمام عقائد

آنحضرت صلعم باوجود اس کے کہ حامل کون و مکان تھے لیکن بار بار قرآن مجید میں تاکید آتی تھی،
 قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَىَّ إِلَهِكُمْ أَنَا وَلَٰكِنَّ خَلْقَ رَحْمَتِي لَآ يَحْصِيهِ السَّمَوَاتُ وَٱلْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ يَوْمَ تُخْلَقُ سَائِرَةُ الْجَنَّةِ وَأَبَدُ (کہف - ۱۲)

لیکن یہ کہ میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے کہ تمہارا خدا ایک خدا ہے
 ایک خاص نکتہ غور کے قابل ہے جس قدر جلیل القدر انبیاء علیہم السلام گزے ہیں ان کے خاص خاص
 لقب ہیں مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لقب خلیل اللہ تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب
 آنحضرت صلعم باوجود اس کے کہ اشرف انبیاء تھے، آپ کیا لقب پسند کیا؟ اور کلمہ توحید میں، نماز میں، درود
 میں آنحضرت صلعم کے اسم گرامی کے ساتھ کیا امتیازی وصف شامل کیا گیا؟ صرف رسالت اور عبدیت!
 اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعْبُدُكَ وَرَسُولَكَ
 میں بھی عبدیت کا وصف رسالت پر مقدم ہے، آنحضرت صلعم نے ایک دفعہ بعض کفار کے حق
 میں دعائے بد کی اُس پر یہ آیت اتری،

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْْءٌ وَّيُتُوبُ عَلَيْهِمْ
 اَوْ يَعْزِبُ عَنْهُمْ فَانْهَمُ ظَالِمُونَ. (آل عمران - ۱۳)
 تم کو کچھ اختیار نہیں ہے، خدا چاہے گا تو ان پر توبہ کرے گا
 یا ان کو عذاب بھیگا کہ وہ ظالم ہیں،
 آنحضرت صلعم بعض کفار کی ہدایت پانے اور اسلام قبول کرنے کے نہایت خواہشمند تھے، اس پر یہ آ
 نازل ہوئی،

اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَخْبَتَ، (قصص - ۲۷)
 تم جس کو چاہتے ہو اس کو ہدایت نہیں دیکتے،
 آنحضرت صلعم نے عبد اللہ بن ابی کے لیے دعائے مغفرت کی، اس پر قرآن مجید میں آیا،
 اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ، (توبہ - ۱۰)
 تم ان کیلئے مغفرت چاہو یا نہ چاہو اگر تم ان کے لیے تشرودنو
 بھی مغفرت چاہو گے تو خدا ان کی مغفرت نہ کرے گا،

لے صحیح بخاری غزوہ احد، یہ حدیث بخاری کے مختلف ابواب میں مذکور ہے، اے بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورہ توبہ،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ہر موقع پر اس امر کی تاکید اور اسکا لحاظ رکھتے تھے کہ لوگ آپ کی زائد از اعتدال مدح نہ کریں جو منجر ہو کر شرک تک پہنچ جائے، بار بار فرماتے تھے،

لَا تَطْرُقُنِي كَمَا طَرِقَ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى
میرے شان میں اس طرح مبالغہ نہ کرو جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنے پیغمبروں کی شان میں کیا،

ایک دفعہ آپ راستہ میں جا رہے تھے، ایک شخص نے دفعہ آپ کو دیکھا اور اس پر اسقدر رعب طاری ہوا کہ کانپنے لگا، آپ فرمایا ڈرو نہیں میں ایک قریشی خاتون کا بیٹا ہوں جو گوشت کو خشک کر کے کھایا کرتی تھی؛

بنو عامر کا وفد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ ہمارے سید (آقا) ہیں، آپ نے فرمایا سید خدا ہے، لوگوں نے عرض کی کہ آپ ہم سب سے افضل اور سب سے برتر ہیں، آپ نے فرمایا اچھا یہ کہو، لیکن دیکھو تم کو شیطان اپنا وکیل نہ بنائے، اصلی الفاظ یہ ہیں،
قُلُوا بِحَقِّكُمْ وَلَا يَسْتَجِيرُ بِكُمْ الشَّيْطَانُ،

ایک دفعہ ایک شخص نے ان الفاظ میں آپ کو مخاطب کیا: اے ہمارے آقا! اور ہمارے آقا کے فرزند! اور اے ہم میں سب سے بہتر اور سب سے بہتر کے فرزند! آپ نے فرمایا، لوگو! پرہیزگاری اختیار کرو شیطان تمہیں گرا نہ دے میں عبد اللہ کا بیٹا محمد ہوں، خدا کا بندہ اور اسکا رسول مجھ کو خدا نے جو مرتبہ بخشا ہے، مجھے پسند نہیں کہ تم مجھے اُس سے زیادہ بڑھاؤ۔

غور کرو کہ رسول کی شان میں یہ الفاظ ناجائز نہیں، مگر توحید کو شرک کے ہر ثائبہ سے بچانے کا خیال ہر خیال پر غالب تھا،

۱۔ بخاری جلد اول کتاب الانبیاء باب وَاذْكُرْنِي الْكِتَابِ مَرِّمٌ ۱۵ شامل ترمذی و مستدرک جلد ۳ صفحہ ۱۷ علی شرط الشيخین واقعہ فتح مکہ، ۲۔ ادب المفرد امام بخاری باب ہَلْ يَقُولُ سَيِّدِي وَالْبُودُ وَذِكْرُ الْكِتَابِ الْاَدَبِ بَابُ كَرَامَةِ الْاَمَامِ ۱۵ سند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۵۱

أَشْرَأُ رَيْدٍ يَمْنُ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بَعْثُ رَجُلٍ (جن-۱)

ایا اہل زمین کیساتھ شرکا ارادہ کیا گیا ہے یا اوتنے پروردگار نے ان کے حق میں راہ پر لانا چاہا ہے،

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنَ نَفْسِكَ (نساء-۱۱)

تجھ کو جو نیکی پہنچی تو وہ خدا سے ہے، اور جو مصیبت پہنچی، وہ خود تیری طرف سے ہے،

أَوَلَمَّْا أَصَابَكُمْ مِصْبَبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَهَا قُلْتُمْ إِنَّ هَذَا قُلُوبُنَا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (ال عمران-۱۴)

کیا جب تم کو کوئی مصیبت پہنچی جس کے دو برابر تم کو پہنچا چکے ہو، تم نے کہا یہ کہاں سے آئی، کہہ دے کہ خود تمہاری طرف سے ہے، خدا ہر بات پر قدرت رکھتا ہے،

الغرض کسی شے کا ایسا پیدا کرنا جس میں خیر و شر کے دونوں پہلو ہیں، شر نہیں ہے، ان میں اس کے شر کے پہلو کو استعمال کرنا اور کام میں لانا شر ہے، ڈاکٹر بہت سی بیماریوں کے لیے زہریلی دوائیں بناتے ہیں، مگر یہ شر نہیں، البتہ جب کوئی شریر ان دواؤں سے ان امراض کے ازالہ کے بجائے کسی کی جان لے لیتا ہے تو وہ شر ہے، حال یہ کہ اس دنیا میں خالق ایک ہی ہے، دو نہیں،

وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّبِعُوا الْهَيْكِلَ أَنتُمْ جِئْتُمْ هُوَ إِلَهُ وَاحِدٌ فَأَيُّ آفَارِهِمْ يَكْفُرُونَ وَلَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (غل-۷)

اور خدا نے کہا کہ دو خدا نہ بناؤ، وہ ایک ہی خدا ہے، تو مجھ سے ڈرو، اور اسی کے لیے ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے،

بزرگوں کی مذمت

۲۔ شرک کا بہت بڑا ذریعہ کسی خاص شخص یا کسی شے کی تعظیم مغرط ہے جس کو شخص پرستی یا یادگار پرستی سے تعبیر کر سکتے ہیں، حضرت علی علیہ السلام، رام چندر کرشن کو اسی خوش اعتقاد میں نے آدمی سے خدا بنا دیا، اس بنا پر قرآن مجید میں نہایت پر زور اور پر رعب الفاظ میں شخص پرستی کی تحقیر کی،

يَا هَلْ الْكِتَابَ لَا تَفْعَلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ الْإِلَهَ الْحَقُّ، إِنَّمَا الْمَسِيحُ حِيسَةُ ابْنِ

اے اہل کتاب اپنے دین میں حد سے زیادہ نہ بڑھ جاؤ، اور خدا کی نسبت وہی کہو جو حق ہے، مسیح یعنی عیسیٰ بن

مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (نساء-۲۳)

لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَكُوْنَ عَبْدٌ لِلّٰهِ
وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ
عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلٰى جَمْعٍ

(نساء-۲۴)

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ
مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ
اَرَادَ اَنْ يُصَلِّكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهُ
مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللّٰهُ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (مائده-۳)

وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ لِعِيسٰى ابْنَ مَرْيَمَ اَنْتَ قُلْتُ لِلنَّاسِ
اتَّخِذُوْنِيْ وَآقِبِ الْهٰٓئِلِيْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ اَقُوْلَ مَا
لَيْسَ بِيْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ
تَعَلَّمْتُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَا اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ
اِنَّكَ اَنْتَ عَلٰمُ الْغُيُوْبِ مَا قُلْتُ لَهُمْ
اِلَّا مَا اَمَرْتَنِيْ بِهٖ اِنْ اَعْبُدُوْا اللّٰهَ سَرِيْ
وَسَرِيْكُمْ (مائده-۱۶)

مریم صرف خدا کے پیغمبر ہیں،

مسیح کو خدا کے بندہ ہونے سے ہرگز عار نہیں اور نہ مقرب
فرشتوں کو، اور جس شخص کو خدا کی بندگی سے عار ہوگا
اور بڑائی کی لے گا، تو خدا سب کو غمگین اپنے
حضور میں بلائے گا،

وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ عیسیٰ بن مریم خدا ہیں کہہ
کہ اگر خدا یہ چاہے کہ مسیح بن مریم کو انکی مان کہ اور دنیا میں
جو کچھ ہے سب کو برباد کر دے، تو کون ہے جو خدا کو
روک لے، خدا ہی کے لیے آسمان و زمین اور چیزیں ان
دونوں میں ہیں ان کی حکومت ہے، اور خدا تمام
چیزوں پر قادر ہے،

اور جبنا کہیگا کہ کیون عیسیٰ: تم نے لوگوں سے کہدیا تھا کہ
خدا کو چھوڑ کر مجھ کو اور میری مان کو خدا کہو، عیسیٰ عرض فرمائیگی
کہ سبحان اللہ میری یہ مجال ہے کہ میں کوئی بات کہوں جس کے
کہنے کا مجھ کو حق نہیں اگر میں نے کہا ہوگا، تو تو جانتا ہوگا،
تو میرے دل کی بات جانتا ہے اور میں تیرے دل کی
بات نہیں جانتا، تو بڑا غیب ان ہے، میں نے لوگوں
سے صرف وہی کہا تھا جس کا حکم تو نے مجھ کو دیا تھا یعنی کہ
خدا کی عبادت کرو جو میرا بھی خدا ہے اور تمہارا بھی،

دریانی داسطون
مشترک نہ اعتقاد

۳۔ شرک کا اصلی ضرر یہ ہے کہ خدا سے انسان کو جس درجہ کا تعلق، جس قسم کا عجز و نیاز، جس مرتبہ کی محبت، جس درجہ کی التجا درکار ہے، اُس کا رُخ دوسری طرف بدل جاتا ہے، ہزاروں لاکھوں آدمی ہیں جو اچھی طرح جانتے ہیں کہ دیوتا کائنات اور زمین و آسمان کے خالق نہیں ہیں تاہم وہ ہر قسم کی حاجتیں اور مرادیں انہی دیوتاؤں اور معبودوں سے مانگتے ہیں، انہی کو حاجت روا جانتے ہیں، اٹھتے بیٹھتے انہی کا نام لیتے ہیں، انہی پر نذرینا چڑھاتے ہیں، غرض براہ راست اُن کو جو تعلق ہوتا ہے، انہی معبودوں سے ہوتا ہے، خود مسلمانوں میں ہزاروں لاکھوں آدمیوں کا طرز عمل انبیاء و صلحا بلکہ مزارات کی نسبت اس کے قریب قریب ہے، اس بنا پر مقدم ترین امر یہ ہے کہ معبودین کی نسبت اس قسم کا خیال نہ پیدا ہونے پائے اور صاف بتا دیا جائے کہ خدا کے آگے کسی کی کچھ نہیں چل سکتی، اسکی مرضی میں کوئی دست اندازی نہیں کر سکتا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے طلب مغفرت کا وعدہ کیا تو ساتھ ہی یہ بھی کہ دیا،

لَا تَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مِمَّا أَمَلْتُكَ لَكَ مِنَ اللَّهِ
میں آپ کے لیے مغفرت کی درخواست ضرور کروں گا لیکن مجھ کو
خدا کے سامنے آپ کی نسبت کوئی اختیار نہیں، (متحدہ - ۱)

آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنی والدہ کے لیے استغفار کی درخواست کی تھی وہ نہیں قبول ہوئی البتہ یہ درخواست قبول ہوئی کہ میں اُن کی قبر کی زیارت کروں،

قرآن مجید میں جب یہ آیت اتری وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ، تو آپ نے خاندان کے لوگوں کو جمع کر فرمایا "اے قریشیو! اے اولاد عبد المطلب! اے عباس! اے صفیہ! اے فاطمہ! میرے مال میں سے جو مال میں دیکھتا ہوں لیکن خدا کے ہاں میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔"

قرآن مجید میں نہایت کثرت اور نہایت تشدد کے ساتھ اس مضمون کو ادا کیا گیا، کہ تم لوگ جبکو حاجت روا سمجھتے ہو، اور اُن سے حاجتیں مانگتے ہو، ان کو کارخانہ ہستی میں کسی قسم کا اختیار نہیں،

لے صحیح مسلم کتاب الجنائز۔ ۱۷۹ یہ روایت اس آیت کی تفسیر میں تمام تفسیرین اور حدیث کی کتابوں میں منقول ہے،

قُلْ اَدْعُوا الَّذِيْنَ رَحْمَتُ مِنْ دُوْنِهِ فَلَا
يَمْلِكُوْنَ كُشْفَ الضَّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَتَّبِعُوْنَ اِلٰى تَعْلَمُ
الْوَسِيْلَةَ اِيْتَهُمْ اَقْرَبُ وَيُزْجُوْنَ رَحْمَتَهُ
وَيَخَافُوْنَ عَذَابَ اَبِهٖ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ
مُحْذُوْرًا (ربیع اسہائیل - ۶)

کہد کہ خدا کے علاوہ تم جنکو پکارتے ہو وہ تمہاری مصیبت
کے ہٹانے یا بدلنے کا کچھ اختیار نہیں رکھتے، جنکو تم پکارتے
ہو ان میں جو خدا کے مقرب ترین ہیں، وہ خود خدا کا وسیلہ
ڈھونڈتے ہیں، اور اسکی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں
اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بے شبہ تیرے خدا کا عذاب
ڈرنے ہی کے قابل ہے،

ارق خدا کے حکم
ہے ہوتے ہیں

۵۔ شرک کا ایک بڑا ذریعہ، خرق عادات کے نسبت غلط فہمی ہے، جن اشخاص سے خرق عادات سرزد ہوتے
ہیں، ان کی نسبت لوگوں کو پہلے یہ خیال آتا ہے کہ یہ خود خدا نہیں ہیں لیکن ان میں خدائی کا ثابہ ضرور ہے،
ورنہ ایسے افعال کیونکر سرزد ہوتے جو قدرت انسانی سے بالاتر ہیں، یہی خیال رفتہ رفتہ دیوتا اور اتار تک ترقی
کر تا ہے، اور بالآخر خدائی تک پہنچا دیتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی بنا پر آج چالیس کروڑ آدمیوں کے خدا، یا خدا
کے بیٹے ہیں۔

لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ انبیاء علیہم السلام سے معجزات صادر ہوتے ہیں، اور یہ امر
خاص نبوت میں ہے، یہ مسئلہ اسلام کے زمانہ تک مشتبہ اور محیل رہا، قرآن مجید میں خرق عادات کے متعلق حسب
امور بیان کئے گئے،

(۱) معجزات صادر ہو سکتے ہیں اور خدا اپنے مقبول بندوں کو معجزات عطا کرتا ہے،

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰیٰةٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ
اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنْ يُنْزِلَ اٰیٰةً وَلٰكِنْ
اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (انعام - ۶)

اور کفار کہتے ہیں کہ ان پر (آنحضرت پر) کوئی معجزہ خدا کے
بیان سے کیوں نہیں اترا، کہد کہ خدا اس پر قادر ہے کہ
معجزہ نازل کرے لیکن لوگ نہیں جانتے،

(۲) باوجود اس کے کفار کو معجزہ طلبی سے روکا جاتا تھا، اور کہا جاتا تھا کہ نبوت اور رسالت معجزہ پر موقوف نہیں

وَقَالُوا الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ
مِّن رَّبِّهِ إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ

ہادی - (رعد - ۱)

اور کفار کہتے ہیں کہ ان پر (آنحضرت پر) کوئی معجزہ خدا کے

ہاں سے کیوں نہیں اترتا تم تو صرف ڈرانے والے ہو

وَقَالُوا لَنُؤْتِيَنَّكَ آيَاتٍ
وَقَالُوا لَنُؤْتِيَنَّكَ آيَاتٍ

يَتَّبِعُونَ عَادًا وَتَكَذَّبُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّحِيلٍ وَ

عَنبٍ قَتْلَ فَجْرٍ أَلَمْ نَخْلُقْ لَكُمُ الْفَجْرَ إِهْلًا وَنُسِطَ

السَّمَاءِ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْكَ نَكِيسًا وَتَأْتِي

بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا أَوْ يَكُونُ لَكَ

بَيْتٌ مِّنْ زُخْرٍ أَوْ تَرْفَى فِي السَّمَاءِ وَلَكِنْ

لَوْ مِّنْ لَّدُنِّيكَ حَتَّى تُنْزَلَ عَلَيْكَ كِتَابًا

تَقْرَأُ وَكَأَنَّا قُلُوبُ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ إِلَّا

بَشَرًا مَّسْكُوتًا (بنی اسرائیل - ۱۰)

ہوں اور رسول ہوں،

اور کفار کہتے ہیں کہ ان پر ان کے خدا کے یہاں سے معجزہ

کیوں نہیں اترے، کہہ دو کہ معجزے تو خدا کے ہاں ہیں اور

اور میں تو صرف صاف صاف ڈرانے والا ہوں، کیا ان

کفار کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے تمہارے اوپر قرآن

وَقَالُوا لَنُؤْتِيَنَّكَ آيَاتٍ
وَقَالُوا لَنُؤْتِيَنَّكَ آيَاتٍ

يَتَّبِعُونَ عَادًا وَتَكَذَّبُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّحِيلٍ وَ

عَنبٍ قَتْلَ فَجْرٍ أَلَمْ نَخْلُقْ لَكُمُ الْفَجْرَ إِهْلًا وَنُسِطَ

السَّمَاءِ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْكَ نَكِيسًا وَتَأْتِي

بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا أَوْ يَكُونُ لَكَ

بَيْتٌ مِّنْ زُخْرٍ أَوْ تَرْفَى فِي السَّمَاءِ وَلَكِنْ

لَوْ مِّنْ لَّدُنِّيكَ حَتَّى تُنْزَلَ عَلَيْكَ كِتَابًا

تَقْرَأُ وَكَأَنَّا قُلُوبُ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ إِلَّا

بَشَرًا مَّسْكُوتًا (بنی اسرائیل - ۱۰)

ہوں اور رسول ہوں،

(۳) جو معجزہ اس آیت میں کفار نے طلب کئے وہ ناممکن باتیں نہ تھیں تاہم خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو جو

تلقین کیا وہ یہ تھا کہ میں تو بشر ہوں، معجزے خدا کے پاس ہیں، یعنی معجزے صادر ہونگے تو یہ میرا فعل نہ ہوگا بلکہ خدا کا ہوگا،

اور کفار کہتے ہیں کہ ان پر ان کے خدا کے یہاں سے معجزہ

کیوں نہیں اترے، کہہ دو کہ معجزے تو خدا کے ہاں ہیں اور

اور میں تو صرف صاف صاف صاف ڈرانے والا ہوں، کیا ان

کفار کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے تمہارے اوپر قرآن

وَقَالُوا لَنُؤْتِيَنَّكَ آيَاتٍ
وَقَالُوا لَنُؤْتِيَنَّكَ آيَاتٍ

يَتَّبِعُونَ عَادًا وَتَكَذَّبُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّحِيلٍ وَ

عَنبٍ قَتْلَ فَجْرٍ أَلَمْ نَخْلُقْ لَكُمُ الْفَجْرَ إِهْلًا وَنُسِطَ

السَّمَاءِ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْكَ نَكِيسًا وَتَأْتِي

بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا أَوْ يَكُونُ لَكَ

بَيْتٌ مِّنْ زُخْرٍ أَوْ تَرْفَى فِي السَّمَاءِ وَلَكِنْ

لَوْ مِّنْ لَّدُنِّيكَ حَتَّى تُنْزَلَ عَلَيْكَ كِتَابًا

وَذِكْرِي لَتَقْعَمُ يَوْمِئِذٍ ۝

اُمّارہ جوان پر تلاوت کیا جاتا ہے، اس میں رحمت ہوا اور ایمان

(عنکبوت-۵) لانے والوں کے لیے یاد رکھنے کی چیز ہے،

اسی لیے معجزات کے ذکر میں ہمیشہ بِإِذْنِ اللَّهِ (خدا کی اجازت سے) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں،

(۶) شرک کی ایک قسم یہ تھی کہ انبیاء یا پیشوایان مذہبی کو تحریم و تحلیل کا مجاز سمجھتے تھے، یعنی وہ جس چیز کو چاہیں حرام

کر دین اور جس چیز کو چاہیں حلال ٹھہرا دین، قرآن مجید میں جب یہ آیت اُتری،

اِتَّخَذُوا اٰخْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا (توبہ-۵) ان لوگوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو رب بنالیا ہے،

تو حضرت عدیؓ نے جو حاتم طائیؓ کے فرزند اور اسلام لانے سے پہلے عیسائی تھے، آنحضرت صلم سے عرض کی

کہ ہم لوگ اپنے پیشوایان مذہبی کو اپنا رب تو نہیں سمجھتے تھے، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم لوگوں کا یہ اعتقاد نہ تھا کہ

یہ لوگ جس چیز کو چاہیں حلال اور جس کو چاہیں حرام کر دین، عرض کی کہ ہاں آپؐ نے فرمایا، یہی رب بنانا ہے۔

عموماً اہل مذاہب پیغمبروں کو شارع مستقل سمجھتے ہیں، لیکن یہ بھی ایک قسم کا شرک ہے، شریعت کی تاسیس

حلال و حرام کی تعیین، جائز و ناجائز کی تفریق، امر و نہی کے احکام یہ سب خدا کے ساتھ مخصوص ہیں، پیغمبر صرف مبلغ

اور پیغام رسان اور تعلیم الہی سے اُن احکام کے شارح اور بیان کرنے والے ہیں، اسی بنا پر قرآن مجید میں ذات

نبویؐ کی صفت رسالت کو بار بار تاکید اور اصرار کے ساتھ نمایان کیا گیا ہے،

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ وَكَذٰلِكَ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهٖ

محمد تو صرف ایک رسول ہے، اس سے پہلے اور رسول

الرُّسُلُ (آل عمران-۱۰) گزر چکے،

اِنَّمَا النَّسِيْخُ عِندَ رَبِّكَ رَسُوْلٌ ۗ اَللّٰهُ (نساء-۸۳) مریم کا بیٹا عیسیٰ اللہ کا صرف رسول تھا،

اس صبر سے مقصود یہ ہے کہ انبیاء میں خدائی کی کوئی صفت نہیں ہوتی، بلکہ جو کچھ اُن میں ہے وہ رسالت اور

نبوت کے اوصاف ہیں،

۷۔ شرک کا ایک بڑا ذریعہ یہ تھا کہ جو اعمال اور آداب خدا کے ساتھ مخصوص ہیں، وہ اوروں کے ساتھ بھی

حرام و حلال کرنا
خدا کا کام ہے

لہذا ان کو نبوی
دین کہتے ہیں
آیت مذکور

غیر خدا کی شریعت

برتے جاتے تھے یہ اگرچہ شرک فی العبادۃ یا شرک فی الصفات تھا، لیکن رفقہ رفقہ شرک فی الذات تک منجر ہوتا ہے، سجدہ عبادت خدا کے ساتھ مخصوص ہے لیکن کفار اور دیگر اہل مذاہب بتوں اور مقدایانِ دینی کو بھی سجدہ کرتے تھے، اور سلاطین و امرا کو سجدہ کرنا عام طور سے رائج تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سختی سے اس کو روکا، بنو اسرائیل میں سجدہ تقطیمی یا سجدہ محبت جائز تھا چنانچہ حضرت یوسفؑ کو اُن کے والدین نے سجدہ کیا تھا، لیکن چونکہ اسلام میں توحید کو انتہائے کمال تک پہنچانا تھا، سجدہ تقطیمی بھی منع کر دیا گیا، ایک دفعہ ایک صحابی خدمتِ اقدس میں آئے اور عرض کی کہ میں نے اہل عجم کو دیکھا ہے، وہ اپنے رئیسوں کو سجدہ کرتے ہیں، آپ اجازت دین تو ہم آپ کو سجدہ کریں، آپ نے فرمایا، تو کیا میری قبر پر گزرو گے تو اُسکو سجدہ کرو گے، عرض کی نہیں، فرمایا تو آپ بھی نہ کرو، اگر میں کسی کو دوسرے کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیکھتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے اسی طرح ایک اور صحابی ملک شام سے آئے، تو آپ کو سجدہ کیا، آپ نے پوچھا کہ یہ تم نے کیا کیا، عرض کی کہ میں نے شام میں رومیوں کو دیکھا کہ وہ اپنے مذہبی افسروں کو سجدہ کرتے ہیں، تو میری چاہا کہ میں بھی آپ کو سجدہ کروں، فرمایا ایسا نہ کرو، اگر میں کسی کو خدا کے سوا سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے،

۸۔ شرک کی ایک قسم یہ ہے کہ خدا کے ساتھ جو اوصاف مخصوص ہیں وہ اور دن میں تسلیم کئے جائیں، حکما یہ قدرتی نتیجہ ہے کہ شرک و صفت کی بنا پر، خدا کے شریک اور ہمسر بن جائیں اُن میں سے ایک وصف علم غیب ہے، اکثر اہل مذاہب اعتقاد رکھتے تھے اور اب بھی رکھتے ہیں کہ انبیاء اور اولیاء کو علم غیب ہوتا ہے، بنی اسرائیل کے زمانہ میں کاہنوں کا یہی کام تھا کہ وہ آئندہ واقعات کی پیشینگوئی بیان کیا کرتے تھے، عرب میں بھی کاہن یہی پیشہ کرتے تھے، اور مختلف طریقوں سے پیشین گوئی کرتے تھے، کبھی فال سے، کبھی پانسے پھینک کر، کبھی یہ ظاہر کرتے تھے کہ اُن کو جنات غیب کا حال بتاتے ہیں،

صفات الہی کی توحید

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت تاکید اور استقصاء کے ساتھ اس اعتقاد کو مٹایا اور علم غیب کی تمام صورتیں

باطل کین، خود قرآن مجید میں نہایت کثرت سے اس کے متعلق آیتیں نازل ہوئیں،

وَعِنْدَ الْمَفَاتِحِ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ، اور خدا کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنکو خدا کے سوا

(الغلام۔ ۷) کوئی نہیں جانتا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اجمال کی تفصیل بیان فرمائی، اور فرمایا کہ مفاتح غیب پانچ ہیں جنکو خدا کے سوا

کوئی نہیں جانتا،

۱۔ محل یعنی لڑکا ہوگا یا لڑکی،

۲۔ کل کیا ہوگا،

۳۔ بارش کب ہوگی،

۴۔ کس جگہ موت آئے گی،

۵۔ قیامت کب آئے گی،

اگرچہ علم غیب کی اور بھی صورتیں ہیں لیکن زیادہ تر انھی امور کی نسبت لوگ علم غیب کے مدعی تھے اور انہی باتوں کو لوگ پہلے سے جانتے کے خواہشمند ہوتے ہیں،

یہاں تک کہ خود اپنی ذات سے بھی علم غیب کی نفی کی، ایک دفعہ ایک شادی کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، انصار کی چند لڑکیاں گارہی تھیں، گاتے گاتے انھوں نے یہ گانا شروع کیا،

وَفِيْنَا رَسُولٌ يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ اور ہم میں ایک ایسا پیغمبر ہے جو کل کی بات جانتا ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ یہ نہ کہو، وہی کہو جو پہلے گارہی تھیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاص حکم دیا کہ آپ اس حقیقت کو واضح کر دیں،

قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ کہ دو اسے پیغمبر کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے

۱۷ صحیح بخاری کتاب الرد علی الجہمیین تفصیل مذکور ہے، ۱۸ صحیح بخاری کتاب النکاح،

وَلَا يَعْلَمُ الْغَيْبُ (انعام- ۶) خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں،

اور غیب کا علم صرف خدا کی صفت ہے،

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبُ کمد و اے پیغمبر کہ خدا کے سوا آسمانوں میں اور زمین میں

إِلَّا اللَّهُ، (نمل- ۵) کوئی غیب نہیں جانتا،

غیب دانی کے مدعی کا ہن جو عرب کی گلی گلی میں خدع و فریب کا جال پھیلانے بیٹھے رہتے تھے، اور بتانوں میں خدائی کرتے تھے، انکی سطوت خاک میں مل گئی، بتانے ویران ہو گئے، تو ان کے یہ پجاری بھی فنا ہو گئے، صحابہ نے اگر پوچھا کہ یا رسول اللہ! ہم جاہلیت میں کاسنون کے پاس جایا کرتے تھے، فرمایا اب نہ جایا کرو، میں کی ہم پرندوں سے فال لیا کرتے تھے، فرمایا: یہ تمہارا وہم تھا، اس کے سبب سے اپنے ارادہ سے باز نہ رہا کرو، بعض لوگوں کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کاسن کچھ نہیں، انھوں نے کہا یا رسول اللہ! انکی بعض باتیں سچی بھی نکل آتی ہیں، فرمایا شیطان ایک ادھ بات سن لیتا ہے، اور مرغی کی طرح قرقر کر کے اپنے دوست کے کانوں میں ڈالتا ہے، اور وہ اس میں ستوا باتیں جھوٹ ملا دیتا ہے، کبھی فرمایا کہ فرشتوں کی زبان سے شیاطین بھٹکا آسمانی میں چوری چھپے کچھ سن لیتے ہیں، اور کاسن اس میں سیکڑوں جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر بیان کرتے ہیں، جاہلون میں کچھ ایسے مکار ہوتے ہیں جو چوری کا قانا بناتے ہیں، عجب ان کو عراف کہتے تھے، فرمایا کہ جو کوئی کسی مال کا پتہ پوچھنے کے لئے کسی عراف کے پاس جائیگا، اسکی چالیں دن کی نماز قبول نہ ہوگی، ظلم نجوم جس کے زور سے لوگ غیب کا حال دریافت کر لینے کے مدعی بنتے تھے، اس کا سیکھنا بھی جادو کی طرح گناہ قرار دیا، اور فرمایا کہ جو کسی کاسن کے پاس جا کر اسکی باتوں کو سچ سمجھے وہ محض پروچہ کچھ اترا ہے اس سے انکار کرتا ہے،

ان تعلیمات نے خدا کے علاوہ دوسروں کی غیب دانی کے عقیدہ کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا، کمانت کی

لے مشکوٰۃ باب الکمانۃ میں صحیحین سے یہ حدیثین نقل کی ہیں، ظلم نجوم کی حرمت والی حدیث ابو داؤد ابن ماجہ اور احمد سے لی ہے،

گرم بازاری سرد ہوگئی، فال، تنگن بد، نجوم اور غیب دانی کے دوسرے خدا غانہ طریقے مٹ گئے، پرندوں اور
پانسون کے ذریعہ سے غیب کا حال دریافت کرنا وہم و وسوسہ قرار پایا، اور غیب کی ملکیت پر خدا کے سوا کسی اور
ٹی حکومت قائم نہ رہی،

غنی قوتوں
کا ابطال

۹۔ کائنات میں خدا کے سوا جن غیبی اسباب و علل یعنی سحر و طلسم، جتات، شیاطین اور ارواحِ خبیثہ اور دیگر
قسم کی قوتوں کی غیبی قدرت و تصرف کا اعتقاد تھا، اور ان سے بچنے کے لیے ان کی دہائی پکاری جاتی تھی، نذر چڑھا
جاتی تھی، قربانی کیجاتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور وحی نے ان تمام مزخرفات کا قلع و قمع کر دیا، اور خدا کے سوا
تمام دوسری غنی و پوشیدہ قوتوں کا ذرا انسانوں کے سینوں سے ہمیشہ کے لیے نکال کر پھینک دیا، اور دعا و کلمات
الہی کے سوا ہر نوع کے جھاڑ، پھونک، منتر، تعویذ، گنڈے، ٹونکے، جنین کسی غیر خدا سے غیبی استمداد یا شرک کا کلمہ
ہو، کفر قرار پایا، اسی قسم کے فاسد خیالات کے استیصال کے لیے ہر نماز میں، اور نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ
کے ضمن میں اس آیت کے پڑھنے کا حکم دیا گیا،

إِيَّاكَ تَعْبُدُ وَإِيَّاكَ تَسْتَعِينُ، (فاتحہ) (اے عالم کے پروردگار) ہم تیرے ہی آگے سر جھکاتے

ہیں، اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں،

سحر و طلسم و جادو اور ٹونکے کے متعلق ارشادِ خداوندی ہوا،

وَمَا هُمْ بِصَاحِبِينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بَاذِنَ اللَّهِ
وَيَعْلَمُونَ مَا يُضْرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ
وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي
الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ط

یہ جادو اور ٹونکے کرنے والے کسی کو کچھ نقصان نہیں
پہنچا سکتے، لیکن خدا کے حکم سے، اور یہ یہود و جادو
ٹونکے (سکے) بن جو ان کو نقصان رسان ہیں، نفع بخش
نہیں، اور یقیناً ان کو علم ہے کہ جو ان کو حاصل کرتا ہے

اُس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، (بقرہ ۲-۱۲)

یہ بھی اعلان کر دیا گیا کہ سحر و جادو کی حقیقت وہم و خیال سے زیادہ نہیں، فرمایا،

يُخَيِّلُ الْيَدَيْنِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنْهَا تَسْعَى (طہ-۳)

مصری جادو گردن کے جادو سے انکو خیال آتا تھا کہ وہ دوزخ میں
بلکہ بعض صحابہ نے ان سحر جادو گردن کے قلع قمع کے لیے ان کے قتل تک کا حکم دیدیا، تاکہ انسانوں پر ان کا
جو خوف دہر اس بیٹھا ہوا ہے وہ دور ہو، اور ان کے اس عاجزانہ قتل ہونے سے یہ ثابت ہو کہ ان میں کوئی غیر معمولی
طاقت نہیں، وہ بالکل بے بس ہیں،

ابوداؤد میں ہے کہ ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہم جاہلیت میں
جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے، اب آپ کیا فرماتے ہیں؟ ارشاد فرمایا، کہ تم اپنے جھاڑ پھونک ہمارے سامنے پیش کرو، اگر
ان میں شرک کی کوئی بات نہیں تو کچھ مضائقہ نہیں، ایک اور صحابی نے ایک بیمار یا پگل کو سورہ فاتحہ پڑھ کر حذر دے
پھونکنا وہ اچھا ہو گیا، اُس نے ان کو انعام دیا، انھوں نے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ عرض کیا، تو فرمایا کہ میری عمر
کی قسم، ہر جھاڑ پھونک بطل ہو، لیکن تنے سچے جھاڑ کی روزی کھائی، ایک اور صحابی روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا،
ان الوقوف المتماثلہ والتولہ شرک، بیشک جھاڑ پھونک، گندے اور میان بیوی کے
(ابوداؤد ابن ماجہ) چھڑانے کے تو یہ شرک ہیں،

انہیں صحابی کے گھر میں ایک بڑھیا آیا کرتی تھی، گھر والوں نے اس سے کسی بیماری کا کوئی ٹوٹکا کرایا،
ایک دھاگا پڑھ کر اُس نے باندھ دیا تھا، وہ گھر آئے تو اس دھاگے پر اون کی نظر پڑی، انھوں
نے ہات بڑھا کر اس کو توڑ کر پھینک دیا، اور فرمایا کہ عبد اللہ کا خاندان شرک کی باتوں سے مستغنی ہے،
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ جھاڑ پھونک، گندے، اور میان بیوی کے چھڑانے کے تو یہ شرک ہیں،
ان کی بیوی نے کہا کیا وجہ ہے کہ ایک دفعہ میری آنکھوں میں کچھ پڑ گیا، جب میں جھاڑتی تھی تو پانی رک جاتا تھا،
اور جب چھوڑ دیتی تھی، تو پانی بھرتا تھا، انھوں نے جواب دیا، یہ شیطانی بات ہے، تم نے کیوں وہ نہ کیا جو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے، آنکھوں میں پانی ڈالتین اور یہ دھاگے پھینکتیں، اُسے لوگوں کے پروردگار! اس بیماری کو دور کر، تو ہی

لے جا تے تریذی باب ما جاز فی حد السحر و ابوداؤد و ابی احمد الجزیری من الجوس،

شفا دینے والا ہے، تیری شفا بخشی کے سوا کوئی شفا نہیں، ایسی شفا دے کہ پھر کوئی بیماری نہ رہے۔

۱۰۔ وہ تمام اوہام و خرافات جن سے شرک پرست اہل عرب لرزہ بر اندام رہتے تھے، اور جنکو وہ بالذات موثر اور متصرف سمجھتے تھے، آنحضرت صلیع نے ان کا ظلم توڑ دیا، اور اعلان فرمادیا کہ ان کی کوئی اصل نہیں، فرمایا،

وخرافات کا
ابطال،

لاعدوی، ولا طیرۃ ولا صفر ولا نہ چھوت ہے، نہ بدفالی ہے، نہ پیٹ میں بھوک کا سہ

ہامۃ (ابوداؤد وابن ماجہ) نمرود کی کھوپڑی سے پرندہ نکلتا ہے،

ایک اور صحابی کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا،

العیافۃ والطیرۃ والطرق من الحبۃ، پزندون کی بولی سے فال لینا، ان کے اڑنے سے فال لینا، اور

لنگری پھینک کر یا خاک پھینک کر حال بتانا شیطانی کام ہے، (ابوداؤد وابن ماجہ)

ایک اور صحابی آپ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ”فال نکالنا شرک ہے“ پھر ان صحابی نے کہا کہ ہم صحابہ میں کوئی نہیں جو اس کو برا نہ سمجھتا ہو، بلکہ خدا پر بھروسہ رکھنا چاہئے، یہ بھی آنحضرت صلیع نے فرمایا کہ ”نچھتر دنوں کے نہیں“ یعنی پانی کی بات میں اس کو بالذات کوئی دخل نہیں، اسی طرح غول بیابانی کے متعلق عربوں کے جو معتقدات تھے ان کو آپ نے ایک نقطہ سے باطل کر دیا، فرمایا،

لاخول (ابوداؤد باب فی الطیرۃ) غول بیابانی کچھ نہیں،

اسی طرح بحیرہ اور سائبہ وغیرہ جانوروں کے متعلق ان کے خیالات فاسدہ کا قرآن نے ابطال کیا، سورۃ انعام میں اُنکے ان مشرکانہ عقائد اور اعمال کی تصریح تردید کی گئی، اور سورۃ مائدہ میں فرمایا گیا،

مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِیْرَةٍ وَلَا سَائِغٍ وَلَا وِصِیْلَةٍ وَلَا حَاحٍ، (مائدہ-۱۳) خدا نے بحیرہ، اور سائبہ اور وِصیلہ اور حاح نہیں ٹھہرایا،

بحیرہ، اُس بچہ کو کہتے تھے، جبکا کان بھاڑ کر تبون کی نذر کرتے تھے،

لہ یہ تمام روایتیں ابوداؤد جلد دوم باب التہائم و باب ماجاء فی الرقیۃ ابن ماجہ باب تعلیق التہائم میں ہیں لہ ابوداؤد ابن ماجہ ذکر فال لہ ابوداؤد و باب الطیرۃ

سانپ، اُس جانور کو کہتے تھے جو تون کے نام پر چھوڑ دیئے جاتے تھے،
 واصلہ، بعض لوگ نذر مانتے تھے کہ اگر بچہ نہ ہو تو اودھ کو بت پر چڑھائینگے، اور اگر مادہ ہوئی تو ہم رکھینگے،
 پھر اگر زودادہ ملے ہوتے تو مادہ کے ساتھ نہ بھی رکھ لیتے تھے، یہ واصلہ تھا،

حامی، وہ اونٹ جس کے دس بچے بوجھ اٹھانے اور سواری کے لائق ہو چکے، تو دیوتا کے نام پر زرا
 کر دیا جاتا،

یہ اور اسی قسم کے دوسرے ادھام جو عرب میں پھیلے ہوئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا استیصال فرمایا،
 یہ ادھام پرستی حقیقت میں، قوموں کی تباہی کا ایک بڑا سبب ہوتی ہے، یہ ادھام حقیقت کے خلاف ہونے
 کے علاوہ بہت سے کاموں میں خلل انداز ہوتے ہیں، اور غور سے دیکھو تو ان کا سلسلہ بالآخر کسی نہ کسی شرک تک
 منجر ہوتا ہے، اور انسان کو صحیح طریق عمل سے روک دیتے ہیں، مثلاً بیماری میں طب کے قاعدہ کے موافق علاج
 کیا جائے تو مفید ہوگا، لیکن بہت سے لوگ ہم پرستی کے بنا پر ٹونے ٹونے کو دفعِ مرض سمجھتے ہیں، اس قسم کے
 ادھام عرب میں نہایت کثرت سے پھیلے ہوئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام ادھام کو تصریح اور تعین کے ساتھ
 باطل قرار دیا، مثلاً

۱۔ عرب کا خیال تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مرجاتا ہے تو چاند یا سورج میں گرہن لگتا ہے، حضرت ابراہیم
 آپ کے صاحبزادہ نے جب انتقال کیا تو سورج میں گرہن لگا ہوا تھا، لوگوں نے خیال کیا کہ انہی کے مرنے
 کا اثر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو مسجد میں جا کر خطبہ دیا کہ چاند اور سورج خدا کی قدرت کے مظاہر ہیں، کسی کے مرنے
 سے ان میں گرہن نہیں لگتا،

۲۔ یہ خیال تھا کہ سانپ اگر مارا جائے تو اس کا جھوڑا آتا ہے اور انسان کو ہلاک کرتا ہے،

۳۔ ایک دفعہ آپ مسجد میں تشریف رکھتے تھے، ایک ستارہ ٹوٹا، آپ نے دریافت فرمایا کہ جاہلیت میں

تم لوگ اسکی نسبت کیا اعتقاد رکھتے تھے، لوگوں نے عرض کی کہ ہمارا یہ اعتقاد تھا، کہ جب کوئی بڑا شخص مر جاتا ہے یا کوئی بڑا شخص پیدا ہوتا ہے تو ستارے ٹوٹتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ کسی کے مرنے یا پیدا ہونے سے ستارے نہیں ٹوٹتے۔

۴۔ شیرخوار بچوں کے سرہانے استرا رکھ دیا کرتے تھے کہ جن ان کو نہ ستانے پائیں، ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے دیکھا تو اٹھا کر پھینک دیا اور کہا کہ آنحضرت صلیم ان باتوں کو ناپسند کرتے تھے،

۵۔ نظر بد سے بچنے کے لیے اونٹوں کے گلے میں قلادہ لٹکاتے تھے آنحضرت صلیم نے حکم دیا کہ کسی اونٹ کے گلے میں قلادہ نہ رہنے پائے،

الغرض توحیدِ کامل کی تعلیم نے عربوں کے تمام مشرکانہ ادہام و خرافات کو ہمیشہ کے لیے مٹا دیا، اسلام کی اس اصلاحی اہمیت کا اندازہ عیسائیت کی اُن مقدس روایات و حکایات سے کرو، جنہوں نے صدیوں تک دنیا کو دیون، بھوتوں، اور چڑیلوں کے تسلط اور عذاب کے شکنجے میں مبتلا رکھا، اور اُن کو نکالتا اور بھگانا عیسائیت کا کمال اور اعجاز سمجھا جاتا رہا،

۱۱۔ شرک کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب کفارہ اور شفاعت کے وہ غلط معنی تھے، جو عربوں اور عیسائیوں وغیرہ میں رائج تھے، عربوں نے شفاعت کے جو غلط معنی سمجھ رکھے تھے، اُس کا اصلی سبب اُن کا وہ خیال تھا جو خدا اور بندوں کے تعلق کی نسبت اُن کے ذہن میں قائم تھا وہ خدا اور بندوں کے درمیان وہی نسبت سمجھتے تھے جو ایک قاهر و جابر بادشاہ اور اسکی رعایا کے درمیان ہے، اور جس طرح بادشاہ کے دربار تک ایک عام اور معمولی رعایا کی رسائی دربار رس سفارشیوں اور مقربوں کے بغیر ممکن نہیں اسی طرح اُس شہنشاہ کے دربار میں بھی وہ اُس کے دربار رس سفارشیوں اور مقربوں کے بغیر رسائی ممکن نہیں سمجھتے تھے، اسی لیے وہ ان درمیانی ہستیوں کے بھی خوش رکھنے کی ضرورت کے متقد تھے، چنانچہ وہ اپنے بٹوں، دیوتاؤں اور فرشتوں کو اسی نسبت سے پوجتے تھے اور کہتے تھے،

کفارہ اور شفاعت کے غلط معنی پر ردید

هُوَ لَا يُشْفَعُ وَنَا حِجْدَ اللّٰهِ ۝ (یونس-۱) یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں،

آنحضرت صلعم نے جب اُن کی اس بت پرستی پر ان کو ملامت کی تو انھوں نے صاف کہا،
مَا نَعْبُدُ هُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰی، ہم اُن کو اسی لئے پوجتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ کے تقرب میں
(زمزم-۱) نزدیک کر دیں،

یہودیوں میں بھی اسی قسم کی دوسری غلط فہمی تھی، وہ یہ سمجھتے تھے کہ بنی اسرائیل کا گھرانہ خدا کا خاص کنبہ اور
خاندان ہے، اور ان کے خاندان کے پیغمبر اور نبی چونکہ خدا کے پیارے اور محبوب ہیں اس لئے انکی اولاد اور
نسل بھی دینا اور آخرت میں یہی درجہ رکھتی ہے، اگر ان پر کوئی مصیبت بھی پڑے گی تو اُن کے خاندان کے بزرگ
جو خدا کے مقرب اور برگزیدہ ہیں، وہ ہر طرح اُن کو اُس سے بچالین گے، اُن کا دعویٰ تھا کہ
تَحْنُ اَبْنَاءُ اللّٰهِ وَاَحِبَّاءُ ۝ (مائدا-۳) ہم خدا کی اولاد اور اُس کے پیارے ہیں،

قرآن نے کہا،

بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّثْلُ خَلْقٍ يَّغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ
وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ (مائدا-۳)

بلکہ تم بھی خدا کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہو، یہ اُسی
کو اختیار ہو کہ جسکو چاہے بخشے اور جسکو چاہے سزا دے،

اور اسی بنا پر اُن کا دعویٰ تھا،

لَنْ تَمْسَسَا النَّارَ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ
(ال عمران-۳)

ہم کو دوزخ صرف چند گنتی کے دن چھو کر
چھوڑ دے گی،

قرآن نے کہا

وَعَزَّوْهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ
(ال عمران-۳)

اور یہ جھوٹ اپنے دل سے بنا کر جو عقیدہ گھڑ چکے ہیں وہ
اُن کے مذہب میں اُن کو دھوکا دیر رہا ہے،

عیسائیوں کا عقیدہ یہ تھا اور ہے کہ باپ (خدا) نے تمام انسانوں کی طرف سے جو موروٹی اور طبعی

طور سے گنہگار ہیں، اپنے اکلوتے بیٹے (حضرت عیسیٰ) کو قربانی دیکر ان کے گناہوں کا کفارہ دیدیا، اور وہ گناہوں سے پاک و صاف ہو گئے، اور حضرت عیسیٰؑ اور ان کے بعد ان کے جانشین پوپوں کو گناہوں کے معاف کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، کہ جو وہ زمین پر کھولیں گے وہ آسمان پر کھولا جائیگا، اسی لیے پوپوں کے سامنے اعترافِ گناہ کا عقیدہ عیسائیوں میں پیدا ہوا، اور ان کو بندوں کے گناہوں کے معاف کرنا دنیا میں حق ملا،

پیغامِ محمدیؐ نے ان کو ملزم قرار دیا اور کہا،
 اتَّخَذُواْ أَخْبَارَهُمْ وَهُمْ لَا يَسْمِعُونَ أَذْنَ بَابِائِمْ
 انہوں نے اپنے مالوں اور ایموں کو خدا کو چھوڑ کر
 دُونِ اللّٰہِ، (توبہ-۵)

اور اصولی طور سے اُس نے یہ بتا دیا کہ

وَمَنْ يَعْصِرْ الذَّنْبَ أَتَى اللّٰهَ (آل عمران-۱۴)
 خدا کے سوا کون گناہوں کو معاف کر سکتا ہے،
 اُن کا عقیدہ تھا کہ بیثباتی امت کے دن باپ کے واسطے بازو پر برابر بیٹھ کر خلق کا عدل و انصاف کرے گا،
 پاک نے ایک بڑے مؤثر طرز میں اس کی تردید کی ہے، قیامت کے دن خدا حضرت عیسیٰؑ سے پوچھے گا،
 اے عیسیٰ! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری
 مِثْرَ دُونِ اللّٰہِ (مائتہ-۱۶)

وہ کہیں گے، ہاں! ہاں! میں نے تو ان سے وہی کہی کہ
 اُن سے یہی کہا کہ صرف ایک خدا کو پوجو، اب

اِنْ تَعْبُدُوْهُمْ فَاَتَّخِذُوْا عِبَادَکَ، وَاِنْ تَعْبُدُوْهُمْ
 اِذَا تَعْبُدُوْهُمْ فَاَتَّخِذُوْا عِبَادَکَ، (مائتہ-۱۶)

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ گناہوں کی مغفرت
 ہاتھ میں ہے کسی دوسرے کو اس میں کوئی دخل نہیں،

بت پرست عربوں کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ یہ دیوتا اور اُن کے یہ بت خدا کی طرف سے دو تون عالم میں حقاً
 کُل ہیں، وہ یہاں دینے نہ دینے کا، اور اُس عالم میں بختے کا اختیار رکھیں گے، اور اس عقیدہ کا نام اُن کے یہاں
 "شفاعت" تھا، اور یہ دیوتا اُن کے شفیق تھے، قرآن مجید نے کفارہ، غیر خدا کے اختیارِ مغفرت، اور بت پرستانہ طریقہ
 شفاعت کے عقائدِ باطلہ کی ہر طرح تردید کی، اور بتایا کہ یہ اختیار خدا کے سوا کسی اور کو نہیں سب اس کی عظمت اور جلال
 کے سامنے عاجز اور درماندہ ہیں،

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ
 الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ فُتَّمْ يَعْلَمُونَ
 یہ کافر خدا کو چھوڑ کر جن کو پکارتے ہیں، وہ شفاعت کا اختیار
 نہیں رکھتے، لیکن وہ جس نے حق کی شہادت دی اور
 وہ جانتے بھی ہوں، (ذخرف - ۷)

لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ اتَّخَذَ عِنْدَ
 الرَّحْمَنِ عَهْدًا، (مریم - ۶)
 یہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے، لیکن جس نے رحم والے
 خدا سے اقرار لے لیا،

ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُونِهِ إِلَهًا إِنْ يُرِيدِ الْكَافِرُ
 بُخْرًا لَأَغْنِي عَنِ شَفَاعَتِهِمْ شَيْئًا وَلَا
 يُنْقِذُونِ، (سین - ۲)
 کیا خدا سے برحق کو چھوڑ کر مجھ کوٹے معبودوں کو خدا بناؤں
 اگر چہ مجھے نقصان پہنچانا چاہیں تو اُن کی شفاعت مجھے
 بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی اور نہ وہ مجھے بچھا سکتے ہیں،

کفار فرشتوں کو بھی اسی غرض سے پوجتے تھے، حکم ہوا،
 وَلَكُم مِّنْ مَّلَآئِكَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِي عَنْكُمْ
 شَيْئًا اِلَّا مِّنْ اِذْنِ اللّٰهِ لِمَنْ يَّشَآءُ
 اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں کہ اُن کی شفاعت کچھ
 فائدہ نہیں پہنچاتی، لیکن اس کے بعد کہ اللہ اجازت
 دے جس کے لیے چاہے اور پسند کرے، (نجم - ۳)

اَمْ اَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ شُفَعَاءَ قُلُوبًا
 كَاُنَّا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ (زمرہ)
 کیا اُن کافروں نے خدا کے سوا کو شفیق بنایا ہے، اہل کفر
 اگرچہ یہ کچھ اختیار اور سمجھ بوجھ نہ رکھتے ہوں، تو بھی؟

خدا قیامت میں اُن سے کیگا،

وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَ كُفَرٍ الَّذِينَ زَمَمْتُمْ
أَنَّهُمْ فَبِئْسَ لَكُم شُرَكَاءُ (الغافر- ۱۱)

وَيَوْمَ تَقُودُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ
وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ مِنْ شُرَكَائِهِمْ شُفَعَاءُ (روم)

خاص یہود کو مخاطب کر کے اُن کے عقیدہ کی تردید میں کہا گیا،

يٰۤاِبْنِي اِسْرٰٓءٰٓءِلَ وَاتَّقُوا
اے فرزند اسرائیل! اور ڈرو اُس دن سے
يَوْمَ لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا
جس میں کوئی ایک دوسرے کے ذرا کام نہ آئیگا، اور نہ اسکی طرف سے
يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُغْنِي عَنْهَا
کوئی شفاعت قبول کی جائیگی اور نہ کچھ اس کے بدلہ میں یا
عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ (بقرہ- ۶)

پھر اسی معنی کی آیت اسی سورہ میں دوسری جگہ ہے،

يٰۤاِبْنِي اِسْرٰٓءٰٓءِلَ وَاتَّقُوا يَوْمَ
اے فرزند اسرائیل! اور ڈرو اُس دن سے
لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا
جس میں کوئی کسی کے کام ذرہ بھی نہ آئیگا، اور نہ اس کی
عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ (بقرہ- ۱۵)

اور اسی معنی میں مسلمانوں سے بھی کہا گیا کہ وہ عمل پیش کریں، شفاعت کے بھروسے میں نہ رہیں،

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا يَوْمًا تَرَوُنَّ
اے مسلمانو! جو کچھ تم نے تم کو روزی دی رکھی ہو اس میں سے
مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّآتِيَ يَوْمٌ لَا يَبِيعُ فِيْهِ كُؤُلُوبُ
کچھ خرچ کر دیا کرو، اس دن کے آنے سے پہلے جس میں دلیں
وَلَا شَفَاعَةُ - (بقرہ- ۲۴)

دین ہے نہ دوستی، نہ شفاعت ہے،

غرض آپ کے پیغام نے ان معنوں میں شفاعت کے عقیدہ باطل کی ہر جگہ تردید کی ہے، اور اعلان کیا ہے

کہ اس شفاعت کا اختیار صرف خدا کے ہاتھ میں ہے،

أَمْ تَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ سُفْعَاءَ قُلُوبِكُمْ ۖ

كَانُوا لَا يَتْلُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ ۚ

قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ۚ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

وَالْأَرْضِ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ، (زمر - ۵)

اس آیت پاک نے کفار و مشرکین کے عقیدہ شفاعت کی قطعی طور سے تردید کی، دوسری آیت میں یہ

و نصاریٰ کے عقیدہ شفاعت کا اتنا حصہ صرف تسلیم کیا کہ خدا کے نیک بندے اپنے دوسرے بھائیوں کے حق میں شفاعت کریں گے،

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ

الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ

يَعْلَمُونَ، (زخون - ۷)

دوسری جگہ اسی شہادت کو اقرار لینا کہا گیا ہے،

لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ

الرَّحْمٰنِ عَهْدًا (مہم - ۶)

لیکن اس شہادت حق اور عہد الہی کے باوجود اس اختیار کے استعمال کے لیے اللہ تعالیٰ کی اجازت

اور رضامندی شرط ہے،

مَا مِنْ شَافِعٍ إِلَّا مَنِ بَقِيَ بِأَذْنِهِ ۖ (یونس - ۱)

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَ رَبِّهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ

لیکن اسکی اجازت ۴۱

(بقہ ۳۴۷)

وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمَوَاتِ لَا تُغْنِي عَنْهُمْ شَفَاعَتُهُمْ

اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں کہ انکی شفاعت ذرا بھی

شیا الاَمِنْ بَعْدِ اَنْ يَّادَنَّ اللهُ لَمْ يَنْتَفِعْ بِشَفَاعَتِهِمْ

کام نہیں آسکتی البتہ اسکے بعد کہ خدا اجازت دے جس کو چاہے

(مجم-۲)

اور پسند کرے،

لَا يَكَلُمُونَ اِلَّا مَنْ اِذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ

یہ فرشتے اور روح کوئی خدا سے اس دن بات نہ کرے گا،

صَوَابًا، (نبا-۲)

لیکن جسکو وہ رحم والا اجازت دے اور ٹھیک کہے،

پھر یہ شفاعت بھی اونہیں لوگوں کے حق میں ہو سکے گی، جن کے حق میں اللہ تعالیٰ انبیاء اور صالحین

کو شفاعت کی اجازت دیگا، فرمایا،

وَلَا يَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَ اِلَّا اِلْمَنْ اِذِنَ

اور شفاعت خدا کے نزدیک نفع نہ دیگی لیکن اس کیلئے

لَهُ، (سبا-۳)

جس کے لیے وہ شفاعت کی اجازت دے،

يَوْمَئِذٍ لَا يَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا اِلْمَنْ اِذِنَ

اس دن شفاعت نفع نہ دیگی لیکن اوسکو جس کے لئے

لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا، (طہ-۶)

خدا اجازت دے اور اُس کے لیے بات کرنا پسند کرے،

بلکہ خود انبیاء علیہم السلام بھی سفارش انہیں کی کریں گے جبکی خود چاہیگا، فرمایا،

وَلَا يَشْفَعُونَ اِلَّا اِلْمَنْ ارْضٰى وَهُمْ مِنْ

اور وہ شفاعت نہیں کریں گے لیکن اُسکی جس کے لیے خدا

خَشِيَّتِهِ مُشْفِقُونَ، (انبیاء-۲)

اپنی خوشنودی ظاہر کرے اور وہ اُس کے خوف سے ہراساں ہوں گے،

پھر ایک جماعت ایسی بھی ہے جس کے افراد کے لیے ازل ہی سے یہ اعلان عام ہو چکا ہے کہ اُن کے

لئے مغفرت اور شفاعت کا دروازہ بند ہے، اور یہ وہ مجرم ہیں جن کے دل حق کی شہادت سے محروم رہ گئے

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ (مذہ-۲)

تو اُن کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہ دیگی

وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حِمٍّ وَلَا يَشْفَعُ يَتَّاعُ، (مومن-۲)

اور ظالموں (شرکوں) کا کوئی دوست (اُس) نہ ہوگا اور نہ کوئی شفیع

لَهُ اِنَّ الشِّرْكَ فُكْرٌ عَظِيمٌ (نقان-۲) بیشک شرک بڑا ظلم ہے، (صحیح بخاری ذکر نقان جلد ہفتم، ص ۴۸)

اور وہ بد نصیب گروہ جس کے حق میں رحمت کا یہ دروازہ بند رہیگا، شریکین ہیں، جیسا کہ ذیل کی آیت ظاہر ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ، (نساء-۱۸)

اللہ اس گناہ کو کہ اُس کے ساتھ کوئی شریک ٹھہرایا جائے، نہیں بخشتا، اور اس سے نیچے کے گناہ جو چاہے بخشدے

لیکن اب ایسی حالت میں جب کہ وہی شفاعت کر سکیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ اس کی اجازت دے گا، اور وہ بھی انھیں کی شفاعت کرینگے جسکی شفاعت کرنا خود خدا کو منظور ہوگا، تو حقیقت میں خود اللہ ہی اپنے دربار میں اپنا آپ شفیع ہوگا، یا صوفیانہ اصطلاح میں یوں کہو جلال الہی کی بارگاہ میں اسکی صفت کریمی و رحیمی خود شفیع بنکر کھڑی ہوگی، اسی لیے ارشاد ہوا،

وَأَنْذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْ يُجْزَوْا إِلَىٰ رَجِيمٍ لَّيْسَ لَهُمْ مِنْ دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ،

اور اس قرآن کے ذریعہ (اسے پیغمبر) اُن لوگوں کو

ہشیار کرے جو اس سے ڈرتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے

پاس جمع کئے جائینگے، اُنکے لیے اسکے رب کے سوا کوئی مددگار

اور شفیع نہیں، شاید وہ بچتے رہیں، (الغافر-۵)

مَا لَكُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ ۚ

أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ، (سجده-۱)

خدا کی اس صفت کریمی و رحیمی کے منظر اُس دنیا میں بھی وہی ہونگے، جو اس دنیا میں اس کے منظر

بنکر آئے تھے، اور وہ انبیاء کرام ہیں کہ خدا کے رحم و کرم ہی کے سبب سے جو اس کو اس دنیا اور اہل دنیا کیساتھ

ہے، ان انبیاء کی بعثت ہوئی، اور وہ اپنی اپنی امت پر شاہد قرار پائے، اسی طرح خدا کی اجازت کے بعد اُس

دنیا میں بھی وہی خدا کے اس رحم و کرم اور فضلِ عظمیٰ کے منظر قرار پائیں گے، نیز رحمت کے فرشتے اور امت کے نیکو

اور صالح افراد بھی جن کو رحمت الہی نے چنا ہو، اس منصب پر ممتاز ہو سکیں گے، خصوصاً وہ سرایا رحمت جو

اس دنیا میں رحمتہ للعالمین کا منظر بنکر آیا،

۱۳۔ بظاہر دنیا میں بہت سی باتیں آفتاب و مہتاب کی گردش، اور ان کے سبب اختلافِ موسم کے اثر سے ہوتی ہیں، اس لیے ستارہ پرست قوموں میں یہ اعتقاد پیدا ہو گیا تھا کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ستاروں کی گردش کے اثر سے ہوتا ہے، یہی اعتقاد عرب کے مشرکوں میں بھی پھیلا تھا، وہ سورج اور چاند کو سجدے کرتے تھے، اسلام نے ان کو اس شرک سے روکا اور کہا،

لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ (فصلت - ۵) سورج اور چاند کو سجدے نہ کیا کرو،

اسی طرح وہ زمانہ کو دنیا کے کاروبار میں حقیقی موثر جانتے تھے، اور یہ کہتے تھے،

وَمَا يُضِلُّنَا إِلَّا اللَّهُ (جاثیہ - ۳) ہم کو تو زمانہ مارتا ہے،

اسی کا اثر ہے کہ ہماری شاعری کی زبان میں فلک کی جزا اور دہرا ہنجا کی شکایت اتنی چلی جاتی ہے عرب کے مشرکین بھی اس طرح بولا کرتے تھے، ان کو جب کوئی خلاف توقع تکلیف پہنچتی تھی تو زمانہ کی شکایت کرتے تھے اور کہہ کر کہتے تھے، آنحضرت صلعم نے اس طرح فرمایا کہ زمانہ کو گالی نہ دیا کرو کہ زمانہ خود خدا ہے اور فرمایا کہ خدا ارشاد فرماتا ہے کہ آدم کا بیٹا بھی تکلیف پہنچاتا ہے، وہ زمانہ کو برا کہتا ہے، زمانہ میں ہوں، میرے ہاتھ میں تمام کام ہیں، میں شب و روز کا انقلاب کرتا ہوں، یعنی جن تکلیفوں اور مصیبتوں کا خالق زمانہ کو سمجھ کر لوگ اُس کو برا کہتے ہیں، حقیقت میں اُن کا پیدا کرنے والا خدا ہی ہے، اس لیے یہ گالی حقیقت میں خدا کو دی جاتی ہے،

اسی خیال کا یہ بھی اثر تھا کہ اہل عرب بارش کو نچھتر کی طرف منسوب کیا کرتے تھے، اور کہا کرتے تھے کہ فلان نچھتر کے سبب ہم پرانی برسیا گیا، حدیبیہ کے موقع پر اتفاق سے رات کو بارش ہوئی، صبح کو نماز کے بعد اُس صحابہ کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا تم جانتے ہو، تمہارے رب نے کیا کہا، صحابہ نے عرض کی کہ خدا اور اُس کا رسول زیادہ جانتا ہے، ارشاد ہوا، اُس نے فرمایا، آج صبح کو میرے بندوں میں سے کچھ مومن ہو کر اٹھے، اور

لے فتح باری شرح بخاری جلد ۴ صفحہ ۴۴، و کتاب الاسماء والصفات یعنی صفحہ ۱۱۱، و کتاب الادب صفحہ ۱۱۱، و تفسیر سورہ جاثیہ، و کتاب الرد علی الجہیم جلد ۲ صفحہ ۱۱۱،

کچھ کافر ہو کر جنھوں نے یہ کہا کہ خدا کے فضل و رحمت سے ہم پر پانی برسا، وہ تو خدا پر ایمان لانے والے اور ستارہ کے انکار کرنے والے ہیں، اور جنھوں نے یہ کہا کہ فلان نچھتر سے پانی ہم پر برسا تو وہ خدا کے انکار کرنے والے اور ستارہ پر ایمان لانے والے ہیں۔

سورج گرہن اور چاند گرہن کو بھی لوگ عظیم اشیان و واقعات اور انقلابات کی علامت سمجھتے تھے، کم و بیش دنیا کی تمام قوموں میں وہ آسمانی دیوتاؤں کے غیظ و غضب کے مظہر یقین کئے جاتے تھے۔ مسیحیوں میں اتفاق سے ایک دن سورج گرہن لگا، اور اسی دن آپ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم نے وفات پائی، صحابہ نے خیال کیا کہ یہ سورج گرہن لگنے کا سبب حضرت ابراہیم کی موت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سنا تو تمام مسلمانوں کو مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیا، اور ایک مبلغ خطبہ ارشاد فرمایا، حسین اس خیال کی تردید کی، فرمایا کسوف و خسوف اور گرہن کو کسی کے جینے مرنے سے کوئی تعلق نہیں، یہ بھی خدا کے نشانوں میں سے ایک نشان ہے،

۱۳۔ شرک کی ایک نہایت ہی باریک صورت یہ تھی کہ لوگ غیر خدا کی قمین کھاتے تھے،

غیر خدا کی قم
سے روکنا

قم کھانے کے معنی حقیقت میں شہادت کے ہیں، جبکی قم کھائی جاتی ہے، اوسکو دراصل واقعہ پر گواہ بنایا جاتا ہے، عربوں میں بت پرستی کے رواج کے باعث بتوں اور دیوتاؤں کی قمین کھائی جاتی تھیں، جو صریح کفر تھیں، قریش اپنے دیوتاؤں اور عورتوں کی قمین کھایا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے منع فرمایا، لیکن رواج اور عادات کے باعث مسلمان ہونے کے بعد بھی بے اختیار اُن کی زبان سے اُن کی قمین نکل جاتی تھیں، آپ نے فرمایا کہ جس شخص کی زبان سے لات اور عزی کی قم نکل جائے تو وہ فوراً کہہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ لے یہ گویا اس کفر کے کلمہ سے توبہ ہے، قریش میں باپ کی قم کھانے کا بھی رواج تھا، اس سے بھی آپ نے منع فرمایا، ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو اپنے باپ کی قم کھاتے سنا، تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سے منع کیا ہے کہ اپنے باپ کی قم کھایا کرو، جسکو قم کھانی ہو وہ یا تو

۱۔ صحیح بخاری باب الاستسقاء و باب الذکر بعد الصلوۃ و صحیح مسلم کتاب الایمان، ۲۔ صحیح بخاری، صلوۃ الکسوف،
۳۔ سنن نسائی کتاب الایمان والندور،

فرمائی کہ خدا اور غیر کی مشیت کے درمیان عطف کا واو (اور) نہ لایا جائے، کہ اس سے برابری کا شبہ نہ نکلے، بلکہ پھر کا لفظ بولا جائے، تاکہ معلوم ہو کہ خدا کی مشیت کے بعد اور ان کی مشیت کا درجہ ہے۔

نسائی میں ہے کہ ایک یہودی نے خدمت نبوی میں آکر مسلمانوں سے کہا کہ تم لوگ شرک کرتے ہو، کہتے ہو کہ جو خدا چاہے اور جو محمد چاہیں، آپ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یوں کہو کہ وہ ایک جو چاہے، پھر جو آپ چاہیں، یہی واقعہ ابن ماجہ میں اس طرح ہے کہ ایک صحابی نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک یہودی یا عیسائی اُن سے کہہ رہا ہے کہ تم مسلمان بڑے اچھے لوگ ہوتے اگر شرک کیا کرتے، تم کہا کرتے ہو کہ خدا جو چاہے اور جو محمد چاہیں، اُن صحابی نے خدمت اقدس میں آکر اپنا یہ خواب بیان کیا، آپ نے فرمایا میں اس فقرہ کی برائی جانتا تھا، یوں کہو کہ جو خدا چاہے پھر جو محمد چاہیں، ابو داؤد میں یہی تعلیم اس واقعہ کی تقریب کے بغیر اس طرح مذکور ہے کہ آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ یہ نہ کہا کرو کہ جو خدا چاہے اور جو فلان چاہے، بلکہ یوں کہو کہ جو خدا چاہے پھر جو فلان چاہے، لیکن امام بخاری نے ادب المفرد میں اور بیہقی نے کتاب الاسامین جو روایت کی ہے اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کے ساتھ کسی اور کی مشیت کا نام بھی نہ لینا چاہیے، ایک شخص نے خدمت والا میں حاضر ہو کر سلسلہ کلام میں کہا کہ جو خدا چاہے اور جو آپ چاہیں ارشاد ہوا کہ تم نے خدا کا ہمسرا و مقابل ٹھہرایا، جو خدا تھا چاہے، مَا شَاءَ اللہ وَحْدَهُ ۥ

اس سلسلہ میں یہاں تک اہتمام نہ نظر تھا کہ اس سے بھی منع فرمایا کہ خدا اور رسول کی طرف ایک ضمیر پھر کر ایک فعل لایا جائے، تاکہ یہ سمجھا جائے کہ خدا اور رسول کا درجہ برابر ہے، ایک نفع آپ کے سامنے کسی شخص نے خطبہ کے اثنائے میں یہ فقرہ کہا جس نے خدا اور رسول کی اطاعت کی اس نے ہدایت پائی، اور جس نے اُن دونوں کی نافرمانی کی یہاں تک اس نے کہا تھا کہ آپ نے اُس کو روک دیا اور فرمایا، اُٹھ جاؤ تم بڑے خطیب ہو، آپ نے آزر دگی کا اظہار اس لیے فرمایا کہ اُن دونوں کو ساتھ کہنے سے سامعین پر میاثر پڑتا ہے کہ خدا کی اور رسول کی نافرمانی کا حکم برابر ہے۔

سلسلہ نسائی کتاب الامان والنذور، ۱۵۷، ابن ماجہ کتاب النذور، ۱۵۷، ابو داؤد کتاب الادب باب لا تقولوا بخصی، ۱۱۰، مطبوعہ الآباء، امام بخاری صفحہ ۱۵۷، مصر و کتاب الاسامی والصفات امام بیہقی صفحہ ۱۱۰، مطبوعہ الآباء،

اور اس میں شرک کا شاہد ہے، اس لیے خطیب کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ اور جو خدا کی اور رسول کی نافرمانی کرے گا وہ..... جیسا کہ قرآن پاک میں بار بار آیا ہے اور ماثورہ خطبوں میں منقول ہے،

۱۵۔ جن باتوں میں شرک کا ذرا بھی شاہد پایا جاتا تھا، ان سے بالکل منع کر دیا لوگ اولاد کا نام آفتاب، ماہتاب وغیرہ کی عہدیت کیساتھ رکھتے تھے، مثلاً عبد الشمس، عبد مناف، ان ناموں سے سخت منع فرمایا، اور فرمایا کہ بہترین نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں، اہل عجم اپنے سلاطین کو شاہنشاہ یعنی تمام بادشاہوں کا بادشاہ کہتے تھے، چونکہ امین شرک کا احتمال تھا، آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ نام خدا کو سب سے زیادہ ناپسند ہے، دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا اس شخص پر اللہ کا بیکر غضب ہوا جس نے اپنے کو شاہنشاہ کہا، خدا کے سوا کوئی بادشاہ نہیں، (حاکم فی المستدرک ص ۷۵، ج ۲، ص ۴۰۰)

غلاموں کو لوگ عبد یعنی بندہ کہتے تھے، حالانکہ انسان خدا کا بندہ ہے۔ آدمیوں کا نہیں، اسی طرح غلام اپنے مالک کو رب کہتے تھے، حالانکہ رب خدا ہے، اس بنا پر آنحضرتؐ صلعم نے قطعاً منع فرمادیا کہ کوئی شخص غلاموں کو عبد یعنی بندہ نہ کہنے پائے، بلکہ یوں کہے کہ میرا بچہ، یا بچی، اور اسی طرح غلام اور باندیان اپنے آقا کو رب نہ کہیں، مالک کہیں، کہ تم سب غلام ہو، اور رب اللہ ہے، ہانی ایک صحابی تھے جنگی کینت ابو اکھم تھی، وہ جب خدمت اقدس میں اپنی قوم کے ساتھ آئے تو آپؐ نے فرمایا کہ حکم خدا ہے اور خدا ہی حکم دینے والا ہے، تم کو لوگ ابو اکھم کیوں کہتے ہیں، عرض کی کہ میرے قبیلہ میں جب کوئی نزع ہوتی ہے تو لوگ مجھ کو حکم یعنی ثالث بناتے ہیں، اور میں جو فیصلہ کرتا ہوں اس کو سب تسلیم کر لیتے ہیں، آپؐ نے فرمایا تمہارے بچوں کے کیا نام ہیں، بولے شریح، مسلم، عبد اللہ، آپؐ نے پوچھا سب میں بڑا کون ہے، عرض کی شریح فرمایا تو تمہاری کینت ابو شریح ہے۔

اکثر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کوئی برا کام کرتے ہیں تو شیطان پر لعنت بھیجتے ہیں، گویا اس نے ہائی گرائی ایک دفعہ ایک صاحب آنحضرتؐ کے ساتھ گھوڑے پر سوار تھے، گھوڑے نے ٹھوکر کھائی، انھوں نے کہا، شیطان کا برا ہو، آپؐ نے فرمایا یوں نہ کہو، ورنہ شیطان غور سے پھول جائے گا، اور کہے گا میری قوت سے یہ ہوا، خدا کا جملو

۱۔ ابو داؤد کتاب الادب باب تغیر الاسماء ۲۔ ابو داؤد کتاب الادب ۳۔ ابو داؤد کتاب الادب باب الکرم وخصائص النطق ۴۔ ابو داؤد کتاب الادب باب تغیر الاسماء

مشتبہات شرک کی
مانعت

تو شیطان دب کر کبھی کے برابر ہو جائیگا۔

تصویر بنانے سے سخت منع کیا، اسکی یہی وجہ تھی، کہ اول اول لوگ کسی بزرگ اور مقتدا کی تصویر گھر میں رکھتے تھے، تو محبت یا یادگار کے طور پر رکھتے تھے، لیکن رفتہ رفتہ انہی تصویروں کی پرستش ہونے لگتی تھی چنانچہ ہندوؤں اور رومن کیتھلک عیسائیوں میں اسی طرح تصویر پرستی اور اس سے بڑھ کر بت پرستی کا رواج ہوا، اس بنا پر آنحضرت صلعم نے سرے سے تصویر کھینچنے سے منع فرمایا،

۱۶۔ شرک کا بڑا ذریعہ قبر پرستی اور یادگار پرستی ہے، قبروں اور یادگاروں کو لوگ عبادت گاہ بنالیتے ہیں سالانہ مجمع کرتے ہیں، دور دور سے سفر کر کے آتے ہیں، قبروں پر مسجدیں بناتے ہیں، منتیں مانتے ہیں، نذیرین چڑھاتے ہیں، آنحضرت صلعم نے ان تمام افعال سے منع کیا، وفات سے پانچ دن پہلے اپنے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ قبروں کو مسجد بنالیتے تھے، دیکھو میں تم کو منع کرتا ہوں کہ قبروں کو مسجد نہ بنانا، عین وفات کے وقت چہرہ سے چادر الٹ دی اور فرمایا کہ خدا یہود اور نصاریٰ پر لعنت کرے، ان لوگوں نے اپنے پیغمبروں کی قبریں مسجد بنالیں،

۱۷۔ یہ توحید کے متعلق وہ اصلاحات تھیں جنکا تعلق زیادہ تر اعمال اور روزمرہ کی بول چال سے تھا لیکن حقیقی اصلاح جس سے توحید کی تکمیل ہوتی ہے، وہ قلب و روح کی توحید ہے، انسان کے تمام کاموں کا کوئی نہ کوئی نفسیاتی محرک ہوتا ہے، کوئی طلبِ شہرت کے لیے کام کرتا ہے، کوئی دنیاوی معاوضہ کے لیے کرتا ہے، کوئی نمائش اور دکھاوے کے لیے کرتا ہے، کوئی غیر کی محبت یا عداوت میں کرتا ہے، ان تمام کاموں کا محرک درحقیقت غیر خدا ہے جس نے خدا کی جگہ لے لی ہے اسی لیے قرآن مجید نے کہا،

اَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ الْاِلٰهَةَ هَوٰیۃً (فرقان ۷۷) تنے اُس کو دیکھا جس نے اپنا خدا خود اپنی نفسانی خواہش کو بنالیا ہے،

اسی لئے بڑا بت وہی ہے جس کو انسان نے خود اپنے دل کے بتانے میں چھپا رکھا ہے، اس بت کو توڑنا توحید کی اصل تکمیل ہے، آپ نے بتایا کہ انسان کے تمام کاموں کا دار مدار و محور خود اُس کے دل کے عمل پر ہے،

لے اہوداؤد کتاب الادب باب لا یقول غیث نفی، ۱۷ صبح مسلم کتاب المساجد،

قبر پرستی اور یادگار پرستی سے روکنا

ریا اور عدم اخلاص بھی منوی شرک ہے

اَتَمَّ الْاَعْمَالِ بِالْاَنْبِيَاءِ، اس لیے ایک مسلمان کے ہر قسم کے کاموں کا اصلی محرک صرف خدا کا حکم، خدا کا خوف، خدا کی اطاعت، خدا کی خوشنودی، خدا کی محبت، غرض صرف خدا ہونا چاہیئے، جس درجہ تک ایک مومن کی اس قلبی کیفیت میں ترقی ہوگی اُس کے ایمان و توحید کی تکمیل بھی پایہ کمال کو پہنچتی جائیگی، اسی بنا پر وحی محمدیؐ نے ہر جگہ اور ہر موقع پر انسان کو اُس کے عمل کی غرض غایت مَرْضَاۃ اللہ، اللہ کی خوشنودی، مُخْلِصِينَ كَلِمَاتِهِنَّ خَالِصِ خَدَاكِ لِيْے اور وَجْهَ رَبِّكَ الْكَافِيَّ ذاتِ خدا قرار دینے کی تعلیم دی ہے، اس بنا پر انسان جو کام خدا کے علاوہ کسی اور غرض و نیت سے کرے، درحقیقت اُس کام کے لیے اُس نے ایک موقت خدا الگ بنالیا اور وہ گواہ وقت لفظی اور قانونی نہیں لیکن معنوی و نفسی شرک کے ارتکاب کا یقیناً مجرم ہے، آپنے فرمایا جس نے خدا کے لیے دیا، اور خدا ہی کے لیے رد کیا، خدا کے لیے چاہا، اور خدا ہی کے لیے عداوت کی، اور خدا ہی کے لیے بیاہ کیا اُس نے اپنے ایمان کو کامل کر لیا۔

متعدد صحابیوں سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ”یا چھپا ہوا شرک ہے“ حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”چھپا ہوا شرک یہ ہے کہ انسان کو کوئی کام دوسرے کی موجودگی کے سبب سے گھٹے“ حضرت شداد بن اوسؓ روایت کرتے ہیں کہ آپنے فرمایا کہ جس نے دکھاوے کی ناز پڑھی اُس نے شرک کیا، جس نے دکھاوے کا روزہ رکھا، اُس نے شرک کیا، جس نے دکھاوے کی خیرات کی اُس نے شرک کیا، یہی صحابی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ صحابہ کے مجمع میں آپ فرما رہے تھے کہ مجھے اپنی اُمت کے لوگوں پر سب سے زیادہ جس کا خوف ہے، وہ شرک کا ہے، ہاں میرا یہ مطلب نہیں کہ وہ چاند یا سورج کو سجدہ کرینگے، یا بتوں کو پوجینگے، بلکہ یہ ہے کہ وہ غیر خدا کے لیے عمل نہ کرنے لگیں، اور چھپی نفسانی خواہش میں نہ مبتلا ہوں“ حضرت محمود بن بدیعؓ

لے مستدرک حاکم ترمذی آخر کتاب الزہد ترمذی کے دونوں میں اس حدیث کے متعلق دو متقدمین درج ہیں ایک ابن مسکریٰ لکھا اور دوسرے ابن حنبل لکھا کہ لڑی طبع کی نسبت لوگوں نے کلام کیا ہے مگر حدیث کا نفس مضمون تمام اسلامی روایات اور احکام کے عین مطابق ہے، حضرت ابو سعید خدریؓ، معاذ بن جبلؓ، ابو ہریرہؓ، شداد بن اوسؓ، محمود بن بدیعؓ، ابو سعید بن ابی خضالہؓ، ان صحابیوں کی روایتیں ابن حنبل، ابن ماجہ، مستدرک، وغیرہ میں ہیں لے مستدرک حاکم کتاب الرقاق صفحہ ۲۲۹ جلد ۴ (صحیح) لے بخاری سابق مستدرک ابن حنبل ہند شداد بن اوس صفحہ ۱۲۶ جلد ۴، سنن ابن ماجہ باب الریاء وسموہ،

انصاری آپ کا قول نقل کرتے ہیں کہ اپنے صحابہ سے فرمایا کہ مجھ کو سب سے زیادہ جس کا تم پر خوف ہے، وہ شرک، صغریٰ صحابہ نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! شرک اصغر کیا ہے؟" فرمایا "یا قیامت کے دن جب لوگوں کو اپنے اپنے عمل کا بدلہ مل رہا ہوگا، خدا ریاکار لوگوں سے کہیگا کہ تمہارے لیے ہمارے ہاں کچھ نہیں، تم انہیں کے پاس جاؤ جگہ دکھانے کو دنیا میں یہ کام کیا کرتے تھے" حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ایک موقع پر ہم لوگ دجال کے متعلق آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ اسی اثنا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور فرمایا کہ دجال سے بڑھ کر جو خوفناک چیز میرے نزدیک ہے، میں تم کو اس سے آگاہ نہ کروں؟ ہم سب نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایا وہ شرک خفی ہے یعنی یہ کہ (مثلاً) کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہے، تو وہ نماز کو محض اس لیے درست کر کے پڑھے کہ کوئی دوسرا شخص اسکو دیکھ رہا ہے۔ ابوسعید بن ابی فضالہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت میں جب خدا اگلون اور پھلون کو یکساں کرے گا، تو ایک منادی آکر پکارے گا کہ جس نے اپنے کسی عمل میں خدا کے ساتھ کسی غیر کو بھی شریک بنالیا ہو تو وہ اپنا ثواب اسی غیر سے مانگے، کہ خدا مجھ سے بے نیاز ہے۔ ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ آپ نے ارشاد کیا کہ خدا فرماتا ہے، کہ میں تمام شریکوں میں سب سے زیادہ شرک سے بے نیاز ہوں، تو جس نے اپنے کسی کام میں میرے ساتھ کسی اور کو شریک کر لیا تو میں اس سے الگ ہوں، اور وہ اسی کا ہے جسکو اس نے میرا شریک بنالیا۔

ان تعلیمات کا یہ اثر تھا کہ صحابہ اپنے ہر عمل میں اس شرک خفی سے ڈرتے تھے، شہداءؓ اور کھیتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات میں ریا کو شرک اصغر گنا کرتے تھے، ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ جارہے تھے دیکھا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے رونے کا سبب دریافت کیا، تو انھوں نے قبر مبارک کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس قبر میں مدفون ہستی نے کہا تھا کہ ریا کا ادنیٰ

۱۔ ابن حنبل مسند محمد بن لبید انصاری صفحہ ۴۲۸ جلد ۵ و ابوداؤد و مسند ابن حنبل ۳ سنن ابن ماجہ باب الریاء و مسند سنن ابن

ماہر باب الریاء و ترمذی و مسند ابن حنبل ۳ سنن ابن ماجہ باب الریاء،

۲۔ مستدرک حاکم کتاب الرقاق جلد ۴ صفحہ ۳۲۹ (صحیح)

شاہ بھی شرک ہے؟ اسی طرح ایک دفعہ عبادہ تابعی نے دیکھا کہ حضرت شداد بن اوس صحابی اپنی جانا زپر بیٹھے زار
قطار رو رہے ہیں، رونے کا سبب دریافت کیا، تو انھوں نے بیان کیا کہ ایک دن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
چہرہ اقدس پر غم و ملال کے آثار دیکھے، عرض کی میرے مان باپ حضور پر فدا ہوں، اس حزن و ملال کا سبب
کیا ہے، ارشاد ہوا کہ "میں اپنے بعد اپنی امت پر ایک چیز سے ڈرتا ہوں" عرض کی "یا رسول اللہ! وہ کیا ہے؟" فرمایا
"شرک اور جھپی نفسانی خواہش" میں نے دوبارہ گزارش کی یا رسول اللہ! کیا آپ کی امت آپ کے بعد شرک میں
مبتلا ہوگی؟ فرمایا: "اے شداد! میری امت یقیناً سو بچ یا چاندیاباوتیہ کی پیشین گوئی کرے گی لیکن وہ اپنے عمل
کی نائش اور ریا کرگی" عرض کی "یا رسول اللہ! کیا ریا شرک ہے؟" فرمایا ہاں۔

ان واقعات اور تعلیمات کو پڑھ کر ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح ہر پہلو سے شرک
کی تردید اور توحید کی تکمیل فرمائی ہے، وہی عرب جو پہلے خدا کے سوا ہر چیز کی پرستش کرتے تھے انھوں نے آپ کی
تعلیم کے اثر سے خدا پرستی اور توحید کی انتہائی معراج حاصل کر لی،



۱۔ مستدرک حاکم حوالہ مذکور صفحہ ۳۲۸ (صحیح) ۲۔ مستدرک بحوالہ مذکور سابق حکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد لکھا ہے، مگر وہی نے تصریح
کی ہے کہ اس کا ایک ڈوی عبد الواحد بن زید مشرک ہے؟ تاہم چونکہ حدیث کا نفس مضمون مسند ابن حنبل (جلد ۴ صفحہ ۱۲۶) اور سنن
ابن ماجہ (باب الریاء) میں ایسے سلسلوں سے مذکور ہے، جن میں یہ عبد الواحد نہیں پڑتا، اس لیے ہم نے اس حدیث کو یہاں
درج کیا،

حیث

اور

اس کے بنی اصول اکان

یہ تو توحید کے سبلی اجزائے تھے، یعنی توحید کے مخالف عقائد اور خیالات کی نفی اور تردید، لیکن نبوتِ محمدی کا کارنامہ اس سے اہم اور بالاتر ہے، اور وہ توحید کی اصل بنیاد کی اتواری، اوس کے اصول کی تعیین، امور ایمان کی تفصیل، اور اُس کے اجزاء کی تکمیل ہے، عرب میں شرک و بت پرستی بھی تھی، اور کمین کمین آسمانی مذاہب کی حرمت صورتیں بھی موجود تھیں، مگر ایک صحیح مذہب کا نخل اُن کے سامنے مطلق نہ تھا، اس بنا پر عقائد اور ایمان کی کوئی صحیح اور مرتب صورت بھی اُن کے ذہن میں نہیں ہو سکتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے تمام پچھلے مفرغات، اور اوہام کو جنکو دین کا درجہ دیا گیا تھا، یکے بعد دیگرے مٹا کر دیا، بت پرستی، جن پرستی، فرشتہ پرستی، ستارہ پرستی، فطرت پرستی، انسان پرستی، غرض شرک کی تمام صورتیں قطعاً مٹا دیں، اور اُن کی جگہ مرتب تبیین، بنی حقائق اور سچائیوں سے معمور چند عقائد کی تعلیم دی جو انسان کے تمام اعمال اور اخلاق کے لیے بنیادی پتھر ہیں،

اللہ تعالیٰ کی ہستی پر دلیل | اس سلسلہ میں سب سے پہلی چیز خدا کی ہستی کا یقین اور پھر اُسکی توحید پر ایمان ہے، دنیا میں جتنے پیغمبر آئے اُن میں سے ہر ایک نے اس کا مطلق کی طرف لوگوں کو دعوت دی، مگر یہ دعوت اُن کے ایک مسلم دعویٰ کی حیثیت سے تھی، انھوں نے اس دعویٰ کو دلائل کا محتاج نہ سمجھا، اور حقیقت میں جن محدود زمانوں میں تو ان کے لیے اُن کی بعثت ہوئی، ان کے لیے دلیل اور برہان کی ضرورت بھی نہ تھی، کیونکہ ان کے زمانوں میں بت پرستی، ستارہ پرستی اور فطرت پرستی کا رواج تھا، الحاد کا وجود نہ تھا، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عمومی تھی

جو آخری زمانہ تک کے لیے اور تمام قوموں کے لئے تھی، اور علم الہی میں یہ تھا کہ بعثت محمدی کے بعد عقل انسانی تحقیق و تلاش کے آخری مراحل طے کرنا چاہے گی، اور قدرت کے سزہ خزانے وقت عام ہونگے، اور عقلیت کا دور دورہ ہوگا، اور ہر شے دلیل ثبوت کی محتاج قرار پائے گی، اس لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دلائل برہین، ثبوت اور شواہد کی بھی تلقین کی گئی،

ایک اور سبب یہ ہے کہ انبیائے سابقین صرف اپنی قوموں کی دعوت پر مامور ہوئے تھے جنہیں مشرکین کا وجود تھا، محمدین کا نہ تھا، لیکن خاتم الانبیاء صلعم کی بعثت تمام قوموں اور طبقوں کے لیے ہوئی، اس لیے انکی دعوت میں یہ صاف نظر آتا ہے کہ آپ انسانی عقل کی ہر صفت کو مخاطب کر رہے ہیں، اور ان کے معیار اور سطح کے مطابق اُس قادر مطلق کی ہستی اور وجود پر دلیلین بھی پیش کر رہے ہیں، اس لیے آپ نے دوسرے پیغمبروں کی طرح صرف مشرکوں کو مخاطب نہیں فرمایا، بلکہ مشرکوں، کافروں، ملحدوں، منسکگون، دہریوں، ہر ایک کو مخاطب فرمایا، اور ان میں سے ہر ایک کی تسکین و تسفی کا سامان بہم پہنچایا،

ایک قادر مطلق، خالق عالم اور صانع کائنات کی ہستی کے ثبوت، اور انکار پر جبے فلسفہ کا وجود ہے، ہمیشہ بخشن پیدا ہوتی رہی ہیں، اور دلیلین پیش کی جاتی رہی ہیں، مصر، یونان، ہندوستان، اسلامی ممالک اور آج یورپ میں بھی اس مسئلہ پر عقلائے زمانہ نے اپنی جودتِ ذہن، نکتہ رسی اور دقیقہ فہمی کا بہترین ثبوت پیش کیا ہے، مگر غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ دلائل کی زبان اور طرزِ تعبیر میں گو تبدیلی ہوتی رہی ہے، مگر اصل مغزِ سخن صرف ایک ہے، اس بنا پر وحی محمدی نے اللہ تعالیٰ کی ہستی اور وجود پر جو دلیل قائم کی اُس میں اسی ایک مغزِ سخن کو لیا ہے، اور نہایت مؤثر طرزِ ادا میں اس کو بار بار دہرایا ہے، اور انسانوں کو متنبہ کیا ہے،

وحی محمدی کا سب سے پہلا دعویٰ یہ ہے کہ اس ایک قادر مطلق، خالق عالم اور صانع کائنات کی ہستی کا اثر انسان کی فطرت میں داخل ہے، تمدن سے تمدن اور وحشی سے وحشی قوم میں بھی، اس اعتراف کا سرِ آغاز آثارِ قدیمہ کی تحقیقات نے سینکڑوں مردہ اور گنہام قوموں کی تاریخ کا سرِ آغاز کیا، جنہیں سامانِ تمدن، اعلیٰ خیالات

اور علوم کی لاکھ کی محسوس ہوتی ہے، مگر مذہبی عقیدت اور کسی خدا کے اعتراف کی کمی ان میں نظر نہیں آتی، اونکی عمارتوں کے منہدم کھنڈروں میں، جو چیز سب سے پہلے مٹی ہے، وہ کسی معبد کی چار دیواری ہوتی ہے، ان کی دنیا کے مختلف گوشوں میں، جو بالکل وحشی قومیں مٹی ہیں، وہ بھی کسی نہ کسی شکل میں، عالم کے خالق اور کائنات کے صانع کے تخیل سے بہرہ ور ہیں، غرض جماعت انسانی کا کوئی حصہ، زمین کا کوئی گوشہ، زمانہ کا کوئی عہد اس تخیل سے خالی نہیں تھا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اعتراف بھی انسان کے فطری تصورات اور وجدانی جذبات میں داخل ہے، اسی لیے وحی محمدی نے اس کو فطرت سے تعبیر کیا ہے،

نَاقِمَ وَجْهِكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ
الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ
اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَعْلَمُونَ (روم - ۴)

اپنا منہ سب طرف سے پھیر کر دین کی طرف کر، یہ خدا کی
وہ فطرت ہے، جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا، خدا کی خلقت
میں تبدیلی نہیں، یہی سیدھا اور ٹھیک دین ہے،
لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں،

آنحضرت صلعم نے فرمایا،
كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ،
ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے،

اسی لیے خدا کا اعتراف روزِ ازل کا وہ عہد و پیمان ہے جو خالق و مخلوق میں ہوا تھا، اور یہ اسی عہد و پیمان کا احساس ہے، جو انسان کی رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے، کہ ہزار انکار کے بعد بھی کسی نہ کسی رنگ میں وہ اعتراف نمایاں ہو جاتا ہے، قرآن پاک نے اس واقعہ کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے،

وَإِذَا أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ
ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ
أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا (اعراف ۲۶)

اور جبکہ تیرے خدا نے بنی آدم کی پیٹھ سے انکی نسل کو لیا، اور خود
انکو ان ہی پر گواہ کیا، کہ کیا میں تمہارا خدا نہیں، انھوں نے
کہا، ہاں ہم گواہ ہیں،

انسان کا یہ جذبہ فطرت کبھی کبھی خارجی اثرات سے دب جاتا ہے، وحی محمدیؐ نے بار بار انسان کے اسی دبے ہوئے جذبہ کو ابھارا ہے، اور اسی زیرِ خاکستر آگ کو ہوا دی ہے، اور انسان کو اس کا بھولا ہوا وعدہ یاد دلایا ہے، وہ انسانوں سے پوچھتی ہے،

اَفِی اللّٰهِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (البیہیم)
کیا آسمان اور زمین کے پیدا کرنے والے خدا میں شک ہے؟
ایک اور مقام پر اس نے کہا،

اَمْ خُلِقُوا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمْ الْخَالِقُونَ
کیا وہ آپ ہی آپ بنگئے، یا وہی اپنے آپ خالق ہیں یا
انہیں نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا، یہ کوئی بات نہیں بلکہ انکو
(طہ-۲)

یقین نہیں،

دنیا اور کائنات حسین انسان بھی شامل ہے اور جو اپنی عقل اور فہم کی بنا پر سب میں بالاتر ہے، بہر حال موجود ہے، اور اس کے اس وجود میں کوئی شک نہیں اب سوال یہ ہے کہ کسی کے بن بنائے وہ آپ بنگئی یا خود اس نے اپنے آپ کو بنایا ہے، ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں باطل ہیں، نہ آپ سے آپ کوئی چیز بن سکتی اور نہ کوئی مفعول اپنا فاعل آپ ہو سکتا ہے، اگر کوئی بے وقوف یہ کہے کہ زودادہ ملکر اپنا بچہ پیدا کرتے ہیں تو سلسلہ تولد و تناسل کا آغاز کیونکر ہوا، اور اولین زودادہ کا اور مادہ تخلیق و روح کا خالق کون ہے؟

یہ گونا گون عالم، یہ رنگارنگ کائنات، یہ تارون بھرا آسمان، یہ بوقلمون زمین، یہ سورج، یہ چاند، یہ درخت، یہ سمندر، یہ پہاڑ، یہ لاکھوں جاندار اور بیجان اشیاء، یہ علل و اسباب کا تسلسل، یہ تغیر و انقلاب کا نظام، یہ کائنات کا نظم، اور اس کے ذرہ ذرہ کا قاعدہ و قانون، انسان کے اندرونی قویٰ اور اُن کی باہمی ترتیب، موت و حیات کے اسرار، خواص و قویٰ کے رموز، انسان کی خیالی بلند پروازی، اور عملی عجز و درماندگی، یہ تمام باتیں ایک خالق و مصلع کے اعتراف پر مجبور کرتی ہیں، یہ نیلگون آسمان کی چھت، یہ زمین کا سبزہ زار و فرش، اور ایک ہی حرکت سے شب و روز کا انقلاب، ایک خالق کل کا پتہ دیتا ہے،

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالاخْتِلَافِ اللَّيْلِ

آسمانوں کی اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدلنے

وَالنَّهَارِ لَا آيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ، (الاعراف: ۳۱)

میں عقل مندوں کیلئے نشانیاں ہیں،

یہ شب و روز کا نور و ظلمت اور سورج اور چاند کی روشنی، اسکی مقررہ رفتار، باقاعدہ طلوع و غروب، اسکی

دلیل ہے کہ اس اہل یام پر کوئی سوار ہے، جس کے ہاتھ میں اُس کا سیاہ و سپید ہے،

وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ

اور اُس کی نشانیوں میں سے رات، دن اور سورج

(فصلت - ۵)

اور چاند میں،

آسمان اور زمین کی پیدائش، دن اور رات کا الٹ پھیر تو ہے، دیکھو کہ خطرناک سمندرون میں کس طرح

لوگ ایک ملک سے دوسرے ملک کو تجارت کا سامان لیکر دوڑے پھرتے ہیں، اگر پانی میں مٹی، اور لوہے

کا ایک ذرہ بھی ڈالو تو فوراً ڈوب جائیگا، مگر یہ لاکھوں من کے لدے ہوئے جہاز کیسے پھول کی طرح پانی پر

تیر رہے ہیں، جس فطری قاعدہ کے بموجب یہ عمل ظہور میں آ رہا ہے، وہ جس کے حکم سے بنا ہے، اسکا کتنا احسان

ہے، پھر ان سمندرون سے بھاپ اٹھتے ہیں، وہ اوپر جا کر بادل بنتے ہیں، اور وہ وہیں جا کر برستے ہیں، جہاں

پیداوار اور زمین کی نشوونما کی حاجت ہے، اور پھر وہ بادل ہواؤں کے تخت پر ٹھکر کیسے ادھر ادھر ضرورت

کے مطابق اڑتے پھرتے ہیں،

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالاخْتِلَافِ

بے شبہ آسمانوں کی اور زمین کی پیدائش اور دن رات کے

الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلُوكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ

الٹ پھیر میں، اور اُن جہازوں میں جو انسانوں کے لیے

بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ

فائدہ رسان سامان لیکر سمندروں میں چلتے ہیں، اور

مِنْ مَّلَاحٍ فَأَحْيَاهُ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَيَّ

آسمان سے اوس کے پانی برسانے میں اور پھر اس پانی

فِيهَا مِنْ كُلِّ ذَاتٍ حَيَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيحِ

کے ذریعہ مرے پیچھے زمین کو زندگی بخشنے میں، اور زمین

وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِينَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ

میں ہر طرح کے جو چلنے والے پھیلانے، اس میں اور

لَا يَتَّبِعُ لَقْنٌ مِّنْ تَعْقِلُونَ، (لقہ ۴ - ۲۰)

ہواؤں کے کبھی اور کبھی اور دھرتی میں اور آسمان اور زمین

کے بیچ میں جو بادل کام میں لگے ہیں، ان سب میں سمجھ

بوجھ والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں،

آسمان اور زمین کی عجیب و غریب خلقت کے ساتھ خود انسان کی اپنی پیدائش کی حکایت کتنی عجیب ہے

إِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

بیشک آسمانوں میں اور زمین میں ایمان والوں کیلئے

وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَابَّۃٍ اٰيٰتٌ

نشانیاں ہیں، اور خود تمہاری پیدائش میں اور جو بچنے

تَقُوْهُ يُوقُوْنَ، (جاثیہ - ۱)

والے پھیلائے ان میں یقین کرنے والوں کیلئے دلیلیں ہیں،

سورہ النعام میں نباتات اور اسکی نیرنگیوں کو اپنی ہستی کی دلیل میں پیش کیا، یہ کتنے تعجب کی بات ہے

کہ ایک ہی زمین ہے، جہین سے وہ اگتے ہیں، ایک ہی پانی ہے جس سے وہ سچے جاتے ہیں، ایک ہی ہوا ہے،

جس میں وہ سانس لیتے ہیں، مگر کتنے رنگ رنگ کے پھل، پھول، میوے اور درخت لگتے ہیں جنہیں سے

ہر ایک کا رنگ، ہر ایک کا مزہ، ہر ایک کی پتی، ہر ایک کا قہر و قامت، ہر ایک کے خواص اور فائدے دوسرے

سے بالکل الگ ہوتے ہیں،

وَهُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۭ فَخَرٰۤجْنَا

اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس

بِهٖۤ نَبَاتٍۭ كُلِّ شَيْۡءٍۭ فَخَرٰۤجْنَا مِنْهُ خَضِرًا

اگنے والی ہر چیز نکالی، پھر اس سے سبز خوشے نکالے ہیں

نُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًاۭ وَمِنَ النَّخْلِ مِن

ہم جڑے ہوئے دانے نکالتے ہیں، اور کھجور کے گامبے ہیں

طَلْحًاۭ قِثَیۡرًاۭ وَدَانِیۡۃٍۭ وَجَبَّتْۭ مِنْ اَعْنَابٍ

نکلتے گچھے اور انگور کے باغ، اور زیتون اور انار، مہشگل،

وَالزَّیْتُوْنَ وَالرَّمَّانَ مُشْتَبِهًاۭ وَغَیۡرَ

اور جدی جدی نسل کے، جب وہ پھلین تو ان کے پھل

مُتَشَابِهٍۭۤ اُنْظُرْۤ اِلَیْ ثَمَرِہٖۤ اِذَا اَشْرَبَ

اور کپنے کو دیکھو، اس میں ایمان والے لوگوں کے لہو

وَنَبِعِہٖۤ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوِّۤمٍۭ

دلیلیں ہیں،

سورہ روم میں پہلے مٹی سے انسان کی پیدائش کو، پھر اُن میں عورت مرد کے جوڑے ہونے کو، اور ان کے درمیان ہر محبت کے جذبات کے ظہور کو اپنی ہستی کی دلیل بتایا ہے، پھر اپنی قدرت کے دوسرے عجائبات کو جو آسمان سے زمین تک پہلے بن ایک ایک کر کے پیش کیا ہو، اول تو خود انسان کی پیدائش، پھر اُن میں عورت مرد ہونا اور اُن کے درمیان جذبات کی لہر پھر مختلف قوموں کی بولیوں، شکلوں اور رنگوں کو دیکھو کہ ایک ایک سے الگ ہے، پھر خود انسانوں کے اندر کے اعمال دیکھو ایک نیند ہی کی حقیقت پر غور کرو، یہی تمہاری نگین کھول دینے کیلئے کافی ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ اَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَا
اُنْتُمْ بُشْرٌ مِّنْ تُرَابٍ مِّنْ تُّرَابٍ تَخْرُجُ اَنتُمْ
خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْا
اِيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ
وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ
اِخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَآيَاتٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ ، وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ
بِالْاَيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهِ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ،
وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيْكُمْ اَلْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا
وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مَآءً فَيَخْجِيْ بِهِ الْاَرْضَ
بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ
يَّعْقِلُوْنَ ، وَمِنْ آيَاتِهِ اَنْ يُقَوِّمَ السَّمْعُ

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اُس نے مٹی سے
بنایا، پھر تم آدمی بن کر چلے پھرتے ہو، اور اس کی نشانیوں
میں سے یہ ہے کہ اُس نے تمہاری جنس سے تمہارے
جوڑے بنائے کہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور تم سب کے
درمیان پیار اور ہر رکھا، اس میں ان لوگوں کے لیے
جو سوچتے ہیں، دلیلین ہیں، اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہیں
کی اور زمین کی بناوٹ اور تمہاری بولیوں اور رنگوں کی
تفاوتیں ہیں، اس میں جاننے والوں کے لیے یقیناً دلیلین ہیں
اور اس کی عجیب قدرتوں میں سے تمہاری رات اور دن میں
نیند ہے، اور تمہاری اس کی ہر باتوں کی تلاش ہو، اس
میں اُن کے لیے جو سنتے ہیں، دلیلین ہیں، اور اس کے عجیب
قدرت میں سے یہ ہے کہ تمہیں وہ بجلی کی چمک دکھاتا ہے
جس سے تم کبھی ڈرتے ہو اور کبھی محبت کی بارش کی امید
باندھتے ہو اور وہ آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اس زمین کو

وَالْأَرْضِ بِأَمْرِهِ، اس کے سچے زندہ کرتا ہی اس میں لٹکے لیے جو سمجھ رکھتے ہیں دلیلوں میں

اور اس کی دلیلوں میں سے یہ ہو کہ آسمان اور زمین اس کا حکم و قائم ہیں (سورہ - ۳)

اس اخیر آیت میں آسمان و زمین کے اُس کے حکم سے قائم رہنے کا ذکر ہے، تم کہتے ہو کہ یہ باہمی جذب و کشش سے قائم ہیں، لیکن خود یہ جذب و کشش کی کشش کا نتیجہ ہے؟ یہ خود حیرت انگیز ہے، سورہ لقمان میں آسمانوں کے کسی نظر نہ آنے والے کے سہارے کھڑے ہونے، اور زمین کے اپنی جگہ پر ٹھہرے ہونے کا ذکر ہے، یہ نظر نہ آنے والا سہارا تو بیشش ہی سہی، وہ بھی تو اسی کے اسرار میں سے ہے، اس کے بعد ایک جامد اور بے حیات مردہ زمین کے اندر سے پانی برسنے کے ساتھ انواع و اقسام کی زندگی کے نمونوں کا ابھرنا کتنا حیرت انگیز ہے، یہ بھی اسی کا کرشمہ ہے،

خَلَقَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَ أَلْقَى فِي الْأَرْضِ رَواسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَ بَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَ أَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ حَرِيعٍ، اُس نے آسمانوں کی چھت کو کسی ایسے ستونوں کے بغیر کھڑا کیا ہی، جو تم کو نظر آتے ہوں، اور زمین میں ایسے کھونٹے ڈال دیئے کہ وہ تم کو یکسر تیل نہ جائے اور اُس نے ہر پتہ ہر قسم کے چلنے پھرنے والے پھیلانے، اور آسمان پانی برسایا،

ہم نے اسی زمین سے ہر اچھے جوڑے پیدا کئے، (لقمان - ۱)

سورہ سجدہ میں انسان کی پیدائش کا مٹی سے آغاز، پھر قطرہ آب (نطفہ) کے ذریعہ توالد و تناسل، پھر اُس کے سڈول جسم کا بنانا، پھر اس مٹی کے مردہ قالب میں دفعۃً کہیں سے زندگی آجانا، اور اس میں روح چھک جانا، اور اس علم و حواس کے حیرت انگیز آلات کا پیدا ہو جانا، ان سب کو اپنی صفت میں پیش کیا ہے،

الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَ بَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ مِّثْلِ نَسْلِهِ مِنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ، ثُمَّ سَوَّاهُ وَ نَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْأَبْصَارَ وَ

وہ جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی، اور انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی، پھر اس کی نسل ذلیل سے نچڑے پانی سے بنائی، پھر اس کو سڈول کیا، اور اس میں اپنی جان سے کچھ پھونک دیا، اور تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل

وَلَا فَنِدَّةٌ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ (سجدا-۱) بنا دیئے، تم ان احسانوں کا بہت کم شکر ادا کرتے ہو

مردہ زمین کے اندر کیا کیا قوتیں و ولعت ہیں، اور خود انسانوں کے جسم و جان میں عجائبات کا کتنا خزانہ رکھا ہے، لیکن کوئی صاحبِ نظر ادھر نہیں دیکھتا، انسان کی زندگی، اُس کے اندرونی جذبات، حواس، ذہنی قوتیں اور دماغی حرکات، اُن میں سے ہر شے متا ہے،

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ وَفِي النَّفْسِ كُ

اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور

أَفَلَا تَبْصُرُونَ، (ذاریت-۱) خود تمہاری جانوں کے اندر کیا تم نظر نہیں کرتے،

جانوروں کے جسموں کے اندر جو عجیب و غریب نظام ہے، وہ بھی غور کے قابل ہے، ایک ہی گھاس پھوس کی غذا اُن کے پیٹ میں جاتی ہے، پھر اُسی کا کچھ حصہ لید اور گوبر کچھ خون اور کچھ دودھ بن جاتا ہے، اور اسی لید اور گوبر کے باہر آنے کے راستوں، اور سرخ خون کی رگوں کے درمیان سے خالص، سپید، شیریں دودھ کی دھاروں کا نکلنا کتنا عجیب ہے؟

وَإِن لَّكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُّسْقِيكُم مِّمَّا

اور تمہارے لیے جانوروں میں عبرت ہے، ہم تمہیں اُن کے

فِي بُطُونِهِمْ مِّنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدِهْلَبْنَا

پیٹوں کے اندر سے لید اور خون کے بیچ سے خالص اور پیڑوں

حَاصِلًا سَائِلًا لِّلشَّارِبِينَ، (غل-۹) کے لیے خوشگوار دودھ پلاتے ہیں،

ایک ہی قسم کے پھل ہیں، اگر ان کو ایک طرح سے کھاؤ تو تمہاری عقل اور قوت کو بڑھاتے ہیں، اور دوسری

طرح کھاؤ تو وہ ان کو ضائع کر دین،

وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ

اور چھوہاروں اور انگوروں کے پھلوں کو دیکھو کہ ان میں سے

سُكْرًا وَسَرًّا حَسَنًا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً

کچھ سے تو تم نشہ اور اچھی روزی حاصل کرتے ہو، اس میں

يَتَّقُونَ، (غل-۹) سمجھ والوں کے لیے دلیل ہے،

زمین اور زمین پر کی مخلوقات کو چھوڑ کر اوپر آسمان کی طرف نظر اٹھاؤ، سورج کا روشن چہرہ اور چاند کی

تذیل کتنی عجیب ہے، پھر سورج کو دیکھو کہ سال کے بارہ مہینوں میں آسمان کے بارہ برجوں کو طے کر کے کس طرح زمین میں مختلف موسم اور زمانے کو نمایاں کرتا ہے،

تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا ۖ وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا (فرقان)
 بابرکت ہے وہ، ہستی جس نے آسمان میں برج بنائے اور ان میں ایک چراغ اور چمکانے والا چاند بنایا،

انہیں چند خیروں میں اس کی قدرت کے عجائبات محدود نہیں، بلکہ ہر شے اپنی خلقت، اپنی محکم روش، اور اپنے قانونِ فطرت سے اس کی گواہی دیتی ہے،

صُنِعَ اللَّهُ الَّذِي اَتَقَنَ كُلَّ شَيْءٍ (معدنہ)
 اس ہستی کی صنعت ہے جس نے ہر شے کو مضبوط نظام پر بنایا،
 اُس کی صنعت ہر قسم کے عیب سے پاک ہے، اس میں مستحکم نظم و نسق کی بندش نظر آتی ہے،

مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِن تَفٰوُتٍ ۚ
 تجھے ہر واسطے خلقت کی بناوٹ میں کوئی بے برابری نظر آتی ہے؟
 فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ مُّتَفٰتِرٍۭ ۚ ثُمَّ
 پھر نگاہ کر کیا کوئی فطوری دکھائی پڑتا ہے، پھر دوبارہ
 ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ
 نظر کر، تیری نگاہ رو دو کہ تو تھک کر تجھ تک پلٹ آئے گی

وَهُوَ حَسِیْرٌ (ملک - ۱) (مگر کوئی نقص نہ پا لگی)

اس قسم کی اور سیکڑوں آیتیں ہیں، جن کا استقصا بھی مشکل ہے، ان آیتوں میں تین قسم کے دلائل ہیں،

۱۔ قدرت کے عجائبات اور نیرنگیاں، اور پھر ان کا ایک قانون کے ماتحت ہونا،

۲۔ عالم کا نظم و نسق اور اس کا مرتب سلسلہ،

۳۔ کائنات اور سلسلہ عالم کی ہر کڑی میں بے انتہا مصلحتوں، حکمتوں اور فائدوں کا ہونا،

ان مقدمات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کائنات اور اس کے یہ عجائبات اور اُس کے یہ منظم علل و اسباب خود

بخود بخت و اتفاق سے نہیں بن گئے، بلکہ کسی حکیم و دانہ اور قادر مطلق صانع نے اپنی قدرت اور ارادہ سے ان کو بنایا ہے،

اہل فلسفہ اور متکلمین عالم کے وجود پر عموماً یہ دلیل پیش کیا کرتے ہیں، کہ ہم بدانتہہ دیکھتے ہیں، کہ عالم میں ہر چیز

کے لیے علل اسباب کا سلسلہ ہے، یہ سلسلہ یا تو کمین جا کر ختم ہوگا، یا یوں ہی مسلسل چلا جائیگا، اگر یہ یوں ہی مسلسل چلا جائیگا تو لازم آتا ہے کہ ہر چیز کے پیدا ہونے پر غیر متناہی علل گذر جائیں اور غیر متناہی علل کا خاتمہ نہیں ہو سکتا اور نہ کمین اس کا آغاز ہو سکتا ہے، اس لیے کوئی چیز پیدا بھی نہیں ہو سکتی، تسلسل عقلاً بھی محال ہے، بلکہ انسان اس کے تجل سے بھی عاجز ہے، اس بنا پر لامحالہ سلسلہ علل کا کمین خاتمہ ہونا ضروری ہے، جس علت کل پر تمام علتیں ختم ہو جاتی ہیں وہی خلق و پیدائش، اور وجود و کون کی اصلی علت العمل ہے،

یہ دلیل گو بہت کچھ پیچیدہ اور اصطلاحات سے لبریز، اور بہت سے محذوف مقدمات پر مبنی ہے، تاہم وہ انسانی عقل میں آتی ہے اور بہتوں کے لیے تسکین کا باعث ہے، قرآن پاک کی ایک دو آیتوں میں بھی اس دلیل کا اخذ مذکور ہے، سورہ ہود کے آخر میں ہے،

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْیَمِّ
یَرْجِعُ اِلٰہُ مَرْکَلًاۙ فَاَعْبُدُوْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَیْہِ
اور خدا ہی کے پاس ہے آسمانوں اور زمین کی چھپی بات اور
اوی کی طرف ہر بات لوٹائی جاتی ہے، تو اُس کو پوجو اور
(ہم د-۱۰) اُس پر بھروسہ رکھو،

وَاَنْ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَهٰی (نجم-۲) اور یہ کہ تیرے رب کی طرف ہے سب کی انتہا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسانی کمزوریوں سے واقف تھے، چند صحابیوں نے آکر عرض کی، یا رسول اللہ صلعم کبھی کبھی ہمارے دلوں میں ایسے خیالات اور دوسوے آتے ہیں، جنکو ہم زبان سے ادا نہیں کر سکتے، فرمایا: کیا تم کو یہ کیفیت حاصل ہوگئی؟ گذارش کی ہاں یا رسول اللہ فرمایا: یہ قوح الص ایمان ہے مقصود یہ ہو دل میں دوسو سون کا آنا اور پھر ان دوسو سون کو اتنا بدتر جاننا کہ ان کا زبان پر لانا بھی وہ گناہ سمجھے، یہ کیفیت ایمانی کے بغیر ممکن نہیں، اسی طرح اپنے فرمایا توگ علم و دانش کا سوال کرتے ہیں کہتے ہیں کہ خیر اس کو تو خدا نے پیدا کیا اور پھر اس خدا کو کس نے پیدا کیا، آسمان کو خدا نے بنایا، زمین کو خدا نے بنایا، یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے پھر پوچھتے ہیں اچھا تو پھر خدا کو کس نے پیدا کیا، فرمایا یہ شیطانی دوسوہ ہے، جب یہ حالت کسی کو پیش آئے تو کہدے اَمْنَتْ بِاللّٰہِ

مِنَ الدِّينِ بِإِيمَانٍ لَّا بَيَّاتٍ

یہ تعلیم و حقیقت اسی مسئلہ کی ہے کہ خدا پر تمام عقلمنوں کی انتہا ہے، اور اس کے بعد کوئی علت نہیں، اس لیے یہ دوسو سو لائق جواب نہیں، یہ جہالت اور نادانی کا سوال ہے،

توحید عقلی دلیلین اگر کوئی عالم کا خالق و صانع ہو تو وہ یقیناً ایک ہے، دو نہیں، تاہم دنیا میں ایسے عقلمند بھی ہیں، جو دو تین اور متعدد خداؤں کے قائل ہیں، اور عالم کی ایک مملکت کو سینکڑوں حصوں میں تقسیم کر کے ان کو مختلف خداؤں کی حکومتیں قرار دیتے ہیں، وحی محمدیؐ نے اس شرک کے ابطال پر سب سے زیادہ جس دلیل کو پیش کیا ہے، وہ نظام عالم کی یکسانی اور وحدت اور کائنات کے علل اسباب کا باہم توافق، تعاون، اشتراک اور اتحاد ہے، دنیا میں ایک ذرہ بھی اس وقت تک پیدا ہو نہیں سکتا جب تک آسمان سے لیکر زمین تک کی تمام کارکن قوتیں اور اسباب ایک دوسرے سے موافق و مناسب نہ ہوں، اور باہم ان میں اشتراک عمل پیدا نہ ہو، ایک دانہ زمین سے اس وقت تک اُگ نہیں سکتا جب تک دانہ اُگنے کے لائق نہ ہو، نہ زمین میں انکی صلاحیت نہ ہو، موسم اس کے مناسب نہ ہو، بارش موافق نہ ہو، آفتاب سے اس کو گرمی اور روشنی اس کے مزاج کے مطابق بہم نہ پہنچے پھر اس کے اُگنے کے موانع اور عوائق ایک لیک کے دفع نہ ہوں، ان سب کے بعد وہ دانہ اُگیگا، اور پھل لائے گا، قرآن پاک نے اسی حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے،

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلَهُتٌ أَتَى اللَّهُ لُكُتًا ۚ لَعَسَدًا تَلَا ۚ

فَبِئْسَ لِلَّهِ رَآئِبَ الْعَمَلِ ۚ نَسُوا يَوْمَ يَصِفُّونَ ۚ

(انبیاء - ۲)

اگر زمین و آسمان میں اس ایک خدا کے سوا چند اور خدا بھی ہوتے، تو زمین و آسمان برباد ہو جاتے تو پاک ہے عرش الاخوان باتوں سے جو یہ مشرک کہتے ہیں، آسمان و زمین کا یہ تمام کاروبار یہ تمام قوانین قدرت اگر ایک کے بجائے دو طاقتوں کے ہاتھوں میں ہوتے تو یہ باہمی تضاد میں ایک لمحہ کے لئے بھی قائم نہ رہتے، فلسفیانہ اصطلاحات میں اس مطلب کو ادا کرو، تو

لے یہ دونوں حدیثیں صحیح مسلم کتاب الایمان میں متعدد روایاتوں سے مذکور ہیں،

یوں ہوگا کہ عالم کائنات معلول ہے، اسکی کوئی علتِ تامہ ہوگی، یہ ظاہر ہے کہ ایک معلول کی دو علتِ تامہ نہیں ہو سکتی، کیونکہ علتِ تامہ اس کو کہتے ہیں جس کے وجود کے بعد معلول کے وجود میں کسی اور چیز کا انتظار نہ ہو، اب عالم کی علتِ تامہ اگر ایک نہ ہو، دو ہو تو سوال یہ ہے کہ ایک علتِ تامہ کے وجود کے بعد عالم کے وجود میں دوسری علتِ تامہ کا انتظار ہوگا یا نہیں، اگر رہے گا تو پہلی شے علتِ تامہ نہیں رہے گی اور اگر انتظار نہ ہوگا تو دوسری شے علتِ تامہ نہ ہوگی، اس سے یہ ثابت ہوا کہ عالم کی علتِ تامہ ایک ہی ہو سکتی ہے،

توحید کے ثبوت اور شرک کے ابطال کی دوسری دلیل نظامِ عالم کی وحدت ہے، سورج، چاند اور تاروں سے لیکر انسان، حیوان، ہوا، پانی، درخت، گھاس پات تک دیکھو تو معلوم ہوگا کہ یہ سب ایک مقررہ نظام اور بندہ اصول کے ماتحت ہیں جنہیں کبھی سرِ موقوف نہیں ہوتا، ہر شے اپنے ایک اصول کی پابند اور ایک عادتِ جاریہ کے مطابق چل رہی ہے، گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان سب میں یکسانی اور مساوات کی ایک خاص وحدت قائم ہے اور وہ سب کسی ایک ہستی کے اشارے پر چل رہے ہیں،

وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنَ إِلَهٍ إِذَا الذَّهَبَ كُلُّهُ إِلَيْهِ
بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ ط
اور نہ اس خدا سے برحق کے ساتھ کوئی اور خدا ہے، اگر ایسا
ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو الگ لیجاتا، اور ایک دوسرے
پر چڑھ جاتا، (مومنون - ۵)

قُلْ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ يَحْكُمُ الْأُمُورَ
لَا تَبْتَغُوا إِلَیْهِ الْعَرْشُ سَبِيلًا ۚ
وَلَعَلَّ عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا ۚ تَسْمِعُ
كُلَّ السَّمْعَاتِ السَّمْعَ وَالْأَرْضُ وَمَنْ
فِيهِنَّ مِمَّنْ تُسْمِعُ ۚ لَا يُسْمِعُ جَهَنَّمَ
رَبُّهَا ۚ إِنَّهَا كَانَتْ مِنَ الْغَايَةِ
اِسْمَاءِ ۚ (مومنون - ۵)

کہا اگر خدائے برحق کیساتھ کچھ اور خدا ہوتے جیسا کہ یہ مشرکین کہتے
ہیں، تو ایسی حالت میں وہ تخت والے (حکمرانِ خدا) سے حکمت
چھیننے کا راستہ ڈھونڈتے، پاک اور بلند ہے، خدا اس بات سے
جسکو یہ مشرک کہتے ہیں، اس خدائے برحق کی پاکی ساتوں اسماء
اور زمین اور جو ان کے اندر ہے بیان کرتے ہیں، اور کوئی چیز
ایسی نہیں جو اسکی پاکی کی گواہی نہ دیتی ہو،

اسی وحدتِ نظام کے استدلال کو ایک اور آیت میں خدا نے بیان فرمایا ہے،

مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الْوَحْشِ مِنْ تَفَوُّتٍ ط تو خدا کے بنائے میں کوئی فرق نہیں دیکھتا، پھر نگاہ کر کیا
فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِنْ فُطُورٍ ثُمَّ کوئی فطرتِ تجھ کو دکھائی دیتا ہے؟ پھر دوبارہ نظر دوڑا،
ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ تیری نظر تھک کر واپس آجائیگی،
خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ، (ملک - ۱)

اس واقعاتی استدلال سے بڑھ کر جو بالکل نظمِ فطرت پر موقوف ہے کوئی دوسری دلیل نہیں ہو سکتی پہلے
قرآنِ پاک نے اسکو اختیار کیا ہے، یہ دنیا وحدتِ نظام ہی کے تحت چل رہی ہے ورنہ ایک لمحہ کے لیے بھی
چل نہ سکے، اسی سے اس دنیا کے حاکم و فرمانرواے مطلق کی وحدت بخوبی ثابت ہے،
توحید کی تکمیل | توحید خواہ وہ کسی قدر محرف، شرک آمیز اور ناقص شکل میں ہو، دنیا کے تمام مذاہب اور ادیان کی مشترک
اور اولین تعلیم ہے، لیکن ان مذاہب میں وہ کسی بنیادی اصل پر مبنی نہ تھی، محمد رسول اللہ کی تعلیم نے اس عمارت
کو چند بنیادی اصول کے پتھر پر قائم کیا، یہ پتھر خدا کی حقیقی عظمت کی شناخت، اور اس عالم کائنات میں انسان
کی اصلی حیثیت اور مرتبہ کی تعیین ہی،

خدا کی حقیقی عظمت | اہل عرب ایک حقیقی قوت کے نام سے واقف تھے، اور اسکو خالق بھی مانتے تھے، مگر اس کو
قدرت کے کارخانہ کا تہنہ مالک نہیں سمجھتے تھے، یہودیوں کا خدا، ایک خاندانی خدا تھا، جس نے ساری دنیا
صرف بنی اسرائیل کے لیے پیدا کی تھی، اور اُس کو بنا کر ساتویں دن وہ تھک کر بیٹھ گیا، وہ انسانوں سے کشتی
لڑتا تھا، اس کی اولاد میں تھیں، عیسائیوں کا خدا سب کچھ مسیح بن مریم کو دیکر خود معطل ہو گیا تھا، ایرانیوں کے خدا
کی خدائی نیکی و بدی کی دو ملکوتوں میں بٹی ہوئی تھی، ہندوؤں کا خدا اوتاروں کا بھیس بدل کر لاکھوں خدائی بن گیا
تھا، اور برہما، ویش اور بشن تین نے مل کر خدائی کے کاروبار کی باہم تقسیم کر لی تھی، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس
خدا کا جلوہ نمایاں کیا، جو آسمان کے اوپر سے لے کر، زمین کے نیچے تک کا تہنہ مالک ہے، اُس کے کاروبار میں

کوئی دوسرا شریک نہیں، اس کی شائشا ہی میں کسی دوسرے کا حصہ نہیں، اُس کے کارخانہ قدرت میں کوئی دوسرا
 سا بھی نہیں، کائنات کا کوئی ذرہ اُس کے حکم سے باہر نہیں، دنیا کی کوئی چیز اس کی نگاہوں سے چھپی نہیں، شجر جرجر جل رہا
 پہاڑ صحرا، سورج، چاند، زمین، آسمان، انسان، حیوان، زبان والے اور بے زبان سب اُس کے آگے سربسجود اور
 اس کی تسبیح و تہلیل میں مصروف ہیں سب کمزور ہیں، وہی ایک قوت والا ہے سب جاہل ہیں، اسی ایک کو علم ہے سب
 فانی ہیں، اسی ایک کو بقا ہے سب محتاج ہیں، وہی ایک بے نیاز ہے، سب اُس کے بندے ہیں وہی ایک شہنشاہ
 ہے، غرض عرش سے فرش تک جو کچھ ہے وہ اُس کا ہے اور اُس پر صرف اسی کی حکمرانی ہے، وہ ہر عیسے پاک، ہر
 برائی سے منزہ، اور ہر الزام سے بری ہے، وہ ہر قسم کے صفاتِ عالینہ اوصافِ کمالیہ اور محامدِ جمیلہ سے مشصف ہے، اُس کے
 مانند کوئی نہیں، کوئی اس کی شبیہ و مثال نہیں، وہ تشبیہ و تمثیل سے بالاتر اور انسانی رشتہ ملتے سے پاک ہے،

ذَٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَهُوَ اللّٰهُ تَعَالٰی ۙ

وہ ہے اللہ تعالیٰ رب اسی کی بادشاہی ہے، اُس کے سوا

(زمر-۱)

اور کوئی خدا نہیں ہے،

لَهُ الْمُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (زمر-۵) اُسی کی آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی ہے،

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، (انعام-۲) آسمانوں کا اور زمین کا پیدا کرنے والا،

عَلِمُ الْغَيْبِ فَانْشَاَ ذَٰلِكُمْ، (انعام-۸۱) چھپی اور کھلی کا جانتے والا،

كُلُّ شَيْءٍ هَآلِكٌ اِلَّا وُجْهَهُ ۚ لَهُ الْحُكْمُ (قصص-۴) اُنکی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے اسی کے ہاتھ میں فیصلہ کی

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (شوریٰ-۲) اُس کے مانند کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے،

هُوَ الْحَيُّ ۚ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (سومن-۷) وہی زندہ ہے اُس کے سوا کوئی خدا نہیں،

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ غیب کی کجیاں اُنکی کے پاس ہیں اس کے سوا اُن کو کوئی نہیں

وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبُرُوجِ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ قُمْحٍ ۚ وَهُوَ الَّذِي يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (انعام-۵۹) جانتا، خشکی اور تری میں جو کچھ ہے وہ اس کو جانتا ہے، اور خشک

اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَاجَ فِي ظُلُمَاتٍ اِلَّا هُوَ (انعام-۷۲) کوئی تپہ نہیں گرتا اور نہ زمین کی تاریکیوں میں کوئی رات

اے اللہ! اے بادشاہی کے مالک! تو جبکو چاہے سلطنت
دے، اور جس سے چاہے چھین لے، جبکو چاہے عورت دے
اور جسے چاہے ذلت نصیب کرے، تیرے ہاتھ میں بھلائی
تو ہر بات پر قادر ہے،

اگر اللہ تجھے مصیبت پہنچائے تو اُس کے سوا کوئی اسکا دور
کرنے والا نہیں، اور اگر وہ تیرے ساتھ بھلائی کرنا چاہے
تو اُس کے فضل و کرم کا کوئی روکنے والا نہیں، اپنے بندوں
میں جبکو چاہے اپنے فضل سے ممتاز کرے، اور وہی گنا
کو معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے،

اللہ اُس کے سوا کسی اور کی بندگی نہیں، وہی جیتا ہے اور
سب اُس کے سوا جیتے ہیں، اسکو اونگہ ہے نہ نیند، آسمان اور
زمین میں جو کچھ ہے اُسی کا جو کون ایسا ہے جو اُس کے سامنے
ادکی اجازت کے بغیر غارش کر سکے جو خلق کے روبرو
اور جو ان کے پیچھے ہے سب کو جانتا ہے، اور وہ اُس کے کلم
کسی حصہ کا احاطہ نہیں کر سکتے، مگر وہ جو چاہے، اُسکا تخت
آسمانوں کو اور زمین کو سمانے ہے، ان آسمانوں کی اور
زمین کی گرائی اور سکو تھکاتی نہیں، اور وہی اوپر اور پڑا ہے،

جو زمین میں گھستا ہے، اور جو اُس سے نکلتا ہے، اور جو آسمان
سے اترتا ہے اور جو اُس میں چڑھتا ہے، سب جانتا ہے،

اللَّهُمَّ مَا لَكَ الْمُلْكُ تَوَدَّى الْمُلْكُ مَنْ تَشَاءُ
وَتَبَرَّجَ الْمُلْكُ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتَعَزَّ مَنْ
تَشَاءُ وَتَذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ
إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، (العدنان - ۳)

وَإِنْ يَكْسُكَ اللَّهُ بَصِيرًا فَلَاكَ شَيْءٌ لَهُ
إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِيدْكَ شَيْءٌ فَلَئِنْ لَمْ يَفْضَلْهُ
يُصِيبْ بِهِ مِنْ نَشَأِهِ مَنْ عِبَادِهِ وَهُوَ
الْغَفُورُ الرَّحِيمُ،

(یونس - ۱۱)

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ، لَا تَأْخُذُهُ
سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ، لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا
فِي الْأَرْضِ، مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ
إِلَّا بِإِذْنِهِ، يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ
وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا
شَاءَ، وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ،

(لقمان - ۲۲)

يَعْلَمُ مَا إِلَیْهِ فِي الْأَرْضِ وَمَا يُخْرِجُ مِنْهَا
وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرِجُ فِيهَا

وَهُوَ مَعْلُومٌ أَنِّ مَا كُنْتُمْ طَوَّالَهُ وَاللَّهُ بِمَا
تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ لَّهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَ
الْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ (جلد ۱)

جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور تم جو کچھ کرو اور کھتا
ہے، آسمان اور زمین کی بادشاہی اُسی کی ہے اور تمام کاموں
کا مرجع وہی ہے،

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، (فاتحہ - ۱)
وَلِلَّهِ اسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (العنکبوت - ۹)
وَهُوَ الْغَفُورُ الْودُودُ، ذُو الْعَرْشِ الْحَبِيدُ
فَعَالٌ لِّمَآ يُرِيدُ (بروج - ۱)

سب تعریف اُسی کے لیے ہے جو عالم کا پالنے والا ہے،
اور آسمانوں میں، اور زمین میں جو ہے سب اس کے زیر فرمان ہے،
وہی گناہوں کا بخشنے والا ہی، بندوں سے محبت کرنے والا، تخت
کا مالک، بڑی شان والا ہے، جو چاہتا ہے کر دیتا ہے،

لَيْسَ لَكَ اللَّهُ مَافِي السَّمَوَاتِ وَمَافِي الْأَرْضِ (جمعہ - ۱)
وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا لِنُفِخِ بِنُفْثِهِ (اسرائیل - ۵)

آسمانوں میں اور زمین میں جو ہے سب اس کی پائی کیا کرتے
اور کوئی چیز نہیں جو اس کی حمد کی تسبیح نہ پڑھتی ہو،

ان معنوں کی ہزاروں آیتیں قرآن پاک میں ہیں، ان تعلیمات نے خدا کی عظمت، جلالت اور کبریائی کا وہ
جلوہ پیش کیا جس کے سامنے معبودانِ باطل کی عزت خاک میں ملگئی، بتوں کی بڑائی کا رُسم ٹوٹ گیا، سورج،
چاند، تارون کی خدائی کا چراغ ہمیشہ کے لیے بجھ گیا، جن انس، شجر و حجر، بحر و بر، سب اُس کے جلال و جہدوت کے
سامنے سرسبز و نظر آئے، پھر اُس کے سوا کون تھا جو نیز گنج وجود کے ساز سے اَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (میں ہوں
خدا جس کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں) کی صدا بلند کر سکتا،

انسان کا مرتبہ [توحید محمدی کا دوسرا بنیادی اصول] اس عالم خلق میں انسان کی حیثیت اور درجہ ہے، جو لوگ بتوں کو
سجدہ کرتے ہیں، پتھروں کو پوجتے ہیں، درختوں کے آگے جھکتے ہیں، جانوروں کو دیوتا جانتے ہیں، جنات اور ارواح
خبیثہ کے نام کی دودھائی پکارتے ہیں، آسمانی مخلوقات کو آداب جانتے ہیں، انسانوں کو خدا کہتے ہیں، وہ حقیقت میں
انسان کے مرتبہ سے ناواقف ہیں، وہ دراصل اس طرح انسان کو پتھروں سے، درختوں سے، جانوروں سے، دریاؤں
سے، پہاڑوں سے، اور چاند تارون سے کم تر جانتے ہیں، انہوں نے حقیقت انسان کے مرتبہ اور حیثیت کو نہیں پہچان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وحی کی زبان سے جاہل عربوں کو یہ نکتہ سوجھایا کہ انسان اس عالم خلق میں تمام مخلوقات سے اعلیٰ ہے۔ وہ اس دنیا میں خدا کی نیابت کا فرض انجام دیتے آیا ہے، قرآن کے ابتدائی سورہ میں آدم کی خلافت کا قصہ محض داستان نہیں، بلکہ انسان کی اصلی حیثیت کی عیان اور نمایان کرنے والی تعلیم کا اولین دیباچہ ہے، اُس کو فرشتوں کا سجدہ بنانا گویا تمام کائنات کا سجدہ بنانا تھا، اُس کو تمام اسماء کا علم عطا کرنا گویا تمام اشیاء کو اُس کے تصرف میں دینا تھا وہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے فرمان کے رو سے اس عالم میں خدا کا نائب ہے، اور اُس کا سر خلافت الہی کے تاج سے ممتاز ہے، کروڑوں مخلوقات الہی میں خدا کی امانت کا حامل ہی منتخب ہوا، یہ منصب اعلیٰ نہ فرشتوں کو ملا نہ آسمان کو، نہ زمین کو، نہ پہاڑ کو، صرف انسان ہی کا سینہ اس امانت کا خزانہ قرار پایا، اور اسی کی گردن اس بوجھ کے قابل نظر آئی، فرمایا،

اِنَّا عَرَضْنَا الْاٰمَانَ عَلٰی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَالْجِبَالِ فَابْتٰیۡنَ اَنْ یَّحْمِلْنَہَا وَاَشْفَقْنَ
مِنْہَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ (احزاب- ۹)
ہم نے اپنی امانت آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں پر
پیش کی، مگر سب نے اس بار کے اٹھانے سے انکار کیا، اور ڈر سے
اور انسان نے اس کو اٹھایا،

وحی محمدی نے انسان کا رتبہ یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بزرگیوں سے سرفراز، عالم مخلوقات میں برتر اور انعام واکرام سے معزز کیا ہے،

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْۤ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰہُمْ فِی الْبَرِّ
وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰہُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰہُمْ
عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا لَفَضْلًا (یعنی اسلئے کہ)
ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی، اور ہم نے خشکی اور تری
میں اُن کو سواری دی، اور ستھری چیزوں کی اُن کو روزی
بخشی، اور اپنی بہت سی پیدا کی ہوئی چیزوں پر اُن کو فضیلت عطا

انسان ہی وہ ہے جو سب سے معتدل قوی اور بہترین اندازہ کے ساتھ دنیا میں مخلوق ہوئی،

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (عن ۱۱)
ہم نے انسان کو بہتر اندازہ پر پیدا کیا،
یہاں تک کہ انسان خدا کی صورت کا عکس قرار پایا، متعدد حدیثوں میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا

آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا، اسی بنا پر آپ نے تعلیم دی کہ غلام کو سزا دو تو اُس کے چہرہ پر نہ مارو کہ وہ صورتِ الہی کا عین میدانِ جنگ میں اگر تلواریں برس رہی ہوں، تو حریف کے چہرہ پر وار نہ کرنا چاہیے، کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا ہے، غصہ میں بھی نہ کہنا چاہیے کہ خدا تیرے چہرہ کو اور تیرے جیسے چہرہ کو بگاڑ دے، کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر خلق کیا، ان حدیثوں کا یہ مطلب نہیں کہ انسان کی طرح خدا کی کوئی خاص جسمانی شکل ہے، اور آدم کی شکل اوس کی نقل ہے، کہ لَکَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ، بلکہ یہ مطلب ہے کہ انسان میں خدا کی صفاتِ کاملہ کی ایک دھندلی سی جھلک موجود ہے، علمِ قدرت، حیات، سمیع، بصر، ارادہ، غضب، رحم، سخا، وغیرہ تمام صفاتِ رحمانی کی ناقص مثالیں اُس کے اندر اللہ نے ودیعت رکھی ہیں، اور چونکہ انسان کے تمام اعضا میں اُس کا چہرہ ہی اوسکی شخصیت کا آئینہ دار اور اُس کے اکثر احوال کا مصدر ہے جن سے تمام اوصاف کا ظہور ہوتا ہے، اسلئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے اعضا میں اوس کی فیضِ رحمانی کا موردِ ظاہر کیا، اب غور کرو کہ وہ چہرہ جسکو خدا سے نسبت ہو اس لائق ہے کہ وہ غیر خدا کے آگے زمین پر رکھا جائے، اور اس کی زبان سے غیر خدا کی حمد کا ترانہ نکلے،

وہ تو کائنات میں خلیفۃ اللہ بنکر آیا ہے،

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ (الفادہ: ۲۰) اور اُمی نے تم کو زمین کا نائب بنایا،

تو اب وہ کائنات میں خدا کے سوا کسکو سجدہ کرے،

روئے زمین کی تمام چیزیں اُس کے خاطر بنیں، وہ روئے زمین کی چیزوں کی خاطر نہیں بنا،

خَلَقَكُمْ مِمَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرہ: ۲۱) جو کچھ زمین میں ہے خدا نے (اے انسانو!) تمہارے لئے بنایا،

إِنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مِمَّا فِي الْأَرْضِ (حج: ۹) زمین میں جو کچھ ہے، خدا نے اُسکو تمہارے بس میں فرمایا،

صحیح بخاری کتاب الاستئذان، ابن ابی عاصم فی السنن، والطبرانی من حدیث ابن عمر باسناد رجالہ ثقات، وادب المفرد بخاری و احمد عن ابی ہریرہ و صحیح مسلم کتاب التبریز توراۃ میں بھی یہ فقرہ ان الفاظ میں ہے: "جس دن خدا نے آدم کو پیدا کیا، خدا کی صحت پر اسے بنایا" (پیدائش: ۵-۶) ۱۷ صحیح بخاری کتاب المعق، و صحیح مسلم کتاب التبریز اصلہ ۱۷ صحیح مسلم کتاب التبریز آخری مکرر صحت مسلم میں ہے، لکھ الادب المفرد، امام بخاری باب لا تقل قبح اللہ وجہ ۱۷ اس حدیث کی شرح میں نسخ اباری شرح بخاری میں یہ قول نقل کیا گیا ہے،

تو وہ زمین کی کس ہستی کے سامنے سر جھکانے،

مشرک، بت پرست، ستارہ پرست، فطرت پرست، حقیقت میں غیر دن کے آگے جھک کر یہ ثبوت

دیتے ہیں کہ یہ اُن کے لیے نہیں، بلکہ وہ اُن کے لیے بنے ہیں، جو چاند اور سورج کو پوجتے ہیں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ چاند اور

سورج اُن کے لیے نہیں، بلکہ وہ چاند اور سورج کے لیے بنے ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وحی اور تعلیم کے ذریعہ

سے یہ بتایا کہ کائنات کی ہر چیز انسان کے لیے بنی ہے، اور انسان خدا کے لیے، اس لیے کائنات کا ہر ذرہ انسان

کی خدمت گزاری میں مصروف ہے، تو انسان کو بھی خدا ہی کی خدمت گزاری میں لگنا چاہیے،

ابو جادو وہ و خورشید و فلک در کارند

تا تو نانے بخت آری و بغفلت نہ خوری

انسانوں نے آسمانی مخلوقات کو اپنا معبود بنایا، تو وحی محمدیؐ نے انسانوں سے کہا،

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۚ

وَالنَّجْمُومُ سَخَّرَ لَكُم بِأَمْرِي ۚ (نحل - ۲)

انسانوں نے جانور دن کو پوجا، تو پیغام محمدیؐ نے ان انجانوں کو بتایا کہ یہ تمہارے ہیں، تم انکے نہیں ہو،

وَاللَّعَنَآءُ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ ۚ

اور جانور دن کو پیدا کیا، تمہارے لیے اس میں لہج کی گرمی اور

دوسرے فائدے ہیں، (نحل - ۱)

انسانوں نے دریاؤں و دریاؤں کو دیسی اور دیوتا بنایا، حالانکہ وہ بھی انہی کی خاطر عدم سے وجود میں آئے ہیں،

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لَكُمْ لَآ تَكُونُوا مِثْلَ حُمْلٍ ۚ

طَرِيقًا وَتَسَخَّرُ جُؤَامُهُ حَلِيبًا تَلْبَسُونَ فِيهَا

وَتَقْرَى الْفُلُكُ مَوَاحِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ

فَضْلِهِ ۚ (نحل - ۲)

تاکہ تم خدا کے فضل و کرم (روزی) کی تلاش کرو،

اگ بھی انسانوں کی موجودگی، حالانکہ وہ خود انہی کی محبت میں جل رہی ہے،

الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا ۚ

جس نے تمہارے واسطے ہرے درخت سے آگ پیدا کی، پس

فَإِذَا آنَسْتُمْ مِّنْهُ نُزِقَ دُونُهَا ۖ (یسین۔ ۵)

اُس وقت تم اُس سے روشن کرتے ہو،

الغرض زمین سے لیکر آسمان تک جو بھی مخلوق ہے، انسان اُس سے اشرف اور بلند تر ہے، اور سب اسی

لئے ہے، پھر اُس انسان سے بڑھکر اور کون نادان ہے، جو مخلوقات میں سے کسی کو اپنا مبعود، اور موجد بنائے، اُس حقیقت کے انکار ہونے کے بعد شرک کا کوئی پہلو بھی ایسا ہے، جہین کوئی سچا مسلمان گرفتار ہو سکے، اور ایک آستانہ کو چھو کر وہ کسی اور چوٹ پر اپنا سر جھکا سکے؟

الغرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس توحید کی تلقین کی، وہ انہیں دو اصولوں پر قائم ہے، ایک یہ کہ انسان تمام مخلوقات میں اشرف ہے، اس لیے کسی مخلوق کے سامنے اسکا سر نہ جھکنا چاہئے، اور دوسرا یہ کہ ہر قسم کی قوت، ہر قسم کی قدرت، اور تمام اوصاف کمالیہ صرف ایک بزرگ و برتر ہستی کے لیے ہیں، جو اور اسے عرش سے زیر فرش تک ہر ذرہ پر حکمران ہے، اسکی اطاعت کے دائرہ سے کوئی نقطہ باہر نہیں، انسان کی پیشانی کو ہر چوٹ سے اونٹھکر صرف اسی کے استنار جھکنا چاہئے، ہماری تمام عقیدت، ہماری تمام محبت، ہمارا تمام خوف، ہماری تمام امیدیں، ہماری تمام دعائیں، ہماری تمام التجائیں، ہماری تمام عاجزیاں، صرف اُسی ایک درگاہ پر نثار ہوں، اور اسی کے رحم و کرم کے سہارے ہماری زندگی کا ہر لمحہ بسر ہوں،

وہ بزرگ و برتر ہستی کیا ہے؟ اور اسکی نسبت ہمارا کیا تخیل ہو؟ تعلیم محمدی نے اسکا بھی جواب دیا،

خدا کا جامع اور منبع تخیل | قرآن پاک کی آیات، جاہلیت کے اشعار اسلام سے پہلے عربوں کے واقعات بلکہ عرب آثار و خبر کے کتب سے یہ واضح طور پر ثابت ہے کہ عربوں کے ذہن میں ایک بالاتر ہستی کا تخیل ضرور موجود تھا، جبکہ نام ان کے ہاں اللہ تھا، مگر وہ کیا ہے؟ اور کیسا ہے؟ اُس کے صفات کیا ہیں؟ اسکی طرف کیا کیا باتیں منسوب کی جاسکتی ہیں، کن کن باتوں سے پاک ہے، اسکا تعلق اپنے بندوں کے ساتھ کیسا ہے؟ ہم کو اُس کے آگے کیسے جھکنا

چاہیو اور اُس سے کیا کیا مانگنا چاہیو اور کیونکر مانگنا چاہیو، اُسکے حضور میں عائن کیونکر کجائیں؟ ہم اُس سے کیوں ڈریں اور کیونکر ڈریں اور اُس سے ڈرنے کی کیا حقیقت ہے؟ اور اس سے محبت بھی کیا سکتی ہے یا نہیں اور اگر کیا سکتی ہے تو کیونکر؟ اُس سے محبت کی حقیقت کیا ہے؟ اسکی قدرت کہاں تک ہو؟ اُس کے علم کی کیا حیثیت ہے، کیا وہ ہم سے دور ہے، یا بالکل قریب؟ اُس کے تقدس بڑائی اور عظمت کی کوئی حد ہے؟ اُس پر ہم توکل اور بھروسہ کیونکر کریں، کیا وہ انسانوں کے کسی صنف سے کلام بھی کرتا ہے؟ اُس کے احکام بھی ہیں؟ وہ احکام واجب الاطاعہ بھی ہیں؟ وہ کن باتوں سے خوش ہوتا ہے اور کن سے ناخوش؟ کیا وہ ہمارے دلوں کے چھپے ہوئے رازوں سے بھی آگاہ ہے؟ کیا اسکی اجازت کے بغیر زمین کا ایک ذرہ بھی نیچا جگہ سے حرکت نہیں کر سکتا؟ اسکی مشیت اور اسکا ارادہ کیونکر آسمان سے زمین تک ہر چیز کو محیط ہے، کیا اُس کے بنائے ہوئے قاعدے اور قانون بھی ہیں، کیا وہ انسانوں کی تعلیم اور اصلاح کے لیے پیغمبروں کو بھی مبعوث کرتا ہے؟ کیا ہم اُس کے نزدیک اپنے اعمال کے جواب دہ بھی ہیں؟ ہم سے وہ کیوں اور کیونکر ہمارے اعمال کا مواخذہ کرے گا؟ یہ وہ باتیں ہیں جنسے عجب جاہلیت کا دل دماغ بالکل عاری اور خالی تھا، اور اُن کے متعلق اسکے ذہن میں کوئی تخیل نہ تھا، جاہلیت کا ایک ایک شعر ٹپھ جاؤ، اُن کے مذاہب و اعتقادات کا ایک ایک حرف تلاش کرو، اس سے زیادہ کچھ نہ پاؤ گے، کہ وہ ایک طاقتور علیٰ ہستی ہو جس نے سب کو پیدا کیا ہے، اور مصیبتوں اور بلاؤں میں اسکو پکارنا چاہیے،

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربانی تعلیمات سے اُن کو اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت سے آشنا کیا، اسکی وحدت اور بے مثالی سے باخبر کیا، اسکی مشیت ارادہ، قدرت اور وسعت سے آگاہ کیا، ایک ایسی ہستی کے لتقا کی اور انکو تعلیم دی، جسکی قدرت بے انتہا، جسکی وسعت غیر محدود، جسکی مشیت کائنات کے ہر ذرہ میں نافذ، جس کے علم کے احاطہ میں اندھیرے اور اجالے کی ہر چیز داخل، دلوں کے اسرار، زبانوں کے الفاظ اور ہاتھ پاؤں کے اعمال سب ہر لحظہ اور ہر لمحہ اُس کے روبرو، اُس کے سامنے انسان اپنے ہر عمل کا جو ابدہ اور ذمہ دار، اُس کے مواخذہ کا خوف، اور اسکی رحمت کی امید ہے، وہ محبوب ازل ہے، اور اسکی محبت کا نشہ ہمارے دلوں کی بشارت

ہے، اُس کے فضل و کرم اور محبت کی نیرنگیان اوپر سے نیچے تک پھیلی ہیں، اسکی قوت ہر قوت پر غالب، اُس کا ارادہ ہر ارادہ پر نافذ، اُس کا حکم ہر حکم سے بالاتر ہے، اسکی عبادت ہر مخلوق پر فرض، اور اسکی اطاعت ہر تکلف پر واجب ہے وہ ہر عیب سے پاک اور منزہ اور ہر وصف کا مستحق، اور اُس سے متصف ہر انسان کو اپنی یاد دلانے اور اُن کے تذکرہ اور اصلاح کے لیے رسولوں اور پیغمبروں کو بھیجتا رہا، اور اُن سے ہم کلام ہوتا رہا، اُس کے احکام اور بندھے ہوئے قوانین ہیں، جسکی اطاعت نیکی اور نافرمانی گناہ ہے، وہ اندھیرے کی روشنی، بھوکون کی سیری، مایوسوں کی امید، زخمیوں کا مرہم، بے قراروں کی تسلی اور بے کسوں کا سہارا ہے، وہ ہم سے ہماری گردن کی رگ سے بھی قریب تر ہے، ہم اُس کو جب پکاریں وہ سنتا ہے، وہ نیکوں کو پسند اور گناہوں سے نفرت کرتا ہے، وہ جب چاہے آسمان و زمین کو فنا کر دے، اور جب چاہے اُن کو پھر چا دے، اسکی محبت دنیا کا حاصل، اسکی عبادت ہماری زندگی کا مقصود، اسکی یاد ہمارے دلوں کی راحت ہے،

اَلَا يَذِكُرُ اللّٰهُ تَطْمِئِنُّ الْقُلُوْبُ (رعد - ۴) ہاں خدا کی یاد سے دلوں کو اطمینان کی دولت ملتی ہے، ان تعلیمات کا اثر یہ ہوا کہ وہ لوگ جنکو مجھو لے سے بھی خدا کا نام یاد نہ آتا تھا، وہ اُس کے سوا سب کچھ بھول گئے، اور اسکی راہ میں ہر چیز قربان کرنے کو تیار ہو گئے، وہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے ہر حال میں اسکی یاد میں سرست و سرشار ہو گئے،

يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ فَاِذَا مَا وَقَعُوْا اَوْ عَلَ الْجُجُوْبِ عَلَیْہِمْ رَاللّٰہُ وہ خدا کو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے یاد کرتے ہیں، اس سرستی و سرشاری میں بھی انھوں نے جھگڑوں میں راہبانہ زندگی بسر نہیں کی، دولت مندوں کی کھٹک کو اپنا سہارا نہیں بنایا، دنیا کی کشمکشوں سے بزدلانہ گوشہ نشینی کو تقدس کا نام دیکر اختیار نہیں کیا، بلکہ فرائض کی ادائیگی اور اس راہ میں جدوجہد اور سعی و کوشش کو اپنا مذہب سمجھا، اور خدا کا حکم جاکر اُسکو پوری مستعدی کے ساتھ بجالائے، اور ان تمام ہنگاموں کے ساتھ دل کا معاملہ دلدارِ ازل کے ساتھ ہمیشہ قائم رکھا، خدا نے انکی مدد کی کہ رِجَالٌ لَا تُلَیْسُ بِہُمْ تِجَارَةٌ وَّلَا یَبِیْعُ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ (نور - ۲) لوگ جنکو تجارت اور خرید و فروخت خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی،

اُن کی محبتِ الہی کا درجہ دنیا کی ہر محبت پر غالب آگیا، خدا نے اُنکی توصیف کی کہ

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (بقرہ - ۲۰) ایمان والے سب سے زیادہ خدا سے محبت کرتے ہیں،

اُن کا توکل اُن کا صبر اُن کا استقلال اُن کی استقامت، اُنکی بہادری، اُنکی بخشنی، اُنکی صداقت، اُنکی استبازی، اُنکی اطاعت ہر چیز اُن کے اسی جذبہ ایمان کا پرتو تھی، اور ہر وقت اُن کے پیشِ نظر یہ تعلیم تھی کہ

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (طلاق - ۱) جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے، تو خدا اُس کو بس کرتا ہے،

أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ (زمر - ۴) کیا خدا اپنے بندہ کو کافی نہیں،

وَتَخَشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ (احزاب - ۵) اور تو لوگوں سے ڈرتا ہے، حالانکہ سب سے زیادہ خدا ڈرنا چاہیے

اُن میں یہ تمام روحانی و اخلاقی جوہر اسی ایمان باللہ کے بدولت پیدا ہوا،

اسماء و صفات | دنیا کے آغاز میں خدا نے کہا تھا کہ ہم نے آدم کو سب نام سکھائے، دنیا کہاں سے کہاں نکل گئی، اور علم کی وسعت کہاں سے کہاں پہنچی، مگر غور کیجئے تو ناموں کے ہیر پھیر سے ہم اب تک آگے نہیں بڑھے یہی ہماری حقیقت رہی ہے، اور یہی ہمارا فلسفہ ہے، ہم اپنے مفروضہ اصولِ منطقی کی بنا پر ذاتیات اور حقائق کے ذریعہ سے اشیاء کی تعریف کے مدعی بن گئے ہیں، لیکن ہزاروں صدیاں گزرنے پر بھی ذاتی اور حقیقی تعریف (منطقی) کی ایک مثال بھی پیش نہ کر سکے، جو کچھ کر سکے وہ یہ کہ صفات، عوارض اور خواص کے مختلف رنگوں سے نئی نئی ٹھکانہ تشکیل دیتے اور بگاڑتے ہیں، جب مادیات کا یہ عالم ہے تو دروازہ الوراہتی میں ہماری بشری طاقت اس سے زیادہ کاٹل کیونکر کرتی تجلی کا وہ طور اسی رمز کی آئین تصویر ہے،

ہم خدا کو بھی اُس کے ناموں، اوس کے کاموں اور اوس کی صفاتوں ہی سے جان سکتے ہیں

مختار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے جاہلون کو اسی نصابِ انسانی کے مطابق تعلیم دی، عرب کا جاہل اللہ کا نام ایک لفظ ہستی سے واقف تھا، لیکن اُس کے ناموں اور کاموں کے تحمل سے بڑی حد تک نا آشنا تھا، اُس لیے اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات سے بھی وہ قطعاً بیگانہ تھا، دیوانِ عرب یعنی اُنکی شاعری کے دفتر میں کہیں کہیں اللہ کا نام آتا ہے مگر

کہیں اسکی صفت کا ذکر نہیں آتا، قرآن پاک میں اُن کے خیالات کا پورا عکس آتا اگر کیا ہے لیکن کہیں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے امار و صفات سے بھی آگاہ تھے، بعض عیسائی عربوں میں اللہ کے ساتھ ساتھ الرحمان کا لفظ بھی مستعمل تھا جس کے معنی رحم کرنے والے کے ہیں، صحابہ الفیل کے یسائی ابراہم کے نام سے سید عزم (میں) پر جو کتبہ لگا ہے اور جبکو جرین فاضل گلزار نے شائع کیا ہے، اُنہیں بھی دو جگہ رحمان کا لفظ آیا ہے، عرب عیسائی شعرا کے کلام میں بھی یہ لفظ ملتا ہے، عیسائیوں میں اوس کے استعمال کا نتیجہ یہ تھا کہ عرب مشرکین کو اس لفظ سے چڑھ ہو گئی تھی، اسی لیے جب اسلام نے اس لفظ کو اختیار کیا، تو مشرکین نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آنحضرت صلعم نے معاہدہ کے کاغذ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھوائی تو قریش کے نمائندہ نے کہا کہ قسم ہو اللہ جی مجھے نہیں معلوم کہ رحمان کیا ہے؟

محمد رسول اللہ صلعم کی زبان مبارک سے اور قرآن مجید میں بار بار خدا کے لیے رحمان کے لفظ کے استعمال سے مشرکوں کو برہمی ہوتی تھی، اور کہتے تھے کہ ہم کبھی رحمان کے آگے سرنگون نہیں ہو سکتے، قرآن نے انکی اسی حالت کا ذکر اس آیت میں کیا ہے،

وَإِذْ قِيلَ لَهُمْ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَنِ قَالُوا وَمَا
الرَّحْمَنُ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ رحمان کو سجدہ کرو، تو کہتے ہیں
کہ رحمان کیا ہے، کیا تم جبکو کہو اسکو ہم سجدہ کریں، رحمان

کا نام انکی نفرت کو اور بڑھا دیتا ہے، (فرقان- ۵)

مشرکین کو یہ برا لگتا تھا کہ محمد (صلعم) ایک طرف تو اُن کے بتوں اور دیوتاؤں کی مذمت کرتے ہیں اور دوسری طرف عیسائیوں کے رحمان کی مدح و ستائش کرتے ہیں،

أَهَذَا الَّذِي يَذْكُرُ إِلَهُكُمْ أَذُنُكُمْ وَمَنْ يَذْكُرِ الرَّحْمَنَ
هُمْ كُفْرًا وَنَ، (انبیاء- ۳)

(مشرک آپکو دیکھتے تو مذاق سے کہتے کہ یہی وہ ہے جو تمہارے دیوتاؤں کو بڑھاتا ہے، اور وہی مشرک سچائے ذکر سے انکار کرتے ہیں،

تعلیم محمدی نے عرب کے نا آشنا یا بن حقیقت کو بالآخر آگاہ کیا کہ خدا کے اسماء و صفات کی کوئی حد نہیں، اوس کو سب ہی اچھے ناموں سے پکارا جاسکتا ہے،

قُلْ اِذْعُو لِلّٰهِ اَوْ اِذْعُو لِلرَّحْمٰنِ مَا يَآئِيَا كَذٰلِكَ نَعْمَلُ
 كَمَد (اے پیغمبر) خدا کو اللہ لکھ کر پکارو یا رحمان لکھ کر پکارو جب
 فَلَہٗ اَسْمَاءُ الْاِحْسٰنِ ج (اسرائیل-۱۲) نام سے بھی پکارو سب اچھے نام اُسی کے ہیں،

اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا مسئلہ اسلام کے اُن اہم مذہبی اصلاحات میں سے ہے، جن سے نہ صرف عرب کے جاہل نا آشنا تھے، بلکہ دنیا کے بڑے بڑے مذہبوں کے پیرو بھی غلطیوں میں مبتلا تھے، یہودیوں کے اسفار اور صحیفوں میں خدا سے برحق کا اصلی نام ”یہو“ تھا، مگر کبھی عام یہودیوں کو اس مقدس نام کے زبان پر لانے کی اجازت نہ تھی، دوسرا عام نام ”اویہم“ ہے، جو ہر موقع پر استعمال ہوتا ہے، ان کے علاوہ اُس کے بیسوں نام اور اسماء و صفات اُس کے اوصاف ذاتی، اور اعمال ربانی کے ترجمان ہیں تو رات کا ذکر اُن سے خالی ہے، صفات الہی میں سے جو صفت یہودی صحیفوں میں سب سے زیادہ نمایاں ہو وہ فوجوں والے خداوند یعنی رب الافواج کا لفظ ہے، جو اسکی صفات جلالی کا منظر ہے،

عیسائیوں کی انجیل اور کتابوں میں باپ کا لفظ خدا کے لیے استعمال ہوا ہے، اس لفظ کی حقیقت اور خدا پر اس لفظ کے اطلاق سے مقصود کیا ہے، اور گوشت پوست اور مادیت سے بھرے ہوئے لفظ کا خدا پر مجازی استعمال بھی کہاں تک جائز ہے؟ اور اس سے اس مذہب میں کہاں تک غلطیاں پھیلیں، ان باتوں کو چھوڑ کر بھی دیکھئے، تو یہ خدا کی صرف جلالی صفات کی ناقص اور مادی تعبیر ہے، عیسائیت میں فلسفہ کی آمیزش نے تثلیث کے اختراعی عقیدہ کو اسی مسئلہ صفات کے پردہ میں چھپا لیا، اور یہ تاویل کی گئی کہ تثلیث کے اقامتِ ثلاثہ، باپ (خدا) بیٹا (حضرت عیسیٰ) اور روح القدس، حیات، خلق اور علم تین صفاتوں سے عبارت ہیں، باپ، حیات، بیٹا، خلق اور روح القدس علم ہے، اور یہ تینوں ایک ہیں، اور یہ تینوں وجود میں الگ الگ ہیں، اس تشریح سے صفات الہی کے ختم کے مسئلہ نے جنم لیا، اور ایک خدا کی خداؤں کا مجموعہ بن گیا،

ہندوؤں میں اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی نیرنگی نظر آتی ہے، لیکن ہر صفت نے اُن کے ہاں ایک مستقل وجود حاصل کر لیا ہے، اور خود خدا ہر قسم کی صفات سے خالی، اور مجرد رہ گیا ہے، اور اسی لئے ہندوستان کے تمام مذاہب اسی تجزیم صفات کے جلوہ گاہ ہو کر رہ گئے ہیں، برہما، جہیش، وشنو، تین صفات خالق، نمیت (مارنے والا) اور قیوم کے مجسمے ہیں، غلط تعبیر نے وحدت کی جگہ یہاں بھی تثلیث پیدا کر دی، شکر اچاریہ نے خدا کے صرف تین اصلی صفات تسلیم کئے، حیات، علم اور تسرور یا آندھین مذہب اور بعض ہندو فرقوں میں ایک خالقیت کی صفت کے تجزیم نے اعضائے تناسل کی پرستش کی گمراہی پیدا کی، عام ہندوؤں میں ۳۳ کروڑ عجیب الخلق دیوتاؤں کی عظیم شان بھیر بھی صفات واسما الہی کی تجزیم اور مستقل وجود کے غلط فلسفہ نے پیدا کیا، اور اُسی نے بت پرستیوں کی نت نئی صورتیں نمایاں کیں، مجوسیوں میں یزدان اور اہرمز کی ثنویت اور دوئی بھی، خدا کی دو صفاتوں، ہادی اور مضل کو دو مستقل ہستیوں میں منقسم کر دینے کا نتیجہ ہے، اس تفصیل سے اندازہ ہوا ہو گا کہ اس مسئلہ کی غلط تعبیر نے دنیا میں کتنی گمراہیاں پیدا کی ہیں،

مخبر رسول اللہ صلعم نے انسانوں کے ان تمام فاسد تخیلات کو باطل ٹھہرایا، اُن کے غلط عقیدوں کی تصحیح کی اور ربانی ہدایت کے نور سے سراج منیر بنکر بطرح اس حقیقت کو روشن کیا وہ نبوتِ محمدی کے عظیم شان کا زائونہ میں ہے،

اپنے بتا یا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مکملہ گنتی اور شمار کی حد سے باہر ہیں، اور اُنکی باتوں کی کوئی انتہا نہیں، اپنے یہ دعا سکھائی ”اے خداوند! تیرے ہر اُس نام کے وسیلہ سے، جو تو نے اپنا رکھا، یا اپنی کتاب میں اتارا، یا مخلوق کو سکھایا، یا اپنے لیے اپنے علم غیب میں او سکو چھپا رکھا، میں تجھ سے مانگتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ کو یہ الہامی دعا، تعلیم ہوئی، ”خداوند! میں تیرے سب اچھے ناموں کے وسیلہ سے جنہیں سے کچھ کو ہم نے جانا اور جنکو نہیں جانا تجھے دعا کرتا ہوں قرآن پاک کے ذریعہ بتا یا گیا،

لے یتیموں دعائیں امام بیہقی نے کتاب الاسماء و الصفات میں بنقل کی ہیں اور پہلی روایت مسند بن جابر میں بھی (بند عبد اللہ بن مسعود) ہے،

قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدادًا لَكَلِمَتِ رَبِّي لَنَفَذَ الْبَحْرُ
 قَبْلَ أَنْ تَقْدَّ كَلِمَتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ
 مَدَدًا (الکھف - ۱۲)

کہدے (اے پیغمبر) کہ اگر سمندر میرے پروردگار کی باتوں کے لکھنے
 کے لیے سیاہی بن جائے، تو سمندر ختم ہو جائے لیکن میرے پروردگار کی باتیں
 ختم نہ ہوں گی، اگرچہ ہم ایسا ایک بار سمندر بھی کیوں نہ لے آئیں،

دوسری جگہ کہا گیا،

وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ
 يَمْدٌ لَا مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَنْحَارٍ مَا نَفَذَتْ
 كَلِمَتُ اللَّهِ (لقمان - ۳)

اگر زمین میں جتنے درخت ہیں وہ قلم ہو جائیں اور سمندر اور
 اُس کے بعد سات سمندروں کا پانی سیاہی ہو جائے تو بھی
 اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی،

الغرض تمام اچھے اور کمالی نام اسی کے لیے ہیں اور اُسی کو زیبا ہیں،
 اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى،
 نہیں ہے کوئی معبود لیکن وہی اللہ اُسی کے لیے ہیں
 سب اچھے نام، (طہ - ۱)

بڑائی کا ہر نام اور خوبی کا ہر وصف اُسی ذات بے ہمتا کے لیے ہے، خواہ اوسکو خدا کہو، یا اللہ کو، لغت اور
 زبان کا کوئی فرق اس میں خلل انداز نہیں،

قُلْ ادْعُوا اللَّهَ أَدْعُوا الرِّحْمٰنَ أَيًّا مَا تَدْعُوا
 فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى (اسہائیل - ۱۲)

کہدے (اے پیغمبر) اوسکو اللہ لکھ کر پکارو، یا رحمان لکھ کر پکارو،
 لکھ کر پکارو، کہ سب اچھے نام اُسی کے ہیں،
 لیکن مشرکوں کی طرح اوسکو ایسے ناموں سے نہ پکارو، جو اُس کے کمال اور بڑائی کے منافی ہیں، اور بتوں
 اور دیوتاؤں کے ناموں سے بھی اوسکو یاد نہ کرو،

وَاللَّهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى فَادْعُوهُ بِهَا وَ
 ذُرِ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ

اور اللہ ہی کے لیے ہیں سب اچھے نام، اُس کو اُن ناموں
 سے پکارو، اور اُن لوگوں سے علیحدہ رہو جو اُس کے ناموں
 میں کجی کرتے ہیں، (اعراف - ۲۲)

تعلیمِ محمدیؐ کا صحیفہ وحی اللہ تعالیٰ کے تمام اوصافِ حمیدہ اور اسمائے حسنیٰ سے بھرا ہوا ہے، بلکہ اس کا صفحہ صفحہ اُس کے اسماء و صفات کی جلوں گریوں سے معمور ہے، قرآنِ پاک کا کلم کوئی ایسا رکوع ہوگا، جس کا خاتمہ خدا کی توصیف اور حمد پر نہ ہو، اور یہ تمام اوصاف اور نام اُس عشق و محبت کو نمایان کرتے ہیں، جو اس محبوبِ ازل اور نورِ عالم کی تھی قرآن کے ہر سیر و کے دل میں ہونا چاہیے،

اللَّهُ تَوَكَّلْ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمِثْلُ نُوْرٍ
 اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اُس کے نور کی مثال یہ ہے کہ
 كَيْسِكُلُوْنَ فِيْهَا مَصْبَاحٌ وَالْمَصْبَاحُ فِي
 ایک طاق ہو جس میں چراغ ہو، چراغ ایک شیشہ کے اندر
 نَرَجَاجَةٍ وَالرَّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ
 ہو، شیشہ اتنا صاف ہو کہ گویا ایک چمکتا ستارہ ہے،
 يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَّا
 وہ چراغ زیتون کے مبارک درخت کے تیل سے جلایا
 شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيئُ
 گیا ہو، نہ وہ پورب ہے نہ بچیم ہے، اوس کا تیل اتنا
 وَلَوْ كُمْ تَمْسَسُهُ نَارٌ تُوْرٌ عَلَى نُوْرٍ ط
 صاف ہے کہ آگ کے چھوئے بغیر وہ آپ سے آپ
 يَهْدِي اللَّهُ لِلنَّاسِ لِمَنْ يَشَاءُ ط وَيَضْرِبُ
 جلنے کو ہو، روشنی پر روشنی، خدا اپنی روشنی تک حکو
 اللَّهُ لَا مِثَالَ لِلنَّاسِ ط وَاللَّهُ يُكَلِّمُ شَيْءٍ عَلَيْهِ
 چاہے پہنچا دے اور خدا لوگوں کے سمجھانے کیلئے، مثالیں
 بیان کرتا ہی، اور اللہ کو ہر چیز کا علم ہے،

(نور ۵)

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ
 اللہ، نہیں ہے اُس کے سوا کوئی اور معبود، وہ ہمیشہ زندہ
 سِنَةٌ وَلَا يَأْتِيهِ مَوْتُ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي
 تمام دنیا کو سمجھا ہے، اوس کو اونگھ اور نیند نہیں آتی، اُن
 الْأَرْضِ وَمَنْ ذَٰلِكُمْ يَسْتَفْهِعُ عِنْدَ اللَّهِ
 میں اور زمین میں جو کچھ ہے اُسی کا ہے، کون ہے جو اس کی
 بِأَذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ
 مرضی کے بغیر اُس کے سامنے سفارش کرنے کو کھڑا ہو، اُن
 وَلَا يَحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ
 کے سامنے اوپر بھی جو کچھ ہے اس کو جانتا ہے، اور وہ اُن کے
 كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ج وَهُوَ يُبْصِرُ
 علم کا احاطہ نہیں کر سکتے، لیکن جتنے کا وہ چاہے، اس کا تخت

حِفْظُ جَمَاعَةٍ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ،

(بقرہ - ۳۲)

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلِيمٌ الْغَيْبِ

وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ، هُوَ اللَّهُ

الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ

السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهِمِّنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ

الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ، هُوَ اللَّهُ

الْمَخْلِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى

يَسْبِقُ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ

الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ، (خضر - ۳)

سَبِّحْهُ اللَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ

الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ، لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

يُنْزِلُ وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ هُوَ

الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ، هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ

وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ

عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلْمِزُ فِي الْأَرْضِ وَمَا خُورِجٌ

مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَرْجُ فِيهَا

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

آسمانوں اور زمین کو سمائے ہوئے ہے، اس آسمان اور

زمین کی نگہبانی اُسکو تھکاتی نہیں اور وہی اونچا اور بڑا ہے،

وہی اللہ ہے جسکے سوا کوئی اللہ نہیں چھپے اور کھلے کا علم رکھنے

والا، وہی رحم کرنے والا، اور مہربانی والا، وہی اللہ جس کے

سوا کوئی اللہ نہیں، سب کا بادشاہ، پاک، پوری سلامتی

امن والا، ہر شئی پر گواہ، غالب، سب پر قابو والا، بڑائی والا،

اسے پاک ہے جسکو یہ شرک خدا کا شریک بتاتے ہیں، وہی اللہ

پیدا کرنے والا، بنانے والا، ہر چیز کی صورت کھینچنے والا، اُسکی

کے لیے سب اچھے نام ہیں، جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں

سب اسکی پاکی بیان کرتے ہیں وہی سب پر غالب اور حکمت والا

آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب خدا کی پاکی

بیان کرتے ہیں وہی غالب اور دانا، آسمانوں کی اور

زمین کی حکومت اُسی کی ہے، وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے اور

وہ ہر بات پر قادر ہے، وہی پہلا اور وہی پچھلا ہے، وہی کھلا ہے

وہی چھپا ہوا اور ہر بات کو جانتا ہے، وہی ہی جس نے آسمانوں کو

اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر تخت پر برابر ہوا، وہ جانتا

جو زمین میں گھستا ہے اور جو زمین سے نکلتا ہے، اور جو آسمان سے اُرتا

ہے، اور جو آسمان میں چڑھتا ہے، اور جہاں بھی تم ہو وہ کھاتا

ساتھ ہے، اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھتا ہے،

لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَٱلْاَرْضِ وَٱلۡاِلٰه تَتَرَجَّعُ
اِلَیۡهِمۡ، یُوجِبُ اَلۡتَّیۡلُ فِی الۡهَآرِ وَ یُوجِبُ اَلۡهَآرُ
فِی الۡتَّیۡلِ وَهُوَ عَلَیۡہِمۡ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ،
اوسى كى آسمانون كى اور زمين كى بادشاہى ہر اور اللہ ہی
تمام چیزوں كا مرجع ہے، وہ رات كو دن ميں داخل كر دیتا ہے
اور دن كو رات ميں داخل كرتا ہے، وہ سینوں كے

(حدید - ۱) سب مجید سے واقف ہے،

خدا كے متعلق اہل عرب كا جو پست تخيل تھا، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوسكو مٹا كر اُن كے سامنے جو بلند تخيل پیش
كیا، اُس كا اندازہ حسب ذیل افسوس ہو سكتا ہے، آپ نے جب توحید كا آواز بلند كیا، تو مشركين جو اپنے دیوتاؤں كے
آل و اولاد اور بیویوں اور گویوں كى حمد كے ترانے گاتے تھے، آپ كى خدمت ميں حاضر ہوئے، اور فرمائش كى كہ ذرا
اپنے خدا كا نسب تو ہمارے سامنے بیان كرو، يعنى گویا وہ اپنے دیوتاؤں سے اسلام كے خدا كا مقابلہ كر كے بتانا چاہتے
كہ اس حیثیت سے اسلام كا خدا ہمارے دیوتاؤں كى ہمسرى نہيں كر سكتا، اس كے جواب ميں وحى محمدى نے اپنے
خدا كى حقیقت قرآن پاك كى اس سب سے مختصر سورہ ميں پیش كى،

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، اللّٰهُ الصَّمَدُ، لَمْ يَلِدْ، لَمْ يُولَدْ،
وَلَمْ يَكُنْ لَّكَ، وَلَمْ يَكُنْ لَّكَ كُفُوًا اَحَدٌ،
اُمید سے (اسے پیغمبر) وہ اللہ ایک ہوا وہ تنہا اور بزرگ اور نیلے
اور عالم كا مرجع اور جاپنا ہے، نہ وہ اولاد جنما ہوا اور نہ اس كے
کوئی مان باپ، جنے اوسكو جنما ہوا اور نہ اوسكا کوئی ہمسر
(اخلاص)

یہ روایت حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے، حضرت ابی تمیمہ بن سب سے زیادہ قرآن كے ماہر سمجھے جاتے
ہیں، وہ اسی كے بعد اس سورہ كى تفسیر ميں کہتے ہیں، کہ ”صمد“ وہ ہے جو نہ جنما ہے اور نہ کسی نے اوسكو جنما ہوا، کیونکہ
جو جنما جاتا ہے، وہ مرتا بھی ہے، اور جو مرتا ہے، وہ اپنا وارث و جانشین بھی چھوڑ جاتا ہے، اور خدا نہ مرتا ہے نہ اوسكا
کوئی جانشین ہے، اور کوئی اوسكا ہمسر نہيں ہے، يعنى کوئی اُس كے برابر نہيں، اور نہ کوئی اُس كے مثل ہر غور كر وكہ
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اہل عرب ميں خدا كا كتنا پست و ذلیل تخيل تھا، جبكا اندازہ تم اُن كے سوال سے

لے مستدرک حاكم تفسیر اخلاص (مجموع) و جامع ترمذی تفسیر سورہ مذکور و كتاب الاسماء ہدیٰ صفحہ ۲۳ (الہ آباد)

کر سکتے ہو، اور آپ کی تعلیم کے بعد وہ تختِ کتنا پاک اعلیٰ اور بڑبڑو گیا، جسکا اندازہ حضرت اُنہی کی تفسیر سے ہو سکتا ہے، جو اُنہی
عربِ تنزاد قبیلہ کے ایک فرد ہیں، لیکن اُن کا دل اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ تعلیم سے منور ہو چکا تھا، حضرت
ابو ہریرہؓ آپ سے سن کر کہتے ہیں کہ خدا فرماتا ہے کہ آدم کے بیٹے نے مجھ کو جھٹلایا اور آدم کے بیٹے نے مجھ کو گالی دی
اوسکا جھٹلانا یہ ہے کہ اوس نے کہا کہ خدا دوبارہ پیدا نہیں کرے گا، حالانکہ پہلی بار کے پیدا کرنے سے دوسری بار کا پیدا
کرنا بہت آسان ہے، اور اُسکا گالی دینا یہ ہے کہ اُس نے کہا کہ خدا کی اولاد ہے، حالانکہ میں وہ ایک اور صمد ہوں جس
نے کسی دوسرے کو جنا ہے، اور نہ اُس کو کسی نے جنا ہے، اور نہ اوسکا کوئی ہمسر ہے، یہ حضرت ابو ہریرہؓ مینی عرب ہیں یعنی
اُس عرب کے ایک فرد جو تعلیم محمدؐ سے پہلے ان حقائق سے بے بہرہ تھا، اور اب وہ اس تنزیہ و تقدیس کے موتی اپنے
منہ سے نکل رہے ہیں،

اس مختصر سورہ میں سب سے چھوٹا لفظ ”صمد“ کا ہے، لیکن وحقیقت قرآن کی بلاغت نے اس ایک لفظ میں صفات
الٰہی کا بے پایاں دفتر چھپا رکھا ہے، ”صمد“ کے معنی لغت میں اونچی پتھریلی زمین یا چٹان کے ہیں جو کسی ایسی وادی میں ہو
جہاں جب سیلاب آتا ہو، تو اُس پر نہ چڑھتا ہو، اور لوگ اُس وقت دوڑ دوڑ کر اسی پر چڑھ کر اپنے کو بچائیں، پھر صمد کے
اس لغوی معنی سے اُس سردار کے معنی پیدا ہوئے جو بزرگی اور شرافت میں انتہائی معراجِ کمال پر ہو، اور اُس سردار کو بھی
کہنے لگے جسکی موجودگی کے بغیر مجلس میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکتا ہو، اور اُس سردار کو کہتے ہیں جس کے اوپر کوئی سردار نہ ہو،
اور اُس جا پناہ کے معنی میں بھی مستعمل ہو جو سب کو مصیبت کے وقت اپنے دامن میں پناہ دیکے، اُس مرجع و مرکز کے
معنی میں بھی آیا جسکی طرف ہر شخص دوڑ دوڑ کر جاتا ہے، صمد ٹھوس کو بھی کہتے ہیں جس کے اندر غول نہ ہو، اسی سے اوس کو
بھی کہتے ہیں جو کھانا پیتا نہ ہو، اور جس کے آل و اولاد نہ ہو، اوس کو بھی کہتے ہیں جس سے کوئی بے نیاز نہ ہو، اُس بہادر کو بھی
کہتے ہیں جسکو لڑائی میں بھوک اور پیاس نہ لگتی ہو، صمد اُس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے حمل نہ رہا ہو، حضرت ابن عباسؓ
کہتے ہیں کہ صمد وہ سردار ہو جو اپنی بزرگی اور سرداری میں درجہ کمال پر ہو، وہ شریف جسکی شرافت کامل ہو، وہ بڑا جس کی

لے صحیح بخاری تفسیر سورہ اخلاص،

بڑائی میں کوئی نقص نہ ہو وہ بڑبارحکی بردباری، بدرجہ اتم ہو، وہ بے پروا و بے نیازحکی بے پروائی و بے نیازی کی
 ٹوٹی حد نہ ہو، وہ زبردست جس کے جبروت کی اتہانہ ہو، وہ علم والا جبکہ علم بدرجہ اتم ہو، وہ حکیم حکمی دانائی کمال کے
 درجہ تک ہو، یعنی وہ جو بڑائی اور بزرگی کی ہر صفت میں کامل ہو۔

ان معنوں کے علاوہ صحابہ اور تابعین نے اسکی تفسیر میں حسب ذیل معانی بھی لکھے ہیں،
 ابن عباسؓ . وہ جس کی طرف مصیبت کے وقت لوگ رجوع کریں،
 حسن بصریؓ، وہ جی و قیوم جبکہ زوال نہ ہو، اور جو باقی ہو،
 ربیع بن انسؓ، جس کے نہ اولاد ہو، نہ مان، نہ باپ،
 عبداللہ بن مسعودؓ، جس کے اندر معدہ وغیرہ جسمانی اعضا نہ ہوں،
 بریدہ رضی اللہ عنہ، جس میں خوف نہ ہو،

عکرمہ و شعبیؓ، جو کھانا نہ ہو،

عکرمہؓ، جس میں سے کوئی دوسری چیز نہ نکلے،

قتانؓ، باقی غیر فانی،

حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام معانی اس ایک لفظ کے اندر پوشیدہ ہیں، اور ایک ہی حقیقت کی یہ مختلف تعبیریں ہیں
 تاہم یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس کے اصلی معنی چٹان کے ہیں، جو بڑائی اور مصیبتوں کے وقت جاپناہ کا کام دے، اسرائیلی
 انبیاء میں بھی یہ لفظ ہی اہمیت رکھتا ہے، اور بنی اسرائیل کے صحیفوں میں جاپناہ کے لیے چٹان کا لفظ آیا ہے،
 اشتقاق (۳۲-۳۰-۳۱) میں ہے،

”اگر او کی چٹان اُن کو بچ نہ ڈالتی اور خداوند اُن کو اسیر نہ کروانا، کیونکہ اُن کی چٹان ایسی تھی

۱۔ کتاب الاسماء والصفات، امام بیہقی جلد ۲ صفحہ ۴۳، ۲۔ ان معانی کے لئے دیکھو کتاب الاسماء بیہقی صفحہ ۴۳، مفردات القرآن لغز
 ابن فہر، ابن جریر طبری، ابن کثیر اور تفسیر سورۃ الاخلاص لابن تیمیہ،

جیسی ہماری چٹان۔

”چٹان“ اس موقع پر حقیقت میں خدا کی مدد و نصرت سے کہ یہ ہے، ہموال کے پہلے صحیفہ میں، یہ کہنا یہ تصریح بدل جاتا ہے، ”خداوند کے مانند کوئی قدوس نہیں، تیرے سوا کوئی نہیں کوئی چٹان ہمارے خدا کے مانند نہیں“۔^(۲-۲)
اس سورہ میں خدا کی صفت میں دو لفظ ہیں، اَحَدٌ (ایک) اور صَحَّاءُ (جاپناہ) یہ دونوں خدا کے دو متضاد کمالی اور صاف کو حاوی ہیں، اسکی یکتائی کا نتیجہ تو یہ ہے کہ اس جیسا کوئی نہیں، نہ اسکو کسی کی حاجت، نہ اسکو کسی سے غرض، وہ کیہ کوتاہا، اکیلا، بے ہمتا، بے نیاز، بے پروا، سب سے مستغنی، اور سب سے الگ ہے، لیکن اسی کمال یکتائی کیساتھ، وہ سب کے ساتھ، سب کا دستگیر سب کی جاپناہ، سب کا محتاج الیہ، سب کا مرکز، سب کا مرجع، سب کا مامی، سب کا ملجا، یعنی سب کی چٹان ہے، مصیبتوں میں سہارا، بلاؤں میں تسلی، اور اضطرابوں میں تسفی،

فَقِفْزُوا اِلٰی اللّٰہِ ، ہر جگہ سے بھاگ کر اللہ کے ہاں پناہ لو،

یہ سورہ پاک توحید اسلامی کے ہر شعبہ کو حاوی ہے، اور اسی لیے اسکو ثلث القرآن (دہائی قرآن) کا درجہ دیا گیا۔
ایک صحابی تھے جو نماز کی ہر دو رکعت میں قرأت کے آخر میں اس سورہ کو پڑھا کرتے تھے، لوگوں نے یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا، آپ نے اُن سے اسکی وجہ دریافت کرائی، انھوں نے کہا ”اس میں میرے رب کی صفات بیان ہوئی ہیں، جو مجھکو بہت محبوب ہیں۔“ آپ نے فرمایا ”بشارت ہو کہ خدا بھی تم سے محبت کرتا ہے“ ایک اور انصار بھی تھے جو قبل کی مسجد میں امامت کرتے تھے، اُن کا یہ حال تھا کہ ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد اس سورہ کو پڑھ لیتے تھے تب کوئی دوسری سورہ پڑھتے تھے، اُن کے مقتدی صحابہ نے اس پر اعتراض کیا، انھوں نے کہا، مجھے امامت چھوڑنی منظور ہے مگر اپنی روش چھوڑنی منظور نہیں، لوگوں نے اس واقعہ کا تذکرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، آپ نے اُن سے اسکی وجہ دریافت کی، تو گزارش کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے یہ سورہ بہت محبوب ہے، ارشاد ہوا یہ محبت تم کو جنت میں لیاگی، قتادہ بن نعمان صحابی تھے جو رات رات بھرا ہی ایک سورہ کو دہراتے تھے، اور لطف اندوز ہوتے تھے، لوگوں نے آپ سے اس کا

۱۔ صحیح بخاری کتاب التوحید ۲۔ صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ

تذکرہ کیا، تو فرمایا کہ یہ سورہ قرآن کا تہائی حصہ ہے،

اس گمراہی اور تاریکی کا اندازہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عرب پر چھائی ہوئی تھی، اس روحانی لطفت اور نورانی فیض سے کرو، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس کے حصہ میں آیا،

قرآن مجید اور احادیث میں اللہ تعالیٰ کے تنوع سے زیادہ نام اور اوصاف آتے ہیں، صحیح حدیثوں میں ہے، کہ آپؐ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے تناوے نام ہیں جو ان کو محفوظ رکھے یا نگاہ رکھے، وہ جنت میں داخل ہوگا، خدا طاق ہے، وہ طاق عدد کو پسند کرتا ہے، آخری فقرہ اس علت کو ظاہر کرتا ہے کہ ۹۹ نام کیوں رکھے گئے، پورے تسکین نہ مقرر کیے، یہ اس لیے کہ اگر پورے تنوے تو عدد و طاق نہ رہتا، اور اس سے توحید کا مرکز آشکارا نہ ہوتا، صحیح احادیث میں اسی قدر ہے، یعنی ان ۹۹ ناموں کی تصریح نہیں ہے، مگر ترمذی میں اور بعض کم درجہ حدیثوں میں ان ناموں کو گنا یا بھی ہے، لیکن محدثین نے عموماً یہاں تک کہ حافظ ابن حجر نے بھی لکھا ہے کہ یہ روایتیں ضعیف اور کمزور ہیں، پھر ان روایتوں میں بعض ناموں کا اول بدل اور الٹ پھیر بھی ہے، اور بعض ایسے نام بھی ان میں ہیں جو قرآن میں نہیں ہیں، اور بعض ایسے نام جو قرآن میں ہیں ان میں نہیں ہیں، اسی لیے علماء کا فیصلہ یہ ہے کہ ان روایتوں میں ان ناموں کا انتخاب راویوں نے خود اپنی تلاش و تفحص سے کیا ہے، اس لیے ان روایتوں سے یہ شبہ نہ ہو کہ اسمائے الہی ان تناوے میں محدود ہے، بلکہ بڑے بڑے اسماء اور محدثین، مثلاً عبد العزیز بن یحییٰ، ابو جبر بن عربی، امام نووی، حافظ ابن حجر، امام خطابی، ابن تیمیہ اور قرطبی، وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ اسمائے الہی ان تناوے میں محدود نہیں اور یہ بھی تصریحات ملتی ہیں کہ اسماء اور صفات الہی کی کوئی حد و پابان نہیں ہے، اور اس پر محدثین نے حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایتوں سے جو آغاز مضمون میں اوپر گزر چکی ہیں، استدلال کیا ہے،

بہر حال قرآن پاک اور احادیث صحیحہ کے تتبع سے علماء نے تناوے ناموں کا تہہ چلایا ہے، اور ان کو الگ

لے سند احمد بن حنبل، سید احمد بن حنبل، سید بخاری کتاب التوحید و صحیح مسلم کتاب الذکر و منہج ابن ابی ہریرہ و جامع ترمذی و سنائی و ابن ماجہ و ابن خزیمہ و ابوداؤد و ابن جریر و طبرانی و بیہقی و غیر ملے تہذیب و اشعار و لغت و اقوال و افعال فی علم الاسماء و ما تریہ کی مشہور پرانی اور مستند کتاب ہے،

ایک ایک کر کے گنا یا ہے، یہ تمام نام وہ ہیں جو بطور علم یا بطور صفت کے قرآن پاک میں آئے ہیں یا وہ افعال گئی حقیقت سے خدا کی طرف منسوب ہوئے ہیں، یا آنحضرت صلیع نے دعاؤں میں انکی تعلیم کی ہے، ہم ذیل میں بہ ترتیب ایک ایک نام لکھتے ہیں اور اُسکی مختصر لغوی تشریح کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ آنحضرت صلیع نے خدا کا جو تخیل اور عقیدہ اپنے پیروں کو سکھایا، وہ کتنا وسیع کتنا بلند، کتنا منترہ اور پاکیزہ ہے، علماء نے ان ناموں کو یا ان صفات کو مختلف معنوی مناسبوں سے ترتیب دیا ہے لیکن ہم نے ان کے صرف تین مرتبے قرار دیئے ہیں، ایک وہ جن سے اُس کے رحم و کرم، عفو و درگزر یعنی صفات جمالی ظاہر ہوتے ہیں، دوسرے وہ جن سے اُسکی شاہنشاہی، جلال و جبروت اور حکومت و استیلا کا اظہار ہوتا ہے، ہم ان کو صفات جلالی کہتے ہیں، تیسرے وہ اسماء اور صفات جن سے اُسکی تنزیہیہ، بلندی، کمالات کی جامعیت اور ہر قسم کے اوصاف حسنہ اور محامدِ عالیہ کا ثبوت ہوتا ہے اور ان کو ہم صفات کمالی سے تعبیر کرتے ہیں، الغرض خدا کے تمام اسماء و صفات انہیں تین عنوانوں کی تشریح ہیں، یعنی یا تو ان سے خدا کی رحیمی کریمی ظاہر ہوتی ہے، یا اُس کے جاہ و جلال کا اظہار ہوتا ہے، یا اُسکی تنزیہیہ و کمال کا اثبات ہوتا ہے،

صفات جمالی (یعنی وہ اسماء و صفات جن سے خدا کے رحم و کرم اور شفقت و محبت کا اظہار ہوتا ہے) اللہ یہ خدا کا وہ نام ہے جو قرآن پاک میں بطور خاص علم کے ہر جگہ استعمال کیا گیا ہے، اسلام سے پہلے بھی یہ عرب میں خدائے برحق کے لیے استعمال ہوتا تھا، اس لفظ کی لغوی تحقیق میں بہت کچھ اختلاف کیا گیا ہے، کسی نے کہا ہے کہ اس کے معنی اس ہستی کے ہیں جسکی پرستش کی جائے، بعضوں نے کہا وہ جسکی حقیقت و معرفت میں عقل انسانی حیران و سرگردان ہو، دوسروں کی تحقیق ہے کہ اس کے معنی ہیں، وہ جو اپنی مخلوقات کے ساتھ وہ شفقت اور محبت رکھے جو ان کو اپنے بچوں کی مانند ہوتی ہے، اس اخیر تعبیر کی بنا پر اللہ کے معنی پیا کر کرنے والے یا پیارے کے ہیں

الرحمن، اللہ کے بعد یہ دوسرا لفظ ہے جسکو علم کی حیثیت حاصل ہے، اُس کے معنی رحم والے کے ہیں

یہ گزر چکا ہے کہ زحمان کا لفظ اسلام سے پہلے صرف عیسائی عربوں میں مستعمل تھا، عام اہل عرب میں اللہ کا لفظ مستعمل تھا، قرآن مجید نے ہر سورہ کے شروع میں اور نیز اور مقامات میں اللہ کو الرحمن اکبر سینکڑوں جگہ استعمال کیا ہے،

بظاہر تو یہ وصف و موصوف کی معمولی ترکیب ہے، مگر حقیقت یہ بدل و تبدیل نہ بن، اور اس سے اس کی طرح اشارہ ہے کہ عام عربوں کا اللہ اور عرب عیسائیوں کا رحمان دو جہتی صفتیں اور دو بیگانہ ہستیاں نہیں، بلکہ ایک ہی حقیقت کی دو تعبیریں، اور ایک ہی ہستی کے دو نام ہیں اور اس طرح ان دو مختلف قوموں کو وحدت الہی کی دعوت دینی جو ناموں کے تعدد کو حقیقت کے تعدد کا مرادف سمجھتی تھیں، اور کہا گیا،

قُلِ ادْعُوا اللَّهَ اَوْ دَعُوا الرَّحْمٰنَ اَيَّامًا
تَدْعُوْا فَلَهُ الْمَسْمٰعُ نَحْمَدُ (سراہیل ۱۲) نام ہیں،

الرَّحِيْمُ، ”رحم کرنے والا“ رحم کا لفظ اس رحم سے نکلا ہے، جس سے بچہ کی پیدائش ہوتی ہے، اس لیے اصل لغت کے لحاظ سے اس لفظ میں بھی مرثیہ نہ محبت کا جذبہ نمایاں ہے،

الرَّحْمٰن اور الرَّحِيْمُ، خدا کی یہ وہ دو صفتیں ہیں جنہے قرآن کا صفحہ صفحہ منور ہے، کائنات میں جو کچھ ہوا جو کچھ ہے، جو کچھ ہوگا، وہ انکی رحمانی اور رحیمی انہیں دو صفوں کا ظہور ہے، یہ عالم اور وہ عالم دونوں میں اسکی انہیں دونوں شانوں کا ظہور ہے، اور ہوگا،

الرَّحِيْمُ، پرورش کرنے والا، یعنی ہستی کے اول نقطہ سے لیکر آخر منزل تک ہر لمحہ اور ہر خطہ مخلوقات کی نشوونما اور ظہور و ترقی کا ذمہ دار،

الرَّحِيْمُ، لطف والا، سربان،

الرَّحِيْمُ، معاف کرنے والا، دگر گذر کرنے والا،

الرَّحِيْمُ، محبوب، محبت کرنے والا، پیار کرنے والا،

الرَّحِيْمُ، امن و سلامتی صلح و آشتی، ہر عیب پاک و صاف،

الرَّحِيْمُ، محبت والا، پیار والا، چاہنے والا،

الرَّحِيْمُ، امان دینے والا، امن بخشنے والا، ہر خوف سے بچانے والا، اور ہر مصیبت سے نجات دینے والا،

الشُّكُورُ، اپنے بندوں کے نیک عمل کو قبول اور پسند کرنے والا،
 الْغَفُورُ وَالْغَفَّارُ، معاف کرنے والا، گناہ بخشنے والا، درگزر کرنے والا،
 الْحَفِیْظُ وَالْحَافِظُ، حفاظت کرنے والا، نگہبان، نگہبانی کرنے والا، بچانے والا،
 الْوَهَّابُ، دینے والا، عطا کرنے والا، بخشنے والا،
 الرَّازِقُ وَالرَّزَّاقُ، روزی دینے والا، نشوونما کا سامان بہم پہنچانے والا،
 الْوَلِیُّ، دوست، حمایتی، طرفدار،
 الرَّؤُوفُ، مہربان، نرمی اور شفقت کرنے والا،
 الْمُقْسِطُ، انصاف والا، عادل،
 الْهَادِیُّ، راہ دکھانے والا، رہنما،
 الْكَافِیُّ، اپنے بندوں کی ہر ضرورت کے لیے کافی،
 الْمُجِیْبُ، قبول کرنے والا، دعاؤں کا سننے والا،
 الْحَلِیْمُ، بڑبار، بندوں کی برائیوں سے خشم پوشی کرنے والا،
 التَّوَّابُ وَقَابِلُ التَّوْبِ، توبہ قبول کرنے والا، گنہگار کے گناہوں سے درگزر کر کے دوبارہ
 اُس کی طرف رجوع ہونے والا،
 الْحَنَّانُ، مان کی طرح بچوں پر شفقت کرنے والا،
 الْمَنَّانُ، احسان کرنے والا،
 النَّصِیْرُ، مدد کرنے والا،
 ذُو الطَّوْلِ، کرم والا،
 ذُو الْفَضْلِ، فضل والا،

الْكَفِيلُ، بندوں کی کفالت کرنے والا،

الْوَكِيلُ، بندوں کی ضرورتوں کا ذمہ لینے والا، سامان کرنے والا،

الْمُعِيتُ، روزی پہنچانے والا،

الْمُعِيتُ، فریاد کو پہنچنے والا، فساد سننے والا،

الْمُجِيرُ، پناہ دینے والا،

الْمُغْنِي، جو بندوں کو اپنے سوا ہر چیز سے بے نیاز کئے ہوئے ہے،

صفاتِ جلالی، یعنی وہ اسماء و صفات جن سے اس کی بڑائی، کبریائی، شہنشاہی، اور قدرت کا اظہار ہوتا ہے،

الْمَلِكُ وَالْمَلِكُ، بادشاہ، فرمانروا،

الْعَزِيزُ، غالب، جس پر کوئی دسترس نہ پائے،

الْقَاهِرُ وَالْقَهَّارُ، جس کے حکم سے کوئی باہر نہیں جاسکتا، سب کو دبا کر اپنے قابو میں رکھنے والا،

الْمُنْتَقِمُ، سزا دینے والا، برائیوں کی جزا دینے والا،

الْجَبَّارُ، جبروت والا، جس کے سامنے کوئی دوسرا دم نہ مار سکے، جس سے کوئی سرتابی نہ کر سکے،

الْمُهَيِّمُ، سب پر شاہد اور گواہ اور دلیل،

الْمُتَكَبِّرُ، اپنی بڑائی دکھانے والا، کبریائی والا، سخت سزا دینے والا،

شَدِيدُ الْعِقَابِ، سخت سزا والا،

شَدِيدُ الْبَطْشِ، بڑی گرفت والا، جس سے کوئی چھوٹ نہیں سکتا،

نکتہ: خدا کے صفاتِ جلالی کا ذکر زیادہ تر تورات میں ہے، لیکن صحیفہ محمدی میں جہاں کہیں خدا کی ان

جلالی صفات کا ذکر آتا ہے، ہمیشہ اُن کے ساتھ ساتھ خدا کے عادل، حکیم، اور علیم ہونے کا بھی ذکر ہوتا ہے، جس سے انسان کی اس غلط فہمی کا مٹا نا ہے کہ خدا کی ان جلالی صفات کا یہ منشا نہیں ہے کہ وہ نعوذ باللہ ایک لا ابا بلی کی طرح دم گنگا

میں جو چاہے کر گذرتا ہے، بلکہ اس کا قہر اور سکا غلبہ اور سکا انتقام اور اس کی گرفت، عدل، انصاف اور حکمت و مصلحت پر مبنی ہوتی ہے، اور اس طرح ان جلالی ناموں سے بے رحمی اور ظالمانہ سخت گیری کا جو شبہ پیدا ہو سکتا ہے وہ دور ہوجاتا ہے، فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ لَيَسَّ بِظُلْمٍ لِّلْعَبِيدِ (الاعتراف - ۱۹) بیشک خدا بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں،

اسی لیے اللہ تعالیٰ کے وصف میں عزیز (غالب) کیساتھ حکیم (حکمت والا) ہمیشہ قرآن میں آیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ خدا کے عذاب کے ذکر کے ساتھ اس کی رحمت کا تذکرہ بھی ہوگا، اور دوزخ کے بیان کیساتھ جنت کا سامان بھی لازمی ہوگا،

جہاں یہ کہا گیا کہ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ساتھ ہی کہا گیا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ (ص - ۵) قوموں کی تباہی و بربادی کا ذکر کیا گیا تو فرمادیا گیا،

وَمَا اللَّهُ بِغَرِيبٍ ظَلُمَ لِّلْعِبَادِ (معین - ۴) اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا،

اس کی صفت ذُو عِقَابٍ أَلِيمٌ، دردناک عذاب دینے والا، جہاں بیان کی گئی، تو اُس سے معاً پہلے لَذُّ مَعْزٍ یُّقْسِمُ بِنَبَشِ الْأَاسِمَةِ (حسم السجدہ - ۵) بھی فرمادیا گیا، غرض صفات جلالی کے بیان میں یہ رعایت پیش نظر رکھی گئی ہے کہ اس کے ساتھ یا آگے پیچھے اس کی صفات جہالی کا بھی ذکر ہو، تاکہ خوف و خشیت کے ساتھ اس کی محبت اور لطف و کرم کے جذبات بھی نمایاں ہوں،

صفات کمالی، وہ اسما و صفات جن سے اس کی خوبی، بڑائی، بزرگی اور ہر وصف میں اس کا کامل ہونا ظاہر ہو، اس طرح کے اسما و صفات پانچ قسم کے ہیں، ایک وہ جو اس کی وحدانیت سے متعلق ہے، دوسری اس کے وجود سے متعلق رکھتی ہے، اور تیسری اس کے علم سے، چوتھی اس کی قدرت سے، اور پانچویں اس کی تشریف اور پاکی سے، صفات وحدانیت یعنی وہ صفات جو اس کی یکتائی اور بے مشائی کو ظاہر کرتی ہیں، اور وہ یہ ہیں،

الْوَحِيدُ، ایک،

الْأَحَدُ، ایک،

الْوَرْدُ، طاق جبکہ کوئی جوڑا نہیں،

صفاتِ وجودی | جن سے اوسکا وجود، بقا، دوام، ازلیت، اور بے زوالی ظاہر ہوتی ہے،

الْمَوْجِدُّ، وجود والا، ہست،

الْحَيُّ، ہمیشہ زندہ، غیر فانی،

الْقَدِيمُ، وہ جس سے پہلے کوئی دوسرا موجود نہ ہو، جو ہمیشہ سے ہو،

الْقَيُّومُ، جو اپنے سہارے تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے،

الْبَاقِي، باقی جبکہ ہمیشہ بقاء ہو،

الدَّائِمُ، ہمیشہ رہنے والا،

الْأَوَّلُ، وہ پہلا جس سے کوئی پہلے نہیں،

الْآخِرُ، وہ پچھلا، جو سب کے فانی ہونے کے بعد بھی سب کے بعد باقی رہے گا،

الْمُقَدَّمُ، جو سب کے آگے سے ہو،

الْمَوْخَرُ، جو سب سے پیچھے رہ جائیگا،

الظَّاهِرُ، جسکا وجود دکھلا ہو، اور نمایاں ہو، (یعنی جو اپنے کاموں اور قدرتوں کے لحاظ سے ظاہر ہے)

الْبَاطِنُ، جو چھپا اور مخفی ہو، (یعنی جو اپنی ذات کے لحاظ سے پوشیدہ ہے،)

وہ صفتیں جو اس کے ہر چیز سے باخبر اور آگاہ ہونے کو ظاہر کرتی ہیں،

الْخَبِيرُ، خبر رکھنے والا،

الْعَلِيمُ، جاننے والا،

عَلَامُ الْغُيُوبِ، جو باتیں سب سے پوشیدہ ہیں اُن کو جاننے والا،

عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ، دلون کے چھپے ہوئے بھید کو جاننے والا،

السَّمِيعُ، سُننے والا،

الْبَصِيرُ، دیکھنے والا،

الْمُكَلِّمُ، بولنے والا، اپنے علم اور ارادہ کو ظاہر کرنے والا،

الْوَّاحِدُ، پانے والا، جس کے علم کے سامنے کوئی چیز گم نہ ہو،

الشَّهِيدُ، حاضر، جس کے سامنے سے کوئی چیز غائب نہ ہو،

الْحَسِيبُ، حساب کرنے والا، یعنی جن چیزوں کا علم حساب کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے، یعنی وزن اور مقدار کا بھی جاننے والا

الْمُحِصِي، گننے والا، یعنی جن چیزوں کا علم گن کر حاصل کیا جاتا ہے، یعنی اعداد اُن کا بھی جاننے والا،

الْمُدَبِّرُ، تدبیر کرنے والا، انتظام کرنے والا،

الْحَكِيمُ، حکمت والا، عقل والا، سب کاموں کو مصلحت سے کرنے والا،

الْمُرِيدُ، ارادہ کرنے والا، مَشِئْتُ والا،

الْقَرِيبُ، نزدیک، جو اپنے علم کے لحاظ سے گویا سب کے پاس ہے،

قدرت وہ صفتیں جن سے انکی قدرت کی وسعت کا اظہار ہوتا ہے،

الْفَاحِشُ وَالْفَتَّاحُ، ہر شے کو کھولنے والا،

الْقَدِيرُ وَالْقَادِرُ، قادر، قدرت والا،

الْحَقُّوْدُ، اقدار والا، جس کے سامنے کوئی چوں و چرا نہیں کر سکتا،

الْقَوِيُّ، قوی، زبردست، جس کے سامنے کسی کا بس نہیں چل سکتا،

الْمَتِينُ، مضبوط، جس کوئی کمزوری نہیں،

الْجَامِعُ، جمع کرنے والا، متفرق اور پرگانہ چیزوں کو اکٹھا کرنے والا،

الْبَاعِثُ، اٹھانے والا، مردوں کو قبروں سے اٹھانے والا، یا دنیا میں ہر واقعہ اور ہر حادثہ کا محرکِ اَوَّل۔
مَالِكُ الْمَلِكِ، سلطنت کا مالک جس کے سامنے کسی کی کوئی ملکیت نہیں،

الْبَدِيعُ، نئی نئی چیزیں ایجاد کرنے والا،

الْوَسِيعُ، سامنے والا، جو ہر چیز کو سمائے ہوئے ہے،

الْمُحِيطُ، جو ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، کوئی اُس کے احاطہ سے باہر نہیں،

الْمُحْيِي وَالْمُمِيتُ، جلانے والا، اور مارنے والا،

الْقَابِضُ وَالْبَاسِطُ، سمیٹنے والا، اور پھیلانے والا،

الْمُعِزُّ وَالْمُذِلُّ، عزت دینے والا، اور ذلت دینے والا،

الْخَافِضُ وَالرَّافِعُ، نیچا کرنے والا، اور اونچا کرنے والا،

الْمُعْطِي وَالْمَانِعُ، دینے والا، اور روک لینے والا،

الْذَافِعُ وَالضَّارُّ، نفع پہنچانے والا، اور نقصان پہنچانے والا، یعنی نفع و ضرر دونوں اُسی کے ہاتھ میں ہیں،

الْمُبْدِي وَالْمُعِيدُ، جو چیز پہلے سے موجود نہ ہو اُس کو وجود میں لانے والا، اور جو ہو کر فنا کر دی گئی ہو،

اس کو پھر دوبارہ وجود میں لانے والا،

نکتہ:- اس قسم کی صفتیں ضمنی بظاہر متعین نظر آتا ہے جیسو الضَّارُّ (نقصان پہنچانے والا) الْمُذِلُّ (ذلت

دینے والا) الْخَافِضُ (سپت کرنے والا) الْمَانِعُ (روکنے والا) وغیرہ ان کا تنہا استعمال چونکہ غلط فہمی پیدا

کرنے والا ہے، اس لیے جب تک اُن کے ساتھ اُن کے مقابل کی صفت نہ بولی جائے، اُن کا استعمال جائز

نہیں رکھا گیا، یعنی خدا کو صرف الضَّارُّ الْخَافِضُ، الْمَانِعُ، اور الْمُذِلُّ کہنا درست نہیں، جب تک اُس کی

اس کے دوسرے پہلو کو بھی نہ ملا لیا جائے، یعنی الضَّارُّ کیساتھ النَّافِعُ، الْخَافِضُ کیساتھ الرَّافِعُ، الْمَانِعُ

کیساتھ الْمُعْطِي اور الْمُذِلُّ کے ساتھ الْمُعِزُّ، قرآنِ پاک اور احادیث دونوں میں اِن صفات کے استعمال

میں یہ رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے کہ تنہا نقصان پہنچانے والا، ذلت دینے والا، اور روکنے والا کوئی خوبی نہیں، بلکہ ایک نوع کی برائی ہے، ہاں نقصان و نفع پہنچانے والا، عزت و ذلت دینے والا، اور دینے والا اور روکنے والا دونوں کو ملا کر کہا جائے تو جائز ہو گا کہ اُس سے مقصود اس کی قدرت کی وسعت ہے، کہ اگر کوئی ایسا نفع پہنچانے والا ہو، حسین نقصان پہنچانے کی قدرت ہی نہیں، یا ایسا عزت دینے والا ہے، حسین ذلیل کرنے کی استطاعت ہی نہیں تو اُس کے اس عزت دینے اور نفع پہنچانے پر اس کا مجبور و مضطر ہونا لازم آتا ہے اور اس کی قدرت کا یہ کمال نمایاں نہیں ہوتا کہ وہ نقصان پہنچانے کی طاقت رکھنے کے باوجود نفع پہنچاتا، اور ذلت دیکھنے کے باوجود عزت دیتا ہے، تنزیہ | وہ صفات جو اس کی بڑائی، کبریائی، پاکی اور نیکی اور ہر عیب اور نقصان سے اس کی برات کو ظاہر کرتی ہیں،

الْعَلِيُّ، مرتبہ والا،

الْعَظِيمُ، عظمت والا،

الْكَبِيرُ، بڑا،

الْزَفِيعُ، بلند،

الْجَلِيلُ، بزرگ،

الْكَرِيمُ، شریف،

الْعَفِيفُ، بے نیاز،

الصَّادِقُ، سچا راست باز،

الْمَاجِدُ، عزت والا،

الْحَمِيدُ، تعریف والا،

الْقُدُّوسُ، پاک،

الْحَقُّ، حق اور اصلی، کہ اُس کے سوا سب باطل ہیں،

الْجَبِيلُ، اچھا،

الْكَبْرُ، نیک،

الْعَدْلُ، عادل،

مُسْتَوْحٌ، ہر عیب سے پاک،

الْقَهْدُ، جو بزرگی کی ہر صفت میں کامل ہے،

الْوَشِيدُ، سیدھی راہ چلنے والا، نہ بہکنے والا،

ان تعلیمات کا اثر اخلاقِ انسانی پر | اللہ تعالیٰ کے ان اسماء و صفات کا عقیدہ، دینِ محمدی میں محض نظری نہیں، بلکہ عملی حیثیت بھی رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہ محامد و اوصاف، اخلاقِ انسانی کا معیار ہیں، ان اوصاف کو چھوڑ کر جو اس ذوالجلال کے لیے خاص ہیں کہ وہ بندہ کی حیثیت اور طاقت سے زیادہ ہیں، بقیہ اوصاف و محامد انسان کے لیے قابلِ نقل ہیں، کہ وہ اُس کے خدا کے محامد و اوصاف سے دور کی نسبت رکھتے ہیں، اس لیے انسان پر فرض ہے کہ اگر وہ خدا سے نسبت پیدا کرنا چاہتا ہے، تو اپنے اندر اُس کے محامد و اوصاف سے نسبت پیدا کرے، اور خدا کے ان اسماء و صفات کو محاسن و محامد اور خوبیوں کا انتہائی معیار جان کر ان کی نقل اور پیروی کی کوشش کرے، محامدِ الہی کو استادِ اعلیٰ کی وصلی ہے جسکو دیکھ کر شاگرد کو اپنے خط کی خوبی میں ترقی کرنی چاہیے، اور ہر حرف کے لکھنے میں ایک نظر اس استادِ ازل کی وصلی پہنچانی لینی چاہیے، کہ اسکی ذاتی مشق کہاں تک اصل وصلی کے مطابق ہے، گزر چکا کہ قرآن کا پہلا سبق یہ ہے کہ **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفْرَ وَالْأَعْيُنَ الَّتِي كُفِّرَتْ** (نہم ۴) آدم کا بیٹا زین بن خدا کا خلیفہ اور نائب بتایا گیا ہے، خلیفہ اور نائب میں اصل کے اوصاف و محامد کا پرتو جتنا زیادہ نمایاں ہوگا، اتنا ہی وہ اپنے اندر اس منصب کا استحقاق زیادہ ثابت کریگا، اور اتنا ہی وہ اصل سے زیادہ قریب ہوگا، اور نبی کے فرائض زیادہ بہتر ادا کریگا، یہاں تک کہ او میں وہ جلوہ بھی نمایاں ہوگا، جب وہ سر تا پا خدائی رنگ میں رنگ کر نکھر جائے گا،

صَبَّحَهُ اللَّهُ وَمِنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صَبَّغَهُ (بقہ - ۱۰) خدا کا رنگ اور خدا کے رنگ سے کس کا رنگ اچھا ہے؟

تمام اہل تفسیق ہیں کہ اس "خدا کی رنگ" سے مقصود خدا کا دینِ فطرت ہے،

یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ "إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ" خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا اور ساتھ ہی عکس تشریح بھی گزری کہ اس صورت سے مقصود جسمانی نہیں، معنوی شکل صورت ہے، یعنی یہ کہ خدا نے انسان میں اپنے صفات کا ملکہ کا عکس جلوہ گر کیا ہے، اور اُن کے قبول کرنے کی صلاحیت عطا کی ہے، اور اُن میں انسانی حد تک ترقی کی استعداد بخشی ہے، اور اخلاق و صفات میں ملا، اعلیٰ سے تشبہ اور ہم شکل کی جو ہر مرحمت فرمایا ہے، اور یہی صوفیہ اور خاصانِ خدا کے اس مقولہ کا کہ "تَخَلَّقُوا بِأَخْلَاقِ اللَّهِ" خدا کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو، مطلب ہے، حدیث میں یہی مفہوم بروایت طبرانی ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے کہ حَسَنُ الْخَلْقِ خَلَقَ اللَّهُ الْأَعْظَمُ حَسَنُ خَلْقٍ، خدا تعالیٰ کا خلق عظیم ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کا ملکہ کی چار قسمیں اوپر بیان ہوئی ہیں، جلالی، تزیینی، کمالاتی، اور جہالتی، صفاتِ جہالتی جنہیں کبر بانی عظمت شہنشاہی اور بڑائی کے اوصاف ہیں، خالق تعالیٰ کے سوا مخلوقات اُن کے مستحق نہیں، اور بڑائی کے اوصاف بندگی اور عبودیت کے رتبہ کے سزاوار ہیں، اُن کا انعکاس یہ ہے کہ بندوں میں اُن کے مقابل کے صفات پیدا ہوں یعنی عاجزی، تواضع، فروتنی، اور خاکساری، اسی لیے ترقی، ہجرت اور بڑائی کا اظہار منع ہے اور اسی لیے آدم جس نے فروتنی اختیار کی اور عجز و تصور کا اعتراف کیا، مغفرت کی خلعت سے سرفراز ہوا، اور شیطان جس نے ترقی اور غرور ظاہر کیا، دائمی لعنت کا مستحق ٹھہرا،

أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ، اُس نے آدم کے سجدہ سے انکار کیا اور غرور کیا، اور کافروں

(بقہ - ۲) میں سے ہو گیا،

قرآن پاک میں ہے کہ بڑائی اور کبر بانی صرف خدا کے لیے ہے، اس کے سوا کوئی اور اُس کا مستحق نہیں،

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (جاثیہ - ۴) اولا سمانوں اور زمین میں اُسی کے لیے بڑائی ہے،

لے کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲ بروایت حضرت عازبن یاسر،

صحیح مسلم میں ابو سعید خدریؓ اور ابو ہریرہؓ دو صحابیوں سے روایت ہے کہ آپؐ فرمایا کہ عزت اور کبر باری تعالیٰ کی چادر ہے (خدا فرماتا ہے) تو جو کوئی عزت اور کبر باری میں میرا حریف بنے گا میں اُسے سزا دوں گا، دوسری جگہ ہے کہ آپؐ فرمایا کہ خدا کے نزدیک سب سے برا وہ ہے جو اپنا نام بادشاہوں کا بادشاہ اور شہنشاہ رکھتا ہے، خدا کے سوا کوئی بادشاہ اور مالک نہیں ہے۔ اَلْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ (خشر - ۳) اُسی کی شان ہے، البتہ اللہ تعالیٰ اپنی عزت و جلال اور قوت و جبروت کا فیضان بعض بندوں اور امتوں پر نازل کرتا ہے، اور اُن کو طاقت اور قوت اور بادشاہی عطا کرتا ہے، مگر اس نواز پر بھی نیک بندوں اور صالح امتوں کا فرض یہی ہے کہ عین اہم وقت جب اُن کے دست و بازو سے قوت حق، ربانی جاہ و جلال کا ٹھکانا ہو، اُن کی پیشانیانِ فرطِ عبودیت سے اُس کے آگے ٹھکی ہوں اور سرِ نیازِ انہارِ بندگی کے لیے اُس کے سامنے خم ہوں، کہ عزت و جلال خاص خدا کی شان تھی، جس کا فیضان رسول پر ہوا، اور رسول کی وسالت سے مومنوں پر ہوا، یہ ترتیب خود قرآن میں ملحوظ رکھی گئی ہے،

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلّٰهِ الْمُنِيْنُ (منازلہ) اور عزت خدا کے لیے ہے اور اُس کے رسول کے لیے اور مومنوں کے لیے جو

حاکم میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تین کپڑے ہیں، وہ اپنی عزت و جلال کا ازار باندھتا ہے اور اپنی رحمت کا جامہ پہنتا ہے اور اپنی کبریائی کی چادر اوڑھتا ہے، تو جو شخص اُس عزت کے سوا جو خدا کی طرف سے اسکو عنایت ہوئی ہو، معزز بننا چاہتا ہے، تو وہی وہ شخص جو جس کو قیامت میں یہ کہا جائے گا "اسکا مزہ چکھ، تو معزز اور شریف بنتا تھا" (قرآن) اور جو انسانوں پر رحم کرتا ہے، خدا اُس پر رحم کرتا ہے کہ اُس نے وہ جامہ پہنا، جس کا پہننا اسکو روائتاً اور جو کبر باری کرتا ہے، تو اُس نے خدا کی اُس چادر کو اتارنا چاہا جو خدا ہی کے لیے تھی؟

خدا کی صفاتِ کمالی میں سے وحدانیت اور بقائے ازلی وابدی کے سوا کہ اُن سے تمام مخلوقات اور ممکنات طبعاً محروم ہیں بقیہ اوصاف کے فیضان سے انسان شرف ہوتا ہے، مثلاً قدرت، علم، سمیع، بصیر، کلام وغیرہ، صفاتِ تنزیہی سے بھی مخلوقات تا ستر محروم ہیں، اُن کی تنزیہی یہ ہے کہ وہ خدا کے عصیان، نافرمانی اور گنہ گاری کے عیب سے بری اور پاک ہوں، صفاتِ جمالی وہ اصلی اوصاف ہیں جن کا فیضان کا دروازہ ہر صاحبِ توفیق کے لیے حسب استعداد

ملک کتاب الادب
باب کبر و عظم
صفحہ ۴۰۰، مصر
مکتبہ محمدیہ
مسلم کی تالیف
مکتبہ دارالادب
جلد دوم صفحہ
اور سند رک
حاکم

کھلا ہوا ہے، صفاتِ جمالی کا سب سے بڑا مظہر عفو و درگزر ہے، عیسائیوں کی عام دعائیں ایک فقرہ ہے کہ خداوند! تو ہمارے گناہوں کو معاف کر جس طرح ہم اپنے قرضداروں کو معاف کرتے ہیں، اسلام نے اس الٹی تشبیہ کو جائز نہیں رکھا ہے، اُس کے ہاں یہ ہے کہ اے انسان! تو اپنے مجرموں کو معاف کر کہ خدا تیرے گناہوں کو معاف کرے آپ نے فرمایا جو کوئی اپنے بھائی کے گناہ پر پردہ ڈالے گا، خدا اُس کے گناہوں پر پردہ ڈالے گا، قرآن کتاب ہے کہ تم دوسریں کو معاف کرو کہ خدا تم کو معاف کرتا ہے۔

اِنْ تَتُوبَا وَاحِدًا اَوْ تَتُوبَا اَوْ تَعْفُو عَنْ مَسْئَرَةٍ
فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا (نساء- ۲۱) امدی، معاف کرنے والا قدرت والا ہے،

ایک دفعہ بارگاہِ عدالت قائم تھی، ایک مجرم کو سزا دی جا رہی تھی، مگر اس منظر کو دیکھ کر حضور کے چہرہ کا رنگ متغیر تھا، اداستانوں نے سبب دریافت کیا، فرمایا کہ امام تک معاملہ پہنچنے سے پہلے اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا کرو، خدا معاف کرنے والا ہے، اور عفو و درگزر کو پسند کرتا ہے، تو تم بھی معاف اور درگزر کیا کرو، کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ خدا تمہیں بھی معاف کرے، وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ صحابہ کے مجمع میں فرما رہے تھے کہ جس کے دل میں غرور کا ایک ذرہ بھی ہوگا، وہ بہشت میں داخل نہ ہوگا، ایک صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ! انسان چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں، اُس کا جوتا اچھا ہو، کیا یہ بھی غرور ہے، فرمایا،

اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ جَبِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ، اللہ تعالیٰ اچھا ہے اور جمال والا ہے، اچھائی اور جمال کو پسند کرتا ہے،

یہ غرور نہیں، غرور حق کو پامال کرنا، اور انسانوں کو دبانے ہے، یہی روایت حدیث کی دوسری کتابوں میں ان الفاظ کے ساتھ ہے "خدا جمال والا ہے، وہ جمال کو پسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اُس کے بندہ پر اس کی نعمت کا اثر ظاہر ہو"۔

۱۔ صحیح مسلم کتاب البر والصلة، ۲۔ مستدرک الحاکم جلد ۴ صفحہ ۳۸۲، کتاب الحدود، ۳۔ صحیح مسلم کتاب الایمان، و ترمذی باب الکبر، ۴۔ کنز العمال کتاب الزیوۃ بحوالہ الشعب الایمان ہی،

یہ روایت بھی ہے "خدا جمیل ہے، جمال کو پسند کرتا ہے، وہ سخی ہے، سخاوت کو پسند کرتا ہے، وہ صاف ستھرا ہے، صفائی اور ستھرائی کو پسند کرتا ہے" روایت کے یہ الفاظ بھی آئے ہیں "وہ جمیل ہے جمال کو پسند کرتا ہے، اخلاقِ عالیہ سے محبت اور بد اخلاقیوں سے نفرت رکھتا ہے" ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کو نصیحت فرماتے ہیں "اے عائشہ! خدائی والا ہے، وہ ہر بات میں نرمی کو پسند کرتا ہے" ایک دفعہ آپ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا "لوگو! خدا پاک ہے، اور پاک ہی کو قبول کرتا ہے" عام مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا "اے قرآن کے ماننے والو! وتر نماز پڑھا کرو، کہ خدا یکتا (وتر) ہے وہ یکتا (وتر) کو پسند کرتا ہے"۔

رحمت و شفقت اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، مگر خدا کی رحمت و شفقت کے وہی مستحق ہیں، جو دوسروں کی رحمت و شفقت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا "رحم کرنے والوں پر وہ رحم کرنے والا بھی رحم کرتا ہے، لوگو! تم زمین والوں پر رحم کرو، تو آسمان والا تم پر رحم کرے گا" (ابوداؤد باب فی الرحمۃ) رشتہ داری اور قربت کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تمام رشتہ داریاں اور قربتیں رحم کے تعلق پر قائم ہیں، آپ نے فرمایا کہ رحم کی جڑ رحمان سے ہے، خدا فرماتا ہے کہ اے رحم جو تجھ کو قطع کرے گا، میں اس کو سکوت کر دوں گا، جو تجھ کو ملائیگا اس کو میں بھی ملاؤں گا، ترمذی میں یہی تعلیم ان الفاظ میں ہے میں خدا ہوں، میں رحمان ہوں، میں نے رحم کو پیدا کیا ہے، اور اپنے نام (رحمان) سے اس کا نام (رحم) مشتق کیا ہے، تو جو اس کو ملائیگا، میں اس کو ملاؤں گا، جو اس کو قطع کرے گا، میں اس کو سکوت کر دوں گا، پھر فرمایا "جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا، خدا اس پر رحم نہیں کرتا، بخاری میں اس روایت کے یہ الفاظ ہیں "جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا" آپ نے فرمایا خدا نے رحم کے تھوڑے کئے ۹۹ تھوڑے پاس رکھے اور ایک حصے زمین والوں کو عنایت کیا، اُسی کا یہ اثر ہے کہ باہم لوگ ایک دوسرے کے ساتھ رحم و شفقت سے پیش آتے ہیں، یہاں تک کہ گھوڑی بھی اپنے بچے کے لیے اس خوف سے پاؤں

لے کنٹرل الحال کتاب الزیئۃ بحوالہ کامل لابن عدی، ص ۱۵۷ ایضاً بحوالہ معجم وسطیٰ رانی، ص ۱۵۷ صحیح مسلم ابوداؤد، حاکم نسائی ابن ماجہ، بیہقی فی الآداب، ص ۱۵۷ صحیح مسلم کتاب الصدقات، و ترمذی تفسیر سورۃ بقرہ ص ۱۵۷ ابوداؤد باب استجاب الوتر، صحیح بخاری باب صلۃ الرجل جسم، ص ۱۵۷ ابواب البر و الصلۃ، ص ۱۵۷ ترمذی باب مذکور، ص ۱۵۷ جامع بخاری باب رحمۃ الاولاد

اٹھالیتی ہے کہ اُس کو صدمہ نہ پہنچے؟

بخل خدا کی صفت نہیں، مگر آپ نے فرمایا: تم اپنی تھیلی کے منہ بند کرو، ورنہ تم پر بھی تھیلی کا منہ بند کیا جائیگا۔ یہ نصیحت بھی فرمائی کہ جو بندہ دوسرے بندہ کی پردہ پوشی کریگا، قیامت میں اس کی پردہ پوشی خدا کریگا۔ یہ بھی تسلیم ہے کہ جب تک تم اپنے بھائی کی مدد میں ہو خدا تمہاری مدد میں ہے۔

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا کہ خدا سے بڑھ کر کوئی غیر تند نہیں، اسی لیے اُس نے فحش باتوں کو حرام کیا جو اسی کی تفسیر دوسری حدیث میں ہے آپ نے فرمایا کہ خدا بھی غیرت کرتا ہے، اور مومن بھی غیرت کرتا ہے، اور خدا کی غیرت یہی ہے کہ اُس نے اپنے مومن پر جس بات کو حرام کیا ہے اگر کوئی اس کا ارتکاب کرے تو وہ اُس پر خفا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے،

وَاِنَّ اللّٰهَ لَكَيِّنٌ بِّظُلْمٍ لِّلْعَبِيدِ (ال عمران - ۱۹) اور خدا بندوں پر ظلم نہیں کرتا،

اس لیے اُس کے بندوں کا فرض ہے کہ وہ بھی آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کریں، محمد رسول اللہ صلعم نے اپنی زبان مبارک سے اللہ تعالیٰ کی اس علی تعلیم کو ان الفاظ میں ادا فرمایا،

يا عبادي اتى حرمات الظلم على نفسي وجعلته

بينكم مخمرا فلا تظالموا بجانب اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کیا ہے اور اس کو

پاکیزگی اور لطافت خدا کی صفتیں ہیں، اس لیے خدا کے ہر بندہ کو بھی پاک صفات رہنا چاہیے، آپ نے فرمایا

اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ يُّحِبُّ الطَّيِّبَ وَنُطِيفٌ يُّحِبُّ

الطَّافَةَ فَتَنْظِفُوا وَلَا تَشَبِهُوا الْيَهُودَ، خدا پاکیزہ ہے، پاکیزگی کو پسند کرتا ہے، اور پاک و صاف ہے، پاکیزہ صفاتی کو پسند کرتا ہے تو پاک متساہر کرو اور یہودیوں کی طرح گندے نہ بنو،

یہ توحید کا ایک نسخہ تھا، اب اس کا دوسرا نسخہ بھی ملاحظہ کے قابل ہے،

۱۔ جامع بخاری، باب رحمۃ الولد، ۲۔ صحیح ترمذی، ابواب البر والصلة، ۳۔ مسلم کتاب البر والصلة، باب بشارة من ستر اللہ تعالیٰ علیہ فی الدنیا، ۴۔ ترمذی فی الآخرۃ، ۵۔ ابوداؤد کتاب الادب، باب فی العفو عن المسلم، ۶۔ صحیح بخاری کتاب التوحید، جلد دوم، مثلاً ۷۔ جامع ترمذی، باب ما جاء فی الغیر من ابواب النکاح، ۸۔ صحیح مسلم کتاب البر والصلة، مسند ابن عباس، جلد ۱، صفحہ ۱۱۶، ۹۔ ابوداؤد النکاح، باب ما جاء فی الغیر من ابواب النکاح، ۱۰۔ مصریہ، ترمذی، باب النکاح، صفحہ ۴۵۰

وہ تو مین جو توحید سے آشنا نہ تھیں، انھوں نے انسانیت کا مرتبہ بھی نہیں پہچانا تھا، وہ انسان کو فطرت کے برعکس غلام سمجھتی تھیں، یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم توحید ہی تھی جس نے خدا کے سوا ہرشی کا خوف، انسانوں کے دلوں سے نکال دیا، مروج سے لیکر زمین کے دریا اور تالاب تک ہر چیز آقا ہونے کے بجائے انسانوں کی غلام بن کر ان کے سامنے آئی، بادشاہوں کے جلال و جبروت کا ظلم ٹوٹ گیا، اور وہ بائبل و مصر ہندو ایران کے خدا اور بیکہ لاکھلی ہونے کے بجائے انسانوں کے خادم، راعی اور چوکیدار کی صورت میں نظر آئے، جن کا عزل و انتخاب دیوتاؤں اور فرشتوں کے ہاتھ میں نہ تھا، بلکہ انسانوں کے ہاتھ میں تھا،

تمام انسانی برادری جسکو دیوتاؤں کی حکومتوں نے اونچی نیچی، بلند و پست، شریف و ذلیل مختلف طبقوں اور ذاتوں میں منقسم کر دیا تھا، کوئی پریشور کے منہ سے، کوئی ہاتھ سے اور کوئی پانون سے پیدا ہو کر ایسی مختلف جنسوں میں بٹ گئی تھی، جنکو اسی طرح متفق نہیں کر سکتے تھے، اور اس طرح مساوات انسانی کی دولت دنیا سے گم تھی، اور زمین قوموں اور ذاتوں کے ظلم و جبر اور غرور و فقر کا دنگل بن گئی تھی، توحید نے اگر اس بلند و پست اور نشیب و فراز کو برابر کیا، سب انسان خدا کے بندے، سب اوس کے سامنے برابر، سب یا ہم بھائی بھائی اور سب حقوق کے لحاظ سے یکساں قرار پائے، ان تعلیمات نے دنیا کی معاشرتی، اخلاقی اور سیاسی اصلاحات میں جو کام کیا، اس کے نتائج تاریخ کے صفحوں میں ثبت ہیں، اور بالآخر اس اصول کی صداقت کو انھوں نے بھی تسلیم کر لیا، جو حقیقی توحید سے نا آشنا ہیں، اور اسی لیے وہ مساوات انسانی کے حقیقی جوہر سے بھی ہنوز نا آشنا ہیں، اور انتہا یہ ہے کہ خدا کے گھر میں جا کر بھی تفاوت درجہ کا خیال ان کے دل سے دور نہیں ہوتا، دولت و فقر اور رنگ و قومیت کے امتیازات خدا کے سامنے سرنگون ہو کر بھی وہ نہیں بھولتے مسلمانوں کو تیرا سو برس سے اس مساوات کی دولت اسی توحید کامل کی تعلیم سے حاصل ہے، اور وہ ہر قسم کے ان مصنوعی امتیازات سے پاک ہیں، اسلام کی نظر میں سب ایک خدا کے بندے ہیں اور سب یکساں ایک خدا کے سرافکندہ ہیں، دولت و فقر، رنگ و روپ اور نسل و قومیت کا کوئی امتیاز ان کو منقسم نہیں کرتا، اگر کوئی امتیاز ہے تو صرف تقویٰ اور خدا کی فرمانبرداری کا،

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (مجادلہ - ۲) تم میں خدا کے نزدیک سب زیادہ عزت والا وہی ہے جس سے زیادہ خدا سے تقویٰ کرتا ہو

خدا کا ڈر اور پیار | اس سلسلہ میں ایک اور اہم مسئلہ خدا سے ڈرنے اور اُس سے محبت کرنے کا ہے، عام طور سے مخالفون نے یہ سمجھا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس خدا کی تعلیم دی ہے وہ فقط قتار، جبار اور مہیب شہنشاہ مطلق ہے، جس کی ہیبت و جلال سے تمام بندوں کو صرف ڈرتے اور کانپتے رہنا چاہیے، اُس کے گوشہ خیم میں لطف و عنایت کا گد نہین، محبت اور پیار کا گد نہین، اُس کے دربار میں قبول نہین، نہ وہ اپنے کمزور بندوں پر خود محبت کی نظر رکھتا ہے، اور نہ وہ اپنے بندوں سے اپنی محبت کا تقاضا کرتا ہے، لیکن درحقیقت یہ تعلیم محمدی کی بالکل غلط تصویر ہے، اللہ تعالیٰ کے جو اسما و صفات اوپر گزر چکے ہیں، اُن پر ایک ایک کر کے نظر ڈالو تو معلوم ہو گا کہ اُس کے چند پر جلال ناموں کو چھوڑ کر جو اُسکی قدرتِ تام اور مالکیتِ عام کی حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں، وہ تمام تر محبت اور پیار، لطف اور کرم، رحمت اور مہربانی کی گاہ ہیں، مخالفون کو اس حقیقت کے سمجھنے میں دُور و جہون سے مغالطہ ہوا،

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے خوف و خشیت کی بھی انسانوں کو دعوت دی،

۲۔ دوسرے مذہبوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کے اظہار کی جو اصطلاحیں مقرر کی تھیں، آپ نے شدت کیساتھ

اُن کی مخالفت کی اور ان کو شرک قرار دیا،

محبت کیساتھ خوف و خشیت کی تعلیم | یہ واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں محبت اور پیار کے ساتھ خدا کے خوف و خشیت

کو بھی جگہ دی ہے، غور کرو کہ انسانوں میں تمام کاموں کے محرک دو ہی جذبے ہیں، خوف اور محبت، یہ دونوں جذبے لگ

الگ بھی پائے جاتے ہیں، اور ایک ساتھ یا آگے پیچھے بھی، اور ان دونوں جذبات کے لوازم بھی الگ الگ ہیں، اذعانِ محبت

کا نتیجہ ناز، بخیر اور کبھی گستاخی، اور اپنے مہربان و محبوب پر عنایت، اعتماد کی بنا پر کبھی نافرمانی بھی ہے، جذبہ محبت کے ان لوازم

اور اثرات کا اندازہ خوف ہی کے جذبہ سے ہو سکتا ہے، اس لیے خالق و مخلوق کے درمیانی رابطہ کا تعلق نہ تنہا خوف اور

نہ تنہا محبت سے انجام پا سکتا ہے، بلکہ ان دونوں کے اشتراک، امتزاج، اور اعتدال سے، اور یہی نبوتِ محمدی کی تعلیم ہے،

اسلام سے پہلے جو آسمانی مذاہب قائم تھے اُن میں اس سلسلہ میں بھی افراط و تفریط پیدا ہو گئی تھی، اور صراطِ مستقیم سے دُور

اس سے زیادہ پر لطف بات یہ ہے کہ اسلام خدا سے لوگوں کو ڈراتا ہے، مگر اُس کو جبار اور قہار کہہ کر نہیں بلکہ مہربان اور رحیم کہہ کر، چنانچہ خدا کے سید بندوں کی صفت یہ ہے کہ،

وَحَشِيّ الرَّحْمَنِ بِالْعِيبِ (یس-۲) اور رحم کرنے والے سے بن دیکھے ڈرا،

مَنْ حَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْعِيبِ (ق-۳) اور جو رحم کرنے والے سے بن دیکھے ڈرا،

نہ صرف انسان بلکہ تمام کائنات کی زبانیں اُس مہربان کے جلال کے سامنے گنگ ہیں،

وَحَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَنِ (طہ-۶) اور رحم والے کے ادب سے تمام آوازیں پست ہو گئیں،

دنیا میں جو پیغمبر آئے دو قسم کے تھے، ایک وہ جن کی آنکھوں کے سامنے صرف خدا کے جلال و کبریائی کا جلوہ تھا،

اس لیے وہ صرف خدا کے خوف و خشیت کی تعلیم دیتے تھے، مثلاً حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ، دوسرے وہ جو محبت الہی میں سرشار تھے اور وہ لوگوں کو اسی غماز عشق کی طرف بلاتے تھے مثلاً حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ،

لیکن پیغمبروں میں ایک ایسی ہستی بھی آئی، جو ان دونوں صفوں کی بربخ کبریٰ، جلال و جمال دونوں کا منظر اور

پیار اور ادب و کاظمی دونوں کی جامع تھی، یعنی محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم، ایک طرف آپ کی آنکھیں خوف الہی سے اشک باریقی تھیں، دوسری طرف آپ کا دل خدا کی محبت اور رحم و کرم کے سرور سے سرشار رہتا تھا، کبھی ایسا ہوتا کہ ایک ہی وقت

میں یہ دونوں منظر آپ کے چہرہ انور پر لوگوں کو نظر آجاتے، چنانچہ جب راتوں کو آپ شوق و دلولہ کے عالم میں نماز کیلئے کھڑے ہوتے، قرآن مجید کی لمبی لمبی سورتیں زبان مبارک پر ہوتیں، اور ہر سخی کی آیتیں گزرتی جاتیں، جب کوئی خوف

و خشیت کی آیت آتی، پناہ مانگتے، اور جب کوئی امر و محبت اور رحم و بشارت کی آیت آتی تو اس کے حصول کی دعا مانگتے،

الغرض اسلام کا نصب العین یہ ہے کہ خوف اور محبت کے کناروں سے ہٹا کر جان سے ہر وقت نیچے گرنے

کا خطرہ ہے، خوف و خشیت اور رحم و محبت کے بیچ کی شاہراہ میں وہ انسانوں کو کھڑا کرے، اسی لیے کہا گیا ہے کہ لا یَا

بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ اَیْمَانٌ کَامِلٌ خوف اور امید کے درمیان ہے کہ تمہا خوف خدا کے رحم و کرم سے ناامید اور محض

اسلام، رحمتِ الہی کے دائرہ کو کسی خاندان اور قوم تک محدود نہیں رکھتا، بلکہ وہ اسکی وسعت میں انسانوں کی ہر برادری کو داخل کرتا ہے، ایک شخص نے مسجد نبوی میں اگر دعا کی کہ خدایا! مجھ کو اور محمد کو مغفرت عطا کر اپنے فرمایا "خدا کی وسیع رحمت کو تم نے تنگ کر دیا" ایک اور اعرابی نے مسجد میں دعا مانگی کہ خدایا! مجھ پر اور محمد پر رحمت بھیج، اور ہماری رحمت میں کسی کو شریک نہ کر، اپنے صحابہ کی طرف خطاب کر کے فرمایا: یہ زیادہ گمراہ ہے یا اس کا اونٹ؟

محبت کے جہانی اصطلاحات کی لغت | اس مسئلہ میں تعلیم محمدی کے متعلق غلط فہمی کا دوسرا سبب جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے یہ ہے کہ بعض مذاہب نے خدا کی محبت و کرم کی تعبیر کے لیے جو مادی اور جہانی اصطلاحیں قائم کی تھیں، اسلام نے اُن کی لغت کی اور اُن کو شرک قرار دیا، اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ اسلام کا خدا رحم و کرم اور محبت اور پیار کے اوصاف سے معر ہے،

اصل یہ ہے کہ انسان دوسرے غیر مادی خیالات کی طرح خدا اور بندہ کے باہمی مہر و محبت کے جذبات کو بھی اپنی انسانی بول چال میں ادا کر سکتا ہے، محبت اور پیار کے یہ جذبات انسانوں کے اندر باہمی مادی اور جہانی رشتوں کے ذریعہ سے نمایاں ہوتے ہیں، اس بنا پر بعض مذاہب نے اس طریقہ ادا کو خالق و مخلوق کے ربط و تعلق کے اظہار کے لیے بھی بہترین اسلوب سمجھا، چنانچہ کسی نے خالق اور مخلوق کے درمیان باپ اور بیٹے کا تعلق پیدا کیا جیسا کہ عیسائیوں میں ہے، دوسرے نے مان کی محبت کا بڑا درجہ سمجھا، اس لئے اس تعلق کو مان اور بیٹے کی اصطلاح سے واضح کیا، اور مسیحیان انسانوں کی مائیں نہیں جیسا کہ ہندوؤں کا عام مذہبی تخیل ہے، خاص ہندوستان کی خاک میں زن و شو کی باہمی محبت کا امتیازی خاصہ ہے جس کی نظیر دوسرے ملکوں میں نہیں مل سکتی ہے، اوسکی نگاہ میں محبت کا اس سے زیادہ پر اثر منظر اور ناقابل شکست پیمان کو دوسرا نہیں، اس لیے یہاں کے بعض فرقوں میں خالق و مخلوق کی باہمی محبت کے تعلق کو زن و شو کی اصطلاح سے ادا کیا گیا، سدا سہاگ فقراء اس تخیل کی مضحکہ انگیز تصویر ہیں،

یہ تمام فرسے جنھوں نے خدا اور بندہ کے تعلق کو جہانی اور مادی رشتوں کے ذریعہ ادا کرنا چاہا، وہ راہ سے بے راہ ہو گئے،

اور لفظ کے ظاہری استعمال نے نہ صرف اُن کے عوام کو بلکہ خواص تک کو گمراہ کر دیا اور لفظ کی اصلی روح کو چھوڑ کر نسبت کے ظاہری مغالطوں میں گرفتار ہو گئے، عیسائیوں نے واقعی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا سمجھ لیا، ہندوستان کے میٹون نے ماناؤ کی پوجا شروع کر دی، سداسھاگ فقیروں نے چوڑیاں اور ساڑیاں پہن لیں، اور خدا سے شوخیان کرنے لگے، اسی لیے اسلام نے جو توحیدِ خالص کا مبلغ تھا، ان جسمانی اصطلاحات کی سخت مخالفت کی، اور خدا کے لیے ان الفاظ کا استعمال اُس نے ضلالت اور گمراہی قرار دیا، لیکن وہ ان الفاظ کے اصلی معنی اور منشا کو اور اس مجاز کے پردہ میں حقیقت مستور ہے اوس کا انکار نہیں کرتا، بلکہ وہ ان جسمانی معنوں کو خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے ربط و تعلق کے اظہار کے لیے ناکافی اور غیر مکمل سمجھتا ہے، اور وہ ان سے بھی زیادہ وسیع و کامل معنی کا طالب ہے،

فَاذْكُرُوا لِلّٰهِ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ اَبْنَاءَ كَافِرًا وَّاسْتَدَّ ذِكْرًا ﴿١٠٠﴾ تم خدا کو اُسی طرح یاد کرو جو تم اپنے آپ کو اپنے رب کے لیے ناکافی قرار دیتا ہے، اور عبد و معبود کے مابین محبت کے رشتہ کو اس سے اور زیادہ مضبوط کرنا چاہتا ہے،

الغرض رحم و محبت کے اس جسمانی طریقہ تعبیر کی مخالفت سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسلام سرے سے خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے درمیان محبت اور پیار کے جذبات سے خالی ہے، اتنا کون نہیں سمجھتا کہ مذہب کی تعلیمات انسانوں کی بولی میں اتری ہیں، اُن کے تمام خیالات و تصورات، اسی مادی اور جسمانی ماحول کا عکس ہیں، اس لیے اُن کے ذہن میں کوئی غیر مادی اور غیر جسمانی تصور کی مادی اور جسمانی تصور کی وساطت کے بغیر براہِ راست پیدا نہیں ہو سکتا، اور نہ اس کے لیے اُن کے لغت کا کوئی ایسا لفظ مل سکتا ہے جو غیر مادی اور غیر جسمانی مفہوم کو اس قدر منزه اور بلند طریقہ سے بیان کرے جس میں مادیت اور جسمانیست کا مطلق شائبہ نہ ہو، انسان اُن دیکھی چیزوں کا تصور صرف دیکھی ہوئی چیزوں کی تشبیہ سے پیدا کرتا ہے اور اُسی طرح اُن اُن دیکھی چیزوں کا ایک دھندلا سا عکس ذہن کے آئینہ میں اتر جاتا ہے،

اس اُن دیکھی ہستی کی ذات و صفات کے متعلق جب حکومتِ خدا کہتے ہو ہر مذہب میں ایک تخیل ہے، غور سے دیکھو تو معلوم ہو گا کہ یہ تخیل بھی اس مذہب کے پیروں کے گرد و پیش کی اشیاء سے ماخوذ ہے، لیکن ایک بلند تر اور کاثر مذہب کا

کام یہ ہے کہ وہ اس تخیل کو مادیت جہانیت اور انسانیت کی آلائشوں سے اس حد تک پاک و منزہ کر دے جہاں
 بنی نوع انسان کے لیے ممکن ہے، خدا کے متعلق باپ، ماں اور شوہر کا تخیل اس درجہ مادی، جسمانی اور انسانی ہے کہ اس
 تخیل کے معتقد کے لیے نامکن ہے کہ وہ خالص توحید کے صراطِ مستقیم پر قائم رہ سکے، اسی لئے نبوتِ محمدی نے ان مادی
 تعلقات اور جسمانی رشتوں کے الفاظ کو خالق و مخلوق کے اظہارِ ربط و تعلق کے باب میں یکطرفہ ترک کر دیا، بلکہ ان کا استعمال
 بھی شرک قرار دیا، تاہم چونکہ روحانی حقائق کا اظہار بھی انسانوں ہی کی مادی بولی میں کرنا ہے، اس لئے اُس نے جسمانی
 و مادی رشتہ کے اُن جذبات، احساسات اور عواطف کو خالق و مخلوق کے تعلقاتِ مابین کے اظہار کے لیے مستعار کیا
 جنکا اظہار دوسرے مذاہب نے اُن رشتوں کے ذریعہ کرنا چاہا تھا، اور اس طرح خالق و مخلوق کے درمیان کوئی جسمانی رشتہ
 قائم کئے بغیر اُس نے ربط و تعلق کا اظہار کیا، اور انسانوں کو استعمالات کی لفظی غلطی سے جو گمراہیاں پہلے پیش چکی تھیں
 اُن سے اُن کو محفوظ رکھا۔

ہر زبان میں اس خالقِ ہستی کی ذات کی تعبیر کے لیے کچھ نہ کچھ الفاظ ہیں جنکو کسی خاص تخیل اور نصب العین کی
 بنا پر مختلف قوموں نے اختیار کیا ہے، اور گوانکی حیثیت اب علم اور نام کی ہے، تاہم وہ حقیقت پہلے پہل کسی نہ کسی
 وصف کو پیش نظر رکھ کر استعمال کئے گئے ہیں، ہر قوم نے اس علم اور نام کے لیے اُسی وصف کو پسند کیا ہے، جو اُس کے
 نزدیک اس خالقِ ہستی کی سب سے بڑی اور سب سے ممتاز صفت ہو سکتی تھی،

اسلام نے خالق کے لیے جو نام اور علم اختیار کیا ہے، وہ لفظ اللہ ہے، اللہ کا لفظ اصل میں کس لفظ سے نکلا ہے
 اس میں اہل لغت کا یقیناً اختلاف ہے، مگر ایک گروہِ کثیر کا یہ خیال ہے کہ یہ لفظ لہ سے نکلا ہے اور اللہ کے اصل معنی
 عربی میں اُس غم، تمنّت اور تعلقِ خاطر کے ہیں جو مان کو اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے، اسی سے بعد کو مطلق، عشق و محبت
 کے معنی پیدا ہو گئے، اور اسی سے ہماری زبان میں لفظ والد (شیدا) مستعمل ہے، اس لیے اللہ کے معنی: محبوب اور
 پیارے کے ہیں جس کے عشق و محبت میں نہ صرف انسان بلکہ ساری کائنات کے دل سرگردان، تیر اور پریشان
 ہیں، حضرت مولانا شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی قرآن مجید کی آیاتوں کے ترجمہ اکثر ہندی میں فرمایا کرتے تھے اللہ کا

وہ ہندی بین من موہن یعنی دلوں کا محبوب کیا کرتے تھے،

قرآن مجید کھولنے کے ساتھ ہی خدا کی جن صفوں پر سب سے پہلے نگاہ پڑتی ہے وہ رحمان اور رحیم ہے، ان دونوں
لفظوں کے تقریباً ایک ہی معنی ہیں یعنی رحم والا مہربان "لطف مکرّم والا" بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، محبوب، مہربا
رحم والا، کے ضمن میں قرآن مجید کے ہر سورہ کے آغاز میں انہیں صفات ربانی کے بار بار دہرانے کی تاکید کی گئی ہے ہر
نازمین کئی کئی دفعہ ان کی تکرار ہوتی ہے کیا اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے متعلق اسلام کے تخیل کو واضح کرنے کے لئے
کوئی دلیل مطلوب ہے۔

لفظ اللہ کے بعد اسلام کی زبان میں خدا کا دوسرا علم ہی لفظ "رحمان" ہے، جو رحم و کرم اور لطف و مہر کے معنی
میں صفتِ مبالغہ کا لفظ ہے،

قُلْ اَدْعُوا اللّٰهَ اَوْ اَدْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيَّامَا تَدْعُوْا
اُس کو محبوب (اللہ) کو یا "مہربان" (رحمان) کو، جو کہ

قُلْ لَا اَسْأَلُكُمْ اَلْحَسَنٰی۔ (بنی اسرائیل - ۱۲) اسکو بجا رو سب اچھے نام اُنہی کے ہیں،

قرآن مجید نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی صد بار بار کی تکرار کو چھوڑ کر ۵۳ موقعوں پر خدا کو اس رحمان
کے نام سے یاد کیا ہے،

ابھی اس سے پہلے باب میں اسمائے الہی کا ایک ایک حرف ہماری نظر کے سامنے سے گزر چکا ہے، ان

ناموں میں اللہ تعالیٰ کے ہر قسم کے جلالی و جمالی اوصاف آگئے ہیں، استقصا کرو، تو معلوم ہوگا کہ ان میں بڑی تعداد

انہیں ناموں کی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور مہر و محبت کا اظہار ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ایک نام

یا ایک وصف اَلْوَدُوْدُ (سورہ ذات البروج میں) آیا ہے، جس کے معنی محبوب اور پیارے ہیں، کچھ تباہ و

محبت، اور عشق اور پیار رہے، اس کے سوا خدا کا ایک اور نام اَلْوَلِیُّ ہے، جس کے لفظی معنی "یار" اور "دوست" کے ہیں

خدا کا ایک اور نام قرآن مجید میں بار بار استعمال ہوا ہے، وہ الرَّحْمٰن ہے "رؤف" کا لفظ "رأفت" سے نکلا ہے "رأفت

کے معنی اُس محبت اور تعلق خاطر کے ہیں جو باپ کو اپنی اولاد سے ہوتا ہے، اسی طرح خدا کا ایک اور نام حَنَّان ہے

”جو حق سے مشتق ہے حق اور محنین اُس سوزِ دل اور محبت کو کہتے ہیں جو ان کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے، یہ الفاظ مجازی اور مستعار معانی کو ظاہر کرتے ہیں جو اسلام نے خالق و مخلوق اور عباد و معبود کے ربط و تعلق کے اظہار کے لیے اختیار کئے ہیں، دیکھو کہ وہ ان رشتوں کا نام نہیں لیتا، لیکن ان رشتوں کے درمیان محبت اور پیار کے جو خاص جذبات ہیں ان کو خدا کے لیے بے تکلف استعمال کرتا ہے اس طرح مادیت اور جہانیت کا تخیل اُسے بغیر وہ ان روحانی ممنون کی تلقین کر رہا ہے،

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ وہ غَفَّار (بخشنے والا) اور غَفُور (بخشنے والا) ہے، یعنی بندوں کے گناہوں کو معاف کرنے والا، وہ سَلَامٌ (امن و سلامتی) ہے کہ گناہوں پر اپنے بے پناہ بندوں کے لیے امن اور سلامتی ہے، پھر وہ مُؤْمِن (امن دینے والا) ہے وہ اَلْعَدْلُ (یعنی سرتاپا انصاف ہے اَلْعَفْوُ (معاف کرنے والا) ہے اَلْوَهَّابُ (عطا کرنے والا) اَلْحَلِیْمُ (برودبار) اَلصَّبُورُ (بندوں کی گستاخوں پر صبر کرنے والا) اَلْقَوَّابُ (بندوں کے حال پر رجوع ہونے والا) اَلْبُزْرُغُ (اور عجم خیر) اور اَلْمُضِیْطُ (منصف اور عادل) ہے، ان میں ہر لفظ پر پھر کر ذرا غور کرو کہ اسلام کا تخیل کس قدر بلند اور برتر ہے،

توراة کے اسفارِ انجیل کے صحیفوں اور ہندوؤں کے ویدوں کا ایک ایک ورق پڑھ جاؤ، کیا اللہ تعالیٰ کے لُحُو یہ پُر محبت، یہ سراپا مہر و کرم، اسرار و صفات کی یہ کثرت تم کو وہاں ملے گی؟ یہ سچ ہے کہ اسلام اللہ تعالیٰ کے لیے مان او باپ کا لفظ یہود و نصاریٰ اور ہنود کی طرح استعمال کرنا جائز نہیں سمجھتا، مگر اس سے یہ قیاس کرنا غلطی ہے کہ وہ اَلطَّیِّبُ احساس اور مہر و کرم کے جذبات و عواطف سے خالی ہے، جنکو یہ فرقے اپنا مخصوص سرمایہ سمجھتے ہیں، مگر بات یہ ہے کہ ان روحانی جذبات اور مغوی احساسات کیساتھ وہ شرک و کفر کی اُس ضلالت اور گمراہی سے بھی انسانوں کو بچانا چاہتا ہے جو ذرا سی لفظی غلط فہمی سے مجاز کو حقیقت اور سہارا کو اصلیت سمجھ کر پاک اور سرتاپا روحانی ممنون کو مادی اور مجسم تعین کر لیتے ہیں، اور اس لیے وہ اُس بلند تر توحید کی سطح سے بہت نیچے گر کر سرِ رشتہ حقیقت کو ہاتھ سے دے بیٹھے ہیں،

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکلمِ ازل کا آخری پیغام لیکر آئے تھے، اس لیے ضرورت تھی کہ اپنی تقسیم اس قسم کی لغزشوں

سے پاک و مبرا ہو، روحانی حقائق کی تعبیر کے لیے جیسا کہ پہلے کہا جا چکا، یقیناً مادی اور جسمانی استعارات اور مجازات سے چارہ نہیں، تاہم ایک دائمی تعلیم کا یہ فرض تھا کہ وہ اپنی تعلیم کو استعارات کی غلطیوں اور مجازات کی غلط فہمیوں سے محفوظ رکھے چنانچہ اسلام نے اسی بنا پر ان استعارات اور مجازات کے استعمال میں بڑی احتیاط برتی ہے، اور خدا کے مہر و کرم اور عشق و محبت کے تذکرہ و نکلے ساتھ دلکھا کے قواعد کو فراموش نہیں کیا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث، روحانی عشق و محبت کے ان دلائل و زیادروں کو لہذا انجمن حکایات سے معمور ہیں، با این ہمہ وہ انسان کو بنیاد اور خدا کو باپ نہیں کہتا کہ بعد و معبود کے تعلقات کے اظہار کے لیے اس کے نزدیک یہ کوئی بلند تر تعبیر نہیں، وہ خدا کو آب (باپ) کے بجائے رب کہتا ہے، وہ اس کو تمام دنیا کا باپ نہیں بلکہ تمام دنیا کا رب کہتا ہے،

”آب اور رب“ ان دونوں لفظوں کا باہمی معنی مقابلہ کرو تو معلوم ہوگا کہ عیسائیوں اور یہودیوں کا تخیل اسلام کے مطیع نقطے کس درجہ پست ہے، آب یعنی باپ کا تعلق اپنے بیٹے سے ایک خاص حالت کی بنا پر ایک خاص لحظہ میں قائم ہوتا ہے، اور پھر اس کی حیثیت بدل کر، پرورش اور حفاظت کی صورت میں وہ بچپن کے ایک محدود عرصہ تک قائم رہتا ہے، اس طرح گو باپ کو بیٹے کے وجود میں ایک گونہ تعلق ضرور ہوتا ہے، مگر یہ تعلق حد و عرصہ ناقص محدود اور آئی ہوتا ہے، بیٹے کے وجود و قیام و بقا، ضروریات زندگی، سامان حیات، نشو و نما اور ارتقاء کسی چیز میں باپ کی ضرورت نہیں ہوتی، وہ اپنے باپ سے الگ مستقل اور بے نیاز زندگی بسر کرتا ہے، مگر ذرا غور کرو کیا بعد و معبود اور خالق و مخلوق کے درمیان جو ربط و تعلق ہے، اس کا انقطاع کسی وقت ممکن ہے، کیا بندہ اپنے خدا سے ایک دم اور ایک لمحہ کے لیے بھی بے نیاز اور مستغنی ہو سکتا ہے، کیا یہ تعلق باپ اور بیٹے کے تعلق کی طرح محدود اور مخصوص الاوقات ہے،

ربوبیت (پرورش) بعد و معبود اور خالق و مخلوق کے درمیان اس تعلق کا نام ہے، جو آغاز سے انجام تک پیدائش سے لے کر وفات تک، بلکہ وفات کے بعد سے ابتدا تک قائم رہتا ہے، جو ایک لمحہ کے لیے منقطع نہیں ہو سکتا، جس کے بن اور سارے پر دنیا اور دنیا کی مخلوقات کا وجود ہے، وہ گوارہ عدم سے لیکر فناے محض کی منزل تک ہر قدم پر ہر موجود کا ہاتھ تھامے رہتا ہے، انسان ذرہ ہو یا بصورت غذا، قطرہ آب ہو یا قطرہ خون، مضغہ گوشت ہو یا مشت، تنہا ان شکم مادر میں ہوا

اُس سے باہر بچ پھریا جوان، ادھیڑ ہو یا بڑھا، کوئی اُن کوئی لمحہ رب کے ہر دم اور لطف و محبت سے مستثنیٰ اور بے نیاز نہیں ہو سکتا۔
علاوہ ازیں باپ اور بیٹے کے الفاظ سے مادیت، جسمانیات، چھٹی اور برابری کا جو خیال پیدا ہوتا ہے، اُس سے لفظ
رکت یکھم پاک ہے، اور ایمان ان ضلالتوں اور گمراہیوں کا خطرہ نہیں جنہیں نصرانیت اور ہندویت نے ایک عالم کو مبتلا
کر رکھا ہے،

اب ان آیتوں اور حدیثوں کو دیکھو جسے یہ روشن ہوتا ہے کہ اسلام کا سینہ اُس ازلی وابدی شوق و محبت کے نور سے
گس درجہ معمور ہے، اور وہ خجاندہ اللہ کی سرشاری کی یاد بکھے ہوئے انسانوں کو کس کس طرح دلا رہا ہے، اسلام کا سب
پہلا حکم ایمان ہے، ایمان کی سب سے بڑی خاصیت اور علامت حب الہی ہے، اور یہ وہ دولت ہے جو اہل ایمان کی پہلی
جماعت کو عطا فرمایا ہو چکی تھی زبان الہی نے شہادت دی،

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (بقیہ ۲۰) جو ایمان لائے ہیں وہ سب سے زیادہ خدا سے محبت رکھتے ہیں۔

اس نغمہ محبت کے سامنے باپ، ماں، اولاد، بھائی، بیوی، جان مال، خاندان سب قربان اور نثار ہو جانا چاہیو،
ارشاد ہوتا ہے،

اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیوی،
اور تمہارا کنبہ اور وہ دولت جو تم نے کمائی ہے اور وہ سوداگری
جس کے منہ پر جانے کا تم کو اندیشہ ہے، خدا اور اس کے رسول
اور اس کی اُمین جماد کرنے سے تم کو زیادہ محبوب اور پیارا ہے
فِي سَبِيلِهِ فَاَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ عَظِيمٍ (توبہ ۳) تو اُس وقت تک انتظار کرو کہ خدا اپنا فیصلہ لے آئے،

ایمان کے بعد بھی اگر شہ محبت کی سرشاری نہیں ملی تو وہ بھی جاوہ حق سے دوری ہے، چنانچہ جو لوگ کہ راہ حق
سے ہٹنا چاہتے تھے اُن کو پکار کر سنا دیا گیا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ
مسلمان اگر تم میں سے کوئی اپنے دین اسلام سے ہٹ جائے تو خدا کو

فَسَوِّتْ يَاقَاتِ اللَّهِ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ
 اس کی کچھ پرہیزگار نہیں وہ ایسے لوگوں کو لا کھڑا کریگا جنکو وہ پیار
 کرے گا، اور وہ اُس کو پیار کرے گی، (مائتہ-۸)

حضرت مسیحؑ نے کہا: ”دُخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، ہر معنوی اور روحانی حقیقت ظاہری آثار اور جسمانی علامات سے پہچانی جاتی ہے، تم کو زید کی محبت کا دعویٰ ہے، مگر نہ تمہارے دل میں اس کے دیدار کی ترپ ہے، نہ تمہارے سینہ میں صدمہ فراق کی جلن ہے، اور نہ آنکھوں میں ہجرو جدائی کے آنسو ہیں، تو کون تمہارے دعویٰ کی تصدیق کرے گا، اسی طرح خدا کی محبت اور پیار کے دعویٰ پر تو بہتیرے ہو سکتے ہیں، مگر اس غیر محسوس کیفیت کی مادی نشانیاں اور ظاہری علامتیں اُس کے احکام کی پیروی اور اُس کے رسول کی اطاعت ہو، خدا کے رسول کو اس اعلان کا حکم ہے:

إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ
 اگر تم کو خدا سے محبت ہے تو میری پیروی کرو کہ خدا بھی
 تم کو پیار کرے گا، (المسلم-۲)

محبت کیونکر حاصل ہو، وحی محمدیؐ نے اس رتبہ بلند کے حصول کی تدبیر بھی بتا دی، فرمایا،
 إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ
 جو لوگ ایمان لائے، اور انھوں نے نیک کام کئے، رحمت
 الرَّحْمَنِ وَدًّا، (سورہ-۶)

اس آیت میں محبت کے حصول کے ذریعے دو بتائے گئے، ایمان اور عملِ صالح، یعنی نیک کام، چنانچہ طبقاتِ
 انسانی میں متعدد ایسے گروہ ہیں جنکو ان ذریعوں سے خدا کی محبت اور پیار کی دولت ملی ہے،

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (مائتہ-۸ و بقو-۲۴) خدا نیک کرنے والوں کو پیار کرتا ہے،

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ (بقرہ-۴۷) خدا توبہ کرنے والوں کو پیار کرتا ہے،

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ (ال عمران-۱۵۹) خدا توکل کرنے والوں کو پیار کرتا ہے،

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (مائتہ-۸ و حجرات-۱) خدا منصف مزاجوں کو پیار کرتا ہے،

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (توبہ-۲۰۱) خدا پرہیزگاروں کو پیار کرتا ہے،

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهِ (صفہ) خدا اُن کو پیار کرتا ہے جو اُس کے راستہ میں لڑتے ہیں،

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (ال عمران-۱۵) اور خدا صبر کرنے والوں کو پیار کرتا ہے،

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَهِّرِيْنَ (توبہ-۱۳) اور خدا پاک صاف لوگوں کو پیار کرتا ہے،

مسند احمد میں ہے کہ آپ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تین قسم کے آدمیوں سے محبت کرتا ہے، اور تین قسم کے آدمیوں کو پیار نہیں کرتا، محبت اُن سے کرتا ہے، جو خدا کی راہ میں خلوص نیت کے ساتھ اپنی جان فدا کرتے ہیں، اور اُن کو جو اپنے پیڑوسی کے ظلم پر صبر کرتے ہیں اور اُن کو کہ جب قافلہ رات کے سفر سے تھک کر آرام کے لیے بستر لگاتا ہے تو وہ وضو کر کے خدا کی یاد کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور خدا کی محبت سے محروم یہ تین ہیں، اترانے والا مغرور، احسان دھرنے والا کھلیں جھوٹی قسمیں کھا کر مال بیچنے والا سوداگر،

دنیا کے عیش و مسرت میں اگر کوئی خیال کاٹا سا جھپٹتا ہے، اور ہمیشہ انسان کے عیش و سرور کو مکر اور منتقص بنا کر بے فکری کی بہشت کو فکر و غم کی جہنم بنا دیتا ہے، تو وہ ماضی اور حال کی ناکامیوں کی یاد اور مستقبل کی بے اطمینانی ہو پہلے کا نام حزن و غم ہے، اور دوسرے کا نام خوف و دہشت ہے، غرض غم اور خوف ہی دو کاتے ہیں، جو عاجز و درمنازہ انسانیت کے پہلو میں ہمیشہ چپتے رہے ہیں، لیکن جو محبوب حقیقی کے طلبگار اور اُس کے والد و شیدائین، اُن کو بشارت ہو کہ اُن کے عیش کا چین اس خازن سے پاک ہوگا،

اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (یونس-۶۴) ہاں خدا کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہے، اور نہ وہ غمگین ہوں گے،

محبت کا جو جذبہ بڑے کو چھوٹے کے ساتھ، احسان نیکی، دگدگراور عقود بخش پر آمادہ کرتا ہے، اُس کا نام "رحم" اور رحمت ہے، اسلام کا خدا ناما مہر رحم ہے، اسکی رحمت کے فیض سے عرصہ کائنات کا ذرہ ذرہ سیراب ہے، اُس کا نام جان و رحم ہے، جو کچھ بیان ہے سب اسکی رحمت کا ظہور ہے، وہ نہ ہو تو کچھ نہ ہو، اسی لئے اسکی رحمت سے ناامیدی جرم اور

یابی گناہ ہے، مجرم سے مجرم اور گنہگار سے گنہگار کو وہ نوازنے کے لیے ہمہ وقت آمادہ و تیار ہے، گنہگاروں اور مجرموں کو وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے میرے بندے کمر تسلی کا یہ پیام بھیجتا ہے،

قُلْ يُعِيبُ الَّذِينَ اسْرَفُوا عَلَىٰ اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ۔
اے پیغمبر! میرے اُن بندوں کو پیام پہنچا دے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے کہ وہ اللہ کی رحمت سے یابوس نہ ہوں، اللہ یقیناً تمام گناہوں کو بخش سکتا ہے کہ وہی بخش کرنے والا

(زمرہ - ۶) اور رحم کھانے والا ہے،

فرشتے حضرت ابراہیم کو بشارت سناتے ہیں تو کہتے ہیں،

فَلَا تَكُنْ مِنَ الْفَاقِطِينَ (حجر - ۴) ناامیدوں میں سے نہ ہو،

خلیل اللہ اس رمز سے نا آشنا نہ تھے کہ مرتبہ خلتِ محبت سے مافوق ہے، جواب دیا:-

وَمَنْ يَفْظُظْ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ اپنے پروردگار کی رحمت سے گمراہ لوگوں کے سوا اور کوئی

(سجود - ۴) یابوس نہیں ہوتا،

بندوں کی جانب سے حد پر کوئی پابندی عائد نہیں نکلائی نے خود اپنی رحمت کے اقتضائے اپنے اوپر کچھ چیزیں

فرض کر لی ہیں، بخلاف اُن کے ایک رحمت ہے، خدا مجرموں کو سزا دے سکتا ہے، وہ گنہگاروں پر عذاب بھیج سکتا ہے، وہ

سہ کاروں کو ان کی گستاخوں کا مزہ چکھا سکتا ہے، وہ غالب ہے، وہ قاہر ہے، وہ جبار ہے، وہ منتقم ہے، لیکن ان سب کے

ساتھ وہ عفو و غفور ہے، رحمان رحیم ہے، رؤف و غفور ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نے اپنے اوپر رحمت کی پابندی خود

بخود عائد کر لی ہے، اور اپنے اوپر اس کو فرض گردان لیا ہے،

كُتِبَ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةُ، (الغافر - ۲) اللہ نے از خود اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے،

قاصدِ خاص کو حکم ہوتا ہے کہ ہمارے گنہگار بندوں کو ہماری طرف سے سلام پہنچاؤ اور تسلی کا یہ پیام دو کہ اس کا

بابِ رحمت ہر وقت کھلا ہے،

وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ
 سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ
 أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنكُمْ سُوءًا بِجَهْدٍ مَّا لَمْ يَجِدْ يَدَ اللَّهِ
 مِن بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ عُقُوبًا رَّحِيمًا
 (النمل: ۶)

اسے پیغمبر تیرے پاس وہ آئین جو میری آیتوں پر یقین رکھتے
 ہیں تو ان کو کہہ کہ تم پر سلامتی ہو تمہارے پروردگار نے اپنے
 اوپر اور خود اپنے بندوں پر مہربان ہونا لازم کر لیا ہے کہ جو کوئی
 تم میں سے براہ نادانی برائی کر بیٹھے پھر اس کے بعد بارگاہِ الہی
 کی طرف رجوع کرے اور نیکیت، توبہ نیکیت بخشنے والا اور رحم کرنے والا

قرآن کی تعلیم کے مطابق اس وسیع عرصہ کائنات کا کوئی ذرہ اس سایہ رحمت سے محروم نہیں،
 وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف: ۸۶) اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے،

بخاری و ترمذی وغیرہ کی صحیح حدیثوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اس عالم کو پیدا کیا تو اس نے اپنے دست
 خاص سے اپنے اوپر رحمت کی پابندی عائد کر لی، جامع ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ اپنے فرمایا کہ اگر مومن کو یہ معلوم
 ہوتا کہ خدا کے پاس کتنا عقاب ہے تو وہ جنت کی طمع نہ کرتا، اور اگر کافر کو یہ معلوم ہوتا کہ خدا کی رحمت کس قدر بے حساب
 تو وہ جنت سے مایوس نہ ہوتا، یہ اسلام کے تغیل کی صحیح تعبیر ہے، بارگاہِ احدیت کا آخری قاصد اپنے دربار کی جانب سے
 گنگنا روں کو بشارت سناتا ہے کہ اے آدم کے بیٹو! جب تک تم مجھے پکارتے ہو گے اور مجھ سے اس لگائے رہو گے
 میں تمہیں بخشتا رہوں گا خواہ تم میں کتنے ہی عیب ہوں، مجھے پروا نہیں، اے آدم کے بیٹو! اگر تمہارے گناہ آسمان
 کے بادلوں تک بھی پہنچ جائیں، اور پھر تم مجھ سے معافی مانگو، تو میں معاف کر دوں خواہ تم میں کچھ ہی عیب ہوں
 مجھے پروا نہیں، اے آدم کے بیٹو! اگر پوری سطح زمین بھی تمہارے گناہوں سے بھری ہو، پھر تم ہمارے پاس آؤ اور
 میرا کسی کو شریک نہ بناتے ہو، تو میں بھی تمہارے پاس پوری زمین بھر مغفرت لیکر تمہارے پاس آؤں، کیا انسان
 کے کانون نے اس رحمت، اس محبت، اس عفو عام کی بشارت کسی اور قاصد کی زبان سے بھی سنی ہے؟

حضرت ابو ایوبؓ صحابی کی وفات کا وقت جب قریب آیا، تو انھوں نے لوگوں سے کہا کہ آنحضرت صلیم

نے فرمایا کہ اگر تم گناہ نہ کرتے تو خدا اور مخلوق پیدا کرتا جو گناہ کرتی کہ وہ اس کو بخشا یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنے رحم و کرم کے انداز کے لیے گنہگاروں ہی کی تلاش ہے، کہ ان کو کفاروں کو تو سب ٹھونڈتے ہیں، مگر گنہگاروں کو صرف وہی ڈھونڈتا ہے، دنیا میں انسانوں کے درمیان جو رحم و کرم اور مہر و محبت کے عناصر پائے جاتے ہیں، جنکی بنا پر دوستوں و عزیزوں کو ابتداً رونا اور اولادوں میں میل ملاپ اور رسم و محبت ہے، اور جسکی بنا پر دنیا میں عشق و محبت کے یہ مناظر نظر آتے ہیں، تم کو معلوم ہے کہ یہ اُس شاہِ حقیقی کے سرمایہٴ محبت کا کتنا حصہ ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے متواضع کئے اُن میں سے ایک حصہ اپنی مخلوقات کو عطا کیا جس کے اثر سے وہ ایک دوسرے پر باہم رحم کیا کرتے ہیں، باقی تین نوے حصے خدا کے پاس ہیں، اس لطف و کرم اور مہر و محبت کی بشارتیں کس مذہب نے انسانوں کو سنائی ہیں اور کس نے گنہگار انسانوں کے مضطرب قلوب کو اس طرح تسلی دی ہے؟ صحیح بخاری میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک شخص شمر بن جہازی کے جرم میں بار بار گرفتار ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا، صحابہ نے تنگ آکر کہا: "خداوند! تو اپنی لعنت اس پر نازل کر، کہ یہ کس قدر بار بار لایا جاتا ہے؟" رحمتہ للعالمین کو لوگوں کی یہ بات ناپسند آئی، فرمایا: "اس پر لعنت نہ کرو کہ اس کو خدا اور رسول سے محبت ہو، تم نے دیکھا کہ اسلام نے گنہگاروں کے لیے بھی خدا کی محبت کا دروازہ کھول رکھا ہے،

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے اُن عربوں کو جو خدا کی محبت کی خدا کی معرفت سے بھی نا آشنا تھے، کس طرح آشنا حقیقت کر دیا، اور اس ذاتِ الہی کے ساتھ اپنی وابستگی و محبت اور سرشاری کے لطف سے اُن کو کس درجہ بہرہ مند و زبردیا، بلال کو دیکھو، ٹھیک دوپہر کو عرب کی جلتی ہوئی ریت میں ان کو لٹایا جاتا ہے، ایک گرم پتھر ان کے سینہ پر رکھا جاتا ہے، اور خدائے واحد سے نحران کے لیے ان کو مجبور کیا جاتا ہے، اور وہ یہ سب تکلیفیں اٹھا رہے ہیں مگر زبان چھڑ آجند آجند وہی ایک وہی ایک کا ترانہ ہے، مگر کافروں و مشرکوں کا دشمن ہے، ابوذر غفاریؓ یہ جانکر بھی صحنِ کعبہ

زبانِ مبارک کے سوا کسی اور نے بھی سنائی ہے؟

صحیح بخاری اور مسلم میں متعدد طریقوں سے حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟ فرمایا: تم نے اُس کے لیے کیا سامان کر رکھا ہے؟ نام نہ ہو شکستہ دلی سے عرض کی کہ یا رسول اللہ! میرے پاس نہ تو نمازون کا نہ روزون کا اور نہ صدقات و خیرات کا بڑا ذخیرہ ہے جو کچھ میرا یہ ہے، وہ خدا اور رسول کی محبت کا ہے اور میں! فرمایا: تو انسان جس سے محبت کرے گا وہ اسی کے ساتھ رہے گا۔ صحابہ نے اس بشارت کو سن کر اُس دن بڑی خوشی منائی،

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: جب خدا کسی بندہ کو چاہتا ہے تو فرشتہ خاص جبریلؑ سے کہتا ہے کہ میں فلان بندہ کو پیار کرتا ہوں، تم بھی اس کو پیار کرو، تو جبریلؑ بھی اُس کو پیار کرتے ہیں اور آسمان والے بھی اُس کو پیار کرتے ہیں، اور پھر زمین میں اس کو ہر دلعزیزی اور حسن قبول بخشا جاتا ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندہ اپنی طاعتوں سے میری قربت کو تلاش کرتا رہتا ہے، تو میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں، یہاں تک کہ میں اس کا وہ کان بجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اور انکی وہ آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، وہ ہاتھ بجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور وہ پاؤں بجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، یہ دولتِ نیکمت، یہ سعادتِ استثنائی محمدیؐ کو مومنین اور مہین مہینی امام بزرگوار نے مسند میں حضرت ابوسعیدؓ سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ان لوگوں کو پہچانتا ہوں جو نبی ہیں اور یہ شہید ہیں، لیکن قیامت میں ان کے مرتبہ کی بلندی پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کرتے ہیں وہ لوگ ہیں جن کو خدا سے محبت ہے، اور جن کو خدا پیار کرتا ہے، وہ بھی باتیں بتاتے اور بری باتوں سے روکتے ہیں، انہی قابلِ رشک تہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کس کے فریضہ عطا ہوا۔

۱۔ مسلم کتاب الادب باب المروءۃ من احب بخاری کتاب الادب باب ماجاء فی قول الرجل وریک ۲۔ مسلم کتاب الادب باب اذا جئت عبداً حبیباً بعدہ ۳۔ بخاری کتاب الرقاق باب التوفیق ۴۔ اکی ہم معنی حدیث ترمذی ۵۔ الکاشغری ۶۔ بیان معنی میں بھی ہیں ۷۔ دیکھو حاشیہ کتاب الادب فی باب فضل نبی

امام مالک نے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ یہ ارشاد فرماتا ہے کہ اُن کا پیار کرنا مجھ پر لازم ہے جو آپس میں ایک دوسرے کو میری محبت کے سبب سے پیار کرتے ہیں اور میری محبت میں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھتے ہیں اور میری محبت میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور میری محبت میں ایک دوسرے کے لیے اپنی جان و مال قربت کرتے ہیں!

یہ محبت الہی کی زیرنگیان اسلام ہی کے پردہ میں نظر آتی ہیں،

ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: لوگو! خدا سے محبت کرو کہ وہ تمہیں اپنی نعمتیں عطا کرتا ہے، اور خدا کی محبت کے سبب مجھ سے محبت کرو، اور میری محبت کے سبب میرے اہل بیت سے محبت کرو! یہ عشق و محبت کی دعوت، محبوب ازل کے سوا اور کون دیکھتا ہے؟

عام مسلمانوں میں پیغمبر اسلام کا لقب حبیب خدا ہے، دیکھو کہ حبیب و محبوب میں خلقت و محبت کے کیا کیا ناز و نیاز ہیں! آپ خشوع و خضوع کی دعاؤں میں، اور خلوتِ تنہائی کی ملاقاتوں میں کیا ڈھونڈتے اور کیا مانگتے تھے، کیا چاہتے اور کیا سوال کرتے تھے؟ امام احمد اور بزار نے مسندوں میں ترمذی نے جامع میں، حاکم نے مستدرک میں اور طبرانی نے معجم میں متعدد صحابیوں سے نقل کیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعاؤں میں محبتِ الہی کی دولت مانگا کرتے تھے، انسان کو اس دنیا میں سب سے زیادہ محبوب اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جان ہے، لیکن محبوبِ خدا کی نگاہ میں یہ چیزیں بیچ تھیں، دعا فرماتے تھے، خداوند!

اسئیل حبک وحب من یحبک وحب من یرتیب الی حبک (احمد ترمذی - حاکم)

اللہم اجعل حبک احب الی من خفیعی و اہلی ومن العاء البارء (ترمذی - حاکم)

اللہم اجعل حبک احب الی من خفیعی و اہلی ومن العاء البارء (ترمذی - حاکم)

اللہم اجعل حبک احب الی من خفیعی و اہلی ومن العاء البارء (ترمذی - حاکم)

اللہم اجعل حبک احب الی من خفیعی و اہلی ومن العاء البارء (ترمذی - حاکم)

۱۔ مشکوٰۃ باب مذکور، ۲۔ مشکوٰۃ مناقب اہلبیت بروایت ترمذی،

عرب میں ٹھنڈا پانی دنیا کی تمام دولتوں اور نعمتوں سے زیادہ گران اور قیمتی ہے لیکن حضور کی پیاس اس مادی پانی کی خشکی سے نہیں سیر ہوئی تھی، وہ صرف محبت الہی کا زلالِ خالص تھا جو اس تشنگی کو تسکین دے سکتا تھا، عام انسان روٹی سے جیتے ہیں، مگر ایک عاشقِ الہی (مسح) کا قول ہے کہ انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا، پھر وہ کون روٹی ہے جس کو کھاکر انسان پھر کبھی بھوکا نہیں ہوتا، حضور دعا فرماتے ہیں،

اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يَنْفَعُنِي
خداوند! تو اپنی محبت اور اس کی محبت جو میری محبت کی راہ میں نفع

حُبُّكَ (ترمذی) ہے مجھے روزی کر،

عام ایمان خدا اور رسول پر یقین کرنا ہے، مگر جاتے ہو کہ اس راہ کی آخری منزل کیا ہے صحیحین میں ہے،
مَنْ كَانَ اللَّهُ وَرَسُولَهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا
یہ کہ خدا اور رسول کی محبت کے آگے تمام ماسوائے محبت
سواہم

بچ ہو جائیں،

بعض مذاہب کو اپنی اس تعلیم پر ناز ہے کہ وہ انسانوں کو یہ سکھاتے ہیں کہ وہ اپنے خدا کو مان، باپ سمجھیں، اور اُس سے اُسی طرح محبت کریں جس طرح وہ اپنے والدین سے کرتے ہیں اور چونکہ اسلام نے اس طریقہ تعبیر کو اس بنا پر کہ وہ شرک کا راستہ ہے، ممنوع قرار دیا ہے، اس لئے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم محبت الہی کے مقدس جذبات سے محروم ہے، لیکن جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ دعویٰ سر تا پا بے بنیاد ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ تعلیم محمدی کی بلندی نظر اور محبت کا علو معیار ان مذاہب کے پیش کردہ نظر و معیار کو بہت پست اور فروتر سمجھتا ہے، قرآن مجید کی یہ آیت پابھی اس دعویٰ کے ثبوت میں پیش کی جا چکی ہے،

وَإِذْ كُنتُمْ لِللَّهِ كُفْرًا أَكْثَرًا وَأَشَدًّا
تم خدا کو اس طرح یاد کرو جس طرح اپنے باپ کو یاد کرتے

ذِكْرًا، (بقبرہ - ۲۵)

لیکن احادیث سے ہمارا یہ دعویٰ اور بھی زیادہ واضح ہو جاتا ہے، لڑائی کا میدان ہے، دشمنوں میں بھاگ دوڑ

لے مسلم کتاب الایمان باب بیان خصال من اتقوا بعد حلاوة الایمان، بخاری کتاب الایمان باب حلاوة الایمان،

بچی ہے، جس کو جہان امن کا گوشہ نظر آتا ہے، اپنی جان بچا رہا ہے، بھائی بھائی سے، مان بچہ سے، بچہ مان سے الگ ہے؛ اسی حال میں ایک عورت آتی ہے، اس میدانِ حشر میں اس کا بچہ گم ہو گیا ہے، محبت کی دیوانگی کا یہ عالم ہے کہ جو بچی اُس کے سامنے آجاتا ہے، اپنے بچہ کے جوشِ محبت میں اوس کو چھاتی سے لگالیتی ہے، اور اس کو دودھ پلا دیتی ہے، رحمۃ اللہ علیہ
 ٹی نظر پڑتی ہے، صحابہ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کیا یہ ممکن ہے کہ یہ عورت خود اپنے بچہ کو اپنے ہاتھ سے دکتی آگ میں ڈال دے؟ لوگوں نے عرض کی "ہرگز نہیں" فرمایا: "تو جتنی محبت مان کو اپنے بچہ سے ہے، خدا کو اپنے بندوں سے اس سے بہت زیادہ محبت ہے۔"

ایک دفعہ ایک غزوہ سے آپ واپس تشریف لائے ہیں، ایک عورت اپنے بچہ کو گود میں لیکر سامنے آتی ہے اور عرض کرتی ہے: "یا رسول اللہ! ایک مان کو اپنی اولاد سے جتنی محبت ہوتی ہے، کیا خدا کو اپنے بندوں سے اُس سے زیادہ نہیں ہے؟" فرمایا: "ہاں" بیشک اُس سے زیادہ ہے، بولی "تو کوئی مان تو اپنی اولاد کو خود آگ میں ڈالنا گوارا نہ کر لگی؟ یہ سنکر فطرتاً سے آپ پر گریہ طاری ہو گیا، پھر سر اٹھا کر فرمایا: خدا صرف اُس بندہ کو عذاب دیتا ہے، جو سرکشی سے ایک کو دو کہتا ہے۔"

آپ ایک مجلس میں تشریف فرما ہیں، ایک صحابی چادر میں ایک پرند کو مع اُس کے بچوں کے باندھ کر لاتے ہیں اور واقعہ عرض کرتے ہیں، کہ "یا رسول اللہ! میں نے ایک جھاڑی سے ان بچوں کو اٹھا کر کپڑے میں لپیٹ لیا، مان نے یہ دیکھا تو میرے سر پر منڈلانے لگی، میں نے ذرا سا کپڑے کو کھول دیا تو وہ فوراً اگر میرے ہاتھ پر بچوں پر گر پڑی" ارشاد ہوا: "کیا بچوں کے ساتھ مان کی اس محبت پر تم کو تعجب ہے؟ قسم ہے، اُس ذات کی جس نے مجھ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا جو محبت اس مان کو اپنے بچوں کے ساتھ ہے، خدا کو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے بدرجہا زیادہ ہے۔"

ایک صاحب ایک چھوٹے بچہ کو لیکر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے ہیں، محبت کا یہ حال تھا کہ وہ باوجود اس کو گلے سے لگائے جاتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا کہ کیا تم کو اس بچہ سے محبت ہو، اس نے کہا: "ہاں" فرمایا: "تو اللہ کو تم سے"

اس سے زیادہ محنت ہے، جتنی تم کو اس بچہ سے ہے، وہ سب رحم کرنے والوں میں سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔

جمالِ حقیقت کا پہلا مشتاق اور ستورِ ازل کے زیرِ نقاب چہرہ کا پہلا بند کشتا، زندگی کے آخری مرحلوں میں ہے، مرضِ ثقیل شدت ہے، بدنِ بخار سے جل رہا ہے، اٹھ کر چل نہیں سکتا، لیکن ایک بیک وہ اپنے میں ایک اعلانِ نص کی طاقت پاتا ہے، مسجد نبوی میں جانِ نثار حاضر ہوتے ہیں، سب کی نظریں حضور کی طرف لگی ہیں، نبوت کے آخری پیغام کے سننے کی آڑ ہے، دفعۃً لبِ مبارک ہلتے ہیں تو یہ آواز آتی ہے، ”لوگو! میں خدا کے سامنے اس بات کی براہِ کرتا ہوں کہ انسانوں میں میرا کوئی دوست ہے، مجھ کو خدا نے اپنا پیارا بنایا ہے، جیسے ابراہیم کو اُس نے اپنا پیارا بنایا تھا، یہ تو وفات سے پہلے کا اعلان تھا“ عینِ حالتِ نزع میں زبانِ مبارک پر یہ کلمہ تھا ”خداوند! بہترین رشتیق“

اللہ تعالیٰ کی کرمی و رحیمی، اس کی بیچارہ نوازی، عاجزوں اور درماندوں کی دستگیری، اور اپنے گنہگار بندوں کیساتھ اس کی شانِ بخشش کا ترانہ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کانون سے سنا اور نادم و متاسف سیرکاروں تک اس غرہ کو چٹا اُن کے شکستہ اور زخمی دلوں پر مرعہ رکھا، حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ حضرت رحمۃ اللعالمینؐ نے یہ پیام ربانی ہم کو سنایا، ”میرے بندو! میں نے اپنے اوپر بھی، اور تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام کیا ہے، تو ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو“ اے میرے بندو! تم میں ہر ایک گمراہ تھا، لیکن جسکو میں نے راہ دکھائی، تو مجھ سے راستہ پوچھو، میں بتاؤں گا، اے میرے بندو! تم میں ہر ایک بھوکا تھا، لیکن جسکو میں نے کھلایا، تو مجھ سے کھانا مانگو، میں تم کو کھلاؤں گا، اے میرے بندو! تم میں ہر ایک پیاسا تھا، لیکن جسکو میں نے پلایا، تو مجھ سے پانی مانگو، میں تم کو پلاؤں گا، اے میرے بندو! تم میں ہر ایک تنگ تھا، لیکن جس کو میں نے پہنایا، تو مجھ سے کپڑا مانگو، میں تم کو پہناؤں گا، اے میرے بندو! تم دن رات گناہ کرتے ہو، اور میں سب گناہوں کو معاف کرتا ہوں، تم مجھ سے معافی مانگو، میں تم کو معاف کروں گا، اے میرے بندو! مجھے نقصان پہنچانا تمہاری طاقت میں نہیں، اور نہ مجھے نفع پہنچانا تمہاری قدرت میں ہے، اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے جن اور انس، چھوٹے اور بڑے، امراء اور عورت، دنیا کے سب سے بڑے پرہیزگار کے دل کے برابر ہو جائیں تو میری شہنشاہی میں ایک قدرہ نقصان ہوگا

لے ادب المفرد امام بخاری باب رحمۃ اللہ علیہ ص ۵، مصرعہ صحیح مسلم کتاب المساجد ص ۱۵۵ صحیح بخاری، ذکر وفات نبوی،

فرشتوں کا ایمان

وَمَلٰئِكَتِهٖ

ملائکہ کا لفظ جمع ہے، اس کا واحد ملائک اور مالک، بین طرح سے متعلق ہے، اس کے لغوی معنی قاصد اور ”رسول“ کے ہیں، اسی لیے قرآن پاک میں ملائکہ کے لیے رُسل کا لفظ بھی آیا ہے جس کے معنی قاصد اور پیغام رسان کے ہیں اور ان سے مراد وہ غیر مادی نیک مخلوق ہستیاں یا ارواح ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عالم اور اُس کے اسباب و علل کے کاروبار کو چلا رہی ہیں، اگر یہ عالم ایک مشین ہے تو وہ اُس کے انجن اور اُس کے کل پرزوں کو حرکت دینے والے قوی ہیں، جو خدا کے مقررہ احکام اور قوانین کے مطابق ان کو حرکت دے رہے ہیں، اور چلا رہے ہیں یعنی وہ خالق اور اُس کے مخلوقات کے درمیان اس حیثیت سے پیغام رسانی اور سفارت کی خدمت انجام دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم و مرضی کو اُن پر اتقا کرتا ہے، اور وہ ایک بے اختیار محکوم کی طرح اُس کو مخلوقات میں جاری اور نافذ کرتے ہیں اُن کو خود نہ کوئی ذاتی اختیار ہے اور نہ اُن کا کوئی ذاتی ارادہ ہے، وہ سرتاپا اطاعت ہیں اور خدا کے حکم سے ایک سر مو تجاوِز نہیں کرتے، گویا انکی خلقت ہی صرف اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے لگائی، دنیا پر رحمت یا عتاب جو کچھ نازل ہوتا ہے، وہ انہیں کے ذریعہ سے اور خدا انبیاء پر اپنے جو احکام اتارتا ہے، یا اُن سے ہمکلام ہوتا ہے، وہ انہیں کی وساطت سے،

دنیا کے تمام مذاہب، بلکہ قدیم یونانی مصری فلسفہ میں بھی اس قسم کی ہستیوں کا وجود تسلیم کیا گیا ہے، صابئی مذہب میں یہ ستاروں اور سیاروں کی صورت میں مانے گئے ہیں، یونانی مصری (اسکندری) فلسفہ میں اُن کا نام ”عنصر“ عشرہ (دش عقلین) رکھا گیا ہے، اور ساتھ ہی نو آسمانوں میں بھی الگ الگ ذمی ارادہ نفوس تسلیم کئے گئے ہیں

بلکہ خالص یونانی فلسفہ میں بھی بعض غیر مادی ارواح مجرورہ کا تہ لگتا ہے جنہیں سے سب سے اہم گوس کا تخیل ہے، جس سے یہ تصور وہ اولین ہستی ہے جسکو خدا نے تمام کائنات کی خلق کا ذریعہ اور واسطہ قرار دیا ہے، اور جسکو اہل فلسفہ عقلِ اول سے تعبیر کرتے ہیں، پارسیوں میں ان ہستیوں کا نام ”امشا سپند“ ہے، اور انکی بے شمار تعداد قرار دی گئی ہے، یہودیوں کو ”کریم“ کہتے ہیں، اور ان میں سے خاص خاص کے نام جبریل اور میکائیل وغیرہ رکھے ہیں، عیسائی بھی ان کو انجیل ناموں یاد کرتے ہیں اور جبریل روح القدس وغیرہ سے ان میں سے بعض کی تعبیر کرتے ہیں، ہندوؤں میں وہ دیوتاؤں اور دیویوں کے نام سے روشناس ہیں، جاہل عرب ان کو خدا کی بیسیان کلمہ پکارتے تھے، بہر حال یہ تمام مختلف صحیح اور غلط نام اور تعبیریں ایک ہی حقیقت کی ہیں، اور وہ، وہ روحانی وسائط ہیں جو صنائع و مصنوعات اور خالق مخلوقات کے درمیان اُس کے حکم سے عمل پیرا اور کار فرما ہیں،

مذہب سابقہ میں ان غیر مادی ذی روح مخلوق ہستیوں کی حیثیت نہایت مشتبہ تھی، وہ کبھی مخلوق بھی کہی جاتی تھیں اور کبھی وہ خدائی کے مرتبہ پر بھی بلند ہو جاتی تھیں، ہندوؤں کے دیوتاؤں اور دیویوں کی یہی صورت تھی، پارسیوں میں امشا سپند کا بھی یہی حال تھا کہ کبھی انکی حیثیت فرشتوں کی تھی، کبھی وہ خدا کے مقابل بن جاتی تھیں، اور کبھی خدا امشا سپندوں میں سے ایک ہو جاتا تھا، ہندوؤں کی طرح پارسیوں میں بھی وہ قابلِ پرستش بھی جاتی تھیں، ان کے نزدیک سب سے عالی مرتبہ امشا سپند تھے، اور ان کے تحت میں ۳۳ تھے، پھر ان میں ہر ایک کے تحت ہزاروں تھے، اور چونکہ وہ نیکی اور بدی کے دو متقابل خداؤں کے قابل تھے، اس لیے دونوں کے ماتحت اچھے اور برے فرشتوں کی بشتیاں تھیں، نیکی کے فرشتے براہِ راست نیکی کی چیزوں کو اور برائی کے فرشتے مصیبتوں، ہلاکتوں اور بدیوں کو دنیا میں خلق کرتے تھے، اور اپنے اپنے خدا کی طرف سے وہ ان اشیاء کے حاکم سمجھے جاتے تھے، اور دونوں خدا اپنی اپنی فوجوں اور لشکروں کے پرن کو لیکر باہم نزاع کرتے رہتے تھے، یہ بھی ان کا اعتقاد تھا کہ ہر امشا سپند یا فرشتہ کے ساتھ ایک یزدنی مادہ فرشتہ تھی جو اسکی بیوی ہوتی تھی، ہندوؤں میں دیوتاؤں اور مادہ دیویوں کا تصور تھا، مگر ان نر مادہ ہستیوں میں کسی نر کی کسی مادہ سے خصوصیت خاص دیتی، بلکہ ہر جنس کا ہر فرد دوسری جنس کی ہر فرد سے لطف اندوز ہو سکتا تھا، یہودیوں میں ان فرشتوں کی حیثیت ایسی تھی کہ انکی

بندی و ثنا و صفت خداے مشتبہ ہو جاتی تھی، نظر آنے والے فرشتے کی تعظیم کیجاتی تھی، اُس کے آگے جھکا جاتا تھا، اور اُسکو خداؤ
 لکھر خطاب اس طرح کیا جاتا تھا کہ کہیں کہیں میں مشتبہ ہو جا یا ہو کیر خدا کا بیان ہے یا فرشتہ کا، (تکوین ۱۶-۱۸ و ۲۰-۲۲)
 وہ کبھی کبھی خدا کے بیٹے بھی کہے جاتے تھے، (تکوین ۶-۲۰) عیسائیوں میں ان میں سے بعض مثلاً روح القدس خدا کا ایک جزو
 تسلیم ہو کر تثلیث کا رکن ہے،

صائبیوں میں ان فرشتوں کی قربانی کیجاتی تھی، اُن کے ہیکل بنائے جاتے تھے، اُن کو منظر خدا تسلیم کیا جاتا تھا، اور
 میں فرشتے مادہ سمجھے جاتے تھے، وہ خدا کی میٹیاں لکھر کپارے جاتے تھے اور انکی پرستش ہوتی تھی، اور سمجھا جاتا تھا کہ وہ خدا کے
 دربار میں سفارشی ہو گئے یونانیوں میں عقل اول اور عقل عشرہ تمام عالم کے خالق و کارفرما و مرجع کل مانے گئے، اور خدا کو محفل ٹھہرایا گیا
 اسلام نے اکران تمام عقائد کو مٹا دیا، خدائی اور ربوبیت کی ہر صفت سے وہ محروم بتائے گئے، انکی پرستش و عبادت
 قطعاً ناجائز کی گئی، خود مادہ کی مادی جنسیت سے پاک کئے گئے، اور انسانوں کو ان پاک مخلوقات کی غلامی و بندگی سے آزاد
 کیا گیا، انکی تعداد و شمار و درجات بندی کا کوئی تخیل باقی نہیں رکھا گیا، انکی ہستی خداے تعالیٰ کے سامنے ایک سراپا مطیع و فرمانبردار
 غلام کی قرار دی گئی جسکا شب و روز کام صرف اقا کا حکم بجالانا ہے، عالم میں اُن کا کسی قسم کا تصرف نہیں مانا گیا، اور نہ انکی و بدی
 کی دو قسمیں لگائیں نہ وہ الگ الگ جنس مخلوقات کے حاکم و منتظم قرار دیئے گئے، قرآن میں انکی ہستی صرف اس حیثیت سے
 تسلیم کی گئی کہ یہ غیر مادی ذی روح مخلوقات ہیں جسکا کام خدا کی حمد و ثنا، اطاعت و فرمانبرداری ہو اور خالق اور اُس کے مخلوقات
 کے درمیان و پیغام رسانی کے ذریعے ہیں، اور اُس کے حکم کے مطابق وہ اوسکی مخلوقات کے اس کارخانہ کو چلا رہے
 ہیں لیکن اس چلانے میں خود انکی ذاتی مرضی اور ارادہ کو کوئی دخل نہیں ہے، اسی لیے قرآن پاک نے ان کا خطاب
 یہودیوں کی طرح، "خداوند" نہیں مقرر کیا، نہ پارسیوں کی طرح اُن کو "قابل پرستش" کے لقب سے ملقب کیا، نہ ہندو
 کی طرح دیو اور دیوتا اور دیوی کہا، بلکہ صرف "ملک" اور "رسول" جنکے لفظی معنی فرستادہ، قاصد پیغام رسان اور اطچی کے ہیں
 بلکہ قرآن نے آغاز خلقت انسانی کے قصہ میں یہ حقیقت واضح کر دی کہ ملائکہ اس لائق نہیں کہ آدم اُن کو سجدہ کرے، بلکہ آدم
 میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ ملائکہ کا سجدہ نہ کرے، اور وہ مرتبہ علم میں اُن سے فوق ٹھہرایا گیا خدا کی جس تسبیح و تقدیس کا اُن کو دوسو

تھا، انسان کے جوہر طہنیت کو پہچان کر ان کو یہ تسلیم کرنا پڑا،

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ

الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ۔ (بقرہ ۲-۴)

تو جاننے والا اور حکمت والا ہے،

اس قصہ نے شروع ہی میں یہ واضح کر دیا کہ وہ ہستیان جنکو دوسرے مذاہب نے انسانوں کا دیوتا، انسانوں کا خداوند اور کبھی خدا کا ہمسر اور متصرف مطلق قرار دیا تھا، اسلام میں انکی حیثیت انسان کے مقابلہ میں کیا ہے؟ انسان اور فرشتے خدا کے سامنے برابر کے مخلوق و بندہ اور عاجز و درمندانہ ہیں، انسانوں کو مادی اشیاء پر حکومت خاص بخشی گئی، کہ اپنے نفع و نقصان کے لیے ان سے کام لے سکیں، اور ملائکہ کو اپنے حضور میں متعین فرمایا کہ وہ آسمان زمین اور پوری مملکت الہی میں اس کے احکام کی تعمیل و تنفیذ کریں،

دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اسباب و علل کا سلسلہ پیدا کیا ہے، جو ہر جگہ کار فرما نظر آتا ہے، لوگ انہیں ظاہری اسباب و علل کو دیکھ کر دھوکا کھاتے ہیں اور انکی پرستش کرنے لگتے ہیں مثلاً آگ جلاتی اور روشن کرتی ہے، آتش پرست اور آہ پرست یقین کرتے ہیں کہ خود اس آگ میں جلانے کی طاقت ہے، اور وہ اُس کے آگے سجدہ میں گر پڑتے ہیں مادہ پرست کو اپنا جسم اس کے آگے نہیں جھکتے مگر ان کا دل جھک جاتا ہے اور یہ ایمان رکھتے ہیں کہ یہ طاقت خود اسی آگ کے اندر ہے، کچھ لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ یہ طاقت آگ میں نہیں بلکہ اسکا ایک مستقل دیوتا یا فرشتہ ہے، جو اُس پر حکمران ہے، اور وہ اُس آگ کے فرمانروا کے سامنے جھک جاتے ہیں، اسلام کے نظریہ توحید نے اس شرک کو بھی مٹایا، اور بتایا کہ آگ اور آگ کا اگر کوئی فرشتہ ہے تو وہ کل کے کل اُسی ایک بالعمین اور فرمانرواے ارض و سما کے حکم کے تابع ہیں، اُسی کے آگے جھکنا چاہیئے اور اُسی کی بندگی کرنی چاہیئے،

اسلام میں فرشتوں کی حقیقت کیا ہے؟ اسکا جواب اُن نصوص سے مل سکتا ہے، جو اُن کے کاموں کے متعلق

قرآن میں مذکور ہیں، اُن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان سے مراد وہ غیر مادی ذی رُوح ہستیان ہیں جو احکام اور پیغام الہی کو دنیا سے خلق تک پہنچاتے اور نافذ کرتے ہیں، اور اُن اسباب و علل کو جنکو وہ پرست ذاتی طور سے مؤثر جانتے ہیں،

اور حکومت پرست، دیوتاؤں کا کثرت سمجھتے ہیں، اُن کو احکام الہی کے مطابق وہ کام میں لگاتے ہیں اور مرضی الہی کو پوری کرتے ہیں، عقلی حیثیت سے یہ عقیدہ بھی اسی طرح قبول اور انکار کے قابل ہے، جس طرح عقلیات کے دوسرے عقائد اور نظریے ہیں، جنکی تصدیق یا تکذیب عقل کی دسترس سے باہر ہے، اس لیے اس عقیدہ کو یہ کہہ کر کوئی رد کرنے کی جرات نہیں کر سکتا کہ یہ خلاف عقل ہے، بلکہ جس طرح قیاسات اور عقلی نکتہ پر داری سے دوسرے عقلی مباحث کا فیصلہ کیا جاتا ہے، وہی یہاں بھی کارگر ہے، اشیاء میں خصائص اور لوازم کے وجود اور اُن کے اسباب و علل کا مسئلہ عقل میں ہمیشہ اختلافات کا دنگل رہا ہے، اور یہ تمنا آج بھی اسی طرح لاینحل ہے، جس طرح پہلے دن تھا، اس کا حل سائنس کی مادی تحقیقات اور تجربوں کی طاقت سے باہر ہے، اور فلسفہ بھی اسکی گتھی کے بٹھانے سے عاجز ہے، اس لیے اگر حکماء ملحدین کی شاہراہ سے الگ ہٹ کر اُس کے حل کی کوئی صورت اور باب مذاہب نے نکالی ہے، تو وہ محل اعتراض نہیں ہو سکتی، اور نہ وہ خلاف عقل کسی جا سکتی ہے، کائنات کے حوادث میں جس طرح مادی علل و اسباب کا فرماہین اسی طرح اُن سے بالاتر روحانی علل و اسباب بھی ساتھ ساتھ کار فرماہین، اُن دونوں کے توافق سے حوادث کا وجود ہوتا ہے، یہی سبب ہے کہ انسان اکثر مادی علل و اسباب موجود ہونے یا نہ ہونے کے باوجود کامیاب و ناکام ہوتا ہے، اور اُس کا نام بخت و اتفاق رکھتا ہے، حالانکہ مسئلہ علل و اسباب کو ماننے کے بعد بخت و اتفاق کوئی چیز نہیں، ان روحانی علل و اسباب کا سررشتہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی سے ان فرشتوں کو سپرد کیا ہے، جو فرائض و ارجا کروں کی حیثیت سے اُس کو چلا رہے ہیں، ہمارے اور دوسرے متکلمین اور حکماء کے درمیان منسرق یہ ہے کہ وہ ملائکہ کی تعبیر اسباب و علل کے ”قوائے طبعی“ سے کرتے ہیں، اور ہم اُن کے قوائے روحانی سے،

اس تقریر کا یہ منشا نہیں ہو کہ اشیاء میں خواص اور طبائع اور اس مادہ کی ملکیت میں مقررہ اصول و قانون موجود نہیں ہے، اور نہ یہ منشا ہو کہ خود اشیاء اور مادہ کے ذرات کے اندر کوئی خواص و طبائع اور مادہ کے اجزائے عنصری کے اندر باطبع کوئی اصول و دیت نہیں بلکہ یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انہی اندازہ (تقدیر) کے مطابق ہر چیز کے خصائص و طبائع اور اصول

وقانون مقرر کر کے ملائکہ کو حکم دیا ہے کہ وہ اُن کو انھیں اصول و طبائع مقررہ کے مطابق چلاتے رہیں،

سمجھنے کے لئے اسکی صحیح مثال خود انسان بلکہ ہر جاندار ہستی ہے، مخلوقات کی دو قسمیں ہیں، ذی روح اور غیر ذی روح

ذی روح مخلوقات کے اکثر افعال و حرکات، اسکی روح کی ارادی قوت کی وساطت سے انجام پاتے ہیں، وہی روح

اُسکے ہاتھ پاؤں اور تمام اعضاء بلکہ ہر عضو کے ایک ایک لگ کر ریشہ پر حکمران اور مسلط ہو باہر ہر روح ہول مقررہ کے تحت ہی

اُن اعضاء سے کام لیتی ہو، اور اُن اہول سے باہر نہیں جاتی، اسی طرح غیر ذی روح اشیاء پر ابرو باد سے لیکر دریا اور پہاڑ اور سورج و چاند

تک پر بھی اُدواح مقرر ہیں جو اُن اشیاء سے خدا کے ہول مقررہ کے اندر یکساں افعال و حرکات کا مصدر کرتی ہیں جس طرح ہماری روح اپنے

اعضاء اور اعضاء کے ذریعہ سے مادہ میں جو تغیرات پیدا کرتی ہو، وہ اشیاء کے مقررہ خواہش و طبائع ہی کے سہارے کرتی ہو، اسی طرح ملائکہ

انھیں مقررہ خواہش و طبائع کے ذریعہ ہی اپنے مفوضہ فرائض انجام دیتے ہیں،

النفوس جس طرح ہمارے ارادی افعال اور حکم الہی کے درمیان ہماری انسانی ارواح و نفوس واسطہ ہیں، اسی طرح

تمام عالم مخلوقات اور کائنات کے افعال اور حکم الہی کے درمیان یہ ملکوتی ارواح اور نفوس مجرور واسطہ ہیں اور جس طرح

ہماری انسانی ارواح کی اس وساطت سے خدا کی حکومت علی الاطلاق پر کوئی اعتراض نہیں واقع ہوتا، اسی طرح ان

ملکوتی ارواح کی وساطت سے بھی خدا کی علی الاطلاق حکومت میں کوئی نقص نہیں واقع ہوتا، یہ بات بھی سمجھ

میں آتی ہے، کہ ہمارے ارادی افعال میں اختلافات کی اتنی نیزنگیان نظر آتی ہیں، مگر ہمارے اور عالم کائنات کے

تمام نوعی افعال میں اختلافات اور نیزنگیوں کے بجائے یکسانی، ہم رنگی اور عدم اختلاف پایا جاتا ہے، کیونکہ انسان نے

ارادہ پاکر کسی قدر ذاتی اختیار پالیا ہے، اور یہی ذاتی اختیار اُس کے افعال اختیار کی ذمہ داری، باز پرس اور مواخذہ

کی بنیاد ہے، اور جسکی بنا پر وہ اپنی اطاعت کے ذریعہ سے ثواب، اور عصیان کر کے عتاب کا مستحق ہو جاتا ہے، مگر وہ

کی یہ ملکوتی ارواح مجرور یعنی یہ ملائکہ ذاتی ارادہ اور اختیار سے مبرا و محروم ہو کر صرف اطاعت، فرمانبرداری، اور انقیاد کیلئے

پیدا کئے گئے ہیں، اس لیے اُن میں عصیان، تردد، سرکشی اور حکم الہی سے انحراف کی کوئی صلاحیت نہیں ہے، اسی

بنا پر اشیاء کے افعال و حرکات و ضرائف میں یکسانی، ہم رنگی اور عدم اختلاف پایا جاتا ہے، اور یہی فطرت طبعیت

اور نوعی خاصیت کی اصطلاحات کی صورت میں ہمارے لیے دھوکے اور اشتباہ کا باعث بن جاتا ہے،

۱۔ اب ہم کو تعلیمات نبوی یعنی آیات و احادیث سے ملائکہ کی حقیقت کو روشن کرنا چاہیے، ملائکہ کی سفارت و

پیام رسانی، یعنی خالق کے احکام اور مرضی کو مخلوقات تک پہنچانا، اور ان میں ان کا بے اختیار ہونا، ان دو باتوں میں ثابت ہے

اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ
خدا ہی ہے جو فرشتوں اور آدمیوں میں سے پیام رسان

إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ
اور قاصد منتخب کرتا ہے، خدا سننے والا اور دیکھنے والا ہے،

وَمَا خَلْفَهُمْ وَإِلَى اللَّهِ تُجِيعُ الْأُمُورُ
اور ان کے آگے اور پیچھے کا حال جانتا ہے، اور تمام کاموں

(الحج - ۱۰) کا مرجع خدا ہی ہے،

یعنی پیام رسانی اور سفارت کے سوا ان کو اصل حکم میں کوئی دخل نہیں، اختیارات سب خدا کے ہاتھ میں ہیں

اور وہی تمام امور اور استقامات کا مرجع کل ہے، دوسری جگہ ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ
حمد ہو اُس خدا کی جو آسمانوں کا اور زمین کا پیدا کرنے والا۔

الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا أُولَىٰ أَجْنَحَةٍ مَّتَنَّىٰ وَثَلَّثَ
اور فرشتوں کو دو دو تین تین اور چار چار شہر بازوں

وَرَبَّاعٍ مَّا يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ
والے پیام رسان بنانے والا ہے، وہ پیدائش میں جو چاہے

عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ مَّا يَفْقَهُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ
بڑھادے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ لوگوں کے لیے رحمت

رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يَعْسِكُ فَلَا
کھوے تو کوئی روکنے والا نہیں، اور جو روک دے تو

مُرْسِلٌ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ
اُس کے سوا کوئی چھوڑنے والا نہیں، اور وہ غالب

(فاطر - ۱) و دانای ہے،

اس آیت پاک میں بھی وہی حقیقت ظاہر لگتی ہے، کہ یہ ملائکہ سفارت اور درمیانگی کے علاوہ اور کوئی

اختیار نہیں رکھتے، رحمت کے دروازوں کا کھولنے والا، اور بند کرنے والا صرف خدا ہی ہے، یہ تعلیم اس عقیدہ

کی ترویج میں ہے کہ ان فرشتوں کو دنیا کی حکمرانی اور استقامات میں کوئی ذاتی دخل ہے، یا ان میں الوہیت اور

رویت کا کوئی ثابہ بھی ہے، یا وہ پرستش کے قابل بھی ہیں، یا ان کی دہائی بھی مانگنی چاہئے،

۲۔ ملائکہ خدا کے احکام کو دنیا میں جاری کرتے ہیں، سورۃ انفال میں ہے،

اِذْ يُوحِي رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنۡيۡ مَعَكُمْ قَبۡلَٓتُۙ

یا ذکر جب تیرا پروردگار فرشتوں کو وحی کر رہا تھا، کہ میں

الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا (انفال-۲)

تجھارے ساتھ ہوں تم مومنوں کو ثابت قدم رکھو،

تَنۡزِلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوۡحُ فِیۡہَا بِاِذۡنِ رَبِّہِمْ

اُس میں فرشتے اور روح اپنے پروردگار کے حکم سے ہر

مِنۡ کُلِّ اٰمِرٍ (قصد-۱)

کام کو لیکر نیچے اترتے ہیں،

وہ جس طرح احکام لیکر اترتے ہیں، اُسی طرح دربار الہی تک عروج بھی کرتے ہیں،

تَعۡرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوۡحُ اِلَیۡہِ (معاہج-۱)

فرشتے اور روح اُس تک چڑھتے ہیں،

موت کے وقت روح کا قبض کرنا، اونچی سے متعلق ہے،

قُلۡ يَتَوَفَّكُم مَّلَکُ الْمَوۡتِ الَّذِیۡ وُکِّلَ

کہہ دو کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے، وہ تم پر

بِکُمۡ (سجدا-۱)

موت طاری کرے گا،

وَلَوۡ تَرٰی اِذِ الظَّٰلِمُوۡنَ فِیۡ غَمَوٰتِ الْمَوۡتِ

اور اگر دیکھو تم جب گنہگار موت کے سکرات میں ہوں

وَالْمَلٰٓئِكَةُ بِاَسۡطُوۡاۤ اَیۡدِیۡہِمْ اَخۡرَجُوۡا

اور فرشتے اپنے ہاتھوں کو پھیلائے ہوں کہ نکالو

اَنۡفُسُکُمۡ (انعام-۱۱)

اپنی جانوں کو،

وَلَوۡ تَرٰی اِذۡ یَتَوَفَّی الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا الْمَلٰٓئِکَةُ

اور اگر دیکھو جب فرشتے کافروں کی عمر پوری کر رہے ہوں،

اُس کی ہم معنی اور بھی کئی آیتیں ہیں، ان آیتوں سے ظاہر ہے کہ حکم الہی کے مطابق موت و فنا کی تدبیر نہیں دینی

علل اسباب کی ہستیوں سے متعلق ہے،

دنیا میں کسی شئی کے وجود و انقلاب و فیکلے کسی ایک علت بسبب کا وجود کافی نہیں ہے، بلکہ ضروری ہے کہ اُس کے متعلقہ

اسباب کی تمام کڑیاں باہم پیوستہ اور ایک دوسرے کی معاون ہوں اور موانع اور عوائق معدوم ہوں، یہ متعلقہ علل اسباب کا توافق

اور موانع کا انسداد تیسری ہے یہ تدبیر حکم الہی ان ملائکہ کے سپرد ہے، اسی لیے کبھی اس تدبیر کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب کرتا ہے، یٰدُبِّرْکَلامَزدہ کام کی تدبیر کرتا ہے اور کبھی اُس کو ان ملائکہ کی طرف منسوب کرتا ہے،

وَاللَّزِغَتِ غَرْفًا، وَاللَّشِطَتِ نَسْطًا، وَالشَّجَّتِ (دوب کر (روحون کے) کھینچنے والوں کی قسم ہے

سَبَّحًا، فَالْشَّيْقَتِ سَبَّحًا، فَالْحُدَّيْرَتِ امْرًا، (رگوں کی) گریہوں کو کھولنے والوں کی قسم ہے، (اس

فضائے آسمانی میں) تیرنے والوں کی پھردوڑ گراہی اسباب (نازعات-۱)

وعلل پر) آگے بڑھ جانے والوں کی، پھر کام کی تدبیر کرنے والے

۳۔ یہی ملائکہ خدا اور رسولوں کے درمیان بھی سفیر ہیں،

أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِي بآذَانِهِ مَا يَشَاءُ یا خدا آدمی سے اس طرح باتیں کرتا ہے، کہ اپنا ایک ایک

بھیجتا ہی، تو وہ اسکی اجازت سے جو وہ (خدا) چاہتا ہو وحی کرتا ہے (شوری-۵)

دوسری جگہ ہے،

يُنْزِلُ الْمَلٰٓئِكَةُ بِالرُّوحِ عَلٰی مَنْ يَّشَآءُ مِنْ خدایہ کے ساتھ فرشتوں کو اپنے بندوں میں سے جس پر

عِبَادًا ۴۔ (رغل-۱) چاہتا ہے اُنارہا ہے،

خاص آنحضرت صلم کے متعلق ہے،

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهُ عَلٰی قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ، (بقرہ-۱۲) جبریل فرشتہ نے اس قرآن کو خدا کے حکم سے تمہارے دل پر اتارا،

۴۔ یہ لوگوں پر بشارت اور عذاب لیکر بھی اترتے ہیں،

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَا اِبْرٰهٖمَ بِالبَشٰرِی (یوسف) ہمارے سفیر ابراہیم کے پاس بشارت لیکر اترے،

اسی طرح حضرت زکریا اور مریم علیہما السلام کو انھوں نے بشارت دی،

اِنَّمَا اَنَارَ سُوْلُ رَبِّكَ لَا هَبَ لَدٰی غُلَامًا مِّن تیرے پروردگار کا فرستادہ ہون کہ تجھے ایک پاک

لے صحیح بخاری، کتاب بدر الخلق باب ذکر الملائکہ، میں ہے کہ رحم نہوائی پر ایک فرشتہ مقرر ہو جو بیچ کی نسبت قضاے الہی کو تحریر کرتا ہی

رہا بخون،

زُکِّيَا (مریم-۲)

حضرت لوطؑ کے پس منگی قوم کی بربادی کے لیے جاتے ہیں،

قَالُوا يَلُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ (ہود-۷)

انہوں نے کہا: اے لوط! ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں

اس کے بعد یہ فرشتے حضرت لوطؑ کی قوم پر کوہِ آتش فشان کا منہ کھول دیتے ہیں اور تمام قوم برباد ہو جاتی ہے

مگر اللہ تعالیٰ فرشتوں کے اس فعل کو خود اپنی طرف منسوب کرتا ہے، کہ وہ فرشتوں کے ذاتی اختیار کے بجائے خدا ہی کے حکم سے ہوا تھا،

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَاقًا وَقَلْبَهَا مُطْرًا
عَلَيْهِمْ حُجَابٌ مِّنْ سَبِيلٍ مِّنْصُورٍ (ہود-۷)

جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے اُس کے اوپر کوئچے اور نیچے کو اوپر

کر دیا، اور اُن پر تہ بہ تہ پتھروں کی بارش کی،

۵۔ فرشتے انسانوں کے اعمال کی نگہبانی اور نگرانی کرتے ہیں اور اُن کے ثواب اور گناہ کے کاموں کو محفوظ

رکھتے ہیں،

وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ كِرَامًا كَاتِبِينَ، يَعْلَمُونَ
مَا تَفْعَلُونَ، (الانفطار-۱)

یشک تم پر نگہبان ہیں، بزرگ ہیں، لکھنے والے ہیں، جو تم

کرتے ہو وہ، وہ جانتے ہیں،

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ

کوئی بات منہ سے نہیں نکالتا، لیکن اُس کے نزدیک ایک

نگہبان حاضر ہے،

(ق-۲)

سَوَاءٌ مِّنْكُمْ مَنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ أَوْ مَنْ جَهَرَ

تم میں سے کوئی بات چھپا کر کہے، یا زور سے کہے، یا دھڑ

بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَضْمٍ بِالْأَيْلِ وَسَائِرِ بِلَالِهَا

میں چھپے یا دن کو کرے، خدا کے تعاقب کرنے والے ہیں

لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ

کے سامنے سے اور اُس کے پیچھے سے، خدا کے حکم سے لگی

نگرانی کرتے ہیں،

يَحْفَظُونَكَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ، (رعد-۲)

وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً طَحْشًا إِذَا جَاءَ

وہ خدا تم پر نگرانی بھیجتا ہے، یہاں تک کہ تم میں سے جب کئی

أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ (انعام-۸)

موت آتی ہے تو ہمارے قاصداؤ کی عمر پوری کرتے ہیں،
اور وہ کمی نہیں کرتے،

۶۔ وہ انسانوں کے اعمال کے مطابق اُن پر خدا کی رحمت یا لعنت کے نزول کے ذریعے اور واسطے ہیں،

لَا يَخْرُجُ مِنْهُمُ الْفَرْعُ الْأَكْبَرُ وَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَذَا يَوْمُكُمْ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ، (انبیاء-۷)

نیکو کاروں کو وہ بڑی گھبراہٹ (قیامت) انگین نہ لگی
اور فرشتے اُن کا آگے بڑھ کر استقبال کریں گے، کہ یہی وہ دن
ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا،

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخْفُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَالْبَشْرُ وَالْجَنَّةُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ نَحْنُ أَوْلَىٰ بِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ (فصلت-۴)

جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر سچ
قائم رہے، اُن پر فرشتے یہ کہتے ہوئے اتریں گے کہ نہ ڈرو اور
نہ غم کرو، اور اُس جنت کی خوشخبری سنو جس کا تم سے وعدہ
کیا گیا تھا، ہم میں جو تمہاری پہلی اور اُس دوسری زندگی
میں تمہارے رفیق ہیں،

هُوَ الَّذِي يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ (احزاب-۵)

وہی خدا تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اُس کے فرشتے،

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ (احزاب-۵)

اللہ اور اُس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں،

وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ (شورہ-۱)

اور جو زمین میں ہیں، اُن کیلئے وہ خدا سے مغفرت کی دعا مانگتے ہیں

اسی طرح وہ بدکاروں پر لعنت بھی کرتے ہیں،

أُولَٰئِكَ جَزَاءُ مَا كَفَرُوا بِهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةُ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، (ال عمران-۹)

اُن کی سزا یہ ہے کہ اُن پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی
سب کی لعنت ہے،

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَأَمَّاؤُوا هُمْ كَفَارًا أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمُ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةُ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (البقرہ-۱۷۵)

جو کفر کی حالت میں مر گئے اُن پر اللہ اور فرشتوں کی، اور
لوگوں کی سب کی لعنت ہے،

۷۔ جنت اور دوزخ کا کاروبار بھی اُن کے زیر اہتمام ہوگا۔

وَسَيَقُ الَذِينَ كَفَرُوا اِلَى جَهَنَّمَ زُمَرًا حَتَّىٰ اِذَا جَاؤُهَا فَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا اَلْكَرِيَامُ اَتَكْفُرُوْنَ سَلَّ مِنْكُمْ ؕ

اور کفر کرنے والے گروہ گروہ کر کے دوزخ کی طرف لے جائے جائیں گے، یہاں تک کہ جب اُس کے پاس پہنچیں گے، تو اوس کے دروازے کھولے جائیں گے اور اُس کے چوکیدار فرشتے کہیں گے

کہ کیا تمہارے پاس تمہیں مین کے پیغمبر نہیں آئے، (زمرہ-۸)

وَسَيَقُ الَذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتَّىٰ اِذَا جَاؤُهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خَالِدِيْنَ ، (زمرہ-۸)

اور جو اپنے پروردگار سے ڈرتے تھے وہ گروہ گروہ جنت میں لے جائے جائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ اُس کے پاس پہنچیں گے اور اوس کے دروازے کھولے جائیں گے اور اُس کے پاس ان کہیں گے تمہیں سلامتی ہو خوش فرشتے جنت میں ہمیشہ کیلئے داخل ہو جاؤ۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبٰى الدَّارِ ، (رعد-۳۰)

جنتیوں پر فرشتے ہر دروازہ سے داخل ہو کر کہیں گے تمہیں سلامتی ہو، یہ تمہارے صبر کا بدلہ ہے، یہ کیسا اچھا عقبہ کا گھر ہے،

عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ ، (تحریم-۱)

وَمَا جَعَلْنَا اَصْحَابَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً (مٹاؤ،)

دوزخ پر سخت دل طاقتور فرشتے مقرر ہیں، ہم نے دوزخ کے اہل کار فرشتوں ہی کو بنایا ہے،

۸۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ قدس کے حاضر باش ہیں،

وَتَرٰى الْمَلٰٓئِكَةَ حَافِئِيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ، (زمرہ-۸)

اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے ارد گرد احاطہ کئے ہوئے اپنے پروردگار کی حمد و ثناء میں مصروف ہوں گے،

لَا يَسْمَعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ اِلَّا اَعْلٰى (صافا-۱)

اُطٰى اٰہلِ دَرَبَارِکِیْ بَاتِنِ شَیَاطِیْنِ نٰہِیْنَ سُنْ سَکْتِ،

مجھے خدا کے بلند صباریوں کا علم نہیں جب وہ باتیں کرتے ہیں

قیامت کے دن بھی تختِ الہی کے حامل اور اُس بارگاہ کے حاضر باش ہونگے، جو ہر وقت اُس کے ہر حکم کو بجالانے کے لیے تیار رہیں گے،

وَالْمَلٰٓئِكَةُ عَلٰۤی اَرْجَائِهَآ وَیَحْمِلُ عَرْشُ رَبِّکَ
فَوْقَهُمْ یَوْمَئِذٍ ثَمَنٰیۃٌ ۙ (حاقہ-۱)

اور فرشتے زمین کے کناروں پر کھڑے ہونگے اور تیرے پروردگار کے تخت کو اٹھ (فرشتے) اٹھائے ہونگے،

کَلَّا اِذَا دُکَّتِ الْاَرْضُ دَکَّآۤیًا وَجَآءَ رَبُّکَ
وَالْمَلٰٓئِكُ صَفَآۤیًا (زمرہ-۱)

ہرگز نہیں، جب زمین ریزہ ریزہ کر دی جائیگی اور تیرا رب تشریف فرما ہوگا، اور فرشتے قطار قطار آئیں گے،

یَوْمَ یَقُومُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِکَةُ صَفَآۤیًا (نبأ-۲)

جس دن روح اور فرشتے صف باندھے کھڑے ہونگے،

۹۔ فرشتے خدا سے سرکشی اور اوسکی نافرمانی نہیں کرتے، اور ہمیشہ اُسکی تہلیل و تقدیس، اور حمد و ثنائیں مصروف رہتے ہیں، اور اُس کے جلال و جبروت سے ڈرتے اور کانپتے رہتے ہیں اور خدا کے حضور میں اہل زمین کے لئے عموماً اُنکی نیکیاں روئے کر کے دعا مانگا کرتے ہیں،

وَالْمَلٰٓئِکَةُ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّہِمۡ وَکَسَبَتْ لَہُمۡ
لِیٰحِنَ فِی الْاَرْضِ اَلَّاۤ اِنَّ اللّٰہَ ہُوَ الْغَفُوْرُ
الرَّحِیْمُ ۙ (شعرا-۱)

اور فرشتے حمد کے ساتھ اپنے رب کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور زمین والوں کی بخشائش کی دعا مانگا کرتے ہیں ہیشیار کہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا خدا ہی ہے،

یعنی یہ دھوکا نہ ہو کہ اُن کی دعا ہی رحمت و برکت کا ذاتی سبب ہے، بلکہ بخشش اور رحمت کرنے والا صرف وہی خدا واحد ہے، اور یہ بخشش و رحمت اوسی کے دست اختیار میں ہے،

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَہٗ یُسَبِّحُوْنَ
بِحَمْدِ رَبِّہِمۡ وَیُؤْمِنُوْنَ بِہٖ وَکَسَبَتْ لَہُمۡ
لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۙ (مومن-۱)

جو (فرشتے) عرش کو اٹھائے ہیں، اور جو اُس کے پاس ہیں وہ سب اپنے پروردگار کی حمد اور تسبیح کرتے ہیں اور اسکی ایمان رکھتے ہیں، اور ایمان لانے والوں کی بخشائش کی دعا مانگا کرتے ہیں،

وَکَلَّمَآ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْمَنَ عِنْدَ
اَسْمٰوٰنِ مِیْنِ اَوْرِ مِیْنِ مِیْنِ جَوْ کَچھ ہے اسی کا ہے، اور جو اُس کے

لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ
يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ،

پاس ہیں (یعنی فرشتے) وہ اس کے سامنے اپنی عبودیت کے
انہما سے غور نہیں کرتے، اور نہ اسکی عبادت سے تھکتے ہیں
(انبیاء-۲)

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ، لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ
وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ، وَهُمْ
مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ، (انبیاء-۲)

خدا انکو جس بات کا حکم دیتا ہے، وہ اس میں خدا پر پیش قدمی نہیں
کرتے، اور وہ اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں اور
انکے خوف سے ترسان رہتے ہیں،

لَا يَصْنَعُونَ اللَّهُ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا
يُؤْمَرُونَ (تحریم-۱)

لَسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلِكُ مِنْ خِيفَتِهِ
اور آسمانوں میں اور زمین میں جو چار پائے اور فرشتے ہیں
وہ سب خدا کو سجدہ کرتے ہیں، اور اس کے سامنے اپنی بڑائی
نہیں کرتے، وہ اپنے مالک سے جو ان کے اوپر چڑھتے
رہتے ہیں، اور وہی کرتے ہیں جب ان کو حکم دیا جاتا ہے،

مَا يَوْمُ مَرُّونَ، (نحل-۶)

گزر چکا ہے کہ ملائکہ کا اعتقاد دنیا کے تمام مذاہب اور قوموں میں کسی نہ کسی طرح رہا ہے، لیکن ان کے اس
اعتقاد میں بہت سی باتیں ایسی داخل تھیں جو توحید کامل کے منافی تھیں، اسکتیریہ کے نوافلاطونی فلسفہ میں خدا کو
عقل اول کی اضطراری پیدائش اور وجود کے بعد محفل ٹھہرا کر انھیں کو عقل کی صورت میں اصلی کار فرما قرار دیا گیا تھا
عواقب کے صائی، اجرام سماوی کی شکل میں انکی پرستش کرتے تھے، اور انھیں کو عالم میں فرمانروا مانتے تھے، یہودیوں
ان کو کسی قدر صاحب اختیار تصور کرتے تھے اور ان کو کبھی کبھی خداؤں کا درجہ دیدیتے تھے جیسا کہ توراہ و صحیفہ میں

۱۲۱۱-۱۸۰۲-۲۲۳۰) کے قصوں میں کہیں کہیں نظر آتا ہے، اُن کو وہ خدا کے بیٹوں کے خطاب سے بھی کبھی کبھی یاد کرتے تھے۔
 (تکوین ۶-۲) ہندوؤں میں وہ دیوتا اور دیوی بن کر ایک طرف انسانی خصائص سے ملوث تھے اور دوسری طرف وہ اپنے ذاتی اختیارات کے لحاظ سے چھوٹے خداؤں کے مرتبہ پر بھی فائز تھے، عیسائیوں میں ان میں سے بعض مثلاً فرح القدس خدا کا ایک جز تسلیم ہوتی تھی اور اُن کی تثلیث کا ایک رکن تھی، عربوں میں وہ خدا کی بیٹیوں کا درجہ رکھتے تھے، وہ انکی پوجا کرتے تھے، اور اُن کو اپنے گناہوں کا شفیق سمجھتے تھے انگریز تعلیم محمدی نے ان تمام عقائد باطلہ کو مٹا دیا، اور ایک ایک کر کے ان میں سے ہر عقیدہ کی تردید کر دی، اور بتایا کہ فرشتے بھی خدا کی دوسری مخلوقات کی طرح ایک مخلوق ہیں اُن کو خدا کی کا کوئی اختیار حاصل نہیں، وہ صرف خدا کی اطاعت اور عبادت اور اُس کے احکام کی بجا آوری میں مصروف رہتے ہیں، اُن میں سے ہر ایک کو جو کام سپرد ہے، وہ اُسی کو انجام دیتا ہے، وہ ہماری ہی طرح بندہ محض ہیں، وہ نہ عبادت کے مستحق ہیں، اور نہ خدا کے بلا اذن وہ شفاعت کا ایک حرف زبان سے نکال سکتے ہیں، اور نہ خدا کے سامنے وہ کچھ عرض کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں، یہودی اُن کو خدا کے بیٹے، اور عرب خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، قرآن نے ان دونوں کی تردید کی اور بتایا کہ وہ انسانی خصائص اور میلانات سے پاک ہیں، نہ وہ مرد ہیں، نہ عورت ہیں، نہ وہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں، نہ وہ خدائی کا دعویٰ کر سکتے ہیں، وہ خدا کے خوف سے ہمیشہ کانپتے اور لرزتے رہتے ہیں،

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحَانَ مَبْلَغًا
 مُكْرَمُونَ، لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ
 بِأَمْرٍ يَعْمَلُونَ، يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ
 وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا الْإِذْنُ الرَّحْمَنُ
 وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ، وَمَنْ يَقُلْ
 مِنْهُمْ إِنِّي إِلَهٌ مِنْ دُونِهِ قَدْ لَكَ عَذَابٌ
 جَهَنَّمُ كَذَلِكَ تَجْزِي الظَّالِمِينَ، (انبیاء ۲۰)

مشرکوں نے کہا کہ مہربان خدا نے اپنا لڑکا بنایا ہے، وہ اُس سے پاک ہے، بلکہ یہ (فرشتے) اُس کے پاک بندے ہیں، جو بات میں اُس پر پیشہ دستی نہیں کرتے اور وہ اُس کے حکم پر عمل کرتے ہیں، خدا اُس سے جو اُن کے آگے اور پیچھے ہوتا ہو واقف ہے، وہ بندے شفاعت نہیں کرتے لیکن اُسی کی جس کے لیے خدا پسند کرتا ہے، اور وہ خدا کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں

اُن میں سے جو یہ کہے کہ میں خدا ہوں تو اسکو بھی اسی طرح

إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ
وَلَدٌ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفَى بِاللَّهِ
وَكِيلًا لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا
لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ
عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَهُ جَمِيعًا
خدا تو ایک ہی ہے وہ اُس سے پاک ہے کہ اُس کے کوئی اولاد نہ ہو
آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اسکی ملکیت ہے اور
خدا کافی وکیل ہے مسیح کو اس سے عار نہ ہو گا کہ وہ خدا کا
بندہ ہو، اور نہ مقرب فرشتوں کو اس سے عار ہے اور جو اسکی
عبادت سے عار اور غرور کریں گے تو ان سب کو وہ اپنے پاس
اکٹھا کرے گا، (نساء ۲۲ و ۲۳)

وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ
أَرْبَابًا أَيَا مَرْكُومًا لِكُلِّ قَوْمٍ أَذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ
خدا اسکا حکم تم کو نہیں دیتا کہ تم فرشتوں کو اور پیغمبروں
کو خدا بناؤ، کیا تم کو مسلمان ہونے کے بعد کفر کرنا حکم
دے گا، (ال عمران ۸۵)

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ
إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ، قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنْتَ
وَلَيْسْنَا مِنْ دُونِهِمْ جَبَلٌ كَانُوا يَعْبُدُونَ
الْحُجْنُ أَكَلْتُمْ هُمُ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ (سبا - ۵)
جس دن ہم جیسے جیسے انہیں تیار کر دیں گے، تو وہ سب کو جمع کرے گا، پھر فرشتوں سے کہے گا کہ
کیا یہ مشرکین تھیں کو پوجتے تھے، وہ کہیں گے پاک ہو تو، تو
ہمارا والی ہے، وہ نہیں ہیں، بلکہ وہ جنہوں کو پوجتے تھے، وہ
اکثر انہیں جنہوں پر ایمان لائے ہیں،
یَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُونَ
إِلَّا مَنْ أِذْنُ لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا،
اجازت دے اور وہ ٹھیک بات کہے، (سبا - ۲)

وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَا تُغْنِي عَنْهُمْ
شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُؤْتِي
أَفْأَصْفًا كَمْ رَبُّكُمْ بِالْبَينِينَ وَاتَّخَذَ
خدا تو کتنے فرشتے ہیں جنکی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں
پہنچا سکتی، لیکن اس کے بعد کہ خدا جسکو اجازت دے اور پسند کرے
تو کیا تمہارے لئے خدا نے بیٹوں کو پسند کیا، اور خود

مِنَ الْمَلَائِكَةِ اَنَا اَنَا اَنْتُمْ تَقُولُونَ قَوْلًا

عَظِيمًا، وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِيَذَكَّرُوا

وَمَا يَزِيدُهُمْ اِلَّا نُفُورًا، قُلْ لَوْ كَانَ

اِلَهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ اِذَا لَا بُدَّ لَهُمْ اِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ

مَسِيرًا، سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰی عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا

كَبِيرًا اُنْسِيْ لَهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضُ وَمَنْ

فِيْهِنَّ (اسرائیل ۲۷ و ۲۸)

وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ

اَنَا اَنَا اَسْمٰدٌ وَاَخْلَقْتُهُمْ سَكَنَ لَّكُمْ شَمَآءُكُمْ

وَمُيَسَّلُونَ، وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمٰنُ مَا

عَبَدْنَا هُمْ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ

اِنْ هُمْ اِلَّا يَحْرُصُونَ، (ذخوف- ۲۰)

قرآن پاک میں اس مفہوم کی اور بہت سی آیتیں ہیں، مگر یہاں استقصا مقصود نہیں،

یہودیوں کا خیال تھا کہ فرشتے کھاتے پیتے بھی ہیں، چنانچہ توراۃ میں جہاں حضرت ابراہیمؑ کے پاس فرشتوں

کے آنے کا ذکر ہے، یہ مذکور ہے کہ ابراہیمؑ نے اُن کے لیے دعوت کا سامان کیا اور انھوں نے کھایا، (تکوین ۱۸-۸)

لیکن قرآن پاک نے اسی قصہ کو دہرا کر یہ تصریح کر دی کہ وہ ان انسانی ضرورتوں سے پاک ہیں، حضرت ابراہیمؑ

نے اُن کے لیے دعوت کا سامان کیا، مگر

قَالَمَّا رَاَ اٰیٰتِیْهِمْ لَا تَصِلُ اِلَیْهِمْ نٰکِرٌ هُمْ

وَاَوْحٰی مِنْهُمْ خِیْفَةً قَالُوا لَا تَخَفْ اِنَّا اَرْسَلْنَا

جب ابراہیمؑ نے دیکھا وہ کھانے کو ہاتھ نہیں لگاتے، تو اسکو

وہ انجان معلوم ہوئے اور دل میں ڈرا، انھوں نے کہا توڑ

قَوِّمُوهُ، (ہود - ۷) ہم لوہ کی قوم کی طرف (اُنکے تباہ کرنے کے لیے) بھیجے گئے ہیں

کفارِ قریش کا مطالبہ تھا کہ انسان کے بجائے کوئی فرشتہ پیغمبر بنا کر کیوں نہیں بھیجا گیا، اُسکے جواب میں کہا گیا،

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ سَرَافًا ۖ وَلَلْبَشَرُ

اگر ہم پیغمبر فرشتہ بنا کر بھیجتے تو راد میوں کے لیے (اُسکو آدمی

ہی بناتے، تو جس شبہ میں اب ہم نے اُنکو ڈالا ہے، اسی میں

پھر بھی پڑے رہتے (یعنی یہی کہتے کہ تم فرشتہ نہیں ہو بلکہ آدمی)

(العام - ۱) اس آیت اور دوسری آیتوں سے ملکوتیت اور بشریت کی قوتوں کا اختلاف ظاہر ہے، تاہم وہ کبھی بھی عام

طور سے انسان کے مثالی لباس میں بھی جلوہ گر ہوتے ہیں، جیسا کہ حضرت مریمؑ وغیرہ کے قصوں میں ہے،

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا، (مریم - ۲) وہ فرشتہ ایک اچھے خاصے بشر کی مثالی صورت میں ظاہر ہوا،

اور یہی وہ صورت تھی جس میں حضرت ابراہیمؑ کو اُن کے انسان ہونے کا دھوکا ہوا، اور اُن کے لیے دعوت کا

سامان کیا، مگر یہ دھوکا جلد رفع ہو گیا، اور معلوم ہو گیا کہ وہ انسان کی مثالی صورت میں فرشتے ہیں،

ان تمام تفصیلات کے بغیر غور کرنا کہ فرشتوں پر ایمان لانے سے اسلام کا کیا مقصود ہے، حقیقت میں اس سے دو باتیں مقصود ہیں

۱۔ ایک یہ کہ اسلام سے پہلی بت پرست اقوام اور دوسرے اہل مذہب میں ان فرشتوں کو خدائی کا جو مرتبہ دیا گیا تھا، اُس

غلط عقیدہ کو مٹا کر حقیقت ظاہر کجائے کہ انکی حیثیت بے اختیار محکوم بندہ کی ہے، جنک اسکی تصریح نہ ہوتی، کلمہ توحید کی تکمیل ممکن نہ تھی،

۲۔ دوسرے مقصد یہ ہے کہ مادہ کے خواہ و طلب و نیچکرادہ پرست انھیں مادی خواہ و طلب کی بالذات کارفرمائی کا اہل یقین کرتے

ہیں، اور یہی تمھارے ٹھوکر کا باعث ہوتا ہے، اور بالآخر خدا کے انکار تک اُنکو لیجا تا ہے، اُسکا ازالہ کیا جائے، کہ ان مادی خواہ و طلب پر روحانی

اسباب مسلط ہیں، جو خدا کے حکم سے اُسکے مقررہ اصول کے مطابق اُسکو چلا رہے ہیں، مادہ اور اُسکے خواہ و طلب بالذات مؤثر نہیں، بلکہ کوئی دوسرا

جو اپنے ارجح مجرودہ کے ذریعہ اُنکو مؤثر بناتا ہے، اس عقیدہ سے مادیت کا بت ہمیشہ کے لیے ٹوٹ جاتا ہے، غرض منزہ خالق اور مادی مخلوق

کے درمیان احکام و شرائط کا نزول اور قدرتِ الہی کے افعال کا صدور ان محکوم ارجح مجرودہ کے ذریعہ ہوتا ہے،

رسولون ایمان

وَرُسُلِهِ

یہ عقیدہ اسلام کی اُن خصوصیات میں سے جو تکلیف میں صرف اسی کے ذریعہ انجام کو پہنچی ہے، آنحضرت صلیم کے وجود مبارک سے پہلے دنیا کی ہر قوم کو بجائے خود یہ خیال تھا کہ وہی خاص اللہ تعالیٰ کی محبوب اور پیاری ہے، اور تمام دنیا کی قوموں میں ہدایت ربانی کے لیے وہی منتخب لگائی ہے اور اُس کے علاوہ دنیا کی تمام قومیں اس فضیلت سے قطعاً محروم ہیں، اور ہینگی، ہماری ہی سرزمین دیوتاؤں اور پٹیوں کا مسکن، اور ہماری زبان خدا کی خاص مقدس زبان ہے، بابل و تینواہو یا مصر و یونان، ایران ہو یا آریہ ورت ہندوستان، ہر ملک ہر قوم کو بجائے خود تنہا خدا کی مقدس اور برگزیدہ مخلوق ہونے کا دعویٰ تھا، اور وہ صرف اپنی ہی کو خدا کے پیغام اور خطاب سے مشرف ہونے کی مستحق جانتی تھی، لیکن تعلیم محمدی نے تنگ خیالی کے اس محدود دائرہ کو دنیا کی عظیم شان و سعت میں بدل دیا، اپنے یہ سکھایا کہ دنیا کی تمام قومیں خدا کی نظر میں یکساں ہیں، مذہب کو عجم پر اور نہ عجم پر فضیلت ہے، اور نہ کالے گوشت پر اور نہ گورے کو کالے پر کوئی تقدم حاصل ہے۔ ساری زمین خدا کی ہے، اور تمام قومیں ایک خدا کی مخلوق ہیں، اپنے فرمایا۔ گو تم سب ایک ہی باپ (آدم) کی اولاد ہو، اور وہ مٹی سے پیدا ہوا تھا۔ اسی طرح یہ بھی تعلیم دی کہ انسان اور قوموں کا امتیاز رنگ روپ، ملک و مزبوم، اور زبان سے نہیں ہے، بلکہ صرف تقویٰ اور نیکو کاری سے ہے، اس تعلیم کا سب سے پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ قوموں اور ملکوں کی فطری فضیلت کی پرانی داستان فراموش ہو گئی، دنیا کی تمام قومیں ایک سطح پر آگئیں، اور مساوات انسانی کا راستہ صاف ہو گیا، بنی اسرائیل جن کو اپنے خدا کا کتبہ ہونے

پر ناز تھا وحی محمدی نے انکی اس حیثیت کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، اور کہا،

بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّثْنِ خَلْقٍ (مائدہ - ۳) بلکہ تم بھی خدا کی مخلوقات میں سے بشر ہو۔

بنی اسرائیل کو دعویٰ تھا کہ نبوت اور پیغمبری صرف ہمارے ہی خاندان کا ورثہ ہے، جس طرح اس آریہ ورت

کا دعویٰ ہے کہ خدا کی بولی صرف یہین کے رشیون اور نیون نے سنی اور وہ صرف وید کے اوراق میں محفوظ ہے، سپتر
دوسری قوموں کو بھی اپنی جگہ پر ہی خیال تھا، اسلام نے اس تخصیص کو خدا کے انصاف، عدل و کرم، اور انکی رحمت عام کے
منافی قرار دیا، اور کہ دیا،

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ
ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (جمعہ - ۱)

یہ (نبوت) اللہ کی مہربانی ہے جسکو چاہے دے، اور اللہ

بڑی مہربانی والا ہے،

قُلْ إِنْ الْهُدَىٰ هُدَىٰ اللَّهِ أَنَا يُؤْتِيهِ أَحَدٌ
مِّثْلُ مَا أُوتِيتُمْ أَوْ يُحَاجُّكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ
قُلْ إِنْ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ
وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ
وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

اُمد و کہ ہدایت، اللہ کی ہدایت ہے (اسرائیلی علماء اپنے
ہم مذہبوں سے کہتے ہیں کہ کیا یہ نامکن ہو کہ) جیسا دین تمکو
دیا گیا کسی اور کو دیا جائے، یا یہ نئے دین کے تم سے خدا کے آگے
جھگر سکیں، کہہ دو کہ (یہ نبوت کا فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے)
وہ جسکو چاہتا ہے، اُس سے نوازتا ہے، اور اللہ کی رحمت پر

عام ہو، اور وہ اپنی مصلحتوں کو اچھی طرح جانتا ہو، اور جسکو چاہتا

(ال عمران - ۸)

ہو اپنی رحمت کیساتھ مخصوص کرتا ہو، وہ بڑا فضل والا ہے،

اہل کتاب میں جو منکر ہیں وہ یہ نہیں پسند کرتے اور مشرکین
پسند کرتے ہیں کہ تم پر تمہارے پر و گگار کی طرف سے کوئی بھلائی نازل
ہو، اور اللہ اپنی رحمت کیساتھ جسکو چاہتا ہے مخصوص کرتا ہے

اور اللہ بڑے فضل والا ہے،

مَا يُؤْذِي الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا
الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ
رَّبِّكُمْ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ
وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (بقرہ - ۱۳)

اور یہ تعلیم دی کہ روسے زمین کی ہر آبادی میں ہر قوم میں اور ہر زبان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکی راہ دکھانے والے، اسکی آواز پہنچانے والے، اور انسانوں کو انکی غفلت سے چونکانے والے پیغمبر یا نائب پیغمبر بن کر آئے اور یہ سلسلہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک برابر جاری رہا،

ن بعثت محمدی سے پہلے دنیا کی کل آبادی مختلف گھرانوں میں بنی ہوئی، اور ایک دوسرے سے نا آشنا تھی ہندوستان کے رشیوں اور مہیوں نے آریہ ورت سے باہر کی دنیا کو خدا کی آواز سننے کا کبھی متحقی نہ سمجھا، اُن کے نزدیک پریشور صرف آریہ ورت کی ہدایت اور رہنمائی کا خواہاں تھا، زروشت نے پاک نژادان ایران کے سوا سب کو نژدان کے جلوہ نورانی سے محروم یقین کیا، بنی اسرائیل اپنے خانوادہ کے سوا کہین اور کسی بنی یا رسول کی بعثت کا تصور بھی نہیں کرتے تھے، عیسائی صرف اپنے کو خدا کی فرزندگی کا متحقی سمجھتے تھے، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر بتایا کہ خدا کی ہدایت اور رہنمائی کے ظہور کے لیے ملک قوم اور زبان کی تخصیص نہیں، اسکی نگاہ میں عرب و عجم اور شام و ہند سب برابر ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹی بہہ بین آنکھوں نے پورب بچھم، اتر، دکھن ہر ملک اور ہر قوم میں خدا کا نور دیکھا، اور ہر زبان میں اسکی آواز سنی،

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ (یونس-۵) اور ہر قوم کے لیے ایک رسول ہے،

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا (نحل-۵) اور یقیناً ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا،
وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَى قَوْمِهِمْ (ہود-۵) اور ہم تجھ سے پہلے کتنے رسول انکی اپنی اپنی قوم میں بھیجے،

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد-۱۰) اور ہر قوم کے لیے ایک رہنمائی آیا،

وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (فصل-۲) کوئی قوم نہیں جس میں ایک ہشیار کرنے والا نہ آیا،

وَكَمْ أَرْسَلْنَا مِنْ نَبِيِّ فِي الْأَوَّلِينَ، (زخوف-۱۰) اور ہم نے پہلی قوموں میں کتنے پیغمبر بھیجے،

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ (ابراہیم-۱۰) اور ہم نے ہر پیغمبر کو اسکی قوم کی بولی میں بھیجا، تاکہ وہ

يُبَيِّنَ لَهُمْ (ابراہیم-۱۰) اُن کو بتا سکے،

اس آخری آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ رسول بتعلیم الہی تشریح و بیان کے لیے مامور ہیں،

ایک یہودی کے لیے حضرت موسیٰؑ کے سوا کسی اور کو پیغمبر ماننا ضروری نہیں، ایک عیسائی تمام دوسرے پیغمبروں کا انکار کر کے بھی عیسائی رہ سکتا ہے، ایک ہندو تمام دنیا کو چھ، شودر، اور چنڈال لکڑی بھی پتہ ہندو رہ سکتا ہے، ایک زرتشتی تمام عالم کو بجز ظلمات لکڑی بھی نورانی رہ سکتا ہے، اور وہ ابراہیم اور موسیٰ علیہم السلام کو نعوذ باللہ جھوٹا لکڑی بھی دینداری کا دعویٰ کر سکتا ہے، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ناممکن کر دیا ہے کہ کوئی اُن کی پیروی کا دعویٰ کر کے اُن سے پہلے کے کسی پیغمبر کا انکار کر سکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تجدید میں جو دعا پڑھتے تھے، اس میں ایک فقرہ یہ بھی ہوتا ہے، وَاللَّيْتُونَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ (سب نبی برحق تھے اور محمد بھی برحق ہے) غرض کوئی شخص اُس وقت تک محمدی نہیں ہو سکتا جب تک اُس سے پہلے وہ موسوی و عیسوی، اور ایرانی و ہندی نہ بن لے، اور کوئی شخص اُس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ دنیا کے تمام پیغمبروں کی کیسان، صداقت، حقانیت، راستبازی اور معصومیت کا اقرار نہ کرے، اور یہ یقین نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے عرب کی طرح ہر قوم کو اپنی ہدایت اور رہنمائی سے سرفراز کیا ہے، اور اُن کا ماننا ایسا ہی ضروری ہے جیسا خدا کا ماننا ہے،

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُوْنَ
اَنْ يُقْرِضُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُوْنَ
نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنُكْفِرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُوْنَ
اَنْ يَتَّخِذُوْا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيْلًا ۚ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الْكَافِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لَالْكَافِرِيْنَ عَذَابًا
ثُمَّ سَيُؤْتِيْهِمُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَلَهُمْ
يُفْرَقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ
يُؤْتِيْهِمُ اجْرُهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

بیشک جو لوگ اللہ اور اُس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں
اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اُس کے رسولوں کے درمیان
فرق کریں، اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانینگے اور بعض کو نہیں،
اور چاہتے ہیں کہ ان کے درمیان راستہ پکڑیں وہی حقیقت
میں کافر ہیں، اور کافروں کے لیے ہم نے عذاب و لعنہ
تیار رکھا ہے، اور جو اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر ایمان لائے
اور ان رسولوں میں سے کسی کو الگ نہیں کیا وہ اُن کی
مزدوری اُن کو دیگا، اور اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے،

وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَالْاَنْبِيَاۗءُ (۲۴-۲۳) فرشتوں پر کتاب پر، اور سب نبیوں پر ایمان لانا یہی ہے،
وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكِتٰبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَ
اَلْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ كَبِيْرًا (۲۵-۲۴) اور جس نے خدا کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتاب اور اس کے رسولوں
اور قیامت کا انکار کیا، وہ نہایت سخت گمراہ ہوا،

بقوہ کے خاتمہ میں ہے،

كُلُّ اٰمَنٍ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكِتٰبِهٖ وَرُسُلِهٖ
لَا تَفَرَّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ
(۲۵-۲۴) ہر ایک خدا پر، اور اس کے فرشتوں پر، اور اس کی کتابوں پر اور
اس کے رسولوں پر ایمان لایا، ہم خدا کے رسولوں کے درمیان
تفریق نہیں کرتے،

لَا تَفَرَّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ (۲۵-۲۴) ہم ان پیغمبرین میں کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے،
پیغمبرین میں تفریق کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ان میں سے بعض کو بنی اور بعض کو نہ بنی اسلام نے اسکی ممانعت کی اور
عام حکم دیا کہ دنیا کے تمام پیغمبروں اور رسولوں کو یکساں خدا کا رسول، صادق اور راستباز تسلیم کیا جائے،
یہودی حضرت عیسیٰ کو نعوذ باللہ جھوٹا اور کاذب سمجھتے تھے، اور ان پر طرح طرح کی تہمتیں لگاتے تھے، اور
اب بھی ان کا یہی عقیدہ ہے، یہودیت اور اسلام میں جو اشتراک ہے وہ مسیحیت سے زیادہ ہے، اس لیے اگر اسلام
کی راہ میں حضرت مسیح کا نام نہ آئے تو بہت سے یہود مسلمان ہونے کو تیار ہو جائیں، مگر اسلام نے کبھی یہ گنگوٹ
نہ کیا، اور جب تک کسی یہودی سے حضرت عیسیٰ کی نبوت، مصوئیت اور تقدس کا اقرار نہیں لے لیا اپنے دائرہ میں
اسکو داخل ہونے کی اجازت نہ دی، چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بہت سے یہود اپنی رسالت اور شریعت
پر ایمان لانے کو تیار تھے، مگر حضرت عیسیٰ کے ماننے کیلئے تیار نہ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دوستی کے عظیم نشان فائدہ
سے محرومی قبول کی مگر مسیح علیہ السلام کی سچائی سے محرومی قبول نہ فرمائی، اور ان سے کہا،

يَا هٰٓؤُلَآءِ الْكٰتِبُ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مَنَا اِلَّا اَنْ مَّشَا
اے یہود! کیا میرے تم کو ہم سے مگر یہی کہ ہم خدا پر اور جو ہمارے

بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ
وَإِنَّ أَكْثَرَكُمْ فَاسِقُونَ (مائیدہ-۴)

طرف آتا رہا اور جو پہلے آتا رہا اس پر ایمان رکھتے ہیں اور
تم میں اکثر بے حکم ہیں

خود قریش کا یہ حال تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ کے نام سے چمکتے تھے، مگر انکی خاطر حضرت عیسیٰ کی نبوت، تقدس اور
معصومیت سے انکار نہیں کیا گیا، قرآن نے کہا،

وَلَمَّا خُزِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ
مِنْهُ يُعَصِّدُونَ، وَقَالُوا لَوْ أَنَّا كُنَّا خَيْرًا
أَدَّ هُوَ مَا ضَرَبَ لَكَ الْإِلَٰهَ لَا يَبْلُغُ هُبْمُ
قَوْمٍ خَصِمُونَ، إِنَّ هُوَ أَكْبَرُ عَبْدًا أَنْعَمْنَا
عَلَيْهِ (زخوف-۶)

اور جب مریم کے بیٹے کی کما دت بیان لگی، تب ہی تیری
قوم اُس سے چلانے لگتی ہے اور بولی کہ ہمارے معبود اچھے
ہیں یا وہ، یہ نام جو وہ تجھ پر دھرتے ہیں صرف جھگڑنے
کو، بلکہ وہ جھگڑاؤ ہیں، وہ تو ایک بندہ ہے جس پر ہم نے
فضل کیا،

قریش کو معلوم تھا کہ اسلام عیسیٰ بن مریم کو بندہ اور رسول مانتا ہے، خدا نہیں، باوجود اس کے عیسائیوں
کی طرح مسلمانوں کو بھی حضرت عیسیٰ کے ماننے کی وجہ سے عیسیٰ پرست تصور کر کے الزام دھرتے تھے، قرآن نے انکے
اس بے معنی اعتراض کی تردید کی،

اسلام میں پیغمبروں کی کوئی تعداد محدود نہیں ہے، طبرانی کی ایک ضعیف روایت میں ہے کہ ایک لاکھ چوبیس
انبیاء مبعوث ہوئے، ایک اور دوسری روایت میں اس سے کم تعداد بھی مروی ہے، قرآن پاک میں نام کے ساتھ
صرف انہیں انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے جنہے عرب مانوس تھے، یا ان کے ہمسایہ یہود و نصاریٰ کے صحیفوں میں
جکتے مذکورے تھے، قرآن میں بعض ایسے انبیاء بھی مذکور ہیں جنہے عرب گو و اقف تھے، مگر یہود و نصاریٰ ان سے بیخبر
تھے، مثلاً حضرت ہود، اور حضرت شعیب، بعض ایسے ہیں جنکو وہ جانتے تھے، لیکن ان کو پیغمبر نہیں تسلیم کرتے تھے،
مثلاً حضرت داؤد اور حضرت سلیمان، وحی محمدی نے ان سب کو پیغمبر تسلیم کیا اور ان کی صداقت و عظمت کا اقرار کیا
اسی سلسلہ میں ایک اور واقعیت کی طرف بھی اشارہ کر دینا مناسب ہے، اسلام سے پہلے نبوت، رسالت

اور پیغمبری کی کوئی خاص واضح اور غیر مشتبہ حقیقت دنیا کے سامنے نہ تھی، یہود کے ہاں نبوت کے معنی صرف پیشینگوئی کے تھے، اور نبی پیشینگو کو کہتے تھے، اور اُس کے متعلق یقین رکھتے تھے کہ اسکی دعایا بد دعا فوراً قبول ہو جاتی ہے، اسی لیے حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کی نبوت اور رسالت کا محض ہندلا سا خاکہ اُن کے ہاں موجود ہے، بلکہ حضرت ابراہیمؑ کے مقابلہ میں شالم کے کاہن مالک کی پیغمبرانہ شان اُن کے نزدیک زیادہ نمایاں معلوم ہوتی ہے، حضرت داؤد اور سلیمانؑ کی حیثیت بھی اُن کے ہاں صرف بادشاہ کی ہے اور اُن کے زمانہ کی پیشینگوئی کرنے والے پیغمبر اور بن یہی سبب ہے کہ یہود کے قصوں اور کتابوں میں اسرائیلی پیغمبروں کی طرف نہایت سخیف باتیں بے تامل منسوب کی گئی ہیں، اسی طرح عیسائیوں میں بھی رسالت اور نبوت کی کوئی واضح حقیقت نہیں، ورنہ یہ نہ کہا جاتا کہ مجھے پہلے جوتے وہ چورا اور ڈاکو تھے موجودہ انجیلوں میں نہ خدا کے رسولوں کی تعریف ہے نہ اُن کے تذکرے ہیں، نہ انکی سچائی اور صداقت کی گواہی ہے، حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ جیسے تذکرے انجیل میں ہیں وہ بھی پیغمبرانہ شان کے ساتھ اُن کے ہاں مسلم نہیں لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر اس حلیل القدر منصب کی حقیقت ظاہر کی، اُس کے فرائض بتائے اور اس کے خصوصیات کا اظہار کیا، اور اُن سب پر ایمان لانا نجات کا ضروری ذریعہ قرار دیا، آپ نے بتایا کہ نبوت و رسالت خاص خاص انسانوں کو خدا کا بخشا ہوا، ایک منصب ہے جس کو دیگر وہ دنیا میں اس غرض سے بھیجے گئے کہ وہ خدا کے احکام لوگوں کو بتائیں اور سچائی اور نیکی کا راستہ اُن کو دکھائیں، وہ ہادی (رہنما) تئیر (ہتیار کرنے والے) داعی (خدا کی طرف بلانے والے) مبشر (خوشخبری سنانے والے) مسلم (سکھانے والے) مبلغ (خدا کے احکام پہنچانے والے) اور نور (روشنی) تھے، خدا اُن سے ہمکلام ہوتا تھا، اور اپنی باتوں سے اُن کو مطلع کرتا تھا، اور وہ اُن سے انسانوں کو نگاہ کرتے تھے، وہ گناہوں سے پاک اور برائیوں سے محفوظ تھے، وہ خدا کے نیک اور مقبول بندے تھے، اور اپنے عہد کے سب سے بہترین انسان تھے، اُن کے سب کام خدا کے لئے تھے، اور خدا اُن کے لیے تھا، یہ ہستیاں اپنے فرائض کو انجام دینے کے لیے ہر قوم میں پیدا ہوئیں، جنہوں نے

اُن کو مانا، انھوں نے نجات پائی اور جنھوں نے جھٹلایا وہ ہلاک و برباد ہوئے۔ قرآن پاک نے اُن کی زندگی کے سونچنے
انکی تبلیغ کی روداد، اُن کے اخلاق کی بلند مثالیں اور انکی خدا پرستی کا خلاص، اس طرح بیان کیا ہے، کہ اُن کے چہرے
اور سننے سے انکی پیروی کا جذبہ، انکی اتباع کا شوق، اور انکی صداقت کا یقین، دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے، اور ساتھ ہی
اُن کی طرف شانِ نبوت کے خلاف جو غلط باتیں دوسرے صحیفوں میں منسوب ہیں، اُن کو چھوڑ دیا ہے، یا انکی
تردید کر دی ہے،

الغرض نبوت اور رسالت کی سب سے اہم خصوصیت اسلام نے جو یہ قرار دی کہ نبی و رسول گناہوں سے پاک
اور برائیوں سے محفوظ، اور معصوم ہوتے ہیں، بنی اسرائیل کو نبوت و رسالت کے اس بلند تخیل کی ہوا بھی نہیں لگی تھی
اس لیے انھوں نے نہایت بے باکی سے اپنے پیغمبروں کی طرف ہر قسم کے گناہ منسوب کر دیئے ہیں، عیسائی ایک
حضرت عیسیٰ کو تو معصوم کہتے ہیں، باقی سب کی گنہ گاری کے قائل ہیں، لیکن اسلام نے دنیا کے تمام پیغمبروں اور
رسولوں کی عظمت کی ایک ہی سطح قائم کی اس کے نزدیک گناہوں سے پاکی اور عصمت تمام انبیاء اور مرسلین کا مشترک
وصف ہے کہ جو جو گنہ گار ہو وہ گناہگاروں کی رہنمائی کا مستحق نہیں، کہ اندھا اندھے کو راہ نہیں دکھا سکتا، اس بنا پر محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی و تعلیم نے خدا کے تمام معصوموں کی عظمت و جلالت دنیا میں قائم کی اور جن کو باطنوں نے انکی عصمت و
بے گناہی کے دامن پر اپنے وہم و نادانی سے داغ لگائے تھے، اُن کو دھو کر پاک و صاف کیا، اور یہ رسالت محمدی
کا عظیم نشان کار نامہ ہے،

خود انجیل کے طرز سے ظاہر تھا کہ حضرت عیسیٰ احکامِ عشرہ کے برخلاف اپنی مان کی عزت نہیں کرتے تھے تو
قرآن نے اسکی تردید کی اور خود حضرت عیسیٰ کی زبان سے کہلایا،

وَبَرَّاءُ الَّذِیْ وَلَّمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا، اور اپنی مان کیساتھ تنگی کرنے والا، اور مجھ کو خدا نے جبار

(مریمہ - ۲) و بہ نجات نہیں بنایا،

کیونکہ احکامِ عشرہ کے مطابق مان باپ کا ادب نہ کرنا بنتی تھی، اسی طرح موجودہ انجیل نے حضرت عیسیٰ

کے سر پر تھوپا ہے کہ وہ نماز روزہ کی پروا نہ کرتے تھے، قرآن نے اُن کی زبان سے کہلوا دیا،
 وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا، اور خدا نے مجھ کو نماز اور روزہ کا حکم دیا جب تک میں
 (سورہ ۲) جیتا رہوں،

یہود حضرت مریم پر تمسک رکھتے تھے، قرآن نے اس الزام کو دور کیا، اور کہا،
 وَمَرْيَمَ ابْنَتْ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا اور مریم بنت عمران جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تو ہم
 فَخَنَّا فِيهَا مِنْ رُوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا اُسین اپنی روح چھوٹی اور اس نے اپنے پروردگار کی باتوں
 وَكَلِمَتُهُمْ وَكَانَتْ مِنَ الْمُقَاتِلِينَ، (تحریر ۲) اور انکی کتابوں کو سچ جانا اور وہ ہندگی کرنے والوں میں تھی،
 وہم پرست یہود حضرت سلیمان کو گناہ تعویذ اور علیات وغیرہ کا موجد سمجھتے تھے، حالانکہ سحر جادو وغیرہ تورات
 میں شرک قرار دیا جا چکا تھا، اور علانیہ یہودیوں کے اس الزام کی تردید کی،
 وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا اور سلیمان نے کفر کا کام کیا، بلکہ شیطانوں نے کیا، گوگون کو
 يَعْلَمُونَ النَّاسَ لَا يَشْعُرُونَ (بقراءۃ ۱۲-۸) وہ جادو سکھاتے تھے،

اسی طرح حضرت لوط پر بدکاری کا جو الزام یہود لگاتے ہیں انکی تردید کی،
 اوپر گزر چکا ہے کہ قرآن نے یا انحضرت صلم نے دنیا کے تمام پیغمبروں کے نام نہیں لئے ہیں، کہ صرف ناموں کی
 فرست یا نامعلوم اشخاص کے نام لینے سے دلوں میں جوشِ عقیدت نہیں پیدا ہو سکتا، تاہم معلوم تھا کہ محمد رسول اللہ
 صلم کی صداقت ایک دن دنیا کے کناروں تک پہنچے گی، اور بہت سی غیر قومیں اور دوسرے انبیاء کی امتیں اس حلقہ
 میں داخل ہوں گی اور اپنے اپنے انبیاء کا نام و نشان صحیفہ محمدی میں تلاش کریں گی اس لیے ایک جامع آیت میں تمام
 انبیاء کا تذکرہ کر دیا گیا اور انکی صداقت کی پہچان بتا دی گئی، فرمایا،

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ ہم نے (اسے محمد) تمہارے پاس وحی بھیجی، جس طرح نوح کو
 وَالذِّكْرِ مِنْ بَعْدِ هَبْ وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ اُن کے بعد کے پیغمبرین کو بھیجی، ہم نے ابراہیم کو اور اسماعیل کو

وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ
 وَعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ وَذَا النُّنُ
 دَاوُدَ نَبِيًّا، وَهُوَ سَلَاةٌ قَدْ قَصَصْنَاهُمْ
 عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَهُوَ سَلَاةٌ لَكَ نَقَّصْنَاهُمْ
 عَلَيْكَ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا، وَهُوَ سَلَاةٌ
 مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِنَاسٍ لَوْلَا كُنَّا لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ
 حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ، وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا

اسحاق کو، یعقوب کو اور اُن کے خاندان کو اور عیسیٰ کو، اور اِی
 کو اور یونس کو اور ہارون کو اور سلیمان کو و جی بھیجی اور داؤد کو زبور
 عطا کی، اور دوسرے رسولوں کو بھیجا جنکا حال تم سے ہم نے
 پہلے بیان کیا ہے، اور اُن رسولوں کو جنکا حال ہم نے تم
 سے بیان نہیں کیا، اور خدا نے موسیٰ سے بات کی، اُن
 رسولوں کو خوشخبری سنانے والا، اور ہشیار کرنے والا
 بنا کر بھیجا تاکہ لوگوں کو رسولوں کے آجائیکے بعد خدا کے آگے کوئی

(نساء ۲۳)

عذر باقی نہ رہ جائے خدا غالب اور دانا ہو،

انبیاء کے متعلق یہی حقیقت سورہ مومن میں دوبارہ بیان لگائی ہے،

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ
 قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ

اور ہم نے یقیناً تم سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے، اُن میں کچھ وہ
 ہیں جنکا حال تم سے بیان کیا ہے، اور کچھ وہ ہیں جنکا حال

(مومن - ۸)

تم سے بیان نہیں کیا،

تعلیم محمدی کے اصول کے مطابق یقین کرنا ضروری ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی قوموں اور ملکوں میں جیسے چین،
 ایران، ہندوستان میں بھی آنحضرت صلعم سے پہلے خدا کے انبیاء مبعوث ہو چکے ہیں، اور اس لیے یہ تمام قومیں اپنے جن
 بزرگوں کی عزت و عظمت کرتی ہیں اور اپنے دین و مذہب کو انکی طرف منسوب کرتی ہیں انکی صداقت اور راستبازی کا
 قطعی انکار کوئی مسلمان نہیں کر سکتا، اسی بنا پر بعض علماء نے ہندوستان کے کرشن اور رام کو بلکہ ایران کے زردشت کو
 بھی، اور بعض صاحبوں نے تو بودھ تک کو بھی پیغمبر کہا ہے، بہر حال امکان میں تو شک ہی نہیں، لیکن یقین کیسا تھا ان
 ناموں کی تعیین بھی حد سے تجاوز کرنا ہے، اصل یہ ہے کہ قرآن نے انبیاء کی دو قسمیں کی ہیں، ایک وہ جن کے ناموں کی

لے کلمات طیبات حضرت شاہ مرزا مظہر جانجاناں، سلمہ مل و نخل ابن حرم.

اُس نے تصریح کی ہے اور دوسرے وہ جن کے نام اس نے بیان نہیں کئے، اس لیے صحیح یہ ہے کہ جن انبیاء کے نام مذکور ہیں، تمام مسلمانوں کو اُن پر نامِ ایمان لانا چاہئے، اور جبکہ نام مذکور نہیں انکی نسبت صرف یہ اجمالی ایمان کافی ہے کہ اُن قوموں میں بھی خدا کے فرستادہ اور پیغمبر آئے، لیکن یہ تخصیص اُن کے نام نہیں معلوم، وہ قومیں جنکا نام لپٹی ہیں اگر انکی زندگی اور انکی تعلیم نبوت اور رسالت کی شان کے مطابق ہیں، تو انکی نبوت اور رسالت کی طرف رجحان اور میلان بلکہ قرینہ غالب ہو سکتا ہے، لیکن یقین اس لیے نہیں کیا جاسکتا، کہ ہمارے پاس ان باتوں پر یقین کرنے کا ذریعہ صرف وحی محمدیؐ ہی ہے اور وہ اس تخصیص تعین سے خاموش ہے،

اس قسم کے انبیاء جبکہ نام کو قرآن میں مذکور نہیں، مگر وہ انحضرت صلعم کے پہلے گذر چکے ہیں اور اُن کے پڑ انکو اپنے ہاں نبوت و رسالت کا یہ درجہ دیتے ہیں، انکی شناخت اور پہچان کا ایک اصول قرآن نے مقرر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کو **توحید** کی تعلیم دی ہے،

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (نحل - ۵)

اور ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی پرستش کرو اور اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہ پوجو۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنْهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْ (انبیاء - ۲)

اور ہم نے تجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں بھیجا لیکن اُسکو یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں، مجھی کو پوجو،

اس لیے وہ تمام قدیم رہبرانِ انسانی اور رہنمایانِ عالم جو دنیا میں کسی مذہب کو لائے ہوں، اور جنکی تبلیغ اور تعلیم توحید کی دعوت اور بت پرستی سے اجتناب تھی، اور انکی زندگی اس تعلیم کے نمایانِ شان تھی، انکی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اپنی قوم کے اور اپنے وقت کے رسول اور پیغمبر نہ تھے، کہ اتنی بڑی بڑی قومیں خود قرآن کے اصول کی بنا پر انبیاء اور رسولوں کے وجود سے خالی نہیں ہو سکتیں، اس بنا پر اسلام کی ان تلقینات میں سے جبکہ تسلیم کئے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا، ایک یہ ہے کہ وہ تمام ملکوں کے پیغمبروں اور تمام قوموں کے رسولوں کو جو حضرت خاتم نبوت صلعم کے زمانے سے پہلے پیدا ہوئے، یکساں صداقت کیساتھ تسلیم کرے، ان سب نے تمام دنیا کو ایک ہی تعلیم دی ہے، اور وہ

توحید ہے، البتہ ان انبیاء میں سے ایک کو دوسرے پر بعض بعض حیثیتوں سے ترجیح دی،

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ

اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ۚ وَاتَّخَذْنَا عِيسَى

مَرْيَمَ الْبَتُولَ وَلَدَيْنَا مِنْ رُوحٍ الْقُدُسِ (نور: ۳۳)

میرم کو نشانیاؤں میں اور عیسیٰ کی روح سے بننے اسکی تائید کی،

اپنے دوسرے انبیاء کی جائز تعظیم و تحريم یہاں تک کی ہے کہ ان کے مقابلہ میں کبھی کبھی اپنی ہستی بھی فراموش کر دی

ہے، ایک دفعہ ایک صحابی نے آپ کو یا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ "اے بہترین خلق! اگر خطاب کیا، فرمایا وہ تو ابراہیمؑ تھے،

ایک دفعہ ایک صاحب نے دریافت کیا کہ سب سے بزرگ عالی خاندان کون تھا؟ فرمایا یوسف بن یوسف بن یوسف بن خلیل اللہ

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک یہودی مدینہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے موسیٰ کو شہرِ فضیلت دی،

ایک مسلمان کھڑے سُن رہے تھے، اُن کو غصہ آیا کہ ہمارے پیغمبر کی موجودگی میں تم یہ کہہ رہے ہو، اور اسکو ایک تھپڑ کھینچ مارا،

اس نے دربارِ نبوی میں جا کر شکایت کی، آپ نے اُن صحابی کو بلا بھیجا، اور مقدمہ کی روداد سنی، اور نہایت برہم ہو کر فرمایا،

کہ "پیغمبروں میں باہم ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو یعنی ایسی فضیلت جس سے کسی دوسرے نبی کی تنقیص ہو،

یہی وہ تعلیماتِ محمدی ہیں جنکے ذریعہ سے دنیا میں وحدتِ مذاہب، روحانی مساوات، انسانی اخوت، اور تمام

انبیاء اور پیغمبروں کے ادب و احترام کے جذبات پیدا ہوئے، بنی اسرائیل کے وہ پیغمبر جنکو ماننے والے تمام دنیا میں چند

لاکھ سے زیادہ نہ تھے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انکی عظمت و جلالت اور ادب و احترام کرنے والے چالیس کروڑ سے زیا

ہو گئے، وہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ جو پچھ سو برس تک یہودیوں کی جھوٹی تہمت سے رہے تھے، محمد رسول اللہ نے

اگر اُس کو مٹایا، اور اُنکی پائی کی گواہی دی جس کے بدولت آج چالیس کروڑ زبانیں انکی عصمت کی شہادت دے رہی ہیں

ہندوستان، ایران، چین جن کے سچے رہنماؤں کا اُن کے ملک سے باہر کوئی ادب نہ تھا، جہاں جہاں مسلمان گئے انکے

جائز ادب و احترام کو اپنے ساتھ لئے گئے،

وہ عرب جو پیغمبروں کے ناموں تک سے نادان تھے جو نبوت و رسالت کے خصائص کے علم سے محروم تھے، جو انبیاء اور رسولوں کی سیرتوں سے نا آشنا تھے جو ان کے ادب و احترام اور تصدیق و اعتراف سے بیگانہ تھے اور جن کو اپنے دیوتاؤں کے سامنے عیسیٰ بن مریم پر حقیرانہ ہنسی آتی تھی، اور جو حضرت موسیٰ کی فضیلت کا ذکر سنا کر اپنے خضوع کو ضبط نہ کر سکتے تھے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے ان کا یہ حال ہوا کہ وہ ایک ایک پیغمبر کے نام و نشان اور تاریخ و سیرت سے واقف ہوئے، تبرکاً ان کے ناموں پر اپنی اولادوں کے نام رکھے، اور آج تمام مسلمانوں میں وہ نام شائع اور ذائع ہیں، انکی صداقت اور سچائی کی گواہی دی، ان کے ادب و احترام کو اپنے سینوں میں جگہ دی، ان کی تعظیم و تکریم کو اپنے دین و ایمان کا جز بنالیا، دنیا کی کسی قوم میں یہ رواج نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے نام ادب سے لیے جائیں، مگر ایک مسلمان کے لیے لازم ہے کہ جب کسی پیغمبر کا نام لے تو ادب سے لے اور ان پر درود و سلام پڑھے،



کتاب الہی ایمان

و کتبہ

ایک مسلمان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کے صحیفہ وحی پر ایمان لائے، ہر چند یہ عقیدہ پچھلے عقیدہ رسالت کا لازمی نتیجہ ہے۔ یعنی رسول کو رسول مان لیں اور اسکی تعلیمات و وحی کو مان لینے کا مرادف ہے تاہم یہ تصریح اسلئے کی گئی، تاکہ یہ پوری طرح صاف اور واضح ہو جائے کہ رسول کو رسول مان لینے کے بعد اس کے صحیفہ وحی کو مان کر اسکی تعلیمات پر عمل کرنا ضروری ہے، سورہ بقرہ کے شروع ہی میں سچے مومنوں کی تعریف میں کہا گیا،

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمِمَّا
 أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۖ (بقرہ ۸-۱) (اسے محمدؐ اناری گئی) -

کتاب الہی پر ایمان لانے سے مقصود، ان تمام صد اَقْوَن اور حکمون کو بجاں دل قبول کرنا ہے جو اس میں مذکور ہیں، یہ گویا پوری شریعت مطہرہ کے قبول کر لینے کی مختصر ترین دفعہ ہے، اور اس لیے ایمانیات کی بہت سی دوسری باتیں جنکی تفصیل ہر موقع پر ضروری نہیں، اس ایک فقرہ کے تحت میں آجاتی ہیں، اس لئے قرآن پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ قرآن میں علیٰ ولی، عقائد و عبادات و احکام کی باتیں ہیں ان سب کو بے کم و کاست ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اگر کوئی سرے سے انکو تسلیم ہی نہیں کرتا، تو انکی تعمیل پیروی کا اس سے کیونکر مطالبہ ہو سکتا ہے؟ اسی بنا پر اس کی تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان الفاظ میں فرمائی ہے کہ بِمَا جِئْتُ بِهِمْ جُحُودًا یُکْرَی اُس پر ایمان لاؤ، قرآن نے کہا،

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ ۖ (محمد ۱) اور جو ایمان لائے اُس پر جو محمدؐ پر اتارا گیا،

لیکن قرآن اگر اتنا ہی کتنا کہ میرے پیرو صرف مجھ پر ایمان لائیں، تو یہ کوئی اہم بات نہوتی کہ ہر صاحب مذہب کی ہی تعلیم ہوتی ہے، قرآن نے اپنے عقائد کی اس دفعہ میں بھی اپنے تکمیل پہلو کو پیش نظر رکھا اور قرار دیا کہ اہل قرآن ان کے ساتھ ہی دوسری آسمانی کتابوں کی صداقت کو بھی تسلیم کریں یعنی کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب صحیفہ محمدی کے ساتھ ساتھ دوسرے پیغمبرین کے صحیفوں کو بھی من جانب اللہ تسلیم نہ کرے، چنانچہ سورہ بقرہ کے شروع والی مذکورہ آیت کے ساتھ یہ بھی فرمایا

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ
مِنْ قَبْلِكَ (بقرہ ۲-۱)

اور جو ایمان لائے اور جو تجھ پر اترا اور جو تجھ سے پہلے

اترا،

پھر اسی سورہ کے آخر میں فرمایا،

أَمِنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ
كُلٌّ أَمِنَ بِاللَّهِ وَمَلِكِهِ كُتِبَ

رسول ایمان لایا اور جو خدا کی طرف سے اُس پر اترا، اور اہل ایمان

بھی ہر ایک خدا پر اُس کے فرشتوں پر، اور اس کی کتابوں پر

(بقرہ ۲-۴۰)

ایمان لایا،

بقرہ کی آیتوں میں بعض انبیاء علیہم السلام کی تفصیل اور بقیہ تمام انبیاء کا اجمالی ذکر کر کے ان کی کتابوں اور وحیوں کی تصدیق کا حکم دیا گیا ہے،

قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ
إِلَىٰ آبَائِهِمْ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ
وَأَلَسَابَاطَ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ
النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ (بقرہ ۲-۱۷)

اے مسلمانو! تم کہو کہ ہم خدا پر، اور جو کچھ ہماری طرف اترا

گیا اُس پر اور جو کچھ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور

یعقوب کی طرف اترا گیا اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ اور جو کچھ ابراہیم

پر نبیوں کو ان کے رب سے دیا گیا، ہم ان سب پر ایمان لائے

آل عمران میں کسی قدر اور تفصیل ہے،

قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَىٰ

کہہ کہ ہم خدا پر، اور جو کچھ ہم پر اترا گیا اُس پر اور جو کچھ ابراہیم

ابراہیمؑ و اسماعیلؑ و یعقوبؑ و اسحاقؑ اور خاندانِ یعقوب پر آمارا

وَمَا أَوْفَىٰ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ نِعْمَتِي

گیا، اُس پر اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اُس پر اور دوسرے

سورہ نسا میں اُس پر ایمان لانے کے حکم کیساتھ اُس کے انکار کو کفر قرار دیا گیا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ

اے وہ لوگو جو ایمان لاپکے ہو، ایمان لاؤ خدا پر اُس کے رسول

وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ

پراور اُس کتاب پر جو اُس نے اپنے رسول پر اتاری، اور اُس

الَّذِي أَنزَلَ مِنْ قَبْلُ، وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ

کتاب پر جو پہلے اتاری، اور جس نے خدا کا اور اُس کے فرشتوں

وَمَلَائِكَتِهِ وَكِتَابِهِ..... فَقَدْ ضَلَّ

کا اور اُسکی کتابوں کا انکار کیا..... وہ نہایت

ضَلَالًا بَعِيدًا. (نساء-۲۰) گمراہ ہوا،

سورہ مومن میں ان منکروں کو عذاب کی بھی دھمکی دینی ہے جو کسی پیغمبر کے پیغام کی بھی تکذیب کریں

الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ وَبِمَا أَرْسَلْنَا بِهِ

رُسُلَنَا، فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ، إِذَا الْأَغْطَالُ فِي

كُنُوزِهِمْ أَسْفَلًا، فَكَفَىٰ بِالْمُنَافِقِ

اَعْتَادَ قِصْمًا وَالشَّالِيلُ لِيُصْحَبُونَ (مومن-۸)

میں طوق اور زنجیریں ہونگی اور وہ کھینچے جائیں گے،

نام کی تخصیص کیساتھ قرآن پاک میں چار آسمانی کتابوں کا ذکر ہے، تورات جسکو ایک جگہ صُحُفِ مُوسَىٰ بھی

کہا گیا ہے، (اعلیٰ ۲) اور حضرت داؤد کی زبور اور حضرت عیسیٰ کی انجیل اور خود قرآن اُن کے علاوہ ایک موقع پر

صُحُفِ اِبْرَاهِيمَ کا بھی تذکرہ ہے،

إِنَّ هَذِهِ أَلْفَىٰ الصُّحُفِ الْأُولَىٰ صُحُفِ اِبْرَاهِيمَ

یہ باتیں گزشتہ صحیفوں میں بھی ہیں، ابراہیم اور موسیٰ

و موسیٰ، (اعلیٰ-۲) کے صحیفوں میں،

ان کے ماسوا اجمال کے ساتھ دو موقعوں پر گزشتہ آسمانی کتابوں اور صحیفوں کے الفاظ ہیں،

اَوَلَمْ نَأْتِهِمْ بِبَيِّنَةٍ مَّا فِي الصُّحُفِ الْاُولَىٰ، کیا اگلے صحیفوں میں جو کچھ ہے، اوس کی گواہی اذن کو

نہیں پہنچی؟

(طہ-۸)

وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْاَوَّلِينَ، (شعراء-۱۱) اور بے شبہ یہ پہلوں کی کتابوں میں مذکور ہے،

اس بنا پر انبیاء کی طرح ان کتابوں پر بھی اُسی طرح تفصیل اور اجمالی ایمان ہر مسلمان کا ہے، جن کتابوں کے نام مذکور ہیں ان پر ناموں کیساتھ اور جن کے نام مذکور نہیں ان پر بالاجمال ایمان ضروری ہے، کسی قوم میں اگر کوئی ایسی آسمانی کتاب ہے جس کا وجود قرآن سے پہلے ہے، اور اس کا تصریحی نام قرآن میں مذکور نہیں، اور انہیں توحید الہی کی دعوت اور طاغوت سے بچنے کی نصیحت ہے، تو اگرچہ ہم اوسکو تصریح خدا کی کتاب قبول نہیں کر سکتے تاہم بالانصریح اوسکو رد بھی نہیں کر سکتے، اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو، اور نہ مکتذب، یہی حال دوسری مشکوک کتابوں کا ہے،

یہود، توراة کے سوا کچھ نہیں مانتے، عیسائی توراة کے احکام کو نہیں مانتے لیکن اوسکی اخلاقی نصیحتوں کو قبول کرتے ہیں، مگر انجیل سے پہلے کی دوسری زبانوں اور ملکوں کی آسمانی کتابوں کی نسبت مسلمانوں کی طرح ادب اور احتیاط کا پہلو بھی اختیار نہیں کرتے، پاری اور ستاکے باہر خدا کے کلام ہونے کا شہ بھی نہیں کر سکتے اور برہمن یدوں کے باہر خدا کے فیضان کا تصور بھی نہیں کر سکتے، لیکن قرآن پر ایمان لانے والا مجبور ہے کہ صحیفہ ابراہیم، توراة، زبور اور انجیل کو خدا کی کتابیں یقین کر لے اور دوسری پیشتر کی آسمانی کتابوں کی ضمنی آسمانی تعلیمات کی خصوصیتیں پائی جاتی ہوں، مگر مذہب نہ کرے، اگر ان کا کتب الہی ہونا ممکن ہے، حقیقت میں اسلام کی تعلیم دنیا کے تمام انسان تعلیمات میں سے ہے، جس کا وجود کسی دوسرے مذہب میں نہ تھا، یہ رواداری، بے تعصبی اور عام انسانی اخوت کی سب سے بڑی تعلیم ہے، یہودی اپنی کتاب کو چھوڑ کر تمام دوسری آسمانی کتابوں سے انکار کر کے بھی نجات کا منظر دیکھتا ہے، عیسائی توراة اور تمام دوسرے صحیفوں کا انکار کر کے بھی آسمانی بادشاہی کا متوقع ہو سکتا ہے، پاری اور ستاکے سوا دوسری زبان کی کتابوں کو باطل مانکر بھی مینو، چنڈ، کاسٹھاق پیدا کر سکتا ہے، ہندو اپنے ویدوں کے سوا دنیا کی ہر آسمانی کتاب کو جمل و فریب مانکر بھی آواگون سے

لے چھوڑی
کتاب التوحید
حدیث الاطوار
فیہ سورۃ بقرہ

نجات حاصل کر سکتا ہے، بودھ مت والے اپنے سوا تمام دنیا کی حیوان کا انکار کر کے بھی نروان کا درجہ حاصل کر سکتے ہیں، مگر مسلمان جب تک قرآن کے ساتھ تمام دنیا کی آسمانی کتابوں کو منجانبِ اشدّہ تسلیم کریں جنت کے مستحق نہیں ہو سکتے۔
 یہ تعلیم صرف نظریہ کی حیثیت نہیں رکھتی، بلکہ عملاً اس پر اسلامی حکومت کے قوانین اور احکام مبنی ہیں، یہی لوگ کی نظر میں دنیا میں صرف دو ہی قومیں ہیں، بنی اسرائیل اور غیر بنی اسرائیل یا اسرائیل کا گھرانہ اور غیر قومیں یا مخمٹوں اور غیر مخمٹوں اور انھیں دونوں تقسیموں پر ان کے قانون کی بنیاد ہے، عیسائیوں میں مذہبی حیثیت سے مسیحی اور یہود اور بدست گو تین قومیں مانی جاتی ہیں، مگر چونکہ ان کے مذہب میں قانون نہیں اس لیے وہ اکثر امور میں رومن لاکے ماتحت رہے ہیں، لیکن رومن عیسائیوں میں بھی ملکی حیثیت سے دو ہی تقسیمیں ہیں، رومی اور غیر رومی، اور ایک رومی ملک میں غیر رومی کا کوئی حق نہیں، کہ رومی حکومت کے لیے اور غیر رومی غلامی کے لیے پیدا ہوا ہے، پارسیوں میں پاک نژاد ایران، اور بیرونی لوگ دنیا کی دو ہی حیثیتیں ہیں، ہندوؤں میں، اونچی ذاتیں اور اچھوت اور پٹھ قوموں کی دو ہی صورتیں ہیں،

مگر اسلام کے اسی عقیدہ کی بنا پر آنحضرت صلم نے قانون کی حیثیت سے دنیا کی قوموں کو چار حصوں میں تقسیم فرمایا، اور ان کے علاحدہ علاحدہ حقوق قرار دیئے، اور اسلام کی تیرہ صدیوں میں ان پر برابر عمل ہوتا رہا، یہ تقسیم حسب ذیل ہیں،

۱۔ مسلمان جو قرآن اور دوسری آسمانی کتابوں کو کتابِ الہی یقین کرتے ہیں، ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کا بھائی، اور ہر اچھائی اور برائی میں وہ ایک دوسرے کا شریک ہے، وہ آپس میں ایک دوسرے سے شادی بیاہ کر سکتے ہیں، اور ایک دوسرے کے ہاتھ سے ذبح کئے ہوئے جانور کھا سکتے ہیں، اور اسلام کی سلطنت میں ان کے حقوق یکساں ہیں،

۲۔ اہل کتاب، یعنی ان کتابوں کے پیرو جنکے نام قرآن میں مذکور ہیں، یا یوں کہو کہ جو قرآن کو گو

آسمانی کتاب نہیں مانتے، مگر ان کتابوں میں سے جنکا نام قرآن میں مذکور ہو کسی کو وہ آسمانی کتاب مانتے ہیں، وہ

اپنی حفاظت کا مالی گیس (جزیہ) ادا کر کے اسلامی حکومتوں میں رہ سکتے ہیں، ان کے معابد اور مذہبی عمارتیں محفوظ رہیں گی، ان کو اپنے مذہب کے بدلے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، ان کی جان و مال اور عزت کے مسلمان محافظہ کریں گے، ان کی عورتوں سے مسلمان نکاح کر سکتے ہیں اور ان کے ہاتھ کا زنج کیا ہوا جانور کھا سکتے ہیں، ان کا جائز کھانا کھا سکتے ہیں، اور ہم اپنا کھانا ان کو کھلا سکتے ہیں،

۳۔ شبہ اہل الکتاب یعنی وہ لوگ جو قرآن اور تورات و انجیل و زبور کو نہیں مانتے، مگر وہ خود اپنے لیے کسی آسمانی کتاب پر ایمان لانے کے مدعی ہیں جیسے صابئی جو ایک آسمانی کتاب کے دعویٰ کے باوجود ستاروں کو پوجتے تھے، اور مجوس یعنی پارسی جو ایک آسمانی کتاب کا دعویٰ کرتے ہیں اور ساتھ ہی سوچ اور گ اور دیگر مظاہر قدرت کی پرستش کرتے ہیں، ہندوستان اور ہندو کے موقع پر علماء اسلام نے انھیں پتیلیں کر کے ہندوؤں اور بودھوں وغیرہ کو بھی اسی صفت میں داخل کیا، مسلمان ان کی عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے اور ان کا بیچہ نہیں کھا سکتے، ان دو باتوں کے علاوہ اہل کتاب کے بقیہ تمام حقوق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عطا کئے، وہ اسلامی حکومتوں میں ادا جزیہ کے بدلہ ہر قسم کے ملکی حقوق میں شریک ہیں، ان کی جان و مال و آبرو اور ان کے معبود کی حفاظت اسلامی حکومتوں کا فرض ہے،

۴۔ کفار اور مشرکین، جنکے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے اور نہ وہ کسی نبی الہی کی طرف منسوب ہیں، ان کو خدا شرائط کیساتھ منہ یا جاسکتا ہے لیکن حقوق کے حصول کیلئے ان کو کہا جائیگا کہ وہ کسی نہ کسی آسمانی دین کے اندر اپنے کو داخل کر لیں جیسا کہ ابتدائی عباسیوں کے زمانہ میں خراسانی عراقیوں نے اپنے کو صابیون میں داخل کر کے اپنے لیے حقوق حاصل کیے، اس تفصیل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم نے دنیا میں امن و امان اور مسلمانوں میں مذہبی داری کے پیدا کرنے میں کتنا عظیم الشان حصہ لیا ہے، یہی وہ نظریہ تھا جس نے مسلمانوں کو ان کی اپنے مذہبی عقائد و سرایت کی سخت پیروی کے باوجود دنیا کی دوسری قوموں کیساتھ مشارکت اور میل جول کیلئے آمادہ کیا، اور مجوسیون، صابیون، یہودیون، عیسائیون اور ہندوؤں کیساتھ مل کر مختلف ملکوں میں ان ملکوں کے مناسب مختلف تمدنوں کی بنیاد رکھنے کی قوت پیدا کی،

وحدۃ الادیان | تمام رسولوں اور ان کے صحیفوں کی تصدیق کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ محمد رسول اللہ کی تعلیم یہ ہو کہ آدم سے لیکر محمد علیہا السلام تک جتنے سچے مذاہب خدا کی طرف سے آئے وہ سب ایک تھے، چنانچہ درحقیقت آپ کی تعلیم یہی تھی، اسلام اویسی ایک مذہب کا نام ہے جو آدم سے محمد علیہا السلام تک باری باری سے پیغمبروں کے ذریعہ آتا رہا اور انسانوں کو اس کی تعلیم دیتا رہی،

صحیفہ محمدی نے ہمارے سامنے دو لفظ پیش کئے ہیں، ایک **دین** اور دوسرا **شرعہ** اور منک اور منہج شرعہ اور منہج کے معنی راستہ کے ہیں اور منک کے معنی طریق عبادت کے ہیں، دنیا میں یہ راز سب سے پہلے محمد رسول اللہ صلیم کے قلب پاک پر منکشف ہوا کہ دین الہی ہمیشہ ایک تھا، ایک رہا اور ایک رہیگا، نوید معرفت ایک ہے، خواہ وہ کتنی ہی مختلف شکل و رنگ کی قدیلوں میں روشن ہو، اصل دین میں تمام پیغمبروں کی تعلیم یکساں تھی، ایک ہی دین تھا جس کو لے کر اول سے آخر تک تمام انبیاء آتے رہے، اُن میں زمان و مکان کے تغیر کو کوئی دخل نہیں اور نہ قوم و ملک کے اختلاف سے اُن میں کوئی اختلاف ہوا، وہ ہر زمانہ میں اور ہر مقام میں یکساں آیا، اور وہ ان کے پیغمبروں نے اُن کی یکساں تعلیم دی، یہ دائمی حقیقت اور یکساں تعلیم کیا ہے؟ یہ مذہب کے اصل اصول ہیں یعنی خدا کی ہستی، اویسی توحید، اُس کے صفات کا ملہ انبیاء اور مرسلین کی بعثت، خدا کی خالص عبادت، حقوق انسانی اور اخلاق اچھے اور برے اعمال کی باز پرس اور جزا و سزا، یہ تمام مذاہب کے وہ بنیادی امور ہیں، جن پر عمل مذاہب حقہ کا اتفاق ہے، اگر ان میں کسی جہت سے کوئی اختلاف ہو تو یا تو طریقہ تعبیر کی غلطی ہے، یا باہر سے اگر اُس تعلیم میں کوئی نقص پیدا ہو گیا ہی

دوسری چیز جس کو آنحضرت صلیم کی زبان وحی ترجمان نے شرعہ، منہج اور منک کہا ہے، وہ جزئیات احکام اور متفقہ حصول مقصد کے جدا جدا راستے ہیں جو ہر قوم و مذہب کی زمانی و مکانی خصوصیات کے سبب سے بدلتے رہے ہیں، مثلاً عبادت الہی ہر مذہب کا جزو لازم ہے، لیکن طریق عبادت میں تھوڑا تھوڑا اختلاف ہر مذہب میں موجود ہے عبادت کی کوئی خاص سمت ہر مذہب میں ہے، مگر وہ سمت ہر مذہب نے اپنی اپنی مصلحت سے الگ مقرر کی ہے، اسی طرح اعمال فاسدہ کا انسداد ہر مذہب کا متفقہ نصب العین ہے، مگر اس انسداد کے راستے اور طریقے جدا جدا ہیں، جن

یہ راستے اور طریقے مختلف پیغمبروں کے زمانوں میں اگر اصلاح اور تبدیل کے قابل پائے گئے، تو بدلتے رہے، مگر اصل دین جو ازلی سچائی اور ابدی صداقت ہے، ناقابل تبدیل اور ناقابل تغیر رہا ہے،

انبیاء علیہم السلام کا دنیا میں وقتاً فوقتاً ظہور اسی ضرورت سے ہوتا رہا کہ وہ اسی ازلی و ابدی صداقت کو ہمیشہ ہل دنیا کے سامنے پیش کرتے رہیں اور دین کو اپنے اصل مرکز پر ہمیشہ قائم رکھیں اور ساتھ ہی اپنی اپنے قوم و ملک اور زمانہ کے مطابق خاص احکام اور جزئیات جو ان کے لیے مناسب حال ہوں وہ ان کو بتائیں اور سکھائیں۔

انبیاء کے سوانح پر نظر کرنے سے اسکی پوری تصدیق ہوتی ہے کہ ایک صاحب شریعت نبی کے بعد دوسرا صاحب شریعت نبی اُسی وقت مبعوث ہوا ہے جب اسکا صحیفہ وحی جو اُس کے دین و شریعت کا حافظہ ہوتا ہے، کھو گیا ہے، یا اسکی ہاتھوں کے دست برد سے ایسا بدل گیا ہے، کہ اصلیت مشتبہ ہو گئی ہے، صحیفہ ابراہیم کے گم ہو جانے کے بعد جبکہ نہایت ناقص خلاصہ تورات کے سفر تکوین میں ہے، صحیفہ موسیٰ نازل ہوا، صحیفہ موسیٰ کے اختلافات کو دور کرنے کے لیے زبور وغیرہ مختلف صحیفے آتے رہے، پھر انکی تکمیل کے لیے نخل آئی، اور نخل میں انسانی تصرفات کے راہ پانے کے بعد قرآن آیا، اور چونکہ وہ دنیا کے آخر تک کے لیے آیا، اس لیے ہر تحریف اور انسانی تصرف سے انکی حفاظت لگی گئی، اور قیامت تک کی جائیگی، اسی لیے اُس کے بعد کسی اور صحیفہ کی ضرورت نہیں، اور نہ کسی پیغمبر کی بعثت کی حاجت، البتہ اُس کے معانی کی صحیح تشریح اور بدعات و احداثات کے انسداد کے لیے ائمہ خلفاء، مجددین، مخدثین اور علمائے راہنہ پیدا ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے، اور انکی اصلاح کی صداقت کی پہچان سنت محمدی کا احیاء اور بدعات کا قلع و قمع ہے،

اب ہم کو پھر اوپر سے چلنا ہے، اور اپنے ایک ایک دعویٰ کو وحی محمدی کی روشنی میں دیکھنا ہے
”وحدت دین کی حقیقت کو وحی اسلامی کے آخری ترجمان نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔“

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي
أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا يَمًّا (ابراہیم و موسیٰ)
مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا
اور جو ہم نے حکم بھیجا تم کو اور جو ہم کیا ہم نے ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو، یہ کہ ”دین کو قائم رکھو اور اُس میں تفرق نہ ڈلو،“

فِيهِ مَا كُتِبَ عَلَى الْمُنَافِقِينَ، مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ
 اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ
 يُنِيبُ، وَمَا تَقْرُؤُوا إِلَّا مِنْ قَبْدِ مَا جَاءَ هُمْ
 بِالْعِلْمِ بَعِيَا تَبَيَّنَ لَهُمْ وَلَوْ كَلِمَةً سَبَقَتْ مِنْ
 رَبِّكَ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى لَّتَقَضَىٰ بَيْنَهُمْ وَإِنَّ
 الَّذِينَ أُورِثُوا الْكُتُبَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ
 مُرِيبٍ، فَلِذَاكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ
 وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَقُلْ أَمَنْتُ بِمَا
 أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كُتُبٍ، وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ
 اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلكُمْ أَعْمَالُكُمْ
 لَا حِجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا
 إِلَيْهِ الْمَصِيرُ،

(شوریٰ: ۲۰)

مشرکوں کو جبراً تو بلاتا ہے وہ اُن پر گراں گذرتا ہے، خدا اپنی طرف
 جسکو چاہتا ہے چن لیتا ہے، اور اپنی طرف اسکو راہ دیتا ہے جو راہی
 طرف رجوع ہوتا ہے، اور یہ تفرقے انہوں نے وحی کے علم حقیقی
 ملنے کے بعد آپس کی ضد و تعصب سے پیدا کئے، اور اگر تیرے
 رب کی طرف سے ایک بات وقت مقررہ تک کے لیے نہ ہو چکی
 ہوتی، تو تو کشفِ حقیقت کر کے، ان کے اختلافات کا فیصلہ
 کر دیا جاتا، اور جنگوں ان اگلوں کے بعد کتاب وراثت میں ملی،
 وہ اس امر حق کی طرف سے ایسے شک میں ہیں جو ان کو یقین
 نہیں پہنچتا، تو سب کو اسی حقیقت کی طرف بلا، اور اسی پر
 استواری سے قائم رہ، اور ان تفرقہ اندازوں کی غلط خواہشوں
 کی پیروی نہ کرو، اور کہہ کہ میں ایمان لایا ہوں کتاب پر جو خدا نے
 اتاری، اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں تمہارے بیچ میں انصاف کروں
 ہمارا رب اور تمہارا رب ہی ایک اللہ ہے، ہر کام کا بدلہ دے گا، تو

ان آیات مبارکہ میں کس خوبی کے ساتھ اس حقیقت کے چہرہ سے پردہ اٹھایا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے، کہ وہی
 ایک **وین** ہے جو نوح کو، ابراہیم کو، موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور تم کو اسے محمد (صلوات اللہ علیہم) عطا کیا گیا ہے، اگلوں کے
 بعد پھیلون نے جنگوں کی کتاب ملی، اپنے ذہنی تحریفات اور دینی تصرفات سے اس میں تفرقے پیدا کئے، اور آپس کی ضد اور
 تعصبات سے الگ الگ فرقہ داری کی راہیں نکالیں، پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اس وحدتِ دین کی حقیقت کا یقین
 اہل کتاب کو نہیں، حالانکہ وہ شکوک و شبہات کے دلدل میں پھنسے ہیں، پھر حکم ہوتا ہے کہ اسے محمد رسول اللہ! تو اس
 حقیقت کی طرف لوگوں کو بلا، اور استواری کے ساتھ اپنی اس دعوت اور دعویٰ پر قائم رہ، اور یہ اعلان کر دے کہ میرا مسلک

یہ ہے کہ خدا کی طرف سے جو کتاب بھی دنیا میں آئی میں اس کی صداقت کو تسلیم کرتا ہوں، اور تم اسے اہل کتاب جو مختلف فرقوں اور مذہبوں میں بٹے ہو، اُن کیساتھ انصاف کرو، یعنی جیسا جو سچائی ہے اس کو قبول کرو، یا معاملات میں اُن کے ساتھ عدل انصاف کرو، پھر فرمایا ہمارا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے، دونہیں ہے، اگر اتحاد چاہو تو اس نقطہ پر ہم تم متحد ہو سکتے ہیں، البتہ ہمارے اور تمہارے راستوں میں جو اختلاف ہے اس کے ذمہ دار ہم اور تم خود ہیں، ہمارے کام کے تم جوابدہ نہیں، اور تمہارے کام کے ہم نہیں، اب ہمارے تمہارے درمیان کوئی یہاں جھگڑا نہیں،

اسی وحدت کی دعوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی نے ایک اور آیت میں دی،

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ
أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا
وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ
فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ
اے کتاب والو! آؤ، ہم تم ایک بات پر جو ہمارے تمہارے
درمیان یکساں ہے، متفق ہو جائیں، وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا
کسی کی پرستش نہ کریں، ورنہ کسی کو اس کا شریک بنائیں، اور نہ
اپسین ایک ایک کو خدا کو چھوڑ کر رب بنائیں، اگر وہ اس کو قبول
کریں تو کہہ دے کہ تم گواہ ہو کہ ہم حکم الہی کے تابع مسلم ہیں،
(ال احقران - ۷)

یہود و نصاریٰ جنہوں نے اپنی فرقہ داریوں سے اصل دین میں تفریق پیدا کر دی تھیں، اُن کی طرف اشارہ

کر کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا،

إِنَّ الَّذِينَ فَتَرُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شُعَبًا لَسْتُ
مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ، إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ
يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ، (انعام - ۲۰)
بیشک وہ جنہوں نے اپنے دین میں الگ الگ راہیں نکالی
اور کئی فرقے ہو گئے، تجھ کو اُن سے کوئی کام نہیں، ان کا کام اللہ
حوالہ ہے، وہی اُن کو بتا دے گا جیسا کچھ وہ کرتے تھے،

پھر دونوں کو اس کے بعد ہی اصل دین پر ہم ہوا براہیم کا تھا، اس کی دعوت دی گئی،

قُلْ إِنِّي هَدَىٰ رَبِّي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ، دِينًا
رَبِّكَ إِلَهُ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا، وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (انعام)
اے محمد! کہ مجھے میرے خدا نے سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کی جو دین صحیح
ہے، ابراہیم کی ملت، اور وہ ابراہیم، مشرکوں میں سے نہ تھا

غرض اسلام وہ دین قیم ہے جو ہمیشہ سے انبیاء کا دین رہا، اور موجودہ دین اسلام یہود و نصاریٰ کی تحریفات اور تصرفات اور فرقہ پروریوں کو مٹا کر اسی ایک متحدہ دین کی پکار ہے، جسکی طرف انبیاء اپنے اپنے زمانوں میں ہمیشہ لوگوں کو پکارتے رہے، اسی لیے اکثر انبیاء علیہم السلام کے ناموں کو گنہانے کے بعد محمد رسول اللہ صلعم کو یہ ہدایت فرمائی گئی،

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَّاهُمْ أَقْبَدُوا ۖ

یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی، سو تو انھیں

(انعام - ۱۰) کی راہ چل،

بعض اسلامی حدود و شرائع کی تشریح کے بعد فرمایا گیا،

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَجْمَعًا وَيُطَهِّرَ كُفْرًا ۚ

خدا چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے بیان کرے اور تم کو ان کے راستے دکھائے جو تم سے آگے تھے،

(نساء - ۵)

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام اپنے حدود و شرائع میں بھی اگلے پیغمبروں کی تعلیمات کیساتھ اتحاد رکھتا ہے اور یہ

امرواقد ہے، جو لوگ قرآن کا اسیلے انکار کرتے تھے کہ یہ کوئی الگ صحیفہ ہے، ان سے یہ کہا گیا،

إِنَّ هَٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ، صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ

بے شبہ یہ بات، اگلے صحیفوں میں تھی یعنی ابراہیم اور

وَمُوسَىٰ، (اعلیٰ - ۱) موسیٰ کے صحیفوں میں،

ایک اور آیت میں کہا گیا،

وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ (شعرا - ۱۱)

اور میں پہلے پیغمبروں کی کتابوں میں تھا،

ابن مقام پر یہ فرمایا گیا،

مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ

(اے محمد) تجھ سے (اس کتاب میں) وہی کہا گیا ہے، جو

(حجۃ السجدہ - ۵)

تجھ سے پہلے پیغمبروں سے کہا گیا،

اس اعلان میں یہ ظاہر کر دیا گیا کہ محمد رسول اللہ صلعم کو وہی کہا گیا جو اگلے پیغمبروں سے کہا جا چکا تھا، ان معنوں

میں قرآن کوئی نئی دعوت لیکر نہیں آیا، بلکہ اسی پرانی دعوت کی یہ تکرار ہے، جس کی آواز دنیا سے گم ہو چکی تھی یا بگنی تھی

اگر ستر ہے تو اجمال تفصیل یا نقص تکمیل کا، کہ اسلام گذشتہ اجمال کی تفصیل اور دین سابق کی تکمیل ہے،

اس لیے اسلام یہ ہے کہ اس پر یقین کیا جائے کہ وحی کے آغاز سے آخر تک ایک ہی پیغام تھا جو آتا رہا، اور ایک ہی دین تھا جو سکھایا جاتا رہا، اور ایک ہی حقیقت تھی جو دہرائی جاتی رہی، لیکن وہ بار بار انسانوں کے نسیان و تغافل اور تصرف و تحریف سے بدلتی اور گم ہوتی رہی، اور آخری دفعہ دنیا کے کمالِ بلوغ کے زمانہ میں وہ پوری حفاظت کے وعدہ کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مفصل اور کامل ہو کر نازل ہوئی، اور وہ قیامت تک محفوظ باقی رہیگی،

دوسری جیسے جس کی مذہب میں ثانوی حیثیت ہو، اور جو اصل مقصد نہیں، ذریعہ ہے، وہ بدلتی رہتی ہے، اور محمدی تک بدلتی رہی ہے، اُس کا نام شرعہ، ہنہج، اور منک ہے، یہودیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض تھا کہ وہ یہودی شریعت کے جزئیات میں کیوں تبدیلی کرتے ہیں، قرآن نے اس کے جواب میں یہی ہمیشہ کہا کہ یہ مقصد نہیں فرارِ بلع اصول نہیں ذریعہ ہیں، ہر قوم کی مناسبت سے ان میں تغیر ہوتا رہا ہو، اور ہوتا رہیگا، اسکی ایک مثال قبلہ ہے کہ مقصد اصلی نماز ہے اور ساتھ کا تعین ایکنے عی اور ثانوی چیز ہو، حضرت اود کی اولاد بنی اسرائیل کو اپنی آبائی مسجد (بیت المقدس) سے گرویدگی تھی، وہ انکا قبلہ بنی اسرائیل کی عبادت کو اپنی مرکزی مسجد (کعبہ) کی وہی دہائی اور لگاؤ تھا، ایسے یہ انکا قبلہ بنی، چنانچہ قرآن نے تعین قبلہ کے موقع پر کہا:-

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّیُّهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ (۱۸-۱۷)

اور ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے جو ہر وہ منہ کرتا ہے، سو تم نیکیوں کی طرف سبقت کرو،

یعنی سمتوں اور جہتوں کی تعین کو اہمیت کی چیز نہ سمجھو، بلکہ نیکیوں کو اصلی اہمیت دو، اسی لیے فرمایا:-

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ

وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ (۲۱-۱۷)

ہے کہ جو ایمان لائے (اور دوسرے نیک کام کرے)

اسی طرح خانہ کعبہ کا حج یہودیوں میں نہ تھا، اسلام نے جب اسکو رائج کیا تو کہا ہر مذہب نے اپنے لیے عام مذہبی

اجتماع اور قومی عبادت کے لیے کوئی نہ کوئی طریقہ مقرر کیا ہے، اسلام نے خانہ کعبہ کے حج کو اس کے لیے متعین کیا،

كُلُّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا

ہر قوم کے لیے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ بنایا کہ قوم

يُنَاذِرُكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَى رَبِّكَ ۚ إِنَّكَ
لَعَلَّ هُدًى مُسْتَقِيمٍ ۚ وَإِنْ جَادَلُوكَ فَقُلْ اللَّهُ
أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ (رح- ۹)

کے لوگ اُس طرح بندگی ادا کرتے ہیں، سو اس بات میں وہ تجھے
بھگاڑانہ کریں، تو اپنے رب کی طرف بلائے جا، تو بیشک سوچھ کی
سیدھی راہ پر ہی، اور اگر وہ تجھ سے بھگاڑنے لگیں تو کہہ دے کہ اللہ

جانتا ہے جو تم کرتے ہو،

سورہ مائدہ میں عدل انصاف اور قانونی جزا و سزا کے طریقوں کے ضمن میں اُن یہودیوں اور عیسائیوں کو جنہوں نے
اسلام قبول نہیں کیا، یہی کہا کہ وہ اپنی اپنی کتابوں ہی کے احکام پر عمل کریں، جنکو وہ چھوڑ بیٹھے ہیں،
پہلے یہودیوں کو کہا،

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ
بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا
وَالرَّبَّابِيُّونَ الْخَبِيرُونَ اسْتَخَفُّوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا
عَلَيْهِ شُهَدَاءَ (مائدہ- ۷)

ہم نے تورات اتاری، اُس میں ہدایت اور روشنی تھی، پیغمبروں کو ملے
تھے وہ یہود کا فیصلہ کرتے، اور اُن کے عالم اور فقیر کہ ان کی
کتاب پر وہ نگہبان تھے، اور وہ تھے اوس پر
خبردار،

عیسائی شریعت کی نسبت کہا،

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَآيَاتِنَا الْإِنْجِيلُ
فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
مِنَ التَّوْرَةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ۚ
يَحْكُمُ أَهْلَ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ ۚ

اور ہم نے ان پیغمبروں کے پیچھے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا پچ
بتاتا ہوا اور اسکو جو اُس کے پہلے تھا یعنی تورات، اور ہم نے اسکو
انجیل دی، اس میں ہدایت اور روشنی، اور تصدیق کرتی ہوئی آیتیں
سے پہلے کی یعنی تورات کی، اور ہدایت اور نصیحت پر مبنی کاروں
کے لیے، اور چاہیے کہ انجیل دے اُسے اوس کا حکم دین جو
اُس میں اترا، (مائدہ- ۷)

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے،

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ

اور ہم نے تیری طرف یہ کتاب سچائی کیساتھ اتاری، جو اپنے پہلے

کی کتاب کی تصدیق کرتی ہو، اور امانت کیساتھ اُس پر مثال ہو

سوتو اُن کے درمیان اُسکے مطابق فیصلہ کر جو خدا نے اُنار اؤ

تیرے پاس جو سچائی آئی ہے اُسکو چھوڑ کر انکی خواہشوں کی پیروی

عَمَّا كَانَتْ مِنْ الْحَقِّ، (مائتہ ۷)

دیکھو کہ کس غوی کے ساتھ صحیفہ محمدی نے اگلی کتابوں کی تصدیق اور مدح و تعریف کی، اور اُن اہل مذاہب کو

جو اسلام پر ایمان نہیں لائے اپنی اپنی کتب منزلہ پر عمل کرنے کی دعوت دی، اور پھر یہ دعویٰ کیا کہ قرآن تمام گذشتہ

کتابوں پر امین و محافظ بنکر آیا ہے، اور اُس میں ان سب کتابوں کی سچائیاں یکجا ہیں، لیکن ان لوگوں نے اپنی

کتابوں کو چھوڑ کر اہواء (غلط خواہشوں) کی پیروی شروع کر دی، یہ اہواء کیا ہیں، کتاب الہی میں تحریف و تصرف

کے آسانیاں پیدا کرنا اور احکام الہی کے مقابلہ میں انسانی اجتہادات کی آمیزش (تَوِيلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ

يَأْتِدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ، "افسوس ہے اُن پر جو اپنے ہاتھوں سے کتاب بناتے ہیں، پھر

کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے" (بقرہ - ۹) آنحضرت صلعم کو حکم ہوتا ہے کہ اپنی شریعت الہی کو چھوڑ کر اُن اہل

کتاب کی اہواء کی پیروی نہ کر، اس کے بعد حدود و چیز اور نماز میں ان خفیف اختلافات اور تبدیلی کو جو تورات، انجیل

اور قرآن میں ہے، غیر اہم بتایا گیا، فرمایا،

يَكُلُّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شُرْعَةً وَمِنْهَا جَا۟ط

ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک دستور اور

(مائتہ ۷-۸)

ایک راستہ بنا دیا،

انہیں اختلافات کی بنا پر یہود اور نصاریٰ دونوں ایک دوسرے کو برسرِ باطل کہتے تھے،

قَالَتِ الْيَهُودُ كَيْسَتْ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَ قَالَتِ النَّصَارَىٰ كَيْسَتْ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَ

یہودوں نے کہا نصاریٰ کچھ راہ پر نہیں، اور نصاریٰ نے

کہا یہود کچھ حق پر نہیں، حالانکہ وہ دونوں خدا کی کتاب

ہم سے ملتی ہیں، (بقرہ - ۱۷)

پڑھتے ہیں،

دونوں مل کر مسلمانوں سے کہتے تھے۔

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُوا (بقرہ-۱۶)

اور انھوں نے کہا کہ یہودی یا نصرانی بن جاؤ تو ہدایت پاؤ،

ارشاد ہوا کہ تم دونوں اپنے الگ الگ راستوں کو چھوڑ کر آؤ، اصل دین ابراہیمی پر متفق ہو جاؤ،

قُلْ بَلَّ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ
قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ
إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ
وَأَلَسَابَاطَ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَمَا أُوتِيَ
النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ
مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ، فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ
مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا
هُمْ فِي شِقَاقٍ (بقرہ-۱۷)

کہ بلکہ ابراہیم کے دین کی پیروی کرو جو موعود تھا، مشرک نہ تھا
اور کہو کہ ہم خدا پر اور جو کچھ ہماری طرف اترا، اور جو ابراہیم اور
اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اسکی اولاد پر اتارا گیا، اور
جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو سب نبیوں کو ان کے خدا کی
طرف سے دیا گیا، سب پر ایمان لائے، ہم ان رسولوں میں فرق
نہیں کرتے، اور ہم اس ایک خدا کے تابع ہیں، تو اگر یہ بھی
طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے تو انھوں نے ہدایت
پائی، اور اگر روگردانی کی تو وہی ہیں منہ اور مخالفت پر،

یہود اور نصاریٰ کو یہ دعویٰ تھا،

لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَى (آل عمران-۸۵)

یہود اور نصاریٰ کے سوا کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا،

جواب دیا گیا،

تِلْكَ أَمَانَةُ اللَّهِ، (بقرہ-۱۳)

یہ ان کی باطل آرزوئیں ہیں،

بلکہ

بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ
أَجْرٌ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُونَ (بقرہ-۱۳)

ہاں جس نے بھی اپنے کو خدا کا مطیع بنایا، اور وہ نیکو کار ہے
تو اسکی مزدوری اُس کے خدا کے پاس ہے، نہ ان کو خوف
ہوگا اور نہ غم،

تمام اہل مذاہب کو یکسان خطاب کر کے فرمایا،

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ

وَالصَّابِئِينَ مَنَ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (بقیہ)

اب جو ایمان لائے یعنی مسلمان اور جو یہودی بنے اور نصاریٰ اور صابئین ان میں سے جو بھی اپنے اپنے دور پر

نبوت میں خدا کی توحید پر روزِ آخر کی صداقت پر ایمان لایا، اور اچھے عمل کیے اُن کو اپنے کام کا پورا پورا ثواب ملے گا یعنی

بھی اپنے اپنے پیغمبر کی اصلی تعلیم اور سچی شریعت کے مطابق جو شرک و کفر و بت پرستی سے یقیناً پاک تھی، عمل کیا، اُس کو

اُس کا ثواب ملے گا، خدا کی توحید اور روزِ آخر کی صداقت پر ایمان لانا، اور اچھے کام کرنا صرف عقل کی ہدایت سے نہیں ہو سکتا

بلکہ کسی رسول کی تعلیم ہی سے ہو سکتا ہے جیسا کہ تمام اہل مذاہب کا متفقہ مسئلہ ہے، اس لئے رسالت کی تصدیق بھی اس کے

ضمن میں داخل ہے کہ

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ

أَن يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ

فُتِنَ مِنْ بَعْضٍ وَنَكَرَ مِنْ بَعْضٍ وَيُرِيدُونَ

أَن يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا أُولَٰئِكَ هُمُ

الْكَاذِبُونَ حَقًّا وَاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا

أَلِيمًا، وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ

يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ، أُولَٰئِكَ سَنُوفِ

يُؤْتِيهِمْ أَجْرَهُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا

دوسری آیت میں ہے،

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ • مومن وہی ہیں جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان

لائے،

(نور - ۹)

اسی بنا پر ان آیتوں سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ قبولِ عمل کے لیے ایمان شرط ہے، اور دوسری یہ کہ ایمان و عمل کے علم کے لیے نبی کی تصدیق ضروری ہے، اسی لیے اوپر جن چار فرقوں کا ذکر کیا، وہ چاروں وہ ہیں جو کسی نہ کسی پیغمبر کے ماننے والے ہیں اس بنا پر کامل اسلام یہ ہے کہ تمام رسولوں کو صادق مانا جائے، چنانچہ اوس کی تفصیل سورہ مائدہ میں ہے،

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى تُقِيمُوا الشَّعَائِدَ
وَالْأَنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ هُوَ
لَعَزِيزٌ ذُو كِتَابٍ أَمِنْهُمْ مِمَّا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ
رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوَّهِ
الْكُفْرَانِ، إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا
وَالصَّابِقِينَ وَالنَّصَارَى مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا
هُمْ يَحْزَنُونَ، (مائیدہ - ۱۰)

اُنہ سے اسے کتاب و انجیل کچھ نہیں جب تک تم قرآنہ اور
انجیل کو اور جو کچھ تمہاری طرف آتا رہے، اس کو قائم نہ کرو،
اور اسے پیغمبر جو تیری طرف آتا ہے وہ انکی سرکشی اور
انکار کو اور بڑھایگا، تو ان منکروں کا غم نہ کر، اس میں کوئی شبہ
نہیں کہ جو مسلمان ہوئے اور جو یہودی ہوئے اور صابقی
اور عیسائی جو خدا پر اور روز قیامت پر ایمان لایا، اور اچھے
کام کئے تو ان پر کوئی خوف نہیں، اور نہ وہ غمگین
ہوں گے،

اس کے بعد ہی اس کا ذکر ہے کہ یہودیوں نے ہمیشہ رسولوں کا انکار کیا ہے، اور نصاریٰ تو خد کو چھوڑ کر تثلیث

اور اٹھویں مسیح میں مبتلا ہو گئے، اس لیے اصل اسلام سے یہ دونوں ہٹ گئے ہیں، فرمایا،

لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَآرَاسْنَا
إِلَيْهِمْ رُسُلَنَا كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ لِيُبَيِّنَ

بیک ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا، اور ان کی طرف کئی
رسول بھیجے، جب کبھی ان کے پاس کوئی رسول ان کی

لَهْفَتُمْ أَنْفُسَهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ
 وَحَسِبُوا أَنَّ تَكْفُرَكَ فِتْنَةٌ فَعَمُوا
 وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوا وَصَمُّوْا
 كَثِيرٌ مِنْهُمْ وَاللَّهُ بِصِرَاطِهِمْ عَلِيمٌ
 لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ
 ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَبْنِي لِي سِدْرَةً
 اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ
 بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ
 النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنَ النَّصَارِ لَقَدْ
 كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَلَاثَةٌ وَ
 مَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهُ وَاحِدٌ وَإِنْ لَمْ يَشْعُرُوا
 عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ
 عَذَابٌ أَلِيمٌ (مائکہ - ۱۰)

نغمائی خواہشوں کے خلاف احکام لیکر آیا، تو کتنوں کو جھٹلایا
 اور کتنوں کا خون کرنے لگے، اور خیال کیا کہ اس سے کچھ فرق
 نہ ہوگی، سو اندھے ہو گئے اور بہرے، پھر خدا ان پر رجوع
 ہوا، پھر ان میں بہتیرے اندھے اور بہرے ہوئے، اور اللہ
 دیکھتا ہی جو وہ کرتے ہیں، بے شہم وہ کافر ہوئے جنہوں نے
 یہ کہا کہ مریم کا بیٹا مسیح ہی اللہ ہے، مسیح نے توبہ کہا تھا کہ
 اسے نبی اسرائیل اللہ کو پوجو جو میرا اور تمہارا رب ہو
 بیشک جو اللہ کا شریک بنائے گا تو اللہ نے اس پر جنت
 حرام کر دی، اور اسکا سھانا دوزخ ہے، اور گنہگاروں
 کی کوئی مدد کرنے والا نہیں، بے شہم وہ کافر ہوئے جنہوں
 نے کہا کہ اللہ تین ہیں تیسرا ہے، حالانکہ کوئی اللہ نہیں مگر
 وہی ایک، اگر وہ اپنے اس قول سے باز نہ آئے، تو کافروں
 کو یقیناً دردناک عذاب چھوئیگا،

یہ تو ان یہود و نصاریٰ کے ایمان کا حال تھا اس کے بعد اسی رکوع میں ان کے حسن عمل کا جائزہ لیا گیا ہے
 اور اسی کے بعد ہی ان سے کہا گیا ہے،

وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَمْ يُؤْمَرُوا
 بِاللَّهِ مَا اتَّخَذُوا لَهُمْ أَوْلِيَاءَ وَلَكِنْ كَثِيرًا
 مِنْهُمْ فَيَقْتُلُونَ (مائکہ - ۱۱)

اور اگر اللہ اور اس نبی پر اور جو اس نبی پر اترا اُس پر
 ایمان لے آتے، تو ان مشرکوں کو وہ اپنا دوست نہ بناتے
 لیکن ان میں اکثر نافرمان ہیں،

اسلام نبی تمام نبیوں اور رسولوں کے واحد مشترک دین کا اصل الاصول و دو باتین ہیں، توحید کامل اور رسالت

عمومی، یعنی اللہ تعالیٰ کو تو حید کی تمام صفات میں کامل بلا شریک ماننا اور اسکے تمام پیغمبروں اور رسولوں کو یکساں صادق اور راست باز تسلیم کرنا، چنانچہ فرمایا،

أَفَغَيْرِ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ
يُرْجَعُونَ، قُلْ أَمَّا بِاللهِ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا
وَمَا أُنزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ
وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ
الْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّهِمْ لَا تَقُولُ بَيْنَ أَحَدٍ
مِّنْهُمْ وَتَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ، وَمَنْ يَبْتَغِ
غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ
فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ،

کیا وہ دین الہی کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں، حالانکہ
جو بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ خوشی سے یا
مجبوراً خدا کا مسلم یعنی فرمانبردار ہے، اسے پیغمبر کہہ ہم
اللہ پر اور جو اُس نے ہم پر اتارا اور جو ابراہیم پر اور اسماعیل
پر اور اسحاق پر، اور یعقوب پر اور اُن کی اولادوں پر
اترا، اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ اور سب پیغمبروں کو اُن کے
رب کی طرف سے ملا، ہم سب کی صداقت کو تسلیم کرتے
ہیں، ان میں سے کسی میں کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم اسی خدا
کا مسلم یعنی فرمانبردار ہیں اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہتا
ہوگا،

اور ان میں سے ہر ایک

(الاحزاب - ۹)

اس آیت سے ظاہر ہے کہ خدا پر اور تمام رسولوں پر ایمان لانا دین اللہ ہے اور اسی کا نام اسلام ہے جس نے اس اصول کو قبول نہیں کیا وہ آخرت میں نقصان اٹھائے گا، اَلْعَسْرَانِ میں ہے کہ یہود و نصاریٰ تاویلات باطلہ اور اتباع متشابہات سے گمراہ ہو گئے، یعنی دین اسلام سے روگردان ہو گئے، اور اختلافات میں پڑ گئے، فرمایا،

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ
الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمْ
الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ

بیشک دین خدا کے نزدیک اسلام ہے، اور جن کو کتاب
دی گئی انھوں نے علم آنے کے بعد ایمان آپس کی ضد کے
سبب سے اختلاف کیا، اور جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرے

فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ، فَإِنْ حَاجُّكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ،
تو اللہ جلد حساب لینے والا ہے، تو اگر (اے پیغمبر) یہ تجھ سے پھر
کچھ سختی کریں تو کہہ دے کہ میں نے اور میرے پیروں نے تو

(العملون-۲) اپنے کو خدا کا تابع فرمان (مسلم) کر دیا،

اسی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ سے سوال کریں کہ وہ اس اسلام کو قبول کرتے ہیں؟
وَقُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِشِرْكٍَ قَبْلَ ذَلِكَ خَيْرٌ مِّنْ ذَلِكَ مِمَّا كَانُوا يَكْفُرُونَ
اور اے پیغمبر! ان سے جبکہ کتاب دیکھیں اور عرب کے جاہلوں سے
تہذیب کے کیا تم نے بھی اسلام قبول کیا، اگر کیا تو انھوں نے
فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاءُ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ،
سیدھی راہ پائی، اور اگر انکار کیا تو تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے، او

(العملون-۲) اللہ بندوں کو دیکھتا ہے،

یہود و نصاریٰ کو اس اسلام کے قبول کرنے پر ہدایت تامہ ملنے کی بشارت ہوتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ
اسلام ہدایت تامہ ہے کہ یہ وہ دین ہے جسکو یہود و نصاریٰ اور تمام اہل مذاہب نے جو کسی گذشتہ پیغمبر کی اُمت ہوں،
کھو دیا تھا، اور اب جس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دوبارہ دنیا میں پیش کیا گیا، اس لیے جو ہدایت اُن کے پاس
تھی وہ ناقص تھی، اور اسلام جسکو یہ کہہ کر آیا وہ کامل ہے، نیز یہ معلوم ہوا کہ جن آیتوں میں یہ کہا گیا ہے کہ اب جو ایمان لائے
اور جو یہودی ہوئے اور نصرائی اور صابئی جو بھی خدا اور یوم آخر پر ایمان لایا، اور اُس نے نیک کام کیا، اُس کو خوف و غم
نہ ہوگا، اُن میں خدا پر ایمان لانے سے مقصود توحید کامل ہے، اور اس کا یہ منشا نہیں کہ یہود و نصاریٰ اور صابئی وغیرہ
اپنے موجودہ ہی گمراہ عقیدوں کے ساتھ نجات کلی کے مستحق ہیں، یہود و نصاریٰ کیا، مسلمان بھی اس توحید کامل کے پیغمبر
نجات کلی کے مستحق نہیں، جب تک یہ ایمان اور عمل صالح ٹھیک اُس تعلیم کے مطابق نہ ہوں، جو اُن کے رسول کے ذریعہ
دنیا میں آئی، یہ اصول ہر ایک کے لیے ہے خواہ وہ مسلمان ہو، یہودی ہو، عیسائی ہو، صابئی ہو، کسی نبی کی پیروی کا
مدعی ہو،

نبوت محمدی کا دعویٰ یہ نہیں کہ وہی ایک ہدایت ہے اور اُس کے سوا سب ضلالت ہے، بلکہ یہ دعویٰ ہے کہ

وہی ایک کامل ہدایت ہے، اور بقیہ اس وقت سب ناقص ہیں یعنی وہ اہدی کامل ہدایت جو اپنے اپنے وقتوں میں سب نبی لے کر آتے رہے، اور ان کے پیرو، اپنے تاویلات، تحریفات، تصرفات اور اختلافات سے اوسکو برباد کر چکے تھے، اوسی کو لیکر آخری دفعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اب یہ ہدایت ہمیشہ کامل رہیگی، پھر کبھی ناقص نہ ہوگی، کہ اسکا صحیفہ ہدایت تحریر و اختتام و تصرف سے محفوظ و پاک رہیگا،

یہی وجہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کو نبوت محمدی کی دعوت جہان دہلی ہے، ہدایت کی بشارت سنائی گئی ہے چنانچہ اسی آیت میں جو ابھی اوپر گزری یہ ہے،

وَقُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَكْثَرُ وَأَلَا تُحْسِنُونَ
فَإِنْ آمَنُوا فَقَدْ اهْتَدَوْا،
اور اسے پیغمبر ان کو جبکہ کتاب دہلی، اور عجبے جاہلون کو
کہہ کیا وہ اسلام لائے، اگر اسلام لائے، تو انھوں نے
(الاعلمون - ۲) سیدھی راہ پائی،

سورہ بقرہ میں ہے،

قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ
إِلَىٰ آبَائِهِمْ وَاسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ
وَأَلَسَابَاطَ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ
النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ
وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ. فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنُكُمْ
بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي

داسے مسلمانوں کو کہ ہم اللہ پر اور جو ہم پر اترا، اور جو ابراہیم پر اترا
پراور اسحاق پراور یعقوب پر، اور انکی اولاد پراور اترا، اور جو موسیٰ کو
اور عیسیٰ کو اور سب پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا،
سب پر ایمان لائے، ہم ان میں کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے
اور ہم اسی خدا کے مسلم یعنی فرمانبردار ہیں، تو اگر یہ بھی اسی طرح
ماین جی طرح تم نے مانا تو انھوں نے سیدھی راہ پائی، اور اگر

وہ اس باز پڑو وہ محض ضدین ہیں،

شقاق ۲ (بقرہ - ۱۷)

یہود و نصاریٰ اور اہل کتاب کو تعلیم محمدی کی طرف دعوت اسی ہدایت کے پانے کے لیے ہے، جو اسلام یعنی
انبیاء کے دین ازلی سے عبارت ہے اور جو لیکر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے، اور طراح و نجات کامل

اب اسی میں منحصر ہے،

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ
مِنْ قَبْلِكَ وَيَأْتِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْأُولَىٰ
حَلًى هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

جو اُس کو جو تیری طرف (اسے پیغمبر) اترا اور جو تجھ سے پہلے اترا،
دونوں کو مانتے ہیں، اور پچھلی زندگی پر یقین رکھتے ہیں وہی
اپنے پروردگار کی ہدایت پر ہیں اور وہی کامیاب

ہیں،

(بقرہ-۱)

حضرت موسیٰ کے قصہ کے بعد فرمایا کہ رحمت الہی گو عام ہے، مگر یہ نعمت خاص طور سے اُن کا حصہ ہے، جو تعلیم

محمدیٰ کو قبول کریں اور وہی نجاتِ کامل کے مستحق ہیں،

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ
يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا
يُؤْمِنُونَ، الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ
الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُ وَنَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ
فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ
وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ
وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ
وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَاَلَّذِينَ أَسْوَا
بِهِ وَغَرُّهُمُ وَوَاصَرُّهُمُ وَلَا يَتَّبِعُوا النَّبِيَّ الَّذِي
أُنْزِلَ مَعَهُ، أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ، قُلْ
يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا
إِنِّي لَآذِي لَكُمْ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهِ

اور میری رحمت ہر چیز کو سمائے ہے، پھر اُس رحمت کو اُن کیلئے
لکھ دوں گا جو پرہیزگار ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہمارے حکم
کو مانتے ہیں جو اُس اُن پر ہدایت دینے والے پیغمبر کی پیروی کرتے ہیں جسکو
وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں، جو اُن کو نکلی
کا حکم دیتا اور بُرائی سے باز رکھتا ہو اور اچھی چیزوں کو اُن کیلئے
حلال کرتا اور بری چیزوں کو حرام کرتا ہے، اور اُن کے بند
کو اور اُن زنجیروں کو جو اُن پر پڑی تھیں اتار دے، تو جھوٹ
نے اُس پیغمبر کو مانا اور اُسکی تائید کی اور اُسکی مدد کی اور اُس
روشنی کے پیچھے چلے جو اُس کے ساتھ اترا ہے، وہی کامیاب
ہیں، کہہ دے (اسے پیغمبر) کہ اسے انسانوں میں تم سب
کی طرف اُس خدا کا رسول ہوں جسکی آسمانوں اور زمین
کی شہنشاہی ہے، اُس کے سوا کوئی خدا نہیں، وہی

اَلَا هُوَ يُخَيِّرُ وَيُمَيِّتُ مَا فَا مَسُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ
 الْمَنِّيْ الْاَلَمِي الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمَتِهِ وَ
 اَشْعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (اعراف - ۱۹)

جلا تا اور وہی مارتا ہو، سو اللہ اور اُس کے اُس اُن پڑھ پیغم
 رسان رسول پر ایمان لاؤ، جو اللہ پر اور اُسکی باتوں پر ایمان
 رکھتا ہے۔ اور اُس رسول کی پیروی کرو، تاکہ تم سیدھی

ان آیات میں صاف ظاہر کر دیا گیا، کہ گذشتہ اہل مذاہب کو محمد رسول اللہ صلعم پر ایمان لانا اس لیے ضروری
 ہے کہ وہ دینِ خالص جو انسانی تصرفات اور امیر شون سے مکدر ہو گیا تھا، وہ صحفِ الہی کی پیشگوئیوں کے مطابق
 آپ کے ذریعہ پھر نکھارا گیا ہے، اور جن اضافوں اور جزئیات احکام کی سختیوں کو انسانوں نے ایمن شامل کر دیا تھا
 آپ کے ذریعہ دور گئیں اور نیز آپ عالمگیر تغیر بنکر مبعوث ہوئے، اس لیے ہدایت کاملہ، نبوت عمومی اور نجاتِ کاملہ
 قلابِ تام لب و جی محمدی کے اندر محدود ہے،

الغرض دینِ محمدی کو قبول کرنا اس لیے تمام انسانوں پر ضروری ہے، کہ وہ دینِ ازلی جو ہر مذہب کا جوہر تھا،
 اور جو اُس کے پیروں کی تحریف و تصرف سے برباد ہو گیا تھا اسی کو صحیفہ محمدی لیکر آیا، اب وہ ہمیشہ محفوظ رہیگا، کیونکہ اُوکا
 بنی خاتم النبیین اُسکا دینِ کامل بن، اور اُس کا صحیفہ تمام صحفِ الہی پر ہمین اور حاوی ہے، اور قیامت تک خدا کی طرف
 سے اسکی پوری حفاظت اور بقا کا وعدہ کیا گیا ہے، یہ چاروں دعویٰ یعنی تکمیلِ دین، قرآن کا ہمین ہونا، قیامت تک
 اُسکا محفوظ و باقی رکھنا، اور ختمِ نبوت، حسبِ فیلِ لائل سے ثابت ہیں،

تکمیلِ دین | قرآن کے سوا کسی اور صحیفہ نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ مکمل ہے، اور اُس کے ذریعہ دینِ الہی اپنے تمام اصول
 اور فروع (مناسک و مناج و شرائع) کی حیثیت سے تکمیل کو پہنچ گیا، بلکہ گذشتہ مذاہب میں سے ہر ایک نے اپنے وقت
 میں یہی کہا کہ اُس کے بعد ایک اور نبوت آئے گی جو اُس کے کام کی تکمیل کرے گی، خدا نے حضرت موسیٰ سے فرمایا
 ”میں اُن کے لیے اُن کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کر دوں گا، اور اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈال دوں گا“

اور جو کچھ میں اُسے فرماؤں گا، وہ سب اُن سے کہیگا، (استسنا ۱۸-۱۹)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ کے بعد اُن کے مانند ایک اور نبی آنے والا تھا جس کے منہ میں اللہ تعالیٰ

خود اپنا کلام ڈالے گا، اس سے ثابت ہوا کہ موسیٰ کی طرح ایک اور صاحبِ شریعت نبی خدا کے لئے کلام کیساتھ آئیگا، ایسی طرح حضرت عیسیٰ نے بھی کہا:-

”لیکن وہ فارقلیط (احمد) پاکیزگی کی روح ہے جسے باپ (خدا) میرے نام بھیجے گا، وہی تمہیں سب چیزیں سکھائیگا۔“
سب باتیں جو میں نے تم سے کہی ہیں، تمہیں یاد دلایا، (یوحنا ۱۴-۲۶)

آوردہ فارقلیط (احمد) اگر دنیا کو گناہ سے راتنی اور عدالت سے قصور وار ٹھہرائیگا، گناہ اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے۔۔۔ میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تم سے کہوں، پر اب تم انکی ہر دشت نہیں کر سکتے، لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح نیکی تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتائے گی، اس لیے کہ وہ اپنی بیگنی، لیکن جو کچھ سنگی سو کیگی، میری بندگی کرے گی“ (یوحنا ۱۶-۸)

حضرت عیسیٰ نے بھی اپنے کلام کو ہنوز نام ہی فرمایا، اور ایک آئندہ آنے والے کا پتہ دیا، جو انکی تکمیل کرے گا۔
آخر وہ موعود الام صلی اللہ علیہ وسلم آیا اور دعویٰ کیا کہ میں موسیٰ کے مانند بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسماعیل میں سے آیا ہوں، اور میرے منہ میں خدا نے اپنی بولی ڈالی ہے، اور یہ دعویٰ کیا کہ میں ہی وہ سچائی کی روح ہوں جو مسیح کی اصلی بڑائی ظاہر کرنے، سچائی کی راہ بتانے اور مسیح کی ادھوری بات کو کامل کرنے کے لیے آیا ہوں، میں اپنی نہیں کہتا، بلکہ وہی کہتا ہوں جو اوپر سے سنتا ہوں، اور آخر منصب نبوت کے ختم پر وحی الہی نے انکی زبان سے یہ اعلان عام کیا،

اَلْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ
نِعَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمْ اِسْلَامَ دِينِي، ﴿۱۰﴾
آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی، اور تمہارے لیے اسلام کا دین پسند کیا۔

اسی تکمیل کا یہ اثر تھا کہ اُس نے یہود کے بعض سخت فقہی احکام کو، جو انکی سخت گیری کے لیے اُن پر عائد تھے، اور

اصل دین ابراہیمی میں داخل نہ تھے، یا انسانوں کے اضافے اور تصرفات تھے، بدل کر ایسے مناسب اور آسان احکام نازل کئے جو ہر زمانہ کے لیے موزون ہو سکتے ہوں، اسی لیے قرآن نے کسی اپنے بعد میں آنے والے کی پیشینگوئی نہیں کی

لَهُ دِكْهُرُ آيَةٍ كُلِّ الطَّعَامِ كَانَ حَلَالًا يَتَنَبَّئُ اِسْمًا اَيْلًا اَلَا مَا خَرَجَ مِنْ اَيْلٍ عَلَى نَفْسِهِمُ اللّٰهُ رَاٰلِ عَرَبٍ - (۱۰)

نہ کسی نئے کلام کے نزول کی خبر دی، نہ کسی نئی شریعت کا منظر کیا، نہ تکمیل کے بعد اب کسی نئے آنے والے کسی نئے کلام اور کسی نئی شریعت کا موقع کہاں؟ اور اسی بنا پر قرآن نے ہر جگہ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ، جو محمد صلعم سے پہلے نازل کیا گیا پر ایمان لانے کی تاکید کی، لیکن وَمَا أُنزِلَ مِنْ بَعْدِكَ کے قبول کرنے کا کہیں شائبہ بھی نہیں،
 قرآن ہمیں کتب ہی | اس دینِ کامل کا صحیفہ تمام اگلی کتابوں کا مصدق ہے،

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ، (مائدہ - ۷) اپنے آگے کی کتابوں کی تصدیق کرنے والا،

اور تمام اگلی کتابوں کی صداقتوں اور تعلیموں پر مشتمل ہے، اس لیے جو کوئی اس صحیفہ کو قبول کرتا ہو وہ تمام اگلی کتابوں کی صداقتوں اور تعلیموں کو قبول کر لیتا ہے، یہ حیثیت قرآن کے سوا کسی دوسرے صحیفہ کو حاصل نہیں فرمایا:
 وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّمًا عَلَيْهِ،
 اور ہم نے اسے محمدؐ میری طرف سچائی کے ساتھ یہ کتاب اتاری جو اپنے سے پہلے کی کتاب کی تصدیق کرتی ہے،

(مائتہ - ۷) اور اُس پر شاہد و حاوی ہے،

لفظ "ہمیں" کی تفسیر اہل زبان مفسرون نے یہ کی ہو:

ابن عباس، شاہد اور امین، قرآن اپنے پہلے کی ہر کتاب پر امین ہو،
قتادہ، قرآن سے پہلے جو کتابیں تھیں قرآن اُن کا امین اور شاہد ہو،

غرض قرآن اگلی کتابوں کی صداقتوں اور سچی تعلیموں کی امانت اپنے اندر رکھتا ہے،

قرآن محفوظ ہے اور بیگنا | سنی سیر کی تعلیم کی حفاظت اُس کے صحیفہ الہی کی حفاظت پر موقوف ہے، قرآن سے پہلے

کوئی کتاب الہی دانستہ اور نادانستہ لفظی تحریفات اور تصرفات سے تاملت رہی نہیں رہی، لاکھوں پیغمبروں میں سے چند کے سوا کسی کا صحیفہ دنیا میں باقی نہیں اور جو باقی ہے وہ فنا ہو کر نئے نئے قالب میں بدلتا رہا ہے، توراۃ جل جل کر خاک ہوئی، اور پھر ان سوختہ اوراق سے تحریر ہوئی، پھر ترجموں کی تحریفات سے اپنی اصل کھو بیٹھی انجیل میں تحریف و جعل تو اسی زمانہ میں شروع ہو چکا تھا، پھر ترجموں کی کتب بونت نے حقیقت شائبہ کر دی، زردشت کا صحیفہ سکندر کے نذر ہوا

اور صرف گاتھا کا ایک حصہ بچا کچا ہے، ان کتابوں کا یہ حال ایسے ایسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو دائمی اور آخری مذہب بنا کر نہیں بھیجا تھا، اسی بنا پر اُن کی دائمی حفاظت کا وعدہ نہ تھا، لیکن قرآن کی نسبت یہ وعدہ ہوا کہ وہ ہمیشہ کے لیے باقی اور محفوظ رہیگا، اسکی بقا اور حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لی، فرمایا اور پھر کس ثبوت سے فرمایا:

إِنَّا نَحْنُ مُنَزِّلُوهُ الَّذِي كَرَّمْنَاكَ لِنُحْفَظُوهُ، ہم نے اس نصیحت کی کتاب کو اتارا، اور بے شبہ ہم میں اسکی

حفاظت کرنے والے، (حجہ - ۱)

یہ وعدہ الہی ایک اور دوسری آیت میں ان الفاظ میں دہرایا گیا،

إِنَّا عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ، فَإِذَا قُرَأْنَاهُ
فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ، ثُمَّ إِنَّا عَلَيْنَا بَيَانَهُ،
بیشک ہمارے ذمہ ہی اس (قرآن) کو سمیٹ کر رکھنا، اور
اُسکا پڑھنا، پھر جب ہم پڑھیں تو تو اُس کے پڑھنے کیساتھ
رہ، پھر بے شبہ ہم پر ہے اُسکو کھول کر بتانا، (قیامہ - ۱)

اس آیت میں قرآن کی قرأت یعنی لفظ و عبارت اور بیان یعنی معنی و دونوں کی ذمہ داری خداے تعالیٰ نے خود اپنے اوپر لی ہے، ایک تیسری آیت میں اسکی تصریح ہے کہ اس حق میں باطل کی آمیزش کبھی راہ نہ پاسیگی، فرمایا:

وَرَأَيْتُ لِكَلْبٍ عَزِيزٍ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِينَ
يَدِيهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ
اور بیشک یہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو غالب ہے، باطل نہ
اُس کے سامنے سے اور نہ اُس کے پیچھے سے اُس کے پاس
آئیگا، ایک حکمت والے اور خوبون والے کی طرف سے اترا، (رحم السجدہ - ۵)

اس کتاب کو غالب فرمایا گیا، یعنی جو اپنے ہر حرف کو اپنے دلائل کے زور سے پست کر لیگی، باطل نہ اُس کے سامنے سے اُس میں مل سکتا ہے اور نہ پیچھے سے، نہ لفظ و عبارت کی طرف سے اور نہ حقیقت و معنی کی جہت سے، کیونکہ وہ ایک حکمت والے کی طرف سے اتری ہے، اس لیے وہ اپنی حکمت و انانیت کی تعلیم سے غالب ہو گی اور چونکہ وہ ایک سر اسر خوبون والے کی جانب سے عطا ہوئی ہے، اس لیے یہ بھی ہر باطل کے عیب سے پاک ہو گی، یہ قرآن کا اپنا دعویٰ ہے، اور سارے تیرہ سو برس کی تاریخ اسکی صداقت پر گواہ ہے،

ختم نبوت | مقدمات بالا کا نتیجہ گو خود یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کی قرآن کے بعد کسی صحیفہ کی اور اسلام کے بعد کسی دین کی ضرورت نہ ہو، لیکن جی محمدی نے ہر شک کے ازالہ کے لیے آگے بڑھ کر یہ تصریح بھی کر دی کہ اب نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہو گیا، اور اب آپ کے بعد کسی نبی کی حاجت نہیں کہ دین کامل اور صحیفہ الہی محفوظ ہو چکا، اور ہدایت ربانی کے ذرا کے بند ہونے کا خطرہ دور ہو گیا، اور خود تاریخ انسانی گواہ ہے کہ بعثت محمدی کے بعد سے دنیا کی حالت بدل گئی، متفرق قومیں پیوستہ ہو گئیں، زمین کے کونے ایک دوسرے سے مل گئے، اور توحید کامل کا غلقہ عرش سے فرش تک بلند ہو گیا، اور خدا کے تمام رسولوں کو نچا اور صادق ماننے کا ولولہ آہستہ آہستہ ترقی پانے لگا، یہاں تک کہ ان قوموں نے بھی جو مسلمان نہیں ہوئیں ان دونوں صدقوں کو اصول تسلیم کر لیا،

وحدت ادیان اور دین اسلام | تفصیل بالا کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ وحدت ادیان کا منشا کیا ہے، یعنی یہ کہ اصل میں ایک ہی دین ہے جو تمام انبیاء کا مذہب ہے، لیکن وہ بعد کو ان کے پیروں میں ان کے صحیفہ میں تحریف و تصرف کے سبب بگڑتا رہا، اسی دینِ ازلی کو لیکر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے، اور اسی کا نام اسلام ہے، جو اپنے صحیفہ کی بقا اور حفاظت اور دین کی تکمیل اور تہت کے اتمام کے سبب ہمیشہ قائم و باقی رہے گا، اگر تمام مذاہب سابقہ اپنے اپنے اس اصل دین پر آجائیں جس کی تعلیم ان کے پیغمبروں نے دی تھی، تو وہ وہی دینِ ازلی ہوگا، جس کا نام اسلام ہے اور نوٹھی ابراہیمی، موسوی، عیسوی اور محمدی میں سوائے اجمال و تفصیل کے کوئی فرق نہ رہے گا اسی لیے فرمایا گیا:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا الْكِتَابَ امْنُوا بِمَا نَزَّلْنَا
مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّن قَبْلِ أَن تَطْمَئِنَّ
وُجُوهُكُمْ فَرَّذَهَا عَلَيَّ أَذْبَلَهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ
كَمَا لَعَنَّا أَهْلَ الْكِتَابِ (نساء-۷)

اے وہ لوگو جو پہلے کتاب لگئی، اس سے پہلے کہ ہم چہروں کو
بگاڑ دیں اور انکو پیٹھ کی طرف پھیر دیں، یا سبت کے گنہگاروں
پر جس طرح لعنت کی تھی ہم ان پر لعنت کریں، اُس جی پر ایمان لاؤ
جو ہم نے اب تماری (قرآن) جو ان تعلیمات کی جو تمہارے پاس

ہیں تصدیق کرتی ہے،

مشرکین عرب زیادہ اہل کتاب ہی کو اس حقیقت کے سمجھنے کا زیادہ استحقاق تھا، اُس لیے انھیں کو سب سے

پہلے اُس کا منکر ہونا چاہیے،

وَامِنُوَاِیْمًا اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَكَانُوا
اور جو کتاب ہم نے اب اتاری جو تمہارے پاس الی کتاب کو چاہتا ہے

اَقُولُ کَافِرٍ بِہٖ ۛ (بقولہ - ۵)
اُس پر ایمان لاؤ اور تم ہی پہلے کافر نہ ہو،

لیکن اُن کی حالت یہ ہوئی کہ

وَازِیْقِلَ لَہُمْ اِیْمُوَاِیْمًا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَلُوْا نُوْحًا
اور جب اُن نے کہا اگلی کہ خدا نے جو بھی اتارا اُس پر ایمان لاؤ، تو جو ابدیہ کہ تم پر

بِمَا اَنْزَلَ الْیَسَّٰوِیْکُمْ وَاَنْ یَّسَّوْا رَاۤءَکَ، وَہُوَا
اِبراہیم اور سکھواتے ہیں اور وہ اُس کے سوا کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ یہ

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَہُمْ۔ (بقولہ - ۱۱)
(قرآن) حق ہی، اور جو اُن کے پاس ہی اسکی تصدیق کرتا ہے،

اس کے برخلاف محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے جس دین کو پیش کیا اسکی بنیاد تمام اگلی نبوتوں اور کتابوں کی صداقت کی تسلیم رکھی، یہی سبب کہ آنحضرت صلی علیہ وسلم نے کسی مسلمان کے مسلمان ہونے کے لئے صرف یہی نہیں فرمایا کہ وہ تنہا اگلی نبوت پر ایمان لائے، بلکہ یہ فرمایا کہ وہ تمام نبوتوں اور صحیفوں پر ایمان لائے چنانچہ خود قرآن کی شہادت ہو کہ آنحضرت صلی علیہ وسلم کو صرف اسی کی تکلیف نہ تھی کہ آپ کے ہم وطن آپ کے صحیفہ کو نہیں مانتے، بلکہ اسکی بھی نفی کہ وہ اگلے صحیفوں کو بھی نہیں مانتے، سورہ سبا میں ہے،

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِہٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا
اور منکروں نے کہا کہ ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے اور

بِالَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ ۛ (سبا - ۲۷)
اُس سے اگلی کتاب پر، (یعنی تورات پر)

اور اسی لیے آنحضرت صلی علیہ وسلم نے تصریح کے ساتھ یہ فرمایا کہ جو میری عبودیت اور رسالت کی تائید میں بنی بنی بن کریم کو بھی خدا کا بندہ اور اس کا رسول اور کلمہ اور خدا کی طرف سے آئی ہوئی روح تسلیم کرے گا وہ جنت میں جائے گا، (بخاری کتاب الانبیاء ذکر عیسیٰ)، انقض وہ ازلی وابدی دین صرف ایک ہی تھا، اور تمام انبیاء علیہم السلام اسی ایک پیغام کو لے کر دنیا میں آئے، یہی وحدت دین کی وہ حقیقت ہے جس کو قرآن نے اپنے ان الفاظ میں ادا کیا ہے،

یٰۤاَيُّهَا الرَّسُلُ کُلُوْا مِنْ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوا الصَّالِحَاتِ
اے پیغمبر! بہتری چیزیں کھاؤ، اور بھلا کام کرو، میں تمہارے کا

اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ۔ وَاِنَّ ہٰذَا اُمَّتُکُمْ اُمَّۃٌ
سے آگاہ ہوں، اور بیشک تم سب کی امت ایک امت ہے

وَأَحَدُهُمَا نَارٌ تُبْكَرُ فَا تَقْوَنَ، فَتَقْطَعُوا أَمْرَهُمْ
اور میں تم سب کا (ایک) پروردگار ہوں، تو مجھ سے ڈرتے
بَيْنَهُمْ تَرْتَبًا، كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ،
رہو، تو ان کے پیروں نے اپنے مذہب کو اپنی نگرشے کر دیا۔

(مومنین - ۴۷)

ہر فرقہ اپنے پاس کے خیال پر نازاں ہے،

اسی حقیقت کی مزید تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان الفاظ میں فرمائی،

الانبياء اخوة لعلات ائمتہم شئ و
تمام انبیاء ایسے بھائی ہیں، جن کا باپ ایک ہے، اور ماں مختلف

دینہم واحد، (بخاری کتاب الانبیاء - ذکر عیسیٰ)

ہیں اور ان کا "دین" ایک ہے،



پچھلے دن اور سلی زندگی پر ایمان

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (بقبر ۳۲) وَالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ (بقبر ۱۰)

اسلام کے سلسلہ ایمانیات کی آخری کڑی ایک ”پچھلے دن اور پچھلی زندگی“ یا پچھلی دنیا پر یقین کرنا ہی سورہ بقرہ کے پہلے رکوع میں ہدایت یاب اور کامیاب انسانوں کے ایمانیات کی آخری دفعہ یہ بیان کی گئی ہے،

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ هُمْ يُوقِنُونَ (بقبر ۱۰) اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں،

مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (فقہ ۲۲-۲۳) جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لایا،

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (توبہ ۱۰۲) جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے ہیں،

”اخیرۃ“ کے لفظی معنی ”پچھلے“ کے ہیں، اور یہ لفظ صفت ہی عربی میں اوصاف کو موصوف کا قائم مقام کر کے اکثر موصوف

کو حذف کر دیتے ہیں مثلاً دنیا کے لفظی معنی ”قرب ترین کے ہیں، اور یہ صفت ہی، اس کا موصوف الحیۃ (زندگی) یا الدار (گھر)

ہے، اس لیے دنیا کا مفہوم الحیۃ الدنیا (قرب ترین زندگی، یعنی اس عالم کی موجودہ زندگی) یا الدار الدنیا (قرب

ترین گھر یعنی موجودہ عالم) ہے، اسی طرح الآخر اور الآخرۃ کا مفہوم الْیَوْمِ الْآخِرِ وَالْآخِرَةُ وَالْآخِرَةُ

(پچھلا دن اور پچھلی زندگی) اور پچھلا اور آئے والا گھر یعنی موجودہ زندگی کے بعد آنے والی دوسری دنیا کی زندگی اور گھر ہے، اور

قرآن پاک میں یہ لفظ انہیں معنوں میں ایک سو تیرہ مقام پر آیا ہے، اور ہر جگہ اس کا موصوف موصوف حیات (زندگی) یا

دار (گھر) ہے،

چنانچہ حسب ذیل آیتوں کے پڑھنے سے یہ حقیقت منکشف ہوگی،

لے قرآن پاک میں جہاں جہاں ایمان کے تفصیلات ذکر کیے گئے ہیں، وہاں ”یوم آخر پر ایمان“ سب سے آخر میں بیان کیا گیا ہے،

وَرَأَى الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهَا الْحَيَوَانُ (مُعَلِّقُونَ) اور بیشک آخری گھر اصلی زندگی ہو،

وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ. (الغافر) اور بیشک آخری گھر بہتر ہے،

ان دونوں آیتوں میں دار یعنی گھر کا لفظ موجود ہے،

أَرْضِنِي بِمُحَلِّاتِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ (توبہ-۶) کیا کچھ زندگی کو چھوڑ کر اس موجودہ زندگی پر تم راضی ہو گئے،

الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالْآخِرَةِ وَالْآخِرَةِ وَالْآخِرَةِ (مومن-۳) جنہوں نے انکار کیا اور کچھ (زندگی) کی ملاقات کو ٹھکرایا

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا - (مومن-۳) اور ہم نے موجودہ زندگی میں ان کو نعمت دی،

ان آیتوں میں الْحَيَاةِ الدُّنْيَا یعنی موجودہ دنیا کے مقابل سے ظاہر ہے کہ الْآخِرَةُ سے مراد الْحَيَاةِ الدُّنْيَا کی بجائے

زندگی ہے، اور اس لفظ کے عموم میں وہ تمام منازل مقامات داخل ہیں جو ابتداء سے موت سے لیکر خسرو و نشر اور اس کے بعد پیش آتے ہیں یا آئیں گے، چنانچہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہو کہ اس آیت میں :-

وَيُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ اور جو ایمان لائے ان کو اشد حیات دنیا میں اور آخرت میں

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ (ابراہیم-۴) اس کی بات (کلید توحید) پر مضبوط رکھے گا،

لے دنیا اور آخرت کا یہ مقابل قرآن پاک کی بیشمار آیتوں میں موجود مذکور ہے حضرت موسیٰ کے متعلق ہو،

وَجِئْنَا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (ال عمران-۵) دنیا اور آخرت میں مستنیر،

سلسلہ دعائیں ہے،

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً (بقرہ-۲۰) پروردگار ہم کو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ملے،

کفار کے بطلان عمل کے ذکر میں ہے،

حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (بقرہ-۲۴) ان کے عمل دنیا اور آخرت میں گر گئے،

يَسْتَجِبُ الصَّوْتُ الَّذِي تَأْتِيهِ الْآخِرَةُ (نحل-۱۲) انہوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی،

فَمَنْ أَوْلِيَاءُ كُفْرِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ (م الحج-۴) ہم میں تمہاری قریب کی زندگی اور کچھ زندگی کے دوست

اور کبھی دنیا کے بجائے کوئی (زیلی زندگی) کا لفظ اختیار کیا گیا ہو، فرمایا،

فَاتَّخَذَ اللَّهُ مَثَلًا الْآخِرَةِ وَالْأُولَى (زمر-۱) قہقہہ نے اس کو کچھ زندگی اور پہلی زندگی کی مثال بنایا،

وَرَأَى الدَّارَ الْآخِرَةَ وَالْأُولَى، (لیل-۱) اور ہمارے ہی لیے کچھ اولی اور پہلی زندگی،

آخرت سے مراد عالم برزخ ہے اور قرآن بھی اسی پر ولایت کرتے ہیں کہ قیامت میں قولِ نابت پر قائم رہنا کوئی بڑی بات ہوگی جب کہ ہر چیز اُس وقت واضح اور نمایان ہوگی، اس لیے اس آیت میں آخرت سے عالم برزخ کے کچھ اور چیزیں ایک اور حدیث میں تصریحاً بیان ہے کہ "قبر یعنی برزخ" آخرت کی منزلوں میں سے سب سے پہلی منزل ہے۔

یومِ آخر اور حیاتِ آخرت پر ایمان اسلام کی نہایت اہم تعلیم ہے، اور قرآن پاک میں ایمان باللہ کے بعد اسی کی اہمیت پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے، کیونکہ موجودہ دنیا کے تمام اعمال اور اُن کے نتائج کی اصلی اور دائمی بنیاد اُسی آئندہ دنیا کے گھر کی بنیاد پر قائم ہے، اور اگر یہ بنیاد متزلزل ہو جائے تو اعمالِ انسانی کے نتائج کا ریشہ ریشہ بنج و بنج اکھڑ جائے، اسی لیے تمام مذاہب نے کسی نہ کسی رنگ اور کسی نہ کسی اصطلاح میں دوسری زندگی کو متفقاً تسلیم کیا ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے اس آئندہ زندگی کو دو دوروں میں تقسیم کیا ہے، ایک موت سے لیکر قیامت تک اور دوسرا قیامت سے لیکر ابد (ہمیشہ) تک، جہنم پھر موت اور فنا نہیں پہلے دور کا نام "برزخ" اور دوسرے کا نام "بعث" یا خسر و نشر اور قیامت ہو، اور ان سب کے معنی جی اٹھنے، اکٹھے کئے جانے، اور کھڑے ہونے کے ہیں، لیکن ان سب مقصود ایک ہی حقیقت کی طرف اشارہ ہے، اور وہ موجودہ دنیا کے خاتمہ کے بعد دوسری دنیا کی زندگی ہے، اور اسی لیے اس دوسری زندگی یا اس کے عالم کا نام قرآن میں الدن الاخرۃ، اور عقیب الدن الاخرۃ ہے، جس کے معنی دوسرے یا پچھلے گھر کے ہیں،

توراة و انجیل میں برزخ و قیامت کی تفصیل، نیز یہ کہ مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے انسان کی روح کس حالت اور کیفیت میں ہوگی، مذکور نہیں، لیکن اسلام میں یہاں بھی گنجگاہ اور ابہام نہیں بلکہ اُس نے اسکی پوری تفصیل کی ہے، اور بتایا ہے کہ موجودہ عالم کے علاوہ، عالم برزخ اور میدانِ قیامت ہمارے سوا جزا کے دو مقام ہیں، ہر شخص کی موت کے بعد ہر شخص عالم برزخ میں داخل ہو جاتا ہے، اور وہاں اُس کے معاملات شروع ہو جاتے ہیں، پھر اپنی مقررہ وقت پر جبکہ خدا نے اپنی مصلحتوں اور حکمتوں کے لحاظ سے طے کر لیا ہے، سلسلہ خلق کے خاتمہ پر جب موجودہ دنیا پر عام موت اور قاتاری ہوگی دوسری زندگی کی دُنی شروع ہوگی، جو تمام تر ہماری پہلی دنیا میں ہمارے اچھے یا بُرے اعمال کا سراپا عکس، اور ظِل ہوگی، چنانچہ سورۃ توبہ کی حسب ذیل آیت میں ہمارے ان تینوں دور ہائے حیات کا ذکر ہے،

لَعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ
يَوْمَ لَا تُجْزَى
الْأَعْمَالُ
بِالْعَمَلِ
بَلْ بِالنَّيِّبِ
جِدَارِ بَارِدِ كُنْ

مَسْعَدٌ بِهِمْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يَرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ
ہم ان کو دو مرتبہ عذاب دینگے پھر وہ ایک بڑے عذاب

عَظِيمٍ، (توبہ-۱۳) کی طرف لوٹاے جائیں گے،

عذاب کی تین منزلیں دنیا، برزخ، اور قیامت ہیں،

ان تینوں عالموں میں جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ اس موجودہ دنیا میں جسم (مادہ) نمایاں اور روح پوشیدہ ہے اور روح کو جو کچھ مسرت و تکلیف یہاں پہنچتی ہے، وہ صرف اس کے مادی جسم کے واسطے سے پہنچتی ہے، ورنہ حقیقت اسکی براہ راست راحت و لذت کا اس مادی دنیا میں کوئی امکان نہیں، دوسرے عالم میں جسکو برزخ کہا گیا ہے، روح نمایاں ہوگی، اور جسم چھپ جائیگا، وہاں جو راحت و تکلیف پہنچے گی وہ دراصل روح کو پہنچے گی، اور جسم اس کی تبعیت میں ضمنا اس سے متاثر ہوگا، لیکن اس تیسرے عالم میں جہاں سے حقیقی اور غیر فانی زندگی شروع ہوتی ہے روح اور جسم دونوں نمایاں ہونگے، اور دونوں کی لذت و تکلیف کے مظاہر بالکل الگ الگ ہوں گے،

۱۔ برزخ

”برزخ“ کا لفظ قرآن پاک میں تین جگہ استعمال ہوا ہے، اور ہر جگہ اس سے دو چیزوں کے درمیان کا پردہ، حاجب اور حائل

مراد ہے، چنانچہ سورہ رحمان میں: ”وَدُرِیَاوُنَ کَاذِبٍ“ جنہیں ایک بیٹھا اور دوسرا کھاری ہے، اور ان کے بیچ میں ایک پردہ حائل ہے، جو ان کو آپس میں ملنے نہیں دیتا،

بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ، (رحمان-۱) ان دونوں کے بیچ میں ایک پردہ ہے ایک دوسرے پر بھگ کر نہیں جاتا

اسی عجیب و غریب بحری منظر کا ذکر سورہ فرقان میں ہے، اور وہاں بھی یہی لفظ واقع ہے،

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذْبٌ فُورٍ
اور اسی خدا نے دو دریاؤں کو ملا کے چھلایا، یہ میٹھا اور پیرا

وَهَذَا امِلٌّ اُحْمٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا
بجھاتا ہے، اور وہ کھاری کڑوا ہے، اور ان کے بیچ میں ایک

وَحِجْرٌ فَتَجْعَلُهَا
پردہ اور روکی ہوئی اوٹ بناتی ہے، (فرقان-۵)

اسی بنا پر موجودہ زندگی اور آئندہ زندگی کے درمیان جو مقام حائل اور حاجب ہے اس کا نام برزخ ہے، سورہ مؤمنون

مین نزع کے وقت کے بیان میں ہے کہ

وَمِنْ ذَرَائِهِمْ كَبْرُوحٍ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ، اور ان مرنے والوں کے پیچھے ایک پردہ ہے اس دن تک جبکہ

(مومنون - ۶) وہ (قیامت میں) اٹھائے جائیں گے،

عربوں بلکہ کل سامی قوموں کے رسم و رواج اور شہادت کی بنا پر اسی درمیانی منزل (برزخ) کا نام قبر ہے، خواہ وہ خاک کے اندر ہو، یا قعر دریا یا کسی درندہ و پرند کے پیٹ میں اسی لیے فرمایا،

وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ (حج - ۱) بے شبہ اللہ ان کو جو قبروں میں ہیں اٹھائے گا،

اب ظاہر ہے کہ یہ بحث صرف انہیں مردوں کے لیے مخصوص نہیں جو تودہ خاک کے اندر دفن ہوں، بلکہ ہر میت کیلئے ہو، خواہ وہ کسی حالت اور کسی عالم میں ہو، اس لیے قبر سے مقصود ہر وہ مقام ہے جہاں مرنے کے بعد جسم خاکی فرجہ وصل کی موت و حیات کی منزلین | قرآن پاک میں دو موتوں اور دو حیاتوں کا ذکر ہے، ایک جگہ دو فریخون کی زبان سے کہا گیا ہے

رَبَّنَا آمَنَّا بِأَنَّكَ تَنْتَبِهُنَّ وَأَخْبَتُنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا ہمارے پروردگار تو نے ہم کو دو دفعہ مارا اور دو دفعہ جلایا ہم نے

يَذُنُّ لُوَيْسًا فِئْلًا إِلَىٰ خُرُوجٍ مِّنْ سَبِيلٍ (نور: ۲) اپنے گناہوں کا اقرار کیا، پھر کیا نکلنے کی کوئی راہ ہے،

ان دو موتوں اور دو حیاتوں کی تفصیل خود اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں فرمائی ہے،

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ کیسے تم اللہ کا انکار کرتے ہو، حالانکہ تم پہلے مردہ تھے۔

ثُمَّ مَيِّتَكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ، پھر تم کو اُس نے زندہ کیا (انسان بنا کر پیدا کیا) پھر تم کو

(بقرہ - ۷-۸) مار دے گا، پھر تم کو جلانے گا، پھر اوس کی طرف لوٹا جائے گا

پہلی موت تو ہر انسان کی خلقت سے پہلے کی ہے، جب وہ مادہ یا عنصر کی صورت میں ہوتا ہے، پھر زندہ ہو کر اس دنیا میں پیدا ہوا، یہ اس کی پہلی زندگی ہے، پھر موت آئی، روح نے مفارقت کی، اور جسم اپنی مادی صورت میں منتقل ہو گیا، یہ دوسری موت ہوئی، پھر خدا اس کی روح کو جسم سے ملا کر زندہ کر لیا، یہ اس کی دوسری زندگی ہوئی، جس کے بعد پھر موت نہیں، قرآن پاک میں خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا گیا،

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ، ثُمَّ إِنَّكُمْ لَكُمْ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَضِعُونَ، (زمزم - ۴)

ثُمَّ إِنَّكُمْ لَبَعْدَ ذَلِكَ لَمَيِّتُونَ، ثُمَّ إِنَّكُمْ لَكُمْ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ تَتَّبِعُونَ، (مومنون - ۱) جاؤ گے،

اب سوال یہ ہے کہ برزخ کے عالم میں کیا کیفیت ہوگی، اس کے سمجھنے کے لیے ایک مختصر سی تمہید کی ضرورت ہو،

نیز اور موت کی مشابہت | اللہ تعالیٰ نے اس مادی دنیا میں روحانی عالم کی باتوں کے سمجھنے کے لیے اپنی عجیب و غریب قدرت

سے ہم کو ایک چیز غایت کی ہے جس کو ہم نیند کہتے ہیں، رُوح کو اپنے جسم سے دو قسم کا تعلق ہے، ایک ادراکِ احساس کا اور

دوسرے تدبیر و تغذیہ کا، نیند وہ عالم ہے کہ اس میں ہمارے تمام آلاتِ ادراکِ احساس اس دنیا سے بیخبر ہو کر اپنے گرد و پیش

کی مادی دنیا سے یکسر بے گناہ بن جاتے ہیں، تاہم ہمارے نفس یا رُوح کا تعلق ہمارے جسم سے باقی رہتا ہے، اور وہ اس حالت میں بھی

جسم کی مادی زندگی اور نشو و نما اور بقا کی تدبیروں اور دل و دماغ اور دیگر اعضائے رئیسہ کی غذا رسانی اور خون کے دوران

میں مصروف رہتی ہے، اسی کا نام رُوح کا جسم سے تدبیری تعلق ہے، اب نیند اور موت میں فرق ہے، تو یہ ہے کہ نیند کی حالت

میں جسم سے نفس کا تدبیری تعلق قائم رہتا ہے، اس لیے جسم باقی اور زندہ رہتا ہے، لیکن موت کی حالت میں جسم کا رُوح سے

تدبیری تعلق بھی یکسر منقطع ہو جاتا ہے، اس لیے جسم کے اجزاء کچھ دنوں میں منتشر ہو جاتے ہیں، موت اور نیند کی یہی مشابہت

ہے، جس کی بنا پر تمام انسانوں کی زبانوں میں موت کو نیند سے تشبیہ دیتے ہیں، اور دنیا بھر کی زبانوں کا یہ توافق الہام طبعی

کی خبر دیتا ہے، قرآن پاک نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے،

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَّدْتُم

بِالْأَنفُسِ ثُمَّ يُبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى

پورا کیا جائے،

(الغافر - ۷)

اس سے زیادہ تفصیل سورہ زمر میں ہے،

اللَّهُ يُؤْتِي الْأَنْفُسَ حَيَاتَهَا وَالتَّيَّارَاتِ لَمْ
وہ اتنی ہی جو روح کو ان کی موت کے وقت وفات دیتا

قَمَّتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا
ہے اور جو نہیں مری ہیں، ان کو ان کی نیند میں وفات دیتا

الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأَخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى
ہی تو سپر موت کا حکم ہے جسے جاری کیا، اسکو روک لیتا ہوتا

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ
دوسری روح کو (جس پر موت کا حکم نہیں یعنی نیند والی کو)

ایک تہ معین کیلئے چھوڑ دیتا ہے، بیشک اس میں سوچنے والوں
(نمبر-۵)

یہی وجہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی نے ”برخ“ کی زندگی کو نیند کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، قرآن پاک میں ہے
تہ قیامت میں جب لوگ دوسری زندگی پا کر قبروں سے اٹھیں گے تو گندگا روں کی زبانوں پر یہ فقرہ ہوگا،

لَوْ كُنَّا نَمْنُ بِعَتْنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا (یس-۴۰)
اے ہماری خرابی، کس نے ہم کو ہماری نیند کی جگہ سے اٹھا دیا،

غزوہ احد کے موقع پر ہے کہ جن کو مرنا تھا، ان کی موت ٹل نہیں سکتی تھی، اگر وہ میدان جنگ کے بجائے گھروں
میں بھی ہوتے تو نکل نکل کر اپنے قتل میں خود آجاتے، اس مفہوم کو قرآن نے یوں ادا کیا ہے،

قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ
کہہ دے کہ اگر وہ گھروں میں بھی ہوتے، تو جن کے لیے مارا

عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ (الاحزاب-۳۰)
لکھا گیا تھا، وہ خود نکل کر اپنی موت کی جگہوں میں چلے آتے،

اسی لیے قرآن پاک میں دوسری زندگی کے لیے اکثر ثبوت کا لفظ استعمال ہوا ہے، جس کے معنی جگانے اور بیدار کرنے
کے بھی ہیں، جیسا کہ اوپر کی اس آیت میں ہے،

وَهُوَ الَّذِي يُتَوَفَّكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَحْتُمْ
اور وہی ہے جو تم کو رات میں موت دیتا ہے اور دن کو جو تم کرتے

بِالْأَنفُسِ ثُمَّ يُبْعَثُكُمْ فِيهِ (الاحزاب-۴۰)
ہم اس کو جانتا ہے، پھر تم کو دن میں جگاتا ہے،

وَأَنَّ اللَّهَ يُبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ (حج-۱)
اور بیشک اللہ ان کو جو قبروں میں ہیں جگاتا ہے،

۱۔ صحیح بخاری (باب تہجد) میں ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو نماز تہجد کے لیے بوقت تک بیدار نہ ہونے پر سوال فرمایا تو حضرت ہدیج
نے ان لفظوں میں سندرت پیش کی، یا رسول اللہ! نفسا یسکنا اللہ، فاذا اشلنا ان یبعثنا لبعثنا (ہماری روحیں خدا کے ہاتھ میں ہیں، وہ جب
جگاتا ہے، ہمیں جگاتا ہے) اس حدیث میں بھی ثبوت جگانے کے معنوں میں آیا ہے،

کی وجہ سے وہ اُس کو بے جوڑ معلوم ہوتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ انسان جن چیزوں کو بھول جاتا ہے، وہ اُس کے حافظہ سے حقیقت میں معدوم نہیں ہو جاتا، بلکہ دماغی حجرہ (ذہن) کے منتشر اسباب کے ذخیرہ (معلومات) میں چھپ کر گم ہو جاتی ہیں، اور پھر بعد کو مل جاتی ہیں، اس لیے وہ تمام اچھے اور برے اعمال جو انسان نے عمر بھر کئے ہیں، خواہ وہ اُن کو آج بھول گیا ہو، مگر اُن کی یاد ذہن کے گوشوں میں پڑی ہے، معدوم و مفقود نہیں ہو گئی،

خواب کی عجیب و غریب صورت وہ ہے جسکو تشبیلی کہتے ہیں، جیسے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اکلوتے فرزند کو خدمتِ نعلیہ پر وقف کرنے کو قربانی کی شکل میں اور حضرت یوسفؑ نے الدین کو سوچ اور چاند اور گیارہ بھائیوں کو گیارہ ستاروں کی صورت میں دیکھا، شاہِ مصر کے سوئی پانے والے مصاحب نے اپنے سوئی پانے کو اس رنگ میں دیکھا کہ اُس کے سر پر خوان ہے، اور بڑے بڑے پرندے اس میں چونچ مار مار کر کھاتے ہیں، شاہِ مصر نے مصر کی ہفت سالہ قحط سالی کو ساتھ دہلی گایوں کی صورت میں دیکھا، آنحضرتؐ نے فتح مکہ کو اس شکل میں دیکھا کہ مسلمان سر منڈوائے اور بال ترشوائے حج کر رہے ہیں، سیدہ اور اسود بن مہزیار کو سونے کے دو گنگنوں کی صورت میں دیکھا، شاہِ ہند کو موتی گھاسے کی صورت میں ملاحظہ کیا، مدینہ کی وبا ایک بڑھیا چریل کی صورت میں نظر آئی، ایمان کو نور کی اور حضرت عمرؓ کے علم کو دو وہ کی شکل میں دیکھا، ان کے علاوہ ہر شخص کے ذاتی تجربوں سے بھی اس کی بیشمار مثالیں فراہم کی جاسکتی ہیں، اس سے بڑھ کر یہ کہ انسان کے جسم میں اگر کسی قسم کا مادہ بڑھ جاتا ہے، تو خواب میں اُس کے مناسب مجسم سکین نظر آتی ہیں، مثلاً اگر تلخ کی زیادتی ہو تو پانی، دریا اور سمندر نظر آئیں گے، اگر سودا بڑھ جائے تو ہاتھی، اور کالی کالی صورتیں نظر آئیں گی، اسی طرح دوسرے تغیرات جسمانی بھی مناسب جسمانی مہیئت میں خواب میں مجسم اور تشکیلی ہو کر دکھائی دیتے ہیں، اسی طرح اعمال جو حجم و مادہ سے بالکل الگ ہیں خواب میں اپنے مناسب قالب میں مجسم ہو جاتے ہیں، اگر کسی جسمانی کا حشر واجب کسی نے ادا نہیں کیا، تو خواب میں اس کو نظر آئے گا کہ وہ اُس کا گلا کاٹ رہا ہے، اگر کسی کی

۱۔ یہ کل تشبیلی خواب قرآن پاک میں مذکور ہیں، ۲۔ ان خوابوں کو صحیح بخاری کتاب التبعیر میں دیکھو۔
۳۔ حجازی لفظ، شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا۔

کی ہے تو معلوم ہوگا کہ وہ مردار کھا رہا ہے، سونے چاندی کے خزانوں کو جمع کر کے اگر نخل کا اثر دبا اُس کی حفاظت میں بٹھایا ہے، تو سانپ بنکر وہ اُس کی گردن میں لپستا اور کاٹتا ہے، ذلت اور خواری کتے کی، حماقت گدھے کی، اور شجاعت شیر کی شکل میں نمودار ہوتی ہے، شب معراج میں آنحضرت صلیم کے سامنے فطرت، دودھ کی اور غیر فطرت شراب کی شکل میں پیش ہوئی، اسی طرح کہن سال دنیا ایک بڑھیا کی شکل میں آئی،

اس قسم کی تشبیہات قرآن مجید میں بھی آئی ہیں مثلاً غیبت کی نسبت فرمایا،

وَلَا يَعْثَبُ بَعْضُكُم بَعْضًا أَيُّحِبُّ أَحَدُكُمْ
أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۖ
اور پیٹ پیچھے ایک دوسرے کو برائے کیا تم میں سے
کوئی پسند کر سکتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کی بڑی فوج
فوج کر کھائے، سو گھن آئی تم کو، (ہجرات - ۲)

سود کھانے کو جنوں اور پاگل پن کی شکل میں ظاہر کیا،

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقْوَمُونَ إِلَّا كَمَا
يَقْوِمُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّيْطَانَ مِنَ الْمَسْرِ
جو لوگ سود کھاتے ہیں، وہ نہیں اٹھیں گے یا نہیں
اٹھتے (لیکن جیسے وہ اٹھتا ہے جس کے حواس شیطان
نے چھو کر کھو دیئے ہوں، (نقصہ - ۵۸-۳۸)

دوسرے کے مال کو ناجائز طریق سے کھانے کو پٹ میں آگ بھرا فرمایا،

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا
يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا
وہ لوگ جو یتیموں کا مال ظلم کر کے کھاتے ہیں وہ اپنے
پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں، اور آگے جہنم کی آگ میں داخل
ہوں گے، (نساء - ۱)

وہ خود غرض لوگ جو بیکسوں کے کام نہیں آتے، قیامت میں ان کے بھی کوئی کام نہ آئیگا، اور جو خود سیر ہو کر

کھاتے ہیں اور غریبوں کے دروگرگی سے بے خبر رہ کر اپنے مال کا میل کھیل (زکوٰۃ) بھی ان کو کھانے کو نہیں دیتے دوزخ
میں ان کو زخموں کا دھوڑن کھانے کو ملیگا فرمایا،

إِنَّهُ كَانَ لَا يُفِي مِنْ بِأَللّٰهِ الْعَظِيمِ، وَلَا يَحْصُ
 عَلَى طَعَامِ الْمُسْكِينِ، فَلَيْسَ لِمَوْلَايُكُمْ هَاهُنَا
 حَمِيمٌ، وَلَا لِحَاكِمٍ إِلَّا مِنَ الْعَسَلِينَ، لَا يَكْلُدُ
 إِلَّا الْخَاطِئُونَ، (حقاقہ - ۱)

بیشک وہ خداے بزرگ پر بیان نہیں رکھتا تھا، اور میکین
 کھانے پر آمادہ نہیں کرتا تھا، تو آج اُس کا بھی یہاں کوئی
 دوست نہیں، اور نہ زخمون کے دھوئن کے سوا کوئی
 کھانا ہے، اس کو وہی گنگار کھائیں گے،

بے لوث مخلصانہ فیاضی کی مثال سرسبز و شاداب باغ سے دی،
 وَمَثَلُ الَّذِينَ يُبْغِقُونَ أَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ
 مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتُبَيِّتَاتٍ مِنَ أَنْفُسِهِمْ
 لَقَدْ جَنَّتْ بُرُؤُوكُمْ، (تقریباً - ۲۷)

اور اُن کی مثال جو اپنی دولت خدا کی خوشنودی چاہنے
 اور اپنے دلوں کی مضبوطی کے لیے خرچ کرتے ہیں، ایک
 باغ کی ہے جو ایک ٹیڈ پر ہے،

خدا کی راہ میں جان دینے والوں اور مرنے والوں کو جانِ نو، اور حیاتِ جاودان کی خوشخبری دی گئی، فرمایا،
 وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَالُهُمْ
 بَلْ أَمْوَالُهُمْ
 (تقریباً - ۱۹)

جو خدا کی راہ میں مارا جائے اُس کو مردہ نہ کہو، وہ لوگ
 زندہ ہیں،

اسی طرح یہ ہے کہ جو خدا کو قرض دیجھا، خدا اُس کو بڑھا کر دے گا، جو دوسروں کو معاف کرے گا، خدا اُس کو
 معاف کرے گا، جو دوسروں کی عیب پوشی کرے گا خدا اس کی ستاری کرے گا، قرآنِ اہدایت اس قسم کی بالاعواضہ جزا
 سزا کے ذکر سے بہرہ نہیں،

جو لوگ راہِ خدا میں اپنا مال نہیں دیتے اُن کی نسبت فرمایا،
 سَيُطَوَّقُونَ مَا كَانُوا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ،
 (آل عمران - ۱۸)

جس مال کا بھل کیا تھا قیامت میں اُس کا اُن کے گھٹے
 میں طوق پڑے گا،

یَوْمَ نَخْتَلِيْ عَلَيْهِمُ الْفَارِجَاتُ فَتَكُونُ كَالْهَبَاءِ
 جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هٰذَا
 جس دن اُس سونے اور چاندی کو دوزخ کی آگ میں
 گرم کیا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیوں، اور پیٹوں

مَا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ فَذَوْقُوا مَا كُنْتُمْ
 اور پٹھیں داغی جائیں گی، کہ یہ ہے جو تم نے اپنے لیے گار
 رکھا تھا، تو اب تم اس کا مزہ چکھو جسکو تم گار کر رکھے تھے، (توبہ - ۵)

دنیا میں اللہ کے نور بصیرت سے روگردانی آخرت میں ظاہری نابینائی کی صورت میں رونما ہوگی اور اسی طرح جو
 خدا کو یہاں بھولے گا، خدا اس کو وہاں بھلائے گا، چنانچہ حضرت آدم سے جنت سے نکلنے وقت یہ فرمایا گیا تھا،

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً
 اور جس نے میری یاد سے روگردانی کی تو اس کے لیے ہر تگ
 ضَنْكًا وَنَحْسًا وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ أَغْمَى، قَالَ رَبِّ
 گزران، اور ہم قیامت کے دن اس کو اندھا اٹھائیں گے،
 لِمَحْشَرْتَنِي أَغْمَى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا، قَالَ
 وہ کہے گا میرے پروردگار تو نے مجھے اندھا بنا کر کیوں اٹھا
 لَكَ أَتَيْتُنَا فَتَسَيِّئُنَا وَكَذَلِكَ
 میں تو دنیا میں آنکھوں والا تھا، خدا کہے گا بسطرح تیرے
 الْيَوْمَ تَنْسَى، ۵

اور اسی طرح آج تو بھلایا جائے گا، (طہ - ۷)

یہی مفہوم اور زیادہ اختصار کے ساتھ اس آیت میں ہے،

وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ
 جو کوئی دنیا میں (دل کا) اندھا تھا وہ آخرت میں اندھا
 أَعْمَى وَأَضَلُّ سَبِيلًا، (اسرائیل - ۸)

اس باب میں سب سے زیادہ صریح وہ حدیث صحیح ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بخل کا مال سناپ

کی صورت میں گلے کا ہار ہو کر نظر آئے گا، یعنی وہ مال سونے اور چاندی کے سناپ کی صورت میں ہوگا،

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَتَاهُ اللَّهُ مَالًا

فلم يؤد زكاته مثل له ماله شجاعاً أقرع

لأنه يبستان يطق قريوم القيمة ياخذ

بأهز متبہ اسی شد قیہ یقول انا

کی شدت سے گنجا ہوگا، اس کے منہ میں دودھ دانت ہوں گے،

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو اللہ نے مال دیا اور اس نے

اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی، تو اس کا مال دسکو چھل کر ڈینے

دے سناپ کی صورت میں دکھایا جائے گا جبکہ سرزم

مالک اناکزک،

وہ اس کے گلے میں قیامت کے دن پڑا ہوگا، اور وہ اُس کے

(بخاری تفسیر آل عمران ۵۵ جلد دوم) ^{نہیں} دونوں جہنم کو کاٹے گا، اور کئے گا میں ہوں تیرا مال میں ہوں

اسی طرح وہ حدیثیں ہیں جنہیں مختلف اعمال کا مختلف شکل میں آنا بیان کیا گیا ہے، مثلاً یہ کہ مرنے کے بعد قبر میں نماز و زہ وغیرہ اعمال عذاب سے بچانے کے لیے ڈھال بن کر دہنے بائیں سے نمودار ہونگے، یہ بھی حدیث میں ہے کہ مرنے کے بعد جب ایک دفعہ فرشتہ الہی مردہ کو بیدار کرتا ہے تو اُس کو آفتاب ڈوبتا ہوا دکھایا جاتا ہے، (مُثَلَّتِ الشَّمْسُ عِنْدَ غُرُوجِهَا) نیک مرد مسلمان اس تنگ وقت کو دیکھ کر نماز کی تیاری کرنا چاہتا ہے یہ ظاہر ہے کہ یہ دنیا والا آفتاب ہاں نہیں بلکہ اس کی تمثیل ہوتی ہے جیسا کہ حدیث کے الفاظ میں ہے، یعنی یہ کہ اس مردہ کو ایسا نظر آتا ہے اور وہ درحقیقت آفتاب نہیں بلکہ آفتاب کی مثالی صورت ہوتی ہے۔

مگر ہون کی تمثیلی سنائیں | اوپر کے بیانات سے ہوا ہے کہ غیر ختم اعمال اور معافی اپنے جن تمثیلی پیکر میں نظر آتے ہیں وہ درحقیقت ان اعمال معافی سے تمثیلی مشابہت رکھتے ہیں، مثلاً ایک صحیح حدیث میں ہے کہ مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعون کی وفات کے بعد ایک صحابی نے خواب میں دیکھا کہ ان کے لیے ایک نہر بہ رہی ہے، اور جب اُس کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، تو آپ نے اُس کی تعبیر میں فرمایا،

ذالک عملہ (بخاری کتاب التبعیہ) یہ نہر ان کا (نیک) عمل ہے،

اس تمہید کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس روئے صادقہ پر غور کرو، جو ظاہر ہے کہ قیامت کا نہیں، کہ ابھی وہ آتی ہیں، بلکہ برزخ ہی کا مرقع پیش کرتا ہے، جواب بھی قائم ہے، آپ نے ایک صبح کو فرمایا کہ رات میں نے دیکھا کہ دو آنے والے آئے اور انھوں نے مجھے جگایا، میں اُن کے ساتھ چل کھڑا ہوا، تو میں نے دیکھا کہ (۱) ایک آدمی لیٹا ہے، اور دوسرا اُس کے سر پر ایک بڑا پتھر لیے کھڑا ہے اور وہ اُس پتھر کو اُس کے سر پر اس طرح دے مارتا ہے، کہ اس کا سر چکن چور ہو جاتا ہے، اور پتھر ٹوٹنے لگتا ہے، وہ اُس کے پیچھے جا کر اس کو اٹھاتا ہے، اور اتنی دیر میں اُس کا سر درست ہو جاتا ہے، پھر وہ مارتا ہے، اور پھر وہی صورت پیش آتی ہے ہم آگے بڑھے تو دیکھا کہ (۲) ایک شخص لوندھا پڑا ہے، اور دوسرا وہ ہے کا ایک آنکس لیے کھڑا ہے، اور

لے منہ ان میں
لے منہ ان میں
ذکر آنحضرت

اُس سے اُس کے جبرے کو، پھرتھے کو، اور پھر انھوں کو گدھی تک چیر داتا ہے پہلے ایک طرف، بعد ازیں دوسری طرف، پھر آگے بڑھے تو دیکھا کہ (۳) تنور کی قسم کی ایک چیز دک رہی ہے، اور کچھ مرد و عورت اُسین ننگے پڑے ہیں، اور اُس کے شعلے بھڑک بھڑک کر اُن تک پہنچے ہیں، اور وہ چہچہے ہیں، آگے بڑھے تو نظر آیا کہ (۴) ایک خون کی جیسی سرخ نہر بہ رہی ہے، اور ایک آدمی اُس میں تیر رہا ہے، نہر کے کنارے ایک آدمی کھڑا ہے، جس کے پاس بہت سے پتھر رکھے ہیں، وہ تیرنے والا آدمی تیر کر جب اُس شخص کے قریب آتا ہے تو یہ ایک پتھر اٹھا کر اس زور سے مارتا ہے کہ وہ پتھر اُس کے منہ میں جا کر پیٹ میں اتر جاتا ہے، اس کے بعد ہم آگے بڑھے تو ایک سرسبز و شاداب چمن نظر آیا جہاں بہار کی ہر کھلی کھل رہی تھی، باغ کے سامنے ایک دراز قد آدمی کو دیکھا جس کا سر آسمان میں تھا، اور اُس کے چاروں طرف بہت سے چھوٹے چھوٹے بچے تھے آگے بڑھے تو ایک بہت بڑا باغ دیکھا، جس سے زیادہ بڑا اور خوبصورت باغ میں نے نہیں دیکھا تھا، یہاں پہنچ کر اپنے دونوں ہمراہیوں کے کہنے سے اوپر چڑھا، تو ایک شہر ملا جس کی دیوار میں ایک ایک سونے اور ایک ایک چاندی کی اینٹ لگی تھی، ہم لوگ دروازہ کے چھانگ پر پہنچے، دروازہ کھلوا دیا، دروازہ کھلا، تو اس کے اندر گھسے، تو اُسین کچھ لوگ ملے، جہاں آدھا دھڑ نہایت ہی خوبصورت اور آدھا بہت ہی بدصورت تھا، میرے ہمراہیوں نے اُن سے ایک نہر کی طرف جو بیچ میں نہایت صاف و شفاف بہ رہی تھی، اشارہ کر کے کہا کہ اس میں جا کر غوطہ لگاؤ، وہ غوطہ لگا کر آئے، تو اُن کی بد صورتی کا حصہ جاتا رہا، اور وہ پورے دھڑ سے خوبصورت ہو گئے، میرے ہمراہیوں نے مجھ سے کہا کہ یہ ”جنتِ عدن“ ہے، اور وہ آپ کا دو تھانہ ہے، میں نے نظر اٹھا کر دیکھا، پسید لکڑہا ابر کی طرح ایک محل دکھائی دیا،

پھر میں نے ان ہمراہیوں سے کہا کہ آج تو میں نے عجیب عجیب چیزیں دیکھیں، تو بتاؤ میں نے کیا کیا دیکھا، انھوں نے جواب دیا کہ پہلا شخص جس کا سر پتھر سے کچلا جا رہا تھا، وہ ہے جو قرآن پڑھ کر اُس کی تعمیل سے انکار کرتا ہے، اور صبح کی مفروضہ نماز سے غافل ہو کر سو رہا ہے، اور دوسرا شخص جسے گلے پھڑپھڑے اور نتھنے اور تکبیریں پھاڑی جاتی تھیں وہ ہے جو جھوٹ بول کر تمام دنیا میں اُس کو بھیلاتا ہے، اور تنور میں جو مرد اور عورتیں ننگی جلی ہی تھیں وہ بدکار مرد اور عورتیں ہیں، اور جو شخص خون کی نہر میں تیر رہا تھا اور منہ سے پتھر نکالتا تھا، وہ سود خوار ہے، اور اس سدا بہا چمن میں جو دراز قد آدمی آپ نے دیکھا وہ ابراہیم تھے، اور

اُن کے گرد جو پتے تھے وہ تھے اور کس پتے تھے جو فطرت پر مرے تھے کسی صحابی نے پوچھا یا رسول اللہ! مشرکون کے بچے؟
فرمایا اور مشرکون کے بچے بھی، وہ لوگ جھکا آدھا دھڑخو بصورت اور آدھا بد صورت تھا، وہ مین جنھون نے کچھ اچھے کام بھی
کئے تھے، تو خدا نے اُن کے گناہ دھو دیئے۔

برنج کی ان تمام منزاؤں پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اُن کی نوعیت اور کیفیت اُن کے اعمال کے بالکل متناسب
اور مشابہ قرار دی گئی ہے، نماز صبح سے غافل ہو کر، بالین راحت سے سر نہ اٹھانے والے کا سر کھل جانا، جھوٹے کا گلچھڑا بھاڑ جانا،
زانی اور زانیہ کا برہنہ تنور کی آگ میں جلنا، خون چوسنے والے سود خوار کا انسانوں کے خون کے دریا میں تیرنا، دوبالشت بھر
پیٹ بھرنے کے لیے سارے غریبوں کی روزی کو چھین چھین کر جمع کرنے والے کا پتھر کا لقمہ کھانا، سراسر اُن کے دنیاوی اعمال
کی تمثیل و تصویر ہے، اور آخر میں نصف حسنِ عمل سے آدھے دھڑکی خوبصورتی، اور نصفِ عمل بد سے آدھے دھڑکی بد صورتی
پوری مشابہ ہے، اور صفات و شغافِ مہر کی صورت میں رحمت و مغفرتِ الہی کا ظہور بھی اسی قیاس پر ہے،

ابھی تک دنیا نے جو کچھ ترقی کی ہے وہ نفس سے باہر آسانی یعنی اپنے سے باہر کی بیرونی مادی دنیا کی اشیاء کے
خواص و صفات کے جاننے میں کی ہے، جن سے سائنس کی ایجادات و اختراعات کا تعلق ہے، لیکن ابھی اس سے بھی زیادہ
ایک وسیع دنیا اپنے اندر کی پڑی ہے، جس کو قرآن نے "اَنفُس" کہا ہے ان نفس یا ارواح کے اوصاف و خصائص کا ابھی
کچھ بہت کم علم ہوا ہے، ہماری سائنس کا کوجی (علم النفس) ابھی اپنے ابتدائی منزل میں ہے، اور اسپریت پوجیزم (علم ارواح)
ابھی ظلم فزیب کے عجائبات میں اُسی طرح گرفتار ہے، جس طرح موجودہ عہد سے پہلے تاج کے معمولی سائنس دان کا تجربے
سحر و جادو کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے، بہر حال ابھی تک علم نفس و روح کے عجائبات پر پردے پڑے ہوئے ہیں، ایک
یہی مسئلہ کہ شے کے یقین اور اُس کے خارجی وجود میں کیا تعلق ہے؟ ایک مقام ہے، بہت سے ہندو اہل فلسفہ اور بعض مسلمان
صوفیوں، اور موجودہ زمانہ کے مشہور فلاسفر برکلی کے نزدیک تو کسی شے کے تصور اور وجود یا یون کو کہ فوہنی اور خارجی وجود
میں بہت کم فرق ہے، بلکہ گویا نہیں ہے،

بہر حال نفسِ انسانی کے اندرونی قوی کا علم کو ابھی بہت کچھ محتاجِ تکمیل ہے تاہم اتنا ثابت ہے کہ کسی شے کے تصدیق یقین اور غار جی وجود میں بہت ہی شدید تعلق ہے، معاذم نے جو سراسر اسی اصول پر مبنی ہے، اس حقیقت کو کسی قدر واضح کر دیا ہے، اسی سے معلوم ہوگا کہ مذاہب نے سب سے زیادہ ایمان پر جو یقین ہی کا دوسرا نام ہے، استدلال و سبب نہیں دیا ہے۔
قرآن پاک نے یقین کی دو قسمیں کی ہیں، علمِ یقین، اور عینِ یقین، کسی شے کی دلیلوں کو منکر یا بعض علامتوں کو دیکھ کر اس کے وجود کا یقین کرو، تو یہ علمِ یقین (یقین جاننا) ہی اور اگر وہ شے خود تمہارے احساس اور مشاہدہ کے سامنے آجائے، جس میں پھر شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی تو وہ عینِ یقین (خود یقین) ہے، قرآن پاک نے یقین کی ان دونوں صورتوں کو سورہ تکوین میں بیان کیا ہے،

اَلْهٰكُمُ النَّكَاسُ حَتّٰی رُزِّعُمُ الْمَقَابِرَ، كَلَّا لَوْ	تم کو دولت و نعمت کی بہتات نے غفلت میں مبتلا کر دیا۔
تَعْلَمُوْنَ، ثُمَّ كَلَّا تَسُوْۤفَ تَعْلَمُوْنَ، كَلَّا	یہاں تک کہ تم نے قبروں کو جاد کیا، ابھی نہیں تم آگے
لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ، لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ	جان لو گے پھر ابھی نہیں تم آگے جان لو گے ہرگز نہیں
ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عِیْنَ الْیَقِیْنِ،	اگر تم یقین کا جاننا جانتے تو البتہ دوزخ کو دیکھ لیتے، پھر البتہ
(تکواثر - ۱)	عینِ یقین سے اس کو دیکھ لو گے،

یہاں پر اگر انسان اپنے اندر علمِ یقین حاصل کرے، جو کمالِ ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے، تو وہ اپنے باطن کی تلکھون سے اپنی دوزخ یہیں دیکھ لے،

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ لَتَرَوُنَّ	نہیں یہ بات نہیں اگر تم کو علمِ یقین ہو تو دوزخ کو بیشبہ
الْجَحِیْمَ، (تکواثر)	دیکھ لو،

کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عذاب کے جلد عینی مشاہدہ کا مطالبہ کرتے تھے، وحی الہی نے اس کے جواب میں کہا،
یَسْتَخْلِفُوْۤنَكَ بِالْعَذَابِ اِنَّ جَهَنَّمَ
وہ تجھ سے جلد عذاب مانگتے ہیں حالانکہ دوزخ گھر
رہی ہے منکر دون کو، (عنکبوت - ۶)

ایک دوسری آیت میں ہے کہ منافقین برغم خود آرایش کے ڈر سے جہاد کی شرکت سے عذر کرتے ہیں،
جواب میں ان سے فرمایا گیا کہ وہ تو ابھی آرایش میں مبتلا ہیں اور دوزخ ان کو گھیرے ہوئے ہے،

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ اٰذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْؕ
اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا وَاِنَّ جَهَنَّمَ
لَخِيْطَةٌ بِالْكَافِرِيْنَؕ (توبہ۔۔)

اور ان میں کوئی ایسا ہے، جو کہتا ہے کہ مجھے (جہاد میں) علم
شرکت کی (اجازت دیدیجئے، اور آرایش میں مبتلا
ہوں وہ تو آرایش میں پڑ چکے، اور دوزخ منکرین کو گھیر چکا ہے

لیکن یہ علم یقین جس کے حصول کا ذریعہ صرف ایمان ہے، ہر شخص اُس سے اس دنیا میں بہرہ ور نہیں ہوتا بلکہ
بہتر ہے اُس سے منکرین، اس لیے اُن کو یہ اپنے پاس کی دوزخ اس وقت نظر نہیں آتی لیکن موت جس کا نایک
دن یقینی ہے، جب وہ انگی تو مادہ کا یہ حجاب جو آنکھوں پر پڑا ہے اٹھ جائے گا، اُس وقت اس عالم غیب کے کچھ اسرار پر
منکشف ہو جائیں گے، اور اعمال کے نقلی نتائج اور ثواب و عذاب اور جنت و دوزخ کے بعض مناظر ان کے سامنے
آجائیں گے، اور اُس وقت وہ اپنے یقین کی آنکھوں سے کسی قدر واقعات کا شاہدہ کر لیں گے،
تَحَرَّوْا زِينَةَ الْحَيٰثِ الْمُبِيْنِؕ (نکاح۔ ۱)

پھر تم دوزخ کو عین یقین سے دیکھ لو گے،

یہ موت کے بعد کا سامان ہوگا، جس کو برنخ کا عالم کہتے ہیں، اس کے بعد جب قیامت آئے گی، تو ہر راز فاش
ہو جائیگا، یَوْمَ تُبْلٰی السَّرٰٓئِرُ (جس دن تمام بھید کھل جائیں گے) اور بہشت و دوزخ اپنی ظاہری صورتوں میں اس طرح
سامنے آجائیں گی کہ پھر شک و شبہ کا شائبہ بھی باقی نہ رہیگا، وہ عالم حقیقی، اور یقین تحقیقی کا دن ہوگا، قرآن میں قیامت کے
موقع پر ہے،

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعْدِؕ
..... فَكُشِفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ
الْيَوْمَ حَدِيدٌؕ (ق۔ ۲)

اور زنگہا بھونکا گیا یہی روز کا دن..... تو ہم نے
تیرا پردہ تجھ سے کھول دیا تو آج تیری نگاہ تیرے،

اس پردہ کے ہٹنے ہی اس دن انسان کے تمام اعمال ایک ایک کر کے اُس کے سامنے آجائیں گے، اور دوزخ

منظرِ عام پر آجائے گی، فرمایا،

فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرَى، يَوْمَ يَتَذَكَّرُو
 الْإِنْسَانُ مَا كَسَبَى، وَبُذِرَتِ الْجَنِّمُ لَمَنَ
 کیا ہے، یاد آجائے گا، اور دوزخ دیکھنے والے کے سامنے
 تیزی، (نارعات ۲) باہر لائی جائے گی،

احوالِ برزخ کا مین یقین | ایک عرب شاعر (ابوالعالمیہ) نے حیرت کے عالم میں کیا خوب کہا ہے،

الموتُ بَابٌ وَكُلُّ النَّاسِ يَدْخُلُهُ
 لَيْلِيَتٌ شِعْرِي بَعْدَ الْبَابِ مَا الدُّنْيَا
 موت ایک دروازہ ہے اور تمام انسان اُس دروازہ میں داخل ہونگے،
 کاش مجھے معلوم ہوتا کہ اس دروازہ کے بعد کون گھر ہے،
 یہ علم جس کی حسرت اس شاعر نے ظاہر کی ہے، اس زندگی میں صرف علم یقین کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے، البتہ موت
 کے وقت جب وہ دوسرے عالم کے دروازہ پر کھڑا ہوگا، تو اُس کو پس پردہ کا نظارہ تھوڑا بہت ہو جائے گا، اور وہی
 برزخ کا عالم ہے، فرمایا،

حَتَّى إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ
 رَبِّ ارْجِعُونِ، لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا
 تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنَ
 وَرَاءِ يَوْمِئِذٍ بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ،
 جب ان گنہگاروں میں سے کسی ایک کو موت آتی ہے تو
 وہ (زندگی کے پس پردہ کے بعض مناظر کو دیکھ کر) کہتا ہے
 اے میرے پروردگار مجھے ایک بار اور دنیا میں لوٹا دے،
 تاکہ دنیا میں جو مال چھوڑ کر آیا ہوں اُس سے شاید کوئی
 نیک کام کروں، ہرگز نہیں، یہ بات ہی بات ہے جو وہ
 کہتا ہے اور (اب) ان گنہگاروں کے پیچھے اُس دن نکلتے

ظاہر ہے کہ اگر موت کے وقت اور بعد کوئی تئی غیبی کیفیت اُس کے مشاہدہ میں نہیں آجاتی، تو اُس کا شک

شہدہ دفعہ یقین سے کیسے بدل جاتا ہے، فرمایا،

وَجَاءَتْ سَكْرَتُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ط ذَٰلِكَ
 اور موت کی ہیوشی حقیقت کو سکرا گئی، یہی وہ جس سے

مَا كُنْتُ مِنْهُ مُتَّخِذًا، (ق-۲) تو نہ کرتا تھا،

اس سے معلوم ہوا کہ سکرانے کے وقت حقیقت کا کوئی منظر سامنے ضرور آ جاتا ہے، چنانچہ اسی حقیقت کو دیکھ کر جو لوگ عمر بھر جس کام سے انکار کرتے رہے، اُس کے کرنے کے لیے فوراً آمادگی ظاہر کرنے لگتے ہیں،

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا

جب پیرواؤں نے اپنے پیروؤں سے بے تعلقی کا اظہار

وَرَأَوْا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ

کیا، اور عذاب کو (آنکھوں سے) دیکھ لیا، اور تمام ذریعے

وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّا كُنَّا نَدْرِكُهُمْ

اُن کے کہتے گئے اور پیروؤں نے کہا کاش دنیا میں ایک فرد

مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّأُوا مِنَّا لَمَّا كُنَّا لَكُمْ يُرِيبُ اللَّهُ

اور جانے کی ہمت ملتی تو ہم بھی اُن سے (روانہ) بے تعلقی

أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِبَارِعِينَ

ظاہر کرتے جیسے انھوں نے ہم سے (بیان) بے تعلقی ظاہر

مِنَ النَّاسِ، (بقمرہ-۲۰)

کی، ایسی طرح اللہ اُن کے کاموں کو ان کی حسرتیں کر کے دکھائیگا۔

ایک اور موقع پر ہے،

وَالْفَقُّوْلِينَ مِمَّا زَارَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِي

ہم نے جو تم کو روزی دی ہے اسین سے اس سے پہلے

أَحَدَكُمْ الْمَوْتَ فَبِقَوْلِ رَبِّ لَو لَو

کہ تم میں سے کسی کو موت آئے، خرچ کرو، اُس وقت کہو

أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصْدَقْتَ وَلَكِنْ

کہ اسے پروردگار؟ کیونکہ کچھ، ہمت نہ دی کہ میں غمراہ

مِنَ الصَّالِحِينَ، (منافقین-۲)

کرتا اور نیکوں میں ہوتا،

ان لوگوں کو جب گناہ خیال ہے کہ اس زندگی کے بعد پھر کسی قسم کی کوئی ایسی زندگی نہیں، جس میں ہم کو اپنے اعمال

کا ذمہ دار ہونا پڑے گا، یہ خطاب ہی

قُلْ يَتُوبُ إِلَهُكُمْ مُلْكُ الْمَوْتِ الَّذِي يُكَلِّمُ

کہہ، موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے وہ تم کو وفات دیگا، پھر تم

بِكُمُ تَمَرُّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ، وَلَوْ تَرَىٰ

اپنے پروردگار کی طرف لوٹاؤ گے اور کہیں تو دیکھ

إِذِ الْخُضْرَاءُ نَاكِسُونَ رُءُوسِهِمْ عِندَ رَبِّهِمْ

ان بھرموں کو اُن کے پروردگار کے آگے سر جھکائے

رَبَّنَا الْغُفْرَانَا وَسَمِّحْنَا لَعْمَلِ صَالِحَاتِنَا
(وہ کہیں گے) اے ہمارے پروردگار! ہم نے اب تک کیا اور
مُنِ قِيَمَانِ،
سُن لیا، اب پھر ہم کو دنیا میں لوٹا دے، اب ہم اچھے کام کر

(سجدہ ۴ - ۲) اب ہم کو یقین آگیا،

اس آیت سے ظاہر ہے کہ وفات کے بعد بعض غیبی صورتیں اور بعض غیبی آوازیں آتی ہیں، جن کو دیکھ کر اور سنا کر مردہ

کو یقین آجاتا ہے،

موت کے بعد خدا کی طرف روح کی بازگشت | "موت" کے لیے قرآن میں اکثر خدا کی طرف بازگشت یعنی خدا کی طرف لوٹ جانے
کی اصطلاح اختیار کی گئی ہے،

قُلْ إِنْ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ

مُلَاقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالَمِ الْغَيْبِ

وَالشَّهَادَةِ فَمِنْكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (جمعا)

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (بقراءہ ۱۹-۱۸)

إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا (مائدہ ۱۸)

یہ طرزِ ادب یسویں آیتوں میں اختیار کیا گیا ہے، یہ بالکل بدیہی ہے کہ ہر رجوع و بازگشت کے مفہوم میں درودِ اود

اند داخل ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تمام ارواحِ انسانی خدا کے یہاں سے اس جسم و قالب کی قید میں آتی ہیں، اور

موت کے وقت اس عناصر کی چار دیواری سے نکل کر پھر ان کو وہیں واپس جانا ہے، جہاں سے آئی تھیں، اور اس

بازگشت کے سفر میں ان کا زادِ راہ صرف وہی ہوگا جو اس دنیا سے دارِ عمل میں انھوں نے کمایا ہے، یعنی ان کے اندر رُو

ویرونی اعمال، اور اس کے بعد جو ان کی زندگی ہوگی وہ ان کے انھیں اعمال کی نوعیت پر منحصر ہوگی،

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَقَّعُ كُفْرًا يُؤْتِيهِمْ لِقَاءَهُمْ فِيهِمْ وَيُعَذِّبُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ (نہد ۱۰)

بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى (نہد ۱۱)

اور وہی (خدا) ہے جو تمہیں رات کو موت (نہد) دیتا ہے،
اور دن کو جو کچھ، اس کو جانتا ہے، پھر تم کو دن میں

تَعْمَلُونَ، (انعام-۷) جگا اٹھانا ہی، تاکہ مقررہ وقت (اہلی موت) پورا ہو پھر اسی کی طرف ٹکروٹ کر جانا ہی، پھر وہ ٹکروٹھارے اعمال جتانے گا،

ایک اور آیت میں ہے،

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بُعِثْتُكُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ تَتَرَاءَىٰ
الْأَحْيَاءُ الدُّنْيَا تَعْمَلُونَ لِيَا تَرْجِعَكُمْ فَتُنَبِّئُكُمْ
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ، (یونس-۳) سنو انسانو! تمہاری بعثت کا نتیجہ تمہیں پر ہے، دنیا کی زندگی سے فائدہ اٹھاؤ! پھر ہماری ہی نظر دوکڑا کرنا ہے، تو تم ٹکروٹھا
اعمال جتائیں گے،

اسی ”رجوع“ کو اس کے ہم معنی لفظ ”رد“ (واپسی) سے بھی کہیں ادا کیا گیا ہو،

هَٰذَا الَّذِي تَبْلُو كُلُّ نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ وَرُدُّنَا
إِلَى اللَّهِ مَوْءِجُ الْمَوْجِ، (یونس-۳) وہاں ہر جان جانچ لے گی جو اُس نے پہلے بھجا، اور وہ اپنے حقیقی مالک کی طرف لوٹا دینے جائیں گے،

ایک دوسرے سورہ میں اس کو ”سوق“ یعنی ہانکنے کے مفہوم سے ادا کیا گیا، فرمایا،

كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ، وَقِيلَ مَنْ رَاقٍ،
وَوُظِّنَ أَنَّهُ الْغَرَّاقُ، وَالتَّفَتُّ السَّاقُ
بِالسَّاقِ، إِلَىٰ تَرَبُّكِ يَوْمَئِذٍ بِالْمَسَاقِ،

(قیامہ-۱) ہرگز نہیں، جب روح ہنس تک آ پہنچے، اور لوگ کہیں آ
کون ہے جھاڑ پھونک کر کے بچانے والا، اور بھجا کہ اب
جدائی کا وقت آگیا، اور پندلی سے پندلی پٹ گئی، اُس
دن تیرے پروردگار کی طرف ہے ہانچ جانا،

لیکن سعید اور نکو کار و روح کو موت کے وقت یہ محبت بھری صدارے غیب سنائی دیتی ہے،

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ
رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً، (فرح-۱) اے مطمئن روح! تو اپنے مالک سے خوش، اور تیرا مالک
تجھ سے خوش، تو اپنے مالک کے پاس واپس چلی جا،

یہ کیسی دلآویز صدا، اور کیسی دلکش دہپی ہوگی،

اس وقت کا سامان وہ لمحہ جب اس روح کی مہلت کا زمانہ اور عمل کی فرصت ختم ہوتی ہے، کتنا دردناک ہے، اُس وقت

سے اسکی زندگی صرف اُس کے گزشتہ اعمال کے قالب میں جلوہ گر ہوتی ہے، اور ہر عمل کی صورت اُس کو اپنے سامنے کھڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے، اور غیب کی کارکن صورتیں چلتی پھرتی دکھائی، اور بولتی چلتی سنائی دیتی ہیں،

وَلَوْ تَرَىٰ اِذَا الظَّالِمُوْنَ فِيْ عُتْرَاتِ الْمَوْتِ
وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْۙ اَخْرِجُوْهُمۡ
اَلْيَوْمَ نَخْرِزُوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنتُمْ
تَقُوْنُوْنَ عَلٰٓى اللّٰهِ غَيْرَ الْحٰقِّ وَكُنتُمْ عَنْ
آٰتِيْهِ تَسْتَكْبِرُوْنَ، وَلَقَدْ جِئْتُمُوْۤا نَافِرًاۙ
كَمَا خَلَقْنَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرْكُمۡۙ مَّا خَوَّلْنَاْكُمْ
وَرَاۤءَ ظُهُوْرِكُمْۙ (الغافر-۱۱)

اور کبھی تو دیکھے جس وقت گنہگار موت کی بیہوشی میں ہوں
اور فرشتے ہاتھ کھولے ہیں کہ نکالو (اپنے جسموں کے اندر سے) اپنی
روحوں کو، آج تم کو اس پرزنت کی سزا ملے گی کہ تم خدا کی شان
میں جھوٹ باتیں کہتے تھے، اور اُس کے حکم کے ماننے سے
غور کرتے تھے، اور تم ایک ایک کر کے (تہا) جیسے ہم نے پہلی
بار تم کو پیدا کیا تھا، ہمارے پاس آئے، اور جو سامان اُس
تکو دیا تھا (جسے تم کو مغرور بنایا تھا) اوسکو اپنے پیچھے چھوڑ آئے

ان آیات سے ظاہر ہے کہ موت کے وقت کس طرح فرشتے سامنے آتے ہیں، اور روح جسم سے جس وقت سے
الگ ہوتی ہے، اس کے گناہوں کی سزا کا دور شروع ہو جاتا ہے، یہی بات ایک اور موقع پر مذکور ہے،

وَلَوْ تَرَىٰ اِذْ يَتَوَفّٰى الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا الْمَلٰٓئِكَةُ
يُصْرَبُوْنَ وُجُوْهُهُمْۙ وَاَدْبَارُهُمْۙ وُذُوْقُوْا
عَذَابَ الْحَرٰٓقِ، ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ اٰیٰدِيْكُمْ
وَاِنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلٰمٍ لِّلْعٰبِدِیْنَ (الغافر-۱۲)

اور کبھی تو دیکھے جس وقت فرشتے کافروں کی جان لیتے ہیں
اُن کے منہ پر اور پیچھے مارتے ہیں، (اور کہتے ہیں) جلنے کے
عذاب کا مزہ چکھو، یہ تمہارے ہاتھوں کے پہلے کئے ہوئے
کاموں کا بدلہ ہے، اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا،

اس سے واضح ہے کہ یہ سزا، موت ہی کے عالم سے شروع ہو جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ یہ سزا انہو ذبا اللہ کسی انتقام کے

سبب سے نہیں دیتا، بلکہ وہ سزا حقیقت قانونِ عمل کے مطابق خود انسان کے کاموں کا لازمی نتیجہ ہے،

نکو کاروں کا نقشہ اس سے بالکل الگ ہی، اُن کو ہر طرف سے بشارتیں سنائی دینگیں، اور ہر سمت خوشی و شادمانی

کا سامان سامنے نظر آئے گا،

فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ، وَأَنْتُمْ
 حِينِيذٍ تَنْظُرُونَ، وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ
 مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ، فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ
 غَيْرَ مَدِينِينَ، تُرْجِعُونَ مَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ
 فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ، فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ
 وَجَنَّتُ نَعِيمٌ، وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ أَصْخَابِ
 الْيَمِينِ، فَسَلَامٌ لَّكَ مِنْ أَصْخَابِ الْيَمِينِ،
 وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَدِّبِينَ، الضَّالِّينَ،
 فَتُزَلُّ مِنْ حَيْثُمْ، وَتَصْلِيَةٌ لَّجَحِيمٍ، إِنْ هَذَا
 لَكَوْ حَقُّ الْيَقِينِ، (واقعه-۳)

پھر کون نہیں جو موت روح خلق تک پہنچ جاتی ہو اور تم
 اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو اور ہم اس سے تمہاری نسبت
 زیادہ نزدیک ہوتے ہیں، لیکن تم کو دکھائی نہیں دیتا، تو اگر
 تم کسی اور کے حکم کے نیچے نہیں ہو، تو کون نہیں تم اس روح
 کو پھر بلاتا دیتے ہو، اگر تم اپنے انکار و تکذیب میں (سچے ہو،
 تو اگر وہ (مرنے والا) مقرب بندوں میں سے ہو تو خوشی و
 آرام اور نعمت کی بہشت ہو، اور اگر وہ (اُس سے کچھ کم درجہ)
 دہنے والوں میں ہو تو تجھ پر سلامتی دہنے والوں میں سے ہے
 اور اگر وہ حق کو جھٹلانے والے مکرہوں میں سے ہو تو اگر تم
 پانی کی ممانی اور دوزخ میں بیٹھا ہے، بیشک یہ بات یقین ہے

یہ تمام سامان موت کے بعد اور عالم برزخ ہی کے مناظر ہیں،

برزخ کا عذاب راحت | اوپر کی آیتوں سے پوری طرح ہویدا ہے کہ روح و جسم کی مفارقت کے بعد اچھی روحوں پر رحمت
 کے اور بری روحوں پر عذاب کے منظر سامنے سے گذرتے ہیں، قرآن پاک میں کچھ اور آیتیں ہیں، جن سے ثابت ہو کہ
 نہ صرف یہ منظر ہی روح کے سامنے سے گذرتے ہیں، بلکہ کبھی کبھی وہ اپنے اعمال کے مطابق اس رحمت و رحمت
 کے اندر بھی داخل کر دیا جاتا ہے، منافقین کی نسبت قرآن میں ہے،

سَنُعَذِّبُهُمْ مُّكَرًا ثَلَاثِينَ، ثُمَّ يُرَدُّوْنَ إِلَىٰ عَذَابِ
 عَظِيمٍ، (توبہ-۱۳)

ہم ان کو دودفعہ عذاب دیں گے، پھر وہ ایک بڑے عذاب
 کی طرف لوٹائے جائیں گے،

”عذاب عظیم سے ظاہر ہے کہ دوزخ کا عذاب مراد ہے، اب اس عذاب و دوزخ سے پہلے، عذاب کے دودفعہ
 ان پر اور گزر چکے ہوں گے، ایک تویہ دنیاوی عذاب ہے اور دوسرا موت کے بعد ہی کا ہو سکتا ہے قرآن میں آل فرعون

وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ، أَلْتَأْتُوا
 اور فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب اُلٹ پڑا،
 يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ
 کہ اُس پر وہ صبح اور شام کو پیش کئے جاتے ہیں اور جب
 تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ
 قیامت کی گھڑی گھڑی ہوگی (نذا ہوگی) کہ فرعون کو

أَشَدَّ الْعَذَابِ، (مومن - ۵) (پہلے سے بھی) بڑھ کر عذاب میں ڈالو،

اس سے ظاہر ہوا کہ گنہگاروں کو قیامت سے پہلے برزخ کے عالم میں بھی عذاب کا کچھ نہ کچھ مزہ پکھایا جاتا ہے، ایسا ہی نیکو کاروں کو بہشت کے عیش و آرام کا منظر دکھایا جاتا ہے، اسی آیت پاک کی تشریح میں گویا آپ نے فرمایا ہے، ”تم میں سے جب کوئی مرتا ہے، تو اُس پر صبح و شام اُس کا اصلی مقام پیش کیا جاتا ہے، اگر وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے، تو جنت، اور اگر اہل دوزخ سے ہوتا ہے تو دوزخ، پھر اُس سے کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا مقام، اُس وقت تک کے لئے کہ جب تو قیامت کے دن اٹھایا جائے، ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ حقیقی مردہ کے سامنے جنت و دوزخ دونوں کے منظر سامنے کر کے کہتے ہیں کہ اگر تو اچھے عمل نہ کرتا تو تیرا یہ مقام نہ ہوتا، مگر تیرے نیک عمل کے سبب سے اب یہ جنت تیرا مقام ہے، اور اُس دن تک کے لیے کہ لوگ اٹھائے جائیں، اس پر سرسبزی بھر دی جاتی ہے،

مشرکوں اور قیامت کے منکر دن کا سوال تھا کہ اگر یہ پیغام الہی سچ ہے تو ہم کو یہ فرشتے یا خدا نظر کیوں نہیں آتے، جواب میں کہا گیا کہ فرشتے جس دن نظر آئیں گے، تو اُس دن ایمان بالغیب کہاں؟ اور اوپر کی آیتوں سے معلوم ہو چکا ہے کہ فرشتے موت کے وقت نظر آتے ہیں، یا پھر قیامت میں نظر آئیں گے، اس لیے ارشاد ہے،

يَوْمَ يُرَوُّنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ
 جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اُس دن ان گنہگاروں
 لِلْمُجْرِمِينَ وَيَقُولُونَ حَجْرًا مَّحْمُورًا،
 کو کچھ خوشخبری نہیں اور کہیں گے کہ یہ ڈروانا منظر جواب
 وَقَدْ نَمَّآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَعَلٰنَا
 ہم کو نظر آ رہا ہے) اوٹ میں روکا جائے اور ہم (مذکور)

۱۔ صحیح مسلم کتاب الجنۃ والنار باب عرض مقعد اللہ جلد ۲ صفحہ ۴۴ مصرعہ جامع ترمذی کتاب الجنۃ، باب مذاب القبر حدیث صحیح و صحیح بخاری
 کتاب الجنۃ باب مذاب القبر ۱۰ اور سکرۃ الموت ۹۶،

۲۔ صحیح بخاری کتاب الجنۃ صفحہ ۱۸، ۳۔ صحیح مسلم باب عرض مقعد اللہ صفحہ ۴۴، مصرعہ

ہے اُن کے کیے ہوئے کاموں کے پاس پہنچے، اور اُن کو
 اُڑنا عمار بنادیا (یعنی بیکار و بیوہ و معدوم) جنت والے
 لوگ (یعنی جنکو جنت ملنے والی ہو) اُس دن اُن کیلئے خوب
 ٹھکانا، اور دو پہر کے سونے کا مقام ہوگا، اور جہن
 آسمان بادل سے پھٹ جائیگا، اور فرشتے اُستہ اُستہ اُتار
 جائیں گے، اُس دن رُج سچا دکا ہوگا، اور وہ دن کافروں
 (فرقان ۳)

کھلی بات ہے کہ آسمان کا بادل سے پھٹنا، اور فرشتوں کا اُترنا، قیامت کا نقشہ ہے، اب اس سے پہلے فرشتوں کے
 دکھائی دینے کا وہ دن جہین گنہگاروں کے لیے کوئی خوشخبری نہیں، اور وہ کہیں گے کہ کاش یہ ڈرنا و ناظر ہماری نگاہوں
 کے سامنے نہ ہوتا، اور جنت کے مستحقین کو ایک اچھا مستقر (قرار گاہ) اور دو پہر کی دھوپ سے بچانے والا خواہ گاہ ملا
 ہوگا، قیامت سے پہلے، اور موت کے بعد ہی کی کیفیت ہے،
 ایک اور آیت میں ہے،

قُلْ يَتُوبُ كُمْ تِلْكَ الْمَوْتِ الدِّينِ وَكُلِّ
 بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ، وَلَوْ تَرَىٰ
 إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُو رُءُوسِهِمْ عِنْدَ
 رَبِّهِمْ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا
 نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ،
 کہدے کہ موت کا فرشتہ جو تپہ مقرر کیا گیا ہے وہ تم کو قاتل
 دیگا، پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے، اور اگر
 تو دیکھے جب مجرم اپنے سر دھکے کو جھکائے اپنے پروردگار
 کے پاس ہونگے (اور کہیں گے) ہمارے پروردگار ہم نے
 دیکھ لیا اور سن لیا، پھر ہم کو دنیا میں لوٹا دے، ہم نیک
 کام کریں گے، اب ہم یقین لائے،
 (سجد ۲۷-۲۸)

جواب ملیگا کہ اگر تم کو زبردستی لوگوں کو ہدایت دینی ہوتی تو دنیا ہی میں پہلے دے چکتے لیکن ہم تو یہ کہہ چکے
 تھے کہ جن و انس میں جواز خود ہدایت نہ قبول کرے گا، اس سے جہنم کو بھر دیں گے، پھر فرمایا،

فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ
 إِنَّا نَسِينَاكُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا
 كُنتُمْ تَعْمَلُونَ. (سجده-۲)

تو اب عذاب کا مزہ چکھو کہ تم نے اس دن کی ملاقات کو
 بھلا دیا تھا، ہم نے بھی تم کو بھلا دیا، اپنے کړوت کے
 بدلے سدا کا عذاب چکھو،

یہ کیفیت اور یہ گفتگو ظاہر ہے کہ ملک الموت کی رُوح نکالنے کے بعد کی ہے، جیسا کہ آیت کا سابق ہوا، اور جیسا کہ آخر
 آیت میں ہوا کہ تم اس دن کو بھولے ہوئے تھے، ظاہر ہے کہ قیامت کے منکر قیامت کو بھولے نہیں، بلکہ قیامت کا یقین
 نہیں کرتے، البتہ اپنی غفلت سے موت کا دن ضرور بھول جاتے ہیں، اس لیے یہ آیات حیات بعد المات اور قبل قیامت
 سے متعلق ہیں،

قَوْمِ نُوحٍ، عَادٍ، فِرْعَوْنَ، ثَوْدٍ لُوطًا، اور اصحابِ ایکہ وغیرہ قومیں جو ناکامانی عذابِ الہی میں گرفتار ہو کر ہلاک ہوئیں
 اُن کا ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ کہتا ہے:-

إِنَّ كُلَّ الْأَرْبَابِ لَرْسُلٌ فَنُحِ عِقَابٍ، وَمَا
 يَنْظُرُهُمْ إِلَّا صِغْرَةٌ وَاحِدَةٌ مَّا لَهَا
 مِنْ فَوْقِي، وَقَالُوا لَا تَبْنَاءُ عَلَّ لَنَا قِطْنًا
 قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ. (ص-۲۱)

ان بھون نے پیغمبروں کو بھٹلایا تو میرا عذاب واجب
 ہوا، اور یہ راہ نہیں دیکھتے، لیکن ایک سچ کی جو دم نہ لگی
 اور انھوں نے کہا کہ اسے ہمارے پروردگار شتاب کرہا
 چھٹی حساب کے دن سے پہلے،

یہ حساب کے دن یعنی قیامت سے پہلے اور دنیا کے عذابِ ہلاکت کے بعد کا واقعہ ہے، اور اسی وقفہ کا نام پروردگار
 سورہ یس میں اپنی قوم کے ایک خیر خواہ کا ذکر ہے، جو عمر بھر اپنی قوم کو حق کی تبلیغ کرتا رہا تھا، اور پھر وہ غالباً
 اسی حق کی راہ میں شہید ہوا، مرنے کے بعد جب اُس کو بہشت ملی، تو اُس نے بڑی حسرت سے کہا کہ کاش میری قوم
 کو معلوم ہوتا کہ مرنے کے بعد خدا نے کس طرح مجھے معاف فرمایا، اور عزت بخشی، تاکہ وہ بھی ایمان سے میری طرح بہرہ
 ہو کر اُس مغفرت اور عزت سے سرفراز ہوتی،

قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۖ قَالَ يَلَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ
 کہا گیا جنت میں داخل ہو، اُس نے کہا اے کاش میری

بِمَا عَفَرْتُ رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمَكْرُمِينَ، قوم کو یہ معلوم ہوتا کہ میرے پروردگار نے میری مغفرت
وَمَا أَنزَلْنَا عَلَى قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُنْدٍ کی اور مجھے عزت والوں میں سے بنایا، اور ہم نے اُس کے
مِنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ، مرنے کے بعد اس پیغام کو دیکر، اُس کی قوم پر آسمان سے
(یس - ۲) کوئی فوج نہیں اتاری، اور نہ ہم اتارا کرتے ہیں،

ظاہر ہے کہ آئینہ پر نرخ ہی کے عالم سے متعلق ہیں، ورنہ قیامت یا اُس کے بعد اپنی قوم کو خبر دینے کی تلافی
بے معنی ہے، ساتھ ہی اس میں مذکور ہے کہ اُس کے مرنے کے بعد میں نے اس کی قوم کے پاس یہ خبر دیکر آسمان سے فوج
نہیں اتاری، کیونکہ یہ ہمارا دستور نہیں، کہ خدا کو جو کچھ پیام دینا تھا وہ رسول کی معرفت پہلے ہی سے بھیج چکا تھا، اس سے
معلوم ہوا کہ یہ موت کے بعد اور قیامت سے پہلے کا حال ہے،

تبرکی اصطلاح | سطور بالا میں عالم پر نرخ کے وہ مناظر دکھائے گئے ہیں جو قرآن کی آیتوں میں نظر آتے ہیں احادیث
صحیحہ میں اس عالم کے حالات کی جو تفصیلیں مذکور ہیں، وہ عموماً قبر کی اصطلاح کے ساتھ بیان ہوئی ہیں لیکن اس نقطہ
”قبر سے درحقیقت مقصود وہ خاک کا تودہ نہیں جس کے نیچے کسی مردہ کی ہڈیاں پڑی رہتی ہیں، بلکہ وہ عالم ہے جس میں یہ ظہر
پیش آتے ہیں، اور وہ ارواح و نفوس کی دنیا ہے، مادی عناصر کی نہیں، اسی لیے قرآن پاک نے اس عالم کے تعلق سے
ہمیشہ نفوس اور نفوس کو خطاب کیا ہے، اور انھیں کے عذاب و ثواب اور رحمت و لعنت کا ذکر کیا ہے، اس عالم میں جسم
جسم نظر آتا ہے، وہ مرنے والے کے اعمال کا مثالی پیکر ہوتا ہے، جو ہو ہو اُس کے خاکی جسم کا ثنی ہوتا ہے، تم نیند میں ہو، اور
تھا را نیم مردہ بے حس جسم بستر پر دراز ہے، مگر تم خواب میں دیکھ رہے ہو کہ بعینہ تھا را جسم گک میں جل رہا ہے، یا باغ و بہار
کی لذتوں میں مصروف ہے، اور تم کو اس سے وہی تکلیف اور راحت مل رہی ہے، جو تم کو بیداری میں اپنے بستر پر

لے بعض قدیم معتزلہ عذاب قبر کے قائل نہ تھے، اور اُن کی دلیل یہ تھی کہ قرآن میں اس کا ذکر نہیں، یہ غلط فہمی اُن کو اس لیے پیش آئی کہ قرآن
میں لفظ قبر و قبور کیساتھ عذاب کا ذکر نہیں لیکن اگر وہ دیکھتے کہ قرآن میں بعد موت و قبل قیامت ارجح انسانی کے عذاب و ثواب اور رحمت و لعنت کا ذکر
ہے بائین، تو اُن کو اس انکار کی جرات نہ ہوتی اسی لیے متاخرین معتزلہ نے اپنی پیش رووں کے عقیدہ سے رجوع کر لیا، اور اس کے قائل ہو گئے،

پڑے ہوئے جسم کی تکلیف و راحت سے پہنچ سکتی ہو، اس خواب میں جس طرح تمہارے مادی جسم کے علاوہ تم کو اپنا ایک خالی جسم نظر آتا ہے، جو ہو ہو تمہارا مادی جسم بڑا سید طرح موت کے خواب میں بھی تم کو اپنا ایک مثالی جسم نظر آئے گا، جو اکثر حالتوں میں ہو ہو تمہارے اس خالی جسم کے مطابق ہوگا، اور تمہاری روح اسی جسم مثالی کے عذاب و راحت سے متاثر ہوگی، کلام کی اصل ذمہ دار روح انسانی ہے، جسم خالی نہیں، فرمایا اَنْفُسٌ بِمَا كَسَبَتْ (یعنی) ہر روح اور جان اپنے اعمال کے ہاتھوں گرد ہوگی۔ اس لیے اصل مکلف روح ہے، جسم نہیں، جسم صرف بمنزلہ آلہ کے ہے، دنیا میں اس کا ایک جسم خالی تھا، برزخ میں اس کا ایک اور جسم ہوگا، جو مادہ و مادیات سے پاک و بری ہوگا، تاہم اس کو اپنے جسم خالی سے ایک قسم کی نسبت حاصل ہوگی، اور اتنی ہی نسبت کی بنا پر قبر کی اصطلاح عام بول چال میں جاری ہے، کہ ہم اپنی آنکھوں سے مسلمان مردوں کو اسی قبر میں جاتے دیکھتے ہیں، قرآن پاک کی یہ آیت اور پر گزر چکی ہے،

وَلَوْ تَرَىٰ اِذْ يُنْفَخُ فِي الْذِّينِ كُفْرًا وَّالْمَلٰٓئِكَةُ
يُخْرِجُوْنَ وُجُوْهُهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ بِوُضُوْٓءٍ
عَذَابِ الْخَلْقِ (انفال۔)

اور اگر تو دیکھے جب فرشتے کافروں کی روح قبض کرتے ہیں، مارتے ہیں، اُن کے منہ اور پیٹھ پر اور رکھتے ہیں، چمکھو جلنے کا مزہ،

اس آیت سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ گنہگاروں پر موت کے بعد ہی سے عذاب شروع ہو جاتا ہے، وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ مارا اُن کے منہ اور پیٹھ پر پڑتی ہے، مگر یہ منہ اور پیٹھ وہ نہیں ہو، جو بے جان لاشہ کی صورت میں ہمارے سامنے ہے، بلکہ اس آیت میں کافر کی روح کو جانور سے تشبیہ دی گئی ہے، کہ جس طرح جانور کو تیز ہنکاتے وقت کبھی آگے (منہ پر) اور کبھی پیچھے (پیٹھ پر) مارتے ہیں، اُسی طرح گویا کافر روح کو زبردستی فرشتے مارتے ہوئے، اور ہنکاتے ہوئے لے چلیں گے اور کہیں گے کہ چلو عذاب کا مزہ چکھو، یہی مفہوم صاف لفظوں میں اس آیت میں ہو، اِلٰی سَابِقِ يَوْمَئِذٍ لَّامَسَاتِیْ (قیامہ۔ ۱) اُس دن تیرے پروردگار کی طرف سے ہنکایا جانا،

لے اس سے اس شہد کا ازالہ ہوتا ہے کہ ہم کو مردہ کا جسم سامنے پڑا نظر آتا ہے، لیکن اُس پر عذاب کا کوئی نشان نظر نہیں آتا، اور نیز اس شہد کا بھی ازالہ ہوتا ہے کہ قبر میں جب جسم منسلک جاتا ہے تو پھر عذاب و ثواب کا احساس اس کو کیسے ہوتا ہو،

بعض ایسی سید روحین بھی ہوتی ہیں جنکو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس بزخ میں اُن کے جسم خاکی کی شکل و صورت کی قید سے بھی آزاد کر کے کوئی دوسرا مناسب مثالی جسم عطا کرتا ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے کہ مومن کامل کی رُوح پرندوں کی شکل میں جنت میں اُڑتی پھرتی ہے اور خصوصاً شہداء کے متعلق آیا ہے کہ وہ سبز پرندوں کی شکل میں ہوں گے، اور عرش الہی کی قذیلین اُن کا اشیانہ ہونگی، اسی طرح دوزخ و بہشت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو روایے صادقہ پہلے گذرا ہے اُس میں جن جسمانی قابوون میں گنہگاروں کی سزاؤ تکلیف کی صورتیں دکھائی گئی ہیں وہ تمام تر مثالی ہی ہیں، ظاہر ہے کہ مومن سید اور شہداء کے وہ مثالی قالب اور ان گنہگاروں کے یہ مثالی اجسام اُن کے وہ قالب و اجسام نہیں ہیں جو اُن کی قبروں میں ستر گل کرنا ہو گئے، یا وہ آگ میں جل کر خاکستر ہوئے، اور دُور سے اور ہوا میں اُڑ کر منتشر ہو گئے، یا کسی جانور کے پیٹ میں جا کر اُس کے جزو بدن بن گئے۔

بعض حدیثوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مٹی کی قبروں میں عذاب کے مشاہدات و سموعات کا تذکرہ ہوا تو ظاہر ہے کہ مادی زبان و منظر میں اُن قوموں کے نزدیک جو مردوں کو گاڑتی ہیں، اُس میت کی یادگار اس دنیا میں اُس کے اس مٹی کے ڈھیر کے سوا اور کیا ہے جس کی طرف اشارہ کیا جاسکے، ایک صحیح حدیث میں اُس نیک مرد کا ذکر ہے جس نے خدا کے خوف سے یہ وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد اس کا جسم جلا کر اس کی راکھ ہوا میں اڑا دی جائے تاکہ وہ خدا کے سامنے حاضر کیا جاسکے، مگر قدرت الہی نے اُس کو محکم کر کے کھڑا کر دیا، اور اُس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتوں سے نوازا۔

سوال جواب | احادیث صحیحہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرنے کے بعد قبر میں دو فرشتے آتے ہیں اور وہ مردوں سے توحید و رسالت کی نسبت سوال جواب کرتے ہیں،

اس کی تصدیق قرآن پاک کی ان آیتوں سے بھی ہوتی ہے،

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّيْنَاهُمُ الْغُلَّيْقُظَا لِي نَفْسِهِمْ

بیشک فرشتوں نے جن کی روحوں کو اس حالت میں

قَالُوا فَيَسْمَعُ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ

قبض کیا کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے، وہ اُن سے

فِي الْأَرْضِ قَالُوا لَمْ نَكُنْ أَرْضًا لِّلَّهِ سَعَةً
 فَهَاجَرُوا فِيهَا فَأُولَٰئِكَ مَا وَسَّعَتْ جَهَنَّمُ
 کہتے ہیں تم کس بات میں تھے کہتے ہیں کہ ہم ملک میں
 بے یار و مددگار تھے، وہ کہتے ہیں کہ کیا اللہ کی زمین کتنا
 نہ تھی، کہ تم اپنا وطن چھوڑ کر باہر چلے جاتے،
 (نساء - ۱۲)

ایک اور آیت ہے،

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمْ مُسَلِّمَاتٌ يُّوقِفُهُمْ قَالُوا
 إِنَّا مَالِكُكُمْ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ قَالُوا
 ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ
 كَانُوا كَافِرِينَ، قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ
 خَلَتْ مِن قَبْلِكُم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ فِي
 النَّارِ (اعراف ۴۰)
 یہاں تک کہ جب ان جملہ ماٹے والوں کے پاس ہمارے
 فرشتے اُن کی روحوں کو قبض کرنے آئیں گے اور کہیں گے کہ ان
 میں وہ جگہ تم بکارتے تھے (موت وہ شرک) کہیں گے کہ ہمارے دیوتا
 ہم سے کنارہ کش ہو گئے، اور انہوں نے اپنے اوپر آپ گواہی دی
 کہ وہ کافر تھے، تب خدا فرمایا کہ تم بھی اُن لوگوں
 میں جا ملو جو جن و انس میں سے تم سے پہلے آگ میں

پہلی آیت میں عدم ہجرت کے گناہ کے مرکب مسلمانوں کا اور دوسری میں کافروں کا حال بیان کیا ہے کہ
 اُن سے اُن کی موت کے بعد ہی یہ سوال کیا جائے گا، بہر حال یہ تو خاص خاص گناہوں کے مجرموں کا حال تھا،
 اب عام لوگوں سے جو سوال ہو سکتا ہے وہ وہی ہے جس کا ذکر احادیث میں ہے یعنی یہ کہ توحید و رسالت کی معرفت
 کا اُن سے سوال ہوگا،

قرآن پاک میں ایک جگہ کلمہ طیبہ (اچھی بات یعنی کلمہ توحید) اور کلمہ خبیثہ (بری بات یعنی کلمہ کفر) کی ایک
 ایک مثال ہے، کلمہ طیبہ کی مثال اُس درخت کی ہے جس کی جڑیں زمین میں مضبوط گڑی ہیں، اسکی شاخیں آسمان
 تک پھیلی ہیں، اور اُس میں سدا بہار میوے لگے ہیں، اور کلمہ خبیثہ کی مثال اُس درخت کی ہے جسکی جڑیں زمین سے
 اکھڑی پڑی ہے، وہ اب گرے اور تب گرا، اس کے بعد قرآن میں ہے،

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ
 الدُّنْيَا وَدُلَّاهُمْ عَلَىٰ سُبُلِهَا وَاسْخَرَهُمْ لَهَا

الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ ﴿٥٢﴾ اور آخرت میں بھی، اور اللہ ظالموں کو بھلا تا ہے،

اس کی تفسیر صحیح حدیثوں میں یہ ہو کہ یہ برزخ کے اسی سوال جواب سے متعلق ہے کہ صاحب ایمان جس طرح اپنی اس زندگی میں ایمان کی کچی بات پر قائم تھا، اسی طرح برزخ میں بھی اس پر قائم رہیگا، اور جو کافر و مشرک یہاں اس پر قائم نہ تھا، وہ وہاں بھی قائم نہ رہے گا، اور بہک جائیگا،

ہر چند کہ رسول پاک سے صحیح تفسیر کے ہوتے ہوئے کسی اور استدلال کی حاجت نہیں، تاہم تائید ایہ عرض ہو کہ اس آیت میں اہل ایمان کے آخرت میں بھی قول ثابت پر ثابت قلم کھ جانے کی بشارت ہے، ظاہر ہے کہ اس آخرت سے قیامت اور بہشت و دوزخ کا دن تو مراد نہیں ہو سکتا کہ وہ تو کشفِ راز کا دن ہے، اُس دن تو کافر بھی اس قول ثابت سے پلٹنے کی جرأت نہیں کر سکتا، پھر یہ اہل ایمان کے لیے کوئی خاص بشارت نہ ہوگی، اور نہ یہ اس اظہارِ احسان کا مناسب وقت ہو سکتا ہے، البتہ اس بشارت اور احسان کا اعلان و اظہار آخرت کے اُس حصہ میں موزوں ہو سکتا ہے، جہاں ہنوز اسرار پس پردہ کی پوری نقاب کشائی نہیں ہوتی، اور وہ برزخ کا عالم ہے،

اس آیت پاک کی اس تفسیر سے جو احادیث صحیحہ پر مبنی ہے، یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آخرت کی وسعت مفہوم میں برزخ کا میدان بھی داخل ہے،

حقیقت میں اس عالم برزخ کا سوال و جواب کوئی نیا واقعہ نہ ہوگا، بلکہ ہر روح کی پہلی زندگی کی ایمانی کیفیت اقرار و انکار کی مثال ہوگی یا یوں کہو کہ آج کے اُئینہ میں کل کا عکس نمایاں ہوگا، یعنی اقرار و انکار کی جس کیفیت پر زندگی کا خاتمہ ہوا ہوگا، وہی بعد کو سوال و جواب میں نمایاں ہوگی،

برزخ میں ارواح کا مسکن [آخری سوال یہ ہے کہ موت اور قیامت کی اس بیچ کی منزل (برزخ) میں ارواح انسانی کا مسکن کہاں ہوگا؟ قرآن پاک میں اس کا جواب متعدد آیتوں میں ملتا ہے، سب سے پہلی آیت تو ان مذکورہ بالا آیات کے بعد ہے، جس میں ذکر ہے کہ فرشتے جب منکرین سے سوال و جواب کر چکیں گے تو خدا اُن کی روحوں کو حکم دیگا کہ وہ اپنے ساتھیوں کیساتھ عذاب کی آگ میں داخل ہو جائیں، اس کے بعد ہے،

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا
تُفْتَحُ لَهُمُ الْبُوابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ
الْجَنَّةَ حَتَّى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ،
ایک جنوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، اور ان کے
سامنے سے غور کیا، ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ
کھولے جائیں گے، اور نہ وہ جنت میں داخل ہونگے، تاکہ
(اعراف - ۵)

اس سے معلوم ہوا کہ آیات الہی کے منکروں اور جھٹلانے والوں کی رو حین مرنے کے بعد آسمانی بادشاہی کے
حدود میں قدم نہ رکھ سکیں گی، اور وہ فضاے زمین میں آوارہ پھرنیگی، یا اپنے جسم خاکی کے لگاؤ سے جہاں وہ سپر خا
ہوئے ہوں، مندر لاتی رہیں گی، اور وہیں سے دوزخ کا منظر دیکھیں گی، اور تکلیف اٹھائیں گی،
اس کے برخلاف ہم تن پاک بازمومن روح کا یہ حال ہوتا ہے، کہ موت ہی کے وقت رحمت الہی کا فرشتہ، بلکہ خود
زبان رحمت اُس کے قانون میں یہ صدا دیتی ہے،

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ
رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً، فَادْخُلِي فِي عِبَادِي
وَادْخُلِي جَنَّتِي، (بقرہ - ۱)
اے مطمئن روح! اپنے پروردگار کے پاس واپس چلی جا
تیرا پروردگار تجھ سے خوش، اور تو اپنے پروردگار سے خوش
تو میرے بندوں میں شامل، اور میری بہشت میں داخل ہو

ان سے بڑھ کر وہ پاک باز رو حین جن جنوں نے اپنے خاکی جسموں، فانی زندگیوں، مادی خوشیوں اور زوال پز
عشرتوں کو خدا کی راہ میں قربان کیا، تو ان کو خدا کی طرف سے ایک تشابیہم، غیر فانی زندگی اور روحانی عیش و
سرور کی لازوال دولت اُسی وقت عنایت کر دی جائیگی، فرمایا،

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
أَمْوَاتٌ أَبْلَاحِيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ، وَنَحْنُ
يَعْلَمُونَ مَا هُمْ فِي عَمَلِهِمْ شَاكِرِينَ،
جو خدا کی راہ میں مارے جائیں، ان کو مردہ نہ کہو،
وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں کر سکتے،
یہ پُرست زندگی کسی ہوگی جس کی تفصیل دوسری سورہ میں ہے،

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
أَمْوَاتٌ أَبْلَاحِيَاءٌ وَلَكِنْ هُمْ أَمْوَاتٌ
بِأَعْيُنِنَا، وَنَحْنُ نَحْيِيهِمْ
اور تو ان کو جو خدائی راہ میں مارے گئے، مردہ نہ گمان کر

اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَا عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرَوُّنَ
 فَرِحِينَ بِمَا اَنْهَضَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ
 بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ اَلَا
 خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ
 بِبِعْمَةِ اللّٰهِ وَفَضْلِ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضَيِّعُ
 اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ، (ال عمران - ۱۷۰)
 ایمان والوں کی مزدوری ضائع نہیں کرتا،

یہ پُرسرت زندگی شہداء کو ملے گی، اس زندگی کا مقام خدا کے پاس بتایا گیا ہے، احادیث صحیحہ میں ہے کہ زندہ
 شہیدوں کی روہیں قفسِ عنصری سے پرواز کر کے جب اُڑتی ہیں تو وہ سبز پردوں کی صورت میں جنت کی سیر کرتی
 ہیں، اور عرشِ الہی کی قدیلین اُن کا شین بنتی ہیں، اس کے بعد غالباً اتنا ہر ذی عقل تسلیم کرے گا کہ انبیاء علیہم السلام کے
 روحانی درج و مراتب شہداء سے بہر حال اعلیٰ اور برتر ہیں، اس لیے اُن کا مقام بھی اسی احاطہ قدس کے اندر ہوگا، سچے
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیرِ معراج اور اپنے رویائے صادقہ میں بعض سینئیرین کو آسمان اور بہشت کے مختلف درج میں دیکھا،
 بعض وہ سیدِ روہین ہوئی جو میان سے نکل کر فرشتوں کی صف میں داخل ہو جائیگی، جیسا کہ حضرت جعفر طیارؓ
 کے متعلق احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ وہ شہادت کے بعد اپنے دونوں بازوؤں سے فرشتوں کیساتھ عالمِ ملکوت میں اُڑے
 تھے، عالمِ نین کے یہ دو اڑنے والے بازو درحقیقت اُن کے اُن دونوں جسمانی بازوؤں کی مثال ہیں، جو اس جنگ
 میں ان کے جسم سے نکل کر گر گئے تھے، اور وہ اس پر بھی اسلام کے علم کو اپنے بقیہ کئے ہوئے بازو اور گردن کے سہارے
 سے پکڑے تھے، عجب نہیں کہ قرآن پاک کی یہ آیت ایسے ہی لوگوں کی شان میں ہو،

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ اَسْتَقَامُوْا سَبُّوْا
 عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَا تَعْرِضُوْنَ اَلَمْ يَلْمِزْهَا
 بِالْجَنَّةِ اَلَيْسَ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ، فَهِيَ اَوَّلٰیٰ
 بَشَیْکَ جَن لوگوں نے اقرار کیا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر
 ثابت قدم رہے، اُن پر فرشتے یہ خوشخبری دیکر اترتے ہیں کہ
 خوف نہ کھاؤ اور غمگین نہ ہو اور اس جنت کی بشارت سنو

جس کا تم سے وعدہ کیا تھا، ہم دنیا کی زندگی میں تمہارے

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ

رفیق ہیں اور آخرت میں،

(حمد السجدہ ۴۰)

یہ آوازہ بشارت اور فرشتوں کی رفاقت، اسی برزخ کا دلکش سہان ہو سکتا ہے،

۲۔ آخرت کی دوسری حقیقی منزل

قیامت اور جزائے اعمال،

موت تو افراد کا معاملہ ہے، ایک مرتا ہے، اور دوسرا اُسکی جگہ پیدا ہوتا ہے، تو میں بھی باری باری اس بازیگاہ کے تختہ پر آتی ہوں، اور اپنا کھیل ختم کر کے کسی دوسری کے لیے جگہ خالی کر جاتی ہوں، یہ سلسلہ ازل سے قائم ہے، اور اب تک چل رہا ہے، کائنات جس نظام پر پیدا ہوئی تھی، وہ بعینہ قائم ہے، اور اس محفل کی جو رونق اول روز تھی، وہ اب تک اسی طرح باقی ہے، غرض

ہزار شیخ بکشتند و انجمن باقی است،

لیکن کیا کوئی ایسا دن بھی آئے گا، جب یہ ساری بباطل ہستی الٹ جائے گی، کائنات کی یہ مجلس درہم برہم ہو جائے گی؟ اور آسمان و زمین کے کرسے ٹکر کر چور چور ہو جائیں گے، اور پھر وہ خلاق عالم اپنی صفت خلق و احسان و جزا کے نئے منظر دکھائے گا، اور نئی زمین اور نیا آسمان پیدا ہو کر ایک اور عالم کسی نئے نظام پر وجود پذیر ہوگا۔ دنیا کے وہ تمام لوگ جو حال کو دیکھ کر مستقبل کا پتہ لگاتے ہیں، کسی نہ کسی طرح اس سوال کا جواب اثبات میں دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ بطرح یہ افراد آتے اور فنا ہوتے ہیں، اسی طرح ایک دن آئیگا، جب اس پوری دنیاے حیات پر موت طاری ہوگی، سب زیادہ اس سوال کے جواب میں کرید بلکہ انکار کا حق فلسفہ اور سائنس کے محققون (سائنٹسٹ) کو ہو سکتا ہے، مگر اہل فلسفہ کا بڑا گروہ بھی اس امکان پر یقین رکھتا ہے، اور اہل سائنس بھی اس امکان کو بہر حال محال نہیں سمجھتے، بلکہ طبیعیات و ہیئت جدید کے مختلف محققون کے خیالات اس باب میں

امکان سے آگے بڑھ کر وقوع کی سرحد تک پہنچ چکے ہیں، اور اس ہولناک دن کی آمد کے متعلق اپنے علم کے زور سے پیشین گوئی کرتے رہتے ہیں، اور اس عالمگیر موت کے مختلف اسباب ظاہر کرتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ اس نظام عالم کی پوری گاری جس انجن سے چل رہی ہے وہ یہ گرم آفتاب ہے، اور اسکی یہ گرمی روز بروز کم ہوتی جاتی ہے، آخر ایک دن آئیگنا جب یہ انجن بالکل ٹھنڈا ہو جائیگا، اور یہ ساری گاڑی ٹوٹ پھوٹ جائیگی، ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ یہ پور نظام کائنات جذب و کشش کے ستون پر قائم ہے، اور فضاے ہستی کے یہ تمام سیارے روز بروز کھینچے چلے آتے ہیں، تو ایک دن وہ بھی آئیگنا جب یہ باہمی توازن باقی نہیں رہیگا، اور اس وقت یہ کرے ایک دوسرے سے قریب ہو کر ٹکرائیں گے اور یہ ٹھنڈا دم ان کو چور چور کر دیگا،

ایک اور خیال یہ ہے کہ اس فضا میں کرڈ دن ستارے تیر رہے ہیں، ان میں سے بہت کم کا علم ہم کو ہو ہے، بہت ممکن ہے، کہ کسی زمانہ میں ہماری زمین کسی نئے سیارے سے ٹکرا کر چور چور ہو جائے، اور اس کی ساری آبادی بے باؤنٹوڑا ہو کر رہ جائے،

بہر حال اسباب طبعی کچھ ہوں، مگر ایسا ہونا اہل سائنس کے نزدیک بھی امکان، بلکہ وقوع کی امید و خیالی نہیں، اہل مذہب میں یہ عقیدہ کسی نہ کسی نوع سے ہر جگہ موجود ہے، اور اس کا مبل تذکرہ تمام آسمانی کتابوں میں ہے، تو رات میں اس کے اشارے پائے جاتے ہیں، انبوری میں اسکی تصریحات موجود ہیں، اور اُس میں اس کو عدالت کا دن کہا گیا ہے، حضرت جبریل علیہ السلام کے زمانہ میں یہود کے دو فرقے تھے، ایک مدوقی جو یونانیوں کے اثر سے آزاد خیال ہو گیا تھا اور قیامت کا منکر تھا، مگر دوسرا فرقہ جو قریشی کہلاتا تھا، بدستور اپنے پرانے عقیدے پر قائم تھا، انحضرت صلعم کے زمانہ میں بھی جو یہود تھے، وہ قیامت اور خسرو نشتر اور بہشت و دوزخ کے قائل تھے، اور ان کا عقیدہ تھا کہ جب قیامت آئے گی، تو اللہ تعالیٰ ایک انگلی پر آسمانوں کو ڈوڈو سری پر زمینوں کو، تیسری پر درختوں کو، چوتھی پر پانی کو اور اندر کی نم مٹی کو، اور پانچویں پر تمام مخلوقات کو رکھے گا، اور ندا دیگا کہ میں ہوں بادشاہ انجیل میں یہ عقیدہ پوری تصریح

کیسا تذکرہ ہے، اور حضرت عیسیٰ نے صدوقیوں کے مقابلہ میں تورات کی ایک آیت سے حیاتِ اخروی کا ثبوت پیش کیا ہے، اور کائناتِ یوحنا میں قیامت کے احوال، احوال کی پوری تفصیل، تشریح مذکور ہے، ہندو پرے کے نام سے اس عقیدہ (فناے عالم) پر یقین رکھتے ہیں، لیکن اس حقیقت کی کامل تشریح خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انجام کو پہنچی،

قیامت کے نام اس کی حقیقت کی اولین گرہ کشائی، اُس کے ناموں کی تشریح سے ہوتی ہے، قرآن پاک میں قیامت کو بیسیوں ناموں سے یاد کیا گیا ہے اور ان میں سے ہر ایک نام اُس کے ایک خاص پہلو کو نمایاں اور ظاہر کرتا ہے، قرآن میں اس کا سب سے پہلا نام جو قرآن کے سب سے پہلے سورہ میں ہے وہ یَوْمَ الدِّينِ ہے، یعنی جزا کا دن، جس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ عمومی جزا اور ربانی عدالت کا دن ہوگا، اس کے علاوہ اس کے یہ نام قرآن میں جایا آئے ہیں

السَّاعَةِ (وہ گھڑی، وہ مقرر وقت)

يَوْمَ الْقِيَامَةِ (کھڑے ہونے کا دن (مردوں کے کھڑے ہونے کا دن)
الْيَوْمِ الْحَاقِّ (سچا دن) (جس کے آنے میں کوئی شک ہے، اور جس کے فیصلہ میں کوئی غلطی ہوگی)

يَوْمَ مَعْلُومٍ (جانا ہوا دن، یا مقررہ دن)

الْوَقْتُ الْمَعْلُومُ (جانا ہوا وقت، یا مقررہ وقت)

الْيَوْمُ الْمَوْعُودُ (موعودہ دن)

الْيَوْمُ الْآخِرُ (پچھلا دن)

يَوْمُ الْآزِفَةِ (قریب آنے والی مصیبت کا دن)

يَوْمُ عَسِيرٍ (ایک سخت دن)

يَوْمٌ عَظِيمٌ (ایک بڑا دن)

یَوْمُ عَصِيبٍ ،	سخت دن ،
یَوْمُ الْبَعْثِ	جی اُٹھنے کا دن ،
یَوْمُ النَّعَابِیْنِ	افسوس کا دن ،
یَوْمُ التَّلَاقِ	باہم ملنے کا دن ،
یَوْمُ التَّنَادِ	پکار کا دن ،
یَوْمُ الْجَمْعِ	اکٹھے ہونے کا دن ،
یَوْمُ الْحِسَابِ	حساب کا دن ،
یَوْمُ الْحَسْرَةِ	حسرت کا دن ،
یَوْمُ الْخُرُوجِ	قبروں سے نکلنے کا دن ،
یَوْمُ الْفَصْلِ	فیصلہ کا دن ،
الْقَارِعَةُ	کھڑکھڑانے والی ،
الْعَاشِيَةُ	چھا جانے والی ،
الطَّامَةُ الْكُبْرَى	بڑی مصیبت ،
النَّبَأُ الْعَظِيمُ	بڑی خبر ،
الْحَاقَّةُ	ضرور آنے والی گھڑی ،
الْوَعْدُ	وعدہ ،
الْوَاقِعَةُ	واقعہ پذیر ،
أَمْرُ اللَّهِ	خدا کی بات
الصَّاحَّةُ	بہرا کرنے والی گھڑی ،

قیامت کے اوصاف | یہ تو وہ نام ہیں جو اسم مفرد یا اضافت، یا صفت کی صورت میں ہیں، اُن کے علاوہ فقرہ اور جملوں کی ترکیبوں کے ساتھ اس کے بکثرت نام قرآن میں آئے ہیں، مثلاً

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ (الغافر وغلوطہ) جس دن زرسنگھا بھونکا جائے،
يَوْمَ يُنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ (مائیدہ ۱۱۷) جس دن سچوں کو اُن کی سچائی کام دے گی،
يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ، (شعراء ۵۰) جس دن نہ مال کام آئے گا، نہ اولاد،
يَوْمَ يَعِضُّ الطَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ، (فرقان ۳۰) جس دن گنہگار اپنے دونوں ہاتھ چبائے گا،
يَوْمَ تَشَقُّ السَّمَاءُ (فرقان ۳۰) جس دن آسمان پھٹے گا،
وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ (مومن ۱۰) اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے،
يَوْمَ لَا رَيْبَ فِيهِ، (ال عمران ۳۶) جس دن میں کوئی شک نہیں،
يَوْمَ تَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا (نمل ۷۷) جس دن ہر قوم سے ایک گروہ کو اکٹھا کریں گے،
يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ (مطففين ۱۱) جس دن لوگ جہان کے پروردگار کے لئے کھڑے ہوں گے،
يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ، (قمر ۱۰) (جس دن) لوگ قبروں سے نکلیں گے،
يَوْمَ نَفِثَ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ، (عبس ۱۱) جس دن آدمی اپنے بھائی، اور ماں اور باپ اور بیوی اور بیٹیوں سے بھاگے گا،

يَوْمَ لَا تَخْرُجُ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا (نجم ۶-۱۵) جس دن کوئی کسی دوسرے کا بدلہ نہ ہو سکیگا،
يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ (فجر ۳۰) جس دن اُن کی زبانیں اُن کے خلاف گواہی دیں گی،
يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا (انفطار ۱) جس دن کوئی کسی دوسرے کے لیے کچھ نہ کر سکے گا،
يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَوْلَى عَنْ مَوْلَى شَيْئًا (نجم ۲۷) جس دن کوئی دوست کسی دوسرے دوست کو فائدہ نہ پہنچا سکے گا،

الغرض یہ اور اسی قسم کے اور دوسرے اوصاف اس ہولناک دن کے بیان کئے گئے ہیں، جن سے اس

عظیم انسان دن میں انسان کی بیکسی، عاجزی اور اپنے اعمال کے سوا کسی دوسری چیز کے کام آنے سے قطعی باپسی ظاہر کی گئی ہے۔

قیامت میں فسادِ نظام ہوگا | قیامت کے متعلق بعض متکلمین کو یہ شبہ ہوا ہے کہ وہ مادہ کے فنا سے محض، یا عدم محض کا نام ہے، حالانکہ یہ بات قرآنی تصریحات کے خلاف ہے، قرآن پاک کی میسوں آیتوں میں قیامت کی جو تصویر کھینچی گئی ہے، وہ تامل و قرائے حیات اور آسمان و زمین کے نظام کی برہمی اور ان کی تباہی کے خاکہ کے سوا کچھ اور نہیں ہے، چنانچہ حسب ذیل آیات پر غور کرنے سے یہ نتیجہ خود بخود سامنے آجائے گا،

الْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ وَمَا أَدْرَاكَ مَا
الْقَارِعَةُ يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفُشْرِ
الْمَبْثُوثِ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ
الْمَنْقُوشِ (قارعہ-۱)

متنبہ کرنے والی اور کیا چیز ہے متنبہ کرنے والی، اور تم
کو کس نے تباہ کیا کیا چیز متنبہ کرنے والی یہ وہ دن ہے
جب لوگ پریشان پروانوں کی طرح اور پھاروں
کے گالوں کی طرح ہونگے،

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا وَأُخْرِجَتِ
الْأَرْضُ أَنْفَاقًا وَقَالَ الْأَنْسَاءُ
مَا لَهَا يَوْمَئِذٍ تُخَدِّثُ أَخْبَارَهَا (زلزال-۱)

جب زمین خوب ہلائی جائے گی اور زمین اپنا بوجھ
نہاگی اور انسان کہیگا زمین کو کیا ہوا، اُس دن زمین
اپنی حالت بیان کرے گی،

إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُفَّتْ
وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ، وَأَلْقَتْ
مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ (انشقاق-۱)

جب آسمان پھٹ جائیگا اور وہ اپنے مالک کی
فرمانبرداری کرے گی، اور وہ فرمانبرداری کے لائق بن جائے گی
جب زمین پھیلائی جائے گی اور جو کچھ زمین میں ہے وہ ڈالے گی

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انشَتَرَتْ
وَإِذَا الْبُحَارُ عُثِرَتْ وَإِذَا الْغُبُورُ مُبْعَثٌ
عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدْ مَتَّ وَآخَرَتْ (انفطار-۱)

جب آسمان پھٹ جائیگا اور ستارے بکھر جائیں گے اور
جب دریا پھلا جائیں گے اور کھیر کے گندہ کے جائیں گے، روحوں نے
جو پہلے اور کچھ سمجھا ہے، اُس وقت جان لیگی،

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ، (تکوید - ۱)	جب آفتاب اندیر کیا جائیگا جب ستارے تاریک ہو جائیں گے،
اِنَّمَا تُوعَدُ وَاِنْ لَوْ اَفْعَ فَاِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ وَاِذَا السَّمَاءُ فُورِجَتْ وَاِذَا الْجِبَالُ سُفِفَتْ، (مرسلات - ۱)	تیس کا نام سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً ہونے والا ہے جب ستارے اندکرو دیئے جائیں گے جب آسمان کھول دیا جائیگا،
فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَخَسَفَ الْقَمَرُ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ، (قیامہ - ۱)	جب نگاہ ماند ہو جائیگی جب ماہتاب بے نور ہو جائیگا اور آفتاب ماہتاب اٹھا کر دیئے جائیں گے،
يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ، (مہاجر - ۱)	جب آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح اور جب پہاڑ روئی کے گالون کے مانند ہو جائیں گے،
فَاِذَا نْفَخَ فِي الصُّورِ فَتَخِرُّ وَاحِدَةً وَتُجَلَّتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا فَيَكُونُ فِيهِمَا وُقُوعٌ الْوَاقِعُ وَالنُّشُوتُ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَ مَسِيٍّ وَاٰهِيَةٍ، (الحاقة - ۱)	جب صور میں ایک پھونک ہوئی جائیگی جب زمین اور پہاڑ اٹھائے جائیں گے اور دونوں ٹکڑے ہو جائیں گے اس میں ہونی والی بات ہو جائیگی اور آسمان پھٹ جائیگا اور اس دن کزور ہو جائے گا،
يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّصِيْلًا،	جب پہاڑ اور زمین میں لرزہ ہو گا اور پہاڑ پگھلا ہوا تانبا ہو جائے گا،
فَكَيْفَ تَتَّقُونَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمَ يَكْفُلُ الْوَلَدَانِ شَيْبًا لِّلْسَّمَاءِ مُنْفَطِرٌ بِهِ كَانَ وَعْدُ الْمَعْنُوعِ، (مزل - ۱)	کیونکر متقی ہو سکتے ہو جب اس دن کا انکار کرتے ہو جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا آسمان اُسدن پھٹ جائیگا اور خدا کا وعدہ پورا ہو جائیگا،
يَوْمَ تَبْدَلُ الْاَرْضُ غَيْرِ الْاَرْضِ (البقرہ - ۱)	جب یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائیگی،

فَاِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً
کَالِدِهَانِ (رحمن-۲)
جب آسمان پھٹ جائیں گے، اور سرخ پلچٹ
کی طرح ہو جائیں گے،

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ لَئِيسَ لَوْ قَعَتْهَا كَاذِبَةٌ
خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ
رَاجًا وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبَاءً
مُّبْتَلًا (واقعہ-۱)
جب ہونیوالی بات ہو جائیگی، جس کے ہونے میں جھوٹ
نہیں ہو زیر و زبر کر دینے والی جب زمین خوب ہلانی
جائیگی اور پہاڑ پر اگندہ کئے جائیں گے، اس وقت وہ
پریشان ذرات کی طرح ہو جائیں گے،

وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ ابْوَابًا وَسُيِّرَتِ
الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا (نبا-۱)
اور آسمان کھول دیئے جائیں گے، اور وہ دروازے
در واز ہو جائیں گے، اور پہاڑ چلائے جائیں گے،
تو وہ سرب ہو جائیں گے،

غرض اس قسم کی اور بہت سی آئین ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت صرف نظام عالم کی درہمی،
اور دنیا کی حیات موجودہ کی تباہی کا نام ہے جس کے بعد ایک اور زمین اور ایک آسمان بنے گا، اور پچھلی دنیا کے
احمال کے نتائج پر اس دنیا کی حکومت کا قانون جاری ہوگا،

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَ
السَّمَوَاتُ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ
جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائیگی،
اور آسمان بھی بدل جائیگی، اور سب لوگ اس ایک
پر قابو رکھنے والے خدا کے سامنے نکل کر آئیں گے، (ابراہیم-۷)

قیامت کی حقیقت | اگرچہ قرآن پاک میں متفرق طور پر اس ہولناک دن کے احوال و کیفیات کا ذکر گونا گوں
طریقوں سے کیا گیا ہے، تاہم ایک خاص سورہ بھی اس نام سے اس میں موجود ہے، جس میں نہایت اختصار و
ایجاز کے باوجود انتہائی بلیغانہ وسعت ہے، چھوٹے چھوٹے فقرہ میں بڑے سے بڑے اور اہم سے اہم مطالب
کو اس طرح بیان کیا ہے کہ عقل ساکت، اور قلب مطمئن ہو جاتا ہے، اس سورہ کا آغاز ان آیتوں سے ہوتا ہے،

لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَمَةِ، وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ
الْقَوَامَةِ، اَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ لَنْ
تَجْمَعَ عِظَامُهُ، بَلَى قَادِرِينَ عَلَى أَنْ نَسُودَ
بَنَانُهُ، بَلَى يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ
يَسْأَلُ أَيَّانَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ فَإِذَا هُوَ الْبَصَرُ،
وَحُفَّتِ الْقُفُوفُ، وَجُمِعَ الشَّعْرُ، وَنُفِثَ
وَالْقُفُوفُ يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ
أَيْنَ الْحَقُّ كَلَّا أَتَى رَبِّيَ إِلَى رَبِّكَ
يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ، يُنَبِّئُ الْإِنْسَانُ
يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ، بَلِ الْإِنْسَانُ
عَلَى نَفْسِهِ لَصِيرَةٌ، وَلَوْ لَقِيَ مَعَادِيرَ
الْغُلُوبِ (قیامت)

مین قیامت کے دن کی اور ملامت کرنیوالے نفس
کی قسم کھاتا ہوں کیا وہ (انسان) سمجھتا ہے کہ ہم اُس کے
مرنے کے بعد اُسکی ہڈیوں کو اکٹھا نہیں کر سکتے ہیں
نہیں ہم تو اُس کے پورے بدن کو درست کر سکتے ہیں
یہ نہیں بلکہ اسی بات یہ ہے کہ انسان چاہتا ہے کہ خدا
سائے ڈھٹائی کرے، پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن
کب ہے؟ تو جب نگاہ چاندھلانے لگے اور چاند بنے تو
ہو جائے، اور سورج اور چاند ایک جگہ کر دیئے جائیں
انسان اُمدن کہیگا، اب کہاں ہے بھاگنے کی جگہ
ہرگز نہیں، کہیں بچاؤ نہیں، اُس دن تیرے رب
کے پاس ہے جا ٹھہرا، اُس دن انسان کو جو آگے
بھیجا (غل) اور جو پیچھے چھوڑا (وال و دولت) وہ بتایا

ان میں سے پہلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ نے روزِ قیامت، اور نفسِ توامہ کی یکے با دیگر سے قسم کھائی ہے
نفسِ توامہ یعنی ملامت کرنے والے نفس سے مقصود انسان کے اندر کا ضمیر ہے جو انسان کے ہر بے کام کے وقت
اندر سے غمگین و نادوم ہوتا ہے، اور اُس کو اُس کے اس کام پر ملامت کرتا ہے، آخری آیت میں اسی کیفیتِ ضمیر
کو ان نفطون میں ادا فرمایا کہ "بلکہ انسان اپنے حال کو آپ خوب جانتا ہے، اگرچہ وہ زبان سے اپنی برائیوں
اور کوتاہیوں کے لیے سیکڑوں بہانے تراشا کرے" انسان کی اسی قلبی کیفیت کا نام نفسِ توامہ ہے،

۱۔ اجتماعیات کے عالم اچھی طرح جانتے ہیں کہ فرد اور جماعت کے احوال میں ایک خاص قسم کی مناسبت
ہے، جس طرح شخص پیدا ہوتا ہے، بڑھتا ہے، بیمار ہوتا ہے، تندرست ہوتا ہے، گناہگار ہوتا ہے، نیکو کار ہوتا ہے،

پیشانی ہوتا ہے، محنت کرتا ہے، نگو نام ہوتا ہے، بدنام ہوتا ہے، خاص طبعی قوانین کی مطابقت سے وہ قوت حاصل کرتا ہے، اور انکی مخالفت سے وہ بیمار اور کمزور ہوتا ہے اور پھر ایک خاص عمر کو پہنچ کر رفتہ رفتہ اُس کے قوائے عمل سر پڑتے جاتے ہیں، اور وہ مر جاتا ہے، بعینہ یہی تمام احوال جماعتوں اور قوموں کو بھی پیش آتے ہیں، وہ بھی پیدا ہوتی ہیں، بڑھتی ہیں، تندرست ہوتی ہیں، کمزور ہو جاتی ہیں، گناہگار ہوتی ہیں، نیکو کار بنتی ہیں، اور ایک خاص وقت اور عمر کو پہنچ کر ان کے عملی قوی کمزور و مضحل ہو جاتے ہیں، اور وہ فنا ہو جاتی ہیں،

دنیا میں اسی اصول پر ہزاروں قومیں پیدا ہو کر فنا ہو چکی ہیں، جن کے نام بھی تاریخ کے صفحوں پر اب موجود نہیں ہیں، تو جس اصول پر اشخاص اور اشخاص کا مجموعہ جماعتیں اور جماعتوں کا مجموعہ اقوام پیدا ہوتی اور فنا ہوتی ہیں، کیا اُسی اصول پر تمام اقوام عالم کا جو مجموعہ پیدا ہوتا، بڑھتا، اور ترقی کرتا چلا جاتا ہے، کیا وہ ایک دن فنا کے محض کے آغوش میں جا کر سو نہ جائیگا؟ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے قیامت کے ثبوت میں اکثر عادی و ثبوتی دلائل فرعون وغیرہ قوموں کی تباہی سے، قیامت کی عمومی تباہی پر استدلال کیا ہے، اسکی مزید تفصیل آگے آئے گی،

بہر حال اب جس طرح شخص کے اندر ایک نفسِ توامہ، یا ضمیر یا احساس ہے، جو اُس کے ہر بُرے فعل کے وقت اُس کو ملامت کرتا ہے، اور اُس کو گنہگار ٹھہرتا ہے، اور جب کبھی وہ اپنے تمام مجموعی کارناموں پر نگاہ ڈالتا ہے، تو اپنے کو قصور وار جانتا اور گنہگار ٹھہرتا ہے، اسی طرح قوموں کا ضمیر بھی، اپنے گناہوں پر پچھتا تا، اور اپنی تعمیر پر نادم، اور اپنی کوتاہیوں سے شرمندہ ہوتا ہے، اسی طرح یہ پوری انسانیت بھی ایک دن اپنے افراد کے مجموعی کارناموں پر نادم و پشیمان ہوگی، اور اس کا ضمیر نفسِ توامہ اس کو ملامت کریگا، کائناتِ انسانی سے بڑھ کر، خود کائناتِ ہستی بھی اُسپر جو اُس کے اندر کیا گیا، اور جو کچھ اُس کے اندر عمل میں آیا اپنے خالق کے سامنے اپنی پشیمانی و مذمت کا اظہار کرے گی اسی عمومی اعترافِ قصور اور کُلی مذمت و پشیمانی کا نام قیامت ہے، اور اسی مناسبت سے اس سورہ بالاین نفسِ توامہ اور قیامت کو باہم ایک قسم میں معنی شہادت میں یکجا کیا گیا ہے، اب اس تفصیل کی روشنی میں سورہ مذکور کی آیتوں کو دوبارہ پڑھئے،

لحمہ قیامت
سورہ قیامت
تو دنیا جہاد الدین
روح القدس

۲۔ اس عالم کی ہر چیز پر اگر غور سے نگاہ ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ وہ متضاد عناصر و قوی کا مجموعہ ہے، اُس میں سردی و گرمی، صحت و تندرستی، بقا و فنا، اور دیگر ہر قسم کی متضاد قوتیں ودیعت رکھی گئی ہیں، ان متضاد قوتوں میں جب تک اعتدال قائم رہتا ہے، وہ زندہ رہتی ہے، اور جس وقت یہ اعتدال جاتا رہتا ہے، اسی لمحہ وہ فنا ہو جاتی ہے، ایک درخت میں ایک پھول کھلا، مٹری و گرمی اور موسم کی تاثیر نے اُس پر عمل کیا جب تک ان متضاد تاثیرات و استعدادات میں اعتدال کی کیفیت رہی وہ پھول شگفتہ رہا، جس آن میں کسی ایک قوت نے شکست پائی، اُسکی ہستی معرض فنا میں آگئی، یہی حال دنیا کی ہر چیز کا ہے اور اسی اصول پر افراد خاندان، جماعتیں، قومیں، بلکہ حیوانات، شجر، حجر، دنیا کی ہر چیز چل رہی ہے،

پوری کائنات ہستی کو ایسے کہ اُس کو خلاق عالم نے انھیں متضاد عناصر و اخلاط کے اصول پر قائم فرمایا ہے، دن رات، روشنی تاریکی، سردی اور گرمی، پانی اور آگ، بہار و خزان، تندرستی اور بیماری، دولت اور افلاس، حیات اور موت، آسمان و زمین، نیکی و بدی، خیر و شر، غرض جہر بھی دیکھو یہی معلوم ہوگا کہ یہ اربع عناصر کی چار دیواری، انھیں متضاد قویٰ اور حالات کی بنیادوں پر قائم ہیں، ان میں جب تک اعتدال قائم ہے، یہ دنیا کی ہستی چل رہی ہے جس دن ان کے اعتدال میں فرق آئیگا، وہی دن اسکی فنا کا ہوگا،

لیکن جس طرح افراد و اشخاص میں جہاں بیماری کے بعد تندرستی، اور تندرستی کے بعد بیماری کی حقیقت موجود ہے، اسی طرح اس نظام کائنات میں بھی تندرستی کے بعد بیماری، اور بیماری کے بعد تندرستی کی حقیقتیں موجود ہیں، کتنی دفعہ یہ واقعہ پیش آیا ہے، کہ دنیا ظلم و جور سے لبریز ہو گئی اور کشت و خون کے سیلاب نے اُس کے امن و امان کو غرق کر دیا، کہ دفعۃً وہ پھرا بھری، اور اس کا غرق شدہ امن و امان کشتی نوح بنکر کرۂ ارضی کو بچائے گیا، بارہا اس باغ ہستی میں خزان آئی، اور پھر مہار کا موسم اُس پر چھا گیا، اجرام سماوی کی باہمی مسابقت میں ہماری زمین کئی دفعہ ٹکرانے کے قریب پہنچی، اور پھر بال بال بچ گئی، یہ کرے اپنی رفتار میں بسا اوقات گرنے کے قریب پہنچے کہ پھر سنبھل گئے، مگر فساد و صلاح کا یہ اصول اسی وقت تک چل رہا ہے، جب تک ان متضاد

قومی اور کائنات کے استعدادات میں یہ اعتدال قائم ہے، جس دن یہ اعتدال فنا ہو گا نظام ارضی کا یہ پورا کارخانہ درہم برہم ہو جائیگا اور اس وقت زمین اپنی عمر کی پوری تالیخ اور کارناموں کے ساتھ اپنے خالق کے سامنے کھڑی ہوگی اور اپنے اوپر کی ہر کوتاہی و قصور کی شہادت اپنی زبان سے سنائے گی،

اِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا، وَأَخْرَجَتِ
الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا، وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا،
يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا، يَا أَيُّهَا رَبِّي
أَوْحِ لَهَا، يَوْمَئِذٍ يُصْدِرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا
لَّيْرًا وَّاعْمَالَهُمْ، فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ
ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ، وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ
ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ، (زلزال)

مصدق قیامت قرآن میں قیامت کے ذکر میں صور پھونکنے کا بار بار ذکر ہے، فَادْفَعْ بِأَيْدِيكَ إِلَى السَّحَابِ وَاسْجُدْ وَهُوَ حَيٌّ فَسُجَّدَ فِي بَرٍّ ۚ وَأَنْقَضَ بِرُوحِكَ الشَّجَرَ ۖ وَآتَى السَّحَابَ فِئَافِئًا ۚ فَيُفْخِرُ بِنَجْمِهِ وَالْكَوْنُ أَجْمَعُ ۚ وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسُكِّرَ بِهِ نَبَاتُ الْبَرِّ ۖ فَاصْبُرْ ۚ لَبِثَ أَرْبَعًا مِائَتَ سَنَةٍ ۖ لَبِثَ الْبَاقِي عَشْرًا ۚ أُولَٰئِكَ الْأَشْفَاقُ ۚ

معنی نرسنگھا کے ہیں اہل یہ ہو کہ قدیم لایام میں بالہیون کبغانیون، آرامیون اور عبرانیون وغیرہ تمام پرانی قوموں میں بادشاہ جلال و جلوس اور اعلان جنگ کے موقعوں پر نرسنگھا پھونکا جاتا تھا، ایسے نرسنگھا پھونکنے کے معنی شاہی جلال کے اظہار اور غیر معمولی خطرہ کا اعلان ہے، چنانچہ تورہ میں یہ محاورہ کثرت استعمال کیا گیا ہے، قرآن میں ہو کہ اَسْ وَنِندِ اِہو کی کہ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ اَجْ کِس کی بادشاہی ہے، پھر اللہ تعالیٰ خود ہی جواب دیگا، اِنَّ اللّٰهَ الْوَاحِدَ الْقَهَّارَ ۚ اَسْ ایک سب پر غالب آنے والے کی، غرض وہ دن آسمان وزمین اور نظم کائنات کے شہنشاہ مطلق کے جلال و جنگ کے اعلان کا ہوگا، اس لیے اُس کیلئے نفع صور اور نرسنگھا پھونکنے کا قدیم محاورہ استعمال کیا گیا ہے، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ معزوں میں بھی اس دن اپنی شہنشاہی کے نرسنگھا پھونکنے کا حکم دے اور اس کی تعمیل ہو۔

عزیز کا انکار اس تفصیل سے معلوم ہوگا کہ قیامت اپنا اندیشہ عظیم انسان حقیقت کہتی ہے لیکن اہل سرب کو تو حیرت کے بعد جس عجز و غنہ کی کیا

انکار تھا، اور جس کے ماتے پر وہ کسی طرح آمادہ نہیں ہوتے تھے، اور جو انکی عقل میں کسی طرح نہیں سماتا تھا، وہ بھی قیامت اور
خسرو نشتر کا مسئلہ ہے، جاہلی عرب حیات بعد الموت، اور خدا کے آگے اپنے اعمال کے مواخذہ اور پریش اور سزا و جزا سے قطعاً
لاعلم تھے، اور اسی لیے ان میں اعمال کے خیر و شر اور نیکی بدی کی وہ تمیز نہ تھی، خیر و شر اخلاق و معاملات کا دار و مدار ہے، ہر ایک
شاعر اپنی اس تسلیم کو سن کر تعجب سے کہتا ہے،

اموت ثم بعث ثم خسر حدیث خرافۃ یا اہ عمر

کیا موت ہی پھر جی اٹھنا ہے پھر کٹھا ہونا ہو اسے ام عمر: دشمن کی بیوی کا نام، یہ خرافات ہیں

قریش کے ایک دوسرے شاعر نے کہا،

یحدثنا النبئی بآت سئحی ولیف حیاة اصلاء وھام

نبی ہمے کہتا ہو کہ ہم پھر زندہ کئے جائیں گے حالانکہ صدی اور ہم ہو کر پھر زندگی کیسی؟

(اُن کا عقیدہ تھا کہ انسان مر کر پرندہ ہو جاتا ہے، اور آواز دیتا پھر تباہ ہے، اسی کا نام اُن کے ہاں صدہ اور ہام تھا)
قرآن مجید میں بھی اُن کے یہ اقوال بکثرت نقل کئے گئے ہیں،

عَاذَ امْتِنَا وَكُنَّا تَرَابًا ذَالِكِ الْبَعْثُ لَعْنَةُ رَبِّیْ (۱)

عَاذَ اِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِی الْخَافِرَةِ، عَاذَ اِنَّا لَكُنَّا

عِظَامًا مَّخْرُوجًا، (نزعہ-۱)

عَاذَ اِنَّا لَكُنَّا عِظَامًا مَّوَرَّثًا عَاذَ اِنَّا لَمَبْعُوثُونَ

خَلْقًا جَدِیدًا، (اسرائیل ۵-۱۰)

مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِیمٌ (یس-۵)

ان سڑی گئی ہڈیوں کو کون جلائیگا،

ان میں بعضوں کا عقیدہ یہ ہے کہ یوں کی طرح تھا کہ یہ دنیا ایسی طرح قائم رہے گی، موت فی حیات کا بھی مسئلہ ایسی طرح برابر جاری

ہیگا اور اس دنیاوی زندگی کے علاوہ کوئی دوسری زندگی نہیں،

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا
انہوں نے کہا کہ یہی ہماری موجودہ زندگی ہے، دوسری نہیں

وَمَا يُمِلُّكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ، (جاثیہ-۳) مرے ہیں اور جیتے ہیں اور زمانہ ہی ہم کو مارتا ہے

وَقَالُوا إِنَّمَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا كُنْهُمْ
اور انہوں نے کہا کہ یہی ہماری موجودہ زندگی ہے، ہم دوبارہ

بِمَبْعُوثِينَ، (العام-۳) نہیں اٹھائے جائیں گے،

انہیں اپنے اعمال کے حساب و مواخذہ کا بھی یقین نہ تھا،

إِنَّمُمْ كَانُوا لَا يُزْجُونَ حِسَابًا، (نبأ-۱) وہ حساب کی امید نہیں رکھتے تھے،

خَبَاب بن الارت ابتدائی مسلمانوں میں ہیں، یہ لوہاری کا پیشہ کرتے تھے، اُن کے کچھ دام قریش کے

ایکٹس میں بن اُل پر واجب الادا تھے وہ جب کا کر تھا کرتے تو عاص کہتا جب تک تم محمد کا انکار نہ کرو گے

میں تم کو کچھ نہ دوں گا، انہوں نے کہا یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک تم مر کر پھر جیو نہیں، اس نے کہا کیا مر کر مجھے

پھر جینا بھی ہے، انہوں نے کہا بیشک، اس نے مذاق سے کہا تو اچھا پھر وہیں میرا مال و دولت اور مرساں ہو گا،

وہیں تم دام بھی لے لیتا، اس سے اندازہ ہو گا کہ اس بارہ میں اُن کا کفر کتنا شدید تھا ایسے شخص نے ان کے

سامنے توحید کے بعد جس عقیدہ کو سب سے زیادہ شدت کیساتھ پیش کیا وہ یہی تھا، قرآن مجید کی کئی سورتوں میں سب سے زیادہ

اسی مضمون کو مختلف تصیرون اور مؤثر طریقوں سے روزمرہ کے عینی مشاہدات اور دلائل کیساتھ تکرار بیان کیا گیا ہے

اس میں ہیبت الہی، ہنگامہ قیامت اور حشر و نشر کے رستخیز کی ایسی تصویر کھینچی ہے کہ سننے والا سرتاپا اثر ہو جائے انسان

کے عجز و عقل کے تصور خدا کی عظمت و قدرت اور کائنات کی حیرت انگیز خلقت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ سنا

ہر قدم پر لرزہ بر اندام ہو جاتا ہے، پھر ایک طرف حیات ابدی، نعیم جنت، اور بہشت کی مسرتوں کا، اور دوسری طرف

موت کی بے بسی، دنیا کی فنا، دوزخ کی دہشت اور عذاب الہی کی تہدید کا ایسا ہولناک نقشہ کھینچا ہے کہ نفس انسانی

اپنے تاثر کو چھپانے پر قادر نہیں رہتا،

وحی الہی نے قیامت اور بہشت و دوزخ کے حالات و مناظر کو سب سے پہلے جن اسباب سے پیش کیا ہے اُن اہل نظر صاحبانہ واقف نہ تھے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں پہلے ایک بڑی سورت نازل ہوئی جس میں جنت و دوزخ کا بیان ہے، یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تب حلال و حرام کے احکام نازل ہوئے اور اگر پہلے ہی یہ حکم اترتا کہ شراب نہ پیو، بدکاری نہ کرو، تو لوگ نہ مانتے، یہ آیت کہ بَلِ السَّاعَةِ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَهْلًا وَآمَرٌ (بلکہ اُن کے وعدہ کا وقت قیامت کی گھڑی ہی، اور قیامت کی گھڑی نہایت مصیبت کی اور تلخ ہوگی) مکہ معظمہ میں اتری اور میں اُس وقت کمسن بچی تھی کھلتی تھی، بقرہ اور نسا کی سورتیں جنہیں احکام ہیں، اُس وقت اتریں جب میں آنحضرت صلعم کے ساتھ رہنے لگی تھی!

اس تشریح سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تعلیم محمدی نے اس حقیقت کو ایمان کے اصول و اساس میں کیوں داخل کیا ہے، کہ اگر یہ تعلیم عقائد میں شامل نہ ہوتی تو دلوں میں اعمال کی جزا و سزا کی ہیبت اور عظمت نہ بٹھیتی، اور نہ احکام الہی کی تعمیل میں دلی رجحان اور میلان پیدا ہوتا، اور یہودیوں کی طرح جنکے صحیفوں میں زیادہ تر دنیاوی ہی چیزیں لکھی ہوئی ہیں، کافر باقی ہے دوسرے اہل ایمان کے دل بھی سخت، اور تاثر سے خالی ہو جاتے چنانچہ اس فلسفہ کو خود قرآن نے ہی بیان کیا

فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُم مُّنْكَرٌ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ (نحلہ - ۲)

مانتے اور وہ غور میں مبتلا ہیں،

اسی لیے مسلمانوں کو حکم ہوا کہ نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ تلاوت کریں، جس کا ایک کلمہ ایہ ہے، مَا لَكَ يَٰ أَيُّهَا الَّذِيْنَ رَزَقْنَاكَ مَالًا کہ اسلام چاہتا ہے کہ یہ حقیقت اس کے پیروں کے دلوں میں پوری طرح گھر کرے، قیامت قرآن نے قیامت کی ضرورت پر تمام دوسری دلیلون سے قطع نظر کر کے عموماً دو باتوں سے استدلال کیا، اول یہ کہ انسان بیکار اور بے مقصد نہیں پیدا کیا گیا، اگر اس کے اعمال کا مواخذہ اور جزا و سزا نہ ہو تو خیر و شر اور

نیک و بدی کا فطری امتیاز نعو اور انسانی زندگی تا متر بے مقصد اور اُس کے تمام کام بے نتیجہ ہو جائیں،

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَاَنَّكُمْ اِلَيْکِنَا (اے لوگو!) کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا،

لَا تُرْجِعُوْنَ (مومن - ۶) تم ہماری طرف لوٹاؤ نہ جاؤ گے،

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى (تقار - ۲) کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ بیکار چھوڑ دیا جائیگا،

دوسری بات جو اس روز جزا کی ضرورت کے ثبوت میں قرآن نے پیش کی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا عادل

اور منصف ہونا ہے، اگر اچھے برے انسانوں کے اعمال کی جزا و سزا نہ ہو، تو دونوں کا درجہ برابر ہو جائے، اور نیک و بد

اور گناہ و ثواب کے کوئی معنی نہ رہیں بلکہ نعو و باند خدا ظالم اور غیر منصف قرار پائے، اس موجودہ مادی دنیا میں بھی انسان

تو اپنے اعمال کی کچھ نہ کچھ جزا ملتی ہے، مگر تاہم یہ صاف نظر آتا ہے کہ بہت سے گنہگار اور ظالم یہاں آرام اور چین کی

زندگی بسر کرتے ہیں، اور بہت سے نیکو کار پر سیرگار اور اچھے لوگ مصیبتیں اور تکلیفیں بھیلے ہیں، اس لیے یقیناً یہ موجودہ

زندگی اعمال کی جزا و سزا کی اصلی جگہ نہیں ہو سکتی، اس بنا پر دوسری زندگی کا ماننا ضروری ہے، جہاں ہر شخص کو اُس کے

اعمال کا پورا نتیجہ ملے، اس موجودہ دنیا میں دنیاوی حکام اپنے ناقص علم کے مطابق اچھون اور بدوں کو اُن کے اعمال کی

سزا دیتے رہتے ہیں، پھر کتنا ضروری ہے کہ پوری دنیا کا عالم الغیب حاکم اپنے صحیح علم کے مطابق لوگوں کو جزا و سزا دیکر

اپنے عدل و انصاف کا ثبوت دے، سورہ ولہین میں اسی استدلال کی طرف اشارہ ہے،

اَلَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ (لیکن جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کیے اُن کیلئے)

اَجْرٌ عَظِیْمٌ مِّمَّنْ قَدْ کَانَ لَکُمْ بِکَ بَعْدَ الَّذِیْنَ (نہ تم ہونے والا اجر ہو، پھر اُس کے بعد تمہکو کیا چیز جزا پر نصیب لانی)

اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰکِمِیْنَ (نہیں ہی کیا اللہ تمام حاکموں میں سب سے بڑا حاکم نہیں نہ تمام فیصلہ)

(الذین - ۱) کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا نہیں)

اسی لیے قرآن پاک کی مختلف آیتوں میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے، کہ نیک و بد کا نتیجہ عمل کیسا نہیں

ہو سکتا، ایک جگہ خدا فرماتا ہے،

نہیں آئی جس نے آسمان بنائے، زمین بنائی، آسمان سے پانی برسایا، مردہ زمین سے زندہ کھیتیاں بہنے لگیں اور درخت لگائے، اور پانی کے ایک قطرہ سے انسان بنایا کیا وہ انکی فنا کے بعد دوبارہ انکی ایجاد پر قادر نہیں؟

۴۔ حیات کا یہ تمام کارخانہ پہلے نیست معدوم تھا، خدا نے اسکو بہت و موجود کیا، پھر رفتہ رفتہ اسکو معدوم کر دیا، تو جس نے پہلے بغیر کسی سابق مثال کے اس کارخانہ کو پیدا کیا، وہ کیا دوبارہ اسکو پیدا نہیں کر سکتا جس نے نقشِ اول بنایا، کیا نقشِ ثانی کھینچنے پر اس کو قدرت نہیں؟

۵۔ دنیا میں باری باری بہت سی قومیں وجود میں آئیں، اور قوانینِ الہی کے مطابق انھوں نے جہانی نزول و طاقت، مالی وسعت، اجتماعی اور تمدنی عظمت، اور سیاسی قوت حاصل کی، بڑی بڑی عمارتیں بنائیں، عظیم الشان عمارتیں کی بنیاد ڈالی، قوموں کو اپنا محکم بنا کر حکومت و سلطنت قائم کی، پھر جب انھوں نے غرور و نفوذ ظلم و ستم اور دوسرے قوانینِ الہی کی جو قوموں کی ہستی اور عظمت کی بقا کے لیے ضروری ہیں مخالفت کی تو وہ فنا کر دی گئیں، اور ان کا نام و نشان بھی منقرض ہستی سے مٹ گیا، عربوں سے سوال کیا کہ تمہارے عابد و نمود جو کبھی بنو سام کے مالک عراق و شام و مصر و عرب پر چھائے تھے، کیا ہوئے؟ سب اور تتبع کی عظیم الشان حکومتیں کیا ہوئیں؟ فرعون اور اسکی سلطنت کا کیا حال ہوا؟ قومِ طو اور قومِ مدین کو زمین کیونکر نکل گئی؟ قرآن نے اہل عرب سے خطاب کر کے کہا۔

اَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَاَنَارُوا فِي الْاَرْضِ (مومن ۴)

کیا یہ زمین میں چلے پھرے نہیں کر دیکھے کہ ان سے پہلے کون کونسا انجام ہوا، جو انہیں قوت اور زمین میں یادگاروں کے لحاظ سے کہیں بڑھ کر تھے،

اَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُوءُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمٌ تُوجَّعُوا عَلَيْهِمْ وَاَنذَرْتُمْهُمْ فَانْتَبِهُوا قَوْمُ ثَمُودَ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللَّهُ، (ابراہیم ۲۰)

کیا تم کو نوح کی قوم، اور عاد و ثمود کی اور جو ان کے بعد آئے جنکو خدا ہی جانتا ہے، ان کی خبر تم کو معلوم نہ ہوئی؟

یہ تو وہ قومیں ہیں جن کا قرآن نے ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ دنیا کی تاریخ میں کتنی قوموں کے عروج و فنا کی

داستانِ محفوظین، بابلی، اسیری، آشوری اور مصری قومیں جو کبھی روئے زمین پر کوس لہن الملک بجاتی تھیں، ہزار ہا سال سے بے نشان ہیں، نارمن جیسے فتح کیا ہوئے، یونانی اور روم جو کبھی دنیا کے تہا مالک بن گئے تھے، اب ان کا کہیں جو ہے؟ جو روم کے مقابل صدیوں تک برسرِ پیکار رہے، اب انکی تعداد چند ہزار سے زیادہ نہیں رہی، امریکہ کے قدیم باشندے جو کبھی اس بزرگ عالم کے واحد مالک تھے، اب فنا کے قریب ہیں،

الغرض جس طرح افرادِ جی کر مر جاتے ہیں، جماعتیں وجود میں آکر مر جاتی ہیں، قومیں پیدا ہو کر فنا ہو جاتی ہیں، اسی طرح پوری دنیا کے مخلوقات بھی ایک دن ایسا کجا ب قانونِ الہی کے مطابق معدوم ہو جائیگی۔

جس طرح عوام جو قوموں کی تاریخ سے واقف نہیں صرف افراد کو جیتے اور مرتے دیکھتے ہیں، وہ گو افراد کی فنا کا یقین رکھتے ہیں، لیکن قوموں کی فنا کے مسئلہ کو نہیں سمجھ سکتے، اور ایمین شک کرتے ہیں، اسی طرح جنگی نظریہ کے خلق کی تاریخ پر نہیں، وہ اس کے فنا کے کامل پر اپنی جہالت اور نادانی سے اعتبار نہیں کرتے حالانکہ وہ ایک دن ایسا کجا جب پوری دنیا اپنے وجود کی صلاحیت سے محروم ہو کر فنا ہو جائیگی، اور کائنات کا یہ نظام بدل جائیگا، اور اس موجود عالم کا قانونِ طبعی، ایک دوسرے قانونِ طبعی سے منسوخ ہو جائیگا، اور جیسا کہ سائنس کہتا ہے اور قرآن نے نقشہ کھینچا ہے، وہاں آسمان اور ستارے اور تمام اجرامِ فلکی ٹکڑا کر چور چور ہو جائیں گے، اور پوری دنیا کی عدالت قائم ہو کر نئی زمین اور نیا آسمان بنے گا۔

يَوْمَ تَبْدَلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ
وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (ابراہیم - ۷)

جس دن یہ زمین اور زمین سے بدل جائیگی، اور آسمان بھی
اور مخلوق اکیلے زبردست خدا کے سامنے نکل کھڑی ہوگی،

سورہ ق میں قیامت پر استدلال انھیں دلیلون سے کیا گیا ہے،

قُلْ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ، بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ
مُنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ
عَرَاذِمُنَا وَكُنَّا تَارِيحًا ذَٰلِكَ رَجْعُ

قسم ہے اُس بڑی شان والے قرآن کی (جو مردہ دلوں کو بیدار
کرتا ہو، ان کافروں کو عقلی انکار نہیں ہی بلکہ ان کو اس سے
عجب ہے کہ ان میں کا ایک آدمی اگر ان کو قیامت کا ڈر

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا
 كِتَابٌ حَفِيفٌ، بَلْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كَذَّابًا
 فَهُمْ فِي أَمْرٍ مُرِيدٍ، أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ
 فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ
 فُرُوجٍ، وَالْأَرْضُ مَدَدُهَا وَالْقِصَافُ فِيهَا
 رَوَاسِي وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يَنْبُتٍ
 تَبَصَّرُوا وَذِكْرِيَ لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ،
 وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُبَارَكًا فَأَنْبَتْنَا فِيهِ
 جَنَّتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ، وَالنَّخْلَ لَبِقَاتٍ
 لَهَا طَلْعٌ نَضِيدٌ، رِشْرَشًا أَلْعَابٍ، وَاجْعَلْنَا
 بِهِ بَلَدًا مَسْكُونًا كَذَلِكَ الْخُرُوجُ، كَذَّابٌ
 قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ،
 وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ، وَأَصْحَابُ
 الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ
 فَحَقَّ وَعِيدُ، أَفَعَيْنَا بِالْحَقِّ الْأَوَّلِ بَلًا
 هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ،

(ق۔ ۱)

ستا ہوا، وہ کہتے ہیں کہ یہ تعجب کی بات ہو کیا جب ہم مجاہدین
 اور مٹی ہو جائیں گے (تو پھر زندہ ہونگے) یہ دوبارہ لوٹنا تو دروازہ
 ہے، (خدا کہتا ہے یہ تعجب کی کیا بات ہے) ہم کو معلوم ہے کہ زمین مرد
 جہوں میں جوئی کرتی ہے، اور پہاڑ پاس یاد کی کتاب ہے بلکہ بات
 یہ ہے کہ ان کافروں نے سچائی جب ان کے پاس آئی انھوں
 نے جھٹلادی، تو وہ اچھی باتوں میں پڑ گئے، کیا انھوں نے
 اپنے اوپر کے آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اُسکو کیسا بنایا اور
 نسطرح اوسکو سجایا، جو کہ آسمان میں سورخ نہیں اور زمین
 کو پھیلا یا ہے، اور آسمان پہاڑ کے ٹکڑے، اور آسمان قم
 قم کی رونق کی چیز اگلی کہ ہر رجوع ہونے والے بندہ کو اس سے
 ہو اور یاد دے، اور آسمان سے برکت کا پانی برسایا، پھر اس سے باغ
 اور کھیت کے اناج اُگائے، اور کھجور وں کے لئے درخت
 بنکے خوشے اوپر تلے ہیں، یہ بندوں کو روزی پہنچانے کے لئے
 اُس پانی سے مروہ آبادی کو ہم زندہ کرتے ہیں، اسی طرح فرعون
 نکلا، جو ان کافروں سے پہلے نوح کی قوم، اس دے اور نوح
 اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائیوں نے اور لوط کے بھائیوں نے
 تبع کی قوم نے اُسکو جھٹلایا، ان میں سے ہر ایک نے پیغمبروں
 کو جھٹلایا، تو میری دھکی پوری اتنی کیا ہم پہلے پیدا کر کے تھک گئے
 (جو دوبارہ نہیں پیدا کر سکتے) بات یہ ہے کہ ان کافروں کو از سر نو

سورہ قیامت میں بھی اسکا بیان ہوا، اسکی آخری آیتیں یہ ہیں:-

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى؛ أَلَمْ يَكُنْ نُطْفَةً مِنْ مَنِيٍّ يُُمْتَعَى؛ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّى؛ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَى؛ أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقَدِيرٍ عَلَى أَنْ يُنْجِيَهُ الْمَوْتُ، (رقیم-۲)

کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ یونہی بیکار چھوڑ دیا جائے گا، کیا وہ پانی کی ایک ٹپکی ہوئی بوند نہ تھا، پھر بندھا ہوا خون ہوا پھر خدا نے اسکو بنایا اور اسکو ٹھیک کیا، پھر اس کو جوڑا کیا، نر اور مادہ کیا، یہ خدا اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو دوبارہ جلائے؟

وَقَالُوا أَإِذَا ضَلَلْنَا أَكُنَّا عِظَامًا وَمُرَّةً قَالُوا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا، أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فَكَادِرٌ عَلَى أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ، (بنی اسرائیل-۱۱)

اور وہ بولے کہ جب ہم ہڈی اور چوڑا ہو جائیں گے تو پھر نئے بنا کر اٹھائے جائیں گے کیا یہ تین دیکھتے کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں کو اور زمین کو بنایا وہ ان لوگوں کے مثل کو دوبارہ بھی بنا سکتا ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا،

وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ، (۲ و ۳)

اور وہی جو خلق کا آغاز کرتا ہے، پھر اسکو دوبارہ خلق کرے گی اور وہ دوبارہ خلق کرنا اس کے لیے بہت آسان ہے،

إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ نُّرٍ (ج-۱)

(لوگو! اگر تم کو بارہ زندگی میں شک ہو تو ہم تمہیں پہلے، تمکو اسی مردہ ہی سے پیدا کر چکے ہیں، پھر دوبارہ کیوں نہیں پیدا کر سکتے،)

قیامت کے متعلق تمام دور دراز اور طول طویل شکوک و شبہات کا کتنا مختصر جواب ہے،

قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ (یسین-۵)

وہ بولا کون ان سڑی کھو کھلی ہڈیوں کو جلائیگا، کدے وہی جس نے پہلی دفعہ ان کو بنایا،

غرض وہی غمخیز نے ہر پہلو سے کفار کے اس استہجاب اور استہجا کو دور کیا، اور ان کو دوبارہ زندگی کا یقین دلایا،

حشرِ جہانی | اس بحث پر لوگوں نے قیامت برپا کر رکھی ہے کہ یہ دوبارہ زندگی آیا اسی گوشت و پوست کے ساتھ ہوگی، یا صرف روحانی ہوگی، اور جسم و جہانیت کا مطلق گذر نہ ہوگا؟ گو قرآن پاک کی مختلف آیتیں مختلف پہلوؤں کو پیش کرتی ہیں، جنہیں اشارۃً ہر قسم کی باتیں آجاتی ہیں تاہم قیامت کے متعلق اوپر کی آیتوں میں سے ایک ایک آیت پر غور کرو، کفار کو تعجب ہے کہ کیا ہمارا جسم مر کر پھر جیئے گا، کیا ہماری ان سڑی گئی ہڈیوں میں دوبارہ جان پڑے گی، اور ہم قبروں سے نکل کر پھر اُٹھ کھڑے ہونگے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جسمانی زندگی کے علاوہ زندگی کا کوئی دوسرا مفہوم اُن کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھا، مگر اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم تعجب نہ کرو، اور انکار پر آمادہ نہ ہو، کہ تمہارے یہ فائدہ ختم نہیں اٹھائے جائیں گے اور نہ تمہاری اُن بوسیدہ ہڈیوں میں رُوح پھونکی جائیگی، بلکہ وہ دوسرا سرور روحانی زندگی ہوگی، کیونکہ جب دوبارہ جسمانی زندگی کا تخیل اُن کے لیے ناقابلِ فہم تھا، تو خواص روحانی زندگی کا تخیل تو اور بھی اُن کے فہم سے دور تھا اور اب بھی ہے، کہ ہم اس مادی زندگی کے جاننے والے سر تا پا روحانی زندگی کے تصور سے بالکل عاجز ہیں، اسی لیے مصلحت الہی اسی کی مقتضی تھی کہ وہ اصل واقعہ پر زور دے، اور کیسے اور کیوں سے تعرض نہ کرے، اور صاحبِ ہِم کو اُس کے فہم کے مطابق اس راز کو سمجھنے دے، چنانچہ قرآن پاک کے اس اسلوبِ بیان کو اگر سمجھنا ہے تو ان آیتوں پر غور کرنا چاہئے،

وَقَالُوا إِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَأَنَّا لَمُتْ أَمْ لَمْ يَلْقَ الْخَلْقُ
جَدِيدًا بَلَدْنَاهُمْ بِلْقَاءِ رَبِّهِمْ كَفِرًا ۚ

اور انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم زمین میں کھو جائیں گے
کیا ہم نئی پیدائش میں پھر ہونگے، (خدا فرماتا ہے یہ کچھ نہیں بلکہ)

(سجہ ۱) یہ اپنے پروردگار کی ملاقات کے منکر ہیں،

غور کرو کہ اُن کی مادی معدومیت کے بعد مادی پیدائش کے پُر تعجب انکار پر اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا کہ یہ شکوک و شبہات اس لئے اُن کو پیش آتے ہیں کہ مرنے کے بعد خدا کی ملاقات اور اُس کے سامنے ہونے سے اُن کو انکار ہے، اور حواسی کو چھوڑ کر اصل مقصود یہی ہے کہ موت کے بعد اور آخرت میں خدا کے سامنے ہونے پر یقین رکھا جائے، اس سے اُن کو کیا مطلب کہ وہ اُس طرح ہوگا؟ چنانچہ اس کے بعد ہی فرمایا،

قُلْ يَتُوبُ إِلَيْكُمْ إِنَّكُمْ لَرَجِعُونَ إِلَىٰ رَبِّكُمْ
جواب میں کہہ دے کہ ملک الموت جو تم پر متعین ہے وہ

تَعَالٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ، (سجدہ-۱) تم کو موت دیگا، پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹا جاؤ گے،

یہی ملاقات اور رجوع الی اللہ اس عقیدہ حشر کی اصلی روح ہے،

بات یہ ہے کہ ہم انہیں باتوں کو سمجھ بوجھ سیکے ہیں جنکی مثالیں اور نظیریں اس مادی دنیا میں ہماری نگاہوں سے گذرتی رہتی ہیں اور وہ عالم جو نگاہوں سے مستور، بلکہ تصور سے بھی دور ہے، ایسی باتوں کو اس طرح سمجھنا کہ ہر سوال اور جواب سوال سے وہ پاک ہو جائیں، تقریباً نامکن ہے، ان کے متعلق جو کچھ کیا جاسکتا ہے، وہ یہ ہے کہ اس دیدہ شہرستانِ وجود یعنی دنیا کے قیاس ہی پر اس نادیدہ شہرستانِ بقا کا ہر نقشہ اور خاکہ بتایا اور سمجھایا جائے، اور یہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے کیا ہے،

جو لوگ کہ اللہ تعالیٰ کی ہر قسم کی قدرت پر یقین رکھتے ہیں، ان سے تو کچھ کہنا ہی نہیں لیکن اگر کوئی جسمانی حشر کا تصور اس لئے محال سمجھتا ہے کہ عام انسانوں نے کسی مردہ جسم کو زندہ ہونے نہیں دیکھا، تو اس سے زیادہ محال یہ ہے کہ کوئی تنہا روحانی زندگی کو سمجھ سکے، کہ کسی انسان نے آج تک کسی انسان کو روحانی وجود میں نہیں دیکھا، بلکہ وہ اُس کا تصور تک بھی نہیں کر سکا ہے، وہ جب انسانی زندگی کا تصور کرے گا تو جسم و شکل و اعضا کے ساتھ ہی کرے گا، ان سے مجرّد ہو کر نہیں کرے گا،

موت جسم سے روح کی مفارقت کا نام ہے، اس لیے اگر یہ سچ ہے کہ قیامت میں نئی زندگی ملے گی، تو ظاہر ہے کہ پہلی کیفیت اور صورت سے کوئی الگ صورت و کیفیت ہوگی، جس کا نام حیاتِ ثانیہ رکھا گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ روح کا دوبارہ تعلق جسم سے پیدا کیا جائے، ورنہ غیر جسمانی زندگی تو قیامت کے پہلے بھی تھی، اب نئی بات کیا بڑھ گئی جس کا نام حیاتِ ثانیہ رکھا جائے،

گو روحِ انسانی جسم کے اندر ہر فعل کی فاعل ہے، مگر ہر فاعل کے فاعل بننے کے لیے آلات اور اوزار کی بھی ضرورت ہوتی ہے، جن کے بغیر وہ اپنے فعل کے بجالانے سے مجبور رہتا ہے، اسی طرح روح اپنے فعلِ لذت و الم کے انجام دینے کے لیے جسمانی آلات اور اوزار کی محتاج ہے، کہ لذت و الم کا کوئی روحانی احساس جسمانیت کے ثابہ سے مبرا ہو کر ہو ہی

نہیں سکتا، اس بنا پر روح محض کا جنت کی لذتوں سے متشبع یا دوزخ کی تکلیفوں سے متاثر ہونا کسی جہانی طاقت کے بغیر تصور میں نہیں آتا، خواب میں دیکھو کہ روح کو جو لذت یا تکلیف پہنچتی ہے، اُس میں بھی جہانی پیکر وکیل کی صورت نمودار ہوتی ہے۔

جسم و جد | حشر جہانی مانتے کے بعد یہ بحث میسودہ کہ آیا وہی جسم دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائیگا جس کے قالب میں وہ روح پہلے دنیا میں ہی تھی، یا کسی دوسرے نئے جہانی پیکر میں وہ روح پھونکی جائے گی، یا یہ کہ آئندہ جسم اپنی مادیت اور تربیت میں اسی دنیاوی جسم کے مائل ہوگا، جب کہ حقیقت ہے، اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اعمال کی ذمہ داری روح پر ہے، جسم پر نہیں، اور اسی طرح جزا و سزا کی راحت و تکلیف کا اصلی مورد روح ہے جسم نہیں، تو پھر اب وہ کسی قالب میں بھی ہو، اور کسی رنگ میں بھی ہو، روح پر مواخذہ، اور ثواب و عذاب کی لذت و اہم کا احساس یکساں ہوگا، البتہ یہ ضروری ہے کہ جو جسم کو دوسری دنیا میں ملیگا اسکی خصوصیات و لوازم اس خاکی جسم کے خصوصیات و لوازم سے بالکل الگ ہونگے، چنانچہ خود ہمارے تخیل اور تصور اور نیز خواب و رویا میں جو جسم ہرگز نظر آتا ہے، وہ جسم ہو کر نظر آنے کے باوجود مادی جہالت سے سراسر پاک ہوتا ہے، اس لیے فقط جسم کے بولنے سے انہیں خصوصیات کا جسم سمجھ لیں، ماضوری نہیں ہو، اور نہ اس جسم پر قیاس کر کے اُس جسم پر اُنسکالات پیش کئے جاسکتے ہیں،

غلبہ جسد | چنانچہ جو جسم قیامت میں عنایت ہوگا، وہ نئی خلقت اور نئی آفرینش کا نمونہ ہوگا، اسی لیے قرآن نے مکروں کے جواب میں یہ کہا ہے کہ

بَلْ هُمْ فِي تَلَسٍّ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ (ق)

بلکہ یہ لوگ نئی آفرینش سے شک میں ہیں۔

مکروں کی زبان سے کہلوا یا،

عَاثَا لِمَبْعُوثَاتٍ خَلْقًا جَدِيدًا (اسراء)

کیا ہم درحقیقت نئی آفرینش کر کے اٹھائے جائیں گے،

ایک دوسری سورہ میں یہ تلقین ہے کہ

إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ (سبا)

بیشک تم ایک نئی آفرینش میں ہونے والے ہو،

پھر تشریل دے کر فرمایا،

کَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ، جس طرح ہم نے پہلی پیدائش کا آغاز کیا، اسی طرح ہم

(انبیاء-۷) اُس کو دوبارہ بنائیں گے،

اس لیے اُس عالم کی اس نئی خلقت پیدائش اُسے جسم کو بعینہ اسی جسم کے مطابق سمجھنا صحیح نہیں ہے، اور نہ اس خاک کی جسم کے تمام خصوصیات کا بعینہ اُس جسم میں ہونا ضروری ہے، اُس کو اگر اس عالم کے لفظ "جسم" سے تعبیر کیا جاتا ہو، تو اس لیے کہ ہماری زبان میں روح کے غلاف و قالب کے لیے جسم سے بہتر قریب تر، اور شاہ تر کوئی دوسرا لفظ نہیں یہ بات کہ حشر میں بعینہ گذشتہ گوشت و پوست کا ہونا اس لیے ضروری سمجھا جائے کہ وہ بھی عذاب و ثواب میں شریک ہوں، تصریح قرآنی پر اضافہ ہے، قرآن میں تو یہ تصریح ہے کہ

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ
نَارًا كُلاًَّمَا أَنْفَجَتْ أَجُودُهُمْ يُدْخِلُهُمْ
جُلُودًا غَيْرَ هَٰلِكَ وَتَوَلَّى الْعَذَابُ مَا إِنَّ اللَّهَ
كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا، (نساء-۷۸)

تاکہ وہ عذاب چھین بیشک اللہ غالب اور حکمت والا ہے

جب کھالین یکے با دیگرے بدلتی جائیگی، تو وہ پہلا اصلی حصہ جسم جو گناہ میں شریک تھا کمان باقی رہا، ہیطرح یہ تصریح ہے کہ انسان کے ہاتھ پاؤں اور کھالین اُس کے اعمال پر شہادت دیں گی، اس سے معلوم ہوا کہ وہ اصلی مجرم جو ان اعمال کا ذمہ دار اور اس مقدمہ کا مدعا علیہ ہے، ان جسمانی اعضاء کے علاوہ ہوا اور وہ روح انسانی ہے، ذمہ داری روح پر ہے | یہی سبب ہو کہ موت و حیات، عذاب و ثواب اور اعمال کے مواخذہ کا اسلام نے جس سے تعلق بتایا ہے وہ نفس یعنی روح ہے،

أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يٰحَسْرَتَىٰ عَلَىٰ مَا فَرَّطْتُ

و (قیامت میں) کوئی نفس یہ کہنے لگے کہ اے افسوس

فِي حُبِّبِ اللَّهِ، (زمر-۶)

اس پر کہ میں نے اللہ کے پیلو میں کمی کی،

وَلَنَنْظُرَ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ، (حشر-۳)

اور چاہیے کہ ہر نفس دیکھے کہ اُس نے کل (قیامت) کیلئے کیا بچھا

عَلِمْتُ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرْتُ (تکویر-۲) (میں دن، ہر نفس جان لیگا جو اس نے حاضر کیا،

عَلِمْتُ نَفْسٌ مَّا قَدَّمْتُ وَأَخَّرْتُ، (میں دن، ہر نفس جان لیگا جو اس نے آگے بھیجا،

(انفطار-۱) اور پیچھے چھوڑا،

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا، (انبیاء-۴۷) (تو اُس دن) کسی نفس پر کوئی ظلم نہ ہوگا،

جنت کی نسبت ہے،

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ عَيْنٍ (سجده-۲۵) کوئی نفس نہیں جانتا کہ اُن کے لیے (جنت میں) کیا

انگوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہو،

ان آیتوں میں دیکھو کہ عمل کی ذمہ داری اور اس کے اچھے اور برے نتیجوں کا بارجم پر نہیں، بلکہ روح اور نفس

پر ڈالا گیا ہے، اور اسی کو تکلیفِ لذت سے آشنا کیا گیا ہے جنت میں داخلہ کی خوشخبری بھی اُسی کو دی گئی ہو،

فَاَدْخِلْنِيْ عِلْدِيْ وَادْخِلْنِيْ جَنَّتِيْ، اے مطمئنِ روح! میرے بندوں میں شامل اور میری

(نہج-۱) جنت میں داخل ہو جا،

دنیاوی جسم بدلتے رہتے غرضِ اعمال اور اُن کے نتائج کی اصلی ذمہ داری اور جنت و دوزخ کی لذتِ عالم کی اصل

پر بھی وہی جسم رہتا ہو احساس کرنے والی ہستی صرف روح ہے، اور جسم کی حیثیت صرف ایک لباس و آلہ احساس

کی ہے، اس سے زیادہ اسکی کوئی حیثیت نہیں، یہ جسم لاکھ بار بدلے مگر روح اگر وہی ہے، تو وہ انسان وہی ہے، اور اُسی

تو اپنی ذمہ داری کی جزا و سزا ملے گی ہی ہو،

جو لوگ اپنی ظاہر بینی سے اصلِ زورِ جسم پر دیتے ہیں، حالانکہ اس مٹی کے ڈھیر میں اگر روح کا خزانہ چھپا نہ ہو تو اس

مشتِ خاک میں دھرا کیا ہے، دیکھو کہ انسان بچپن سے لیکر بوڑھا پے تک وہی ایک شخص ہے جو پہلے تھا، حالانکہ اسکی

جسمانی مہیت اور اس کے جسم کا مادہ ہر آن اور ہر لمحہ فنا ہو کر بدلتا رہا، اور بیاریوں میں وہ سوکھ کر کاتا ہو گیا، پھر زندگی

کے بعد نئے ذرات داخل ہو کر لہلہائے تغلٹی سے یہ سمجھتے ہو کہ ہر حال میں وہی جسم یکساں طور پر قائم ہے، حالانکہ

عظیم سے پوچھو تو وہ بتائے گا کہ اُس کے ذرے کیونکر ہر آن میں جھڑتے اور گھٹتے رہے، اور جو خوراک وہ کھاتا رہا، وہ خون ہو کر کیونکر بدل یا تھل بن کر اُن کی جگہ لیتی رہی، پھر کیا ایسے ہر آن فنا ہوتے رہنے والے اور چند سال کے بعد بالکل بدل جانے والے کو دائم الوجود اعمال کا ذمہ دار اور انکے نیک بد کی پہلی جزایا سزا پانے کا مستحق ٹھہرایا جاسکتا ہے، لیکن جس طرح دنیا میں اگر کوئی مجرم آج بھاگ گیا اور چند سال کے بعد پکڑ کر جب لایا گیا، تو وہ یہ عذر نہیں کر سکتا کہ چونکہ وہ ہاتھ جس سے اس نے چوری کی تھی اردو پاؤں جن سے وہ مال لیکر بھاگا تھا، اس عرصہ دراز میں بدل گئے ہیں، اس لیے وہ لائق تعزیر نہیں، کیونکہ وہ روح جس نے اپنے ارادہ و نیت سے اس کام کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے ذریعہ کرایا تھا، وہ جس طرح کل تھی بعینہ کج بھی ہے، اور جو تکلیف اُس کو اپنے پہلے جسم کے ذریعہ کل پہنچ سکتی تھی، آج بھی بعینہ وہی اس کو پہنچ سکتی ہے، اور اس جسمانی تغیر سے اُسکی روحانی شخصیت میں اصلاً کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا، اس لیے پہلے ہی جسم کے ضروری ہونے پر زور دینا بے سود ہے، اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ جسم اگر بدل بھی جائے، تو اعضا کی شہادت کا مسئلہ اپنی جگہ پر صحیح ہوگا، جسم کے اجزاء دنیا میں بدلتے جاتے ہیں، مگر جو بیماری اگلے اجزاء میں پیدا ہو گئی تھی وہ اُن کے فنا ہو جانے کے بعد بھی قائم رہتی ہے، مٹ نہیں جاتی، بلکہ وہی اُن کے بعد کے آنے والے اجزاء میں برابر سرایت کرتی رہتی ہے،

آخر دی جسم کیسا ہوگا | روح کو آخرت میں جو جسم ملے گا وہ حقیقت میں اُن کے اعمال ہی کے ظل و عکس ہونگے، یعنی جیسے اعمال ہونگے، ویسے ہی انکو جسم عنایت ہونگے، چنانچہ دنیا کے جسمانی رنگ کے لحاظ سے خواہ کوئی کالا ہو یا گورا مگر اُس دنیا میں اُس کا یہ کالا پن اور گورا پن اعمال کی سیاہی و سپیدی کی صورت میں بدل جائیگا، فرمایا:-

وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفَرَةٌ ۚ مَّحَاجِلُهُ مُتَشَبِّهَةٌ ۚ
کتنے چہرے اس دن روشن ہنستے اور شاد ہوں گے،

وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهِمْ غَبَرَةٌ ۚ تَوَّهَمُوا قَتْلَهُ ۚ
اور کتنے چہروں پر اُس دن کدورت ہوگی، اور اُن پر

سیاہی چھائی ہوگی،

(عبس۔ ۱)

يَوْمَ يَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ
جس دن کتنے چہرے سپید ہونگے، اور کتنے کالے بیکر چھکے

اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ تَفْ اَكْفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ
 فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِاَكْفَرْتُمْ تَكْفُرُوْنَ، وَاَمَّا
 الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمْ وُجُوْهُهُمْ نَفْيًا رَّحْمَةً مِّنَ اللّٰهِ
 هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ، (ال عمران - ۱۱)

ہرے کا لے ہوئے کیا تم وہ ہو جو ایمان کے بعد پھر کافر
 ہو گئے تھے، تو اپنے کفر کرنے کے بدلہ عذاب کا مزہ چکھو،
 اور لیکن جنکے ہرے پسید ہوئے تو وہ اللہ کی رحمت میں
 ہونگے، اُسی میں سدا رہیں گے،

صحیح حدیثوں میں ہے کہ جنت میں سب لوگ جوان بنکر داخل ہونگے اور جسم پر کبھی بڑھا پا نہیں آئیگا، اُن کا قد
 حضرت آدمؑ کے اولین ہستی قد کے مطابق ہوگا، دوزخیوں میں سے کسی کا سر پہاڑ کے برابر ہوگا، کسی کا ایک پہلو منگو
 ہوگا، کسی کے ہونٹ لٹکے ہونگے، دل کے اندھے آنکھوں کے اندھے بنکر اٹھیں گے، منراؤن کے بعد جب اُن کے جسم ٹوٹ
 پھوڑ ہو جائیں گے تو پھر اُن کے جسم صحیح و سالم نوادار ہونگے، اور پھر اُن کی وہی کیفیت ہوگی، یہ بھی آیا ہے کہ جو اپنے
 ٹوٹا سمجھے ہیں وہ حیوان بنکر قیامت میں اٹھیں گے، ان تمام شواہد سے ہوتا ہے کہ اُس دنیا کے جسمانی قالب ہمارے
 اِس دنیاوی جسم کے مطابق نہیں بلکہ ہمارے دنیاوی اعمال کے مطابق ہونگے،



جزا اور سزا

”یوم آخر“ یا یوم دین پر ایمان لانے سے اسلام کا حقیقی منشا یہ ہے کہ لوگ اس کا یقین کریں کہ اُن کے ہر عمل کا بدلہ ہے، کچھ اس دنیا میں، اور پورا دوسری دنیا میں، اسی کا نام جزا و سزا ہے، اور دنیا کے دوسرے مذاہب بھی اسلام کیساتھ اس مسئلہ میں ہموار ہیں،

جزا و سزا دیگر مذاہب میں | اور درحقیقت مذاہب کا حقیقی تعلق اسی عقیدہ سے ہے کہ انسان اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے اور اچھا یا بُرا جیسا کام اُس سے صادر ہوگا اُس کے مطابق اسکا اچھا یا بُرا معاوضہ اُس کو دوسری دنیا میں ضرور ملے گا، اس عقیدہ کا نشان مصر میں صی دنیا کی قدیم قوموں میں بھی ملتا ہے، ہندوستان کے مذاہب میں اس دوسری دنیا کو دوسرے جہنم سے تعبیر کیا گیا ہے، اُن کا خیال یہ ہے کہ انسان جب مرتا ہے تو اُس کے اچھے یا بُرے کاموں کے مطابق اُس کی روح کسی جانور یا گھاس پھوس یا درخت کے قالب میں جا کر اپنے عمل کا نتیجہ بھگتی ہے اور پھر انسانوں کے قالب میں لائی جاتی ہے، اور کام کرتی ہے، اس کے بعد جس کے گناہ زیادہ ہوتے ہیں، اُس کو یم لوک میں جانا پڑتا ہے، جہان نرک (دوزخ) میں وہاں وہ ہر قسم کی سزا بھگتی ہے، بعد ازیں اپنے بعض اچھے کاموں کی بدولت چند لوک (چاند کی دنیا) میں جاتی ہے جس روح کے کچھ کام اب بھی باقی ہیں، وہ اس دنیا میں ہوا، بادل، اور بارش کے ذریعہ سے زمین میں دوبارہ آتی ہے، اور اپنے کام کے مطابق حیوانات یا نباتات کے رُخ میں سزا پاتی ہے، اور پھر چھوٹ کر انسان بنتی ہے، یہاں تک کہ اُس کے کام اتنے اچھے ہو جائیں کہ وہ سزا کے قابل نہ قرار پائے، اس وقت وہ مادی قالبوں کی قید سے نجات پا کر سوچ لوک اور چند لوک وغیرہ اجرام سماوی کی دنیاؤں میں جا کر آرام کرتی ہے، اور پھر اپنے علم و عمل کی کسی کمی کے سبب سے بادل، ہوا، آناج یا کسی دوسرے

خلوقات کے قالب میں ہو کر اس کو اُس دنیا میں پھر آنا پڑتا ہے اور پھر وہی عمل اور سزا اور نئے نئے جنم میں پیدا ہو کر سزا بھگتی ہے اور اُس وقت تک اس آمد و رفت اور آواگون کے چکرون میں پھنسی رہتی ہے جب تک اُس سے اچھے یا برے کاموں کا صدور ہوتا رہتا ہے، اس لئے کامل اور دائمی نجات کی صورت یہ ہے کہ انسان سے اچھا یا برا کوئی کام ہی صادر نہ ہو یہی ترکِ عملِ رُوح کو مادہ کی قید سے آزاد کر کے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا (مکش) دلاتا ہے، یہاں تک کہ یہ موجودہ مادی دنیا پُرے (قیامت) کے بعد جب پھرنے سے نیگی تو پھر وہی عمل اور سزا اور جنم کے آواگون کا چکر شروع ہوگا، اور پھر اسی طرح چھٹکارا پائے گی اور پھر دوسرے پُرے کے بعد نیا دور اسی طرح شروع ہوگا، یہ چکر اسی طرح ہمیشہ جاری رہیگا،

یہ وہ چکر ہے جس سے انسان کو کبھی نکلنا نصیب نہ ہوگا، لہٰذا یہ کہ ہمالہ کی چوٹی یا غار میں بیٹھ کر ترکِ عمل کے ذریعہ خود اپنے وجود سے ہاتھ دھویا جائے، لیکن اگر اس اصولِ نجات پر دنیا عمل کرے تو یہ بہارستانِ م کے م میں غارستانِ بنجائے، اور ہر قسم کا کاروبار محض ہو کر یوں بھی متافقہ کے قریب آجائے، اور بدی کیساتھ نیگی کا وجود بھی دنیا سے مٹ جائے، اور با این ہمہ دائمی وابدی نجات میسر نہ ہو، کیونکہ ہر پُرے کے بعد وہی جنم، اور کرم، اور آواگون پھر شروع ہوتا ہے،

لیکن دنیا کے دوسرے مذاہب نے اس چکر اور بے عملی سے دنیا کو نجات دلائی ہے، انھوں نے اس جو دنیا کے بعد ایک ہی دنیا اور تسلیم کی ہے، جہن انسا نون کو اپنے اچھے اور برے اعمال کی پوری پوری جزائلیگی، مختلف زردشتی فرقوں نے آدین نسل ہونے کے باوجود ہندوؤں کے تناسخ کے بجائے مختلف سامی مذاہب کے خیالات کی نقالی کی ہے، اور خصوصاً بعد والوں نے اسلام کے عقائد کو اردای ویراف کے عجیب و غریب مشابہت کا رنگ دیکر اور اُس کی کتاب کو اسلام سے بھی پہلے کی قرار دیکر تمام تر قبول کر لیا ہے،

لہٰذا تناسخ کے رد میں ان ذہنی، جو انسانی ایک معقولہ دستان المذاہب کا مصنف ہو زردشتی مذاہب پوری واقعیت رکھتا تھا، اس نے اپنی کتاب میں اس کی پوری تفصیل درج کی ہو،

صحیفہ ابراہیم یعنی سفر تکوین میں دنیا کی محنت و مشقت اٹھانے کے بعد پھر جنت میں داخلہ کا اشارہ ہے (تکوین ۲-۱۹)

علیٰ ہذا حضرت موسیٰؑ کے صحیفوں میں آخر وی جزا و سزا کے اصول مذکور ہیں، نیکو کاروں کے لیے ایک "ستھری آبادی" جہنم و دودھ اور شہد کی نہر میں بہتی ہیں، مذکور ہے، اور بدکاروں کے لیے ہلاکت اور بربادی اور دردناک عذابوں کی بھی خبر ہے، مگر ترجموں نے ہر جگہ اس کو دنیاوی ہی ثواب و عذاب بلکہ ارضی موعودہ کی ظاہری سلطنت کے معنوں میں کر کے دکھایا ہے، حالانکہ بعض مقامات میں یہ بے جوڑی بات ہو کر رہ گئی ہے، حضرت آدمؑ کی جنت

عدن اور اس کے چار دریاؤں کا ذکر تکوین کے دوسرے باب میں ہے، علاوہ ازیں تورات میں موت کے بعد کی زندگی کی تصریح ملتی ہے، حضرت ابراہیمؑ (پیدائش ۲۵-۸) اور یعقوب علیہما السلام (پیدائش ۴۹-۳۳) کی موت کی تعبیر ان لفظوں میں لگائی ہے، کہ جان بحق ہوا، اور وہ اپنے لوگوں میں جا ملا، ساتھ ہی ہمیشہ کی بھلائی (استثنا ۶-۲۴)

کا بھی تذکرہ ہے، اور جہنم کی آگ (استثنا ۳۲-۲۲) کا بھی بیان ہے، اور ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دینے جانے کی بھی تصریح ہے (یرمیاہ ۱-۱۱) روح کی بقا اور آسمان پر چڑھنے کی تعلیم بھی ان کے صحیفوں میں موجود ہے، (واعظ ۳-۲۱) مرنے کے بعد روح کے، خدا کے پاس واپس پھر جانے کا بھی ذکر ہے، (واعظ ۱۲-۷) اور انسان کے اپنے

ابدی مکان میں جانے کا بھی تذکرہ ہے، آخر میں ہے، خدا سے ڈرا اور اس کے حکم کو مان، کہ انسان کا فرض کلی یہی ہے، کیونکہ خدا ہر ایک فعل کو ہر ایک پوشیدہ چیز کیساتھ خواہ بھلی ہو خواہ بری عدالت میں لایگا، (واعظ ۱۲-۱۴)

زبور میں خدا کی عدالت کے دن کی تصریحات بار بار ہیں، امثال سلیمانی میں ہے، کہ انسان کی راہیں خداوند کی آنکھوں کے سامنے ہیں، اور وہ اسکی ساری روشنیوں کو جانچتا ہے، شریر کی بدکاریاں اسکو بکڑ لینگیں، اور وہ اپنے ہی گناہوں کی رسیوں سے جکڑا جائے گا، وہ بے تربیت پائے مر جائے گا، اور اپنی بھالت کی شدت میں بھٹکتا پھر جائے گا، (دانیال ۲۱-۵)

و دانیال میں ہے کہ اس وقت بہتیرے جوزمین میں خاک پر سو رہے ہیں، جاگ اٹھیں گے، بعض جہات ابدی کے لیے اور بعض رسوائی اور ذلت کے لیے (۲-۱۲) حزقیال (۲۸) میں جنت کی طلائی اور جہنم کی بنی ہوئی عمارتوں کے اشارات ہیں،

حضرت مسیح سے پہلے یہودیوں میں صدوقی نام ایک فرقہ پیدا ہوا جس نے حکمران یونانیوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان کی بعض باتیں قبول کر کے یہودی تعلیم میں شامل کیں، بجز ان کے وہ قیامت اور حیاتِ اخروی کا بھی منکر ہوا، مگر اس کے مقابل کا دوسرا فرقہ جس نے اپنے کو فریسی (علحدہ رہنے والا) کہا، اپنے پرانے عقیدوں پر قائم رہا، اور قیامت، حیاتِ اخروی اور جنت و دوزخ کے عقائد کو بدستور راتا رہا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں فریسی ہی اعتقاد رکھتے تھے کہ جنت مادی ہوگی، اور وہاں بہشتیوں کو ان کی بیویاں واپس ملین گی، درمیں ۱۲-۲۴) یہودیوں کی پچھلی کتابوں میں جزاؤں کی تفصیل موجود ہے، چنانچہ اسلام کے زمانہ میں بھی عرب کے یہودی اس پر ایمان رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہودی کیسے ہی گنہگار ہوں گے مگر چند روز سے زیادہ وہ دوزخ میں نہیں ہینگے، (بقرہ ۸۰ و آل عمران ۳) یہ چند روز باختلاف روایت تین روز، چالیس روز یا گیارہ مہینے ہیں،

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں یہودیوں کے ان دونوں فرقوں کے درمیان سخت اختلافات برپا تھے، اور دونوں ایک دوسرے کی تردید و ابطال میں مصروف تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اگر صدوقیوں کے اس عقیدہ کی تردید کی، اور قیامت اور جزاؤں پر ایمان لانے کی تعلیم دی، حضرت عیسیٰ کے ایک حواری یوحنا نے اپنے مکاشفہ میں جنت دوزخ کی پوری تصویر کھینچی،

حضرت عیسیٰ کے اس جواب سے جو انھوں نے ایک صدوقی کے سوال کا دیا کہ اس دنیا میں لوگ شادی اور بیاہنیں کریں گے، بلکہ فرشتوں کے مانند رہیں گے، ایسا سمجھا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے جنت کو صرف روحانی وجود بنجھا ہے، مگر حقیقت ایسا نہیں ہے، حضرت عیسیٰ اپنی زندگی کی آخری شب میں اپنے شاگردوں کے ساتھ بیٹھ کر جب انکو رکافشر وہ پیتے ہیں، تو کہتے ہیں:-

تین تم سے کتابوں کے انکو رکے چل کا رس پھر نہ پیو، گا، اس دن تک کہ تمہارے ساتھ اپنے باپ کی بات

۱۔ برٹش انسائیکلو پیڈیا مقنون صدوقین، (صدوقین) کتب تفسیر میں ان آیتوں کی تفسیر دیکھو، ۲۔ سیل کا ترجمہ قرآن
حاشیہ زیر ترجمہ آیت بقرہ رکوع ۸،

مین نیانہ پیون (متی ۲۶-۲۹)

حضرت عیسیٰؑ یہودی علماء کو خطاب کر کے فرماتے ہیں:-

"اے سانپو! اور اے سانپون کے بچو! تم جہنم کے عذاب سے کیونکر بھاگو گے" (متی ۲۳، ۳۳)

حضرت عیسیٰؑ اپنے ایک وعظ میں دوزخ کا ایک منظر دکھاتے ہیں، اور فرماتے ہیں:-

"میں نے دوزخ کے درمیان عذاب میں ہو کے اپنی آنکھیں اٹھائیں اور ابراہام (حضرت ابراہیمؑ) کو دور سے

دیکھا اور اُس کی گود میں لعزز کو، اور اُس نے پکار کے کہا کہ اے باپ ابراہام مجھ پر رحم کر اور لعزز کو بھیج کہ اپنی انگلی کا سر اپنی سے بھگو کے میری زبان ٹھنڈی کرے، کیونکہ میں اس زمین میں تڑپتا ہوں" (لوقا ۱۶-۲۳)

مکاشفات یوحنا میں دوزخ کو آگ اور گندھک کہا گیا ہے، (۱۴-۱۰) اور متی کی انجیل میں اس کے دروازے

بھی بتائے گئے ہیں (متی ۱۶-۱۸) اسی طرح جنت اور اُنکی طلائی و جواہری تعمیر اور نہر آب حیات کا ذکر مکاشفات کے

اکیسویں باب میں ہے، اور وہاں کے انگوری افشردہ کا بیان بھی میں ہے (متی ۲۶-۱۹) وہاں کے آبِ سرود کا ذکر بھی انجیل میں آتا ہے (لوقا ۱۶-۲۳)

اسی طرح ہر ایک کے عمل کے حساب لئے جانے اور عمل کے مطابق بدلہ ملنے کا ذکر بھی حواریوں کے خطوط

میں موجود ہے،

"مبارک وہ مرد ہے جس کے گناہوں کا حساب خداوند نہ لیگا" (رومیون ۴-۸)

"سو ہر ایک ہم میں سے خدا کو اپنا حساب آپ دیگا" (رومیون ۱۴-۱۲)

"لیکن دے اُس کو جو زندون اور مردوں کا انصاف کرنے پر تیار ہے، حساب دینگے (اول پطرس ۴-۵)

اس باب میں اسلام کا کبھی پہلو یہ ہے کہ اُس نے اس عقیدہ کو نہ صرف پوری تفصیل کیساتھ بیان ہی کیا، بلکہ

اُس کے تمام ضروری اجزاء فراہم کئے، گذشتہ مذاہب کے تشنہ بیانات پر سیر حاصل بخشن کین، ان کے نقائص کی تحلیل کی اور منرا و جزا کے اصول اس طرح صفائی سے بیان کئے، کہ اس عقیدہ کا ہر پہلو شکوک و شبہات سے پاک ہو گیا

آئندہ مباحث کے سمجھنے کے لیے، پہلے چند اصول ذہن نشین کر لینے چاہئیں،

عالم آخر کا فہم اور کم اس عالم آخر میں جو کچھ ہوگا، وہ اگرچہ ہمارے اس زیر تجربہ وزیر مشاہدہ مادی عالم سے بالکل الگ ہوگا تاہم چونکہ انسانی فہم کی مجبوری کی وجہ سے وہ اسی زبان و محاورات میں ادا کیا گیا ہے، جو اس مادی عالم کے ساتھ مخصوص ہیں، اس لیے ان الفاظ کے ساتھ جو مادی خصائص و لوازم مستلزم ہو گئے ہیں، یا ہم ان کے دیکھنے اور سننے کے اس دنیا میں مادی ہو گئے ہیں، ان لفظوں کو سنکر ہم بعینہ وہی سمجھنا چاہتے ہیں جو اس دنیا میں ان لفظوں سے سمجھتے رہے ہیں، اور اسی سبب سے بعض کم فہم وہاں کے وقائع و احوال کا بیان سنکر ان میں سے بعض امور کو محال اور نامکن کہہ اٹھتے ہیں، اور بعض ان کی تشریح و تاویل اس طرح کرتے ہیں کہ لفظ و معنی میں ادنیٰ اشتراک بھی باقی نہیں رہتا، یہ دونوں راستے سخت خطرناک ہیں، اسی لیے وحی محمدی نے ان نازک و دقیق اسرار کے بیان میں انسانی فطرت کی کمزوریوں کا پورا لحاظ کیا ہے، نہ تو یہودیوں کی طرح اس نے ان واقعات کو سرتاپا مادی لکھ کر اس عالم آخرت کو بھی سرتاپا یہی عالم آب و گل بنا دیا ہے، اور نہ عقل و خرد کے بعض نادان مدعیوں کی طرح ان کو مادہ سے اتنا بلند و برتر کیا ہے کہ ان کا وجود ہی موهوم و فرضی ہو جائے، بلکہ انسانی عقول کے اختلاف و مراتب کا لحاظ کر کے بزم کے اہل نظر اور تماشائیوں دونوں کی تشفی اور تسکین کا سامان بہم پہنچایا ہے،

ان آخری وقائع کے مختلف انجیال مفہوموں اور مصداقوں کا لحاظ کر کے وحی محمدی نے ایسے چھ تلافیاتی اختیارات کئے ہیں، جن سے ایک فلسفی بھی بہرہ یاب ہو سکتا ہے، اور ایک عامی بھی، اور دونوں اپنی اپنی جگہ پر اپنے ایمان کا لطف اٹھا سکتے ہیں اور ایک ایسے مذہب کے لیے جو سارے انسانی طبقوں کو اپنا مخاطب بنانے کا دعویٰ کرتا ہے، ایسی ہی وسعت کی ضرورت تھی، تاکہ وہ سب کے لئے اپنی اپنی جگہ پر تشفی کا باعث ہو سکے، ان تمام آخری واقعات کو جن الفاظ میں بیان کیا ہے، وہ ظاہر ہے کہ طبعاً وہی الفاظ ہو سکتے ہیں، جن کے ساتھ اس دنیا میں تمام مادی ماحول، مادی مفہوم و مصداق، اور جسمانی تخیلات ہر چار طرف سے ملتے ہیں، ان لفظوں کے سننے کیساتھ جو مفہوم ہمارے ذہن میں آتا ہے، وہ سرتاپا انہیں مادی قیود و لوازم کے ساتھ آتا ہے، ہم جب آگ

کالفظ سننے ہیں تو معاً اس دنیاوی آگ کا مفہوم ذہن میں آتا ہے جسکو ہم یہاں دیکھتے ہیں جو انسانوں اور درختوں کو
 ہر چیز کو جو اُس کے اندر ہوتی ہے، بلا تمیز یکساں جلا دیتی ہے، مگر اخروی آگ ایسی نہ ہوگی، اُس کے اندر بعض درخت تنگ
 جو نہیں جلین گے، وہ صرف گنہگار انسانوں کو جلائیگی، کسی کے پاؤں کو چھوئیگی، کسی کی کمرنگ آئیگی، کسی کے گلے تک
 پہنچیگی اور وہ ایسی تیز و گرم ہوگی کہ یہ دنیاوی آگ اُس کے مقابلہ میں ٹھنڈک ہے، ”وزن کالفظ سننے کے ساتھ ہمارے
 سامنے اس عالم میں تولنے کی ساری خصوصیتیں آجاتی ہیں، ترازو، پانگ، پتلے، ڈنڈی اور تولی جانے والی چیز
 میں جمیت اور نقل کا ہونا، اسی طرح نامہ عمل کے لکھنے کا مفہوم جب ہم سمجھنا چاہیں گے تو کاتب کی انگلیاں، قلم،
 دوات، سیاہی، کاغذ اور حروف کی ساری قدیم ہمارے ذہن میں آئیگی، اس بنا پر ان الفاظ کے سرسری معنوں اور
 اُن کے قریب الفہم مجازی معنوں کے سمجھنے میں اختلافِ آراء کی بڑی گنجائش ہے، اس لیے حق تو یہ ہے کہ ان پر بلا مزید
 تشریح اس طرح ایمان لایا جائے کہ ہماری تشریح سے اُن کے الفاظ کے مفہوم کی وسعت تنگ نہ ہو جائے، یا ہم
 اُن کو گون کو بھی دائرہ سے خارج نہ کیا جائے، جو ان الفاظ سے وہ مفہوم سمجھ کر تسلی پانا چاہتے ہیں، جنکے وہ الفاظ
 متحمل ہو سکتے ہیں کہ اگر مراد الہی یہی تنگی ہوتی، تو اللہ تعالیٰ انسانی عقولوں کے اس اختلافِ مراتب کا لحاظ کئے
 بغیر اپنے مفہوم کو اس وسعت کے بجائے تنگ سے تنگ الفاظ میں ظاہر فرما سکتا تھا، مگر ایسا نہیں کیا، تاکہ اسلام
 تمام مختلف العقول انسانوں کے لیے عالم گیر ثابت ہو سکے،

ایک دوسری قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ علمِ آخرت کے وقائع اور حالات کے سمجھنے میں اشکالات و اعتراضات
 سیلے پیش آتے ہیں کہ ہم جو دواؤں کے موجودہ تمام قوانینِ فطرت کو اس طرح لازم و ملزوم سمجھتے ہیں کہ جب کسی شے کے وجود کا
 تذکرہ کیا جائے گا تو معاً اُس کے وہی خصوصیات و لوازم سامنے آئیں گے جن کے دیکھنے کے ہم اس دنیا میں عادی
 ہیں، حالانکہ اربابِ عقل نے یہ طے کر دیا ہے کہ اس موجودہ دنیا کے مخلوقات و مستببات اور اُن کے موجودہ
 علل و اسباب میں جو لزوم ہے وہ محض مادی ہے، یعنی اس لیے ایسا ہے کہ ہم ایسا دیکھتے ہیں، یہ نہیں کہ اس لئے
 یہ ایسا ہے کہ ایسا ہی ہونا چاہئے،

اس بنا پر اگر صرف اتنی سی بات ذہن نشین کر لی جائے کہ موجودہ مادی قوانین فطرت اور علل و اسباب اور ان کے نتائج کا فرماؤ ہیں، وہ صرف اسی عالم اور موجودہ دنیا کے قوانین ہیں، اگر خدا تعالیٰ کوئی نئی دنیا بنائے یا نیا عالم خلق کرے تو ضروری نہیں کہ یہی موجودہ قوانین فطرت وہاں بھی کار فرما ہوں، بلکہ بالکل ممکن ہے کہ اُس نئے عالم میں نئے قوانین پر عمل ہے، نئی خصوصیات کے جسم ہوں، نئی قسم کی زندگیاں ہوں، نئی قسم کی آگ ہو، نئی قسم کے باغ اور ان کے پھل ہوں، نئی قسم کے موجودات و مخلوقات ہوں، نئے علل و اسباب ہوں، اور نئے قوانین فطرت ہوں، وحی محمدیؐ نے اس نئے عالم کے متعلق کہا ہے،

يَوْمَ تُبَدِّلُ الْأَرْضَ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتِ
جس دن یہ زمین نئی زمین سے بدل جائے گی، اور

(ابراہیم - ؑ) آسمان،

تو کون کہہ سکتا ہے کہ اُس نئی زمین اور نئے آسمان میں بھی وہی مادی قانون جاری ہونگے، جو اس موجودہ زمین و آسمان میں جاری تھے، اس بنا پر جمہوریت مادیت کے وہ تمام اعتراضات اور آئندہ حیات کے متعلق اشکالات جو اس دنیا اور اُس کے قوانین کی بنا پر پیدا ہوتے ہیں، بالکل بے بنیاد اور بے حقیقت ہیں،

اس ضروری تہید کے بعد جزا و سنرا کی اسلامی تشریحات کی جانب قدم اٹھایا جاتا ہے، رُحِ الْكَافِي إِلَى الصَّوْلِ،

اصولِ حشر | اللہ تعالیٰ نے جس طرح موجودہ عالم کو اپنے خاص نظام اور قانون پر بنایا ہے، جس کو اہل فلسفہ قانون قدرت اور اہل مذہب تقدیر اور اندازہ الہی کہتے ہیں، اسی طرح اُس نے اپنے ہر عالم کے لیے ایک نظام اور تقدیر قائم کی ہے، جس کے مطابق اُس عالم کا کاروبار انجام پاتا ہے، انسان غلطی سے یہ سمجھتا ہے کہ یہ اصول فطرت صرف مادیات تک محدود ہیں، حالانکہ مادیات ہوں یا روحانیات، ذہنیات ہوں یا عملیات، ہر ایک میں یہ یکساں جاری و ساری ہیں، جس طرح یہ قانون فطرت ہے کہ زہر کھانے سے انسان کا حجم مرجھاتا ہے، اسی طرح یہ بھی اصول فطرت ہے کہ گناہ سے اسکی روح مرجھاتی ہے، اور جس طرح اصول حفظانِ صحت کی عدم پیروی سے انسان بیمار ہو جاتا ہے، اسی طرح اصول تزکیہ قلب کی عدم متابعت سے بھی وہ مریض ہو جاتا ہے، پھر جس طرح دوا و اصول حفظانِ صحت

کی پابندی کردہ اپنی جسمانی بیماری کے آلام کی نجات پاتا ہے ایسا ہی روحانی تدبیر علاج کے ذریعہ بھی وہ شفا یاب ہوتا ہے،

اعمال کے لازم نتائج | غرض جس طرح دنیا میں ہر چیز کی ایک خاصیت ہے، اور وہ جب یہاں وجود پذیر ہوتی ہے، تو

اُس کے ساتھ اُس کے خواص و آثار بھی پیدا ہوتے ہیں، انسان کی اندرونی کیفیات و اعمال کے بھی کچھ آثار و لوازم

ہیں جو اُس سے الگ نہیں ہو سکتے، غور و خفا کساری، بخل اور فیاضی، انتقام اور عفو، شجاعت اور بزدلی، تقویٰ

اور فسق، ایمان اور کفر ہر ایک کا ایک اثر و نتیجہ ہے، اور ہر ایک کے کچھ نہ کچھ خصائص و لوازم ہیں، جو اُس سے اس طرح

الگ نہیں ہو سکتے، جس طرح سنگیہا سے سمیت، شکر سے مٹھاس، اور آگ سے حرارت جدا نہیں ہو سکتی، اور ان

معنوی، روحانی اور نفسیاتی چیزوں میں علت و معلول کا وہی لزوم ہے، جو جسمانی، مادی اور طبعیاتی اشیاء میں ہے،

اشخاص کی نیکو کاری و بد کاری، اور افراد کی سعادت و شقاوت کے جو اصول ہیں، وہی جماعتوں اور قوموں

کی صلاح و فساد، اور سعادت و شقاوت پر بھی حاوی ہیں، جس طرح ایک سائنٹسٹ (حکیم) کا کام اُن مادی

فریکل اصول کو جانتا اور بتاتا ہے، اور اُس کی اس تعلیم کا نام ہماری اصطلاح میں حکمت (سائنس) ہے، اسی طرح

ان روحانی اسباب و علل اور آثار و نتائج کو جانتا اور بتاتا، انبیاء علیہم السلام کا کام ہے، اور ان کی اس تعلیم کا نام

شرعیات ہی، انبیاء کی اس تعلیم کے مطابق ہم کو اعمال کے روحانی آثار و نتائج کے متعلق وہی یقین ہونا چاہئے، جو

ایک حکیم کی تعلیم کے مطابق ہم کو جسمانی اشیاء کے خواص اور آثار کے متعلق ہوتا ہے، سائنس کا لوجی (علم نفس) اور ہوشیار لوجی

(عِلم الاجتماع) کی وسعت تحقیق نے اس مفہوم کے سمجھنے میں اب بہت کچھ سہولت پیدا کر دی ہے،

عقاب ثواب و عمل پر | الفرض یہ مادی و جسمانی دنیا علت و معلول، عمل اور ردِ عمل کے جس اصول پر مبنی ہے، اوسکی

وسعت کے دائرہ میں انسان کا ہر قول اور انسان کا ہر عمل شامل اور داخل ہے، یہی سبب ہے کہ گناہ کے لازم

نتیجہ کا نام اسلام میں عقاب، اور اعمالِ صالحہ کے لازمی نتیجہ کا نام ثواب رکھا گیا ہے، قرآن نے انہیں دونوں

اصطلاحوں کو بار بار استعمال کیا ہے، عقاب کا لفظ عَقَب سے نکلا ہے، جس کے معنی پیچھے کے ہیں، اس لیے عقاب

جس اثر کا نام ہے جو کسی فعل کے کرنے کے بعد لازم آجاتا ہے، اور ثواب کا لفظ ثواب سے لیا گیا ہے، جس کے معنی

لوٹنے کے ہیں، اس لیے یہ کسی اچھے کام کے لوٹنے والے نتیجہ اور جزا کے معنی میں بولا گیا ہے،

اسی ایک مسئلہ کو اگر اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو جزا اور سزا کے شرعی دھول کے سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہو، چنانچہ قرآن پاک میں یہ کئی دفعہ فرمایا گیا ہے،

الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (جاثیہ-۴) جو تم کرتے تھے وہی بدلہ پاؤ گے،

اس سے معلوم ہوا کہ یہ جزا و سزا ہمارے ہی اعمال کے ردِ عمل (درجی اکشن) کا نام ہے ایک اور جگہ ہے،

لِيُجْزِيَ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَى، (طہ-۱) تاکہ ہر جان کو اُس کا بدلہ دیا جائے جو وہ کرتی تھی،

ان آیتوں میں یہ صاف تصریح ہے کہ یہ جزا و سزا اتنا متر ہمارے دنیاوی اعمال کے آثار و لوازم ہیں،

فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمُ تِلْكَ أَمْثَلُ تَوَانِ كَيْفَ كَامُنْ پَر پڑے، اور اُن کا ٹٹھا کرنا

مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ، (نحل-۴) اُن پر اُلٹ پڑا،

غرض جزا و سزا انہیں اعمال کے نتائج کا دوسرا نام ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا اسی اصول کی تشریح

میں یہ اشارہ فرمایا، کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ فرمائیگا کہ اے میرے بندو! یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جو میں تم کو لوٹا کر

ہیان دے رہا ہوں، تو جو کوئی جزائے خیر پائے وہ خدا کا شکر ادا کرے، اور جس کو برائی ملے وہ خود کو ملامت کرے،

اصولِ راحت کا مولد یہ فطری قانون ہے کہ ہم کسی بڑی تکلیف سے اسی وقت بچ سکتے ہیں، جب اُنکی خاطر ہم اس

سے چھوٹی چھوٹی تکلیفوں کو برداشت، اور کسی بڑی خوشی کے حصول کے لیے ہم اپنی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو قربان

کرتے ہیں، عاجل یعنی موجودہ، اور آخرت یعنی آئندہ ان دونوں کا جب کبھی تقابل پیش آتا ہے تو دونوں

ہمت اور ہمت خیال لوگ عموماً موجودہ (عاجلہ) راحت کو پسند کر کے آئندہ راحت کی فکر نہیں کرتے، کہ اُن کی نگاہ

میں موجودہ راحت کو چھوٹی ہو مگر نقص ہے، اور آئندہ کی راحت کو بڑی اور خوش آئند ہو، مگر وہ نہیں ہے، اور اُن کا مولد

یہ ہے کہ نقدِ رابنہ مگذاؤ لیکن بلند ہمت اور عالی حوصلہ طبائع کا طریقِ عمل اس کے بالکل برخلاف ہے، فاتح اور

کشور کشا آج اپنی جانوں کو جو کم مین ڈالتے ہیں تاکہ کل سلطنت اُن کو ہاتھ آئے، تاجرا در سوداگر آج اپنے سرمایہ کو بازار کے سپرد کر دیتے ہیں تاکہ دولت فرد اسے وہ بہرہ مند ہوں، ہر مذہب انسان اپنے بچہ کو بین بچیں برس تک تعلیم تربیت اور مشق امتحان کی مصیبتوں کی آگ میں بے تامل جھونک دیتا ہے، تاکہ اُس کی آیندہ کی زندگی راحت و مسرت میں بسر ہو، لوگ اپنے سرمایہ عزیز کو تکلیفین اٹھا اٹھا کر جمع کرتے جاتے ہیں تاکہ کل اُس سے زیادہ ضروری موقع پر اُس کو کام میں لاسکیں اور تنگدستی کی بڑی تکلیف سے بچ سکیں۔

غرض اگر انسانوں کی تمام کوششوں پر ایک غائر نگاہ ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ کامیابی کے حصول کا یہی اصول اُن کے اندر جاری و ساری ہے کہ تھوڑی سی تکلیف کو اس لیے برداشت کر لیا جائے کہ کسی بڑی تکلیف سے بچ جائے، اور چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو اس لئے برباد کیا جائے کہ کوئی بڑی خوشی حاصل ہو، اور عارضی کامیابیوں کو اس غرض سے قربان کیا جائے، کہ کوئی پائدار اور دائمی کامیابی نصیب ہو، مگر یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ آیندہ کی خوشی و کامیابی کی تسر وانی اور اُس کے دوام و پائداری کا ہم کو یقین ہو، کہ اگر ایسا یقین نہ ہو تو ہم کبھی اس اشار و قربانی پر آمادہ نہ ہوں، اسی کے لیے ایمان کی ضرورت ہے تاکہ ہمارے اندر یہ یقین پیدا ہو جائے، اور ہم اس اشار و قربانی کو خوشی خوشی گوارا کر لیں، جن لوگوں میں یہ یقین پیدا نہ ہوگا، اُن سے یہ عظیم نشان قربانی بھی نہیں ہو سکتی، اسی لئے گنگھار انسانوں کی یہ کیفیت قرآن نے بیان کی ہے۔

كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ ہرگز نہیں بات یہ ہے کہ تم موجودہ زندگی سے محبت

رکھتے ہو، اور آیندہ زندگی کو چھوڑتے ہو، (قیامت-۱)

حالانکہ انسان اسی اصول کار کو اگر دنیا کی طرح آخرت کے معاملات میں بھی برتے تو اُس کی کامیابی میں کوئی شک نہ رہے، آیندہ کا خیال کر کے موجودہ سے دست بردار ہو جانا یہی کامیابی کی کنجی ہے، اور اسی اصول کے تحت میں دین و دنیا کی تمام نیکیوں اور کامیابیوں کا راز پوشیدہ ہے، موجودہ عارضی لذت کو آیندہ کی دائمی لذت پر اور حال کی معمولی راحت کو مستقبل کی دیرپا راحت پر قربان کر دینا وہ سچائی ہے جس کے تسلیم کرنے سے کوئی انحراف

نہیں کر سکتا، تم صبح خیزی کی معمولی تکلیف کو صحت کی دیرپا راحت کی خاطر قربان کرتے ہو، ورزش اور دوڑ و دوپ کی محنت کو اس لیے قبول کرتے ہو کہ کل کی پیری اور بیماری کی تکلیف سے تم کو وہ بچائے، غرض آج کی چھوٹی چھوٹی تکلیفوں کو اٹھاؤ گے تو کل کی بڑی تکلیف سے تم کو نجات مل سکے گی، اور آج کی عارضی خوشیوں کو قربان کر دو گے تو کل کی دائمی خوشی نصیب ہوگی، یہی وہ فلسفہ ہے جس کو قرآن نے اس آیت میں ادا کیا ہے،

وَجَزَاءُكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ جَنَّةٌ وَحَرِيرٌ
اور خدا نے اُن کے صبر کرنے پر ان کو باغ اور ریشم کے کپڑے

(دھوا ۱) مزدوری دی،

یہ صبر کیا تھا؟ دنیا کی عارضی خوشیوں کی قربانی تاکہ آخرت کی بڑی خوشی حاصل ہو، اور یہاں اداسے نیکی ادا
احترارِ جرم کی معمولی تکلیفوں کی برداشت تاکہ وہاں کی بڑی تکلیف سے نجات ملے، یہی سبب ہے کہ حدیث میں آیا ہے
کہ حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِبِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشُّوَابِ یعنی جنت دنیاوی تکلیفوں سے اور دوزخ دنیا کی معمولی خوشیوں
سے گھری ہوئی ہے، مادانِ تقویٰ اور نیکی کی ان معمولی قیدوں سے گھبراتے، اور گناہ کی عارضی وفا فی لذتوں کے
طلبکار ہوتے ہیں اس لیے آخرت کی بڑی تکلیف میں گرفتار ہونگے، اور وہاں کی ابدی لذت سے محروم رہیں گے،
اور جو دین و دیانت اور نیکی و تقویٰ کی ان معمولی تکلیفوں کو گوارا کریں گے، اور گناہ کی عارضی لذتوں سے بچیں گے وہ
آخرت کی لامتناہی لذتوں سے شاد کام ہوں گے، یہی فلسفہ قرآن پاک کی اس آیت میں ادا ہوا ہے،

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَادِرَ يَوْمِهِ وَنَعَى النَّفْسَ عَنِ
لیکن جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا

الْمَوْتِ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى
اور نفس کو ناجائز لذتوں اور خوشیوں سے باز رکھا، تو

(نازعات ۲) جنت اُس کا ٹھکانا ہے،

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں جو چیز بھی ایک نفع پیدا ہو جاتی ہے، پھر وہ بے حکم خدا فنا نہیں ہوتی،

اسی طرح افعالِ اعمال بھی جو انسان سے ظہور پذیر ہوتے ہیں وہ فنا نہیں ہوتے، موجودہ سائنس چہنہ

یہ اصول تسلیم کر لیا ہے کہ دنیا میں کوئی حرکت بھی پیدا ہو کہ فنا نہیں ہوتی، یہاں تک کہ فضا میں ہر آواز اور ہر صدا

بھی جو بھی بلند ہوئی ہے، آج موجود ہو، اور ہمیشہ زندگی، اور ہم اُس کو پُر پائین تو سُن سکتے ہیں، وہ اعمال و افعال کے ذریعہ وجود کے اسلامی عقیدہ کو قبول کرنے میں پس پیش نہیں کر سکتی، دنیا کے ریکارڈ میں انسان کا ہر عمل فعل ہمیشہ کے لیے گویا بھرا ہے،

قرآن پاک نے اسی اصول کو اپنی ان آیتوں میں بیان کیا ہے،

هٰذَا لَكُمْ تَبْلُو كُلُّ نَفْسٍ مَّا اسْلَفَتْ (یونس ۳۰) اُس وقت ہر جان جو اُس نے پہلے کیا، اسکو آزمایگی،

كُلُّ امْرِئٍ لِّمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ (طہ-۱) ہر آدمی اپنے عمل کے بدلہ گرد ہے،

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (مدثر-۲) ہر جان اپنے عمل کے بدلہ گرد ہے،

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ (زلزال) تو جو کوئی ایک چوٹی بھر نیکی کرے گا، وہ اُس کو دیکھے گا،

يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (زلزال) اور جو چوٹی برا بدی کرے گا وہ اُس کو بھی دیکھے گا،

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا (۱) جس دن ہر جان جو اُس نے اچھے کام کئے اُن کو

وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ (۲) موجود پائے گی، اور جو برے کام کئے وہ بھی،

یہ بات کہ انسان کا ہر عمل فعل حقیقہ عالم پر ہمیشہ کے لیے ثبت ہو جاتا ہے، اس کو قرآن نے کئی طریقوں سے ادا کیا ہے،

ایک اس طرح کہ انسان کی زبان سے جب کبھی کوئی لفظ نکلتا ہے، خواہ وہ کتنی ہی تنہائی میں بولا جائے،

خدائی شاہد اُس کے سننے کو موجود رہتے ہیں، اور وہ اُس کو سنکر محفوظ کر لیتے ہیں،

اِذْ يَتْلُو الْمُتَّقِينَ عَنْ اٰلَمِیْنِ وَعَنْ الشَّمَالِ (۱) جب دو لینے والے داہنے اور بائیں بیٹھے بیٹھے

قَعِيدٌ، مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ اَلَا لَدَيْهِ رَقِیْبٌ (۲) جاتے ہیں، کوئی بات وہ نہیں بولتا کہ ان کے

حقیقہ، (۲-ق) پاس حاضر رہتا ہے،

کبھی اُس کو اعمال کی تحریر و کتابت کے الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے،

أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ ط
کیا یہ منکر سمجھتے ہیں کہ ہم ان کے عہد اور ان کی کانپھوس
بَلَىٰ وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ ،
نہیں سنتے کیونکہ ہمیں بلکہ ہمارے فرستادہ انکے پاس

(ذخرف - ۷)

(اعمال کو لکھتے ہیں،

إِن رُّسُلُنَا لَيَكْتُبُونَ مَا تُكَلِّمُونَ (یونس - ۳)
بیشک ہمارے فرستادہ تمہاری چالوں کو لکھتے رہتے ہیں

کبھی اللہ تعالیٰ ہر عمل کے موقع پر خود اپنی حاضری اور ذاتی علم و شہادت سے اس کو ظاہر کرتا ہے،

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُو مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ
اور کسی کام میں نہیں ہوتا، اور نہ قرآن سے کچھ پڑھتا ہو،

وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ
اور نہ تم لوگ کوئی کام کرتے ہو لیکن ہم موجود ہوتے

شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ (یونس - ۷)
ہیں، جب تم اس میں لگے ہوتے ہو،

کبھی یہ کہا ہے کہ ہر انسان کا نامہ عمل اس کی گردن میں لٹکا ہے، قیامت کے دن وہی فرد عمل کی صورت میں

انسان کے سامنے پھیلا دیا جائیگا، کہ اپنا اعمال نامہ تم خود پڑھو۔

فرمایا:-

وَكُلُّ الْإِنْسَانِ أَلْزَمًا لِّطَرَفٍ مِّنْ عُنُقِهِ ط
اور ہم نے ہر انسان کا نتیجہ عمل اس کی گردن میں چھکا دیا

خُذْ لَكَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا
اور قیامت کے دن ہم اس کو دفتر کر کے نکالیں گے جسکو

اقْرَأْ لِكِتَابِكَ الْيَوْمَ يَبْسُفُكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ
وہ کھلا ہوا پائیگا کہ پنا دفتر پڑھے، آج تیرا نفس خود ہی

حَسِيبًا ، (نحی اسرائیل - ۲)
محاسب ہو تو کافی ہے،

اس آیت کا ایسا عمل ہے کہ نامہ عمل کو اگر کوئی واقعی کاغذ کا دفتر یا حساب کتاب کا رجسٹر نہ سمجھے تو سمجھ سکتا ہے، اور

کہہ سکتا ہے کہ یہ تعبیر اس لیے اختیار کی گئی کہ جس طرح کاغذ اور رجسٹر میں قلمبند حساب کوئی بھول نہیں سکتا اور ایک ایک

چیز اس میں درج ہوتی ہے، اسی طرح یہ اعمال انسانی فراموش نہ ہونگے، بلکہ لکھے ہوئے رجسٹر کی طرح محفوظ رہیں گے

فرمایا:-

وَوَضَعَ الْكِتَابَ فَفَتَرَى الْمَجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ
اور نامہ عمل کھا جائیگا، تو تو دیکھے گا گنہگاروں کو اس میں
مَتَأَفِفَةٌ يَقُولُونَ يَوْمَئِذٍ مَا لَ هَذَا الْكِتَابِ
جو لکھا ہے اُس سے ڈر رہے ہونگے اور کہیں گے کہ یہ
كَأَيُّ غَادِرٍ صَغِيرَةٍ وَلَا كَبِيرَةٍ إِلَّا اِخْتِلَافُهُ
افسوس کہ اس کاغذ کو کیسے کہ کوئی چھوٹی بڑی بات
وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظُنُّرُوكَ
نہیں چھوڑتا لیکن اس کو شمار کر لیا، اور جو کچھ انھوں نے
أَحَدًا، (کھن ۶۰) زندگی میں کیا اُس کو سامنے پائیں گے اور تیرا پڑ گا کہی

با این ہمہ اگر کوئی ٹھیسٹ لفظوں کا پابند ہو کر نامہ عمل کو واقعی کاغذوں کا دفتر سمجھتا ہے، تو اس میں شک نہیں کہ
لفاظ کے ظاہری معنی اسکی تائید کریں گے، مگر کون سمجھا سکتا ہے، کہ یہ کیونکر ہوگا، اسی لیے اس پر بحث فضول ہے کہ یہ
کیونکر ہوگا، چاہے یہ ہو یا وہ، بہر حال ہمارے اعمال کا ایک ایک نقطہ محفوظ رہے گا، اور وہ خدا کے سامنے پیش ہوگا،
اور یہی اس عقیدہ کا اصل مقصد ہے،

احضار شہادت | انسان کا ہر عمل اپنے پیچھے اپنے کرنے والے کے اندام اپنا اچھا یا بُرا اثر چھوڑ جاتا ہے، اگر دل کا آئینہ صاف
ہو تو اُس کو اپنے عمل کا چہرہ آئین صاف دکھائی دے فرمایا،

بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ وَلَوْ أَلْفًا
بلکہ انسان کو اپنے نفس کا حال آپ دکھائی دیتا ہے
مَعَاذِ يَوْمَئِذٍ (قیامت ۱۰) اگرچہ وہ اپنے غدر تراشتا ہے،

یہی وہ آئینہ ہے جو گناہ کے میل سے تنگ آلود ہو جاتا ہے،

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ نُفُوسِهِمْ (تطہیف)

نہیں بلکہ اُن کے دلوں پر رنگ بیٹھ گیا ہے،

اسی آیت کی تفسیر میں گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ جب انسان پہلے پہل گناہ کرتا ہے، تو اُس کے دل
پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے، اگر وہ توبہ و اتاب کرے، اور آئینہ اس سے باز رہتا ہے تو وہ مٹ جاتا ہے، اور اگر اسی طرح
گناہ کئے جاتا ہے، تو اُس نقطہ کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ ایک دن پورے دل پر چھا جاتا ہے

اسی طرح وہ اپنے جن اعضاء سے جو برا کام کرتا ہے، اسکا اثر ان پر چھا جاتا ہے، یہاں تک کہ چہرہ پر اس اثر کے نقوش ابھرتے ہیں، آنکھوں میں اسکی لکیریں پڑ جاتی ہیں، اور ہاتھ پاؤں پر اس کے نشان نمایاں ہو جاتے ہیں، عالم غیب اور عالم غیب کو چھوڑو، اسی عالم ظاہر میں تارنے والوں کی نگاہیں، انسانوں کے چہروں، آنکھوں اور ہاتھ پاؤں کے عنوان بیان سے انسان کے اندر کی تحریریں پڑھ لیتی ہیں، اسی طرح قیامت میں ان کے اعمال کے آثار و نتائج ان کے ایک ایک عضو سے نمایاں ہونگے،

يَعْرِفُ الْمُجْرِمُونَ لِسِيَّاهُمْ، (رحمان ۲) گنہگار اپنی نشانی سے پہچان لیے جائیں گے،

ایسی حالت میں اُس وقت جب انسان کی زبانِ قَل پر خداوندِ عدالت کے رعبِ جلال سے مہرِ سکوت پڑ جائے گی اگر انسان کے ہاتھ پاؤں، اور کھال تک نفسِ انسانی کے اعمالِ بد پر گواہی دیدیں تو تعجب کی کیا بات ہے؟ فرمایا،

وَأَمَّا زُورُ الْيَوْمِ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ..... أَلْيَوْمَ

نَحْنُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ

وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ، (نہج)

وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ

يُؤْزَعُونَ حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ

عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ

بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ، وَقَالُوا لِمَ لَمْ يَأْتِنَا

بِنَذِيرٍ مِّنْ قَبْلِهِ نَاقِلُونَ، قَالُوا أَنُظَقُّنَا اللَّهُ لَذِكْرِهِ

أَنُطَقَّ كُلُّ شَيْءٍ (رحمہ السجدہ ۳۰)

کو گویا کیا، اسی نے ہم کو بھی گویا کیا،

اسیے ان اعضاء کی گویائی بھی اسی نوع کی ہوگی جس نوع کی گویائی دنیا کی ہر چیز کو حاصل ہے لیکن اس گویائی سے اگر کوئی حقیقی ہی زبان کی گویائی مراد دیکر تشفی پاتا ہے، تو اس کو اس کا حق حاصل ہے،

میزان | اکثر انسانوں کے اچھے یا برے دونوں قسم کے اعمال ہوتے ہیں، ایک قسم کا عمل کم ہوگا، اور دوسرا زیادہ یا دونوں برابر، دو مادی چیزوں کے درمیان تفائل اور گھٹ بڑھ کا علم ہم کو تو لے یا گننے سے ہوتا ہے، اس لیے وزن اور حساب سے عموماً عدل و انصاف، حق اور ٹھیک ٹھیک کا مفہوم ادا کیا جاتا ہے، اعمال انسانی کے متعلق خدا نے فرمایا، کہ انسان کو اس کے عمل کے مطابق پورا پورا بدلہ ملیگا، فرمایا،

جَزَاءً وَّ فَاقًا، (نبأہ) پورا پورا بدلہ،

اس برابری اور کمالِ عدل و انصاف کے مفہوم کو ترازو کے ناپ اور عدالت کی میزان کے استعارہ سے ادا

کیا، فرمایا:-

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعَمَلِهِمْ وَاكُنَّا عَابِدِينَ، پھر ہم احوال سنائیں گے، اور ہم کہیں غائب نہ تھے،
وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ بِالْحَقِّ يَمُنُّ ثَقُلَتْ موازنہ تو اس وقت کے حق پر ہوگا، پھر جسکی تولین بھاری ہوگی
مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ، و تو وہ ہیں جنکا بھلا ہوا، اور جس کی تولین ہلکی پڑے گی
مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ، (اعراف-۱) وہی ہیں جو اپنی جانیں ہار بیٹھے،

فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ هُوَ فِي عِيشَةٍ توجس کے تول بھاری ہوئے تو وہ خوش خوش
رَاضِيَةٍ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأَمَّا عِيشٍ مین ہوگا، اور جس کے تول ہلکے ہوئے تو
هَآوِيَةٍ، (قارعہ) اُس کی مان و نرخ ہے،

ان دونوں آیتوں میں تول کے بھاری اور ہلکے ہونے سے مقصود، اعمال خیر کی کمی و بیشی ہے پہلی آیت

میں اسکا اشارہ موجود ہے، کہ وزن سے مراد حق اور عدل ہے، اور یہ کہ انسان کا ہر عمل، ہم الہی میں موجود ہوگا، اور وہ کسی طرح بیش و کم نہ ہوگا،

اس مفہوم میں یہ استعارہ قرآن میں بکثرت متعلیٰ ہوا ہے، ایک جگہ ہے،

اللّٰهُ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ (سورہ)
وہ اللہ جس نے کتاب کو حق کیساتھ تارا، اور میزان کو
یعنی کتاب الہی، حقانیت کیساتھ اتاری ہو، اور اسی کیساتھ میزان بھی جس سے مراعہ دل ہو (طبری تفسیر آیت مذکورہ)
اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی نظام کائنات کی ہر چیز میں جو اعتدال کامل کھا ہو، اسکو بھی میزان ہی کے لفظ سے ادا فرمایا ہے،
وَوَضَعَ الْمِیْزَانَ (مرحمان)
اور خدا نے ترازو رکھی ہے،

حساب اکمی بنی کے علم کا دوسرا طریقہ حساب کرنے کا ہے، دوسری آسمانی کتابوں کی طرح قرآن میں بھی یہ استعارہ
استعمال ہوا ہے، اور بار بار فرمایا ہے کہ ہم قیامت میں تمہارے عمل کا حساب لین گے، مگر اس حساب سے بھی وہی مقصود
ہے، جو وزن سے ہے، چنانچہ سورہ انبیاء میں یہ مفہوم مزید تصریح کے ساتھ مذکور ہے، اور جس سے میزان کی حقیقت بھی
پوری طرح سمجھ میں آتی ہے، فرمایا،

وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لَیَوْمَ الْقِیَمَةِ فَلَا
تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئًا وَّ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ
مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وِزْنَ وَاَوْفٰی بِمَا حَسِبْتُمْ
اور ہم قیامت کے دن کے لیے ترازو میں یعنی انصاف
رکھیں گے، پھر کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا، اگر رائی کے دانہ کے
برابر بھی کچھ ہوگا، تو ہم نے آئین گے، اور ہم کافی ہیں
حساب کرنے والے، (انبیاء-۲۷)

اس آیت سے دو باتیں سمجھی جاسکتی ہیں، ایک تو یہ کہ وزن سے مقصود انصاف اور عدم ظلم ہے، اور دوسری
یہ کہ حساب سے مقصود یہ ہے کہ عمل انسانی کا کوئی ذرہ بھی معاوضہ میں چھوٹنے نہ پائے گا، اور نہ وہ خدا کے علم سے غائب ہو
لیکن بہر حال وزن و حساب کے مادی ہی مفہوموں کو اگر کوئی صحیح باور کرتا ہے تو وہ بھی حق پر ہے،

جنت و دوزخ | اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ ان اعمال کی تکلیف اور ذمہ داری سے مقصود الہی کیا ہے حقیقت
یہ ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ ارواح انسانی کو سعادتِ ابدی اور ترقیات غیر متناہی عطا کی جائیں، مگر اس
سعادت و ترقی کی بنیاد خدا نے اعمالِ نیک کے حصول اور اعمالِ بد سے پرہیز پر رکھی ہے، اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ خلقت
انسانی کی غرض یہ ہے کہ وہ احکامِ الہی کی تعمیل کرے تاکہ وہ اپنی مقررہ سعادت اور موعودہ ترقی کو حاصل کرے، اور اسی

عالم کا نام جہان یہ سعادتِ ابدی اور ترقیاتِ غیر متناہی ملتی ہیں ”بہشت“ ہی، اور اس عالم کا نام جہان جا کر دنیاوی
 ٹیون کی تلافی اور گذشتہ حیاتِ فانی کے اعمالِ بد کے نتائج سے پاکی حاصل ہوگی ”دوزخ“ ہے، اس لیے یہ کننا صحیح
 ہے کہ جنت ہی انسان کا اصلی گھر ہے، مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

جنت انسان کی فراشت ہو | حضرت آدم کا قہمہ جو توراۃ اور تکرانِ پاک میں مذکور ہے، وہ آغازِ خلقت کی محض تاریخ نہیں بلکہ
 وہ حقیقتِ انسانی کی سچی اور حقیقی تفسیر ہے، عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنے فضل سے جنت
 میں جگہ دی تھی وہ پہلے اُن کو اور انکی نسل کو ہمیشہ کے لیے دیدی گئی تھی، مگر چونکہ اتفاقاً اُن سے گناہ سرزد ہوا، اس لیے
 وہاں سے نکال کر زمین میں بھیج دیے گئے، مگر ایسا سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ آدم علیہ السلام کا زمین میں آنا تو اُن کی پیدائش
 سے پہلے ہی مقدر ہو چکا تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ انکی خلقت سے پہلے ہی فرشتوں پر یہ ظاہر کر چکا تھا کہ

إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (نہجہ - ۴) مین زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں،

حضرت آدم کا زمین میں خلیفہ ہونا، اُن کے زمین میں سکونت پذیر ہونے کی پیشین گوئی ہے، مگر زمین میں بھیجے
 سے پہلے اُن کو جنت میں رکھنا، پھر گناہ کے بعد وہاں سے اُن کو نکال کر زمین میں بھیجنا، یہ اشارہ رکھتا ہے کہ آدم اور
 اُن کی نسل کی اصلی جگہ ہی جنت ہے، مگر اس سے دوری اس کے گناہ کی وجہ سے، اور اس کا حصول خدا کی اطاعت
 اور نیکو کاری کے ذریعہ ہوگا، چنانچہ اُن کے زمین میں اترتے وقت اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمادیا،

فَلَمَّا أَهَبْنَا مِنْهَا جَبِينًا جَاثِمًا يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللَّهَ مَا كُنْتُمْ تُكْفِرُونَ
 هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هَذَا لَا يَلْعَنُ اللَّهَ وَلَا يَكْفُرُ وَلَا يَكُونُ مِنَ الْمُنْكَرِ
 وَلَا هُمْ يَخْزَوْنَ، وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَلَئِنْ لَا يَأْتِيَنَّاهُمْ مِنَ النَّارِ هُمْ فِيهَا
 خَالِدُونَ، (نہجہ - ۴) ہم نے کہا کہ تم سب اس جنت سے اترو، پھر کبھی تمہارے
 پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے، تو جس نے میری
 ہدایت کی پیروی کی تو اس کو نہ ڈر ہوگا، نہ غم اور جھوٹ
 نے نہ مانا، اور ہمارے حکون کو جھٹلایا، تو وہی ہیں دوزخ
 والے، وہ اس میں رہا کریں گے،

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ
 خَدَّاعٌ كَمَا كَانُوا جنت سے اترنا تو ایک ساتھ اتر جاؤ، تم ایک دوسرے

عَدُوٌّ مَا مَالَا بِسِنِّكَ مَتَى هُدَىٰ فَمَنْ أَتَّبَعَ
 کے دشمن ہو، تو اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہتھی
 هُدَايَ فَلَا يَصِلُ إِلَىٰ شَيْءٍ وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ
 آئے، تو جس نے میری رہنمائی کی پیروی کی تو وہ نہ گمراہ ہو
 ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشًا
 اور نہ بدبخت ہوگا، اور جس نے میری یاد سے منہ پھیرا، تو اس کے
 يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَعْمَىٰ (طہ-۷)
 لیے تنگ معاش ہوگی اور قیامت میں ہم اس کو اندھا ٹھہرائیں گے

تورات میں ہے کہ جنت میں دو درخت تھے، ایک نیک بُد کی پہچان کا، اور دوسرا زندگی جاوید کا، تورات کے رو
 آدم کو اسی نیک بُد کی پہچان کے درخت کا پھل کھانے سے منع کیا گیا ہے، لیکن آدم نے اُس کو کھالیا، اور اسکی وجہ
 سے سب سے پہلے اُن کو اپنی برائی کا علم ہوا، آخر خدا نے اُن کو جنت سے نکال دیا کہ وہ زندگی کے درخت کا پھل کھا کر خدائی
 کا دعویٰ نہ کر بیٹھیں، جب وہ جنت سے نکالے گئے تو اُن سے کہا گیا، (سفر تکوین-۲)

”اور اُس درخت سے کھایا جس کی بابت میں نے تجھ سے حکم کیا کہ اس سے مت کھانا، زمین تیرے سبب سے
 لعنتی ہوئی، اور تکلیف کیساتھ تو اپنی عمر بھر اُس سے کھا کر، اور وہ تیرے لیے کانٹے اور اونٹن کا رے
 اگاے گی، اور تو کھیت کی نبات کھا کر، اور تو اپنے منہ کے پسینہ کی روٹی کھاے گا، جب تک کہ زمین میں
 پھر نہ جائے“

قرآن پاک میں اُس درخت کا نام جس کے پھل کھانے سے آدم کو روکا گیا تھا تصریحاً مذکور نہیں، لیکن ایک
 آیت سے اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نیک بُد کی شناخت کا درخت تھا اور شیطان نے یہ کمر اُن کو کھلایا کہ یہ حیات
 جاوید، اور ملک جاوید ان کا درخت ہے، مگر اُس کے کھانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو برائی کا علم ہو گیا، جو نیک بُد کی تمیز کا نتیجہ
 ہے نہ نیرایا۔

فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ
 شیطان نے آدم کو دوسرا دیا، کہ اے آدم کیا میں تجھے حیات
 أَذُوكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَىٰ
 جاویدانی اور سلطنت غیر فانی کا درخت بتاؤں تو (آدم اور حوا)
 فَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَنَفُؤُهُمَا (طہ)
 دونوں نے اس درخت کا پھل کھا یا تو انکی بری چیزیں اُن پر
 کھل گئیں

اب سوال یہ ہے کہ حیاتِ جاویدان اور غیر فانی بادشاہی سے مقصود کیا ہے، ظاہر ہے کہ جنت ہی شیطان کا مقصود یہ تھا کہ اس جنت میں جہنم اب ہو، بے دردمر ہمیشہ رہنے کا نسخہ تم کو بتاؤں؟ انسان نے خواہش کی، تو اس نے نیک بُد کی تیز کے درخت کا پھل بتا دیا، یہ بھی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ نیک بُد کی تیز ہی پر انسان کی شرعی تکلیف اور مواخذہ کی بنیاد ہے، ہر وہ مخلوق بلکہ ہر وہ انسان جو اس ادراک سے خالی ہے، وہ شرعی تکلیف اور مواخذہ سے بھی گرا بنا نہیں، غرض اس خیر و شر کی معرفت کا لازمی نتیجہ شریعت کی تکلیف تھی، چنانچہ وہ اس کے سر ڈالی گئی اور پھر نسلِ آدم میں یہ نیک بُد کی تیز فطری الہام کے ذریعہ عنایت ہوئی، فرمایا،

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا
اور نفس اور اُس کی بناوٹ کی تمام پیمائش میں اکی بُد کی
(والششس) اور اکی نیک کو الہام کیا،

عجب نہیں کہ قرآنِ پاک کی آیتیں اسی مفہوم کی طرف اشارہ کرتی ہوں،

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
ہم نے اپنی امانت (تکلیفِ شرعی) آسمانوں پر اور زمین
وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا
پر اور پہاڑوں پر پیش کی تو انھوں نے اس کے اٹھانے
وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا
سے انکار کیا، اور انسان نے اسکو اٹھالیا کہ وہ ظالم
لَيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتُ الْفَاسِقَاتُ
اور نادان تھا، تاکہ اللہ تفاقِ دلون اور تفاقِ دلون
وَالْمُشْرِكَاتُ وَالْمُشْرِكُونَ وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ
اور شرکِ دلون اور شرکِ دلون کو سزا دے اور ایمان
وَالْمُؤْمِنَاتُ وَالْمُؤْمِنَاتُ وَالْمُؤْمِنَاتُ وَالْمُؤْمِنَاتُ
دلون اور ایمان والیوں پر رجوع ہو، اور اللہ بخشنے

(احزاب - ۹) والا مہربان ہے،

انسان نے اپنی جہالت سے اس تکلیفِ شرعی کی امانت کو اٹھالیا، جو نیک و بُد کی معرفت کا لازمی نتیجہ تھا اور اس تکلیفِ شرعی کا لازمی نتیجہ جزا اور سزا تھی، لیکن خدا کی رضامندی یہی تھی کہ اُس کے سب بندے اُسکی رحمت اور مغفرت کے مستحق ٹھہریں، کہ اس کی رحمت و شفقت کا اقتضا یہی ہے کہ گنہگاروں کو معاف کرے اور نیکوکاروں

پرائی خاص رحمت نازل کرے لیکن اگر کاشفکار اپنے کھیتوں کو ابر رحمت سے مستفید ہونے کے قابل نہ بنائے، تو وہ اسکی رحمت سے مستفید نہ ہوگا، اسی طرح جو بندہ شرک و تفاق میں مبتلا ہو کر اپنے آپ کو اسکی رحمت کے قابل نہ بنائے، تو وہ بھی اسکی رحمت کی بارش سے سیراب نہ ہو سکیگا،

غرض اس طرح وہ مصلحت الہی جو انسان کی پیدائش سے تھی اس صورت سے پوری ہوئی اور وہ حیاتِ جاوید اور غیر فانی بادشاہی، جسکا حصول قصائے الہی نے انسان کی محنت، جد و جہد اور سعی و عمل پر موقوف رکھا، اور جسے شیطان نے آدم کو بلا سعی و محنت بھس بخت و اتفاق سے دلوادینا چاہا تھا، بالآخر اس کا ملنا تقدیر الہی اور نظام ربانی کے مطابق شریعت کی پیروی و جد و جہد اور اس کے مطابق سعی و عمل کے ذریعہ سے مقرر ہوا جیسا کہ پہلے سے طے شدہ تھا، فرمان آیا،

إِهْبِطْ لَهَا جَنَّةً فَإِنَّمَا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى
فَمَنِ تَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَخْضِبْ عَلَيْهِمْ ظُلُمٌ
هُم يَخْزُونُ، (بقرہ-۴۰)

یہاں سے تم سب اترو، پھر اگر تمہارے پاس میری ہدایت
کوئی رہنمائی آئے تو جس نے میری رہنمائی کی پیروی
کی، تو انکو نہ ڈر ہوگا نہ غم،

إِهْبِطْ لَهَا جَنَّةً فَإِنَّمَا يَأْتِيَنَّكُمْ لِبَعْضِ عَادُوِّهِ
فَأَمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى فَمَنِ تَّبَعَ هُدَا
فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى (طہ-۷۷)

تم دونوں یہاں سے نیچے اترو، تم ایک دوسرے کے دشمن
ہو، پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے رہنمائی آئے
تو جس نے میری رہنمائی کی پیروی کی تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ
بھٹکے گا،

جب انسان کا اصل مقام وہی حیاتِ جاوید اور مملکتِ ابد ہے، تو اسی کا حصول اس کی تمام کوششوں کا محور ہونا چاہئے، اور اس کو اپنی اس فانی زندگی اور زوال پذیر بادشاہی کے تمام کاموں کے ذریعہ اسی حیاتِ جاوید اور لازوال بادشاہی کی دولت کو مزد و معاوضہ میں حاصل کرنا چاہئے تاکہ وہ اپنے باپ کی اس آسمانی بادشاہی کو اپنے لئے جس کی صفت یہ تھی،

فَلَا يُخْرِجُكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَى، إِنَّ لَكَ

تو شیطان تم کو جنت سے باہر کر دے تو پھر تو شقت

اَلَا تَجْعَلُ فِيْهَا زَكٰتًا تَقْرٰى ۚ وَاَنْتَ لَا تَنظُرُ
فِيْهَا وَلَا تَنصَحُ (طہ ۷۷) نہ بھوکا ہوگا، نہ تنگ، نہ پیاسا ہوگا، اور نہ دھوپ کی ^{تشنہ}

آدم اس جنت سے نکلے تو ان کو بھوک بھی لگی، اور تنگ بھی ہوئے، پیاس بھی ان کو معلوم ہوئی، اور دھوپ کی
تشنہ بھی تکلیف ہوئی، اور زمین میں اگر انھیں چار چیزوں کی مشقت میں گرفتار ہوئے، کھانا، پینا، پہنا، رہنا یہی
انسان کی چار مختصر ضروریات ہیں، اور انھیں کو اپنی ہوا و ہوس سے پھیلا کر اس نے ضروریات کا ایک عالم پیدا کر لیا،
اور انھیں کے تیار کرنے اور عمدہ بنانے میں اپنی موجودہ زندگی کی تمام تر توجہ کو مصروف کر دیا، اور اصل جنت کی
طلب سے ہاتھ دھو بیٹھا، یہیں سے شریعت کی تکلیف عائد ہوئی، اور جائز اکل، جائز شرب، جائز لباس، اور جائز
مسکن کے حصول کے طریقوں کی تعلیم اور ناجائز طریقوں سے احتراز کا حکم ہوا، اسی سے شریعت کے اصول، معاملات
اور اخلاق انسانی کی ذمہ داریاں پیدا ہوئیں، اور پھر اس لیے تاکہ اس حیات فانی میں پھنکر حیات غیر فانی کی طلب کو
بھول نہ جائے، عرفان الہی (عقائد صحیحہ) اور عبادت و اطاعت الہی کی تلقین ہوئی، جو جنت کی اصلی غذا اور روزی ہے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ
یہی وہ میراث لینے والے ہیں، جو سایہ دار باغ کے

الْفَرْدَوْسِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (مومن ۱۰) وارث ہونگے، وہ اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں،

لیکن یہ وراثت انسان کو اپنے اعمالِ خیر ہی کے ذریعہ ملے گی، چنانچہ اہل جنت کو جنت کے داخلہ کے وقت
یہ بشارت ملے گی،

وَفِيْهَا مَا تُشْتٰى بِالنَّفْسِ وَقَلْدُ الْاَعْيُنِ
اور اس جنت میں وہ کچھ ہے جس کو دل چاہے، اور

وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۚ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ
انجھوں کو لطف ملے، اور تم کو اُس میں ہمیشہ رہنا ہے، اور

اَوْ بِرِثَتِكُمْ هٰبِمْ اَكُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۚ
یہی وہ جنت ہے جس کے تم اپنے کاموں کے بہترین

جنگو تم کرتے تھے، وارث بنائے گئے، (زخرف ۷۷)

اور انھیں کو منادیِ غیب یہ ندا دیگا،

وَنُودُوا أَن تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُودِىَ لَهَا آدَمُ الْأَوَّلُ أَن يَنْزِلَ فِيهَا وَلَٰكِن لَّمْ يَكُنْ مِنَ الْمُتَّقِينَ (اعرافہ)

اور اُن کو پکار کر کہا گیا کہ یہی وہ جنت ہے جس کے تم اپنے اُن کاموں کے بدلہ میں جو تم کرتے تھے وارث بنائے گئے

ملتِ توحید کے مبلغِ اعظم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا ایک فقرہ یہ بھی تھا،
وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ (شعورہ) اور مجھے باغِ نعمت کے وارثوں میں کر،
ان آیتوں سے ہو رہا ہے کہ اسلام نے انسان کا اصلی مقام وہی قرار دیا ہے، جہاں نہ بھوک ہو، نہ پیاس، نہ بڑبگی ہے، نہ دھوپ کی تکلیف، جہاں کی بادشاہی لازوال اور جہاں کی زندگی غیر فانی ہے لیکن اُس کے حصول کا ذریعہ صرف انسان کا نیک عمل اور صحیح عرفان ہے، جن کے مجموعہ کا نام تقویٰ ہے،
تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُودِىَ لَهَا آدَمُ الْأَوَّلُ أَن يَنْزِلَ فِيهَا وَلَٰكِن لَّمْ يَكُنْ مِنَ الْمُتَّقِينَ (مریدہ-۴)
یہ وہ بہشت ہے جس کا وارث اپنے بندوں میں سے ہم اُسکو بنائیں گے جو تقویٰ والا ہوگا۔

انسانی جزا و منرا کے تین گھر | انسان کے تین گھر ہیں، ایک موجودہ فانی عالم جس کو دنیا کہتے ہیں، اور دوسرا درمیانی عالم موت یا عالمِ قبر جس کا نام برزخ ہے، اور تیسرا اُس غیر فانی زندگی کا گھر جس کو دارِ آخرت کہتے ہیں، یہودیوں کے یہاں اصلی زور اسی دنیا کی جزا و منرا پر دیا گیا ہے، اور تیسرے کا ذکر بہت کم، اور دوسرے کا مطلق نہین، اور عیسائیوں میں پورا زور تیسری منزل کی منرا و جزا پر ہے، اور پہلی اور دوسری منزلوں کے ذکر سے خاموشی ہے لیکن وحیِ محمدی کی تکمیل نے ان تینوں گھروں کو انسانی منرا و جزا کا مقام قرار دیا ہے، انسان کو اپنے اعمال کی پہلی جزا و منرا تو اسی دنیا میں کائناتی و ناکامی کی صورت میں ملتی ہے، گو اس کا میابی و ناکامی کے سمجھنے کا معیار مختلف ہو، اس کے بعد جب انسانی روح دوبارہ منزل میں قدم رکھتی ہے، تو یہاں بھی وہ اپنے اعمال کی تھوڑی بہت جزا و منرا کا منظر دیکھ سکتی ہے، اس کے بعد جب موجودہ دنیا کے پورے کاروبار کا خاتمہ ہو کر اُس فانی کائنات کا ہر نقش و نگار مٹ جائے گا، اور پھر نئی زمین اور نیا آسمان بنے گا، تو فانی انسانوں کو دائمی زندگی کے لیے بیدار کیا جائے گا، اور اُس وقت وہ اپنے پہلے کی پوری جزا و منرا پائیں گے،

انسان کا پہلا دارالبحر اور دنیا ہے، انسان کے ہر نیک و بد فعل کا جو اثر دوسری دنیا کی زندگی پر پڑتا ہے، اُسی کے مشابہہ خود اس موجودہ دنیا کی زندگی میں بھی ملا کرتا ہے، انسان کی عزت، شہرت، ناموری، ہر نعمت و محبوبیت، سکینت، اطمینان، سرور، فائز و ابالی، حکومت، یہ تمام اس زندگی کے اعمالِ خیر کے نتائج ہیں، ان کے برخلاف ذلت، رسوائی، بے عزتی، کس پرسی، پریشان حالی، بے اطمینانی، غم، خوف، محکومیت، ہمارے اعمالِ بد کے اثرات یہودیوں کی قرأت میں اعمال کے نتائج میں زیادہ اہمیت اسی دنیاوی دارالبحر کو دیکھی ہے، بلکہ یہی جیلِ تورات میں سب سے زیادہ نمایاں ہے کہ خدا کی فرمانبرداری اور نافرمانی کی جزا اسی دنیا کی رنج و راحت کی صورت میں اس زندگی میں ملتی ہے، مثلاً خدا کے حکم پر عمل کرو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تمہاری کھیتیاں سرسبز ہوں گی، تمہاری اولاد میں بروقت رہو گی، تمہارے جانور پھل دینگے، درخت پھل دینگے، اور تمہارے دشمن مغلوب ہوں گے، اور اگر خدا کی نافرمانی کرو گے تو تم پر و بائیں آئیں گی، قحط پڑے گا، تمہاری اولاد میں جیتی نہ ہو گی، تمہارے جانور مرجائیں گے، تمہارا شہر تباہ ہو جائیگا، تمہارے باغ پھل نہ دیں گے، اور تمہارے دشمن تم پر چھا جائیں گے، عیسائیت نے اس کے بالمقابل سارا زور زمین کی مملکت پر نہیں، بلکہ آسمان کی بادشاہت پر دیا ہے، اور اس ظاہری زندگی کے فوز و فلاح کو اپنے مقصد سے خارج قرار دیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس دعوت کو لے کر آئے وہ یہودیت و عیسائیت کی اس فلسفہ و فطرتِ دونوں سے پاک ہو، اُس نے ایمان اور عملِ صالح کا نتیجہ اس دنیا کی بادشاہی بھی قرار دی اور اُس دنیا کی بادشاہی بھی، زمین کی حکومت بھی، اور آسمان کی جنت بھی، یہاں کی سرسبزی و شادابی بھی، اور وہاں کا باغ و بہار بھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نیکو کار مسلمانوں کے ذکر میں فرمایا،

فَاتَّخَذَ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحَسَنَ ثَوَابِ
تَوَخَّاهُ أَنْ كُوْنِيَا كَابِلَهُ مَبِي دِيَا، اَوْر اَخْرَجَتْ كَثَوَابِ

الْآخِرَةُ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْحَسَنِينَ (البقرة ۱۷۷)

کی خوبی بھی اور اللہ نیک کرنے والوں کو پیار کرتا ہے،

ایمان اور عملِ صالح والوں سے یہ وعدہ تھا کہ

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا، (نقصہ)

کی بخشش اور بڑی مزدوری کا وعدہ کیا،

اور یہ بھی انہیں سے وعدہ ہے،

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

خدا نے اُن سے جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام

لِيَسْتَخْلِفَهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ

کئے، وعدہ کیا ہے کہ وہ انکو ملک میں حاکم بنائیگا، جس طرح

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (نورہ-۷)

اُن سے اگلوں کو حاکم بنایا تھا،

لیکن ہمیں بھی شک نہیں کہ جس طرح اس دنیا کی فانی زندگی سے اُس دنیا کی باقی زندگی زیادہ پائدار ہے،

اسی طرح اس دنیا کے ثواب سے اُس دنیا کے ثواب کی قدر و قیمت بھی زیادہ ہے، اور اُسی دنیا کے حسنِ عمل کی

توشش سے اس دنیا کی بہتری بھی ملتی ہے، فرمایا،

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ

جنہوں نے نیک کام کئے، اس دنیا میں اُن کیلئے بھلائی

وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ وَلَنَعْمَدَارُ الْمُتَّقِينَ

ہے، اور بے شبہ آخرت کا گھر بہتر ہے، اور پرہیزگاروں

کا گھر کیا اچھا ہے، (نحل-۴۷)

اسی طرح بدکاروں کی جہانِ اُس دنیا کی دوزخ اور آگ کے عذاب کو فرمایا، اسی طرح اس دنیا کی بُرائی

دو خوری اور رسوائی کو بھی فرمایا،

حَسِبَ اللَّهُ النَّبِيَّ وَالْآخِرَةَ، (حج-۲)

اُس نے دنیا اور آخرت کا نقصان اٹھایا،

لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ

اُن کے لیے دنیا میں رسوائی ہے، اور آخرت

عَذَابٌ عَظِيمٌ، (بقرہ-۱۲)

میں بڑی مار ہے،

حَبِطَتِ أَعْيُنُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (بقرہ-۲۴)

اُن کے کام دنیا اور آخرت میں برابر دھوئے،

اور اُن کے متعلق یہ بھی فرمایا،

فَاعْبُدْهُمْ عِدَّةَ أَبْسَدِ يَدٍ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (الشمس-۶)

تو میں اُن کو دنیا اور آخرت میں سخت سزا دوں گا،

تنگی اور بد حالی کی سزا بھی یہیں ملتی ہے،

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً
ضَنْكًا وَنَحْشًا ۚ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَعْلَىٰ،

اور جس نے میری نصیحت سے منہ پھرتا تو اس کے لیے
تنگ گذران ہے، اور قیامت میں اس کا اندھا

اوتھاؤں گا (کہ دنیا میں وہ دل کا اندھا بنا تھا)، (طہ - ۷۷)

انتہا یہ ہے کہ خود صحابہ کو جنگ احد میں جو فتح نہیں ملی، اللہ تعالیٰ نے اُس کو بھی انکی بعض فروگزاشتوں کا

سزا دیا،

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ
إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا

تم میں سے بعض لوگ اُس دن جب دونوں جہیں
بھڑیں، جو پیچھے ہٹے اُن کے بعض کاموں کی وجہ سے

شیطان نے اُن کو بھسلا دیا، (ال عمران - ۱۶)

ایک اور مقام پر عمومی طور سے فرمایا گیا،

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ
وَيَعْقُوبُ عَنْ كَثِيرٍ (شوری - ۴)

جو مصیبت تم کو پہنچی، وہ تمہارے ہاتھوں کے کرتوتوں کے
باعث اور وہ بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے،

یہود کے ذکر میں قرآن نے اس مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا ہے، عذاب کے موقع پر فرمایا،

خُضِرَتْ عَلَيْهِمُ الدِّلَّةُ ۚ إِنَّ مَا لَقِيتُمْ أَفْلا

ان پر دلت ماری گئی بھان پائے گئے، لیکن (جہان

بِحَبْلِ مِنَ اللَّهِ وَجَلَّ مِنَ النَّاسِ وَبَاءُؤْ

عزت حاصل ہو، وہ خدا کے ذریعہ اور لوگوں کے سہارے

بِعَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَخُضِرَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ

اور اللہ کا غصہ کمال لائے، اور اُن پر (قومی) محتاجی ماری

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ

گئی، یہ اس لیے کہ وہ خدا کے حکموں کا انکار کرتے تھے،

وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا

پغمبروں کو مار ڈالتے تھے، یہ اس لیے کہ وہ نافرمان

عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ، (ال عمران - ۱۲)

ہیں، اور حدودِ الٰہی سے آگے بڑھتے ہیں،

اس کے بالمقابل عام اہل کتاب سے کہا گیا،
 وَلَوْ أَنَّهُمْ قَامُوا لِلتَّوْبَةِ وَالْإِحْسَانِ وَمَا
 أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَيْضِهِ
 وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ
 اور اگر یہ تورات اور انجیل کو اور جو انکی طرف انکے پروردگار کی
 طرف سے (اب) اتارا گیا، اس کو قائم رکھتے تو وہ اپنے اوپر
 (برکات آسمانی) سے کھاتے اور اپنے پاؤں کے نیچے
 (راضی خیر و برکت) سے کھاتے،

(مائتہ - ۹)

ایک اور موقع پر اشارہ ہے،

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا الْفِتْنَةَ
 عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٌ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَ
 لَكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ
 اور ان آبادیوں کے رہنے والے ایمان لاتے اور
 پرہیزگاری کے کام کرتے تو ہم ان پر آسمان سے او
 زمین سے برکتوں کو کھڑکتے لیکن انھوں نے خدا کے
 احکام کو جھٹلایا تو ہم نے انکے اعمال کی پادش میں انکو کپڑایا،

(اعراف - ۱۲)

مگر یہ دارالجز فانی ہے | لیکن یہاں ایک نعرش گاہ بھی ہے جس سے اہل ہوش کو باخبر رہنا چاہئے، اس دنیا میں انسان کو کمال
 کی جزا و سزا کسی نہ کسی رنگ میں ضرورتی ہے، مگر اس نکتہ کو فراموش نہ کرنا چاہئے کہ کیا شخصی زندگی، اور کیا جماعتی حیات کے
 لحاظ سے یہ دارالجز جس کا نام دنیا ہے عارضی اور فانی ہے، یہاں کا غم بھی فانی اور یہاں کی خوشی بھی عارضی ہے، اسلئے
 صرف اسی دنیا کی کامیابی کو اپنی زندگی کا اصل مطلوب مقصود اور غایت و منتہا نہیں بنانا چاہئے، بلکہ یہ سمجھنا چاہئے
 کہ اس سے بھی زیادہ ایک اور وسیع آسمانی مملکت، اور لازوال سلطنت ہے جو فانی و زوال کے ہر عیب اور ہر نقص سے
 پاک ہے، اور جہاں کی نعمتیں اس دنیا کی نعمتوں سے کہیں زیادہ بہتر اور غیر فانی ہیں، اسلئے اس فانی دنیا کی لذتوں
 میں پُر کر اس کو نہ بھول جانا چاہئے، اُس مسافر کی عقل سلیم کی داد کو نہ دیگا جو راستہ کی عارضی خوش منظر یوں، اور سفر کی فانی
 دیکھیوں میں پُر کر اپنے خوش سواد اور سدا بہار وطن کو فراموش کر بیٹھے،

بَلْ تُؤْتِرُونَ الْخَلْقَ الذِّنْيَانِ وَالْآخِرَةَ خَيْرٌ
 بلکہ تم دنیاوی زندگی کو بڑھکر چاہتے ہو حالانکہ آخرت کی

خَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ
يَأْخُذُونَ عَرَضَ هَذَا الْأَدْنَىٰ وَيَقُولُونَ
سَبِّغْنَا بِهٖ وَإِنَّا بِتَأْتِيهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُ الَّذِي
الَّذِي يُخَذُّ عَلَيْهِمْ مِثْقَالُ الْكِتَابِ أَنَّ لَا
يَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوا مَا فِيهِ
وَالَّذِينَ لَا يَخِرُّونَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يَقُولُونَ
تَعْقِلُون

تو ان کے بعد کچھ خلفت کتاب کے وارث ہوئے جو اس
دنیا کے سامان و اسباب کو لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو
معاف ہوگا، اور اگر ویسا ہی سامان اسباب پھر آئے
تو پھر لین، کیا ان سے کتاب کے حق میں یہ حد نہیں لیا
گیا کہ وہ خدا پر حق کے سوا کچھ اور نہ بولیں حالانکہ جو اس
ہے وہ اس کو پڑھ چکے ہیں، اور آخرت کا گھر پر ہر گز نہ
تعلقوں، (اعراف - ۲۱) کے لیے بہتر ہے کیا تم سمجھتے نہیں،

یہ دارالجزا اور دارالاصلاح بھی جو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و شفقت سے انسان کو پیدا کیا، اور اس ہمیشہ کی زندگی کا مقام
بھی دکھایا اور بتا دیا کہ اس مقام کا دائمی وابدی استحقاق خود تمہارے عمل سے تم کو ہو سکتا ہے، اور یہ دنیاوی زندگی اسی
اُس کو دی گئی کہ وہ اس زمانہ میں اُس سدا بہار سرزمین کی ملکیت کو اپنے عمل کی قیمت سے خرید سکے، مگر چونکہ انسان
دوسری مصلحتوں کے لحاظ سے طبعاً کمزور، زود فراموش، اور بھولنے والا بھی پیدا ہوا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی
اسی مستعار زندگی میں بار بار اپنے سنہلنے، سدھرنے، اور کامیاب بننے کے موقع عنایت کئے، رسولوں کی بعثت ہو
کی آمد، شریعت کی تعلیم، پھر اہل المعروف اور نہی عن المنکر کا سلسلہ، اور گناہوں پر جہانی سزا و تعزیر، اور اعلیٰ خیر پر روحانی
لذت، اور اعلیٰ شہر پر روحانی عجاوب و کدورت کے لوازم اسی لیے مقرر ہوئے کہ اُس کو ہر قسم پر اپنے اعمال پر تنبیہ اور
اپنی غلط روی کا احساس ہو، اور ان سب کے علاوہ اس نے اپنی غایت رحمت سے انسانوں کی تنبیہ اور اصلاح کے
لیے حسب ذیل مراتب مقرر کئے،

۱۔ نیکی سے برائی کا تقارہ، چونکہ انسان کتنی ہی کوشش کرے اپنی فطری کمزوریوں کی حد سے باہر نہیں
نکل سکتا، اس لیے جس طرح اس دنیا میں اُس نے انسانوں کے دلوں میں یہ فطری اصول و دینیت کر دیا ہے،
تہ جس کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہو، اُس کی معمولی برائیوں سے چشم پوشی کی جاتی ہے، یا یہ کہ آخر میں اُس کا کوئی ایک

نیک کام اتنا زبردست ہو جاتا ہے کہ اُس سے اسکی تمام گلی برائیوں کی فرد و صل جاتی ہے، اسی کا نام کفارہ عمل ہے، چنانچہ وحی محمدی نے اصولی طور پر یہ حقیقت ان الفاظ میں تلقین کی کہ،

اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (ہق-۱۰) بے شبہہ نیکیاں، برائیوں کو دور کر دیتی ہیں،

اس آیت کا یہ بھی منشا ہے کہ نیکیوں کی تدریجی ترقی بالآخر برائیوں کو کم کرتی جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ پورا نیکو کار انسان بن جاتا ہے، اور یہ بھی خوشخبری امین پوشیدہ ہے کہ یہی نیکیاں، اسکی پہلی برائیوں کے نتیجہ کو بھی انشاء اللہ مٹا دیں گی، اس معنی کی اور آیتیں بھی قرآن پاک میں ہیں،

اِنْ تَجْتَنِبُوا الْبَیِّنَاتِ تَتَّقُوا عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مَدْخَلًا كَرِيمًا، (نساء-۵)

تم کو جن باتوں سے منع کیا گیا ہو، اگر ان میں کی بڑی باتوں سے تم بچے رہو گے تو ہم تمہاری تقصیریں تم سے اُٹا دیں گے، اور تمکو عزت کے مقام میں داخل کریں گے،

لَئِنْ اَقَمْتُمْ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمْ مَعَهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّا يَكْفِرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَا دُخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ، (مائتہ-۳)

البتہ اگر تم نماز پڑھ کر دو، اور زکوٰۃ دو، اور میرے پیغمبروں پر ایمان لاؤ، اور ان کی مدد کرو گے، اور اللہ کو اچھی طرح کا قرض دو گے، تو میں تمہارے گناہوں کو اُٹا کر دوں گا، اور تم کو ان جنتوں میں داخل کروں گا جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں،

اُولَئِكَ الَّذِيْنَ تَقْبَلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِيْ اَصْحَابِ الْجَنَّةِ، (احقاف-۲)

یہ وہ ہیں جن کے اچھے عمل کو دور، جنتیوں (کے شمول) میں ہم قبول اور انکی برائیوں سے مدگذر کریں گے،

۲۔ توبہ کفارہ ہے، انسان کے تمام کاروبار میں اصل شے اُس کا دل ہے، اسی سے وہ پاک ہوتا ہے، اور اسی سے ناپاک بنتا ہے، انسان کا دل اگر خلوص کے ساتھ کسی وقت خدا کی طرف رجوع کرے، اور

اپنی تقصیر اور فروگزاشتوں پر اُس کی بارگاہِ مینِ نادم و شرمسار ہو کر اپنی پچھلی زندگی سے بیزار ہو کر آئندہ کے لیے نیکو کاری کا خدا سے مستحکم وعدہ کرے تو اُس کا نام توبہ ہے یہ تو بگہمکار سے گنہگار انسان کو بھی خدا کے اغوشِ رحمت میں لا کر ڈالتی ہے، آدم علیہ السلام کا قصور اور پھر انکی توبہ، اور رحمتِ الہی کا رجوع، واقعہ کے علاوہ اس بات کی ایک مثالی صورت بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اغوشِ رحمت کس طرح گنہگار انسان کو واپس لینے کے لیے ہمیشہ وار رہتی ہے، رحمتِ الہی کے اس پر جوشِ نظارہ کی جو کیفیت محمد رسول اللہ صلیم کے صحیفہ وحی اور پیامِ نبوت میں نظر آتی ہے، اُس سے ہندوستان کا ہر منہ اور دھرم قطعاً محروم، توراتِ خانوش، زبور کی سر ملی آواز مدھم، اور انجیل کی خوشخبری مبہم ہے، لیکن محمد رسول اللہ صلیم نے اپنے پیامِ ربانی میں اسکی کیفیات اور اصول و شرائط کو جس شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا، وہ گویا ربینِ نئی طرف سے رحمتِ للعالمین کا خاص حصہ تھا، فرمایا،

اَلَا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولَٰئِكَ
يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا
مگر جس نے توبہ کی، اور ایمان لایا، اور نیک کام
کئے، تو وہ جنت میں داخل ہونگے، اور اُن پر
(مریدہ ۴) کچھ ظلم نہ کیا جائیگا،

اس سے اگے بڑھ کر یہ کہ ایک توبہ کی بھلائی، اس کے گناہوں کے سارے دفتر دھو کر، اُون کی جگہ
آپ لے لیگی،

اَلَا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا
فَاُولَٰئِكَ يَبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ
مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کئے تو یہ
ہیں جنکی برائیوں کو اللہ بھلائیوں میں بدل دے گا،
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا، (فرقان ۶۰) اور اللہ بخشنے والا رحم والا ہے،

اور یہی اس کی شانِ رحمت کا اقتضا ہے، یہاں تک کہ چودا اور ڈاکو بھی اپنے گناہوں سے توبہ کریں تو انکو
بھی بشارت ہے،

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَاٰمَنَ فَاِنَّ
تو جس نے اپنے پر ظلم کرنے کے بعد توبہ کی اور اپنے کو

اللّٰهُ يَتُوبُ عَلَيْهِ ذَٰلِكَ اللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ
 اَلَمْ تَعْلَمَ اَنَّ اللّٰهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ
 الْاَرْضِ ط يَعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ
 يَّشَاءُ وَاللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ
 سدھارا، توبہ شیک اللہ اُس پر رجوع ہو گا کہ اللہ بخشنے
 والا مہربان ہے کیا تجھے نہیں معلوم کہ آسمانوں کی
 اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے جس کو چاہے سزا
 دے اور جس کو چاہے معاف کرے، اللہ ہر چیز
 پر قدرت رکھتا ہے، (مائتہ ۶)

اللّٰهُ تَعَالٰی نے اپنا قطعی اصول ظاہر فرمادیا کہ
 وَاِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا
 ثُمَّ اهْتَدٰی، (طہ ۴۰)
 اور بیشک میں اُسکو بخشنے والا ہوں جس نے توبہ کی اور
 ایمان لایا، اور نیک کام کئے اور پھر راہ پر چلا،

لیکن توبہ کس کیلئے ہے، اور کس شرط کیساتھ ہے،
 اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ
 السُّوْءَ بِمَآلَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِیْنٍ اَوْ اَلِکَ
 یَتُوبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا
 وَكَيْسَتْ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُونَ السَّیِّئَاتِ
 حَتّٰی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ
 نَبْتُ الْفُلَانِ وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوتُونَ وَهُمْ
 کُفَّارٌ (نساء ۳۰)
 اللہ کو ان کی توبہ قبول کرنی ضرور ہے جو نادانی سے بُرا
 کام کرتے ہیں، پھر جلد توبہ کرتے ہیں، تو یہی وہ ہیں جنکو
 اللہ معاف کرتا ہے، اور اللہ سب جانتا ہے، اور حکمت
 والا ہے، اور انکی توبہ نہیں ہے جو برے کام کرتے جانتے
 ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئی
 تو اس نے کہا اب میں نے توبہ کی، اور نہ ان کی توبہ
 ہے، جو کافر ہو کر مر رہے۔

مقصود یہ ہے کہ توبہ کے بعد اُس بندہ کے دل میں آئینہ قلا فی اور تدارک کا احساس بھی موجود ہو، اور
 ظاہر ہے کہ موت کے وقت یہ احساس ممکن ہی نہیں، ہاں اگر وہ توبہ اپنے احساس کے اثر سے کرے، اور اسکے
 بعد اتفاقاً موت آجائے تو یقیناً رحمت الہی اُس کے قبول کرنے میں تامل نہ کرے گی،

وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِهَا
وَأَمْسَوْا إِلَىٰ رَبِّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَعَلَّهُمْ يَرْحَمُهُمْ

اور جنہوں نے بُرے کام کئے، پھر اُس کے بعد باز آئے
(توبہ کی) اور یقین کیا، تو بیشک تیرا پروردگار اُنکے بعد

اسکو بخشنے والا اور اس پر رحم کرنے والا ہے، (اعراف - ۱۹)

وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ

اور جو کوئی بُرا کام کرے یا اپنی آپ نظر کرے پھر اللہ سے اپنے گناہ

يَعْبُدِ اللَّهَ عَفْوَ رَاحِمًا، (نساء - ۱۴)

کی معافی چاہے تو وہ اللہ کو بخشش والا رحم کرنے والا پائیگا،

۳۔ مصائب کی تنبیہ اور کفارہ، دنیا میں مصائب سے زیادہ بُری اور تکلیف دہ چیز انسان کو کوئی دوسری

نہیں معلوم ہوتی، لیکن یہ حقیقت بھلانے کے لائق نہیں کہ افراد، بلکہ جماعتیں اور قومیں بھی مصائب ہی کی تنبیہ
اور سرزنش سے متنبہ اور ہشیار ہو کر آمادہ اصلاح ہوتی ہیں، چنانچہ اکثر اخلاقی محاسن کے جوہر کو مصیبتوں ہی کی آگ
نکھار کر کندن بناتی ہے، صبر، استقلال، تواضع، شکر، محبت اور رحم ان تمام اخلاقی فضائل کی تربیت انہیں مصائب
کے زیر سایہ ہوتی ہے، مغرور سے مغرور انسان بھی جب کسی اتفاقی مصیبت کی ٹھوکر کھاتا ہے، تو سنبھل جاتا ہے،
اس لئے غافل انسانوں، اور خود فراموش سرمستوں کو ہوش میں لانے کے لیے کبھی کبھی کی مصیبتوں سے بڑھ کر
کوئی دوسری چیز نہیں کہ اُن کی بدولت اللہ سے ملحق انسان بھی ایک فوجیہ بقرار ہو کر خدا کا نام لے ہی لیتا ہے،

دولت و نعمت، کامیابی و مسرت، شراب ہے، جس کے نشہ کا آثار اتفاقی مصائب ہی کی ترشی سے ہوتے
ہے، انسان خدا کو کتنا ہی بھولا ہو اور اپنی دولت و ثروت پر کتنا ہی نازاں ہو لیکن جب وہ کسی اقداسے دوچار
ہوتا ہے، تو دفعۃً اُس کی نگاہیں کھل جاتی ہیں، بیماری، تنگدستی، عزیزوں کی موت، آرزوؤں کی ناکامی، ان میں سے
ہر چیز وہ ٹھوکر ہے، جس کو کھا کر مسرت سے مسرت راگیر بھی چونک کر ہشیار ہو جاتا ہے، اور اُس کو اپنے راستہ
کی غلطی معلوم ہو جاتی ہے، اس لیے ان مصائب میں انسانوں کے اعمال بد اور گناہوں کا کفارہ بننے کی صلاحیت
پوری طرح موجود ہے، کہ اس تھوڑی تکلیف سے بندہ میں جو روحانی احساس پیدا ہوتا ہے وہ بڑی بیش قیمت چیز
قرآن پاک نے اس نکتہ کو پوری طرح جایا بیان کیا ہے، اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہگاروں کو

اس سے پہلے کہ ان کو ہلاک کرے، ان کو مصائب کی آزمائشوں میں ڈالتا ہے، تاکہ شاید وہ اپنے بھولے ہوئے مالک کو یاد کریں اور اپنی غلط روی پر متنبہ ہو کر اپنی ہدایت و اصلاح کی فکر کریں، فرمایا،

وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقْصِ
مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ (اعراف-۱۶)

اور بیشک ہم نے فرعون واپن کو تھکن اور پھلون کی
نی کی مصیبت میں گرفتار کیا تاکہ وہ نصیحت بکریں،

بنی اسرائیل کے متعلق ہے،

وَبَلَوْنَاهُم بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (اعراف-۱۷)

اور ہم نے انکو نیکو و برے کی آزمائشوں میں ڈالتا تاکہ وہ شائبہ باز بنیں

اسی سورہ میں ایک اور جگہ اس اصول کو ایک کلیہ کی حیثیت سے بیان کیا گیا،

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَوْمِيهِ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا يَخِذُّهَا
أَهْلُهَا بِالْبِئْسَاءِ وَالْفُسَادِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (اعراف-۱۸)

اور ہم نے کسی آبادی میں کوئی نبی نہیں بھیجا بلکہ ان
کے رہنے والوں کو فساد اور مصیبتوں میں گرفتار کیا

مسلمانوں سے فرمایا گیا،

وَلَنْبَلُوَنَّكُمْ لِيُعْلَمَ مِنْ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَ

اور البتہ ہم تمکو تھوڑے خوف، بھوک، اور دولت کی

نَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ

اور جانوں کی، اور پھلون کی کمی سے آزمائیں گے اور

وَنُبَشِّرُ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمْ

ان صابر و ن کو خوشخبری سنا کہ جب کوئی مصیبت

مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَأَنَا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

سنا تی ہے تو کہتے ہیں ہم خدا کے ہیں، اور اسی کی طرف

أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَهُمْ

وہ لوگ جو جانے والے ہیں، یہ وہ ہیں جن پر اللہ کی برکتیں

وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (البقرہ-۱۹)

اور رحمتیں ہونگی، اور یہی سیدھی راہ پائے ہوئے ہیں،

اس اصول کے تحت میں احادیث صحیحہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے متعدد جزئیات بیان فرمائے ہیں مختصر

حاشیہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری مَن يَعْمَلْ سُوًّا يُعْزِ بِهَا (سواء-۱۸) (جو کوئی برائی کرے گا اسکا بدلہ اس کو

دیا جائیگا) تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مطلب پوچھا، فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ سے عتاب ہے، اس کا

بدلہ دنیا میں بندہ کی ہر تکلیف سے پورا ہو جاتا ہے، جیسے اُس کو بخار آجائے، یا وہ کسی اور مصیبت سے دوچار ہو جائے، یہاں تک کہ حیبِ مین کوئی چیز گلہ کر بھول جائے، اور اس سے جو تکلیف اُس کو پہنچے وہ تکلیف بھی کفارہ بن جاتی ہے، یہاں تک کہ بندہ گناہوں سے اس طرح صاف ستھرا ہو کر نکلتا ہے جیسے بھٹی سے سونا، دوسری حدیثوں میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مسلمان کو کوئی مصیبت پیش نہیں آتی ہے لیکن یہ کہ اللہ تعالیٰ اُس کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے، یہاں تک کہ اگر اُس کے کوئی کاٹا چھو جائے تو وہ بھی کفارہ بن جاتا ہے، تیسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مسلمان کو کوئی تکلیف یا بیماری، یا غم، یا اذیت نہیں پہنچتی لیکن یہ کہ وہ اُس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس کے کوئی کاٹا چھو جائے، تو وہ بھی چوتھی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کسی مسلمان کو کوئی تکلیف کاٹنا چھینے سے لیکر اوپر تک جتنی بھی پہنچے، اللہ تعالیٰ اُس سے اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جیسے درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں، پانچویں روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ دنیا میں جو مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا، اور اُس کی سزا اُس کو یہیں مل گئی تو وہ اُس کے لیے کفارہ، اور اس کو اس گناہ سے پاک و مہذب بنا دیتا ہے۔ سطور بالا سے ہوا ہے کہ کوئی انسان جو اقرارِ توحید کے بعد گناہ سے ملوث ہو گیا ہو، دنیا میں توبہ، اعمالِ نیک اور مصائب پر صبر و شکر کے ذریعہ سے نجات پاسکتا ہے، اور اس دنیا سے اسی طرح پاک و مہذب ہو کر نکلتا ہے، کہ موت کے بعد اُس کو کسی نئے کفارہ گناہ کی ضرورت پیش نہ آئے،

اسی لیے قرآنِ پاک میں ہے،

وَلَنَذِرَنَّهُمْ تَبَعَاتِ الْعَذَابِ ۖ أَذًىٰ دُونَ ۚ
اور ہم البتہ اُن کو بڑے عذاب کے پہلے ادنیٰ عذاب کا کچھ

الْعَذَابِ ۖ أَكْبَرَ لَعْنَتِهِمْ يَرْجِعُونَ، (مجادلہ)
چکھائے ہیں، تاکہ وہ اب بھی باز آئیں،

اس آیت پاک سے معلوم ہوا کہ عذابِ الہی کا مقصد انتقام اور نفسِ سزا اور عقوبت نہیں، بلکہ تشریفِ نفس کو

۱۔ یہ اور اس کی ہم معنی حدیثیں اکثر کتبِ حدیث میں ہیں مثلاً ترمذی تفسیر اوخر النساء، سنن ابی داؤد، اوائل کتاب الجنائز،
۲۔ صحیح بخاری اوائل کتاب المصنوعین میں یہ تینوں روایتیں ہیں، ۳۔ صحیح بخاری کتاب الرد علی الجہیت،

عذابِ دوزخ کفار گناہ ہی | ابھی یہ آیت اوپر گزر چکی ہے کہ

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِن شَكَرْتُمْ
وَأَمِنْتُمْ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا،

(نساء - ۲۱) اور (تھارے دلوں کے حال کو) جانتے والا ہے

اس سے معلوم ہوا کہ گناہگار جو عذاب ملیگا انہیں اللہ کو کوئی خوشی نہیں حاصل ہوتی، نہ وہ چاہتا ہے کہ اسکے گناہگار بندے اس عذاب میں مبتلا ہوں، لیکن ازل سے اُس نے اپنے جو قانون مقرر کر دیئے ہیں وہ انکو توڑتا بھی نہیں، جو وقت آدم کو جنت کی سرزمین سے نکال کر اس دنیا میں اس لیے بھیجا گیا کہ وہ اپنے عمل کے استحقاق سے اس جنت کو دوبارہ ہمیشہ کے لیے حاصل کریں، اسی وقت یہ قانون بھی اُن کو سنا دیا گیا تھا،

إِهْبِطْ مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكَ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ، وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَلَئِنْ لَا يَأْتِيَنَّكَ الْبَصَائِرُ فَكُفِّرُوا وَلَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ، (البقرہ - ۴)

یہاں سے تم سب اترو، تو اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت اترے، تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو اُن پر نہ کوئی خوف ہے، اور نہ غمگین ہونگے، اور جنہوں نے ناشکری کی اور ہماری نشانیاں

کو جھٹلایا تو وہی دوزخ دلے ہونگے،

اس آیت میں مستحقِ دوزخ ہونے کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں، ایک کفران اور دوسری تکذیب دیکھو کہ اوپر کی نساء والی آیت میں عذابِ دوزخ سے نجات پانے کی دو شرطیں شکر اور ایمان ان کے بالکل بالمقابل ہیں اس سے ظاہر ہوا کہ شکر اور ایمان استحقاقِ جنت کی شرطیں، اور کفران اور تکذیب استحقاقِ دوزخ کے اسباب ہیں، بقیہ تمام نیکیاں شکر اور ایمان کے فروع، اور تمام برائیاں کفران اور تکذیب کی شاخیں ہیں، لیکن بہر حال اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس لیے نہیں بنایا کہ وہ اُن کو پیدا کر کے دوزخ کا ایذا من بنائے بلکہ اُس نے تو اُن کو اپنی رحمت کے ظہور کے لیے پیدا کیا، غیظ و غضب کے اظہار کے لیے نہیں اُفرمایا،

اِنَّا عَرَضْنَا الْاٰمَانَ عَلٰی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
 وَالْجِبَالِ فَابْتَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ
 مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا
 جَهُوْلًا لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقَاتِ
 الْمُنٰشِرِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوبَ اللّٰهُ
 عَلٰی الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَكَانَ
 اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

ہم نے یہ امانت آسمان پر اور زمین پر اور پہاڑوں
 پر پیش کی، تو ان سب نے اُس کے اٹھانے سے انکار
 کیا، اور ڈرے، اور انسان نے اُس کو اٹھالیا، کہ وہ
 ظالم اور نادان تھا، تاکہ اللہ نفاق کرنے والوں اور
 نفاق کرنے والیوں اور شرک کرنے والوں اور
 شرک کرنے والیوں کو سزا دے اور ایمان والوں،
 اور ایمان والیوں پر وہ اپنی رحمت کیساتھ رجوع ہو

(احزاب-۹) اور اللہ تو بخشنے والا اور رحمت والا ہے،

اس آیت پاک سے صاف ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اصلی صفت یہی ہے کہ وہ غفور و رحیم ہے، بخشنش
 و رحمت اُس کی صفت ذاتی ہے، اب اگر کوئی اپنے آپ پر ظلم کر کے گناہ کرتا ہے، اور اس لیے وہ اپنے کو رحمت
 الہی سے دور کر لیتا ہے، تو یہ خود انسان کا فعل ہے،

فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسُهُمْ
 يَظْلِمُوْنَ (توبہ-۹)

اللہ نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا، لیکن وہ اپنی جانوں پر
 آپ ظلم کرتے ہیں،

وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰبَادِ (مومن-۴)

اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا،

غرض جو کچھ ہے وہ اپنے اعمال کا نتیجہ ہے،

لِيُجْزِيَ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ (طہ-۱)

کہ ہر جان کو اپنے ہی کئے کا بدلہ دیا جائیگا،

اس لیے بہشت ہو یا دوزخ جو کچھ ہے، انسان کے اپنے ہی عمل کا لازمی نتیجہ ہے، جس طرح دنیا کے ہر
 عمل کا کوئی نہ کوئی لازمی نتیجہ تھا، کھانے کا نتیجہ شکم سیری، پینے کا نتیجہ سیرابی، بھوک کا نتیجہ تکلیف، بیماری کا نتیجہ
 بے آرامی، اگر نہ کرنے کا نتیجہ چوٹ، زہر کا نتیجہ موت، شہد کا نتیجہ ٹھاس، غرض ہر اچھے یا برے فعل کا ایک لازمی

جسمانی نتیجہ تھا جو دنیا میں ہمارے عمل کے بعد ہم کو ملتا رہا، اسی طرح ہم کو اپنے اعمال کا ایک روحانی نتیجہ بھی لازمی ملنے والا تھا، جو ہم کو اس دوسرے عالم میں مل رہا ہو، تو جس طرح زہر کھا کر مرنے کی ذمہ داری خود ہم پر عائد ہوتی ہے اور ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم زہر کھا کر مریں گئے، یا گرنے سے ہم کو چوٹ کیوں آئی، اسی طرح ہم یہ سوال بھی نہیں کر سکتے کہ ہم کو ان اعمال کے بعد دوزخ کی سزا کیوں ملی، کہ دونوں کیساں ہمارے اعمال کے لازمی نتیجہ ہیں،

اللہ تعالیٰ نے اپنی غایت رحمت سے ہم کو اعمال کے نتیجوں سے قبل از وقت مطلع فرمادیا تھا، ہم کو اس نے نیک و بد کی تمیز کا احساس بخشا، عقل غایت کی ضمیر عطا کیا، پھر نبی اور رسول بھیجے، شریعت دی، کتاب مرحمت فرمائی، اس پر بھی اگر ہم باز نہ آئے اور ان اعمال کا ارتکاب کیا، تو اب ہم کو ان اعمال کے نتائج سے کون بچا سکتا

رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَتْ

لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ،

یہ رسول بھیجے، نیکوں کو خوشخبری سنانے والے اور بدکاروں کو ہشیار کرنے والے تاکہ خدا پر انسان کی حجت باقی نہ رہے، (نساء-۲۳)

پھر اپنی رحمت سے سب سے آخرین اپنی رحمت کے کمال منظر کو دنیا میں بھیجا،

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (انبیاء)

لیکن ظالم و نادان انسانوں نے اس رحمت کے قبول سے انکار کیا، اور طرح طرح کی بد عقیدہ گیوں اور

بد اعمالیوں سے اپنے کو برباد کیا، اور جس غرض سے خدا نے ان کو پیدا کیا تھا، اس سے اعراض کیا، اور اپنے کو خود اپنے ہاتھوں سے ہلاکت و بربادی میں مبتلا کیا،

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُغْلِبَ الْقُرْآنَ وَالْكَافِرِينَ (اور نہ تھا تیرا رب جو آپادینوں کو ہلاک و برباد کرے، اور نہ تھا

مُصْلِحِينَ، وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ

أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ

إِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ وَلَئِنَّكَ خَلَقَهُم

اس آیت سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو رحمت کی خاطر بنایا ہے، عذاب کے لیے نہیں لیکن وہ خود انسان ہے جو اپنے عمل سے خدا کی رحمت کے بجائے اُس کے عذاب کا اپنے کو سزاوار ٹھہر لیتا ہے، اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں،

لِلرَّحْمَةِ خَلَقَهُمْ وَلَمْ يَخْلُقْهُمْ لِلْعَذَابِ ، خدا نے انسانوں کو رحمت کے لیے پیدا کیا، عذاب کے لیے نہیں، (طبری ج ۱۲ - مکہ مصر)

لیکن اگر ظالم و نادان انسان نے خدا کی ان پے در پے رحمتوں کے باوجود اپنے کو اس کی رحمت کا مستحق نہ بنایا تو کیا وہ خدا کے رحمان و رحیم جس کا یہ اعلان ہے،

كُتِبَ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةُ ۖ اُس (خدا) نے (مخلوقات پر) رحمت کو اپنے اوپر واجب کر لیا ہے، (العام- ۲)

سَلَّمَ عَلَيْكُمْ كُتِبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةُ تم پر سلامتی ہو، تمہارے رب نے رحمت کو اپنے اوپر فرض ٹھہرایا ہے، (العام- ۶)

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ، (اعراف- ۱۹) اور میری رحمت نے ہر چیز کو سمایا ہے،

وَرُبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ، (کہف- ۸) اور تیرا رب در دگار بخشنے والا رحمت والا ہے،

وَرَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي (حیجہ بخاری) اور میری رحمت، میرے غضب پر سبقت لے گئی،

وہ اپنے گنہگار و سیرکار بندوں سے ہمیشہ کے لئے اپنا منہ موڑے گا، حالانکہ اُس کی رحمت غرض سے نہیں، بلکہ بے غرض ہوا فرمایا،

وَرُبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ (العام- ۱۴) اور تیرا رب بے نیاز رحمت والا ہے،

اور تسلی دے دے،

يُعَاذِي الذِّينَ آمَنُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا اے میرے وہ بند و پیغمبروں نے اپنے اوپر آپ ظلم

تَقْضُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ
 لِمَن يَشَاءُ ۚ هَذِهِ رَحْمَةٌ مِّنَ اللَّهِ هُوَ غَدَّاسٌ
 الذُّنُوبَ جَنِينًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ
 گناہوں کو معاف کرتا ہے بیشک ہی بخشنے والا رحمت

(زمر- ۶) والا ہے،

اس کی رحمت کا ظہور جس طرح اس دنیا میں ہوا ہے، اُس دنیا میں بھی ہوگا، اور وہ ان اسکی رحمت کا سب سے بڑا منظر اُس کے مقام لعنت (دوزخ) سے دوری، اور اُس کے مقام رحمت (بہشت) سے قریب، فرمایا،

مَنْ يَصْرِفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ
 وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ،
 جس پر اُس نے اپنی رحمت کی، اور اُس کی رحمت

کا یہ حصول ہی کھلی کامیابی ہے، (الفجر- ۲)

اللہ تعالیٰ کی ان پے پے رحمتوں کا یہ تقاضا ہے کہ وہ گنہگاروں کو زیادہ سے زیادہ یہ کہ اُن کے نتائج

عمل کے بھگت لینے کے بعد بالآخر اپنی رحمت کے سایہ میں لے اور اُن کو اپنی بخششوں سے سرفراز فرمائے،

دوزخ قیدخانہ نہیں شفاخانہ ہے، انسان جب عدم حفظِ صحت کی غلط کاریوں کے سبب بیمار ہو جاتا ہے، تو اکثر یہ سمجھا

جاتا ہے کہ فطرت نے اُس کو ان کے معاوضہ میں بیماری کی تکالیف کی سزا میں ہی نہیں، مگر واقعہ یہ نہیں ہے،

واقعہ یہ ہے کہ ان غلط کاریوں کے جو نتائج بد انسان کے جسم کے اندر پیدا ہو گئے ہیں اُن کو دور کرنے کے لیے جسم

انسانی جدوجہد کرتا ہے، اور اُس کی اس لڑائی کا نام بیماری اور اس لڑائی کی کشمکش کا نام بیماری کی تکالیف نام

ہے، جنگجو ہم دردمرد و دشمن، اعضا شکنی، بخوابی، وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں، یہی روحانی بیماریوں کا حال

ہے، جنگجو ہم اصطلاح میں گناہ کہتے ہیں، اور اُن کے نتائج بد کا نام اصطلاح شرعی میں عذاب ہے، جو آتش دوزخ

اس کے شدائد و الآلام کی صورت میں ظاہر ہوگا، اور جس کا منشا یہ ہے کہ روح انسانی اپنی غلط کاریوں کے نتائج بد

کو دور کرنے کیلئے جدوجہد میں مصروف ہوگی، اور جو نبی وہ ان سے عہدہ برآ ہوگی، خدا کی رحمت سے سرفرازی پا

اس عذاب سے نکل کر اپنی موزونی بہشت میں داخل ہوگی،

اس تہید سے یہ ظاہر ہے کہ دوزخ کی مثال نہیں ہے کہ وہ مجرموں کے لیے قید خانہ ہے، بلکہ یہ ہے کہ وہ بیماروں کے لیے شفا خانہ ہے، بیمار کو شفا خانہ کے اندر بھی ہر قسم کی تکلیفیں محسوس ہوتی ہیں، درد، اعضا شکنی، تشنگی، سوزشِ جہم، اُس کو وہاں کڑوی سی کڑوی دوا پلائی جاتی ہے، بد مزہ سے بد مزہ کھانا کھلایا جاتا ہے، ضرورت ہوتی ہے تو اُس کو نشتر دیا جاتا ہے، اُس کا کوئی عضو کاٹا جاتا ہے، کوئی داغا جاتا ہے، اور ان سب کی تکلیفیں اُس کو اٹھانی پڑتی ہیں، مگر یہ ساری "ایذا رسانی" کسی انتقام اور تکلیف دہی کی غرض سے نہیں ہوتی، بلکہ اُس کے عدمِ صحت کی غلط کاریوں کے نتائج بد سے اُس کے جسم کو محفوظ رکھنے کی غرض سے کی جاتی ہے، اور جو تکلیفیں اُس کو وہاں محسوس ہوتی ہیں، وہ گوشتِ شفا خانہ کے اندر ہی محسوس ہوتی ہیں، مگر اُن کا سبب شفا خانہ نہیں بلکہ خود اُس بیمار کا اصولِ صحت سے دانستہ یا نادانستہ انحراف کرنا، اور اسکی وجہ سے ان بیماریوں میں مبتلا ہونا ہے،

یہ اصول اُن آیات اور اُن احادیثِ صحیحہ سے پوری طرح سمجھ میں آتا ہے جنہیں بالآخر عذابِ دوزخ سے نجات کی کیفیت بیان کی گئی ہے، دنیاوی آلام و تکالیف کی نسبت قرآن نے یہ اصول پیش کیا ہے،

وَلِيُخَيِّضَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَكْفِيَهُمُ الْكَافِرِينَ ۚ
اللَّهُ كَذَّابٌ إِيمَانٌ وَالْوَلُونَ كَوَافِلٌ خَالِصٌ كَرَّهٍ ۚ

(ال عمران - ۱۴) کوٹھائے،

یہی اصول عذابِ اخروی پر صادق آتا ہے، کہ اس سے بھی مقصود گنہگار اہل ایمان کی پاکی و صفائی ہے

چنانچہ حدیثِ صحیح میں ہے کہ حقوقِ عباد کے بعد

حَتَّىٰ إِذَا هُذِّبُوا وَنُقُوا أُذِنَ لَهُمْ فِي ۖ
یہاں تک کہ جب گنہگار چھٹ جائیں گے اور پاک

دخول الجنة، (صحیح بخاری باب القصاص) صاف ہو جائیں گے، تب اُن کو جنت میں داخل

یوم القيامة ۹۶) ہونے کی اجازت ملے گی،

اس حدیث میں یہ دو لفظ ہُذِّبُوا وَنُقُوا ذرا تشریح طلب ہیں، ہُذِّبُوا کا مصدر تہذیب ہے، تہذیب کے

معنی یہ ہیں کہ درختوں کی خراب شاخیں اس لیے چھانٹ دی جائیں تاکہ درخت میں سرسبزی و شادابی

پیدا ہو کر ترقی کی نئی زندگی اُسکول جائے، اور نُقلاً کا مصدر تنقید ہے، تنقید کے اصلی معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کے اندر سے خراب و فاسد مادہ کو الگ کر دیا جائے، تاکہ وہ پوری طرح نکھر جائے، اس تشریح سے صاف کھل گیا کہ گنہگاروں کو جنت کے داخلہ کے لیے کیا درکار ہے، اسی لیے قرآن پاک میں ہے کہ اہل جنت جب جنت کے قریب پہنچیں گے تو ندا آئے گی،

طَبِّمُ فَإِذَا دَخَلُوا حَالِيَيْنِ، (زمرہ - ۸) تم پاک صاف ہو چکے تو جنت میں سد اکیلے آ جاؤ،

الغرض جب اُس طیب پاکیزگی کا دور آئیگا تو گنہگاروں کو بھی نجات ملیگی، اسی لئے ہر گنہگار کے لیے دوزخ کو نکلنے کی مدت خواہ کتنی ہی طویل ہو، مگر بہر حال اسکی انتہا ہے، فرمایا،

لَا يَتَيْنِي فِيهَا أَحَقَابًا، (نبا) دوزخ میں وہ صد ہا سال تک پڑے رہینگے،

لیکن بالآخر ان صد ہا سال کا بھی ایک دن خاتمہ ہوگا، اور خدا نے چاہا تو اُن کو نجات ملیگی،

حدیث روایات میں ہے کہ آپ نے دوزخ میں کچھ ایسے لوگوں کو بھی دیکھا جنہوں نے کچھ اچھے اور کچھ برے کام کئے تھے، اُن کا آدھا دھڑ تو نہایت خوبصورت، اور آدھا سخت بد صورت تھا، جب انکی سزا کی مدت ختم ہوئی تو فرشتوں نے اُن سے کہا کہ جاؤ اور اُس نہر میں جا کر پڑ جاؤ، سامنے وہ نہر تھی حسین خالص سپید پانی بہ رہا تھا وہ اُس میں جا کر پڑ گئے، پھر نکل کر آئے تو انکی وہ بد صورتی جاتی رہی، اور نہایت خوبصورت ہو گئے، اس سے ظاہر ہے کہ خدا کی رحمت کیونکر گنہگاروں کو سرفراز فرمائیگی،

گویا دوزخ بھی ایک نعمت ہے! اس تفصیل کے بعد اگر یہ کہا جائے، کہ قیامت اور دوزخ کی ہولناکیاں، اور سزاؤں میں بھی گنہگاروں کے لیے اللہ تعالیٰ کی اسی طرح نعمت ہیں جس طرح اس دنیا میں شفا خانوں کا وجود بیماروں کیلئے نعمت ہے، اگر دوزخ نہ ہوتی تو گنہگاروں کی پاکیزگی، اور پاکوں کی جنت میں اُن کے داخل ہونے کی کوئی صورت نہ تھی، اس رحمان و رحیم کی رحمت و کرم نے گوارا نہ کیا کہ ان بد بختوں کو اُن کی نافرمانیوں کے باوجود ہمیشہ کے لیے

محروم رکھا جائے، اس لیے اُن کی صفائی کے لیے پہلے برزخ کا حاتم مقرر کیا، اور جو اس سے بھی پاک نہ ہو سکیں، اُن کے لیے دوزخ کی آگ مقرر کی، کہ وہ اپنی ہر قسم کی بد اعمالیوں کے میل کچیل کو جلا کر، نکھر کر پاک ہو جائیں، اور کُندن بن کر بالآخر اپنی آبائی اور فطری وراثت (جنت) پائیں، اس نظریہ کو پیش نظر رکھ کر قرآن پاک کی ان آیتوں کو پڑھئے جنہیں قیامت اور دوزخ کی ہولناکیوں اور مصیبتوں کو بھی نعمت سے تعبیر کیا گیا ہے، فرمایا:-

یُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شَوْاظُ مِّنْ نَّارٍ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ، فَإِذَا الشَّقِيقَةُ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ	تم پراگ کے صاف اور دھواں لے شعلے چھوٹیں گے،
فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ، فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌّ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ، يَعْرِفُ الْجَبْرُونَ بِسْمِهِمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ، هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ يَطُوفُونَ فِيهَا	پھر کوئی تمہاری مدد نہ کر سکیگا، تو اپنے پروردگار کی کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، پھر جب آسمان پھٹ کر ٹھٹھ کی طرح گلابی ہو جائیگا، تو اپنے پروردگار کی کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، پھر اُس دن کسی انس و جن سے اُس کے گناہ کی نسبت پوچھا نہ جائیگا، تو اپنے پروردگار کی کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، گنہگار اپنی نشانیوں سے پہچان لئے جائیں گے، پھر وہ اپنی پشیمانیوں کے بال اور پاؤں سے پکڑے جائیں گے، تو اپنے پروردگار کی کن نعمتوں کو تم جھٹلاؤ گے، یہ وہ دوزخ ہے جسکو گنہگار جھٹلاتے تھے، وہ اس دوزخ اور گرم پانی کے بیچ میں گشت کریں گے، تو تم اپنے پروردگار کی کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے،

(رحمان - ۲)

ان آیتوں کی تفسیر کسی پہلو سے بھی کیجئے، یہ بات بہر حال ماننی پڑے گی، کہ قیامت اور دوزخ کے ہولناک احوال مجرموں کے حق میں نعمت ہیں، اس لیے بھی کہ دنیا میں وہ اُن کے دُور سے برائیوں کو چھوڑ کر راہِ راست پر آتے ہیں اور اسلئے بھی کہ آخرت میں وہ انہیں کے ذریعہ سے اپنے گناہوں کے نتائجِ بد سے بری ہو کر بہشت ربانی کے

لائی بن سبکین گے،

دو رخ میں رحمت الہی کا ظہور اور نجات، انسان اور وہ بھی اللہ اور رسول کا معترف خواہ کسی قدر گمراہ اور گنہگار ہو تاہم اُس کے نامہ اعمال میں کچھ نہ کچھ نیکیاں ضرور ہوں گی، قیامت کو اللہ تعالیٰ کے عتاب و جلال کا روز ہوگا، حسین ہر گنہگار

کو اپنی گنہگاری کا ملموم ہونا پڑیگا مگر بالآخر اس رحمان و رحیم کی شانِ رحیمی کا ظہور ہوگا، اور رَحْمَتِيْ مَسْبُتٌ خَصْبِيْ (اور میرے غصے سے میری رحمت سبقت لگتی ہے) کے اعلان کا مصداق شفاعت کی صورت میں جلوئے کر ہوگا، اور گنہگاروں کو اُس کی بدولت گناہوں کے داغ سے پاک و صاف کر کے پاکون کی بہشت میں دخیل کی اجازت ملے گی، فرمایا،

وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ (تغابن-۱)
اور جو اللہ پر ایمان لائے اور اچھے کام کرے اُس سے
وَاٰخِرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخِرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (توبہ-۱۳)
اکلی برائیاں جھاڑ دیگا، اور اُس کو جنت میں داخل کرے گا،
کیا، اور ملایا ایک کام نیک اور دوسرا بد، شاید اللہ انکو معاف کرے، بیشک اللہ بخشنے والا رحم والا ہے،

احادیث صحیحہ میں اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حسب ذیل تصریحات مذکور ہیں۔
۱۔ حضرت جابر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شفاعت کے ذریعہ لوگ دو رخ سے چھوٹی گمراہوں کے مانند نکلیں گے، (صحیح بخاری، کتاب الشفاعۃ)

۲۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو رخ سے کچھ لوگ اسکی مجلس کھا کر نکلیں گے، اور جنت میں داخل ہونگے، ()

۳۔ حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت والے جنت میں، اور دو رخ والے دو رخ میں داخل ہو چکے ہیں گے، تو خدا فرمائیگا کہ جس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دو رخ سے نکالو

تو وہ کوئلے ہو کر نکلیں گے، پھر وہ نہر حیات میں ڈال دیئے جائیں گے، تو وہ اس طرح اوگین گے جس طرح سیلاب کے بہاؤ میں جنگلی دانہ اگتا ہے؛ (صحیح بخاری کتاب الشفاعۃ)

۴۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ آپ نے قیامت کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا: پھر میں سجدہ میں گر پڑوں گا، اور پڑا رہوں گا، تو آواز آئے گی، کہ اے محمدؐ! سر اٹھا، مانگ دیا جائیگا، تو میں سر اٹھاؤں گا، اور اُس حمد جو خدا مجھے سکھائیگا، اُس کی حمد کروں گا، اور سفارش کروں گا، تو خدا ایک حمد مقرر فرمائے گا، تو میں اُن کو دوزخ سے نکالوں گا، اور جنت میں داخل کروں گا، پھر لوٹ کر آؤں گا، اور سجدہ میں گر پڑوں گا، پھر وہ کچھ لوگوں کو بخش دیگا، اسی طرح تیسری بھی چوتھی بار کروں گا، یہاں تک کہ دوزخ میں پھر وہی رہ جائیگا جس کو قرآن نے روک رکھا ہے؛ (ابن)

۵۔ حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محمدؐ کی شفاعت سے کچھ ایسے لوگ دوزخ سے نکلیں گے، اور جنت میں داخل ہوں گے، جن کا نام جہنم والے ہوگا؛

۶۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے سوال پر آپ نے فرمایا کہ میری سفارش سے سرفراز ہونے کی خوش قسمتی اُس کو حاصل ہوگی جس نے خلوص قلب سے اللہ کی توحید کا اقرار کیا ہو؛

۷۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے فیصلہ سے فراغت پائیگا اور چاہے گا کہ اُن کو جنہوں نے اُس کی توحید کی گواہی دی تھی دوزخ سے نکالے، تو فرشتوں کو اُن کے نکالنے کا حکم دے گا، فرشتے ان توحید راہوں کو اس علامت سے پہچانیں گے کہ اُن کی پیشانیوں میں سجدہ کے نشان ہوں گے، کہ خدا نے اُم کے بیٹے کی پیشانی کے نشان سجدہ کو دوزخ کی آگ پر حرام کر دیا ہے، تو وہ اُن کو جلانے لگیں، فرشتے جب اُن کو نکالیں گے تو وہ جلے جلے ہوں گے، پھر اُن پر آبِ حیات چھڑکا جائیگا تو وہ اس طرح اوگین گے جس طرح سیلاب کے بہاؤ میں جنگلی دانہ اگتا ہے؛ (۱۰)

۸۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جنت والے جنت اور دوزخ والے دوزخ میں داخل ہو چکیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا، دیکھو جس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو،

دوزخ سے نکالو تو وہ جل کر کوئلہ ہو کر نکلیں گے، پھر وہ نہر حیات میں ڈال دیئے جائیں گے، تو اس طرح وہ اُگسٹے جس طرح سیلِ آب کے کنارے جنگلی دانہ اگتا ہے، (صحیح بخاری کتاب الایمان)

۹۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ وہ اہل دوزخ جو دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے، وہ اُسین نہ مرنے لگیں گے لیکن وہ لوگ جنکو دوزخ کی آگ بعض گناہوں کی وجہ سے چھو لگی، تو وہ اُسین کچھ دیر کے لیے مرنے لگیں گی یہاں تک کہ وہ جل جائیں گے، پھر ان کے حق میں شفاعت کی اجازت ہوگی، تو وہ تھوڑے تھوڑے کر کے اُٹیں گے اور جنت کی نہروں میں پھیل جائیں گے، اور اہل جنت سے کہا جائیگا کہ ان پر پانی بہاؤ، تو وہ اس طرح اُگ لیں گے جیسے سیلاب کے بہاؤ میں جنگلی دانے، (۷)

۱۰۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ سب سے آخر میں جو شخص دوزخ سے نجات پا کر نکلیگا، وہ گھسٹتا ہوا نکلیگا، اور اُس کو جنت بہری معلوم ہوگی، (۷)

۱۱۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے صحیحین میں روایت ہے کہ خدا فرمائیگا کہ ملائکہ نے سفارش کی، اور پیغمبرؐ نے سفارش کی، اور اہل ایمان نے سفارش کی، اور اب صرف وہ رہ گیا جو تمام رحم کرنے والوں میں سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے، یعنی خود وہ رحمان و رحیم، تو وہ دوزخ سے مٹھی بھر کر اُن لوگوں کو نکالے گا جنہوں نے کبھی کوئی بھلائی نہیں کی، (صحیحین)

۱۲۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حکم ہوگا کہ جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو اور اُس کے دل میں جو برابر بھی نیکی رہی ہو، اُس کو دوزخ سے باہر کرو، جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو اور گھوٹوں کے دانہ کے برابر بھی اُس کے دل میں نیکی ہو، اور جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو اور جوار کے دانہ کے برابر بھی اُس کے دل میں نیکی ہو، اُس کو دوزخ سے الگ کرو، (ترمذی، صفۃ المذاہد حدیث حسن صحیح)

احادیث کی کتابوں میں ان معنوں کی اور بہت سی حدیثیں ہیں جنکا استقصا یہاں مقصود نہیں، ان تمام حدیثوں میں قرآنِ پاک کی اس اہم آیت کا جلوہ موجود ہے،

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا
دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ ۝
بیشک اللہ اس کو معاف نہ کرے گا کہ اُس کے ساتھ شریک کیا
جائے اور اس کے سوا جو گناہ ہے وہ اُس کو جس کے

(نساء۔ ۱۸) لیے چاہیگا معاف کر دے گا،

اس آیت میں تصریح ہے کہ شرک کے علاوہ ہر گناہ کے نتیجے سے برأت کیجا سکتی ہے، مگر شرک وہ بیماری ہے جس کے
نتائج سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں، اس لیے اُن کے نتائج بدیہگتے بغیر نجات کا تصور بھی خدا کے قانونِ ابدی کے خلاف
شرک و کفر کی بخشش نہیں | احکامِ الہی اور شریعتِ ربانی کی کھلی ہوئی دو قسمیں ہیں، ایک کا تعلق دل اور قلب سے ہے
اور جو بمنزلہ اصل کے ہے، اس کو مذہب کی زبان میں ایمان، فلسفہ کی اصطلاح میں علم اور تقویٰ کی بولی میں
عرفان کہتے ہیں، اور دوسری قسم وہ ہے جو اس عقیدہ اول کی فرع اور نتیجہ ہے، اور جس کا تعلق اعضا اور جوارح سے
ہے اُس کو ہم مختصر اُعمال اور تفصیلاً عبادات و معاملات اور اخلاق کہتے ہیں، شرک و کفر کے گناہ کا تعلق قسم
اول سے اور دوسرے گناہوں کا تعلق قسم دوم سے ہے، دونوں میں ایمان و علم و عرفان کی اگر ایک کرن بھی ہو تو
اس ظلمت کو کی روشنی کی امید کسی طرح کیجا سکتی ہے، مگر جس کا شانہ دل میں اس نور کا ایک ذرہ بھی نہ ہو اس کی روشنی
سے ہمیشہ کے لیے ناامیدی ہے، اسی لئے ایمان کے بغیر اعمال بھی کالعدم ہو جاتے ہیں، اور جہانِ ایمان کچھ بھی موجود
ہے، اعمالِ خیر کا کچھ نہ کچھ وجود ضروری ہے، البتہ اعمالِ شرک کا بھی ساتھ ساتھ وجود ہے، جسکی دونوں کے عذاب اور حرمت
انہی سے تلافی ہو کر نجات مل سکتی ہے، ایمان و علم و عرفان جسکی حقیقت بالغیب یقین ہے، اُس کا حصول موت
کے بعد جب حقائق خود بخود ہمارے سامنے آتے جاتے ہیں، ہماری سعادت کا نتیجہ نہیں، بلکہ خود اُن حقائق کے
ظہور کا نتیجہ ہوگا، اس بنا پر شرک و کفر کے گناہ کی مغفرت کی امید قانونِ الہی میں ناممکن ہے، البتہ عمل کی کمی کی تلافی
جو دوسری قسم کا گناہ ہے، خدا کی رحمت سے بعید نہیں ہی،

سمجھنے کے لیے ان دونوں کی کھلی ہوئی مثال یہ ہے کہ دنیا میں تعلیمی امتحان کے لیے ۳۳ نمبر کم از کم
فرض کیا گیا ہے، اب اگر کسی کا پرچہ بالکل سادہ اور اس لئے اُس کا نمبر صفر محض ہے تو رحمِ دل سے رحمِ دل امتحان

کے لیے بھی یہ نامکن ہے کہ اس کو ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ میں بھی کامیاب کر سکے، لیکن جس نے کچھ جوابات لکھے ہیں اور کچھ چھوڑ دیئے ہیں اور کچھ غلط لکھے ہیں، تو اگر وہ ۲۹ و ۳۰ کے قریب بھی پہنچ گیا ہے تو رحمدل متحن ۳۳ تک اس کو پہنچا کر ادنیٰ درجہ میں کامیاب بنا سکتا ہے،

الغرض ایمان و علم و عرفان کے مجرم جن کا نام شرک و کافر ہے، اپنے ناقابلِ تلافی نتیجہ کے بھگتے بغیر عذابِ دوزخ سے رہائی کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ انکی دنیاوی زندگی کا عرفانی فقدان رحمتِ الہی کو اپنی طرف جذب کرنے کی قدرت ہی باغفل نہیں رکھتا، مگر کیا شرک و کفر کے گنہگاروں کے لیے شرک و کفر کے دورہ عذاب کے طے کر لینے کے بعد بھی رہائی کا تصور کیا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب آئندہ سطروں میں ملیگا،

کیا دوزخ کی انتہا ہے؟ | دوزخ جو عقابِ الہی کا گھر ہے، کیا ہمیشہ آباد رہیگا؟ اللہ تعالیٰ کی رحمتِ عمومی کے قانون کے نزدیک اس کا جواب نفی میں ہے، اللہ تعالیٰ کی مقررہ مدتِ دراز کے بعد ایک دن ایسا کجا ب جہنم کی آگ

۱۔ ابتدائی اسلامی فرقوں میں جہنم کی ابدیت اور غیر ابدیت پر بہت سے مناظرے ہو چکے ہیں، جنکی تفصیل مل نخل کی کتابوں میں موجود ہے، ایک دو کو چھوڑ کر اس پر خوب شبہ نہ کیساتھ سب کا اتفاق ہے کہ جنت کا وجود دائمی اور ابدی ہو، لیکن جہنم کے دوام اور ابدیت میں کئی اختلاف ہیں، عام اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ جہنم اور جنت دونوں کا وجود دائمی ہے، گنہگار مومن اپنے گناہ کے بقدر عذاب اٹھا کر یا خدا کی رحمت سے معاف ہو کر بالآخر جنت میں داخل کئے جائینگے، لیکن مشرک و کافر کے گناہ کبھی معاف نہ ہونگے اور وہ ہمیشہ دوزخ میں جلیں گے، فقہاء اور محدثین کا ایک گروہ جو مرجئہ کہلاتا ہے اس بات کا قائل ہے کہ جو مومن ہو گا وہ گنہگار بھی ہو گا تو بھی دوزخ میں نہ جائیگا، بلکہ معافی سے سرفراز ہو کر شروع ہی سے جنت میں داخل ہو گا، اس کے برخلاف خوارج اور معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ مومن بھی اگر گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو گا تو وہ بھی کفار کی طرح ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیگا، اور بھی اس بارہ میں لوگوں کی مختلف رائیں ہیں مع شد پریشان خواب میں از کثرت تعب سیر ہا،

اہلسنت کے بعض محققین نے بیچ کا مسلک اختیار کیا ہے، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ حافظ ابن قیم اور صاحبِ علم الشارح فی البیان الراعی علی الأرباب والشارح نے یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ جب گنہگار اپنے اپنے گناہوں کے بقدر عذاب پا چکیں گے تو جہنم فنا کر دیا جائیگا، اور جنت کو بقاء و دوام بخشا جائیگا، حافظ ابن قیم نے اپنی دو کتابوں شفاء العلیل اور حادی الارواح میں دونوں مطبوعہ ہیں، حادی الارواح اعلام الموقعین کیساتھ چھپی ہے) فسران اور احادیث اور آثار اور عقل کی پچیس لیلوں سے اپنے مسلک کو مبرہن کیا ہے (دیکھو شفاء العلیل از ص ۲۵۲ تا ص ۲۶۲ حیدر مہر اور حادی الارواح از ص ۱۶ تا ص ۳۳ مطبوعہ جدید مصر) صوفیہ میں شیخ محمد بن عبدین ابن عربی اور انکے متبعین یہ فرماتے ہیں کہ کافر و مشرک جن پر خلود نار کا حکم ہوا وہ بالآخر دوزخ میں رہتے رہتے ایسے ہو جائینگے کہ انکو اسی دوزخ میں راحت اور لذت معلوم ہونے لگیں جیسے بعض کبیرے غلاموں ہی کو پسند کرنے ہیں لہذا جن میں لطف اٹھاتے ہیں، میں نے اس باب کو بہت دڑتے دڑتے لکھا کہ اس میں اجمالِ الہی کی تصریح کا جرم عائد ہوتا ہو

رحمت الہی کے پھینٹوں سے بالآخر سرد ہو جائیگی، حدیث صحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جنت میری رحمت، اور دوزخ میرا عذاب ہے؟ اسی کے ساتھ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کا فیصلہ کیا، اسی وقت اُس نے اپنے عرش کے اوپر یہ لکھ دیا کہ

رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي
میری رحمت میرے غضب سے سبقت لگتی ہے،

پھر اگر دوزخ جو اُس کے غضب کا منظر ہے اسکی جنت ہی کی طرح دائی وابدی ہو، تو اُسکا غضب اُس کی رحمت پر سبقت لیے جاتا ہے یا برابر ہوا جاتا ہے، اور اس کا تخیل بھی اُس رحمان ورحیم کی نسبت نہیں ہو سکتا، اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سوحصوں میں سے صرف ایک حصہ دنیا میں اتارا اور تین سو حصے قیامت کے دن کے لیے رکھے ہیں، اس لیے ماننا پڑتا ہے کہ ایک دن ایسا جب اُس کے غضب پر اسکی رحمت غالب آئیگی، اور اسکی رحمت کے سوا کچھ باقی نہ رہیگا، اور یہ وہ دن ہوگا جب گنہگار اپنے گناہوں کی ناپاکیوں اور بنجاستوں سے اپنے اپنے مقدرہ وقت پر پاک ہو کر اسکی رحمت کی سرفرازی کے قابل بنیں گے۔ اسلام کے رو سے سب سے بڑے مجرم مشرک و کافر ہیں، اور جو اُس وقت تک نجات نہ پاسکیں گے جب تک دوزخ کے تنور میں ایک گرم کوئلہ بھی باقی ہے، تاہم اُن کے عذاب کی مدت کی نسبت بھی قرآن میں حسب ذیل تین تصریحات ہیں،

۱۔ لَا يَشْرِي فِيهَا أَحْقَابًا (متبا۔) وہ دوزخ میں صد ہزار سال ٹھہریں گے،

صد ہزار سال کی مدت کسی قدر بڑی ہو، پھر بھی اُن کا خاتمہ ہے، دوسری آیت جو صریحاً کفار و مشرکین کے حق میں ہے یہ ہے،

(حاشیہ صف ۶) اگر یہ اختیار کردہ پہلو حق نہ ہو تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے، اور توبہ کی توفیق بخشے، اور اپنی مراد کا دروازہ مجھ پر کھولے،
۱۔ صحیح بخاری باب رحمۃ اللہ جلد دوم منہ ۱۱۱ صحیح مسلم، ۲۔ صحیح بخاری، باب ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین، جلد دوم منہ ۱۱۱ صحیح مسلم باب ستمہ رحمۃ اللہ ۳۔ صحیح مسلم باب ستمہ رحمۃ اللہ،

۲۔ اَلَّذِيْنَ تَتَوَكَّلُ عَلَيْهِمْ يَدْعُوْا اِلٰهًا مَّا شَاءَ ۚ دوزخ جو تھارا ٹھکانا، اُسین تم سدا رہنے ولے ہو، لیکن

اللّٰهُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ (الغافر-۱۵) یہ کہ اللہ جو چاہے، بیشک تیرا رب حکیم و علیم ہے،

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ شرک و کفر کی سزا تو اصل میں قانوناً ہی ہے کہ دوزخ میں دائمی سزا دی جاتی رہے، مگر اُس کی رحمت کا اقتضا کچھ اور ہے، لیکن وہ حکیم و علیم ہے، اس لیے وہ اپنا ہر کام اپنی حکمت و مصلحت اور علم کے مطابق کرتا ہے، اور وہی جانتا ہے کہ کس کے حق میں کیا کرنا چاہئے، اور کب کرنا چاہیئے، تیسری آیت میں ہے:-

۳۔ خَالِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ ۚ وَهُمْ لَا يَخْرُجُوْنَ اِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ فَاعِلٌ یُّرِيْدُ، (ہود-۹)

وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے، جب تک آسمان زمین قائم ہیں، لیکن یہ کہ جو تیرا رب چاہے، بیشک تیرا رب جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے،

دوسری اور تیسری دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں اپنی مشیت کو عذاب کی انتہا بتایا ہے، اور ان دونوں میں اپنے کو رب کے نقطے سے تعبیر فرمایا ہے، جس سے اشارہ نکلتا ہے کہ اسکی مشیت سے بالآخر اس عذاب کا ختم ہو جانا، اسکی ربوبیت کا اقتضا ہے،

قرآن پاک میں کوئی ایسی صاف صریح آیت موجود نہیں ہے، جس سے دوزخ کی بقائے دوام، عدم انتہا، اور تسلسل وجود پر تصریح استدلال کیا جاسکے، حالانکہ اس کے برخلاف بہشت کی ہمیشگی و بقا اور عدم انقطاع و عدم فنا کی بسیوں آیتیں قرآن پاک میں موجود ہیں، چنانچہ ان دونوں کے فرق کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے اس اوپر والی آیت کو ہم تمام و کمال یہاں نقل کرتے ہیں، فرمایا،

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فِی النَّارِ لَمْ يَخْرُجُوْا مِنْهَا اَفْرِیْ ۚ وَلٰكِنْ جُزْءٌ مِّنْهُمْ یَسْتَبِیْ ۚ

وَشَٰهِدٌ ۙ ۚ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ ۚ وَلٰكِنْ جُزْءٌ مِّنْهُمْ یَسْتَبِیْ ۚ

وَالَّذِيْنَ يَسْتَبِیْ ۚ سَیُجْزٰی ۚ وَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۚ اِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ

اَسْمٰنِ ۚ اَوْدٰی ۚ اِنَّمَا یَسْمَعُوْنَ ۚ اِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ

فَقَالُوا لِمَا يُرِيدُ، وَكَمَا الَّذِي سَعِدُوا
فِي الْجَنَّةِ خَلِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ
وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ط عَطَاءٌ غَيْرُ
يَحْزَنُ وَذِ، (ہود-۹)

مگر جو چاہے تیرا رب، بیشک تیرا رب جو چاہے کر داتا
ہے، اور لیکن وہ جو خوش قسمت ہوئے تو وہ جنت میں
ہوں گے ہمیشہ اُس میں رہیں گے، جب تک آسمان و زمین
قائم رہیں، مگر جو چاہے تیرا رب یہ غیر منقطع بخش ہوگی

دیکھو کہ اہل جنت اور اہل دوزخ دونوں کے لیے خلود و دوام فرمایا، پھر ان دونوں میں اس کے بعد اپنی مشیت
سے اشتنا فرمایا، مگر اہل دوزخ کے دوام کے ذکر میں فرمایا کہ مگر جو چاہے تیرا رب بیشک تیرا رب جو چاہے کر داتا ہے اس سے معلوم
ہوا کہ وہ چاہے تو دوزخ کے عذاب کو ختم کر دے، اور چاہے تو قائم رکھے، لیکن اہل جنت کے دوام کے ذکر میں تبصریح
فرمایا، مگر جو چاہے تیرا رب یہ غیر منقطع بخش ہوگی، اس سے معلوم ہوا کہ اہل جنت کے حق میں اسکی مشیت یہی ہوگی
کہ وہ بے انقطاع اور غیر منتهی دوام و تسلسل کیساتھ ہمیشہ قائم و باقی رہے، اس آیت کی تفسیر میں متعدد ائمہ سلف مثلاً
ابن زید اور شعبی وغیرہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے بارہ میں تو اپنی مشیت ظاہر فرمادی کہ وہ مسلسل
اور غیر منقطع ہے، لیکن اہل دوزخ کی نسبت اپنی مشیت کو کسی مصلحت سے مخفی رکھا ہے،

ایک اور مقام پر خاص طور پر کفار و مشرکین کا نام لیکر اس طرح فرمایا گیا ہے،

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ
فُتِنَ بَعْضُهُمْ خَلِدِينَ فِيهَا وَلَئِنَّ
الْبَرِيَّةَ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
أُولَئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ وَجَزَاءُ هُمْ
عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ عَدْنٌ تَجْرِي مِنْ
تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا (نبیہ)

بیشک اہل کتاب اور مشرکوں میں سے جنہوں نے
کفر کیا، وہ جہنم کی آگ میں (خالد) پڑے رہیں، یہ بد
لوگ ہیں، بیشک جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے
بہترین لوگ ہیں، ان کی جزا ان کے پروردگار
کے نزدیک جنت عدن تخریجی میں
بہتی ہوں، وہ اس میں ہمیشہ (خالد) رہیں گے

غور سے دیکھو کہ اس میں اہل دوزخ کے مقابلہ میں اہل جنت کے دوام میں کتنی تاکید پر تاکید ہے، پہلے

یہ فقیر نے دیکھا
وہ جو بدیہی تفسیر
آیت ہود کو کر رہا
وہ نام رکھتا ہے

”مَدَن“ فرمایا، جس کے معنی قیام اور بسنے کے ہیں، پھر خالدینؑ کہا کہ وہ اس میں رہا کریں گے بعد ازیں اَبَدًا“ فرمایا کہ وہ جنت میں ابدی طور سے قیام کریں گے،

اسی طرح ایک اور سورہ میں ہے،

وَيَدْخُلُهُ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيمُ، وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا
أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا
بِئْسَ الْمَصِيرُ، (تغابن - ۱)

اور اُس کو ان باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے
سے نہریں بہتی ہوں گی جنہیں وہ ہمیشہ رہا کریں گے،
اور وہی بڑی کامیابی ہے، اور جنہوں نے انکار
کیا اور ہماری باتوں کو جھٹلایا، وہی دوزخ والے
ہیں، وہ آئیں رہا کریں گے، اور وہ بری جگہ ہے،

دیکھو کہ تعابلاً دونوں میں خالدین (رہا کریں گے) اور خالدین فیہا ابدًا (ہمیشہ رہا کریں گے) کا فرق کتنا نمایاں
کہیں یہ کیا گیا ہے کہ کفار کے عذاب میں مدت کی تعیین سے سرے سے خاموشی برتی گئی ہے، اور جنت میں خلود
کی تصریح فرمادی گئی ہے، مثلاً

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا
الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكْفَرْتُمْ
بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا
كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ، وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ
وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا
خَالِدُونَ، (آل عمران - ۱۱)

جس دن کچھ منہ سپید ہوں گے اور کچھ سیاہ، تو جو
سیاہ ہوئے، تو کیا ایمان کے بعد کافر ہو گئے تھے،
تو اپنے کفر کی پاداش میں عذاب کا مزہ چکھو، اور
جسکے منہ سپید ہوئے تو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے،
اور اس رحمت میں سدا رہیں گے، ..

آیت بالا میں عذاب کے ذکر میں مدت کی تصریح سے سراسر خاموشی ہے، اور رحمت کے ذکر میں خلود

کی تصریح تمام ہے،

انہیں اتوں کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ کرام سے روایتیں ہیں کہ ایک دن ایسا آئینکا جب دوزخ کے میدان میں ہوگا عالم ہوگا، اور کوئی ایک منتفس بھی وہاں نظر نہیں آئیگا چنانچہ:-

۱۔ طبرانی میں حضرت ابو امامہ صحابی سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم پر ایک دن ایسا آئینکا جب وہ غزان رسیدہ پتے کے مانند ہو جائیگا، اور اُس کے دروازے کھل جائیں گے؛

۲۔ حضرت جابرؓ کسی اور صحابی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جہنم پر ایک دن ایسا آئینکا جہنم اُس کے دروازے کھل جائیں گے، اور اس میں کوئی نہ ہوگا؛

۳۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں جو کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جہنم پر ایک دن ایسا آئینکا جب اس میں کوئی نہ ہوگا؛

۴۔ تفسیر عبد بن حمید میں حضرت عمرؓ سے روایت لگائی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ اگر اہل دوزخ ریگستان خارج کے ذرات کے بقدر شمار بھی دوزخ میں رہیں، پھر بھی ایک دن ایسا آئینکا جب وہ اُس سے نکلیں گے؛

۵۔ عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ جہنم پر ایک دن ایسا آئینکا کہ اُس کے خالی دروازے بھر جائیں گے اور اس میں کوئی نہ ہوگا، اور یہ اُس وقت ہوگا جب لوگ اس میں صد ہا ہزار سال (احقاب) کی مدت پوری کر لینگے؛

۶۔ عبد الرزاق، ابن منذر، طبرانی، افہامی کی کتاب الاسما والصفات میں ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ صحابی، یا ابو سعید خدری صحابی یا کسی اور صحابی نے یہ فرمایا کہ اَلَا مَا شَاءَ ذُبْتُ کا استثناء پورے قرآن پر حاوی ہے؛

یعنی جہاں قرآن میں خَالِدٌ مِّنْہَا (سدا میں رہینگے) ہے وہاں یہ مشیت الہی کا استثناء قائم ہے؛

۷۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ دوزخ پر ایک زمانہ آئینکا جب اُس کے خالی دروازے کھڑکھڑائیں گے دوزخ شہد اقرآن پاک میں ایسی بھی چند آیتیں ہیں جن سے لوگوں کو دوزخ کے دوام کا خیال ہوا ہے، مثلاً وہ ہیں

اَتَمَّتْ جَهَنَّمَ كُفَّارًا كُوِّلَتْ لَهَا سَبْعُونَ مِائَةً اَلْفًا مِّنْ ذُرِّيَّتٍ يَوْمَئِذٍ يَخْرُجُ فِيهَا كَافَّةً ۚ

۱۔ حافظ ابن قیمؒ نے شفا الملیل (صفحہ ۲۵۰) میں ان روایات کو غیر مطبوعہ کتب تفسیر و حدیث سے نقل کیا ہے، انہیں سے بعض ابن جریر طبری میں بھی آیات مذکور کی تفسیر میں خصوصاً تفسیر سورہ ہود جلد ۱۲ صفحہ ۲۶۱ میں مذکور ہیں اور حافظ جلال الدین سیوطی نے بھی تفسیر در مختار، تفسیر سورہ ہود جلد ۱۳ صفحہ ۳۵۰ میں زیر آیت مذکورہ ہود ذکر کیا ہے، اور کتاب الاسما والصفات بہیقی میں چھٹی روایت ص ۱۲۳ مطبوعہ دارالادب دہلی میں

۱۔ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكَافِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ

سَعِيْرًا خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا (احزاب-۸)

۲۔ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهُ نَارًا

جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا اَبَدًا (جن-۲)

۳۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَيَكُوْنَنَّ

لِيَعْفِرَ لَهُمْ وَلَا يَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا اِلَّا

طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا (نساء-۲۳)

۱۔ بیشک خدا نے کافروں پر لعنت کی اور ان کیلئے وہ

آگ جہنم کی وہ آگ جہنم کی وہ ہمیشہ پڑے رہیں،

۲۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، تو اس کے

پے جہنم کی وہ آگ جہنم کی وہ ہمیشہ پڑے رہیں،

۳۔ بیشک جنہوں نے کفر کیا، اور حد سے آگے بڑھے،

نہیں ہے کہ اللہ ان کو بخشنے اور نہ یہ کہ ان کو راہ دکھائے

لیکن جہنم کی راہ جہنم کی وہ ہمیشہ پڑے رہیں،

ان تینوں آیتوں میں خلدین فیہا ابدًا (دورخ میں ہمیشہ رہیں گے) کا مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ

جسکے حق میں یہ آیتیں آئی ہیں، وہ اُس وقت تک دورخ میں ہمیشہ رہیں گے، جب تک حسبِ مشیتِ الہی دورخ

کے خاتمہ کا دور نہیں آئے گا،

باقی چند آیتوں میں ابدًا ہمیشہ کے بغیر صرف خالد ہے جیسے

هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ، وہ اُنہیں "خالد رہیں گے،

یا ایک جگہ ہے،

وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ مَا لَكُمْ تَعْمَلُوْنَ (سجده)

اور خلود کے عذاب کا مزہ چکھو،

تو یہاں ایک بات سمجھ لینی چاہئے کہ خلود کے دو معنی ہیں ایک حقیقی دوام، اور دوسرے قیام طویل ان

دو میں سے کسی ایک معنی کی تخصیص بقرآن ہوگی، اسی دوسرے معنی کے اعتبار سے عربی اشعار میں پہاڑوں،

اوردیوانہ چوٹوں کے پھردن کے لیے خوالد اور خالذات کے لفظ صفت میں آتے ہیں، کیونکہ وہ تادیر

اور زمانہ دراز تک باقی رہنے والے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ تنہا "خالذین" کا لفظ ابدیت کے مفہوم میں صریح

نہیں جیسا کہ اس کے ساتھ کوئی اور قرینہ قائم نہ ہو، جو دوام کے معنی کی تخصیص کر دے، جیسا کہ یہ قرینہ ان آیتوں میں

ہے جہان اہل جنت کو خلدین کہا گیا ہے، کہ تقریباً بیس آیتوں میں اس خلود کے معنی دوام اور عدم انقطاع کے بتائے گئے ہیں، اس لیے جنت کے سلسلہ میں جہان صرف خلدین بھی ہے، وہاں ہمیشگی اور دوام ہی کے معنی لیے جائیں گے، برخلاف اس کے جہان دونخ کے ساتھ خلدین کا لفظ ہے وہاں دوام کے مفہوم کیلئے کوئی قرینہ موجود نہیں، اس لیے دونخ والی آیتوں میں خلود سے مقصود یہ ہے کہ گنہگار زمانہ دراز تک دونخ میں رہیں گے، غالباً یہی وجہ ہے کہ گنہگار اہل ایمان کی سزا میں کبھی خلدین کے ساتھ ابد استعمال نہیں کیا گیا ہے، گنہگار اہل ایمان میں سب سے بڑی دھمکی اس کو دی گئی ہے، جس نے کسی مسلمان کا خون بے سبب بہایا ہو، مگر اس کے سامنے بھی خلدین کے ساتھ ابد استعمال نہیں کیا گیا، فرمایا:-

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَدًّا فَعَرَّأُوْهُ لَا يَجْعَلُ لَّہٗ کُفْرًا ۚ

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَدًّا فَعَرَّأُوْهُ لَا يَجْعَلُ لَّہٗ کُفْرًا ۚ (نساء-۱۳)

یہی سبب ہے کہ معتزلہ اور خوارج کے سوا تمام اہل اسلام اس بیگناہ مسلمان مقتول کے قاتل کی بالآخر بخشائش کے قائل ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان آیتوں میں "خلود" سے مراد ہمیشگی نہیں ہے، بلکہ زمانہ دراز ہے، کہ اہل توحید کی بالآخر نجات قرآن و حدیث کی متفقہ تعلیم ہے، اور اس لئے مومن کے لیے اس کے کسی جرم کی سزا میں ہمیشگی کا مفہوم داخل ہی نہیں ہو سکتا، بنا بریں ان آیتوں میں خلود کے معنی منطقی دوام کے نہیں، بلکہ عرفی دوام کے ہیں، یعنی مدت دراز کے، ہم عام طور سے مجرم کے لیے "جس دوام" کی قانونی اصطلاح بولتے ہیں، جس سے مراد کبھی ابد تک کیا قیامت تک کا زمانہ بھی نہیں ہو سکتا، بلکہ عمر بھر بھی نہیں، بلکہ صرف اس سے قانونی قید کی دراز ترین مدت مراد ہے، جس کا قانونی اندازہ بیس سال کیا گیا ہے، کتنے مجرم ہیں جو اس مدت کو کاٹ کر آزادی حاصل کرتے ہیں، اور ایسے بھی ہیں، جو کسی شاہی عفو عام کے سلسلہ میں قبل از مدت رہائی پا جاتے ہیں،

دو چار آیتیں ایسی بھی ہیں جن میں مذکور ہے کہ یہ گنہگار دونخ سے الگ نہ ہوں گے، چنانچہ وہ آیتیں حسب ذیل ہیں:

- ۱۔ اِنَّ الْفَارِغِيَّ يَحْمِلُ يَصْلُو نَهَا يَوْمَ
الدِّينِ، وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ، (انفطار)
- ۲۔ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ اَنْ لَّنَا كَرْثَةٌ
فَنَنْتَبِرَ مِنْهُمْ كَمَا تَنْتَبِرُ وَاِمَّا كَذَلِكَ
يُرِيهِمُ اللَّهُ اَعْمَاءَ لَهُمْ حَصْرَلَتٌ عَلَيْهِمْ
وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ
(بقدر ۲۰)
- ۳۔ اِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَلَوْ اَنْ لَهُمْ مَائِي
الْاَرْضِ جَمِيعًا مِثْلَ مَعَهُ لَيَفْقُدُوْا
بِهِمْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَمَةِ مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ
وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيمٌ، يُرِيدُ وَنْ اَنْ
يَخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ
مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ،
(مائدا ۶)
- ۴۔ كَلِمًا اَرَادُوْا اَنْ يَخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ
غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَلَوْ قَوَّعَا عَذَابَ
الْخَرْقِ، (رج ۲)
- ۵۔ وَاَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوْا فَمَا لَهُمْ لَنَارٌ
كَلِمًا اَرَادُوْا اَنْ يَخْرُجُوْا مِنْهَا اُعِيْدُوْا
- ۱۔ بیشک گنہگار دوزخ میں ہیں، وہ انصاف کے سہین
داخل ہو گئے، اور وہ اُس سے چھپے نہیں رہ سکتے۔
- ۲۔ اور کہیں گے کہ کاش ہم کو دوبارہ دنیا کی
زندگی ملتی تو ہم اپنے پیشواؤں سے ہی الگ
ہو جاتے جیسے وہ ہم سے یہاں الگ ہو گئے،
اللہ اُن کے کاموں کو ایسے ہی حسرتیں بنا کر انکو
دکھائیگا، اور وہ دوزخ سے نکلنے والے نہیں،
- ۳۔ بیشک جنھوں نے کفر کیا، اگر اُن کی ملکیت میں
کل روئے زمین ہو، اور اتنا ہی اور ہو تاکہ اُسکو
فدیہ دیکر قیامت کے عذاب سے رہائی پائیں
تو وہ اُن کی طرف سے قبول نہ ہو، اور اُن کیلئے
دردناک عذاب ہے، وہ چاہیں گے کہ دوزخ سے
نکل جائیں لیکن وہ اس سے نکلنے والے نہیں
اور اُن کے لیے قائم عذاب ہے،
- ۴۔ وہ جب چاہیں کہ اس دوزخ سے غم کو جڑے
نکل پڑیں، وہ اس میں لوٹائے جائیں گے اور
(کہا جائیگا کہ) جلنے کی سزا چکھی،
- ۵۔ اور لیکن جنھوں نے نافرمانی کی، تو اُن کا ٹھکانا
دوزخ ہے، جب وہ چاہیں گے کہ وہ اس سے

فَتَحَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ نَخْلُ جَانِّينَ، اَمِنْ لَوْ مَا رَیْے جَانِّیْکے اور کہا جائیگا کہ دوزخ
الَّذِیْ کُنْتُمْ بِہِ تَکْذِبُوْنَ، (سجده-۲) کی اس مار کا قرہ چھو جس کو تم جھٹلاتے تھے،

یہ وہ پانچ آیتیں ہیں، جنہے بعضوں کو عذابِ دوزخ کے دوام اور غیر منقطع بقا کا خیال پیدا ہوا ہے، مگر ان
میں سے ایک ایک آیت پر غور کرو تو ان کے خیال کی غلطی فوراً معلوم ہو جائیگی، پہلی آیت کا منشا اسی قدر ہے کہ
کوئی گنہگار اگر یہ سمجھے کہ وہ کسی جگہ چھپ کر دوزخ کے عذاب سے بچ جائیگا، تو یہ محال ہے، کہ خدا سے چھپ کر بچ جانا کسی طرح
ممکن نہیں، دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ دوزخی کہیں گے کہ ہم کو دوزخ سے نکل کر دوبارہ دنیا میں جانے دیا جائے
تو ابکی ہم نیکی کے کام کریں گے، اس کے جواب میں کہا جائیگا کہ اب یہاں سے نکل کر دنیا میں دوبارہ جانا نہیں
تیسری آیت میں ہے کہ پورے روئے زمین کی دولت دیکھو بھی آخرت میں نجات خریدی نہیں جاسکتی، اور نہ
وہاں سے کوئی نکل کر بھاگ سکتا ہے، چوتھی اور پانچویں آیت کا صریح مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی دوزخی دوزخ کے
عذاب سے گھبرا کر اس سے نکل بھاگنا چاہیگا تو وہ پکڑ کر پھر اسی میں ڈال دیا جائے گا، ان آیتوں سے صرف اتنا معلوم
ہوا کہ گنہگار از خود دوزخ سے نکل نہ سکیں گے، اور نہ مدتِ عذاب کے اندر وہ خلاصی پاسکتے ہیں، مگر اس سے خدا تعالیٰ
کے حکم و اجازت سے بالآخر اس سے نجات پانے کی نفی نہیں نکلتی، اور نہ اس کی کہ بقدر گناہ عذاب کی مدت
بسر کرنے کے بعد بھی نجات نہیں مل سکتی، اور نہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بہشت کی طرح دوزخ کو بھی غیر متناہی
دوام نہ تھا گیا ہے،

یہی وہ آیتیں ہیں جنہے گنہگاروں کے لیے دوامِ عذاب کا مفہوم نکالا جاسکتا ہے، مگر ایک ایک آیت کو
غور سے پڑھو کہ ان میں سے کسی میں بھی دوزخ کے دوام بقا اور عدم فنا یا اس کے عذاب کے عدم انتہا کی تصریح
ہے؟ حالانکہ اس کے بالمقابل جنت کی بقائے دوام اور عدم انقطاع کی تصریح بار بار اور تکرار ہے،

ایک اور نکتہ لحاظ کے قابل ہے، اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ خدا نے گنہگاروں کو عذابِ دوزخ کی ابدیت اور
دوام کی دھمکی دی ہے، تاہم اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہیئے کہ نیکی کا بدلہ نہ دنیا یقیناً برائی ہے، جس سے

اللہ تعالیٰ کی قدوسیت کا دامن تمام تر پاک ہے کہ اِنَّكَ لَا تُظِلُّهُ الْعِمَاءُ اِلَّا عَمَانًا ۝ تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا اِنَّهٗ كَانَ وَ
مَكْتَبًا ۝ (مریمہ) اُس کا وعدہ جنت پورا ہی ہوگا، لیکن اگر برائی کا بدلہ حسب ہمدید سابق برائی کے ساتھ نہ دیا جائے، تو یہ
حقیقت میں خلافِ عدل نہیں، جو قابلِ ملامت ہو، بلکہ اس کا نام مغفرت، کرم، عطا، اور عفو ہے، جس کا اہل اس
رحمان و رحیم اور عفو و غفور سے بڑھکر کوئی دوسرا نہیں، اس لیے گنہگاروں کے ساتھ جیسا کہ اُس نے فرمایا ہے، اپنی
حکمت و مصلحت کی بنا پر وہ جو چاہے کر سکتا ہے، چنانچہ مسند ابوالعلیٰ میں حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ آپ نے
فرمایا کہ خدا نے کسی نیک کام پر جس ثواب کا وعدہ فرمایا ہے وہ اُس کو ضرور ہی پورا کر دیا، لیکن جس کسی کو اُس کے کسی
کام پر عذاب کی جھکی دی ہے تو اُس کو اختیار حاصل ہے۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ اگر بالآخر گناہوں کی مغفرت اور خدا کی رحمت میں یہ وسعت اور عموم ہے کہ بڑے سے
بڑے گنہگار بھی دوزخ کی آگ میں جل کر بالآخر پاک و صاف اور جنت میں داخل ہونے کے قابل ہو جائیں گے
تو اشارات و کنایات کے بجائے اُن کی معافی کی صریح تصریح کیوں نہیں کر دی گئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ
اگر ایسا کیا جاتا تو یہ اُن مجرموں اور گنہگاروں کے حق میں اچھا نہ ہوتا، کہ اس سے ان کے نادم و تائب ہونے
کے بجائے ان میں اور خود سری، گستاخی اور شوخی پیدا ہوتی، اور ان میں آئندہ کے نتائج بد سے نڈر پن اور سنج
آجاتی، اور یہ تنبیہ و اصلاح و تدارک کی مصلحتوں کے سرسرمنا فی ہوتا، اس لیے انکی قانونی سزا تو دائمی عقاب مقرر
فرمائی اور بالآخر انکی نجات کو اپنی مشیت اور علم و مصلحت کے سپرد فرما کر، اُن کو ایک گونہ اپنے سے نا امید بھی نہیں
ہونے دیا، اور امیدِ ہم کی حالت میں رکھ کر اپنے سامنے جھکنے اور محبت کرنے کا جذبہ بھی پیدا کر دیا، اور یہ اس باب
میں وہ عظیم الشان اصلاح ہے جس کو ایک طرف عیسائیوں نے کفارہ کی اور دوسری طرف ہندو مذہب نے
کرم کی تعلیم دیکر غارت کر دیا تھا،

عیسائیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ کے مصلوب ہو کر جی اٹھنے پر ایمان لانے سے تمام گناہ دفعۃً معاف

ہو جاتے ہیں اس تعلیم نے اعمال کو غیر ضروری چیز ٹھہرا دیا تھا، ان کے برخلاف ہندو مذاہب نے خدا کو اتنا بے اختیار ٹھہرایا کہ اعمال بد کے نتائج جنکو کرم کہتے ہیں، خدا چاہے بھی تو وہ کبھی معاف نہیں ہو سکتے، لیکن اسلام نے اگر تراویح کے ان دونوں پلوں کو برابر کر دیا، ایک طرف فرمایا کُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ہر نفس اپنے عمل کے ہاتھ بندھ کر رہے، (مدثر - ۲) اور دوسری طرف فرمایا يَغْفِرْ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبْ مَن يَشَاءُ خدا جس کو چاہے بخندے اور جسکو چاہے عذاب دے (مائدہ - ۳) یعنی قانوناً ہر انسان اپنے عمل کے نتائج کا یقیناً پابند ہے، مگر خدا کی قدرت اور رحمت اس قانون کے باوجود جو چاہے کر سکتی ہے، جس طرح اس دنیا کا حال ہے کہ گو خدا کے بنا ہوئے قانون یہاں جاری ہیں، جنکو آپ قانون فطرت کہتے ہیں، مگر با اینہم اس کا حکم اور اسکی خواہش اور مصلحت ان پر بھی حاکم ہے، اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے، اس تعلیم نے ایک طرف اعمال کو غیر ضروری ہونے سے بچالیا، اور دوسری طرف خدا کی قدرت تام اور رحمت عام کا دروازہ بھی کھلا رکھا،

عذاب طویل کا سبب | بعض کم فہم یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انسان کا گناہ جو ایک لمحہ کا کام ہے، اُس کا عقاب اتنا طویل کیوں رکھا گیا، اسی طرح سال دو سال یا عمر بھر کے گناہ کی سزا صد ہا اور ہزار ہا سال کے عقاب سے دینا مناسب نہیں، حالانکہ یہ لوگ اگر دنیاوی ہی واقعات پر غور کرتے تو وہ ان کی تسکین کے لیے کافی ہوتے دنیا کا ہر بڑے سے بڑا قانونی گناہ ایک لمحہ میں انجام پا جاتا ہے، چوری کرتے، غلّ خلاف فطرت کرتے، یا کسی کو قتل کرتے کتنی دیر لگتی ہے؟ مگر اُس کے معاوضہ میں سالہا سال کی قید ہم خود اپنی انسانی عدالت کا ہون میں تجویز کرتے ہیں، اور اس کو خلاف عقل نہیں کہتے،

دوسری صحیح تر مثال یہ ہے کہ انسان کو دیکھو کہ ذرا سی جہانی بد پرہیزی، اور اصولِ صحت کی معمولی سی غلطی کے پاداش میں وہ کبھی ہفتوں، مہینوں، بلکہ سالہا سال بیمار رہتا ہے اور ایک مدت دراز میں جا کر کہیں ان چند لمحوں کی غلطی کی تلافی کر پاتا ہے اور کبھی اس معمولی غلطی کے بدولت عمر بھر اُس کے روگ میں مبتلا رہتا ہے، اور آخر میں جان دیدیتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ گناہ اور اسکی تلافی کی مدت میں یکسانی نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ غلطی کی مدت کے مقابلہ میں

اسکی تلافی کی مدت صد ہا اور ہزار ہا گنا زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ طبیعت پر جو اثر پڑ جاتا ہے، اسکی تلافی کی مدت غلطی کی نوعیت، طبیعت کی صلاحیت، اور خلاقِ عالم کی مصلحت کی بنا پر مختلف ہوتی ہے، اسی لیے عقابِ طویل سے رہائی یا شفا یابی کی مدت بھی ہر گنہگار کے لیے یکساں نہیں ہو سکتی، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال،

شُرک کا فرقہ آخر انجام؟ اگر یہ صحیح ہے کہ بالآخر ایک دن جہنم کی آگ سرد ہو جائیگی، تو کیا اہل کفر و شرک بھی اپنے گناہوں سے پاک ہو کر رحم و کرم کے سنوار ہو جائیں گے؟ جواب یہ ہے کہ،

قرآن پاک میں اسکی تصریح موجود ہے کہ شرک کفر کا گناہ معاف نہ ہوگا، یعنی اُس کے اُخروی نتائج کی پاداش ضروری ہے، اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ شرک و کفر کی جزا، دوامِ عذاب، اور خلودِ نار (خُلِدَ مِنْ فِيْهَا اَبَدًا) ہے، یعنی جب تک دوزخ قائم ہے، اُس سے اُن کو نجات نہیں مل سکتی، مگر جب حسبِ مشیتِ الہی وہ دن آئے کہ خود دوزخ کی مدتِ حیات ختم ہو جائے، تو اس وقت عجب نہیں کہ اُن کو بھی اس سے رہائی مل سکے، چنانچہ مشرکین و کافرین کے ذکر میں خدا فرماتا ہے،

قَالَ النَّارُ مُتَوَلَّوْا لَكُمْ خُلْدٍ مِنْ فِيْهَا لَا مَخْرَجَ فَوَيْلٌ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ نَّوْرِهَا سَئِيْمٌ لِّهٖمْ هٰمْ اٰلِهٰتُهُمْ لَا يَرْجُوْنَ

اللّٰهُ اِنَّ رَّبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ (العنکبوت: ۲۵) مگر یہ کہ جو چاہے اللہ بیشک تیرا پروردگار حکمت اور علم والا ہے

اس آیت کا آخری ٹکڑا خاص طور سے غور کے قابل ہے، فرمایا: "تیرا رب حکمت اور علم والا ہے" اس موقع پر خدا کے لیے خاص طور سے رَبِّ کا لفظ لانا، یہ معنی رکھتا ہے کہ اُس کی شانِ ربوبیت اگر چاہے گی، اور اُس کے غیر محدود علم و حکمت کا اقتضا ہوگا تو دوزخ کے خاتمہ پر اُن کو رہائی مل سکیگی،

لیکن ہمیں شک ہے کہ آیا اس کے بعد بھی وہ جنت میں داخل ہو سکیں گے، کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے نکلنے والی یہ تصریح الہی ہے،

اِنَّهُ مِنْ نُّفُوْسِكُمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ

عَلَيْكُمْ اَنْ تَرْجِعُوْا اِلٰى النَّارِ (مائدہ: ۷۰) یہ کہ بے شک تم لوگوں میں سے ہے، تو اللہ نے اُس پر حرام کر دی ہے، اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے،

نیز ایک اور آیت میں ہے،

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا
عَنْهَا لَا تُفْعَلُ لَهُمُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا
يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي
سَمِّ الْخِيَاطِ ط (اعراف-۵)

الغرض خدا کے اعلان کردہ قانون جزا کا اقتضا تو یہی ہے کہ گواہ کے لیے کبھی دوزخ کا خاتمہ بھی ہو جائے
مگر جنت کے احاطہ میں ان کا گزرنہ ہو، لیکن اسکی رحمت و مغفرت کا دائرہ اس سے بھی بڑھ کر ہے، جیسا کہ خود اُس نے
اہل دوزخ کی نسبت کہا ہے کہ

إِنَّمَا مَشَاءَ رَبِّكَ إِنَّ رَبَّكَ فَاعِلٌ لِّمَا
يُحِبُّ (ہود-۹)

اس دائرہ کی وسعت کو کون کم کر سکتا ہے کہ پھر اُس کا یہ بھی اعلان ہے، کہ

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف-۱۵)

اس رحمت عام کی وسعت سے آسمان و زمین کا کون گوشہ محروم ہے؟ اس سے بڑھ کر یہ کہ پیغمبر کے جھٹلانے
والوں کو کہا جاتا ہے کہ

وَأَن كَذَّبَ بُرُوكَ فَقُلْ تَرَى كُفْرًا ذُو رَحْمَةٍ
وَأَسْعَدَةٍ وَلَا يَزِدُّكَ بِأَسْمِهِ عَنِ الْقَوْمِ
الْعَاجِزِينَ، (انعام-۱۸)

وٹایا نہیں جاسکتا،

یعنی کسی دوسرے میں یہ طاقت نہیں کہ اُس کے بھیجے ہوئے عذاب کو گنہگاروں کے سر سے ٹال دے
لیکن خود اسکی رحمت بڑی وسیع ہے، وہ چاہے تو اُن کو دنیا ہی میں ہدایت دیکر جنت نصیب کرے، یا آخر

میں عذاب دینے کے بعد درگزر کر دے، اور اُس کی اصلی رحمت کا محل وہی ہے جہاں کسی دوسری رحمت کا وجود نہ ہوگا، فرمایا،

مَنْ يُصْرِفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ (الغافر)

جس سے اُس دن عذاب ہٹایا گیا، تو خدا نے اس پر رحم کیا،

صحیح بخاری و مسلم و ترمذی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مومن کو معلوم ہو کہ خدا کے پاس کتنا عذاب ہے تو وہ جنت سے یا یوں ہو جائے اور اگر کافر کو یہ معلوم ہو کہ اس کی رحمت کتنی وسیع ہے، تو وہ بھی جنت سے ناامید نہ ہو،
صلح الدین سعدی نے غالباً اسی حقیقت کو اپنے ان دو شعرون میں ادا کیا ہے،

بہ تمہید اگر بکشد تیغِ حکم بہ مانند کز و بیانِ صمم و کُلم
و گرد و ہدیک صلائے کرم عز ازیل گوید نصیبِ برم

خود اُس رحمان و رحیم کا ارشاد ہے، کہ جس کی بادشاہی آسمان و زمین کو محیط ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے،

يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ جکو چاہتا ہے، بخشدیتا ہے، اور جکو چاہے عذاب دیتا ہے

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اور اسی اللہ کی آسمانوں کی اور زمین کی اور اُن کے بیچ کی

بَيْنَهُمَا وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ (بالمائدہ - ۳)

بادشاہی ہی، اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے،

لیکن اسکی مشیت جیسا کہ اُس نے (انعام رکعت ۱۵) میں فرمایا ہے، اسکی وسیع حکمت و مصلحت پر مبنی ہے، و

جو چاہے کر سکتا ہے، مگر کرتا وہی ہے جو اسکی مصلحت و حکمت کا تقاضا ہوتا ہے،

اس سے زیادہ اس باب میں کچھ اور کتنا حد سے آگے بڑھنا ہے، کہ جسکی تصریح خود خدا نے تعالیٰ نے نہیں

فرمائی، اسکی تصریح کا حق کسی کو کیا ہے، اس لیے مشرک و کافر کے آخر انجام کے سوال کا جواب صرف مشیت الہی

ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے،

اَلَا تَذَكَّرُوْا كَمْ خَلَدْنٰ فِيْهَا اَۡلَآءًا مَّا شَاءَ اللّٰهُ ووزن تمہارا تمکانا ہے، سین سدا ہو گے لیکن جو چاہے

اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ (الغافر - ۱۵)

اللہ بیشک تیرا پروردگار حکمت والا، اور علم والا ہے،

بہشت و دوزخ کی جزا، اور پر عالم برنخ کے ذکر میں ہم بتفصیل بتا چکے ہیں کہ جزا و سزا اُخروی تا ستر تیشلی ہوگی اس
تمثیلی کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ جیسا عمل ہوگا اُسی کے مناسب و مناسبت اسکی جزا یا سزا ہوگی

مثلاً قرآن میں ہے کہ جو زکوٰۃ یعنی اپنے مال کا ٹیکل کچل مستحقین کو کھانے کے لیے نہ دیگا تو اُس کو دوزخ میں نہنوں
کا دھوون کھانے کو ملے گا، یا یہ کہ جو خدا کی راہ میں اپنی جان دے گا، مرنے کے بعد اُس کو جانِ تازہ اور حیاتِ نونشی
جائے گی، وہ دولت مند جس کو دھوپ کی تش سے بچنے کے لیے قصر و محل، اور پینے کے لیے ٹھنڈے سے ٹھنڈا پانی اور
عزت کی جگہ عنایت لگی تھی، اگر اس نے دنیا میں ان نعمتوں کے ملنے کا حق میں دنیا میں ادا نہ کیا تو دوسری دنیا میں
اُس کو یہ سزا ملے گی،

فِي سَمُومٍ وَجَحِيمٍ ۖ وَظِلٍّ مِنْ يَحْمُومٍ ۖ لَا
بَارِدٍ ۚ وَلَا كَرِيمٍ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذٰلِكَ
مُتَكَفِّرِينَ ۖ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُوْنَ (۲)

وہ لو اور کھولتے پانی میں، دھوئیں کے سایہ
میں، نہ ٹھنڈا، نہ ہلکتا، بیشک وہ پہلے
ناز و نعمت میں تھے،

روایے برنخ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا جنکا آدھا دھڑ خوبصورت اور آدھا
بد صورت تھا، یہ وہ تھے جنکے کچھ کام اچھے اور کچھ برے تھے، اس لیے بد اعمالی بد صورتی، اور نیکی خوبصورتی کے رنگ
میں نمایاں ہوئی، صریح طور سے یہ اصول ان حدیثوں سے مستنبط ہوتا ہے،

۱۔ حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ جو مومن خود بھوکا اور کسی دوسرے بھوکے مومن کو کھلائیگا
تو خدا اُس کو جنت کے پھل کھلائیگا، اور جو پیاسا ہو کر کسی دوسرے پیاسے کو پلائیگا، تو خدا اُس کو جنت میں شراب
طور پلائیگا، اور جو کوئی کپڑوں کا جاتمند ہو کر ننگے کو پہنائیگا، تو خدا اُس کو جنت کے سبز جوڑے پہنائیگا، (ترمذی)
کتاب الزهد والرفاق ص ۴۷

۲۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جو کوئی کسی مسلمان کی دنیاوی تکلیفوں

لے حدیث میں ہے کہ زکوٰۃ مسلمانوں کا میل ہے، ملے صحیح بخاری کتاب التبعیر،

میں سے کسی تکلیف کو دور کرے گا، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی کوئی تکلیف دور فرمائے گا، اور جو کوئی کسی نادار کو یہاں کسی مصیبت میں پھنسا دے گا، تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کو مصیبت میں مبتلا فرمائے گا، اور جو کسی مسلمان کی ستر پوشی کرے گا، تو خدا دنیا و آخرت میں اس کی ستر پوشی کرے گا، اور جو کوئی اپنے بھائی کی مدد میں جیتک رہے گا خدا اس وقت تک اس کی مدد میں رہے گا، (ترمذی ص ۳۲۲)

۳۔ جو انسانوں پر رحم کرے گا خدا اس پر رحم فرمائے گا، (ترمذی)

تمثیل کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ جو امور معنوی اور غیر مجسم ہیں، وہ اپنی مناسب مثالی شکل و صورت میں ظاہر ہوئے۔
۱۔ قرآن میں ہے کہ جو اس دنیا میں حقیقت بنی سے اندھا ہوگا، وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا، دیکھو کہ دنیا کی معنوی قلبی نابینائی، دوسرے عالم میں ظاہری جسمانی نابینائی کی شکل میں ظاہر ہوگی،

۲۔ حدیث میں ہے کہ اہل تکبر قیامت کے دن چونٹیاں بنا کر اٹھائے جائیں گے، جنہر ہر طرف سے ذلت و خواری چھائی پھریگی۔ دیکھو کہ تکبر کی جزاء ذلت و خواری سے ملے گی، اور چونٹیاں سے زیادہ حقیر و ذلیل کوئی ہستی نہیں اس لیے ان کی بڑائی اور تکبر کا معاوضہ یہ ہوگا کہ وہ چونٹی بن کر اٹھیں،

۳۔ اسی طرح آپ نے فرمایا کہ جو بخل کرے گا، قیامت میں اس کا مال سانپ بن کر اس کو ڈسے گا، صفت بخل اس کے حق میں اسی سانپ کی صورت اختیار کر کے اس کی تکلیف کا باعث ہوگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص بلا وجہ بھیک مانگ کر اپنی ابروریزی کرتا ہے، قیامت میں وہ اٹھے گا تو اس کے منہ پر گوشت نہ ہوگا، دیکھو کہ دنیاوی بے شرمی و بی حیائی، بے گوشت چہرہ کی صورت میں ظاہر ہوگی، اسی طرح یہ بھی فرمایا کہ دو بیبیوں کا وہ شوہر جو ایک کا حق ادا کرتا اور دوسری سے غفلت برتتا تھا، قیامت میں اس طرح آئے گا، کہ اس کا ایک پہلو (گویا مغلوبہ کو) جھک گیا ہوگا، ایک پہلو کا دم ادائی حق اپنی تمثیلی صورت ایک پہلو کی مغلوبہ کیفیت میں نمودار ہوگا، یہ چند حوالے ذکر کئے گئے ہیں، انہیں پر جزا و سزا کے اور دوسرے جزئیات کو قیاس کرنا چاہئے، اس مسئلہ کو ابھی طرح سے سمجھنے

لہ ترمذی کتاب البیہار القیامۃ ص ۱۰۰، مجمع بخاری کے الفاظ یہ ہیں: مثل لہ ما لہ شجاعاً اقبح منہ ترمذی، لکھ ایضاً

کے لیے حسب ذیل آیتوں پر غور کرنا چاہیے،

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً
حَنَنْكَاءَ وَتَحْسُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَعْمَى، قَالَ
رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا
قَالَ كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَلَكِنَّ
الْبَاقِيَ تَنْسَى، (طہ - ۷۷)

جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو اسکو تنگ گذران ملتی
اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا اٹھائیں گے وہ
کہیگا اے میرے پروردگار تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا
میں تو دیکھتا تھا، فرمایا کیا اس طرح میری آیتیں تیرے پاس آئیں
تو تو نے انکو بھلا دیا، ایسے ہی آج تو بھلایا جائیگا،

دیکھو کہ دل کی نابینائی، قیامت میں ظاہری نابینائی، اور یہاں خدا کو بھولنا، اور اس کے احکام کو یاد نہ کرنا،
وہاں رحمت الہی کی یاد سے بھول کی شکل میں نمودار ہوگا،

دوزخ کی جہاننی نمرائیں | دوزخ میں جہاننی اور روحانی دونوں سرنائیں ملین گی، قرآن پاک میں جن جہاننی نمرائوں
کا ذکر ہے، وہ حسب ذیل ہیں،

۱۔ آتشِ دوزخ اور اسکی سوزش کا ذکر بار بار آیا ہے، بلکہ التَّائِمُ یعنی آگ کو یاد دوزخ کا دوسرا نام ہے،
انھیں معنوں میں الشَّعِیرُ یعنی جلتی آگ بھی بار بار متعلیٰ ہوا ہے، اور عَذَابُ الْحَرِيقِ (ملن کا عذاب) بھی دو چار
جگہ کہا گیا ہے، اور ایک جگہ یہ بھی ہے کہ

تَلْفَوْا صُورَهُمْ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالِحِينَ (من منہ)
دوزخ کا ایک اور نام سقر ہے جس کے متعلق یہ ہے کہ

وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرٌ، لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ لَوْ أَنَّهُ زُلَّةٌ لِلنَّاسِ بَصِيرَةٍ
كَلَّا إِنَّهَا لَأُتْرَاقَةٌ لِلنَّاسِ (معالج - ۱)
انھیں کیا معلوم سقر کیا ہے، نہ وہ دم کھائی نہ چھوٹی پھرن کو بھولنے والی
ہرگز نہیں، شعلہ والی آگ ہے، منہ کی کھاں اُدھیرنے والی
دوزخ محل کے برابر اونچی چٹکاریاں اتنی بڑی ہیں کہ
صَفْرُط (مرسلات ۱)

جیسے زرد رنگ کے ادٹ،

۲۔ وہاں سایہ نہ ہوگا بلکہ یہ حکم ہوگا،

إِطْلِقُوا إِلَى ظِلٍّ ذِي ثَلَاثِ شُعَبٍ ۖ

ظِلِيلٌ وَلَا يُغْنِي مِنَ الْهَرَبِ (مسلمات-۱)

چلو ایک چھاؤں کی طرف جس کی تین پھاکیں ہوں گی،

۳۔ وہاں ٹھنڈک نہ ہوگی،

لَا يَدُورُ فِيهَا بَرْدٌ وَلَا شَرَاءٌ (نبا-۱)

اُہیں وہ نہ ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ کسی پینے کی چیز کا،

۴۔ دوزخ میں نہ موت ایسی کہ چین آجائے، اور نہ ایسی زندگی ہی ہوگی کہ چین کوئی مسرت ہو، دو جگہ فرمایا،

لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ (طہ و اعلیٰ)

وہاں وہ نہ مرے گا نہ جیے گا،

۵۔ پینے کو گرم پانی ملیگا، جس سے آتین نکل پڑیں گی،

وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ

اور وہ گرم پانی پلائے جائیں گے تو وہ پانی ان کی

آنتوں کو ٹکڑے کر دیگا، (محمد - ۲)

۶۔ اور پیپ پئیں گے،

لَا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا (نبا - ۱)

لیکن کھوتا پانی اور پیپ،

۷۔ ان کے اوپر سے گرم پانی چھوڑا جائیگا،

يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ (حج - ۲)

ان کے سروں کے اوپر سے گرم پانی ڈالا جائیگا،

۸۔ کھانے کو سینڈھے کا پھل ملیگا،

أَمْ شَجَرَةٍ الزُّقُومِ إِنَّهَا

یا سینڈھے کا پھل رہ

شَجَرَةٍ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْحَمِيمِ، طَلْعُهَا كَأَنَّ

ایک درخت ہے دوزخ کی جڑ میں اس کے ٹکڑے

رُءُوسِ الشَّيْطَانِ، فَإِنَّهُمْ لَا يَكُونُ

جیسے شیطانوں کے سر تو وہ کھائیں گے، اور اس سے

مِنْهَا فَمَا لَيُّونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ثُمَّ إِنَّهُمْ

پیٹ بھرینگے، پھر اس پر گرم پانی کی طوفانی

مُتَّعَيْنِينَ فِي الْأَصْفَادِ (ابراہیم - ۷) وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے،

دوزخ میں دعائی سزائیں | ان جہانی سزاؤں کیساتھ روحانی سزائیں بھی ہوں گی، جو اہل نظر کی نگاہوں میں اُن سے بھی بڑھ کر ہیں، چنانچہ دوزخ کی وہ آگ جس کی گرمی اور سوزش کا حال اوپر گزر چکا، وہ دل کو جاکر جھانکیگی، نہ ریا،

نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَّةُ الَّتِي تَطْلُعُ عَلَى الْأَشْجَارِ سَلَكَ اِي هُوَ اِللہ کی آگ جو دلوں کو جھانکیگی،

وَأَسْمَاءُ النَّدَامَةِ لَمَّا رَأَتْ الْعَذَابَ (یونس - ۶) اور جب عذاب کو دیکھیں گے تو اپنی پشیمانی کو چھپائیں گے،

يَحْتَسِرُ عَلَى مَا فَرَّطَتْ فِي جَنَابِ اللَّهِ (زمرہ - ۶) اے حسرت! سپر کہ میں نے خدا کے پہلو میں کمی کی،

كَلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ (ج - ۲) وہ جب جب دوزخ سے غم کو بھرے نکلن چاہیں گے،

ذلت کا عذاب،

فَالْيَوْمَ يُخْرِجُونَ عَذَابَ الْهُونِ (احقاف - ۱۰) تو آج ذلت کے عذاب کا بدلہ دیئے جاؤ گے،

اس افسوس و حسرت و ندامت سے بڑھ کر یہ کہ اُن کو معذرت پیش کرنے کی بھی اجازت نہ ہوگی،

لَا تَعْتَذِرُ لِلْيَوْمِ (تہیم - ۱) آج معذرت نہ پیش کرو،

اللہ عزوجل سے مکالمہ کا شرف اُن کو نہ ملے گا، جب وہ بات کرتا چاہیں گے، تو وہ فرمایاں گے،

إِخْسَلُوا فِيهَا وَلَا تَكَلِّمُونِ (مؤمنون - ۶) ذلیل ہو اس دوزخ میں اور مجھ سے بات نہ کرو،

اور سب بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے جلوہ سے محروم رہیں گے،

كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ عَرْشِ رَبِّهِمْ لَمَيِّنُونَ (نجم - ۱۰) ہرگز نہیں وہ اس دن اپنے رب سے پردہ

(تطفیف) میں ہوں گے،

ان میں سے وہ جنہوں نے اس دنیا میں اپنے پروردگار کو بھلا دیا تھا، پروردگار بھی اُس دن ان کو اپنی

رحمت و شفقت کی یاد سے بھلا دیگا، فرمایا،

كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيَتْهَا كَمَا كُنْتَ
الْبَاقِيَةً تَنْسَى، (طہ - ۷)

اسی طرح ہماری آیتیں تیرے پاس آئیں، تو تو نے انکو
بھلا دیا، ایسے ہی آج تو بھی بھلایا جائیگا،

بلکہ وہ دوزخی بھی ہونگے جو اللہ تعالیٰ کی نگاہِ کرم سے بھی محروم رہیں گے، وہ اُن کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی کھینچے گا
اور نہ اُن سے کچھ بات کریگا، اور نہ اُنکی اصلاحِ حال کی کوئی فکر کریگا، یہ حقیقت میں شفیق و مہربان رب کی انتہائی
ناراضی کی تصویر ہے، اس درد کے احساس کو وہی کچھ سمجھ سکتے ہیں، جو عشق و محبت کے زخم خوردہ ہیں، فرمایا،
إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَمَلِهِمْ أَجْلَهُمْ
ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي
الْآخِرَةِ وَلَا يَكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ
إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يَزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ
عَذَابٌ أَلِيمٌ، (آل عمران - ۸)

جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی (جھوٹی) قسموں کے ذریعہ
تھوڑی سی دولت خرید کر لیتے ہیں، یہ وہ ہیں جن کا
آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اور نہ قیامت میں خدا
اُن سے بات کریگا، اور نہ اُن کی طرف دیکھے گا۔
نہ اُن کو سنواریگا، اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے،



جنت

جنت کے نام | اُس مقام کا نام جو نیکو کار انسانوں کا دائی گھر ہوگا، قرآن پاک میں عَمَّا الْجَنَّةِ (باغ) بتایا گیا ہے، اور کبھی اُسکو مناسب اضافوں کیساتھ بھی ادا کیا گیا ہے، مثلاً جَنَّةُ النَّعِيمِ (نعمت کا باغ) جَنَّةُ الْخُلْدِ (بقائے دوام کا باغ) جَنَّةُ عَدْنٍ (دائمی سکونت کے باغ) جَنَّةُ الْعَاوِی (پناہ کا باغ) اُنکے علاوہ اور دوسرے فقہوں سے اُسکی تعبیر کی گئی ہے، مثلاً فِرْدَوْس (باغ) رَفِیْضَةُ (چمن) دَارُ الْخُلْدِ (میشکی کا گھر) دَارُ الْمَقَامَةِ (قیام کا گھر) دَارُ السَّلَامِ (امن سلامتی کا گھر) جنت کا دوام | اس موجودہ دنیا میں بھی گو لذتیں اور مسترتیں ہیں، مگر جو تیرہ بیان نہیں ہے، وہ بقائے دوام ہے، یہاں کی ہر لذت عارضی، اور ہر مسترت آنی ہے، یہاں خوشی کا کوئی تراء نہیں، جس کے بعد غم و ماتم کا نالہ نہ ہو، یہاں ہر پھول کیساتھ کائنات، ہر روشنی کے ساتھ تاریکی، ہر وجود کے ساتھ فنا، ہر سیرابی کے بعد پیاس اور ہر غنا کے بعد محتاجی ہے، انسان ہزاروں مشکلیں اٹھانے اور ہزاروں صدمے سہنے کے بعد ایک مسترت کا پیام سنتا، اور خوشی کا نظروں پر دکھتا ہے، مگر ابھی اس سے سیر ہونے کی بھی نوبت نہیں آتی، کہ اُس کا خاتمہ ہو جاتا ہے، غرض اس موجودہ عالم فانی کی ہر شے آنی جاتی ہے، اور یہی یہاں کی سب سے بڑی کمی ہے، لیکن جنت اُس مملکت کا نام ہے، جہاں کی لذتیں جاودانی، اور جہاں کی مسترتیں غیر فانی ہیں، جہاں حیات ہے مگر موت نہیں، راحت ہے، مگر تکلیف نہیں، لذت ہے، مگر الم نہیں، مسترت ہے، مگر غم نہیں، جہاں وہ سکون ہے جس کے ساتھ اضطراب نہیں، اور وہ شادمانی ہے جس کے بعد حزن و اندوہ نہیں، شیطان نے حضرت آدمؑ کے سامنے جس جنت کا نقشہ کھینچا تھا وہ بالکل صحیح تھا، اس نے کہا اے آدمؑ:

هَذَا دَلِيلٌ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّكَ يَٰ أَدَمُ (طہ)

کیا میں تجھے سچے سچے کا درخت اور وہ بادشاہی بتاؤں جسکو تو نہیں

مگر جنت کا یہ وصف سنا کر اُن کو جو بھر کا رستہ بتایا، وہ موت کے درخت، اور فنا کے ملک کی طرف تھا، اور

یہی وہ فریب تھا جن میں آدم گرفتار ہوئے، چنانچہ اسی جنتی زندگی کی تلاش میں وہ چیز کھالی جو ان کے حق میں نہ ہو
تھی یعنی گناہ کا پھل، نتیجہ یہ ہوا کہ جنتہ الخلد اور غیر فانی ملک سے نکل کر ان کو اس فنا کے ملک میں آنا پڑا، اور پھر اس کا
استحقاق ان کے اور انکی نسل کے اعمال کا صلہ قرار پایا، چنانچہ فرمایا،

أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ كَانَتْ

یا ہمیشگی کا باغ جس کا وعدہ پر نیکاروں سے کیا گیا جو

لَهُمْ جَزَاءُ وَاصُونَ (خرقان ۲۰)

ان کا صلہ ہوگا اور واپسی کی جگہ

یہ ہمیشگی کا باغ وہ غیر فانی مملکت ہی، جہان کا آرام دائم اور جہان کی سلامتی ہمیشہ، جہان کی لذت بے انتہا،
جہان کی زندگی غیر منقطع، جہان کا سرور غیر ختم، اور جہان کا عیش جاوداں ہو، چنانچہ اسکی تصریح قرآن پاک کی سورۃ
آیتوں میں مختلف طریقوں سے کی گئی ہے، فرمایا،

۱۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ خَلِّفُوا

۱۔ اور جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے ہم کو ان باغوں

جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

میں داخل کریں گے، جنکے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں

أَبَدًا ۚ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا وَمَنْ أَكَاذِبُ ۚ

ہمیشہ کے لیے رہ پڑیں گے، اللہ کا وعدہ سچا ہے اور

اس تاکید پر تاکید اور پر زور طریقہ تبصیر پر نظر ڈالئے کہ صرف خُلِّفُوا پر اکتفا نہیں کی، بلکہ ساتھ ہی أَبَدًا فرما کر اس
خُلِّفُوا کو غیر فانی اور قیام کو ابدی ظاہر فرمایا، اس پر بھی بس نہ کی، بلکہ یہ بھی اضافہ کیا کہ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے اس پر بھی
مزید تاکید کا اضافہ کیا کہ اور اللہ سے زیادہ سچی بات کبھی ہو سکتی ہے؟ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خلود جنت اور بقا
غیر فانی کی قطعیت کتنی ہے،

۲۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ خَلِّفُوا

۲۔ اور جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے ہم ان کو ان

جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

باغوں میں داخل کریں گے، جنکے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں

۳۔ لَهُمْ جَنَّتُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

۳۔ ان کے لیے وہ باغ ہیں جنکے نیچے سے نہریں بہتی

خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا (مائتہ ۱۴)

ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہا کریں گے،

۴۔ وَجَنَّتْ لَهُمْ فِيهَا لَعِيمٌ مُّقِيمٌ خُلْدِيْنَ
فِيهَا اَبَدًا (توبہ-۳)

۴۔ اور اللہ اُن کو خوشخبری دیتا ہے کہ اُن کے لیے وہ باغ ہیں جنہیں ہمیشہ کا آرام ہے اور جنہیں وہ ہمیشہ رہا کرینگے

۵۔ وَاعْدُ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خُلْدِيْنَ فِيهَا اَبَدًا (توبہ-۱۳)

۵۔ اور اُنکے لیے وہ باغ ہنسائے ہیں جنکے نیچے نہریں روان ہیں، وہ اُن میں ہمیشہ رہا کرینگے،

۶۔ وَيُدْخِلُهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خُلْدِيْنَ فِيهَا اَبَدًا (تغاب-۱)

۶۔ اُس کو اُن باغوں میں داخل کریگا جنکے نیچے نہریں بہتی ہوںگی اُن میں وہ ہمیشہ رہا کرینگے،

۷۔ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خُلْدِيْنَ فِيهَا اَبَدًا وَقَدْ أَحْسَنَ اللّٰهُ لَهُ رِزْقًا (طلاق-۲)

۷۔ اور جو اللہ پر ایمان لائے اور نیک کام کرے اُس کو وہ اُن باغوں میں داخل کریگا جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں، اُن میں وہ ہمیشہ رہا کرینگے، اللہ نے اُس کو روزی خوب دی،

۸۔ جَزَاءُ هُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خُلْدِيْنَ فِيهَا اَبَدًا (میدہ-۱)

۸۔ اُن کی مزدوری اُن کے رب کے حضور میں بنے کے وہ باغ ہیں جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہا کرینگے،

یہ آیتیں وہ ہیں جنہیں اہل جنت کو جنت میں غلہ و ابدی کی قطعی بشارت سنائی گئی ہے، ان کے علاوہ وہ آیتیں ہیں جنہیں جنتوں کی راحتوں اور لذتوں کی ابدیت اور دوام کی خبر دی گئی ہے، فرمایا،

۹۔ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا مَا كُنْتُمْ فِيهِ اَبَدًا (رکعت ۲)

۹۔ اور اُن مومنوں کو بشارت دے گا جنہوں نے اچھے کام کئے، کہ اُن کے لیے اچھی مزدوری ہے، جنہیں وہ ہمیشہ قیام پذیر رہیں گے،

سورہ ص میں جنت کی اکثر نعمتوں کے بیان کے بعد ہے،

۱۰۔ هَذَا مَا تَعْدُونَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ، إِنَّ
۱۰۔ یہ وہ جو حساب کے دن تم کو دینے کا وعدہ کیا جاتا ہے

هَذَا الرِّزْقُ مَا لَهُ مِنْ تَعَادٍ (ص-۴)
یہ ہماری وہ روزی ہوگی جسکو ختم ہونا نہیں ہے

۱۱۔ وَمَا الَّذِينَ سَعِدُوا فِي الْجَنَّةِ خُلْدٌ
۱۱۔ اور لیکن جو خوش قسمت ہوئے تو وہ جنت میں ہمارے

فِيهَا مَا كَادَ امْتَلاَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا بَشَاءَ
جب تک آسمان اور زمین میں لیکن جو تیرا رب چاہے

رَبِّكَ عَطَاءٌ غَيْرُ مَحْذُوزٍ، (موجہ-۹)
وہ بخشش ہوگی جو منقطع نہ ہوگی،

یعنی خدا کی مشیت کے سوا انکو اس جنت سے کوئی الگ نہ کر سکیگا، لیکن اسکی مشیت ہی ہوگی کہ ان کیلئے

اسکی بخشش نہ آئی اور غیر منقطع طریقہ سے ہمیشہ قائم رہے، پھر جس کے متعلق اسکی مشیت کا یہ اعلان ہے، وہ فنا کیونکر ہو سکیگا

۱۲۔ وَجَنَّاتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ (توبہ-۳)
۱۲۔ اور وہ باغ جنہیں ان کیلئے قائم رہنے والی نعمت ہوگی

۱۳۔ أَكَلُوهَا دَائِمًا وَظِلُّهَا (۴-۵)
۱۳۔ جنت کا میوہ اور اس کا سایہ دائمی ہے،

۱۴۔ وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ لَا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ
۱۴۔ اور بہت سے میوے جو نہ انقطاع ہوگا، اور نہ

جن کی روک ہوگی، (واقعہ-۱)

۱۵۔ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
۱۵۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ان

فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ (تین)
کیلئے وہ مزدوری ہے جس کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا،

فنا سے راحت، اور انقطاع مسرت کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ راحت و مسرت کے اسباب کا خاتمہ ہو جائے

اور دوسرے یہ کہ خود لذت اٹھانے والے کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے، پہلی صورت کی نفی تو گذشتہ آیتوں میں کر دی گئی کہ لا

ومسرت کے اسباب کا وہاں خاتمہ نہ ہوگا، اب رہ گئی دوسری صورت تو گو خالدين ابد اکمل اسکی نفی بار بار کی جا چکی ہے

مگر ایک جگہ تبصریح یہ کہمیا گیا ہے کہ اُس احاطہ میں موت کا گذر نہ ہوگا، فرمایا،

۱۶۔ لَا يَدْخُلُونَ فِيهَا الْمَوْتِ إِلَّا الْمَوْتُ
۱۶۔ جنت میں جنت والے پہلی موت کے سوا پھر موت کا

اگر کوئی؟ (دخان-۳) مردہ نہیں چکھیں گے،

لیکن ایک تیسری صورت یہ بھی ممکن تھی کہ سترت کے اسباب بھی قائم رہیں اور اہل جنت کی زندگی بھی دائم ہوگی
مگر کچھ دنوں کے بعد ان کو وہاں سے نکال کر الگ کر دیا جائے، تو اسکی تصریح بھی فرمادی کہ یہ بھی ممکن نہ ہوگا کہ کوئی
اہل جنت کو اتنے عیش و راحت کی منزل گاہوں سے باہر نکال سکے، فرمایا،

لَا يَمْسُكُهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ مِنْهَا
بِمُخْرَجِينَ، ۲ (حجر - ۴۷)
وہاں ان کو کوئی غصہ نہ چھوڑے گا، اور نہ وہ اس
سے نکالے جائیں گے،

یہ بھی ممکن ہے، کہ خود اہل جنت اس سے گھبرا کر نکل آئیں، تو فرمایا کہ ان کی حیثیت فطرت ایسی ہوگی کہ وہ خود
بھی اس ہمان خانہ الہی سے نکلنا پسند نہیں کریں گے، فرمایا،

خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَغْوُونَ عَنْهَا كَلْبًا (ص)
سدا رہیں گے اس میں، اس سے منتقل ہونا نہ چاہیں گے،

دوام و بقا اور تسلسل و عدم انقطاع کی اس توبہ تو تاکید اور اصرار سے اندازہ ہوگا کہ اسباب سترت کی بقا اور
کا دوام، اور زندگی کا تسلسل جنت کی اصلی خصوصیت ہوگی، یہی وہ حقیقت ہے جس کی لاپچ شبطان نے
وَمَلِكٌ لَا يَكْبَلُ ط (طہ - ۷) اور غیر فانی سلطنت،

انکر آدم کو دلائی تھی، اور اس بہانہ سے اس عالم بقا سے ان کو اس عالم فنا میں بھجوا دیا، آخر وہ زمانہ آئیگا جب آدم کی
اولاد کو ان کے نیک اعمال کی بدولت اس غیر فانی بادشاہی کی وراثت ہمیشہ کے لیے حاصل ہوگی،

غیر فانی بادشاہی | دنیا میں شخصی راحت و آرام کا بلند سے بلند تخیل ایک لفظ بادشاہی کے اندر بخوبی ادا ہو سکتا ہے،
اگر انسان کو اس کی انتہائی آرزوؤں کے برآنے کی خوشخبری کے ذریعے کوئی لفظ ہو سکتا ہے تو یہی ہے، گویا بادشاہی اس
کیفیت کا نام ہے جس میں انسان کی کوئی آرزو کامیابی سے محروم نہ رہے، سامان راحت اور اسباب شادمانی کی فراوانی
سے اس کی سترت میں کسی غم کا شائبہ نہ ہو، اونچے اونچے محل، ہرے بھرے باغ بہت ہی نہریں، سرسبز و شاداب تختے،
سونے چاندی کے اسباب، آرزو جو اہر کے برتن، زرین کمر غلام و خدام، ریشمی لباس، طلائی تخت، موتیوں کے ہار،
سونے کے گنگن، شہرب کے زمردین اور بلبورین پیالے، حسین و جمیل بیگمات، غرض ایک لفظ بادشاہی کے یہ تمام

ضروری لوازم ہیں،

جنت کی مختصر ترین لیکن سچی تعریف آدم کے دشمن نے آدم کے سامنے کی تھی،

وَمُلْكٌ كَآيَكُلٍ (طہ۔ ۷) اور غیر فانی بادشاہی،

آنے والی زندگی کے اس غیر فانی عیش و مسرت کے لیے مختلف پیغمبروں نے مختلف لفظ استعمال کئے ہیں،

چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُس کے لیے "آسمانی بادشاہی" کی اصطلاح قائم فرمائی ہے، اور اپنی گفتگو کے تمام استعاروں میں اس مفہوم کو اسی لفظ سے ادا کیا ہے، مگر جیسا کہ بار بار کہا گیا ہے کہ انسانی لغت کے الفاظ سے جو ماد

کی گودوں میں پلے، اور مادیت کے ماحول میں پھولے پھلے ہیں، کسی خاص روحانی مفہوم کی تعبیر ناممکن ہے، اگر کسی ہر لفظ کے مفہوم کو انہیں لوازم اور خیالات کے ساتھ انسان سمجھنے پر مجبور ہے جو ہمیشہ سے اُس لفظ کے ساتھ وابستہ

چلے آتے ہیں، آپ بادشاہی کو آسمانی لکھ کر کسی قدر مادہ سے بلند کریں، مگر بادشاہی کے مفہوم کیساتھ جو موروٹی خیالات و لوازم وابستہ ہیں وہ دور نہیں ہو سکتے، چنانچہ خود حضرت عیسیٰ اپنی زندگی کی آخری شب میں شاگردوں کو تجسّس

کا پالہ بھر دیتے ہیں، تو آسمانی بادشاہی کے مادی لطف و مسرت کا ذکر ان لفظوں میں کرتے ہیں،

”میں پھر تھیں کہتا ہوں کہ انکو رکاشیرہ پھر نہ پوچھو گا اُس دن تک کہ تمہارے ساتھ اپنے باپ کی بادشاہی

میں اُسے نیا نہ پیوں“ (متی ۲۶-۲۹)

آپ نے دیکھا کہ باپ کی "آسمانی بادشاہی" میں بھی انکو رہی کاشیرہ پینے کو ملیگا،

اور یوحنا حواری نے جب اس آسمانی بادشاہی کا خواب دیکھا تو وہ اُن کو اسی سونے چاندی کے محل، آپ

حیات کی نہر، اور جواہرات کی دیواروں میں نظر آئی، (مکاشفات یوحنا باب ۲۱ و ۲۲) اور پھر

”وہاں رات نہ ہوگی“ اور سچے چرخ اور سورج کی روشنی کے محتاج نہیں، کیونکہ خداوند اُن کو روشن کرتا ہوگا

اور سچے ابدال آباد بادشاہی کریں گے“ (۲۲-۵)

لیکن یہ بادشاہی "عیسوی پیغام میں ہنوز تفسیر کی محتاج ہے، نبوت کے آخری پیغام نے اس اجمال کی

تفصیل ان لفظوں میں کی ہے،

قَوْ قُتِبُمْ اللّٰهُ شَرُّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقِيْهُمْ
نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَزَاءُ مِّمَّا صَدَقُوا
جَنَّةٌ وَّحَرِيرٌ مُّتَشٰكِلِيْنَ فِيْهَا عَلٰى الْاَرَ
لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيرًا
وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلُّهَا وَذُلَّتْ قُطُوْبُهَا
تَدْلِيْلًا، وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِانِيَّةٍ مِّنْ
فِضَّةٍ وَّاُكُوَابٍ كَانَتْ قَوَارِرًا مِّنْ
فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيْرًا، وَيُسْقَوْنَ
فِيْهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَجْجًا وَنَجِيْدًا
عَيْنًا فِيْهَا تُسَمَّى سَلْسَبِيْلًا، وَيُطَوَّفُ
عَلَيْهِمْ وَلَدَانِ مُّخَلَّدُوْنَ اِذَا رَأَيْتَهُمْ
حَسِبْتَهُمْ لِقًا اَمْنَقُوْا، وَاِذَا رَأَيْتَ
تَعَدَّ رَأَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا، عَلَيْهِمْ
ثِيَابٌ مِّنْ سُندُسٍ خُضْرٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ وَهِيَ
حُلُوْلٌ اَسَاوِرٌ مِّنْ فِضَّةٍ وَسَقَمُومٌ
رَّبُّهُمْ شَرَابٌ طَهُوْرٌ اِنَّ هٰذَا اَكَاثَرُ
لِّكُلِّ خَبْرٍ وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا
تو اللہ نے اہل جنت کو اُس دن کی تکلیف سے بچا لیا
اور اُن کو تروتازگی، اور شاد کامی سے ملایا، اور
اُن کے صبر کے بدلہ میں اُن کو دینے کیلئے باغ
اور دہننے کے لیے (ریشمی کپڑے دیئے، وہ اُن باغ
میں نختون پر تکئے لگائے ہوئے، اُن میں زرد صوب
ہوئی نہ ٹھنڈا، اور اُن کے سایے ان پر جھکے ہوئے، انکے
خوشے بہت ہو کر تکے ہوئے، چاندی کے برتن اور نقر
نیشوں کے انجورے، جو ناک پر بنائے گئے ہیں، انکو
لوگ اُن کے پاس لیے پھریں گے، اور اُن کو وہاں
وہ پیالہ پلایا جائیگا جس میں سونہ ٹھہلی ہوگی، اُن میں ایک شمشیر
کا نام سلسیل ہے، اور سبز ہونڈے کس غلام، انکی خدمت
میں گھوم رہے ہونگے اور تو ان میں دیکھے تو سمجھے کہ موتی
بکھرے ہیں، اور جب تو یہ سب دیکھے تو وہاں نعمت
ومیش اور بڑی باوشاہی دیکھے، انکی پوشاک سبز زم
رئیم اور دبیر زئیم ہو، اور اُن کو نقرئی لنگن پہنائے جائیں گے
اور اُن کا پروردگار ان کو پاک شراب پلائے گا، یہ
تھاری مزدوری ہوگی، اور تھاری محنت کی قدر ہوگی
یہ پورا نقشہ اُس عیش و مسرت کا ہے، جو اس دنیا کے شاہانہ محلون کے متعلق تخیل میں آتا ہے، اس میں

کی تائید و تصدیق اُس صحیح حدیث سے ہوگی جو جامع ترمذی میں حضرت مغیرہؓ صحابی سے مروی ہے، کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰ نے اپنے پروردگار سے پوچھا کہ اے پروردگار جنت والوں میں سے سب سے کم رتبہ کون ہوگا، فرمایا وہ شخص جو جنت والوں کے جنت میں داخل ہو چکنے کے بعد آخرین آئیگا، تو اس سے کہا جائیگا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ، وہ کہیگا کہ اب میں کہاں جاؤں، کہ لوگ اپنے اپنے مقام پر جا چکے، اور ربانی نواز شون پر قابض ہو چکے، اُس سے کہا جائیگا کہ کیا تو اس پر راضی ہے کہ تجھے وہ ملے جو دنیا کے بادشاہوں میں سے کسی کے پاس نہ تھا، عرض کر لیگا، خداوند! میں راضی ہوں، فرمایا تیرے لیے اتنا اور اس سے دونا، اور اس سے تگنا اور گنا ہے، کہیگا خداوند! میں راضی ہو گیا، خدا فرمایا تیرے لیے وہ اور اُس کا دو گنا ہے، عرض کر لیگا تین راضی ہو گیا، فرمایا اُس کیساتھ یہ بھی کہ جو تیرا دل آرزو کرے، اور جو تیری آنکھ کو لذت بخشنے لے

باغ کا استعارہ آخرت کے خانہ عیش و راحت کے لیے قرآن پاک نے عموماً جنت، اور کہیں روضہ کے لفظ کا استعمال کیا ہے، نادان اسکی وجہ یہ قرار دیتے ہیں کہ عرب کے شور و بے حاصل اور خشک صحرا کے بسنے والوں کی انتہائی آرزو چونکہ سرسبز و شاداب باغوں ہی کی ہو سکتی ہے، اس لیے اُن کے لیے یہ لفظ اُس مقام آخرت کے لیے قرآن نے استعمال کیا ہے، مگر یہ سمجھنا چاہئے کہ قرآن کا مخاطب صرف عرب نہیں بلکہ دنیا کا گوشہ گوشہ ہے، اس لئے عرب کی تخصیص بے معنی ہے، کیا دنیا کے سرسبز و شاداب ملکوں کے بسنے والوں کے تخیل میں باغ و راغ اور رنگ و گل کی بہار پسندیدہ نہیں ہے، اہل یہ ہے کہ یہاں بیابان و گلستان کی تخصیص نہیں، یہ فطرت انسانی کی تھوڑے ہر انسان کسی خطہ ارضی میں آبا ہو مگر وہ سرسبز و شاداب قطعات، باغ و بہار، اور کنارا آب و منہر کو عیش و مسرت کا مقام سمجھتا ہے، اور اُن کو دیکھ کر اندر سے اسکی روح وجد کرتی ہے،

اس استعارہ کے استعمال کا ایک اور نکتہ بھی توجہ کے قابل ہے، انسان کا گھر وہ عیش خانہ ہوتا ہے جہاں حزن و غم کی آمیزش بھی شامل ہوتی ہے، اہل و عیال، اور دولت و مال کے متعلق ہر قسم کی فکریں اُس کے دل کے

دامن سے لپٹی ہوتی ہیں، اگر جب انسان میر و تفریح کے لیے باغ و چمن کا رخ کرتا ہے، تو تھوڑی دیر کے لیے وہ ہر غم کو فراموش اور ہر تعلق کو دل سے نکال دیتا ہے، اور ایسا شادان و فرحان بن جاتا ہے کہ غم و الم اُس کے ہر گوشہ خاطر سے دور ہو جاتے ہیں، وحی محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام نے اس لفظ کو اسی لیے استعمال کیا ہے، تاکہ اُس سے اخروی عیش و مسرت، شادی و خوشی، اور فراغ خاطر کی پوری تصویر کھینچ جائے،

سامانِ جنت کے دنیاوی نام | یہ حقیقت بار بار دہرائی گئی ہے کہ عالمِ آخرت کی اشیاء کو جن دنیاوی الفاظ سے ادا کیا گیا ہے، اُن سے مقصود بالکل وہی نہیں ہیں، جو اُن لفظوں سے سمجھنے کے ہم عادی ہیں بلکہ اُن اخروی اشیاء کو ان دنیاوی الفاظ سے اس لیے ادا کیا گیا ہے کہ وہ اُن سے خاص مناسبت رکھتی ہیں اور نہ از روئے حقیقت ان الفاظ کے لغوی مفہوم و معنی سے انکی اخروی حقیقتیں بدرجہا ملتئم ہوں گی، چنانچہ قرآن مجید کی ان آیتوں میں،

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ	اور اُن کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے یہ خوشخبری
لَهُمْ جَنَّاتُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا	سنا کہ اُن کے لیے وہ باغ ہیں جنکی نیچے سے نہریں
زُرِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا لَٰكُنَّا	ہتی ہوں گی وہ جب جب اُن باغوں سے کوئی پھل
هَٰذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأَنَّا بِهٖ	دہے جائینگے، مگر کہ یہ وہی ہے جو اس سے پہلے
مُتَشَابِهَةٌ لَّهُمْ فِيهَا أَنْوَاعٌ مُّطَهَّرَةٌ وَ	ہم کو دیا گیا تھا، اور وہ اس کو ایک دوسرے کے مشابہ دیا
هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَقْبِلُ	جائے گا، اور اُن باغوں میں اُنکی صاف ستھری بیویاں
أَنْ يُصْرَبَ مَثَلًا مَّا بَعَثْنَا فِيهِمَا فَجَاءَهُمْ	ہوں گی، اور وہ ان میں ہا کر گئے، بے شبہ خدا اس سے
(بقیہ ۳۳)	شرمندہ نہیں کہ وہ ایک چھری یا اس سے بھی کم تر ہے

ان آیتوں کے سابق و سیاق اور نظم و ترتیب پر بخاطر کے میرے ذہن میں یہی معنی آتے ہیں کہ اُن میں دنیاوی الفاظ اور اُن کے اخروی مفہوم کے درمیان تشابہ کا بیان ہے، اور نہ حقیقت کے رو سے ان الفاظ کے دنیاوی لغوی معانی اور اخروی معنوں میں وہی نسبت ہے، جو چھپر اور کسی عظیم الجثہ شے کے درمیان ہو سکتی ہے، یہی سبب ہے

کہ جنت کی لذتوں اور نعمتوں کی نسبت قرآن نے یہ بھی کہا ہے،

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُدَّةٍ ۖ

تو نفس کو معلوم نہیں کہ ان کے لیے انکے (بچے)،

أَعْيُنٍ ۖ جَزَاءُ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۖ

اعمال کے بدلہ میں آنکھوں کی جو ٹھنڈک چھپا

کر رکھی گئی ہے، (سجہ ۲۵-۲۶)

اس آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی لذت و راحت کی کیفیت دنیاوی تخیل سے چونکہ بہت بلند ہے، اس لیے

یہ فرمایا گیا کہ جنت کی راحت و لذت کی حقیقت علم و فہم سے پوشیدہ اور مخفی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مفہوم کو اپنے ان

مبارک الفاظ سے واضح فرمادیا ہے،

قَالَ اللَّهُ اعددت لعبادي الصالحين

خدا فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے و

مآلایک رأیت ولا اذن سمعت ولا

مہیا کیا ہے جسکو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا

اور نہ کسی انسان کے دل میں اُسکا خیال آیا،

خطی علی قلب بشریٰ،

اگر جنت کے باغون، نہروں، میوؤں، غلاموں، شرابیوں، شیشی کپڑوں، اور طلائی زیورون کی وہی آخری

حقیقت ہے جو ان لفظوں سے لغوی طور پر ہم اس دنیا میں سمجھتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ بہشت کی لذتوں اور مستور

گوایک مخفی حقیقت نہ فرماتا، اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکی توضیح میں اس درجہ بلندی کرتے کہ وہ ایسی چیزیں ہیں جسکو آنکھوں

نے دیکھا نہ کانوں نے سنا، اور نہ وہ کسی انسان کے خیال میں گذرین، مزید تاکید روایت کے دوسرے الفاظ میں ہے،

بل ما اطلعكم عليه، (صحیح بخاری تفسیر سورہ بقرہ)

جو تم جانتے ہو اُس کو چھوڑ دو،

صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں، بل ما اطلعكم الله عليه، اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ

بلکہ خدا نے تم کو اُس پر مطلع بھی نہیں کیا ہے، دوسرے یہ جو خدا نے اُس کا حال بتایا ہے، اُس سے بھی درگزر کرو۔

غرض ان لفظوں سے جو بھی تم سمجھ سکتے ہو اُس کو چھوڑ کر آگے بڑھو، اصحاب تفسیر نے حضرت ابن عباسؓ

سے صحیح بخاری، باب کلام الرب، و تفسیر سورہ سجدہ، صحیح مسلم کتاب الحجۃ، و ترمذی تفسیر سورہ آلہ صحیح مسلم کتاب الحجۃ و صفہ نعمیہا،

سے بذقل کیا ہے،

وَقَالَ السَّفِيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ أَحْمَشَ عَنْ
سَفِيَانَ ثَوْرِيٍّ، أَحْمَشَ عَنْ
أَبِي ظَبْيَانَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، لَا يَنْتَبِهُ شَيْءٌ
أَوْ وَهُوَ حَضَرْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنْ رَوَايَتِهِ كَتَبَ مِنْ جَنَّةِ
مِمَّا فِي الْجَنَّةِ مَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا فِي الْأَسْمَاءِ،
مِنْ جَوْجِجٍ هُوَ دُنْيَا كِي حَيْرُونَ عَنْ نَامُونِ كَسَا
أَوْ كَسَى بَاتِ مِنْ مِثَابِهِمْ،

دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں،

لَيْسَ فِي الدُّنْيَا مَا فِي الْجَنَّةِ إِلَّا الْأَسْمَاءُ، جَنَّةِ مِنْ جَوْجِجٍ، وَهُوَ نَامُونِ كَسَا نَامُونِ مِنْهُمْ،

غرض ان الفاظ سے انھیں دنیاوی شہادت کی چیزوں کو سمجھنا ضروری نہیں، بلکہ اُن سے بدرجہا بلند لُذُنْ
اور سترتین مراد ہیں، جنکی تعبیر کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ کسی وجہ مناسب کے سبب سے ان کو ان دنیاوی لفظوں
سے ادا کیا جائے، اور اس پر بھی مفہوم ادا نہ ہو سکے، اس میں اشکالِ نحو ذی اللہ تعالیٰ کی عدم قدرتِ کلام کے سبب
نہیں ہے، بلکہ عاجز انسانوں کی ذہنی درماندگی کے سبب ہے، کہ نا دیدہ و ناشیندہ اور در دل ناخیز و مفہیم کیلئے اُن کی
زبان و لفظ میں کوئی لفظ ہی نہیں،

جَنَّةِ کی سترتین، یہ اصولِ بارہا بیان میں آچکا ہے کہ دوزخ کی تکلیفین ہوں یا جَنَّةِ کی سترتین، دونوں اعمال

اعمال کی تشریح ہیں

انسانی کی تشکیل میں، اسی لیے قرآنِ پاک نے تبصریحِ تام یہ کہا ہے،

إِنَّمَا تُحْشَرُونَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ، (طہ: ۱۱) وہی بدلہ پاؤ گے، جو تم کرتے تھے،

حدیث میں آتا ہے کہ قیامت میں خدا فرمائے گا اے میرے بندو، یہ تمہارے ہی عمل ہیں جو تم کو واپس مل رہے ہیں، تو

جو نیکی پائے وہ خدا کا شکر ادا کرے، اور جو برائی پائے وہ اپنے آپ کو ملامت کرے،

مثلاً وہ لوگوں کا جو دنیا میں کافروں کے خوف اور ڈر کے باوجود ایمان پر قائم تھے، اُن کو جَنَّةِ میں امن و

لے تفسیر بن جوی طبری، آیت مذکورہ و تفسیر فی البعث کافی الدر المنثور للسيوطی، تفسیر آیت مذکورہ،

سلامتی کے ساتھ وہاں کی تمام راحتیں ملے گی تو،

قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ فَمِنْ
اللَّهِ عَلَيْكُمَا وَفَنَاءَ عَذَابِ السُّعُومِ،

کہیں گے ہم اس سے پہلے اپنے گھر والوں میں ڈرتے
تھے، تو خدا نے ہم پر مہربانی فرمائی، اور ہم کو دوزخ

کی لو کے عذاب سے بچالیا، (طورہ-۱)

اس آیت سے صاف نمایاں ہے کہ فتنہ و فساد اور نکو کاروں پر قہر و گرمی کرنے والے جو دوزخ کی لو کے عذاب
میں مبتلا ہوں گے، وہ انہیں کے فتنہ و فساد اور قہر و گرمی کی صورت ہوگی، اور وہ نکو کار جنہوں نے ان شکر و نیکوں کے
اس قہر و گرمی اور غیظ و غضب کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کیا، وہ اس عذاب سے یہاں جنت میں محفوظ رہیں گے،
دولتمند و قوی دست منکرین کمزور اور غریب سلمانوں کو دیکھ کر دنیا میں ان پر تحقیر اڑھنتے تھے، قیامت میں سکا
اٹا ہوگا کہ یہ ان پر ہنسنے لگے،

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ

اَسْتَوْا يَصْحَكُونَ..... فَاَلْيَوْمَ

الَّذِينَ اسْتَوْا مِنْ اَلْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ (تطيف)،

نکو کاروں کے دنیا کے استو یہاں، تبسم اور خندہ مسرت میں بدل گئے، اور گنہگاروں کی وہاں کی ہنسی
یہاں استوؤں کا تاریک مظاہر ہوئی،

گنہگار جو دنیا میں اپنی دولت و قوت کے نشہ میں چور اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ خوش اور مسرور رہتے
تھے، وہ یہاں غمگین ہونگے، اور جو وہاں غمگین تھے وہ یہاں خوش اور مسرور ہونگے،

فَسَوْفَ يَدْعُوا ثُبُورًا وَيَصْلُوا سَعِيرًا

اِنَّهٗ كَانَ فِيْ اَهْلِهٖ سَمْسُورًا (الشقاق-۱)

تو وہ موت کو پکارے گا، اور دوزخ میں داخل ہوگا،
کیونکہ وہ اپنے اہل و عیال میں (مغورانہ) خوش تھا،
اور غریب و مسکین جو وہاں اہل و عیال میں بیٹھ کر بھی مسرت سے نا آشنا تھے، ان کا یہ حال ہوگا کہ

فَسَوْفَ يُحَاسِبُ حِسَابًا يَسِيرًا وَيَنْقَلِبُ
تو اس سے آسان حساب لیا جائیگا، اور وہ خوش ہو

إِلَىٰ أَهْلِهِ مُسْرِعًا (الشقاق - ۱)
اپنے لوگوں کے پاس ٹوٹے گا،

قرآن پاک میں بارہا یہ آیتیں یا بعینہ انہیں معنوں کی آیتیں آئی ہیں،

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ
اور ایمان والوں اور اچھے کام کرنے والوں کو باغوں کی

لَهُمْ جَنَّاتُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (البقرہ ۲۵)
خوبخبری سنائے گی کہ نیچے نہریں بہتی ہیں،

ان آیتوں میں ایمان اور عمل صالح کے بالمقابل باغ اور مہم کی نہروں کا ذکر پابندی کے ساتھ آتا ہے، اس

اور خیال جاتا ہے کہ ان دونوں میں کوئی خاص تشبیہی تعلق ہے، یہ ظاہر ہے کہ درخت اصلی چیزیں ہیں، جنکی ترقی اور

نشوونما پانی سے ہوتی ہے، بعینہ اسی طرح ایمان اصل ہے، جس کی جڑوں کی میلانی اعمال صالحہ کی آبیاری سے

ہوتی ہے، اگر ایمان ہو اور اعمال صالحہ نہ ہوں تو وہ ایک ایسا درخت ہوگا جس کی ترقی اور نشوونما کی امید نہیں،

اور اگر صرف عمل صالح ہے اور ایمان نہیں، تو ریگ میں پانی کی روانی ہے جس کا وجود و عدم یکساں ہے، اس

تشبیہ کے ذہن میں آنے کے ساتھ قرآن پاک کی یہ آیت سامنے آتی ہے،

وَأَدْخِلِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے وہ ان باغوں

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ
میں داخل کئے گئے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ اپنے

فِيهَا بِأَذْنِ رَبِّهِمْ، تَحْتِهَا مِنْهَا سَائِرٌ
پروردگار کے حکم سے ان میں سدا رہیں گے، وہاں سائیں

الْمُتَرَكِّفَ صَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً
کی مبارکباد ہے، کیا تو نے نہیں دیکھا کہ خدا نے کسی ایک لفظ

طَبَقًا كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ
بیان کی، نیک بات ایک سترے درخت کی طرح ہے،

وَقَرْنُهَا فِي السَّمَاءِ، تُنْقِطُ مِنْ أَكْطَافِهَا
جسکی جڑ مضبوط ہو، اور ٹہنی آسمان میں ہو، اپنے پروردگار

حِينَ يَأْذُنُ رَّبُّهَا وَيُضْرَبُ اللَّهُ
کے حکم سے وہ ہمہ وقت چل لایا کرتا ہے، اور خدا لپٹ

الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ
بیان کرتا ہے کہ لوگ شاید سوچیں،

اس آیت میں جنت اور کلمہ طیبہ کے درخت کی پوری تمثیل ہے، یہاں تک تقابل ہے کہ پہلے میں جب یہ کہا گیا کہ اپنے پروردگار کے حکم سے وہ اُن باغوں میں سدا رہیں گے۔ تو دوسرے میں ہے کہ وہ درخت اپنے پروردگار کے حکم سے سدا پھل دیتا رہیگا، کلمہ طیبہ سے یہاں مراد ایمان ہے، جس کی جڑ مضبوط و مستحکم، اور اسکی شاخیں آسمان میں، اور اس کے پھل سدا پھلنے والے ہیں،

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون صحابی کی وفات کے بعد انکی ایک ہمسایہ صحابیہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک نہر بہ رہی ہے، اور جب یہ معلوم ہوا کہ یہ حضرت عثمان بن مظعون کی ہے، انھوں نے اگر یہ خواب حضرت صلعم سے بیان کیا، آپ نے اسکی تعبیر میں فرمایا اِنَّكَ عَمَلٌ نَّجِيٌّ لِّكَ، یعنی یہ نہر اُن کا عمل ہے جو اُن کے لیے بہ رہی ہے، (بخاری کتاب التفسیر)

ان دونوں سابقہ حوالوں سے یہ ہویدا ہوتا ہے کہ ایمان کی تمثیل سدا بہار درخت سے، اور عمل کی تمثیل نہر روان سے ہے، اس بنا پر اہل جنت کے لیے باریا رحب باغ، اور نہر جاری کی بشارت دی گئی ہے، وہ حقیقت میں اُن کے ایمان، اور عملِ صالح کی تمثیلی شکلین ہونگی، اُن کا ایمان خوشنما اور سدا بہار باغ، اور اُن کے اعمالِ صالحہ صاف و شفاف نہر کی صورت میں نمایاں ہونگے، اور وہ اُن سے لطف و لذت اٹھائینگے،

اسی قیاس پر جنت کی دوسری لذتوں اور مسرتوں کی حقیقت کی تشریح کی جاسکتی ہے، علومِ نبوی کے ایک بڑے واقف کار اور اسرارِ شریعت کے ایک بڑے دانائے راز شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ رحمۃ اللہ الباقیہ میں لکھتے ہیں

والکثر الوقائع الخشبية من هذا القبيل شرک کے واقعات از قبیل تمثیل ہیں

..... وبالجملة حاصل یہ کہ

فتشجات وتمثلات لما عندها . . . یہ تمام امور معانی کا جسمانی قابو میں اور مثالی صورتوں

..... وتتشبه النعمة بمطعم هنئ میں ظاہر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ

لے تفسیر ابن جریر طبری، تفسیر آیت مذکورہ،

و مشرب میثی و منکھ شہی و ملبس رضی ^{و ملبس رضی} کی عنایت و مہربانی خوش مزہ کھانے و خوشگوار پینے کی چیزوں
و مسکن بھی (ص ۳۰ - ہند) رغبت و انجیز لذتِ بخارج، دلپند لباس اور عمدہ مسکن

ہم نے آیات و احادیث کے حوالوں سے پہلے کئی دفعہ یہ دکھایا ہے کہ اس تشیل و تشح کے کیا معنی ہیں، اور کیونکر مجتہد معانی، اپنے مناسب قابول میں مجتہد ہو کر وجود پذیر ہوتے ہیں، دنیا کے تمام اعمالِ صالحہ کی اگر تحلیل کی جائے تو انکی اولاد و زمین نکلیں گی، خدا پر ایمان اور خلوص دل سے انکی طاعت جس کو "حقوق اللہ" کہتے ہیں، اور دوسری بندگانِ الہی کیساتھ حسن سلوک، بندگانِ الہی کیساتھ جو نیک سلوک کیا جاسکتا ہو وہی ہو کہ انکی عزت و تہ کو پاس کیا جائے جسکو عفت و عصمت کہتے ہیں، اور ان کے ضروریاتِ زندگی کے ہتیا کرنے میں امداد کی جائے، اور ضروریاتِ زندگی ہی کھانا، پینا، پہننا، اور رہنا ہیں، انھیں کی نسبت ہم ان کے ساتھ حسن سلوک کر سکتے ہیں، اب یہ پانچ قسمین ہوئیں جنت کی نعمتیں ان پانچ قسمین میں منحصر ہیں، ایمان و اخلاص طاعت کی جزا وہ خود تبارک و تعالیٰ ہے، وہ اپنے قرب اور اپنے دیدار سے نوازیگا، عفت و عصمت کی جزا حسین و جمیل بیویوں کی صورت میں نمایاں ہوگی، دوسروں کے کھلانے کی جزا جنت کے باغ اور پھل اور رقم و تم کے الوانِ طعام ہیں، دوسروں کو پلانے کی جزا خوش مزہ و خوشگوار پینے کی مختلف چیزوں کی فراوانی ہے، پہنانے کی جزا، ریشم و حریر و دیبا و اطلس اور بہتر سے بہتر خوشنما لباس ہے، اور رہنے اور رکھنے میں حسن سلوک کی جزا، خوش منظر مکان و قیامگاہ ہے،

ایک اور پہلو سے دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی بہشت کی صفت یہ بیان فرمائی ہے،

إِنَّ لَكَ أَهْلًا تَجْمَعُ فِيهَا وَلَا تَعْرِضُ عَنْهَا

بیشک تیرے لیے اس بہشت میں نہ بھوکا ہونا ہو

لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَصْحَىٰ (طہ ۷۷)

نہ تنگھا ہونا نہ پیاسا ہونا، نہ دھوپ میں رہنا،

یہی چار مختصر انسانی ضرورتیں ہیں، جو پھیل کر ایک دنیا ہو گئی ہیں، جب آدم کی اولاد کو اپنے اعمالِ صالحہ کے بدولت نجات ملیگی، تو پھر ان کے لیے وہی بہشت ہے، جس میں نہ بھوکا ہونا ہے، نہ پیاسا ہونا، نہ تنگھا ہونا، نہ گرمی اور نہ دھوپ کی تکلیف میں گرفتار ہونا، اس حقیقت کی تعبیر و طرح سے کیجا سکتی ہے، یا تو یہ کہ بہشت میں

اہل بہشت کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ وہ ان تمام انسانی ضرورتوں سے یکسر پاک و بے نیاز ہو جاتے ہیں، اس لیے وہ ان کوئی بھوکا ہو گا نہ پیاسا، نہ تنگ ہو گا، اور نہ دھوپ اور ٹوکی محنت میں گرفتار، دوسرے یہ کہ بہشت میں اہل بہشت کو کھانے کے لیے ایسے اوانِ نعمت ملیں گے جنکو کھا کر انسان پھر بھوکا نہ ہو گا، اور پینے کے لیے شرابِ شربت کی وہ نہرین ہینگی جنکو پی کر پھر پیاسا نہ ہو گا، اور پھینے کو وہ کپڑے ملیں گے جو پھر میلے ہو گئے اور نہ بوسیدہ ہو کر پھٹینگے اور رہنے کے لیے ایسے گھنے باغ اور بلند مکانات ملیں گے جہاں دھوپ کا گذر نہ ہو گا۔

یہ اصول پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ دنیا میں انسان کے لیے جو لطف و لذت ہے، وہ تھوڑی سی تکلیف کا نتیجہ ہے، انسانی اصول یہ ہے کہ بڑی لذت کے حصول کے لیے تھوڑی تکلیف گوارا کرتا ہے، اور بڑی مسرت پر چھوٹی چھوٹی مسرتوں کو قربان کرتا ہے، اسی اصول پر اس کے تمام اعمال کی کامیابی و ناکامیابی کی بنیاد ہے، اعمالِ صالحہ کے بجالانے میں انسان کو اس دنیا میں چھوٹی چھوٹی تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اور اپنی عارضی خوشیوں اور لذتوں کو ان پر قربان کرنا ہوتا ہے، صبح کے نمازی کو خوابِ سحر کی لذت کو خیر باد کہنا، اور دوپہر کی جلٹی دھوپ میں نہر کے لیے مسجد جانا پڑتا ہے، خود بھوکا رہ کر دوسروں کو کھلانا پڑتا ہے، اور اپنی بہت سی ناجائز نگہ بظاہر و محسوس خوشیوں کا ایثار کرنا پڑتا ہے، اس طرح پاکیزہ زندگی گزارنے پر اسکو آخرت کی غیر فانی دولت اور ابدی سعادت میسر آتی ہے،

انسان کو دنیا میں ان اعمالِ صالحہ کی خاطر جن چیزوں کو قربان کرنا پڑتا ہے، ان میں پہلی چیز تو خود اسکی زندگی ہے، پھر انسانی زندگی کی وہ چار قسمیں ہیں، جنکا نام کھانا، پینا، پہننا اور رہنا ہے، اس لیے آخرت میں ان قربانیوں کی جزا میں انھیں کی مناسب و مماثل جو چیزیں ملیں گی، وہ غیر فانی زندگی، اوانِ طعام، اقسامِ شراب و شربت، انواعِ لباس اور بہترین مسکن ہیں، قرآنِ پاک میں ہے،

فَاَمَّا مَنْ طَغَىٰ ۖ وَ اَتَىٰ الْحِيلَ ۙ فَكَانَ نَارًا ۙ
فَاَمَّا مَنْ هَمَّ بِطَغْيٍ ۖ وَ اَتَىٰ الْحِيلَ ۙ فَكَانَ نَارًا ۙ

پس جس نے خدا سے سرکشی کی، اور دنیاوی زندگی کے ناجائز لطفِ آرام کو ترجیح دی تو دوزخ اس کا

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ

الْمَأْوَىٰ، (زکرات: ۲۰) اور اپنے نفس کو ناجائز خواہشوں سے روکا تو اُسکا ٹھکانا جنت ہے

گو اُس کی جزئی نیکیوں کی جزا تو وقتاً فوقتاً اس دنیا میں تھوڑی تھوڑی کر کے، شہرت، تعریف، ہر دلعزیزی، اور دولت کی صورت میں ملتی رہتی ہے، مگر پوری زندگی کی مجموعی جزا دوسری زندگی ہی میں اُس کو ملے گی،

وَالْمَأْوَىٰ فَتَحْنَا لَهُ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ۚ

اور تمہاری مزدوری قیامت کے دن پوری

(ال عمران: ۱۹) ادا کی جائے گی،

لطف و مسرت کا تصور | مسرت ایک نفسی کیفیت کا نام ہے، جو انسان کو اپنی کسی خواہش کے پورے ہونے وقت حاصل ہوتی ہے، اس بنا پر مسرت کے وجود کے لیے کسی خواہش کی تکمیل ضروری ہے، اب انسانی خواہشوں کی تحلیل کرو، تو بالآخر ان کی انتہا انہیں باتوں پر ہوگی جنکی طلب اُسکی فطرت کے اندر ودیعت کر دی گئی ہے، اب غور کرو کہ وہ کیا چیزیں ہیں، یا کیا چیزیں اُس کے فہم میں آسکتی ہیں، وہ بھی ہیں، باغ و بہار، لباس و طعام، حور و قصور، خدم و حشم، سامان و اسباب، اور زر و جواہر، مسرت اور راحت کا جب کبھی تخیل آئیگا، اور جب کبھی ہم اُن کو سمجھنا چاہیں گے، اور کہنا چاہیں گے تو ہم کو انہیں چیزوں کا نقشہ کھینچنا پڑے گا، اور ہماری انسانی فطرت انہیں مسرتوں اور خوشیوں کو ڈھونڈنے کی عادی ہے، اور انہیں کے حصول کی خاطر دنیا میں ہر طرح کی سہ کاری اور گنہگاری کی مرتکب ہوتی ہے، اس لیے ان سے احتراز کرنے پر جو چیزیں ہم کو وہاں ملنے لگی وہ ہمارے انہیں عادی مالتوں اسباب مسرت کی صورتوں میں ہمارے سامنے پیش ہونگی، اور ہم اُن سے لطف اندوز ہونگے،

لطف و مسرت کا | اس دنیا کے کون و فساد میں ہم ایک عیب قسم کی مصیبت میں مبتلا ہیں، ہم کو تخیل کے لحاظ سے اپنی اعلیٰ ترین تخیل | آرزوؤں اور خواہشوں کی وسیع اور غیر محدود دنیا بخشی گئی ہے، لیکن عملاً اپنی اپنی خواہشوں اور تمناؤں

کے مطابق اپنی دنیا بنالینے پر قدرت نہیں، نتیجہ یہ ہے کہ اگر ہم نے صبر و شکر کا دامن نہیں پکڑا ہے، تو ہم سے زیادہ اس دنیا میں تصور و تخیل کی تکلیف میں کوئی اور گرفتار نہیں، جنت آخرت کی اُس دنیا کا نام ہے، جو ہمارے اعلیٰ ترین

تخیل اور ہماری تئناؤن اور آرزوؤں کے مطابق ہوگی،

جَنَّتٌ عَدْنٍ تَدْخُلُونَهَا يُجْرَى مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ فِيهَا مِنْ ثَمَرَاتٍ كَثِيرَةٍ وَفِيهَا زُفْرٌ وَلَئِنْ كُنْتُمْ إِلَّا شَائِرًا مِمَّنْ كَفَرَتْ
رہنے کے باغ جسکے نیچے نہریں بہتی ہوں، اُن کیلئے
اُن باغوں میں وہ ہے جو وہ چاہیں، اللہ اسی طرح
پر ہیزگاروں کو بدلہ دیکھا،

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهُیْ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُوْنَ (حم السجد ۷۴-۷۵)
اور تمہارے لیے جنت میں وہ ہے جو تمہارے دل چاہے
اور تمہارے لیے اس میں وہ ہے جو تم مانگو،

لَكُمْ مَا اَشَاءُوْنَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ (ق ۲۰)
ان کے لیے جنت میں وہ ہے جو وہ چاہیں اور ہم پاس اس
اور جنت میں وہ ہے جس کی دل خواہش کریں اور
جو انھوں کو لذت دے، (مزخرف ۷۷)

لَكُمْ فِيهَا مَا اَشَاءُوْنَ خَالِدِينَ فِيهَا اَلَمْ يَكُنْ عَلَى رَأْسِكَ وَعْدًا مِّنْ قَبْلُ (فرقان ۲۰)
اُن کے لیے جنت میں وہ ہے جو وہ چاہا کریں گے یہ وعدہ
ہے تیرے رب کے ذمہ،

لَكُمْ مَا اَشَاءُوْنَ عِنْدَ رَبِّكُمْ (زمرہ ۷۴)
اُن کیلئے اُنکے پروردگار کے پاس وہ ہے جو وہ چاہیں گے،

الغرض جنت وہ مقام ہے، جہاں ہم کو وہ کچھ ملیگا، جہاں تک ہمارا مرغِ خیال اڑ کر پہنچ سکتا ہے، لطفِ مسرت کا وہ بلند سے بلند تخیل جو تصور میں آسکتا ہے وہاں ہمارے لیے ہتیا ہوگا، صحابہؓ میں ہر قسم کے لوگ تھے جنت کے سارا مسرت کے متعلق وہ اپنی اپنی پسند اور آرزو کے مطابق آپ سے پوچھتے رہتے تھے، اور آپ جواب دیتے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں جو سب سے کم رتبہ ہوگا اسی کیفیت بھی یہ ہوگی کہ خدا تعالیٰ اس سے فرمایا کہ تو اپنی انتہائی آرزو دل میں خیال کر، وہ کریگا، تو خدا فرمایا کہ تمکو وہ سب دیا گیا جس کی تو نے آرزو کی تھی لہٰذا اُس کے برابر اور یہاں تک کہ بازار کا شوق ہوگا، تو بازار بھی لگیگا، لیکن وہ حقیقی خرید و فروخت نہ ہوگی

کہ وہاں کمی کس چیز کی ہوگی، بلکہ وہ مثالی صورتوں میں ہوگی، (الا الصور من التجال)
 کسی کو جنت میں کھیتی کا شوق ہوگا، تو دانہ، سبزہ، غلہ اور پھرتیاری یہ سب کام منٹوں میں انجام پا جائے گا۔ ایک
 بدوی نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں گھوڑے بھی ہونگے، فرمایا کہ اگر تم کو جنت ملی تو اگر تم یہ بھی چاہو گے کہ سرخ
 یا قوت کا گھوڑا ہو جو تم کو جہان چاہو بہشت میں لئے پھرے تو وہ بھی ہوگا، دوسرے نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم اونٹ بھی ہوگا، فرمایا اگر تم جنت میں گئے تو تمہارے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو تمہارا دل چاہے گا، اور جو تمہاری آنکھیں
 پسند کریں گی۔

جنت میں اہل جنت کے مختلف رتبے ہونگے، اس لیے اہل کے لباس و سامان کو دیکھ کر ادنیٰ کو اپنی کمی
 کا خیال ہوگا، تو اس کے تصور میں یہ پیدا کر دیا جائیگا (حتی یقتیل ایہ) کہ خود اس کا لباس و سامان اس سے
 بہتر ہے، اور یہ اس لیے ہوگا کہ جنت میں کسی کو غم ہونا ممکن نہیں ہے۔

کسی صاحبِ دل نے جنت کی یہ تعریف خوب کی ہے،

جنت جہان کوئی جہانی
 و روحانی آزار نہیں

بہشت آنجا کہ آزارے نہ باشد

دنیا میں کوئی بڑی سے بڑی مسرور زندگی بھی ایسی نہیں مل سکتی جس کے پہلو میں مسرت کے پھول کھیں،
 غم کا کوئی کاٹنا نہ چھوڑا ہو، یا تو موجودہ مسرت کے آئینہ ختم ہونے کا خوف ہے، اور یا گزشتہ ناکامی کا افسوس
 ہے، اس بنا پر یہاں کی کوئی خوشی بھی کامل نہیں، مگر جنت وہ مقام ہوگا، جہاں نہ ماضی و حال کا غم ہوگا، اور نہ
 مستقبل کا خوف ہوگا، چنانچہ اہل جنت کے متعلق بار بار ارشاد ہوا،

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ، اُن کو خوف ہوگا، اور نہ وہ غمیں ہونگے،

اور یہی بہشت کی سب سے بڑی نعمت ہوگی، اس میں جہانی و روحانی ہر قسم کی نعمتیں داخل ہیں،

دنیا میں کوئی انسان اس وقت تک کوئی نعمت گھلے سے نہیں اتار سکتا، اور نہ کوئی چھڑا بدن پر رکھ سکتا ہے

لہٰذا ترمذی دیکھو مشکوٰۃ صفحہ ۱۰۲، صحیح بخاری ص ۱۵۰ ترمذی، سنن ترمذی، بہار حدیثین مشکوٰۃ صفحہ ۱۰۲ سے لیکتی ہیں

جب تک اُس کے سر کا پینہ اُس کے پاؤں تک نہ آئے، دنیا کی تمام فانی مسرتیں ہماری فانی کوششوں کا فانی نتیجہ ہیں مگر جنت کی خوشیاں بے غم و تکلیف ہماری گذشتہ فانی نیکیوں کا غیر فانی نتیجہ ہیں، اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم ہے وہاں ہم کو ہماری آسائش کا تمام سامان اُس قسم کی ادنیٰ زحمت و مشقت اٹھائے بغیر میسر آئیگا جس کے بغیر دنیا میں کوئی انسان زندہ ہی نہیں رہ سکتا، اور جسکی کشمکش سے یہ دنیا ہر انسان کے لیے دوزخ بنی ہے، چنانچہ اہل جنت جنت میں داخل ہو کر اور شاہانہ ترک و اعتنا اور لباس و زیور سے آراستہ ہو کر خدا کی حمد و تعریف کا ترانہ ان قطعون میں گائینگے،

جَنَّتْ عَدْنٌ يَدُ خُلُقٍ فَحَلَقَتْ فِيهَا مِنْ رَهْنِ كَيْسٍ خَمِينٍ وَهَدْ دَاخِلٌ هُوَ كُنْ اُنْ مِّنْ وَهْدِ سَوْنِ

اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي اَدَّاهَبَ

عَنَّا الْحُزْنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكَرُوا لِلّٰهِ الَّذِي اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِن فَضْلِهِ لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا نُكُوبٌ (فاطمہؑ)

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا سُلُوفًا مِّنْهُنَّ اَخْلَافٌ اَمِنْ اَمْنٍ وَهِيَ فِيهَا عَاكِفٌ بَاقٍ

اَمِنْ اَمْنٍ وَهِيَ فِيهَا عَاكِفٌ بَاقٍ اَمِنْ اَمْنٍ وَهِيَ فِيهَا عَاكِفٌ بَاقٍ اَمِنْ اَمْنٍ وَهِيَ فِيهَا عَاكِفٌ بَاقٍ

اَمِنْ اَمْنٍ وَهِيَ فِيهَا عَاكِفٌ بَاقٍ اَمِنْ اَمْنٍ وَهِيَ فِيهَا عَاكِفٌ بَاقٍ اَمِنْ اَمْنٍ وَهِيَ فِيهَا عَاكِفٌ بَاقٍ

اَمِنْ اَمْنٍ وَهِيَ فِيهَا عَاكِفٌ بَاقٍ اَمِنْ اَمْنٍ وَهِيَ فِيهَا عَاكِفٌ بَاقٍ اَمِنْ اَمْنٍ وَهِيَ فِيهَا عَاكِفٌ بَاقٍ

جنت جہانِ شگ | موجودہ دنیا خیر و شر کے متضاد عناصر سے بنی ہے، یہاں ثواب کے ساتھ گناہ، رحم کیساتھ سنگدلی

و حسد نہیں،

محبت کیساتھ کینہ ہے، یہ گناہ و کینہ اور بغض و حسد وہ آگ ہے جس نے یہاں کے قلبی امن و امان

کے خرمین میں آگ لگا رکھی ہے، ہر شخص یہاں دوسروں کی بھی حالت کو دیکھ کر جلتا ہے، اور دوسروں پر غصہ کے

جوش و خروش سے اُبلتا ہے، جنت وہ عالم ہے جہاں اس آگ اور سیلاب کا وجود نہ ہوگا، ہر قسم کے گناہ، سنگدلی، عداوت

اور بغض و حسد کا خاتمہ ہوگا، اور خالص محبت و الفت کے دریا موجزن ہونگے، فرمایا،

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا سُلُوفًا مِّنْهُنَّ اَخْلَافٌ اَمِنْ اَمْنٍ وَهِيَ فِيهَا عَاكِفٌ بَاقٍ

وَقَدْ عَفَا بِنَايَ صَدُّوْهُنَّ مِّنْ غُلُوِّ تَجْرِئِنَا

اور ہم نے اُن کے سینوں سے کینہ کو کھینچ لیا، اُن کے

نیچے نہ رہتی ہیں،

مِنْ تَحْتِهِمْ لَا تَعْلَمُ (اعراف، ۵۰)

اور بتنے اُن کے سینوں سے کینہ کو کھینچ لیا، بھائی بھائی

عَلَى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ، (حجر - ۴) بنکر تختوں پر آٹنے سامنے بیٹھے ہونگے،

اسی کی تفسیر میں حدیث صحیح میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ وہاں نہ دلون کا اختلاف ہوگا، نہ باہم بغض اور کینہ،

سب کے دل ایک دل کی طرح متحد ہونگے۔

وہاں کی جہانی زندگی | بہشت میں زندگی کی جو لذتیں ہونگی انکی تعمیر لو ان نعمت، اور انواع شربت و شراب، اور دوسرے
کیسی ہوگی؟ مادی لذائذ سے ہو سکتی ہے، مگر وہ حظ و مسرت اور اطمینان و سکینت کے علاوہ کسی معنی میں

بھی مادی خصوصیات سے آلودہ نہ ہوگی، یہاں ہر کھانے پینے کے ساتھ بول و براز، پسینہ اور سویر بھم کی قلت لگی ہوئی

ہے، اور بغیر اس کے انسان یہاں زندہ نہیں رہ سکتا، مگر وہاں یہ کچھ نہ ہوگا، انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت

ٹھانین گے اور پنین گے لیکن نہ تھو کین گے نہ وہاں بول و براز کی حاجت ہوگی، نہ وہاں ناک سے رطوبت نکلیگی،

نہ بلغم اور کھانسی جیسی گھنونی چیزیں ہونگی، کھانا ایک مڈکار میں بھم ہوگا، وہاں کے پسینہ میں مشک کی خوشبو ہوگی بہشت

میں داخل ہوگا، اُس کو وہ نعمت ملیگی کہ پھر تکلیف نہ ہوگی، نہ اُن کے کپڑے بوسیدہ ہونگے، اور نہ انکی جوانی زائل

ہوگی، وہاں مادی غیب پیکار کر کر کرے گا، یہاں وہ تندرستی ہے کہ بیمار نہ پڑو گے، وہ زندگی ہے کہ پھر موت نہ آئیگی

وہ جوانی ہے کہ پھر بوڑھے نہ ہو گے، اور وہ آرام ہے کہ پھر تکلیف نہ پاؤ گے، لوگوں کے پھرے اپنے اپنے اعمال کے

مطابق چمکینگے، کوئی ستارہ کی طرح کوئی چودھوین کے چاند کی طرح۔

غور کرو کہ وہ جہانی زندگی، ہماری موجودہ جہانی زندگی سے کتنی مختلف ہوگی، اس پر تعجب نہ کرنا چاہیے،

انسان کبھی شکم مادر میں ایک بچہ کی صورت میں زندہ تھا، مگر وہاں انکی زندگی، انکی غذا، اُس کے فضلہ غذا، اس کی

سانس، اور دوسرے لوازم حیات، بیرون شکم کے دنیاوی اصول حیات و قوانین زندگی سے بالکل مختلف تھے،

۱۔ صحیح مسلم ص ۱۰۲، ۲۔ یہ ساری حدیثیں صحیح مسلم ص ۱۰۲ میں ہیں،

اور جس طرح شکم مادر میں بچہ کا اس بیرونی زندگی کے حکایات کو تعجب کیساتھ سنکر آمادہ انکار ہونا دانشمندی نہ ہوگی، ایسے ہی اس مادی زندگی کے نوکر، اور اس عالم آب و گل کے باشندے اُس دوسری زندگی کے اصول حیات، طرزِ غذا، اور دوسرے لوازمِ حیات کو سنکر آمادہ انکار ہوں تو اُن کا بھی یہ فضلِ دانشمندی کے خلاف ہوگا،

جنتِ ارتقاء روحانی ہو! مادی و جسمانی خلقتِ فطرت کی لاکھوں برس کی تاریخ کے مطالعہ اور تحقیق سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ مادہ نے لاکھوں برس کے تغیرات کے بعد اس انسانی جہانیت تک ترقی کی ہے، وہ پہلے جمادینا، پھر نبات کی شکل میں آیا پھر حیوان کا قالب اختیار کیا، پھر حیم انسانی کی صورت میں نمودار ہوا، اور یہ مادیت کی سحرِ ترقی ہے، جمادیت شکر نباتیت پیدا ہوئی، اور نباتیت فنا ہو کر حیوانیت نمودار ہوئی، پھر حیوانیت معدوم ہو کر انسانیت ظہور پذیر ہوئی، اور ارتقاء انسانی کا جسمانی پہلو تکمیل کو پہنچ گیا، لیکن انسانیت کا دوسرا رخ جو روحانیت سے عبارت ہے، ہنوز اپنے آغازِ طفولیت میں ہے، کیا اس پر بھی اسی ارتقائی دور کے مابج نہیں آئیں گے ایک مادہ پرست صرف بامِ ارتقا تک زینہ زینہ چڑھ کر ٹھہرتا ہے، لیکن مذہب اس سے بھی آگے لے چلتا ہے، اور یہاں سے وہ اڑ کر سقفِ آسمان تک پہنچتا ہے، اور ملکوتیت کی سرحد کی ترقی شروع کرتا ہے، قرآنِ پاک کی ان آیتوں پر غور کرنے سے اس نظریہ کے اشارات نکلنے ہیں،

الَّذِينَ يَرْتُونَ الْفُرُودَ سَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ
جو فردوس کی وراثت پائیں گے، اور وہ اُس میں سدا

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ
رہینگے، اور ہم (خدا) نے انسان کو مٹی کی کشتہ سے بنایا،

طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نَظْفَةً فِي قَدْرٍ مَّكِينٍ
پھر اس کو (حیمِ انسانی کے) ایک ٹھراؤ کی جگہ میں ایک بند

ثُمَّ خَلَقْنَا النَّطْفَةَ عَلَقَةً ثُمَّ خَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً ثُمَّ خَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظًا فَكُنَّا عِظًا رَّحْمَةً
بنایا، پھر اُس بند کو بندھا جو خون بنایا، پھر اس خون کو

ثُمَّ خَلَقْنَا عِظًا ثُمَّ خَلَقْنَا عِظًا ثُمَّ خَلَقْنَا عِظًا ثُمَّ خَلَقْنَا عِظًا
لوٹھڑا بنایا، پھر اُس کو ٹھڑے کو ہڈیاں بنایا، پھر ہڈیوں کو

ثُمَّ خَلَقْنَا عِظًا ثُمَّ خَلَقْنَا عِظًا ثُمَّ خَلَقْنَا عِظًا ثُمَّ خَلَقْنَا عِظًا
گوشت پہنایا، پھر اُس کو ایک نئی صورت میں اٹھا کر کھڑا

اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ (مومنون-۱)
کیا، تو برکت والا ہے سب سے بہتر بنانے والا (خدا)،

لیکن یہ ترقی ہمیں تک پہنچا کر رک نہیں جائیگی، بلکہ آگے بھی ہوگی، اس لیے جس طرح مان کے پیٹ کی تنگ دھاریک دنیا میں زلیست و حیات کے کچھ قواعد تھے، پھر عالم کی اس سے بھی وسیع تر دنیا میں اُس نے قدم رکھا، جہاں ترقی و حیات کے دوسرے ہی اصول ہیں، اسی طرح اس دنیا سے مادی سے نکل کر اُس وسیع تر دنیا میں قدم رکھیں گے، جہاں ترقی اور سعادت کے اور دوسرے اصول ہوں گے، چنانچہ اس کے بعد ہی فرمایا،

ثُمَّ أَكَلُوا مِنْ شَجَرٍ فَكُنُوا لَظُفْرًا كَلَّمَ
يَوْمَ الْقِيَمَةِ تَبْعُونَ، (مومنون-۱) کے دن اٹھائے جاؤ گے،

جس طرح انسانیت سے پہلے لاکھوں برس میں ایک نوع کی کیفیت مٹ کر دوسری نوع کی کیفیت پیدا ہوتے ہوئے انسانیت تک نوبت پہنچی، موت کے معنی یہ ہیں کہ اب نوع انسانی کی تمام کیفیتیں منکسر ایک نئے نوع کی کیفیتوں کی تیاری شروع ہوئی، صد ہزار سال کے بعد قیامت سے دوسری نوع ملکوتی کا ظور ہوگا، یہاں مسئلہ ارتقاء کا دوسرا اصول سامنے آتا ہے جسکو بقائے صلح کہتے ہیں، کہ ان مدارج ترقی کے انہیں ہزاروں وہ نہیں فنا ہوتی رہتی ہیں جنہیں آگے بڑھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی، اور وہی باقی رہ جاتی ہیں جنہیں آئندہ بقا کی پوری استعداد ہوتی ہے، اس طرح پھلی استعداد سے آئندہ کی استعداد پیدا ہوتی ہے، اسی طرح اس دوسری ملکوتی نوع کی استعداد انہیں کو ملتی ہو چکے اندر اپنی پھلی مادی و جسمانی زندگی میں اس کی استعداد پیدا ہو چکی تھی، دوزخ کے درجے اُن لوگوں کے مقامات ہیں جو گویا ہنوز، جامدی و نباتی و حیوانی منزلوں میں ہیں، اور ممکن ہے کہ وہ اس دارالامتحان میں اپنی کمی استعداد کے بقدر رہ کر آگے کی استعداد پیدا کر لیں، اور ملکوتیت کی ترقی حاصل کر سکیں،

بہشت کے مختلف مدارج اُنکی استعدادوں کے مقامات ہیں، جو اپنی پہلی ہی زندگی میں اس ترقی کی استعداد پیدا کر چکے تھے، لیکن یہاں پہنچ کر بھی اُن کی روحانی ترقی کا دروازہ بند نہ ہوگا، بلکہ وہ بقدر استعداد و تکمیل کے مدارج طے کرتے چلے جائیں گے، شاید اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ (تین-۱) ان (بشتیوں) کے لیے نعم ہونے والی مزدوری ہے،

ایک دوسری آیت میں ہے کہ اہل بہشت بہشت میں عمار کریں گے،

تُورَهُمْ كَيْفَ يَشَاءُ يَبْنُونَ عَلَيْهِمْ وَيَأْتِيهِمْ

يَقُولُونَ رَبَّنَا آتِنَا لَنَا نُورًا وَاعْفُ

إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (تحریم-۲) معاف کرو تو ہر بات کر سکتا ہے،

یہ مزید تکمیل کی خواہش میں بہشت میں ظاہر کی جا رہی ہے، اور دعا کا آغاز "رب" کی ندا سے ہوتا ہے اس

اشارہ ہے کہ یہ مزید تکمیل اسی کی ربوبیت کا اقتضا ہے، جو نیکو کاروں کو جنت میں حاصل ہوگی،

امن سلامتی کا گھر | انسان امن و سلامتی کا بھوکا ہے، لیکن وہ اس امن و سلامتی کو اسباب راحت کے انبار میں تلاش

کرتا ہے، اور نہیں پاتا، وہ دنیا میں امن کا گوشہ ڈھونڈتا ہے، اور وہ اسکو نہیں ملتا، لیکن یہاں اگر اسکو نہ صرف امن

کا گوشہ، بلکہ امن و سلامتی کی ایک دنیا ملے گی، وہ پرند جو عمر بھر چار عناصر کے قفس میں گرفتار رہا، یہاں وہ سدرۃ المنتہی

کی ہر شاخ پر آزادانہ پرواز کرے گا جنت کے جہان وحی محمدی نے اور بہت سے نام بتائے ہیں، وہاں اس کا ایک

نام دارالسلام ہے، جس کے معنی امن و سلامتی کے گھر کے ہیں،

اہل جنت کی نسبت ارشاد ہے،

لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ (النعام-۱۵) ان کے لیے انکے پروردگار کے پاس سلامتی کا گھر ہے،

اللہ تعالیٰ نے جس شریعت کو دیکر اپنے پیغمبر علیہ السلام کو مبعوث فرمایا ہے، وہ حقیقت میں اسی امن و سلامتی

کی نوید بشارت ہے، اسی لئے فرمایا،

وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى دَارِ السَّلَامِ (یونس-۳) اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے، تو سب سے پہلے اسی امن و سلامتی کے گھر کی دعوت پیش فرمائی

عبداللہ بن سلام جو ایک یہودی عالم تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جس صدائے نبوت نے سب سے پہلے ان کے دل

مین گھریا، وہ یہ تھی، لوگو! سلامتی پھیلاؤ، بھوکون کو کھلاؤ، جب دنیا غفلت کی نیند سوئے تو تم اٹھ کر اُس کی عبادت کرو، امن و سلامتی کے گھر میں رہنا تم کو نصیب ہوگا۔

جنت کے ذکر میں اس امن و سلامتی کا تذکرہ قرآن پاک میں بار بار آیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنت کے در و دروازے امن و سلامتی کے ترانے سنائی دینگے،

وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْكُمْ مِنْ كُلِّ

اور فرشتے ہر دروازہ سے اُن کے سامنے یہ کہتے ہوئے

بَابٍ، سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ

آئینگے کہ تم پر سلامتی ہو کہ تم نے صبر کیا تھا، تو کیسا اچھا

عُقْبَى الدَّارِ، (رعد - ۳)

پچھلا گھر ہے،

وہاں امن و سلامتی کے سوا کچھ نعمانی نہ دیگا،

إِلَّا قِتْلًا سَلَامًا سَلَامًا، (واقعه - ۱)

لیکن سلامتی سلامتی کی پکار،

فرشتے اہل جنت کو یوں کہینگے،

ادْخُلُوا بِسَلَامٍ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ، (ہجج - ۱)

اس جنت میں سلامتی کیساتھ داخل ہو، یہ زندگی جاوید کا دن ہے،

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلَامًا (سورہ - ۴)

اُہیں سلامتی کے سوا کوئی اور بیہودہ بات نہ سنیں گے

جنت کا ایک اور نام قرآن میں ”مقامِ امن“ امن والا مقام بتایا گیا ہے، فرمایا،

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ (ردخان - ۳)

یشک پر مہر کا روگ امن والے مقام میں ہوں گے،

مقامِ رحمت | خدا کی رحمت کب نہیں؟ اور کہاں نہیں؟ مگر دنیا کے فطری قوانین کے بموجب اس دنیا میں ایسے

واقعات اور حادثے بھی پیش آجاتے ہیں، جنکو ہم رحمت کے بجائے قہرِ الہی سے تعبیر کرتے ہیں، پھر یہ بھی واقعہ

ہے کہ خود ہم کو ہمارے اعمال کے بدولت خداوند تعالیٰ کے قہر و غضب میں مبتلا ہونا پڑتا ہے، لیکن ایک عالم

وہ ہے جہاں اُس کی رحمت کے سوا اُس کے قہر و غضب کا نام و نشان نہ ہوگا، اُس کی رحمت اور فیض و کرم کی

وہاں ہر طرف بارش ہوگی، اور اس کی رحمت کے سوا کوئی اور منظر کہیں، اور کبھی نہ کھائی نہ دیگا،

يَسْتَرْحِمُهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرَحْمَةً
اُن کا پروردگار اُن کو اپنی رحمت، خوشنودی اور اُن

وَجَنَّتْ لَهُمْ فِيهَا اَعْيُنُهُمْ (توبہ-۲)
باغوں کی خوشخبری دیتا ہوں جنہیں اُن کیلئے ہمیشہ کا آرام ہے،

اہل جنت کو جن کے چہرے خوشی سے دکتے ہونگے، یہ آواز سنائی دیگی،

وَمَا الَّذِيْنَ اَبْيَضَتْ وُجُوهُهُمْ فَوْفَ
لیکن جبکہ چہرے روشن ہوئے تو وہ اللہ کی رحمت میں

رَحْمَةِ اللّٰهِ فِيْهَا خَالِدُوْنَ، (ال عمران-۱۱)
ہونگے، اُمین وہ سدا رہیں گے،

مقامِ نور | جنت نور کا وہ مقام ہے، جہاں ظلمت و تاریکی کا نام و نشان نہ ہوگا، جنتیوں کے چہرے روشن ہونگے

کوئی ستاروں کی طرح چمکیگا، اور کوئی چاند کی طرح، ہر طرف اُن کے انوار کی بارش ہوگی، آگے پیچھے، داہنے

بائیں ہر سمت سے نور و رخشان ہوگا، فرمایا،

تَوَسَّوْهُمْ لِيُحْيٰى بَنِيْنَ اٰیْدٍ نَّصِيْمٍ وَّ اٰیْمَانِهِمْ
اُن کا نور اُن کے سامنے اور اُن کے داہنے

(تخویر-۲) دوڑے گا،

اُس دن اہل ایمان کے نور ایمان کی بھلیاں ہر طرف کو ندیگی،

يَوْمَ تَدٰى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ لِيَسْعٰى
جس دن تو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو

تَوَسَّوْهُمْ بَنِيْنَ اٰیْدٍ نَّصِيْمٍ وَّ اٰیْمَانِهِمْ
دیکھے گا کہ اُن کا نور اُن کے سامنے اور اُن کے داہنے

بُشِّرْكُمْ الْيَوْمَ جَنَّتْ بَحْرٰى مِنْ
چمکیگا، آج تم کو خوشخبری ہو، وہ باغ ہیں جن کے نیچے

تَحْتِهَا اَلَا تَهْرٰى خُلْدٍ فِيْهَا ذٰلِكَ هُوَ
نہرین بہتی ہیں، اُن میں ہمیشہ رہا کرو گے، یہی بڑی

اَلْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (حدید-۲) کامیابی ہے،

اُس دن اہل نفاق اہل ایمان سے آرزو کریں گے، کہ ذرا ٹھہر جائے، کہ ہمارے ظلمت کدہ میں بھی ایک دم

کے لیے روشنی ہو جائے،

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ
جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں اہل ایمان سے

اٰمَنُوْا لَطَرُوْا نَفْسِيْ مِنْ نُّوْرِ كَعْرِ حٰمِدٍ (۳) کینگلی کو ذرا ٹھہر دو کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی لیں۔

مقامِ رضوان | جنت کے انعامات کی فہرست میں سب سے آخری چیز مقامِ رضوان ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنے بند سے راضی اور خوش ہونا کہ اس کے بعد نہ کبھی وہ اپنے اُس بندہ پر عتاب فرمایگا، نہ اُس سے ناراض ہوگا، بلکہ اُسکو اپنی رضامندی اور خوشنودی کی لازوال دولت عطا فرمائے گا، متقیوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں رکھی ہیں اُن میں جنت، نہرین، پاک بیویاں، اور اُن سب کے بعد روح کی مسرت رکھی ہے، لیکن ان سب کے بعد بھی اپنی سب سے آخری نعمت اپنی اسی رضامندی کو ظاہر فرماتا ہے، چنانچہ سورہ توبہ میں رحمت اور رضوان کے بعد جنت کے ذکر کو جگہ دی گئی ہے۔

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ اُنکا پروردگار اُنکو اپنی رحمت اور خوشنودی (رضوان) کی خوشخبری

وَجَنَّتٍ لَهُمْ فِيْهَا اَعْيُنٌ مُّقِيْمَةٌ (توبہ - ۳) دیتا ہوں اور اُن باغوں کی جنہیں نعمت الہی قائم رہیگی،

سورہ حدید میں بھی اسی طرح مغفرت اور رضا الہی کے بعد بطور تکملہ کے جنت کا ذکر آتا ہے، فرمایا،

وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۚ وَ مَغْفِرَةٌ اور آخرت میں سخت عذاب ہے، اور خدا کی بخشش اور

مِنْ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ مَّا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا رضامندی بھی ہے، اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان

اِكْلَامَتَا الْعُرْسِ، سَابِقُوْا اِلَى مَغْفِرَتِهِ ہے، اپنے رب کی بخشش اور اُس جنت کی طرف دوڑو جھکا

مِنْ سُرْبِكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ پھیلاؤ آسمان اور زمین کے پھیلاؤ کے برابر ہے، یہ ان کے

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ لِيَبْنٰى لَكُمْ يٰۤاٰمَنُوْنَ جو اللہ اور اُس کے رسولوں پر یقین

وَمِنْ سُلَيْمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ رکھتے ہیں، یہ اللہ کی ہر بانی ہے، جس کو چاہتا ہے،

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (حٰجِد - ۳) دیتا ہے، اور اللہ بڑی ہر بانی والا ہے،

سورہ آل عمران میں جنت کی تمام نعمتوں کو گنا کر اُن کا خاتمہ رضوان کی عظیم الشان بشارت پر کیا گیا ہے،

فرمایا،

لَذَيْنِ الْفُقَرَاءِ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَنْزَلْنَا مِنْ سَمَوَاتِنَا مِثْقَالَ ذَرَّةٍ زُرَّادًا وَرِضْوَانًا مِّنَ اللَّهِ (آل عمران-۲)
 جنھوں نے پرہیزگاری کی، ان کے لیے انکے پروردگار
 کے پاس ایسے باغ ہیں جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں
 وہ سدا رہیں گے اور پاک بیویاں اور اللہ کی خوشنودی
 سورہ توبہ میں جنت کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت رضوانِ الہی کو قرار دیا ہے،

وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسْكِنٍ طَيِّبٍ فِي جَنَّةٍ عِدْنٍ أَوْ رِضْوَانٍ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (توبہ-۹)
 اللہ نے با ایمان مردوں اور عورتوں سے ان باغوں
 کا وعدہ کیا ہے جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں سدا
 رہیں گے اور رہنے کے ستھرے گھر اور اللہ کی رضامندی
 سب سے بڑی ہے وہی بڑی کامیابی
 ہے،

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (فجر-۱)
 اے طمینانِ الٰہی روح! تو اپنے رب کے پاس اس طرح
 واپس جا کہ تو اس سے راضی ہو اور وہ تجھ سے راضی ہو،
 اہل جنت کی یہ صفت آئی ہے،

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (مائدہ-۷۲) خدا ان سے خوش، اور وہ خدا سے خوش،

انہیں آیتوں کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت سنائی ہے کہ خداوند تعالیٰ اہل جنت کو آواز دے گا کہ اے جنت والو! وہ جواب دینگے کہ اے خداوند! ہم حاضر ہیں، سب بھلائیوں تیرے پاس ہیں، فرمایا جنت کی نعمتیں پا کر اب تم خوش ہوئے، عرض کریں گے پروردگار کیون خوش نہ ہوں، کہ تو نے ہم کو وہ کچھ دیا جو کسی کو نہیں دیا، فرمایا کہ میں ان تمام گذشتہ نعمتوں سے بڑھ کر جو چیز ہے وہ تم کو نہ دوں؟ کہیں گے اے پروردگار! ان سے بہتر کیا ہے؟ فرمایا کہ یہ کہ اپنی رضامندی و غشی تم پر اتار دوں، پھر اس کے بعد میں کبھی تم سے ناراض نہ ہوں گا۔

لعلہ غفار دی
 سلا مہر ابوبکر

مقام طیب طاہر | موجود دنیا کی ہر چیز آلودگیوں اور نجاستوں سے بھری ہے، لیکن بہشت وہ مقام ہے جو پاک، ستھرا
لطافت اور طہارت کا منظر ہے، آمین ہی داخل ہونگے جو گناہوں سے پاک ہو چکے ہوں، فرمایا

طِبْتُمْ فَأَدْخَلُوهَا خُلْدِیْنِ (زہر - ۸) تم پاک ہو چکے تو جنت میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ،

جو زندگی وہاں ملے گی وہ بھی پاک و صاف اور ستھری، اور ہر جسمانی و روحانی آلائش سے بری ہوگی، فرمایا،

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ نَشِئْ وَهُوَ

مرد ہو یا عورت جس نے مومن بن کر اچھے کام کئے ہم کو

مُؤْمِنٍ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَیٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ

ایک پاک زندگی دیکر بلائیں گے، اور ان کو ہم ان کے

اَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (نحل - ۱۲) سب سے بہتر عمل کے مطابق بدلہ دیں گے،

جو گھر وہاں ملین گے وہ بھی پاک و صاف اور ستھرے ہونگے،

وَمَسْكِنٍ طَيِّبَةٍ (صف - ۲) اور پاک گھر،

جو بیویاں ملین گی وہ بھی پاک ہونگی،

وَأَنْزِلَآءٍ مُّطَهَّرَةٍ (ال عمران - ۲) اور پاک بیویاں،

وہاں کی جو باتیں ہونگی وہ بھی پاک،

وَهُدًى وَآلِی الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ (ج - ۳) اور اہل جنت کو پاکیزہ گفتگو کی طرف رہنمائی کی جائیگی،

اُن کو پینے کی جو چیزیں ملے گی وہ بھی پاک ہونگی،

وَشَرَابًا طَهُورًا (دھر - ۱) اور پینے کی پاک چیز،

غرض کہ ہر چیز وہاں، پاک، صاف، طیب و طاہر ہر روحانی و جسمانی آلودگیوں سے ستھرا ہوگی،

مقام تسبیح و تہلیل | اس آرام و لطافت کے بعد اہل جنت کی روحانی لذت، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تسبیح و تہلیل ہوگی

یہ اُن کی روحانی غذا ہوگی، وہ عالم جہان ہر طرف انوار الہی برستے ہیں، جہان صفائی اور ستھرائی کے سوا کوئی اور

منظر نہیں، جہان قدس و نزاہت کی ہر طرف صورتیں نظر آئیں گی، وہاں حمد و ثنا کے روح افزا ترانے بھی ہر طرف

سے بلند ہونگے،

دَعَا لَهُمْ فِيهَا بِسُحُفِكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ
فِيهَا سَلَامٌ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ اِنَّ الْحَمْدَ
لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، (یونس-۱)
جنت میں اُن کی نداء یہ ہوگی کہ اے میرے اللہ تیری
پاکی اور اُن کی آپس کی دعا، سلامتی ہوگی، اور انکی آخری
پکار یہ ہوگی، کہ دنیا کے پروردگار اللہ (تعالیٰ) کی حمد
جنت کی تمام شاہانہ نعمتوں کے بعد بڑی نعمت یہ ہوگی، کہ خدا کی تسبیح و تہلیل کی نئی نئی پر لطف راہیں وہاں
پر کھلینگی ہنسرایا،

اِنَّ اللَّهَ يَدْخُلُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَ
لُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ وَهُدًى
اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدًى اِلَى
صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ، (حج- ۳)
بیشک اللہ اُن کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اُن
باغوں میں داخل کرے گا، جنکے نیچے نہریں بہتی ہوں، انہیں
انگوٹھوں کے گنگن، اور موتی پہنائے جائیں گے، اور انکی پوشاک
اُن میں ریشم کی ہوگی، اور وہ راہ دکھائے جائیں گے اچھی
بات کی، اور دکھائے جائیں گے اُس سراسر با حمد
(ذات) کی راہ،

وہ اپنے ہر سرور اور نعمت کے شکر یہ میں فرشتوں کے ساتھ مل کر حمد الہی کا سرودِ سرمدی گائیں گے، اور یہ وقت

ہوگا جب عالم وجود کے ہر گوشہ سے اسکی حمد کا ترانہ بلند ہوگا، فرمایا،

وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ
فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ، وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ
الَّذِي صَدَقْنَا وَعَدَاةَ وَاَوْفَا تَنَا الْاَوَّلِينَ
نَتَّبِعُوا مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ فَنِعْمَ
اَجْرُ الْعَامِلِينَ، وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ سَاقِفِينَ
جنت کے نگہبان اُن سے کہیں گے، تمہارا سلامتی ہو،
تم پاک ہو چکے تو جنت میں چلے جاؤ، اہل جنت کہیں گے
اُس اللہ کی حمد جو جس نے اپنا وعدہ بچا کیا، اور ہم کو اس
سرزمین کا مالک کیا، کہ جنت میں جہاں چاہیں رہیں
وہ کام کرنے والوں کی کیسی اچھی مزدوری ہو، اور یہ کھینکے

مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۖ

کہ فرشتے عرش الہی کو گھیرے اپنے پروردگار کی حمد کی تسبیح

وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ

کر رہے ہونگے اور سب لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا جائیگا

الْعَالَمِينَ. (زمر - ۸)

اہل جنت کے متعلق قرآن پاک میں ایک جگہ ہے،

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا سُلْهًا وَلَا جِهَادًا ۚ وَلَهُمْ

وہ نہ سنیں گے وہاں بیکار بات، مگر سلام اور ان کی

سُورَةٌ فِيهَا بُكْرَةٌ وَعُشْيَا. (مریم - ۴)

روزی انہیں صبح اور شام ہوگی،

اس صبح و شام کی روزی سے مقصود کیا جنت کے کھانے کے الوانِ نعمت ہیں؛ اگر ایسا ہوتا تو صبح و شام

کی تخصیص کیا تھی، وہ تو ہر وقت سامنے ہونگے، میرا لگان یہ ہے کہ اس روزی سے خدا کی تسبیح و تہلیل کی روحانی روزی

اور ربانی غذا مراد ہے، اور حدیث کے ان لفظوں کو اسی کی تفسیر جانتا ہوں، صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے جنت کی

نعمتوں کے سلسلہ میں فرمایا،

يُسَبِّحُونَ اللَّهَ بُكْرَةً وَعُشْيَا. (صفحة الجنت) وہ صبح اور شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کریں گے،

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اہل جنت کو خدا کی تسبیح و تقدیس کا امام ہوا کریگا، اور شاید قرآن

پاک کی اس آیت کے یہی معنی ہوں،

وَهْدُ إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهْدٌ ۖ

اور اچھی بات کی طرف انکی رہنمائی کی جائیگی، اور اس پر

إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ (حج - ۳)

حمد کا راستہ ان کو بتایا جائے گا،

مقامِ قرب | اہل جنت کو جو کچھ نصیب ہوگا، ان سب کے سوا سب اعلیٰ مرتبہ قرب خاص کا مقام ہے، بندے اپنے

پروردگار کی حضوری کا شرف پائیں گے، قرآن پاک میں جا بجا ان کے لیے یہ آتا ہے جَزَاءُ هُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ تَكُنِي

جَزَاءُ ان کے پروردگار کے پاس۔ یہ قرب خاص کے اشارے ہیں، اور ایک جگہ یہ اشارہ اس تصریح سے بدل جاتا ہے

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ، فِي مَقْعَدٍ

بیشک پر بیٹھا رہا غنم دین اور نہروں میں، بچائی کی

صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ (قمر-۳) نشست گاہ میں اُس بادشاہ کے حضور جیسا سب پر قبضہ ہے،

دیدار | جنت کی سب سے آخری لیکن بڑی نعمت، اللہ تعالیٰ کی تجلی کا نظارہ ہے، کون ہے جو اس مطلعِ انوار کے دیدار کی تاب لاسکے، تاہم یا تو یہ آنکھیں کچھ اور آنکھیں ہونگی، یا وہ نورِ مطلق کسی خاص شان میں نمایاں ہوگا، اُس وقت یہ عالم ہوگا، کہ وہ نور کا مرکز بن کر نمودار ہوگا، اور اہل جنت کی شتاق آنکھیں اس کی طرف اٹھی ہونگی،

وَجُؤا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا ۖ اِلٰى سِرِّهَا نَاظِرُوْنَ ۚ

کتنے چہرے اُس دن تروتازہ اور اپنے پروردگار کی

دیکھ رہے ہونگے،

(قیامہ-۱)

اسی آیت کی تفسیر میں حضرت جریر بن عبداللہ صحابی روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ تم اپنے پروردگار کو بالمشاہدہ دیکھو گے، دوسری روایتوں میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جیسے چاند کو تم دیکھ رہے ہو، ایسے ہی تم اپنے پروردگار کو دیکھو گے، اس دیدار و رویت میں کوئی ایک دوسرے کا مزاحم نہ ہوگا، اس تمثیل سے آپ کے ذو مقصود ہیں ایک تو شدتِ لقین کا اظہار کہ جس طرح تم اس روشن چاند کو بے شک و شبہ دیکھ رہے ہو، اسی طرح بے شک و شبہ اپنے پروردگار کو دیکھو گے، دوسرا مقصد یہ ہے کہ جس طرح لاکھوں کا مجمع بھی ہو تو سب لوگ ایک چاند کو یکساں حیثیت سے باطنیان اس طرح دیکھ سکتے ہیں، کہ ایک کا دیکھنا دوسرے کے دیکھنے میں عائق نہیں ہوتا، اسی طرح دیدارِ الہی کر ڈرون کا جرم مانع نہ ہوگا، اتنا ہی نہیں بلکہ جس دن جنتی اپنے پروردگار کے حضور میں پیش ہوئے اُن کی زبان پر سلامتی کی دعا ہوگی۔

يَحْيِيهِمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ (احزاب)

انکی عاجبہ اپنے پروردگار سے ملنے کے سلامتی ہوگی

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ سراپا رحمت پروردگار خود اپنے بندہ کو اپنی زبان سے سلامتی کا پیام دیگا،

سَلَامٌ قَدْ لَاتِمْنَ شَرِبَتْ رَحِيمٍ (یس-۴)

رحمت ملے پروردگار کی طرح پیما سلامتی ہوگا،

بخاری میں ہے کہ آپ نے فرمایا خداوند تعالیٰ اپنے بندہ سے ترجمان کے بغیر خود کلام فرمایا کرتا تھا۔

لے صحیح بخاری جلد ثانی ص ۱۱۰ لے ایضاً باب کلام الرب،

یہ روایت کیونکر ہوگی، اہل روایت لفظ کے قائل ہیں، اہل عقل زیادتِ ایمان کی تاویل کرتے ہیں، اہل حقیقت اُس کو اسماء و صفات کی ناقابلِ بیان جلوہ انگیزی سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن فیصلہ یہ ہے،

بیاکین داویر ہمارا بہ پیش، داویر اندازیم

ان تعلیمات کا عملی اثر | اوپر کے صفحوں میں قیامت، جنت و نشت اور جنت و دوزخ کے پورے مناظر گزر چکے، یہ ایمان بالغیب مذہب کی حقیقت کا اصلی جوہر ہے، اور اسی کے یقین میں مذہب کی اصلی طاقت پوشیدہ ہے، معلوم ہو چکا ہے کہ اہل عرب کو ان حقائق کی تسلیم سے کس قدر انکار تھا، بلکہ مکرر جی اٹھنا، اور اس موت کے بعد دوبارہ زندگی اُن کے نزدیک کس قدر مستبعد تھی، قرآن پاک کا بڑا حصہ شرک کے ابطال اور توحید کے اثبات کے بعد اسی حیات بعد الموت کی تلقین، اور اس پر ایمان کی دعوت پر مشتمل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اکثر خطبوں میں اس کا حال بیان کیا کرتے تھے، اور جمعہ کے خطبوں میں خصوصیت کیساتھ سورہ قیامت تلاوت فرماتے تھے، جہنم قیامت کے حالات ہیں، مگر دیکھو کہ ۲۳ برس کی مسلسل تعلیم، قرآن پاک کی تاثیر، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ ہدایت سے نہ صرف ان کا ہوا اقرار سے بدل گیا، بلکہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ مناظر اُن کے دل و دماغ کی لوح میں منقوش ہو گئے تھے، یاد ہو گا کہ اسلام کے آغاز میں ایک عرب شاعر نے طنزاً کہا تھا،

اموت ثم بعث ثم حشر
حدیث خرافۃ یا اقرع

کیا مرنا ہو، پھر جینا، اور پھر اکٹھا ہونا
اے عمر کی مان، یہ خرافات باتیں ہیں

لیکن چند ہی سال کے بعد یہ طنز انکار، مزیقین سے بدل گیا، اور اس وقت عرب کا شاعر یہ کہنے لگا، ہم آسمان تک پہنچ گئے اور خدا سے امید ہے کہ ہم اس سے بھی اونچے جائیں گے،

وَاِنَّا لَنَرٰکُمْ فَوْقَ ذٰلِکَ مَظْہَرًا،
اور ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ اس سے بھی بلند مقام میں ملو گے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم استفسار فرماتے ہیں کہ آسمان سے بھی بلند مقام اور کیا ہے؟ عرض کرتا ہے کہ جنت یا رسول اللہ! آپ فرماتے ہیں "انشار اللہ دیکھو کہ جنگی نظریں زمین سے اونچی نہیں جا پاتی تھیں، ان کا تخیل آسمان سے بھی اونچا جانے لگا،

جنکو مکر پر چینا دور از غفل معلوم ہوتا تھا جنکو آخرت کے مواخذہ کا کوئی ڈرنہ تھا، جنکو اپنے اعمال کی جوابدہی کی پروا نہ تھی، جو سزا و جزا کے مفہوم سے بیگانہ تھے، جو جنت و دوزخ کے تخیل سے نا آشنا تھے وہ اس ہولناک منظر سے ڈرنے لگے، دوسری زندگی پر ان کو اسی طرح یقین آگیا جس طرح آج کی زندگی پر تھا، آخرت کے مواخذہ سے وہ بید کی طرح کانپنے لگے، اعمال کی جوابدہی سے ترسان و لرزان رہنے لگے، سزا و جزا کے خوف سے وہ اپنے ہر عمل کی باز پرس خود کرنے لگے، جنت کا اشتیاق ان کو بڑی سی بڑی قربانی پر آمادہ کر دیتا تھا، دوزخ کا ڈران کے دل کے اندر کے ہر تار کو چھڑا کرتا تھا، انکی آنکھوں کو اشکبار رکھتا تھا، فرائض اور ذمہ داری کو دیانتداری کے ساتھ ادا کرنے پر ہر لحظہ ان کو آمادہ کرتا رہتا تھا، راحت کے خواب اور آرام کے بستر سے ان کو چونکا کر عمل کے میدان میں تنہا لے آتا تھا، اور ہر نیک کام اور عمدہ عمل کے لیے ان کو بہترین سرگرم اور سرتاپا مصروف و جدوجہد بنا دیتا تھا، تنہائی اور تاریکی میں بھی ان کے دل اور بدن کو برائیوں اور بد اعمالیوں سے باز رکھتا تھا، ان کے ضمیر اور دل کے صفحوں کو ہر وقت خدا کی آنکھوں کے سامنے کھلا رکھتا تھا،

ایک دفعہ دو صحابہ یون میں کسی حقیقت کے متعلق جھگڑا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فریقین کی باتیں سن کر ایک کے حق میں اور سکا فیصلہ دیدیا، پھر فرمایا: میں بھی ایک آدمی ہوں، مدعی اور مدعا علیہ میں سے ممکن ہے کہ کوئی زیادہ اچھا بولنے والا ہو، جو اپنے دعویٰ کو خوبی کیساتھ بیان کرے، اور میں اُس کے موافق اور سکا فیصلہ دوں، لیکن درحقیقت وہ چیز اُسکی نہ ہو، تو گویا میں اُس کے گلے میں آگ کا ایک طوق پہنا رہا ہوں، یہ سن کر فریقین پر یہ اثر ہوا کہ دونوں رونے لگے اور ہر ایک اپنا حصہ دوسرے کو دینے لگا،

حضرت عمرؓ خدا کے مطیع و فرمانبردار تھے، رسول کے عاشق و شیدا تھے، نیکوین سے مالا مال تھے، جنت کی بشارت سے سرفراز تھے، تاہم آخرت کے مواخذہ اور جوابدہی سے اس قدر خوف زدہ تھے کہ ایک دفعہ انھوں نے کہا کہ اگر وہاں نبوی کے بعد میرے اچھے اور برے اعمال برابر برابر ہیں تو بھی میں خوش ہوں، اگر جنت نہ ملے تو پروا نہیں، مگر الٰہی دوزخ نہ ملے، وہ نزع کی حالت میں بہت بچپن تھے، بعض صحابہ ان کے اچھے اعمال گنا کر ان کو تسلی دینے لگے، تو جواب

میں کہا۔ خدا کی قسم اگر کل زمین میرے لئے سونا ہو جاتی کہ اُس کو دیکر غذا پلٹ الٹی سے بچ سکتا، تو میں دیدیتا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کہتی تھیں "اے کاش میں جنگل کی گھاس لے لیتی۔" اے کاش میں کچھ نہ لے لیتی۔

قیامت کے متعلق قرآن پاک کی یہ عجیب مثنوی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ، يَوْمَ تَرَوْهَا تَذْهَبُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَى وَمَا هُمْ بِسُكَارَى وَلَكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ، (سجہ - ۱)

لوگو! اپنے رب سے ڈرو، قیامت کا بھونچال ایک بڑی چیز ہے جس دن اس کو دیکھو گے، ہر دودھ پلانے والی عورت اپنے دُؤ پیٹے بچہ کو بھول جائیگی اور پیٹ والی اپنا پیٹ ڈال دیگی اور لوگوں کو نشہ میں دیکھو گے، لیکن وہ نشہ میں نہ ہوں گے بلکہ خدا کا عذاب سخت ہوگا،

جب اتری اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو سنا یا، اور اس کی تفسیر کی، تو اُن کے چہروں کا رنگ بدل گیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کا ذکر کیا، اور موت کے بعد کے عذاب کا حال بیان کیا، تو صحابہ چھین مار مار کر رونے لگے، حضرت ابو ہریرہؓ کو ایک بار قیامت کے ایک منظر کے بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی تو اس نے روایت میں وہ تین دفعہ بیہوش ہو کر گرے، اور جب امیر معاویہ کے سامنے یہ روایت دہرائی گئی تو اُن پر بھی گریہ طاری ہو گیا، اس یقینِ ایمان کا دوسرا سامان یہ ہے کہ بدلہ کا میدانِ جنگ ہے، مشرکین کی ایک ہزار لوہے میں ڈوبی ہوئی تونچ کا سیلاب امنڈ آ رہا ہے، اور تین سو نہتے مسلمان صف باندھے کھڑے ہیں کہ آپ صحابہ کی طرف خطاب کر کے فرماتے ہیں: لو اُس جنت کا موقع سامنے ہے، جسکی وسعت آسمان و زمین کے برابر ہے، ایک انصاری ہجرت سے پوچھتے ہیں کہ کیا آسمان و زمین کے برابر آپ فرماتے ہیں ہاں، وہ خوشی سے واہ وا کہہ اٹھتے ہیں، آپ دریافت فرماتے ہیں کہ تم نے واہ وا کیوں کہا، عرض کی، اس امید سے کہ شاید میں بھی اُس میں ہوں، فرمایا تم اُس میں ہو، یہ سن کر وہ کھجور نکال نکال کر جلدی جلدی

عکس جان زدند
ابواب الہدیٰ

صحیح بخاری فضائل حضرت عمرؓ جلد اول صفحہ ۱۵۷ ابن ماجہ والنسائی ۱۵۷ صحیح بخاری مناقب عائشہؓ تفسیر سورہ نور و مستدرک حاکم ترجمہ عائشہؓ و ابن عساکر سند عائشہؓ صحیح بخاری تفسیر سورہ حج جلد دوم ۱۵۷ ابن ماجہ ترمذی تفسیر سورہ حج ۱۵۷ سنن نسائی کتاب النہای باب التعمود من القبر،

کھانے لگے، بالآخر جنت کے جانے میں اتنا توقف بھی شاق گذرا، بولے اتنی دیر بھی کیوں کی جائے، یہ کہہ کر کجورین پھینک دیں اور تلوار کھینچ کر آگے بڑھے اور شہید ہوئے،

غزوہ احد میں بھی اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا، اُحد کے میدانِ دار و گیر کا شور برپا تھا، لاشوں پر لاشیں گر رہی تھیں کہ ایک صحابی نے آگے بڑھ کر پوچھا یا رسول اللہ! اگر خدا کی راہ میں مارا گیا تو کہاں ہو گا، فرمایا جنت میں وہ کھجور کھا رہے تھے ہاتھ سے کجورین پھینک دیں اور لڑ کر جان دیدی، قیس ایک صحابی تھے، وہ ایک جہاد میں شریک تھے، انھوں نے اسلامی فوج کے سپاہیوں کے سامنے کہا رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ جنت کے دروازے تلواروں کے سایہ کے نیچے ہیں ایک معمولی سا مسلمان پاس کھڑا تھا، اس نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ کیا آپ نے خود رسول اللہ صلعم کو یہ کہتے سنا ہے، انھوں نے کہا ”ہاں“ یہ سن کر وہ اپنے دوستوں کے پاس آیا اور سلام کر کے رخصت ہوا، میان توڑ کر پھینک دی، اور تلوار لیکر دشمن کی صف پر جا پڑا، اور شہادت حاصل کی،

ان حیرت انگیز واقعات میں سے ہر ایک واقعہ پر غور کرو کہ محمد رسول اللہ صلعم کی تعلیم نے اس منکر و کافر عرب کے دل کو باغ اور ذہن و اعتقاد کو کس طرح آن کی آن میں بدل دیا، اور دم کے دم میں عربوں کے عقائد، اخلاق اور کارناموں کو انسان سے کہاں پہنچا دیا۔



۱۔ یہ تینوں واقعے صحیح مسلم کتاب الجہاد باب ثبوت الجنتہ للشہیدین ہیں، دوسرا واقعہ سنن نسائی میں بھی ہے، کتاب الجہاد باب ثواب من قتل فی سبیل اللہ،

قضاوت

إِنَّا كُلُّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (قرآن)

اگرچہ قرآن پاک میں ایمان کے سلسلہ میں اس کا ذکر کہیں نہیں آیا، مگر اسکا اعادہ بار بار قرآن میں اتنی دفعہ ہوا کہ اسکی اہمیت اسکی مقتضی ہے کہ اُس کو بھی ایمانیات کے پہلو میں جگہ دیجائے پچانچہ بعض صحیح حدیثوں میں یہ ایمانیات کی آخری کڑی قرار بھی دگئی ہے، اور سلسلہ توحید میں اسلام نے اللہ تعالیٰ کی وسعتِ قدرت اور مشیتِ مطلقہ کا جو نقشہ کھینچا ہے، اسکا لازمی نتیجہ بھی یہی ہونا چاہئے،

اس عقیدہ کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ اب تک ہوا جو کچھ اب ہو رہا ہے، اور جو کچھ آئندہ ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ کے علمِ سابق اور فیصلہ ازلی کے مطابق ہوا ہے، ہوتا ہے، اور ہوگا، جس طرح مُنَدِس اور انجینئر مکان بنانے سے پہلے مکان کی تمام جزئیات پر غور کر کے پہلے ہی سے نقشہ تیار کر لیتے ہیں، اور اسی مجوزہ نقشہ کے مطابق معمار اور مزدور اس تعمیر کو مکمل کرتے ہیں، اسی طرح اس منَدِسِ ازل خالقِ کائنات نے کائنات کی پیدائش سے پہلے اس کے تمام اصول و قواعد اور دوسرے اہم جزئیات طے کر کے ہر چیز کی نسبت فیصلہ کر دیا تھا، اب اُسی فیصلہ کے مطابق یہ کائنات اور اُس کے تمام حوادث و واقعات انجام پا رہے ہیں، موت و حیات، فقر و غنا، کامیابی و ناکامی، تکلیف و راحت، ہر چیز پہلے سے طے شدہ ہے، اور اسی کے مطابق وہ ظہور پذیر ہوتی ہے،

نفس یہ عقیدہ بھی اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں، جو کچھ مخصوص ہے، وہ اسکی نیکی تعلیم ہے،

تورۃ میں حضرت آدمؑ و شیطان اور ہابیل و قابیل کے قصوں میں اس عقیدہ کے اشارات پائے جاتے ہیں

۱۔ صحیح مسلم بروایت ابن عمر و ابو ہریرہ باب الایمان،

حضرت یوسفؑ کا خواب اسی ایک حقیقت کی تعبیر ہے، مگر ان اشارات سے گذر کر زبور میں اسکی کھلی کھلی تعلیم بھی ملتی ہے، زبور ۱۳۸-۱۴۰ میں ہے،

”تیرے کام حیرت افزا ہیں، اسکا میرے جی کو بڑا یقین ہے، جبکہ میں پردے میں بنایا جاتا تھا اور
زمین کے اسفل میں منقوش ہوتا تھا، تو میرے جسم کی صورت تجھ سے چھپی نہ تھی، تیری آنکھوں نے
میرے بے ترتیب مادہ کو دیکھا، اور تیرے دفتر میں یہ سب چیزیں تحریر کی گئیں، اور اُن کے ذریعہ
کا حال بھی کہ کب ٹنگی، جب ہنوز اُن میں سے کوئی بھی نہ تھی“

اس کے بعد زبور ۱۴۰ کا ترانہ حمد اسی لئے میں شروع ہوتا ہے،

”..... خداوند کے نام کی ستائش کریں کہ اُس (خدا) نے حکم دیا اور وہ (خلوق)“

موجود ہو گئے، اُس نے اُن کو ابدی پایداری بخشی، اُس نے ایک تقدیر مقرر کی جو ٹل نہیں سکتی۔“

انجیل میں اسکی تعلیم خدا کی مرضی کے عنوان سے ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندگی کی آخری شب کی دعا

میں فرماتے ہیں، ہمیری مرضی نہیں، تیری مرضی پوری ہو (متی ۲۶-۳۹) اور اسی مرضی کا ذکر یوحنا (۵-۳۰) اور

۳۸ اور خطوط (فلپون ۲-۱۳) میں ہے اور رومیوں کے نوین باب میں اسکی پوری تفصیل ہے، مگر خاتم النبیین

علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم نے اول یہ کیا کہ اس مسئلہ کی محفل حقیقت کی توضیح کی، اور اسکی حکمت و مصلحت کی تشریح کی اور

دوسری بات یہ کہ گذشتہ ذرا سب کی طرح اپنے دفتر کے کسی ایک گوشہ میں بطور ایک حقیقت ثابتہ کے اسکو امکر خاموشی

اختیار نہیں کر لی، بلکہ بار بار اتنی دفعہ ہر ایک کہ سننے والوں کے دلوں میں اسکی عقیدت نے گھر پیدا کر لیا، اور یہ

تلقین یقین کی صورت میں انکی رگ وریشہ میں پوست ہو گئی، اور ایسا اُس نے اس لیے کیا تاکہ صبر و شکر کی اخلاقی

تعلیم صرف نظریہ کی صورت میں نہ رہ جائے، بلکہ عملی حیثیت میں اُس کے پیروں کے اندر استقلال و ثبات کی روح

اور دنیا کے مصائب و محاذ میں تسلی و تشفی کی قوت پیدا کرے، اور اس طرح یہ عقیدہ پہلے کی طرح صریح و عیناً مذہبی

تلقین یا فلسفیانہ نظریہ کی حیثیت میں نہ رہے، بلکہ ایک مفید عملی تعلیم کی شکل اختیار کر لے۔

وحی محمدی نے اس اصطلاح کے لیے فقط اختیار کئے ہیں ایک قدر ہے جس کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں اور دوسرا قصا جس کے معنی فیصلہ کرنے کے ہیں،

إِنَّا كُلُّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (قمر - ۳) ہم نے ہر چیز کو اندازہ سے پیدا کیا،
هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ طِينٍ ثُمَّ قَضَىٰ أَجَلًا (الاعراف - ۱) وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے بنایا پھر ایک وقت کا فیصلہ کیا،

یہ دونوں فقط بجائے خود اس عقیدہ کی اسلامی حقیقت کو پوری طرح واضح کر دیتے ہیں، مقصود یہ ہے کہ کائنات کی پیدائش سے پہلے کائنات کی ہر چیز کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے اندازہ اور تقدیر سے ہر ایک کا فیصلہ فرما دیا اور متعین کر دیا ہے، اسی کے مطابق یہ کائنات چل رہی ہے، اس میں خدا کے حکم کے بغیر ایک ذرہ کا بھی تغیر نہیں ہو سکتا، آسمان کو جس طرح بنایا، آفتاب کو جس طرح روشن کیا، چاند کے متعلق جو اصول مقرر فرمایا، ستاروں کے نکلنے اور ڈوبنے کے جو احکام دیدیئے، موت و حیات، فنا و بقا، اور عروج و زوال، غرض کائنات کی ہر شق اور پہلو کے متعلق جو اصول متعین فرمادیئے، ان میں پروردہ چل رہی ہے، قرآن پاک میں کائنات کے بہت سے حالات کے بیان کرنے کے بعد

وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا أَذَلِكَ نَقْدَرُ اور سورج اپنے ٹھکانے پر چل رہا ہے، یہ ہے غالب اور
الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۚ وَالْقَمَرَ قَدْ رَزَمْنَا مَنَاقِبَ علم والے کی تختہ (اندازہ) اور چاند کو ہم نے تقدیر (اندازہ)
حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ۚ لَا تَسْفُهُنَّ کردی ہیں منزلتیں، یہاں تک کہ وہ پرانی ٹہنی کی طرح خمیدہ
يُتَّبَعْنَ لَهَا أَنْ تَدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا يُلْبَسُ ہو کر لٹوٹا ہے نہ تو سورج کی قدرت میں ہے کہ چاند
سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ، کوپاے، اور نہ رات دن سے آگے بڑھے، ہر ایک اپنے مدار میں تیر رہا ہے، (یس - ۳)

یہ تو آسمان کی بات تھی، زمین کے متعلق ارشاد ہوا،

وَقَدْ سَرَفْنَا آفَاقَهُمَا (حمسجد - ۳۱) اور زمین میں اسکی روزیاں اندازہ کر دیں

اس سے آگے بڑھ کر یہ کہ دنیا کی ہر چیز میں اُس نے ایک اندازہ مقرر کر دیا،

قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (طلاق-۱) اندر نے ہر چیز کیلئے ایک اندازہ بنایا ہے،

موت و حیات بھی اسی اندازہ کے مطابق ہے، فرمایا،

لَخَنُ قَدْ زَنَّا بَيْنَكُمْ الْمَوْتَ (واقعہ-۲) ہم نے تمہارے درمیان موت کا اندازہ کر دیا،

ہر شے میں اللہ تعالیٰ نے جو اندازہ لگایا ہے، وہ وہی چیز ہے جسکو لوگ قانونِ فطرت کہتے ہیں، اور جس پر دنیا

چل رہی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کائنات کے ہر حصہ اور ہر پہلو کے متعلق اپنے احکام متعین فرما دیئے ہیں،

جن کی اطاعت اُس پر واجب ہے، علیٰ ہذا انسانوں کی ترقی و زوال، موت و حیات، بیماری و صحت، دولت و

افلاس، آرام و تکلیف، سعادت و شقاوت ہر ایک کے اصول و قواعد مقرر فرما دیئے ہیں، غرض اُن کو آرام و تکلیف

جو کچھ بھی پیش آتی ہے، خدا کے علم اور اجازت سے پیش آتی ہے،

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (تفاہ-۱) نہیں پہنچی تمکو کوئی مصیبت لیکن اللہ کے حکم سے،

اور چونکہ تقدیر سے کوئی چیز ہٹ نہیں سکتی، اسلئے مقدرات کو نوشتہ الہی سے تعبیر کرتے ہیں، کہ جس طرح لکھی

ہوئی بات قائم رہتی ہے، مٹی اور بھولتی نہیں، ایسے ہی یہ باتیں بھی ملتیں اور بدلتی نہیں،

وَمَا تَحْصِلُ مِنْ أَثَرٍ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ اور کوئی عورت حمل میں نہیں رکھتی، اور نہ جنتی ہے، لیکن خدا

وَمَا يُعْمَرُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا بِمُقَدَّرٍ کے علم سے، اور نہ کسی دراز عمر کو عمر کی دوازی ملتی ہے،

إِلَّا فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ یا اسکی عمر کم ہو جاتی ہے، لیکن وہ کچھ میں ہے، بیشک

(فاطر-۲) یہ اللہ پر آسان ہے،

اس آیت پاک میں دو ٹکڑے ہیں، ایک یہ کہ جو عورت بھی اپنے پیٹ میں بچہ رکھتی ہے، یا جو بچہ جنتی ہے

وہ خدا سے پاک کے علم سے ہے، دوسرا ٹکڑہ یہ ہے کہ جس کو چھوٹی بڑی جو عمر بھی ملتی ہے وہ کتابِ الہی میں پہلے سے

لکھی ہوتی ہے، ان دونوں ٹکڑوں کے ملائے سے معلوم ہوگا کہ کتابِ الہی میں ہونا، اور علمِ الہی میں ہونا، دونوں

ہم معنی ہیں،

قرآن پاک نے اس کو بھی ظاہر کیا ہے کہ قضا و قدر کے عقیدہ کی فلسفیانہ حقیقت سے زیادہ اسکی نظر اس عقیدہ کی اخلاقی اہمیت پر ہے، انسان کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی ناچیز کوشش کی ذرا سی کامیابی پر فخر و غرور کے نشہ میں چور ہو جاتا ہے اور ذرا سی ناکامی پر وہ دل شکستہ ہو کر ہمت ہار بیٹھتا ہے، یہ دونوں مختلف اخلاقی بیماریاں ہیں اس کو لاحق ہوتی ہیں، کہ وہ اپنے کام کے اچھے یا برے نتیجے کو خود اپنے کام کا لازمی نتیجہ جانتا ہے، اسلئے وہ کبھی اپنے کئے پر مغرور اور کبھی ملول ہوتا ہے، اور یہ دونوں کیفیتیں افراد اور اقوام کی متانت، استقلال اور صبر و ثبات کے جوہر کو برباد کرتی ہیں، اس لیے ایک ایسے عقیدہ کی ضرورت تھی جو کامیابی کے فخر و مسرت اور ناکامی کے افسوس و حسرت و دونوں موقعوں پر عاجز انسانوں کی دست گیری کرے، اور وہ یہی عقیدہ قضا و قدر ہے،

اس عقیدہ کا منشا یہ ہے کہ ہم کو جو کامیابی ہوتی ہے، وہ ہماری کوشش کا براہ راست نتیجہ نہیں، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے، اس لیے اس پر ہمارا فخر و غرور کرنا بجا ہے، اسی طرح ہم کو جو ناکامی پیش آتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کسی حکمت و مصلحت کا نتیجہ ہے، اور ہمارے کام سے پہلے ہی ہمارے کاموں کے نتیجے اس علام الغیوب کے علم میں مقرر ہو چکے تھے، اس لیے ہم کو دل شکستہ اور بالوس نہ ہونا چاہیے، بلکہ اُسی جوش و خروش اور سرگرمی سے پھر از سر نو جد و جہد میں مصروف ہو جانا چاہئے،

اس مسئلہ کی یہ پوری توضیح سورہ صدید میں ان لفظوں میں مذکور ہے،

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ

لَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ

نُنَزِّلَ الْأَمْزَارَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ

لَكَيْلًا تَأْسَوْا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا

بِمَا آتَاكُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ

(حدید ۳۰)

کوئی مصیبت نہیں آتی ملک میں، اور نہ خود تم (اس ملک کے بنے

والوں) میں، لیکن یہ کہ وہ ایک کتاب (الہی) میں اپنی پیدا

ش سے پہلے صبح ہوئی جو یہ اللہ پر آسان ہو، ایسا اسیلے کیا گیا

تاکہ تم ہر جو تم سے جانا رہے غم نہ کھایا کرو، اور جو تم کو (اللہ)

دے دے ہر چیز لایا کرو، اور اللہ تعالیٰ کسی اتارنے والے بڑائی ماننے والے

اس آیتِ کریمہ نے مسئلہ قضا و قدر کے فلسفہ کو اس خوبی سے واضح کیا ہے، کہ انہی تائید کے لیے کسی مزید تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہتی، یہ اسی عقیدہ کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام کی گردنیں عین کامیابی و فتوحات کی حالت میں خداوندِ قادرِ مطلق کے آگے جھک جاتی تھیں اور ناکامی کی حالت میں ان کے دل یاس و ناامیدی سے دوچار نہیں ہوتے تھے، اور انکی علی زندگی کا جو نتیجہ بھی پیش آتا تھا وہ اُس کو اپنی طرف سے نہیں، بلکہ خداوندِ عالم کی طرف سے سمجھ کر خاموش رہتے تھے، مالی پچاگی، سیاسی مصیبت، عزیزوں کی مفارقت، لڑائیوں کی ناکامی، کسی موقع پر وہ رحمتِ الہی سے مایوس ہونا نہیں جانتے تھے، اور ہر خطرناک سے خطرناک کام کے لیے وہ قدم اٹھا بیٹھتے تھے، کہ ان کا یقین تھا کہ موت اپنے وقت پر آئے گی اور جو کچھ ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا، اسی لئے ان کے دلوں میں یہ عزم ہوتا تھا، کہ نہ اُسکو پہاڑ روک سکتے تھے، نہ سمندر بہا لے جاسکتے تھے، نہ حوادث کا طوفان اُسکو اکھاڑ سکتا تھا اور نہ بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلے اُسکو جلا سکتے تھے،

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ
كِتَابًا مُّوَجَّهًا وَمَنْ يُؤْذِ ثَوَابَ الدُّنْيَا
لَنُؤْتِيَهُ مِنْهَا وَمَنْ يُؤْذِ ثَوَابَ الْآخِرَةِ
لَنُؤْتِيَهُ مِنْهَا وَسَيَجْزِي الشَّكْرِينَ، وَ
كَانَ مِنْ نَبِيِّ قَتَلَ مَعَهُ بِبَيِّنَاتٍ
كَثِيرَةٍ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ
اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا لِلَّهِ
يُحِبُّ الصَّابِرِينَ،

(ال عمران)

طاع

کی راہ میں انکو جو مصیبت پیش آئی انکی وجہ سے نہ ڈولے ہارے نہ مست ہوئے اور نہ دب گئے، اور اللہ ثابت قدم رہنے والا ہے

ان آیتوں نے یہ واضح کر دیا کہ قضا و قدر کے عقیدہ کا نتیجہ پستی، سُستی، اور دون تہمتی نہیں، بلکہ بلندی، استقلال اور صبر و ثبات ہے، اور یہی وہ چیز ہے جو محمد رسول اللہ صلعم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کارناموں میں ہر دیکھنے والے کو صاف نظر آتی ہے، اُن کو صاحبِ وحی کی یہ تعلیم تھی کہ وہ دشمنوں سے کہدین، کہدین دشمنین، کیونکہ

لَنْ يُصِيبَنَا آلَ مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا
وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (توبہ - ۱۰)

بہر کوئی آفت آئی ہی نہیں سکتی لیکن جو خدا نے ہمارے لیے لکھ دیا ہے، وہ ہمارا آقا ہے، اور اللہ ہی پر چاہئے کہ ایمان والے کی خطرات اور مشکلات کی انگو پڑا نہیں، کہ جن کے لیے موت لکھی ہے وہ میدانِ جنگ میں بھی مرینگے، اور سترِ راحت پر بھی، اور جنگی موت کا مقررہ وقت نہیں آیا وہ تلواروں کی دھاروں کی اور سمندروں کے طوفانوں سے بھی سلامت بچ کر نکل آئینگے،

يَقُولُونَ لَوْ كَانْ لَنَا مِنْ آلَاءِ مَنِّهِ مِمَّا
قَتَلْنَا هَهُنَا قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ
لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى
مَصَاجِعِهِمْ (ال عمران - ۱۷)

منافق کہتے ہیں کہ اگر ہماری بات مان لیا جاتی تو ہم یہاں
مارے نہ جاتے، کہہ دے کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی تھے
تو پھر یہاں مرنا لکھا جا چکا تھا، وہ از خود اپنے مقتل
میں نکل کر چلے آتے،

أَيْنَ مَا تَكُونُوا يُدْرِكُكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ
كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ (نساء - ۱۱)

تم جہاں بھی ہو تم کو موت اگر پا لگی، اگرچہ تم مضبوط و
مستحکم قلعوں میں ہو،

یہی وہ عقیدہ ہے جو مسلمان کی ناقابلِ ہزیمت جرات، اور غیر شکست پذیر عزمیت، اور بے خوف بہادری کا راز ہے، کچھ لوگوں نے اپنی غلط فہمی سے یہ سمجھا ہے کہ مسئلہ تقدیر کے ماننے سے انسان کا مجبور محض ہونا لازم آتا ہے، اور اس سے تعلیم نکلتی ہے کہ انسان اپنی تقدیر پر صابر و شاکر ہو کر سست و غافل بن کر بیٹھ رہے، حالانکہ اگر صحیح ہوتا تو نہ رسولوں کی بعثت تھی، نہ رہائی کتابوں کے اترنے کی حاجت ہوتی، نہ تبلیغ و ارشاد کی تاکید ہوتی، اور نہ اصلاح و ہدایت کا حکم ہوتا، اور خدا کی مخلوق اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتی، مگر ایسا نہیں کیا گیا، لاکھوں

پیغمبر بھیجے گئے، کتنی کتابیں اتریں، کروڑوں مبلغ اور مرشد بنا کر پھیلانے گئے، ہدایت و ارشاد کی تاکید پر تاکید آئی، لوگوں کی دعوت و اصلاح ہر مسلمان کا فرض ٹھہرا گیا، کوشش و محنت سعی و تلاش، اور جدوجہد کی ہر مسلمان کو تاکید کی گئی، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہاد سے معمور زندگی ہمارے لیے نمونہ ٹھہرائی گئی، اور خلفائے راشدین اور عام صحابہ نے اپنے کارناموں سے اس نمونہ کی کامیابی کی تصدیق کی،

اب کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین اور آپ کا عمل و متنازعہ چیزیں تھیں؟ نہیں، یہ دونوں ایک دوسرے کی مؤید تھیں، اور اس طرح یہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتی تھیں کہ اعملوا فکل ميسر لما خلق (بخاری) لوگو! اپنے اپنے کام کئے جاؤ، کہ تم میں سے ہر شخص سے وہی کام صادر ہونگے جسکے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے، کام کرنا انسان کا فرض ہے، اور اس کے نتیجے کے مطابق جزا دینا خدا کا کام ہے، اور تیسری بات یہ ہے، فرمایا،

إِنْ سَعَيْكُمْ لَسَعَى، فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى
وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى، فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى
وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى، وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى
فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى، وَمَا يُغْنِي عَنْهُ
مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى، إِنَّ عَلَيْكَ لَآلِدًا
وَإِنَّ لَنَا لَآلِخَيْرَةٍ وَأَنَا وَلِيٌّ

بے شبہ تمہاری کوششیں مختلف رخ کی ہیں، تو جس نے دیا
اور پرہیزگاری کی، اور نیکی کو سچ کر دکھایا تو ہم اس کو
آہستہ آہستہ آسانی کی طرف لے چلیں گے، اور جس نے
نہ دیا، اور بے پروائی برتی، اور نیکی کو جھٹلایا تو ہم اس کو
آہستہ آہستہ سختی کی طرف لے چلیں گے، اور اسکی دولت مند
انکو گڑھے میں گرنے سے نہیں بچا سکتی، بیشک وہ

(بیل - ۱)

یہ ہے قضا و قدر اور سعی و عمل کی باہمی تطبیق جسکی ثر و لیدگی نے اسلام سے پہلے ایک عالم کو گمراہ کر رکھا تھا، کام کرنا اور عمل کر دکھانا انسان کا فرض ہے، اور اس کے مطابق اسکی جزا کا ملنا جو اس کام کے لیے پہلے سے مقدر ہو چکی ہے، خدا کا کام ہے، نیکون کو آہستہ آہستہ نیکی کے مزید راستہ کے دکھانے کا نام توفیق و ہدایت ہے، اور برون کو خدا کی طرف سے اس توفیق و ہدایت کے نہ ملنے کا نام عدم توفیق و ضلالت ہے، اور ان دونوں میں سے ایک کا ملنا انسان

کی ابتدائی کوشش سے ہے خدا فرماتا ہے،

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (عنکبوت - ۷)

اور جو ہماری بات میں کوشش کرتے ہیں، البتہ ہم

ان کو اپنا راستہ سوجھاتے ہیں،

خدا کی طرف سے توفیق و صلاحیت کا ملنا، خود انسان کے اچھے یا برے عمل کا لازمی نتیجہ ہے،

وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ (بقرة - ۳)

اور ہم اس گمراہ نہیں بناتے لیکن انہیں کو جو ہمارا حکم نہیں مانتے

غرض پہلے فاسق، عدم اطاعت اور نافرمانی ہوتی ہے، تب اُس کے نتیجہ کے طور پر خدا کی طرف سے صلاحیت کا

ظہور ہوتا ہے،

وَأَن تَلِيسَ لِلإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ.

اور انسان کیلئے نہیں لیکن وہی جسکی اُس نے کوشش کی

وَأَن تَسْعَىٰ سَعَىٰ يَدِي (نجم - ۳)

اور میری ہاتھ کی کوشش (خدا کے حضور) دکھی جائیگی،

اسکی مثال بالکل بچہ کی سی ہے، بچہ چلنا یا بولنا کیونکر سیکھتا ہے، وہ پہلے چلنے اور بولنے کی خود کچھ کوشش

کرتا ہے، تو اُس کے والدین اُسکو چلنا اور بولنا سکھاتے ہیں، بچہ پاؤں اٹھاتا ہے اور والدین اُس کے ہاتھ پکڑ کر

اُس کو دو چار قدم چلاتے ہیں، اور اس طرح رفتہ رفتہ آہستہ آہستہ چلنا سیکھتا ہے، وہ پہلے زبان ہلاتا ہے اور مبہم

آوازیں نکالتا ہے تو والدین اُس کو باہمی الفاظ کی تلقین کرتے ہیں، اور اس طرح دونوں کوششیں مل کر بار آور

ہوتی ہیں، اسی طرح تقدیر الہی اور عمل انسانی باہم مل کر انسانوں کی عملی تاریخ تیار کرتے ہیں،

جبروت | عموماً لوگ اسی موقع پر جبر و قدر کے مسئلہ کو چھیڑتے ہیں، یعنی یہ کہ انسان اپنے عمل میں مجبور ہے یا مختار؟

حالانکہ یہ سررشتہ کائنات کا وہ عقدہ ہے جس کا حل نہ صرف یہ کہ مذہب کے ناخن سے نہیں ہوتا، بلکہ عقل کے ناخن

سے بھی نہیں ہو سکتا، جس طرح اہل مذہب ارادہ الہی اور ارادہ انسانی کی باہمی تطبیق میں حیران ہیں، اسی طرح

فلسفہ الہیات کے معلم علم الہی اور انسان کی عملی آزادی کے درمیان، اور فلسفہ اخلاق والے انسان کی آزاد عمل

اور اُس کے مورد فی اثرات، فطری جذبات، اور ماحول کی تاثرات کی مجبور یوں کے درمیان جو تضاد و ممانعت ہے، اُسکو

بشکل بچا سکتے ہیں،

دنیا کے عام مذاہب کا بھی یہی حال تھا، ہر دھاکے مین یہ گروہ اُسی طرح پڑی ہوئی تھی، اور اس کے حل کی صورتیں، وہی انھوں نے نکالی تھیں یا تو سرے سے اس سے خاموشی برتی جائے، اور وہ بے پاؤں اس سے گزر جایا جائے، یا بحث چھیڑی تو جبر ہی کی طرف اُن کا میلان نمایاں تھا، چنانچہ یہی جبر بند و مذاہب مین تنازع، آواگوں اور گرم کی صورت مین ہے، عیسائیوں مین حضرت آدمؑ کے گناہ اور خدا کی مرضی کے پیرایہ مین ہے، اور یہودیوں کے مجموعہ تورات مین حضرت ایوبؑ کا صحیفہ ادھر ہی رہبری کرتا ہے، دوسری طرف مجوسی تھے جنھوں نے انسانی خلیا و آزادی کو یہاں تک بڑھا دیا تھا کہ خود خدا بھی اُس کے آگے مجبور تھا، خدا کو نہ صرف انسانوں کے بلکہ فرشتوں کے کاموں پر کوئی قابو حاصل نہ تھا، غرض انھیں صلح کی بعثت سے پہلے مذاہب کی یہی دو نوعیتیں تھیں، یعنی تو اُن کو اس شکل کی خبر ہی نہیں تھی یا تھی تو خدا کی قدرت مطلقہ اور مشیت عامہ کی اس طرح تعبیر کرتے تھے، کہ انسان بالکل بے بس اور مجبور نظر آتا تھا، یا یہ کہ تنازع کے چکر مین اُس کو چھٹا کر اسکی زندگی کو اُس کے پچھلے جہم کے گرمیوں کے ہاتھوں گرد کر دیتے تھے، یا پھر اس سے بچے تو انسان کو کامل خود مختار بنا کر خود خدا کو مجبور بنا دیا، تمام دنیا مین انھیں صلح ہی کی شخصیت وہ نمایاں شخصیت ہو چکے فریضہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس دیرینہ راز کے چہرہ سے پردہ ہٹایا، حقیقت یہ ہے کہ یہ دو وقتیں ہیں، اور دونوں اپنی اپنی جگہ پر صحیح ہیں، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام دنیا اور اُس کے ذرہ ذرہ پر قدرت مطلقہ رکھتا ہے، اور آسمان و زمین، ہر وہ بخل و انسان و حیوان کوئی چیز نہیں جو اُس کے ارادہ اور مشیت کے بغیر حرکت بھی کر سکے، اس طرح انسان اور اُس کے تمام اعمال بھی اسکی قدرت اور مشیت کے ماتحت ہیں، یہ وہ عقیدہ ہے جو ہر مذہب کی، اور خصوصاً اسلام کی جان ہے، اگر یہ نہ ہو

لے انجیل مین ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنی گرفتاری کی رات کو دو مین فرمایا اے خدا اگر تو اس پیالہ کو ہٹا سکتا ہے تو ہٹا دے لیکن میری نہیں، بلکہ تیری مرضی پوری ہو، عیسائیوں کے جبری و قدری فرقوں کی سرکہ آرائی کا حال فریخ فاضل موسیو دی کانت کی کتاب الاسلام در جہرہ نبویؐ ص ۷۷ سے کسی قدر معلوم ہو سکتا ہے،
 سلفہ شفاء، تعلیل فی القضا، والقدروا لتعلیل حافظ ابن قیمؒ

تو مذہب کی قوت بے اثر ہو کر رہ جائے، اور ایک ایسا خدا ماننا لازم آجائے جس کے اختیارات محدود، جسکی قدرتی ناقص، اور جسکی شاہد شاہی نامتام ہو،

۲۔ دوسری طرف یہ بھی صداقت ہے، کہ دوسری مخلوقات کو نہ سہی، مگر انسان کو اپنے اعمال کے کرنے نہ کرنے کا کسی نہ کسی طرح کوئی اختیار ضرور بخشا گیا ہے، کہ اگر یہ اختیار نہ تسلیم کیا جائے، اور انسان کو اُسی طرح سراپا مجبور فرض کیا جائے، جس طرح دوسری مخلوقات ہیں، تو پھر انسان کے لیے خیر و شر کا امتیاز جزا و سزا، شریعت، کتاب، تعلیم و انبیاء کی بعثت یہ تمام چیزیں بیکار محض ہو جائیں، ظلم و انصاف دنیا میں کوئی چیز باقی نہ رہے، انسان کا کسی فعل پر قابل مدح یا قابل ملامت ہونا بے معنی ہو جائے، کسی اچھے کام پر خدا کا اسکو انعام دینا، اور بلا سبب برے کام پر اسکو عذاب دینا سراسر ظلم بن جائے، بلکہ اس دنیا کی عدالت میں بھی وہ اپنے کسی فعل کا ذمہ دار نہ ٹھہرے، الغرض یہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ پر درست ہیں، ایک یہ کہ خدا کو اپنی مخلوقات پر قدرت تامہ حاصل ہے اور اسکی مشیت ارادہ ہر جزو فل پر حاوی ہے، اور دوسری یہ کہ انسان کو بھی اپنے عمل پر کوئی نہ کوئی ایسا اختیار حاصل ہے، جس کی وجہ سے وہ اپنے اُس عمل کا ذمہ دار بنتا ہے، نیکی کے کاموں کے کرنے پر وہ تعریف کا، اور بدی کے کاموں پر وہ ملامت کا سزاوار ٹھہرتا ہے، اور اسی کی بنا پر وہ اپنی دوسری زندگی میں اپنے فعل کی جزا و سزا پانے کا مستحق ٹھہرے گا، اسی پر وہ فطرت کے سامنے، دنیا کی عدالت میں، اور آخرت میں بھی مواخذہ اور باز پرس کی ذمہ داری میں گرفتار ہے، اور اسی کیلئے خدا کی طرف سے اُس کے پاس ہدایت کی کتاب، اور راستہ دکھانے والے رسول اور نبی آتے ہیں،

آنحضرت صلعم کا صحیفہ ربانی پہلی اور آخری آسمانی کتاب ہے، جس نے ان دونوں صدقوتوں کو پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ ساتھ اپنی اپنی جگہ پر تسلیم کیا ہے، اور اُن کی تبلیغ کی ہے، ایک طرف وہ کہتا ہے کہ خدا کی اجازت کے بغیر رخت کا ایک پتہ بھی گر نہیں سکتا، اور دوسری طرف وہ کہتا ہے، ہر جان اپنے کاموں کے ہاتھوں گرو ہے، یعنی خدا کی ہمہ گیر قدرت، وسیع اختیار اور ناقابل رد مشیت کے باوجود اُس نے خود اپنے اختیار و خود اپنی

مشیت اور خود اپنی حکمت سے انسان کو ارادہ اور ارادہ کے مطابق اپنے کام کرنے والے اعضا کو ہلانے کی مشروط طاقت بخشی، یہی ارادہ اور اعضا کو اس کے مطابق حرکت دے سکنے کی محدود قدرت اسکی ذمہ داری، تکلیف، باز پرس اور مواخذہ کی بنیاد ہے، اور اسی پر اس کے اعمال، اخلاق اور معاملات کی پوری عمارت کھڑی ہے، ایسے انسان پر اس کے کسی ایسے عمل کی ذمہ داری قانوناً اور شرعاً نہیں جو اس کے ارادہ اور نیت سے صادر نہ ہوئی ہو، بلکہ اس کے کرنے یا نہ کرنے میں وہ مجبور ہے اختیار رہا ہو، (إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ) اس تطبیق سے نہ تو خدا پاک کی قدرت و اختیار کی وسعت میں فرق آتا ہے، اور نہ انسان کا تاثر مجبور ہونا لازم آتا ہے، خدا جب چاہے انسان سے اپنے ویسے ہوئے اختیار اور بخشی ہوئی قدرت کو چھین لے، مگر ایک وقت مقرر تک اپنے بنائے ہوئے قانون اور فرمائے ہوئے وعدہ کے مطابق وہ اسکو اس اختیار اور قدرت سے محروم نہیں کرتا، فرمایا

فَمَنْ شَاءَ فَلْيُفِئْ مِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفِرْ (کہتے ہیں)

تو جو چاہے مومن بن جائے اور جو چاہے کافر ہو جائے،

ایسے ہر انسان اپنی جنت آپ بنانا، اور اپنی دوزخ آپ مینا کرتا ہے،

مَنْ عَمِلْ ضَلٰحًا فَلْيَنْفَسِهْ وَمَنْ اَسَاءَ

جس نے نیک کام کیا تو اپنے لیے کیا اور برا کام کیا تو اپنے

فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ (فصلت)

لے کیا، تیرا پروردگار بندوں پر ظلم نہیں کرتا،

کہ اگر ایسا نہ ہو تو وہ ظلم ہو جس سے اللہ تعالیٰ کی جناب پاک برتر ہے، چنانچہ آنحضرت صلم سے ارشاد ہے،

وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ ؕ أَفَأَنْتَ

لے پیغمبر ان میں سے کچھ ایسے ہیں، جو تمہاری طرف کان

تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوا لَا يَعْقِلُونَ، وَ

گھاتے ہیں، تو کیا تم بہرون کو سناؤ گے اگرچہ وہ سمجھتے نہ ہوں

مِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ إِلَيْكَ ؕ أَفَأَنْتَ تَهْدِي

اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو تمہاری طرف دیکھتے ہیں تو

الْعُمَىٰ وَلَوْ كَانُوا لَا يُبْصِرُونَ، إِنَّ اللَّهَ

کیا تم اندھوں کو سوجھاؤ گے، اور اگرچہ وہ نہ دیکھیں

لَا يَظْلِمُ النَّاسُ شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسُهُمْ

بیشک اللہ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا، بلکہ لوگ ہیں جو اپنے

اور آپ ظلم کرتے ہیں،

يَظْلِمُونَ، (یونس)

وہ انسان جو اندھا اور بہرہ نسا ہے، مادی حق کا پیغام نہ سنتا ہے اور نہ اُس پر عمل کرتا ہے، خدا اسکو اندھا اور بہرہ نسا کر پھر اُس کو دیکھنے اور سننے کی تکلیف نہیں دیتا، کہ اگر وہ ایسا کرتا، تو یہ اسکا ظلم ہوتا، اور ظلم کے ہر ثنائے سے اُسکا ہر حکم اور ہر کام بری ہے، لوگوں کو قرآن کی ہدایت و ضلالت کے الفاظ سے بھی دھوکا ہوا ہے، حالانکہ ہدایت اور ضلالت خدا کا وہ فیضان ہے جو انسان کے اچھے یا برے کام کے جواب میں خدا کی طرف سے ہوتا ہے، ضلالت کی نسبت

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَسْوَءَ عَلَىٰ هِمَّةٍ ۖ أَتَذَرُهُمْ

بیشک جنہوں نے (اسلام کی تعلیمات کے قبول) سے انکار

أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ خَتَمَ اللَّهُ

کیا ان کو تمہارا تنبیہ کرنا یا نہ کرنا دونوں برابر ہے وہ ایمان

عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ

نہ لائی گئے، خدا نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر نہر کر دی

غِشَاقًا (بقراءۃ ۱-۲)

اور آنکھوں پر پردہ ہے،

دیکھو جب انسان سے کفر کا صدور پہلے ہو چکا، تب خدا کی طرف سے ضلالت کا فیضان ہوا، اور اسکو تشبیہاً یوں ادا کیا کہ ان کے دلوں پر نہر پڑ گئی کہ سمجھتے نہیں، کانوں پر نہر پڑ گئی کہ سنتے نہیں، اور آنکھوں پر پردہ پڑا ہے، کہ دیکھتے نہیں، دوسری جگہ فرمایا:-

بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ كُفْرَهُمْ (نساء-۱۲)

بلکہ خدا نے انکے کفر کے سبب انکے دلوں پر نہر کر دی،

یہاں بھی ان کا کفر خدا کی فہرہ پر قائم ہے، مقصد یہ ہے کہ جب کفر کا صدور ہوتا رہتا ہے تو دلوں سے صدا شناسی اور اثر پذیری کا جو سبب ہو جاتا ہے، اور یہی خدا کی فہرہ ہے،

برخلاف اس کے اگر لوگ کانوں سے پیغام حق کے سننے، اور آنکھوں سے دیکھنے، اور دل سے سمجھنے کی کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ اپنی توفیق و ہدایت سے سرفراز فرمائے، ارشاد ہوا،

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

بیشک جو ایمان لائے، اور نیک کام کئے انکو انکھ پھڑکا

۱۵ قرآن پاک میں جہاں جہاں خدا کی اس فہرہ کا یہی ذکر ہدایت نہ دیئے جانے کا ذکر ہے، وہاں اس کے کفر و فتن کی علت یہ ہے پہلے ذکر کر دی گئی ہے، اس لیے ان آیتوں سے جبر پر استدلال صحیح نہیں،

يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِآيَاتِهِ (يونس) اُن کے ایمان کے سبب ہدایت دیگا،

وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى (معدن) اور جنہوں نے ہدایت قبول کی انکو ہدایت میں اور بڑھایا،

ایرانی فلسفہ خیر و شر کی آمیزش نے اس مسئلہ کو اور زیادہ الجھا دیا ہے، حالانکہ عربی الفاظ خیر و شر کو اعمال کے خیر و شر سے بحث نہیں، عربی میں مطلق خیر کے معنی دولت و نعمت و آرام کے اور شر کے معنی غربت و تکلیف و مصیبت کے ہیں، قرآن پاک میں یہ دونوں لفظ انہیں معنوں میں آئے ہیں، البتہ جب اُن کے ساتھ لفظ عمل شریک ہوگا تو عمل خیر اور عمل شر کے معنوں میں یہ استعمال ہوگا، جیسے

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ، تو جو کوئی چوٹی برابر نیکی کرے گا وہ اُس کو دیکھ لے گا، اور

وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (بیّنہ) جو برائی کرے گا وہ بھی دیکھ لے گا،

اس لیے حدیثوں کے ان الفاظ میں

وَالْقَدْرُ خَيْرٌ مِنْ شَرِّهِ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى اور اسپر ایمان کہ خیر اور شر کی تقدیر خدا کی طرف سے ہے

کا یہ مطلب نہیں، کہ انسانوں کے اچھے اور برے کام سب خدا کی طرف سے ہیں، بلکہ یہ معنی ہیں کہ انسانوں کو راحت و رنج، مسرت و تکلیف، دولت و افلاس، اور صحت و مرض وغیرہ اچھائی اور برائی سب خدا کی طرف سے پہنچتی ہے، اور اس کے تسلیم کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے؟

بعض لوگوں کو صحیح مفہوم کے سمجھنے میں اُن آیتوں سے بھی شبہ ہوتا ہے جن میں یہ ذکر ہے کہ "اگر خدا چاہتا تو ان کو ہدایت دیتا" اس سے وہ غلطی سے یہ سمجھے ہیں کہ وہ خود خداوند تعالیٰ ہی ہے جو ان کافروں کو ہدایت سے جبراً روکے ہوئے ہے، حالانکہ ان آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ از خود اسلام قبول نہیں کر سکتے، البتہ کہ خود خدا بردستی اُن کو مسلمان بنا دینا چاہے، مگر ایسے زبردستی سے مسلمان یا کافر اور نیک یا بد بنا دینا اللہ تعالیٰ کے جاری قانون کے خلاف ہے، چنانچہ ان آیتوں کا یہی مطلب ہے،

وَمَا تَشَاءُونَ اِلَّا اَنْ يَشَاءَ اللَّهُ (معر-۲) تم نہیں چاہو گے "الایہ کہ خود خدا چاہے" اور (مکمل زبردستی میں نہیں)

مَا كَانُوا إِلَيْكَ مُنْوَا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ (الغافر)

وہ نہیں ہیں کہ ایمان لے آئیں الا یہ کہ خدا چاہے،

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَى (الغافر)

اور اگر خدا چاہتا تو ان کو ہدایت پر متفق کر دیتا،

فَلَوْ شَاءَ لَهْدَاكُمْ أَجْمَعِينَ (الغافر-۱۸)

تو اگر وہ (خدا) چاہتا تو البتہ ان سب کو وہ (خود) ہدایت دیدیتا،

وَلَوْ شَاءَ لَهْدَاكُمْ أَجْمَعِينَ (نحل-۱)

اور اگر وہ (خدا) چاہتا البتہ ان سب کو ہدایت دیدیتا،

مگر اسکی عادت نہیں کہ وہ بندے کے ارادہ اور کوشش کے بغیر از خود کسی کو ہدایت دیدے، اس لیے اس شینیت الہی کے ساتھ قرآن پاک کی وہ آیتیں مطابق ہونی جنہیں بندوں کی شینیت کا بھی اعتبار کیا گیا ہے، فرمایا

فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفِرْ، (مکہ)

تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے،

فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا (مکہ و مدینہ)

تو جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ قبول کرے،

فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ مَآبًا، (نبا-۲)

تو جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف بازگشت پکڑے،

إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا، (ذوقا)

لیکن جو اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کرنا چاہے،

اللہ تعالیٰ کی طرف سے گمراہی بھی اترتی ہے، مگر کن کے لیے، بتصریح فرمایا،

۱۔ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ (لقہ-۳)

اور اللہ اس سے گمراہ نہیں کرتا، مگر نافرمانوں کو،

۲۔ فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (صف-۱)

جب وہ کج ہوئے تو اللہ نے انکے دلوں کو کج کر دیا، اور

۳۔ بَلْ لَرَأَىٰ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَّا كَانُوا إِلَيْكَ يُغْشَوْنَ (طہ)

اللہ نے حکم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا،

۴۔ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ كَيْفَ هُمْ (نساء-۲۲)

بلکہ ان کے کام ان کے دلوں پر رنگ بیگئے،

۵۔ ابْصِرْ فَقُصِّرْ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ، (تہ-۱۶)

بلکہ انکے کفر کے سبب اللہ نے ان پر مهر کر دی،

۶۔ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْكَافِرِينَ (اعراف-۱۳)

وہ پھر گئے، اللہ نے ان کے دلوں کو اس لیے پھر دیا کہ

وہ لوگ سمجھتے نہ تھے،

اسی طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مهر کر دیتا ہے،

۷۔ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْكَافِرِينَ (اعراف-۱۳)

۷۔ فِی قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ ۖ فَأَرَادُوا أَنَّهُمُ اللَّهُ مَرْمِئًا ۖ اُن کے دلوں میں (پہلے سے) (نفاق کی) بیماری تھی

(بقرہ - ۲) تو خدا نے بیماری بڑھادی،

ان آیتوں میں سے ہر ایک پر غور کرو، ہر ایک سے یہ صاف و صریح معلوم ہو گا کہ انسان کی بد اعمالی مقدم ہے، اور اللہ تعالیٰ کا اُس کے جوابی اثر کو اپنی طرف سے ضلالت، گمراہی، زنگ، ہمارا اور بیماری فرمانا مؤخر ہے، اس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضلالت، زنگ، ہمارا اور بیماری کا ارتداد علت اور انسانوں کا کفر و گناہ و نفاق معلول نہیں ہے، بلکہ حقیقت اس کے برعکس ہے، یعنی انسان کا فتنہ، کجی، زنگ، کفر، انصاف (پھر جانا) نادانی اور قلب کی بیماری پہلے ہوتی ہے، اور خدا کی طرف سے اُس کے جواب میں ضلالت و گمراہی اور دل پر مہر بعد کو ہوتی ہے، اور یہی طبعی ہول بھی ہے، انسان جب گرتا ہے تو چوٹ لگتی ہے، اور غمگین ہوتا ہے تب آنسو کے قطرے ٹپکتے ہیں، اگر کوئی اسکو الٹ کر بیان کرے تو یہ کیسی سخت نادانی ہوگی،

بہر حال اس مسئلہ میں مہبط وحی و رسالت محمدؐ رسول اللہ صلعم کی عجیب مصلحت بینی یہ ہے کہ آپ نے اپنی امت کو اس پر جس شدت سے ایمان لانے کی تلقین فرمائی، اُسی شدت سے اس میں بحث و مناقشہ سے منع فرمایا، اور درحقیقت اس نظریہ سے اسی طرح فائدہ اٹھانے میں راز ہے، یہ کلی جہان چمکی کہ اُس کی خوشبو اڑ گئی، اس عقیدہ کے تمام وسیع اطراف اور گوشوں کو چھوڑ کر جنکو مستحکمین کی مجادلانہ کاوشوں نے پیدا کیا ہے، قرآن حکیم کی صرف اس آیت کو سمجھ لینا کافی ہے،

وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكَ فِي الْمَلَكِ وَخَلَقَ كُلُّ شَيْءٍ فَقْدًا سَرَّ تَقْدِيرًا، (فرقان - ۱) اور خدا کی سلطنت میں اُس کا کوئی شریک نہیں اور اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اُس کا ایک اندازہ (تقدیر) لگاؤ



ایمان کے نتائج

گذشتہ صفحوں میں ایمان کی حقیقت، اور اسکی چھ شاخوں خدا، فرشتے، رسول، کتاب، یومِ آخر اور قدر کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں، اور دکھایا گیا ہے کہ اُن میں سے ہر عقیدہ کی حقیقت کیا ہے، اسکی صداقت کی دلیلین کین اور اسکی تعلیم میں شائع کئے گئے مصلحتیں رکھی ہیں، اور شروع میں یہ بحث بھی کی جا چکی ہے کہ ہر مذہب میں اور خصوصاً مذہب اسلام میں ایمان کو اولین اہمیت کیوں دینی ہے؟ وہ بحثیں اصول کی تھیں ایمان خاتمہ میں نتائج کی حیثیت سے پھر اوسی دعویٰ کی تکرار کی جاتی ہے یعنی یہ کہ حقیقت ایمانیات اسی لائق ہیں کہ اُن کو مذہب میں ہی اولین درجہ دیا جائے کیونکہ مذہب جن نتائج تک پہنچنا چاہتا ہے، وہاں ایمان کی روشنی کے بغیر پہنچنا ممکن ہی نہیں،

اس سے پہلے کہ ہم کسی موتور پر عمل کریں یہ ضروری ہے کہ ہم اس دستور کی خوبی اور سچائی کا یقین کریں کہ اگر ایسا نہ ہو تو ہم اس پر ایمان داری کے ساتھ نہ تو عمل کر سکتے ہیں، اور نہ ہمارے نفس ضمیر پر اس کا اثر ہو سکتا ہے، یہ حقیقت ہر دلیل سے ثابت ہے کہ ہمارے تمام اعمال ہمارے دل کے تابع ہیں، اس لیے جب تک دل دبزلے گا، ہمارے اعمال میں تغیر نہیں ہو سکتا یعنی ہمارے اعمال کی اصلاح، تاہم ہمارے دل کی اصلاح کے زیر اثر ہے، اور ایمان کا مقصد اسی دل کی اصلاح ہے، کہ اگر یہ درست ہو گیا تو سب کچھ درست ہو گیا،

یہاں ایک خاص نکتہ ہے جس کو سمجھے بغیر آگے نہیں بڑھنا چاہئے، یہودیوں نے سب سے زیادہ اہمیت علیٰ رسم و رواج کو دی تھی، اور عیسائیوں نے اس کے برخلاف صرف ایمان پر نجات و نجات کا دار مار رکھا چنانچہ حواریوں کے خطوط و ملفوظات میں اس تعلیم کو بہت کچھ نمایاں کیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ عملیات نہیں، بلکہ صرف ایمان نجات کا ذریعہ ہے، اسلام کی پہلی تکبیلی شان اس بارہ میں یہ ہے کہ وہ دونوں کی اصلاح کر کے اُن دونوں کو جمع کر رہے

اور کتاب کے نجات نہ تنہا ایمان پر اور نہ تنہا عمل پر بلکہ ایمان صحیح اور عمل صالح کی جامعیت پر موقوف ہے، اَلَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے) دوسری بات یہ ہے کہ وہ ایمان کو محض ایمان کی بنا پر اہمیت نہیں دیتا بلکہ اس لیے اہمیت دیتا ہے کہ وہ عمل صالح کی علت و سبب ہے، یعنی وہ عمل صالح کے لیے راستہ بناتا، اور تخم ریزی کے لیے زمین درست کرتا ہے،

یکہلی ہوئی حقیقت ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، اس لیے نخل ایمان کی شناخت بھی اسکے پھل ہی سے ہو سکتی ہو اب اگر ایسا کوئی شخص تم کو نظر آتا ہے کہ زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتا ہے، مگر اس کے اعمال میں اس ایمان کے مطابق کوئی بہتر تغیر نظر نہیں آتا، تو یہی سمجھنا چاہئے کہ ایمان نے اس کی زبان سے اتر کر اسکے دل کی گہرائیوں میں برگ و بار پیدا نہیں کیا ہے، یہی سبب ہے کہ قرآن پاک ہر نیکی اور ہر خوبی کو ایمان کا حصہ اور مومنوں کا وصف لازم بتاتا ہے، ہر اہم موقع پر اس نے مسلمانوں کو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا، اسے وہ لوگو! جو ایمان لائے،

کی نذر سے خطاب کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان احکام پر وہی عمل کر سکتے ہیں جو ایمان سے متصف ہیں بہت سے موقعوں پر ہے،

إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ، اگر تم ایمان والے ہو،

اس سے معلوم ہوا کہ یہ بات ایمان والوں ہی کے لیے خاص ہے، اور وہی اس کے اہل و سزاوار ہیں فرمایا وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (بقہ ۷۰) ایمان والے سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں،

اس سے معلوم ہوا کہ محبت الہی ایمان کی بہت بڑی علامت ہے، ایک اور سورہ میں ہے،

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا

إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ يُجَاوِبُونَ قَوْلَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ

يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ

سننا اور منہ مانا، اور انہیں لوگوں کا بھلا ہے،

(نور ۶۴)

اس سے ظاہر ہوا کہ ایمان کا ایک نتیجہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت، اور اس کے فیصلہ کے آگے سر جھکانا،
دوسری آیت میں فرمایا،

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (حجرات - ۱) ایمان والے تو آپس میں بھائی ہیں،

اس سے نتیجہ نکلا کہ مسلمانوں میں باہمی محبت اور شفقت ہونا بھی ایمان کی نشانی ہے ایک اور آیت میں ہے
وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (الاعراف) اور خدا ہی پر چاہئے کہ ایمان والے بھروسہ کریں،
معلوم ہوا کہ خدا پر بھروسہ اور توکل اہل ایمان کی شان ہے، سورہ مومنون میں اہل ایمان کے اوصاف
یہ بتائے گئے ہیں،

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ، وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ، وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ، وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ.....	بے شبہ اہل ایمان نے بھلائی پائی، جو اپنی نماز میں اس سے جھکے رہتے ہیں اور جو بکلی بات پر دھیان نہیں دیتے اور جو زکات ادا کرتے ہیں، اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں.....
وَالَّذِينَ هُمْ لَا مُتَّبِعِهِمْ وَهُمْ رَاِعُونَ، وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ	اور جو اپنی امانتوں اور وعدوں کی نگرانی رکھتے ہیں، اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے

(مومنون - ۱) ہیں،

ان آیتوں سے اہل ایمان کے ضروری اوصاف یہ معلوم ہوئے، نماز میں خضوع و خشوع، بے کار باتوں سے احتراز، زکوٰۃ و خیرات دینا، عفت و پاکدامنی، امانت، ایقانہ عہد، نمازوں کی پابندی۔ ان آیتوں میں ایک عجیب رمز ہے، ویکو کہ اہل ایمان کے اوصاف کا آغاز بھی نماز سے کیا گیا اور انجام بھی نماز پر رکھا گیا، اس سے اشارہ نکلا کہ نماز ایمان کی اولین و آخرین نشانی ہے، اور اسی لیے ایمان کے بعد سب سے زیادہ اس پر زور دیا گیا ہے،

ہم نے یہ چند آیتیں بیان مثلاً نقل کی ہیں، ورنہ اگر کوئی استقصا کرے تو قرآن میں ایمان کے اثرات و نتائج اور بہت سے ملین گے، احادیث میں بھی اس مضمون کی کمی نہیں، صحیح حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کی کچھ اور پندرہ شاخیں ہیں۔ حافظ ابھتی نے اپنی کتاب شعب الایمان میں مختلف حدیثوں سے ایمان کی ان پندرہ شاخوں کو ایک ایک کر کے گنا یا ہے، اس کتاب کا خلاصہ مختصر شعب الایمان کے نام سے چھپ بھی گیا ہے۔ ایک حدیث میں ایمان کی شناخت اخلاق کی پاکیزگی کو بتایا گیا ہے، آپ نے فرمایا،

اکمل المؤمنین ایماناً احسنهم خلقاً مومنون میں اسکا ایمان سب سے زیادہ کامل ہے جس کے

(سنن ابی داؤد۔ کتاب السنۃ) اخلاق سب سے اچھے ہیں،

حب اخلاق کا اساسی مرکز محبت ہے، یہ محبت سب سے پہلے تو اُسی ہستی سے ہونی چاہیے جو تمام محبتوں کا مرجع و مرکز ہے یعنی اللہ تعالیٰ، اور اُس کے بعد اسی محبت الہی کے ضمن اور تسبیح میں اُس ہستی سے بھی محبت کرنا ضرور ہے، جس کی ہدایت اور تعلیم کے وسیلہ سے یہ جو ہر ایمانی ہم کو ہاتھ آیا، اس محبت کے سامنے دوسری تمام نیکیاں محبتیں اور قربات اور رشتہ داری کے علاوہ بیچ ہیں، فرمایا

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ قَم مِّنْ سَعَىٰ قَوْمٍ أَسَافَتِ بَنِي إِسْرَٰءِيلَ

مَنْ وَلَدَكَ وَوَالِدَكَ وَالنَّاسَ أَجْمَعِينَ جَب تَمِّنْ سَعَىٰ قَوْمٍ أَسَافَتِ بَنِي إِسْرَٰءِيلَ

(مسلم وغیرہی کتاب الایمان) والدین، اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہو

ایمان کا تیسرا اثر یہ ہے کہ اُس کو اپنی ہم جنس برادری اور پڑوسی سے بھی اُسی طرح محبت پھیرا اور اخلاص ہو

جس طرح خود اپنے آپ سے فرمایا،

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَحِبَّ أَخِيَّهُ وَابِلَا رَهَاءٍ وَلَا كِبَاءٍ قَم مِّنْ سَعَىٰ قَوْمٍ أَسَافَتِ بَنِي إِسْرَٰءِيلَ

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَحِبَّ أَخِيَّهُ وَابِلَا رَهَاءٍ وَلَا كِبَاءٍ قَم مِّنْ سَعَىٰ قَوْمٍ أَسَافَتِ بَنِي إِسْرَٰءِيلَ

نفسہ، (غیرہی و مسلم کتاب الایمان) وہ اپنے بھائی پڑوسی (راوی کو خشک ہو) کیلئے ہو نہ

وہ اپنے بھائی پڑوسی (راوی کو خشک ہو) کیلئے ہو نہ

آپ نے ایک دفعہ صحابہ کو خطاب کر کے فرمایا جب تک تم مومن نہ بنو گے جنت میں داخل نہ ہو سکو گے، اور مومن نہ بنو گے جب تک تم آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو گے، میں تمہیں بتاؤں کہ تم میں آپس میں محبت کیونکر ہو سکتی ہے، آپس میں سلام پھیلادو، (مسلم کتاب الایمان)

یہ محبت کسی نمائش، ریا، یا ذاتی نفع و نقصان کے لیے نہ ہو، بلکہ خدا اور صرف خدا کے لیے ہو، فرمایا تین باتیں جن میں اُس نے ایمان کا مزہ پایا، اول یہ کہ اُس کے دل میں خدا اور رسول سے بڑھ کر کسی اور کی محبت نہ ہو، دوسرے یہ کہ بندگانِ خدا سے صرف خدا کے لیے محبت کرتا ہو، تیسری یہ کہ کفر سے نجات پانے کے بعد پھر ایمان آلودہ ہونا اس کے لیے اتنا ہی تکلیف دہ ہو جتنا آگ میں ڈالا جانا، ایک صحابیؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہؐ کامل اسلام کس مسلمان میں ہے فرمایا اُس مسلمان میں جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے، فرمایا کہ ایمان کی شتر سے کچھ اوپر شاخیں ہیں جن میں سے ایک شرم و حیا ہے، یہ بھی تعلیم دی کہ جب کو خدا اور آخرت پر ایمان ہو، اُس کو چاہئے کہ زبان سے بات نکالے تو اچھی، ورنہ چپ رہے، جس کو خدا اور آخرت پر ایمان ہو اُس کو چاہئے کہ اپنے پڑوسی کو دکھ نہ پہنچائے جب کو خدا اور آخرت پر ایمان ہو اُس کو چاہئے کہ ہمان کی عزت کرے، ایک صحابیؓ آپ کے اس ارشاد کو نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی اگر کوئی بڑائی دیکھے تو اُس کو ہاتھ سے منادے، یہ نہ ہو سکے تو زبان سے ٹوک دے، یہ بھی نہ ہو سکے تو اپنے دل میں اُسکو برا سمجھے، اور یہ ایمان کا آخری درجہ ہے۔

اس کے بالمقابل آپ نے متنبہ فرمایا کہ نفاق کی چار نشانیاں ہیں، حسین اُن میں سے ایک بھی پائی جائے اس میں اتنا نفاق کا عنصر موجود ہے اگرچہ وہ نماز گزار اور روزہ دار ہی کیوں نہ ہو، اور اپنے کو وہ مسلمان ہی کیوں نہ سمجھتا ہو، ایک یہ کہ گفتگو کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو توڑ دے، امانت سپرد کیجائے تو خیانت کرے، غصہ آئے تو گالی دے۔ اس تفصیل سے ظاہر ہو گا کہ تمام نیکیاں، اور ہر قسم کی بھلائیوں اور خوبیاں جس ایک جڑ کی شاخیں ہیں وہ ایمان ہے، اور اسی لیے وہ مذہب کا اصل الاصول ہے، وہ نہ ہو تو انسانی نیکیوں کی ساری عمارت بے بنیاد ہے، لیکن

لے یہ تمام روایتیں صحیحین کتاب الایمان میں ہیں، لے صحیح بخاری و مسلم کتاب الایمان پیش نظر مسلم ہے،

اس سے کسی کو شبہ نہ ہو کہ ایمان کے بعد عمل کی ضرورت نہیں، کہ اسلام نے اسی نکتہ کو بار بار ادا کیا ہے کہ نجات کا مدار ایمان اور عملِ صالح دونوں پر ہے، اسی لیے اَمْنُوْا کے ساتھ سَاتَّوْا وَاَعْمَلُوا الصَّالِحَاتِ پر بھی اُس نے ہمیشہ زور دیا ہے، بلکہ جو کچھ کہا گیا ہے اُس کا منشا یہ ہے کہ ان دونوں میں ایمان اصل، اور عمل اسکی فرع ہے، ایمان ملزوم اور اعمالِ حسنہ اُس کے خصوصیات اور لوازم ہیں، یعنی ان دونوں میں اصل فرع اور لازم و ملزوم کا تعلق ہے، جو ایک دوسرے سے الگ اور جدا نہیں ہو سکتے، اس لیے جس طرح ایمان کے بغیر عمل سرسبز نہیں رہ سکتا، اسی طرح عمل کے بغیر ایمان ایک بے برگ و بار درخت ہے، جس کا فائدہ کے لحاظ سے عدم وجود برابر ہے، اس بنا پر جہاں ایمان ہے اُس کے عملی نتائج و آثار کا وجود بھی ضروری ہے،

کاغذ کے ساتھ سو صفحے سیاہ ہو چکے، ناظرین کے ہاتھ ان اوراق کی گراں باری سے، اور آنکھیں ان سطور کی غم سوا دی سے تھک چکی ہوں گی اسیلئے بہتر ہے کہ رہبرِ قلم کے ساتھ قافلہٴ نظر کے دوسرے رفقا بھی کچھ دیر آرام کریں
بہرچند کہ

رہروان راختگی راہ نیست،

عشق ہم راہ است ہم خود منزل است؛

سیلمان ندوی

رمضان ۱۴۵۰ھ

والسائین



تصحیح غلط متاح سیرۃ ابی جلد ہفتم آیات قرآنی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۲	۱۸	الَّذِي	الَّذِي	۴۲	۱۳	هُم	هُم
۱۹	۱۵	مُسَخَّرَاتٍ	مُسَخَّرَاتٍ	۵	۱۲	وَاللَّهُ	وَاللَّهُ
۱۹	۲	كَلِي	لَمْ يَكُنْ	۱۹	۱۹	رُسُلًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ	رُسُلًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ
۱۱	۵	رَبِّكَ	رَبِّكَ	۴۲	۳	الْمُصْطَفِينَ الْأَخْيَارَ	الْمُصْطَفِينَ الْأَخْيَارَ
۲۹	۹	عَلَيْهِمْ	عَلَيْهِمْ	۵	۴	إِنِّي	إِنِّي
۷	۱۵	مَعَهُمْ	مَعَهُمْ	۴۵	۱	سَوَاءٌ	سَوَاءٌ
۳۳	۱	هُرُونَ	هُرُونَ	۴۴	۱۸	وَاللَّهُ عَزِيزٌ	وَاللَّهُ عَزِيزٌ
۵	۸	أَتَيْنَهُمْ	أَتَيْنَهُمْ	۴۹	۱۲	فَقَحَا	فَقَحَا
۴۸	۱۴	يَكَلِّمُهُ	يَكَلِّمُهُ	۵	۱۵	فَقَحَا	فَقَحَا
۷	۱۸	فَيُوقِي	فَيُوقِي	۷	۱۴	يُضْرَكُ	يُضْرَكُ
۵۲	۵	أَتَّبَعُوا	أَتَّبَعُوا	۸۴	۹	(اسرائیل - ۱۱)	(اسرائیل - ۱۱)
۷	۶	الْحَقِّ	الْحَقِّ	۷	۱۹	(ابراہیم - ۲)	(ابراہیم - ۲)
۵۳	۹	أَنْبَاءِ	أَنْبَاءِ	۸۸	۸	بِمَا نَزَلَتْ	بِمَا نَزَلَتْ
۵۴	۳	عَبَّ	عَبَّ	۷	۱۱	يَحْنُ	يَحْنُ
۵۵	۱۲	أَلْتَنَّى	أَلْتَنَّى	۷	۱۲	يَمُنُّ	يَمُنُّ
۵۶	۲	وَالَّتِي	وَالَّتِي	۸۹	۱۹	لَهُمْ	لَهُمْ
۷	۷	(مریم - ۴)	(مریم - ۴)	۹۰	۱۴	تَاتِي	تَاتِي
۶۲	۱	وَتَجَاوَزَ	وَتَجَاوَزَ	۹۱	۱۰	مَلِكًا	مَلِكًا
۶۵	۱۳	فَأَنفَعُوا	فَأَنفَعُوا	۱۱۲	۱۹	عَمَّا	عَمَّا
۷۱	۱۴	فَبَشِّرْهُمْ	فَبَشِّرْهُمْ	۱۲۰	۱۴	اللَّهُ	اللَّهُ
۷۲	۲	يَقُولُ	يَقُولُ	۱۲۹	۱۱	اخْتَلَفْتُمْ مِنْ	اخْتَلَفْتُمْ مِنْ
۷	۱۲	بَسْطَ	بَسْطَ	۷	۷	فَخَلَعَهُ	فَخَلَعَهُ

صفو	سطر	فقط	صحيح	صفو	سطر	فقط	صحيح
١٢٩	١٥		اَتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ	١٩٣	٣		اَلْحَيُّ
١٣٠	٨		كَانُوا اَلْعٰلَمُونَ	١٩٥	١٤		اَلثَّالِثَةُ
١٣١	١٨		بَيِّنَةٍ	٢٠٣	٢		لَيَمْعَسَنَّ
١٣٢	٥		اَقْرَأْهُ	٢١٨	١		اَلْخَمْرُ
١٣٣	٣		اَللّٰهُ	٢٢٧	٨		وَلَا يَسْرِقَنَّ
١٣٤	١٤		قَوْلٍ	٢٣١	١٤		اَلتَّرَابِ
١٣٥	٨		مِنْ قَبْلِ	٢٣٢	(حاشية)		اِذَا الشَّمْسُ
١٣٦	٥		اِنَّمَا	٢٣٣	١٠		وَالنَّوَا
١٣٧	١٨		اَلْبَلٰغُ	٢٣٤	١٨		اِنَّ
١٣٨	١٩		شَيْءٍ مِّنْ	٢٣٥	٧		مِّنْ
١٣٩	١		اَلَّذِيْنَ		١٣		مِنْ
١٤٠	٥		اَلْبَلٰغُ				مَلَكًا
١٤١	١١		فَاَنْ	٢٣٧	١٢		اَلْقُرْآنَ
١٤٢			كُنَّمَا	٢٣٨	١٨		(بني اسرائيل - ١١)
١٤٣	٤		اَلْمِيزَانَ		١٩		مَوْدَّةً
١٤٤	١٤		لَيَقْفُرَنَّ النَّاسُ	٢٣٩	١٠		لَيَسْقُذَنَّ
١٤٥	٢		لِعِبَادِنَا	٢٤٠	٧		مَنْ حَقَّ لَهَا مِنَ الْاَعْرَابِ
١٤٦			اَلْمُرْسَلِيْنَ		١٠		ذِكْرُ
١٤٧	١٠		لَهُمْ				مَسِيْنٌ
١٤٨	١٤		اَسْتَأْذِنَ	٢٤١	٢		(اعراف - ١٩)
١٤٩	١٠		يَكْفُرُوْنَ	٢٤٢	١٠		(يوسف - ١١)
١٥٠	١١		حَقٍّ		١٩		(ذاريات - ٣)
١٥١	١٩		عَنْ مَّقَاضِيْعِهِ	٢٤٣	٢		(حاشية - ٢)
١٥٢	٢		لَيَسْتَرْوَا	٢٤٤	١٥		اِنَّمَا
١٥٣	١٢		اَلْاَنفُسُ	٢٤٥	٣		كُلُّهُمْ
١٥٤	١٢		النَّاسِ		١١		فَاَجِزْ
١٥٥	١٣		(نساء - ٤ - ٨)	٢٤٦	٤		مِّنَّا
١٥٦	١٢		لَيَسْمُوْنَ	٢٤٧	١٤		اَجْدَدُ
١٥٧	١٨		وَلَا يَأْمُرُكُمْ	٢٤٨	١		مِنْ مَّاءٍ
١٥٨	٥		شَهَادَتُهُمْ				اَلْاَرْضِ
١٥٩	٧		(زخرف - ١ - ٢)		٢		الرَّيْحِ

صفحة	سطر	غلط	صحیح	صفحة	سطر	غلط	صحیح
٣٠٢	٨	خَزَائِنُ	خَزَائِنُ	٢٢٣	١	يَا قِي	يَا قِي
٣٠٤	٧	لَقِ	وَلَقِ	٢٢٤	١١	لَهُمْ	لَهُمْ
٣٢٩	٢	رَبُّهُمْ	رَبُّهُمْ سَرَّادًا	٢٢٥	٢٧	فَانْتَه	فَانْتَه
٣٠٥	١٣	وَلَهُ مَا	وَلَهُ	٢٢٦	١٤	وَاذْكُرُوا	وَاذْكُرُوا
٣٣١	١٢	يُعَذِّبُهُمْ	يُعَذِّبُهُمْ	٢٢٧	١٥	الْحَكِيمُ	الْحَكِيمُ
٣٠٦	١٨	اللَّهُ	اللَّهُ	٢٢٨	٨	فَيُنْجِي	فَيُنْجِي
٣٣٥	٤	تَأْتِي	تَأْتِي	٢٢٩	١١	بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِ عَلِي	بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِ عَلِي
٣٣٧	١	ذِكْرِي لِقَوْمٍ	ذِكْرِي لِقَوْمٍ	٢٣٠	١٨	سَرَّادًا	سَرَّادًا
٣٣٨	١٧	بَنِي	بَنِي	٢٣١	٨	عَلَيْهَا	عَلَيْهَا
٣٣٩	١	(العام - ٧)	(العام - ٥)	٢٣٢	١٥	وَمَنْ	وَمَنْ
٣٤٠	٢	اللَّهُ	اللَّهُ	٢٣٣	٥	يَقُومُكُمْ	يَقُومُكُمْ
٣٤١	١٧	لَعْنِ	لَعْنِ	٢٣٤	١٠	الْآخِرَةِ	الْآخِرَةِ
٣٤٢	١	(ليس - ١)	(ليس - ٢)	٢٣٥	١٧	(احزاب - ٥)	(احزاب - ٥)
٣٤٣	١٤	(نجم - ٣)	(نجم - ٢)	٢٣٦	١٣	(احزاب - ٥)	(احزاب - ٥)
٣٤٤	١٨	شَفَعَاءُ	شَفَعَاءُ	٢٣٧	١٧	لَعْنَةُ	لَعْنَةُ
٣٥٠	١٨	وَمَا	وَمَا	٢٣٨	٢	سَرَّادًا	سَرَّادًا
٣٥١	١٨	عَظِيمٌ	عَظِيمٌ	٢٣٩	١٤	سَرَّادًا	سَرَّادًا
٣٥٢	١٥	تُخْرِجُ	تُخْرِجُ	٢٤٠	١٩	وَلَهُ مَنْ	وَلَهُ مَنْ
٣٥٣	١٩	ذَلِكَ	ذَلِكَ	٢٤١	٩	يُسَبِّحُ	يُسَبِّحُ
٣٥٤	١٣	لِلْعَالَمِينَ	لِلْعَالَمِينَ	٢٤٢	١٩	تُخْرِجُ	تُخْرِجُ
٣٥٥	١	وَالْأَرْضِ	وَالْأَرْضِ	٢٤٣	٤	وَلَا يَأْمُرُ	وَلَا يَأْمُرُ
٣٥٦	١٢	(نجم - ٢)	(نجم - ٣)	٢٤٤	٧	السَّمَوَاتِ السَّبْعِ	السَّمَوَاتِ السَّبْعِ
٣٥٧	١٣	(العام - ١-٨)	(العام - ٩)	٢٤٥	٩	شَهَادَتُهُمْ	شَهَادَتُهُمْ
٣٥٨	١٣	اللَّهُ	اللَّهُ	٢٤٦	١	إِلَى قَوْمٍ	إِلَى قَوْمٍ
٣٥٩	٥	دَعُوا	ادْعُوا	٢٤٧	٣	وَأَقِ	وَأَقِ
٣٦٠	١٨	ذُرِّ	ذُرِّ	٢٤٨	١٣	الْعَظِيمِ	الْعَظِيمِ
٣٦١	١٩	الْأَرْضِ	الْأَرْضِ	٢٤٩	٢	وَأَنْ	وَأَنْ
٣٦٢	٥	دَعُوا	ادْعُوا	٢٥٠	١١	وَمِنْهُمْ	وَمِنْهُمْ
٣٦٣	١١	أَلِيمٌ	أَلِيمٌ	٢٥١	١٩	وَالَّذِينَ	وَالَّذِينَ
٣٦٤	٣	(رأسين - ٢)	(رأسين - ١)	٢٥٢	٣	(آل عمران - ٩)	(آل عمران - ٩)
٣٦٥	٥	رَحْمَتِي	رَحْمَتِي	٢٥٣	١٨	(أعلى - ١)	(أعلى - ٢)

صفحہ	سطر	نقطہ	صحیح	صفحہ	سطر	نقطہ	صحیح
۴۷۶	۴		فَبِهَذَا هُمْ	۵۳۸	۲		السَّمَاءُ
۴۹۳	۶		إِلَيْنَا	۵۳۹	۱۵		الْيَوْمَ
۴۹۶	۱۰		وَيُنَبِّئُ	۵۴۵	۱۶		نَبُوءًا
۴۹۹	۱۰	(ماثیہ)	(رخل-۱۲)	۵۴۲	۱۲		شَرِاضِيَّةٍ
۵۰۰	۲	(نہر-۴)	(نہر-۳)	۵۴۳	۱۱		خَرَدَلٍ
۵۱۳	۴		تَبَرَّأَ	۵۴۸	۱		تَظْمُونًا
۵۱۴	۳	(سجد-۲)	(سجد-۱۰۴-۲)	۵۴۹	۱۶		الْقُرْأَى وَ
۵۱۹	۱۷		وَلِيَقَرَّ	۶۱۰	۲		خَلِيدِينَ
۵۲۲	۶		وَلِيَقَرَّ	۶۱۳	۱۲	(سجد-۲۰-۵)	أُولَئِكَ
۵۲۳	۷		وَلِيَقَرَّ	۶۲۰	۱۵		وَأَنَّ
۵۲۴	۸	(مومن-۱)	(مومن-۶)	۶۲۵	۱۶		أَسَاوِرَ
۵۲۵	۹		لِيَقَرَّ	۶۲۸	۶		عَدَنٍ
۵۲۶	۱۰		لِيَقَرَّ	۶۵۷	۱۵		وَمُشْرَبًا
				۶۶۷	۱۶		كَالْعُرْجُونِ

اس کے ساتھ

۴	۱۷	ہم نے	۴۵	۱۶	چاروں	۴۷	پانچوں
۱۱	۱۵	اُن کے لیے	۴۶	۱	کرتا چلا گیا ہے	۴۸	کرتے چلے گئے ہیں
۲۱	۲	میں سے جس	۵۶	۱۹	اس جلدی سے	۴۹	اتنی جلدی
۲۲	۱۱	حکومت قائم	۵۸	۷	ہوتا ہے	۵۰	اُن کے
۲۳	۱۲	اُن کی	۶۰	۱۰	اس کو	۵۱	اُن کو
۲۸	۷	کی بڑی	۶۲	۵	اس کے	۵۲	اُن کے
۳۱	۱	کو کے	۷۷	۱۸	غالب	۵۳	وہاں
۳۲	۱۹	بخشا	۷۸	۱۲	اُن کا	۵۴	اس کا
۳۳	۴	میں سے ہے	۸۲	۱۲	ہم	۵۵	اللہ
۴۳	۱۷	وجود	۸۵	۱۵	کرین	۵۶	کے
۴۵	۴	چوتھا	۸۵	۱۶	بخشا	۵۷	بخنے
۴۶	۵	پانچواں					

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۸۷	۸	کو	سے	۱۵۹	۹	تفصیل	تفصیل
"	۱۲	کو	کی	"	۱۸	رہنماید	رہنماید
۹۰	۱۱	میرے	ہمارے	۱۶۲	۱۰	حقیقت	حقیقت
۹۴	۱۳	نزدوری	نزدوری	۱۶۷	۱۷	بہینکرمی	بہینکرمی
۹۶	۸	چاراجتہادی	پانچ اجتہادی	"	۱۵	تیار بنین کیا	تیار بنین کیا
۹۸	۹	غالب کو	غالب میں	۱۷۰	۱۱	تعبین	تعبین
۱۰۴	۱۶	بن اور	ہے اور	۱۷۶	۸	چودہ	چودہ سو
۱۰۶	۷	رکھتا ہے	رکھتی ہے	۱۸۰	۱۰	لگے رہے	لگے رہے
۱۰۸	۳	اُس کے	اُن کے	"	۱۹	اسے اسرائیل	اسے اسرائیل
۱۳۲	۶	شرح کرنا	شرح کردی	۱۸۱	۱	معبود ہو	معبود ہو
"	۱۱	کے	کا	۱۸۵	۱۹	وقت	وقت تک
۱۳۳	۶	بہراگیا	بہری گئی	۱۸۹	۱	سچی	سچا
۱۴۱	۱	لوگوں کو	لوگوں کا	۱۹۲	۱۶	خدا کا کا	خدا کی کا
۱۴۳	۸	علیم	علیم السلام	۱۹۳	۲	کا بنایا	بنایا
۱۴۵	۳	نبوت	انبیاء	"	۸	کیا ہے وہ	کیا اور وہ
۱۴۶	۱	اُن	اُس	۱۹۶	۱۸	ایک	اک
۱۴۷	۳	انذار	انذار	۲۲۰	۱۰	جابل	جاہلی
"	۴	"	"	۲۲۴	۲	قافے	قافے
۱۴۸	۱۹	لَحْجَاب	لَحْجَاب	۲۲۶	۱۶	قسم کے	قسم کی
۱۴۹	۳	رسول کو	رسول کے لیے	۲۴۰	۱۲	قال کے	قال کے بغیر
"	۱۲	یہ منشاء	ان کا یہ منشاء	۲۴۴	۷	ان کے	ان کی
۱۵۳	۸	اُس کو	اُن کو	۲۶۴	۵	کھوکھلا پن	کھوکھلے پن
"	۱۵	شروع	م شروع	۲۷۲	۱۳	پہنچاے	پہنچائے
"	۷	دیا	دیا تھا	۲۷۳	۶	کے بدوی	کے بدوی (رکے بدوی)
۱۵۴	۲	اُن کو	اُس کو	۳۰۷	۶	محمدؐ	اور محمدؐ
"	۱۷	اُن کا	اُس کا	۳۲۶	۸	مقصود	مفقود
۱۵۵	۸	کو پیشوا	کو ایسا پیشوا	"	"	درجہ	درجہ
"	۱۲	انسان جن	انسان جب	۳۵۰	۱۸	اور ظالمون	ظالمون
۱۵۶	۹	برابر کا	برابر کی	۳۶۶	۱۸	اس میں	ان میں
"	۱۲	اسی میزان	میزان شریعت	۴۱۱	۱۰	قراز	قراز
۱۵۷	۳	اور ایک	اور	۴۲۸	۴۲۸	احکام کے	احکامات

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۳۲	۱۸	اس نے	انھوں نے	۴۴۵	۹	ور نہ کسی	اور نہ کسی
۴۳۳	۸	ادا ہوے	ادا ہوا	۴۸۲	۴	اسی بنا پر	اس بنا پر
۴۳۶	۵	وغیر	وغیرہ	۴۸۳	۱	جھٹلایا	جھٹلایا
۴۳۹	۱	پوری	پورا	۵۰۳	۷	پنے	اپنے
۴۴۳	۱۱	فرشتوں کو	فرشتوں کو اپنے حکم سے	۵۱۷	۱۹	آل فرعون	آل فرعون کے ذکر میں ہر
۴۴۴	۸	اور ان پر	اور اس پر	۵۲۳	۹	اس مٹی	ان مٹی
۴۴۷	۱۹	جو کچھ ہے	جو کوئی ہے	۵۲۷	۱۵	گر کر گئے	گر گئے
۴۴۸	۹	سبکی	اور سبکی	۵۳۸	۱۱	ہین	ہے
۴۵۱	۷	آسمان	ساتون آسمان	۵۷۲	۶	کے ناپ	کی ناپ
۴۵۵	۱۳	اور ہم	اور ہم نے	۵۷۲	۱۲	جس کے تول بھائی ہوئے	جس کی تول بھائی ہوئی
۴۵۶	۵	ہوتا ہے	ہوتا تھا	۵۷۲	۱۳	جس کے تول ہلکے ہوئے	جس کی تول ہلکی ہوئی
۴۶۱	۹	اور علانیہ	اور قرآن نے علانیہ	۵۹۷	۱۶	آبادیوں کو ہلاک	آبادیوں کو ظلم سے ہلاک
۴۶۲	۱۰	کام کیا	کام نہیں کیا	۶۲۴	۱۸	پھینکین گی	پھینکے گی
۴۶۳	۴	مطابق ہیں	مطابق ہے	۶۳۷	۱۳	وہ اس کو ایک	وہ ان کو ایک
۴۶۴	۱۱	ایک	ایک کو	۶۵۱	۱۲	احس	جس
۴۶۶	۱۹	اور جو	اور	۶۵۷	۱۵	اور پینے	پینے
۴۶۷	۷	اور جو کچھ	اور جو کچھ	۶۷۱	۱۶	ہر روحانی	اور تمام روحانی

